معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ

الحمد للہ وللہ المنۃ کہ دریں زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق و معارف
خزینۂ اسرار و لطائف کشاف مشکلات قرآنیہ و وصاف مخدرات فرقانیہ

مُسمّٰی بہ

معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد سوم مشتمل بر تفسیر پارہ ۸ ۹ ۱۰ ۱۱

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۔

نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل سیٹ :- ۸ جلد

صفحات جلد ۳ ۲۶۰

کتابت متن قرآن کریم : خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور

کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ

تعداد طبع اول :- سنہ ۱۴۱۹ھ ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

تعداد طبع دوم :- سنہ ۱۴۲۲ھ

پریس : القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور سندھ پاکستان

فون ۴۲۲۷۶ - ۴۱۳۷۶ (۰۲۲۳۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس۔ المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ
نزد لسبیلہ چوک کراچی۔ پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰

لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

شہدادپور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

اہم نوٹ

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ لہٰذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہِ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے درست کیا جا سکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

خط و کتابت کیلئے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم .

اجازت نامہ

برائے اشاعت معارف القرآن ، بنام مکتبۃ المعارف شہدادپور

قرآن پاک معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ جو کہ دار العلوم الحسینیہ (جسکو)
شہدادپور والے حضرات نے خود دوبارہ لکھوایا ہے اور چھاپا ہے .

ہماری طرف سے اجازت ہے . ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو
چھپوائیں اور فروخت کریں .

[illegible]

27/1/99

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین معارف القرآن جلد سوم

پارہ ۸، ۹، ۱۰، ۱۱

سورۃ انعام، اعراف، انفال، توبہ، یونس

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۳	قصۂ اصحاب سبت	۲۳۴
۸۴	لطائف و معارف ۔ فرضیت امر بالمعروف ونہی عن المنکر از آیت بالا	۲۳۶
۸۵	ذکر تسلیط عذاب ذلت بر یہود تا روز قیامت	۲۳۹
۸۶	عہدِ الست ۔ مع اسرار وحکم	۲۴۳
۸۷	عہدِ الست کے بارے میں معتزلہ کا مذہب	۲۴۴
۸۸	اہلسنت والجماعت کا مذہب	۲۴۵
۸۹	لطائف ومعارف متعلقہ بآیت اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ	۲۴۶
۹۰	دیدہ ودانستہ حق سے انحراف اور ہوا پرستی کا حال ومآل اور اسکی مثال ۔ ضمناً بلعم بن باعورا کا قصہ ۔	۲۵۳
۹۱	آیات کا شان نزول	؍؍
۹۲	اہل ایمان کو نصیحت اور توحید اور دعا کی ترغیب	۲۵۶
۹۳	آیت وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ الخ کے متعلق شبہ اور جواب	۲۵۸
۹۴	تہدید بر عدم نظر وفکر وتذکیر موت	۲۵۹
۹۵	تذکیر آخرت وذکر قیامت	۲۶۱
۹۶	اثبات توحید وابطال شرک	۲۶۵
۹۷	آیت وَجَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ کی تفسیر اور حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت کیمتعلق شبہ وازالۂ شبہ ۔	۲۶۶
۹۸	ابطال شرک وبت پرستی	۲۶۸
۹۹	فائدہ (آیت وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ کی توضیح)	۲۷۰
۱۰۰	جواب شبہ کفار دربارۂ رسالت	۲۷۱
۱۰۱	تعلیم ادب قرآن	؍؍
۱۰۲	آیت وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا کی تفسیر اور قرارت خلف الامام کی تشریح اور یہ بات کہ یہ آیت خاص مقتدی کے حق میں نازل ہوئی ہے الخ	۲۷۲
۱۰۳	استماع اور انصات میں فرق	۲۷۹
۱۰۴	مذہب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	۲۸۰
۱۰۵	حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا مذہب	؍؍
۱۰۶	حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب	۲۸۱
۱۰۷	حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا مذہب	۲۸۳

کتابت ساجد شہدادپور

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى

اور اگر ہم اُن پر اتاریں فرشتے اور اُن سے بولیں مردے

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا

اور جلادیں ہم ہر چیز کو اُن کے سامنے ہرگز ماننے والے نہیں

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ

مگر جو چاہے اللہ پر یہ اکثر نادان ہیں اور

كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ

اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے دشمن شیطان آدمی

وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ

اور جن سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع باتیں

غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا

فریب کی اور اگر تیرا رب چاہتا تو یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے وہ جانیں اور

يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

ان کا جھوٹ اور تا جھکیں اُس طرف دل اُن کے جو یقین نہیں رکھتے

بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

آخرت کا اور وہ اُس کو پسند کریں اور تا کیے جاویں جو غلط کام کر رہے ہیں

بیان کیفیت عناد معاندین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ ... اِلٰى ... وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ

(ربط) گذشتہ آیت وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ میں معاندین کے عناد کو

اجمالاً ذکر فرمایا اب ان آیات میں ان کے عناد کی تفصیل فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ اُن کے عناد کی کیا کیفیت ہے وہ یہ ہے کہ اگر اُن کے فرمائشی معجزات سے بڑھ کر بھی اُن کو معجزات دکھلا دیئے جائیں تب بھی یہ لوگ عناد اور ضد کی بناء پر حق کو ماننے والے نہیں اور ساتھ ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی بھی ہے کہ آپؐ ان معاندین کے بیجا سوالات اور فرمائشی معجزات سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں یہ بات کچھ آپ کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر نبیؑ کے زمانہ میں اس قسم کے لوگ ہوتے رہے جو اُن سے دشمنی کرتے تھے اور اس قسم کے بیجا سوالات اُن سے کیا کرتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان معاندین کے عناد اور ضد کی یہ کیفیت ہے کہ ہم اُن کی طرف فرشتے بھی اتار دیں جو آپؐ کی نبوت ورسالت اور آپؐ کی صداقت کی شہادت دیں جیسا کہ وہ کہتے تھے لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا - اور مردے بھی زندہ ہو کر اُن سے باتیں کرنے لگیں اور آخرت کے چشم دید حالات ان کے سامنے بیان کرنے لگیں جیسا کہ وہ کہتے تھے فَأْتُوْا بِاٰبَآئِنَا اور ہر چیز کو گروہ گروہ اُن کے سامنے جمع کر دیں اور سب چیزیں تیری نبوت کی شہادت دیں یعنی حیوانات اور نباتات اور جمادات جمع ہو کر اُن کی آنکھوں کے روبرو آپؐ کی نبوت کی گواہی دیں تو یہ کافر جب بھی ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے یعنی خدا ہی کو منظور ہو تو یہ ایمان لا سکتے ہیں کہ اُس سے بڑھ کر کوئی زبردست نہیں مگر اپنی مرضی سے تو یہ کسی طرح بھی ایمان لانے والے نہیں خدا ہی چاہے تو ان کی شقاوت کو سعادت سے بدل سکتا ہے لیکن اکثر ان میں سے نادان ہیں جہالت کے باعث معجزات قاہرہ طلب کرتے ہیں خواہ مخواہ کی فرمائشیں جہالت کی دلیل ہے حق کی تو طلب نہیں اور دلائل حقہ کی طرف توجہ اور التفات نہیں بے دلیل جو دل میں آیا کہہ دیا یہ جہالت نہیں تو کیا ہے عدالت میں مدعی سے گواہی طلب کی جاتی ہے اور مدعا علیہ کو یہ حق ہوتا ہے کہ گواہوں پر جرح کرے اور گواہوں کا ناقابل شہادت ہونا ثابت کرے لیکن اگر مدعیٰ علیہ مدعی کی پیش کردہ شہادت پر تو کوئی جرح نہ کر سکے مگر یہ کہے کہ میں تو اس دعویٰ کو جب تسلیم کروں گا کہ فلاں فلاں اشخاص اس کی شہادت دیں تو عدالت میں یہ عذر ہرگز قابل سماعت نہ ہوگا اسی طرح سمجھو کہ مدعی نبوت کے ذمہ مطلق دلائل نبوت اور مطلق شواہد رسالت کا پیش کرنا ضروری ہے سو وہ پیش کر دیئے گئے فرمائشی نشانات کا پیش کرنا ضروری نہیں۔

اب آیندہ آیات میں آپؐ کو تسلی دی جاتی ہے کہ ان معاندین کی دشمنی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں اور یہ شیاطین الانس جو آپؐ کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ جس طرح یہ لوگ آپ کے دشمن ہیں اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے ہر نبی کے لیے شیطانوں کو دشمن بنایا ہے بعضے شیطان آدمیوں کے جنس سے ہیں اور بعضے شیطان جنات کی جنس سے ہیں یعنی ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو انبیاء سے دشمنی رکھتے تھے اور اُن سے اسی قسم کے

بیجا سوالات کیا کرتے تھے اس سے مقصود انبیاء کرام کے صبر کا امتحان ہے کافروں کی عداوت انبیاء کرام کے رفع درجات کا باعث ہوتی ہے اس لیے خدا تعالیٰ کے یہاں جس نبی کا جس قدر رتبہ بلند ہونا ہے اسی کے مطابق اس کے مقابلہ کے لیے سخت دشمن ہوتا ہے تاکہ اس کی دشمنی سے اس نبی کے درجے بلند ہوں غرض یہ کہ اس حکمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے دشمنی کے لیے شیاطین الانس والجن بنائے کہ بعض بعض کی طرف دھوکا دینے کے لیے ملمع باتوں کا دل میں القاء کرتے ہیں یعنی ایسی جھوٹی باتوں کا القاء کرتے ہیں جو بظاہر خوشنما اور آراستہ ہوتی ہیں اور برے اعمال کو اچھا کرکے دکھلاتے ہیں تاکہ انکو دھوکہ اور فریب میں ڈالیں۔

ف شیطان اصل میں اس کو کہتے ہیں جو سرکش اور شریر اور بدذات اور پاجی ہو خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے اور آیت میں شیاطین سے سرکشان جن وانس مراد ہیں مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ شیطانِ انس شیطان جن سے زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ جب میں اعوذ باللہ پڑھتا ہوں اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں تو شیطان جن میرے پاس سے بھاگ جاتا ہے مگر شیطان انس میرے پاس سے نہیں ٹلتا اور زُخْرُفَ الْقَوْلِ سے ملمع سازی کی باتیں مراد ہیں جو بظاہر آراستہ ہوں اور باطنی طور پر دھوکہ اور فریب ہوں اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو وہ شیاطین یہ کام نہ کرتے شیاطین لوگوں کے دلوں میں وسوسہ نہ ڈالتے یہ سب اللہ ہی کی قضاء و قدر اور اس کے ارادہ اور مشیت سے ہے پس آپ اُن کو چھوڑ دیں وہ جانیں اور ان کا جھوٹ یعنی آپ ان کی ملمع سازی اور افترا پردازی کے فکر میں نہ پڑیں یہ لوگ شیاطین کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں آپ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے وہ خود ان کو سمجھ لے گا اور ان شیاطین الانس والجن کے پیدا کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ تاکہ ان کے اس ملمع اور دل فریب قول کی طرف اُن لوگوں کے دل جھکیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور دنیا کی شہوتوں اور لذتوں پر فریفتہ ہیں اور تاکہ وہ اس جھوٹی ملمع بات کو اعتقاد قلب سے پسند کر لیں اور دل سے اس کو حق سمجھنے لگیں اور تاکہ پھر اس کے بعد دل کھول کر بے کھٹکے وہ برے کام کیے جائیں جو کر رہے ہیں جب آدمی کسی بات کو دل سے حق سمجھنے لگے اور آخرت سے بے فکر ہو جائے تو وہ دل کھول کر برے کام کرتا ہے حتیٰ کہ جب جرم کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو پھر اس کو یکایک پکڑ لیا جاتا ہے۔

❊ ❊ ❊

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ

کہا اب سوائے اللہ کے کسی اور کو منصف کروں اور اسی نے تم کو کتاب

پ ۸

الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ

بھیجی واضح اور جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ سمجھتے ہیں

اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

کہ یہ نازل ہوئی ہے تیرے رب کے پاس سے تحقیق سو تو مت ہو

الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ

شک لانے والا اور تیرے رب کی بات پوری سچ ہے انصاف کی

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ

کوئی بدلنے والا نہیں اس کے کلام کو اور وہی ہے سنتا جانتا اور اگر تو

تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ

کہا مانے اکثر لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تجھ کو بہکا دیں اللہ کی راہ

اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا

سے سب یہی چلتے ہیں خیال پر اور سب اٹکل

يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ

دوڑاتے ہیں تیرا رب ہی خوب جانتا ہے جو بہکتا ہے اس کی

سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ

راہ سے اور خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر ہیں سو تم کھاؤ اس میں سے

اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا

جس پر نام لیا اللہ کا اگر تم کو اس کے حکم پر یقین ہے اور کیا

لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ

سبب کہ تم نہ کھاؤ اس میں سے جس پر نام لیا اللہ کا اور وہ

فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ
کھول چکا جو کچھ تم پر حرام کیا ہے مگر جس وقت ناچار ہو اس کی

اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ
طرف سے اور بہت بہکاتے ہیں اپنے خیال پر بغیر تحقیق

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ
تیرا رب ہی خوب جانتا ہے جو لوگ حد سے بڑھتے ہیں اور چھوڑ دو کھلا

الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ
گناہ اور چھپا جو لوگ گناہ کماتے ہیں سزا پاویں

بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ
گے اپنے کیے کی اور اُس میں سے نہ کھاؤ جس پر

اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ
نام نہ لیا اللہ کا اور وہ گناہ ہے اور شیطان دل میں

لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ
ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا

اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع
تو تم مشرک ہوئے

تتمہ توبیخ معاندین وتحذیر از اتباع مُضلّین ومُجادلین

قال اللہ تعالیٰ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا ... الیٰ ... وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝

(ربط) گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا کہ یہ کافر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ایسے ضدی اور عنادی

ہیں کہ جن معجزات کی وہ خواہش رکھتے ہیں اُن کے ظاہر ہونے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے اگر دل میں کچھ بھی قبول حق کا مادہ ہوتا تو پہلے ہی مرتبہ آیات بینات دیکھ کر ایمان لے آتے اس لیے کہ اول تو قرآن کریم آپؐ کا عظیم ترین معجزہ ہے اور آپؐ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل ہے اس کی طرف رجوع کر لینا کافی ہے ۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب ✲ گر دلیلے باید از وے رومتاب

ایسی روشن دلیل کے بعد کسی اور فیصلہ کرنے والے کی طرف رجوع کرنا نادانی ہے اور دوم یہ کہ علماء اہل کتاب قرآن کریم کی حقانیت سے بخوبی واقف ہیں ایسی کافی اور شافی دلیل اور برہان کے بعد کسی فرمائشی معجزہ کی ضرورت نہیں لہٰذا جب آپؐ کی نبوت ثابت ہو گئی تو اے نبی کریمؐ آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ بھلا خدا سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے جس کی تم فرمائش کرتے ہو اور وہ شہادت خداوندی یہ قرآن کریم ہے اور دوسری شہادت علماء بنی اسرائیل کی شہادت ہے ان دو شہادتوں کے بعد آپؐ کو اہل ضلال و اہل جدال کی اتباع سے منع فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں کیا ان دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ کے بعد میں تمہارے اور اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے سوائے خدا کے کسی منصف اور فیصلہ کرنے والے کو ڈھونڈوں کفار آنحضرتؐ سے یہ کہتے کہ تو ہمارے اور اپنے درمیان کوئی ثالث مقرر کرلے تاکہ وہ ہمارے اور تیرے درمیان فیصلہ کر دے کہ کون حق پر ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے بڑھ کر کون فیصل ہو سکتا ہے خدا تعالیٰ نے دعوائے نبوت میں میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے اور اس نے میرے دعوائے نبوت پر بہت سے شواہد ظاہر کر دیئے ہیں اب کسی اور فیصل کی کیا ضرورت رہی میری نبوت و رسالت کی سب سے بڑی دلیل یہ قرآن کریم ہے اور وہ فیصلہ کرنے والا وہ خداوند قدوس ہے جس نے تمہاری طرف یہ مفصل کتاب اتاری جس نے نیک اور بد اور حق اور باطل اور سعادت اور شقاوت کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا ہے اور یہ کتاب عجیب و غریب حقائق و معارف اور احکام پر مع دلائل اور براہین کے مشتمل ہے اور شکوک اور شبہات کے ازالہ میں کافی اور شافی ہے اس کتاب مفصل نے میرے اور تمہارے درمیان میں قطعی فیصلہ کر دیا کہ میں حق پر ہوں اور تم باطل پر کتاب کے مفصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں حلال و حرام اور امر و نہی اور وعد و وعید سب کچھ مذکور ہے اور اس کا اعجاز لفظی اور معنوی سب کے سامنے ہے اور علاوہ ازیں اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے توریت و انجیل دی ہے یعنی علماء یہود و نصاریٰ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے جو حق کے ساتھ متلبس ہے یعنی علماء اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن وہی آسمانی کتاب ہے

جس کی کتب سابقہ میں بشارت دی گئی ہے پس جس کتاب کی یہ شان ہو تو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جیئے ایسی مفصل اور مکمل کتاب کی شہادت کے بعد کسی ثالث اور فیصل کے مقرر کرنے کی ضرورت نہیں اور علاوہ ازیں اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے کہ تیرے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہے یعنی اس قرآن کی منزل من اللہ ہونیکی ایک دلیل یہ ہے کہ اسکی تمام خبریں سچی ہیں اور اسکے تمام احکام عین عدل اور عین انصاف ہیں معلوم ہوا کہ یہ کتاب خدا کی اتاری ہوئی ہے اگر خدا کی طرف سے نہ ہوتی تو اسمیں کوئی نقصان اور غلطی ضرور ہوتی قرآن مجید کے مضامین دو قسم کے ہیں ایک اخبار اور قصص اور دوم احکام یعنی اوامر اور نواہی، صدق کا تعلق اخبار سے ہے قرآن کی سب خبریں سچی ہیں اور عدل کا تعلق احکام سے ہے یعنی قرآن کریم کے تمام احکام عین عدل اور عین انصاف ہیں کوئی حکم خلاف انصاف نہیں، یا یوں کہو کہ عدل سے اعتدال مراد ہے کہ اس کے احکام غایت درجہ معتدل ہیں اور افراط اور تفریط سے پاک ہیں اور قرآن کریم کی ایک صفت یہ ہے کہ کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا یعنی قرآن کریم میں نہ تو تحریف و تبدیل راہ پاسکتی ہے اور نہ کوئی اس کا وعدہ اور خبر غلط ہو سکتی ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے ان مکذبین کی زخرف القول کو یعنی ان کی ملمع کاری کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کے دلوں کے رازوں اور نیتوں کو جانتا ہے پس اے پیغمبرؐ ان کلمات الٰہیہ کے ہوتے ہوئے جو صدق اور عدل کے اعتبار سے مکمل ہیں آپ کو کسی حکم اور ثالث کی ضرورت نہیں آپ اللہ تعالیٰ کی وحی کا اتباع کیجئے اور ان نادانوں کے کہنے سننے کی پروا نہ کیجئے اور اگر بالفرض والتقدیر آپ اکثر اہل زمین کا کہنا ماننے لگیں اور ان کے کہنے پر چلنے لگیں تو یہ خود بھی گمراہ ہیں اور آپکو بھی اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں گے اس لیے کہ ان کو حقیقۃ الامر کا علم نہیں۔

گذشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا تھا کہ شیاطین الانس والجن ملمع کاری کی باتیں (زخرف القول) دھوکہ دینے کے لیے کرتے ہیں اب ان آیات میں یعنی وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ میں ملمع کاری کی بعض باتیں ذکر کرتے ہیں کہ جو مشرکین مسلمانوں کو احکام خداوندی میں شبہ ڈالنے کے لیے کہا کرتے تھے مشرکین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے یہ مجادلہ کرتے کہ جو جانور طبعی موت سے مرجائے (یعنی میتہ) مسلمان اُسے تو حرام کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کا مارا ہوا ہے اور جو جانور خود ان کے ہاتھ کا مارا ہوا ہے یعنی ان کے ہاتھ کا ذبحہ ہے اُسے حلال سمجھتے ہیں یہ کیسا دین ہے کہ جس میں خدا کی ماری ہوئی چیز تو حرام ہے اور اپنے ہاتھ کی ماری ہوئی چیز حلال ہے مسلمانوں کی یہ عجیب بات ہے کہ اپنے مارے ہوئے جانور کو تو کھا لیتے ہیں اور خدا کے مارے ہوئے جانور کو نہیں کھاتے آئندہ آیتوں یعنی فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الخ میں ان کے اسی شبہ کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سب کافروں کی ملمع کاری

ہے جو انسانوں کو شبہ اور دھوکہ میں ڈالنے کے لیے شیطان اُن کو سکھاتے ہیں خوب سمجھ لو کہ حلال وحرام کے بارہ میں اللہ ہی کا حکم چلتا ہے محض عقلی ڈھکوسلوں کا کوئی اعتبار نہیں مارنے والا سب کا اللہ ہی ہے جان ڈالنا اور جان نکالنا یہ اللہ ہی کی قدرت اور اختیار میں ہے ذبح کرتے وقت صرف چھری چلانا تو بندہ کا کام ہے باقی جانور کی جان نکالنا یہ اللہ کا کام ہے ذبح کرنا موت کا ایک سبب ظاہری ہے جیسے موت کے اور اسباب ہیں مثلاً چھت سے گر کر مرجانا یا کنویں اور دریا میں ڈوب کر مرجانا مارنے والا ہر حال میں خدا ہی ہے سب اسی کے مارے ہوتے ہیں۔

البتہ اللہ کے نام کی برکت ہے جو جانور اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے وہ حلال ہے اور جو جانور بغیر اس کا نام لیے مرگیا وہ مردار ہے اس کا کھانا فسق اور خلاف حکم ہے ہاں شدید مجبوری کی حالت میں اس کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے چنانچہ فرماتے ہیں نہیں پیروی کرتے یہ لوگ مگر گمان اور خیال کی یعنی ان کا دین اور اعتقاد کسی دلیل اور برہان پر مبنی نہیں صرف گمان اور خیال کے پیرو ہیں اور احکام اور حلال وحرام میں تو یہ سب اٹکل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں محض اپنے اٹکل سے یہ قاعدہ بنالیا کہ جو بغیر اللہ کی ماری ہوئی ہو وہ سب حلال ہے جس پر کوئی دلیل نہیں تحقیق تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کی راہ سے بہکتا ہے اور ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر ہیں پس تم کو چاہیے کہ حلت وحرمت میں اہل ہدایت کا اتباع کرو گمراہوں کے گمان اور خیال کی پیروی نہ کرو پس اے مسلمانو! تم حلال ذبیحہ میں سے کھاؤ جس پر بوقت ذبح صرف اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ ذبیحہ اللہ کے نام کی برکت سے حلال ہوجاتا ہے اور مرے ہوئے جانور پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس لیے وہ حرام ہوگیا اگر تم اللہ کے حکموں پر یقین رکھتے ہو موت سے جانور نجس ہوجاتا ہے لیکن اگر ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے تو وہ پھر خدا کے نام کی برکت سے نجاست سے محفوظ ہوجاتا ہے اور تم کو کیا ہوا کہ تم اس ذبیحہ میں سے نہ کھاؤ کہ جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیا گیا ہو یعنی اس کے نہ کھانے کی تمہارے پاس کوئی وجہ نہیں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دوسری آیات میں اُن چیزوں کی تفصیل کردی ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں اور دوسری آیات سے سورۂ نحل کی آیتیں مراد ہیں جو سورۂ انعام سے پہلے نازل ہوئی یا یوں کہو کہ اس سے آیت قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ الخ۔ کی طرف اشارہ ہے جو چند آیتوں کے بعد آئیگی اس کے مطابق اُس جانور کو کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اور مردار کو نہ کھاؤ مگر جب کہ تم بھوک کی وجہ سے مجبور اور لاچار ہوجاؤ تو پھر بقدر سدّ رمق اس میں سے کھا لینا جائز ہے اور بے شک بہتیرے لوگ بغیر علم اور بغیر دلیل کے اپنی خواہشوں سے لوگوں کو بہکاتے اور گمراہ کرتے ہیں اور لوگوں کے

دلوں میں شکوک اور شبہات ڈالتے ہیں بے شک تیرا پروردگار حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے کہ وہ خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کرتے ہیں اور حرام کیئے ہوئے کو حلال بتلاتے ہیں ۔ سو اللہ اُن کو اس فعل کی ضرور سزا دے گا اور اے مسلمانو تم کھلے گناہ اور چھپے گناہ کو چھوڑ دو یعنی ہر قسم کے گناہ کو چھوڑ دو اور کسی حلال کو حرام اعتقاد کرنا یہ باطنی گناہ ہے تحقیق جو لوگ گناہ کو کماتے ہیں وہ ضرور اپنے کیئے کی سزا پائیں گے عذاب کے وقت پردہ اُٹھ جائیگا اور ہر چیز کا حسن و قبح آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور اے مسلمانو اُس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر بوقت ذبح قصداً اللہ کا نام نہ لیا گیا چہ جائیکہ ان پر بوقت ذبح بتوں کا نام لیا گیا ہو اور تحقیق ایسے جانور کا کھانا جس پر بوقت ذبح قصداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو البتہ بڑا ہی گناہ ہے اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں مشرکین کا جھگڑا مسلمانوں کے ساتھ یہی تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ مسلمان اپنے مارے کو تو حلال کہتے ہیں اور اللہ کے مارے ہوئے کو حرام بتاتے ہیں یہ سب القاء شیطانی ہے شیاطین کافروں کو اس قسم کی کٹ حجتیاں القاء کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑتے رہیں پس تم ان سے احتیاط رکھنا اور اگر خدانخواستہ تم عقائد اور حلال وحرام میں ان لوگوں کا کہنا ماننے لگو تو ضرور تم بھی مشرک ہو جاؤ گے کہ حکم خداوندی کے مقابلہ میں ان کے حکم کو ترجیح دینے لگو ۔

مطلب یہ ہے کہ شرک فقط یہی نہیں کہ خدا کے سوا کسی کو معبود بنا لیا جائے بلکہ یہ امر بھی شرک کے حکم میں ہے کہ بلا دلیل شرعی کسی کو تحلیل و تحریم کا مختار کار سمجھنے لگے کہ جس چیز کو انکا مقتدا محض اپنی رائے اور خیال سے حرام و حلال کر دے اس کا تابع ہو جائے جیسا کہ آیت اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی تفسیر میں حدیث مرفوع گذر چکی ہے اہل کتاب نے وحی الٰہی کو چھوڑ کر صرف احبار اور رہبان کے قول پر تحلیل و تحریم کا مدار رکھ چھوڑا تھا یہ شرک فی الحکم ہے ۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا

بھلا ایک شخص کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور دی اُس کو

لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ

روشنی کہ لیے پھرتا ہے لوگوں میں برابر اُس کے جس کا حال

فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ

یہ ہے اندھیروں میں پڑا وہاں سے نکل نہیں سکتا اسی طرح بھلا دکھایا ہے

لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا

کافروں کو جو کام کر رہے ہیں اور یوں ہی رکھے ہیں ہم نے

فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا

ہر بستی میں گنہگاروں کے سردار کہ حیلہ لایا کریں وہاں اور جو

يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا

حیلہ کرتے ہیں سو اپنے اوپر اور نہیں بوجھتے اور جب

جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ

پہنچے اُن کو ایک آیت کہیں ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک ہم کو نہ ملے

مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ

جیسا کچھ پاتے ہیں اللہ کے رسول اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیغام اب

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ

پہنچے گی گنہگاروں کو ذلت اللہ کے ہاں اور

عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ

عذاب سخت بدلا حیلہ بنانے کا سو جس کو

اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ

اللہ چاہے کہ راہ دے کھول دے گا اس کا سینہ حکمبرداری کو اور جس کو

يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا

چاہے کہ راہ سے بھلا دے اس کا سینہ کر دے تنگ خفہ ،

كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ

گویا زور سے چڑھتا ہے آسمان پر اسی طرح ڈالے گا اللہ

الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ

عذاب یقین نہ لانے والوں پر اور یہ ہے راہ

رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

تیرے رب کی سیدھی ہم نے کھول دیئے نشان دھیان کرنے

يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ

والوں کو ان کو ہے سلامتی کا گھر اپنے رب کے ہاں اور وہ

وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ان کا مددگار ہے بدلہ ان کے کیے کا

مسلمان اور کافر کی مثال

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ ..... الٰے .... وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

ربط: اوپر کی آیت میں اول مشرکین کے مجادلہ اور عناد کا ذکر فرمایا اور پھر مسلمانوں کو اہل جدال اور اہل ضلال کی اتباع سے منع فرمایا اب ان آیات میں مسلمان اور کافر کی مثال بیان فرماتے ہیں تاکہ دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ کون لائق اتباع ہے اور کون لائق نفرت ہے۔

وہ مثال یہ ہے کہ جو شخص کفر کے بعد مسلمان ہوا گویا کہ وہ زندہ ہو گیا اور اس کو روشنی مل گئی ایسا شخص قابل اطاعت اور لائق اتباع ہے اور جو شخص کفر پر قائم ہے وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے اور سرگرداں اور حیران ہے خلاصی کی کوئی راہ اس کو نظر نہیں آتی ایسا شخص کیسے قابل اتباع ہو سکتا ہے لہٰذا جس کو نور مل گیا وہ تاریکی والے کا کیوں اتباع کرے (تفسیر کبیر صفحہ ۱۴۳ ج ۴)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کے بارہ میں نازل ہوئی

اللہ تعالیٰ نے حضرت حمزہؓ کو ہدایت دی اور ابوجہل کفر کی تاریکیوں میں پھنسا رہا امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ہر مؤمن اور کافر کو شامل ہے (تفسیر قرطبی ص۷۸ ج ۷)

کیا وہ شخص جو پہلے اپنے کفر کی وجہ سے مردہ تھا پھر ہم نے ایمان اور ہدایت دے کر اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کو ہدایت کی ایسی روشنی دی جس کو وہ ہر وقت لوگوں میں اپنے ساتھ لیئے لیئے پھرتا ہے کیا اس شخص کے مانند اور برابر ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ گمراہی کی ایسی اندھیریوں میں پڑا ہوا ہے کہ جن سے وہ باہر نہیں نکل سکتا ظاہر ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے بلکہ پہلا شخص دوسرے شخص سے ہر طرح بہتر ہے پس ثابت ہوا کہ مسلمان کافر سے بہتر ہے کیونکہ پہلی مثال مؤمن کی ہے اور دوسری مثال کافر کی ہے ایمان کو حیات اور روشنی سے تشبیہ دی ہے اور کفر کو موت اور تاریکی سے تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ نور ظلمت سے اور حیات موت سے بہتر ہے اسی طرح کافروں کے لیے وہ اعمال آراستہ کر دیئے گئے ہیں جو وہ کرتے ہیں یعنی جس طرح مؤمنوں کے دل میں ایمان اور اعمال صالحہ کی خوبی بٹھلا دی گئی ہے اسی طرح کافروں کے دل میں کفر اور اعمال قبیحہ کی خوبی ڈال دی گئی ہے ہر شخص اپنے ہی طریقہ کو اچھا جانتا ہے اور اسی طرح ہم نے بغرض امتحان ہر بستی میں اس بستی کے مجرمین کے سرداروں کو پیدا کیا یعنی جس طرح ہم نے مکہ کے مجرموں کو رئیس اور آسودہ حال بنایا ہے اسی طرح ہم نے پہلی امتوں میں بھی ہر بستی کے مجرموں کو رئیس اور متمول پیدا کیا ہے تاکہ وہ مال و دولت کے نشہ میں دل کھول کر اس بستی میں حیلہ اور فساد پھیلائیں اور لوگوں کو خراب کریں اور درحقیقت وہ اپنی ہی جانوں سے مکر اور فریب کر رہے ہیں یعنی ان کے مکر کا وبال انہی پر پڑے گا اور وہ نہیں سمجھتے کہ اس مکر اور فریب کا وبال انہی پر پڑے گا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں "یعنی ہمیشہ کافروں کے سردار حیلہ نکالتے ہیں تا عوام الناس پیغمبرؑ کے مطیع نہ ہو جائیں جیسے فرعون نے معجزہ دیکھا تو حیلہ نکالا کہ سحر کے زور سے سلطنت لیا چاہتا ہے" (موضح القرآن)۔

یہ ان معاندین کے جہل اور عناد کے چند واقعات تھے اب آگے ان کے جہل اور عناد اور ان کے تکبر اور غرور کا ایک خاص واقعہ بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب ان کے پاس آپ کی نبوت و رسالت اور آپؐ کی صداقت کی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس نبیؐ کی صداقت پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم کو بھی ویسی ہی نشانی ملے جیسے اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے یعنی ہم پر اللہ کا کوئی فرشتہ نازل ہو یا کوئی نوشتہ آسمان سے اترے اور آپ کی صداقت کی شہادت دے اور ہمیں آپؐ پر ایمان لانے کا حکم دے کفار یہ کہتے تھے کہ بہ نسبت محمدؐ کے ہم نبوت کی زیادہ سزاوار ہیں اس لیے کہ ہم مال اور اولاد اور عزت میں ان سے

بڑھے ہوئے ہیں خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا، اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی پیغمبری کو رکھتا ہے کہ کون منصب نبوت و رسالت کے لائق ہے ایسے مکاروں اور غداروں اور حاسدوں اور متکبروں اور سرکشوں کو نبوت جیسی نعمت عظمیٰ کیونکر مل سکتی ہے۔

کلاہِ خسروی و تاج شاہی ٭ بہر سرکے رسد حاشا وکلاّ

ایسے نا ہنجاروں کو منصب نبوت تو کیا ملتا ایسے مجرموں کو تو اللہ کے یہاں سخت ذلت اور رسوائی پہنچے گی اور سخت عذاب ہوگا بدلہ میں اُس مکر و فریب کے جو یہ کیا کرتے تھے متکبر کی سزا یہی ہے کہ اُس کو ذلت اور خواری کا عذاب دیا جائے پس ان کے اس تکبر اور عناد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فطرت اور جبلت اس درجہ فاسد اور خراب ہو چکی ہے کہ اب اس میں قبول حق کی صلاحیت اور استعداد ہی باقی نہیں رہی اس لیے اب آئندہ آیت میں سلیم الفطرت اور فاسد الفطرت کا موازنہ فرماتے ہیں تاکہ دونوں کا فرق واضح ہو جائے پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے یعنی اس کو دین اسلام کے قبول کرنے کی توفیق دیتا ہے اور اس کے دل کو اس کی طرف راغب کر دیتا ہے اور اسکو قبول حق میں ذرہ برابر پس و پیش نہیں ہوتا اور اسلام پر چلنا اس کو آسان ہو جاتا ہے اور جس کو تکویناً و تقدیراً خدا گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کا سینہ نہایت درجہ تنگ گھٹا ہوا اور بند کر دیتا ہے جس سے ایمان اور ہدایت اس کے اندر داخل نہیں ہو سکتی حق کی بات کے سننے سے اُس کو ایسا انقباض ہوتا ہے گویا کہ وہ بڑی تکلیف اور مصیبت سے چار و ناچار آسمان پر چڑھ رہا ہے بعینہٖ یہی حال کافر کا ہے جب اُسے ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو اُس کو اس سے ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے اُس کو آسمان پر چڑھنے کی تکلیف دی جائے ایمان۔ انسان کو آسمان یعنی بلندی کی طرف لے جاتا ہے اور کفر انسان کو زمین یعنی پستی اور اندھیرے گڑھے کی طرف دھکیلتا ہے ابتداء رکوع میں مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی پہلی مثال اُس مومن کی ہے جو سلیم الفطرت اور صحیح الاستعداد ہو اور دوسری مثال اُس کافر کی ہے کہ جس کی فطرت اور استعداد بالکل تباہ اور برباد ہو چکی ہو حدیث میں ہے کہ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ شرح صدر سے کیا مراد ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک نور ڈال دیتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بیزار اور آخرت کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری میں لگ جاتا ہے اور یہی مضمون دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اسی طرح ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ کفر کی پلیدی اور ناپاکی اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے ایسے معاندین کو کفر و شرک کی نجاست اور گندگی اچھی معلوم

ہوتی اور دین حق کی خوشبو اُن کو بدبو معلوم ہوتی ہے نجاست کا کیڑا عطر کی خوشبو کو برداشت نہیں کرسکتا بسا اوقات عطر کی خوشبو سے مر بھی جاتا ہے۔

اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس آیت میں رجس سے شیطان مراد ہے کیونکہ رجس کے معنی گندہ اور ناپاک کے ہیں شیطان سے بڑھ کر کون گندہ اور ناپاک ہوگا اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح شیطان کو کافروں پر مسلّط کر دیتا ہے کہ قبول حق کی کبھی توفیق ہی نہیں ہوتی شیطان اُن کو بری باتوں پر اکساتا رہتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ اول فرمایا تھا کہ کافر قسمیں کھاتے ہیں کہ آیت دیکھیں تو البتہ یقین لاویں۔ اور اب فرمایا کہ جب ہم ہی ایمان نہ دیں گے تو کیونکر ایمان لاویں گے (بغیر اسکی توفیق کے کون ایمان لاسکتا ہے) بیچ میں مردار کو حلال کرنے کے حیلے نقل کیئے اب اس بات کا جواب فرمایا کہ جس کی عقل اس طرف چلے کہ اپنی بات نہ چھوڑے جو دلیل دیکھے حیلہ بنالے وہ نشان ہے گمراہی کا اور جس کی عقل چلے انصاف پر اور تکبرداری پر وہ نشانِ ہدایت ہے ان لوگوں میں نشان ہیں گمراہی کے ان پر کوئی آیت اثر نہ کرے گی'' (موضح القرآن)

اور یہ دین اسلام تیرے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے اس پر چلنے سے آدمی سیدھا خدا تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے سوا جتنے راستے ہیں سب ٹیڑھے ہیں تحقیق ہم نے اپنی نشانیوں کو اس گروہ کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے جو گروہ نصیحت پکڑنے والا ہے انہی لوگوں کے لیے اُن کے پروردگار کے یہاں سلامتی کا گھر ہے بہشت کا ایک نام دارالسلام ہے کیونکہ وہاں ہر آفت سے سلامتی ہے اور وہی پروردگار اُن کا کارساز اور مددگار ہے بوجہ اس کے کہ وہ نیک کام کرتے تھے یعنی خدا تعالیٰ کے نبیؐ کی تصدیق اور اطاعت کرتے تھے۔

لطائف و معارف

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں مختلف جماعتیں تھیں (ایک) جماعت تو وہ تھی کہ جو اپنے فہم و فراست کی بناء پر ابتداء بعثت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئی تھی انہی میں عثمان غنیؓ بھی تھے اور اس جماعت کے سر دفتر صدیقؓ تھے اور آیۂ کریمہ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کی فطرت میں توحید اور ایمان اور ترک اصنام اور ترک زنا اور ترک شراب وغیرہ وغیرہ اس قسم کے محاسن اعمال ابتداء خلقت میں ودیعت رکھے گئے تھے اور اس بارہ میں انہوں نے بہت سی خوابیں بھی دیکھی تھیں جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت

پر دلالت کرتی تھیں اسی لیے یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ کی مجرد دعوت ایمان سے آئے اور تکرید دعوت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

اور ایک[۲] جماعت وہ تھی کہ جو ایک مدت تک کفر اور اسلام کی عداوت میں رہی اور آپ کی رسالت کے منکر رہے انہیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مردوں سے تعبیر کیا ہے مگر بعد میں توفیق الٰہی ان کے شامل حال ہوئی اور اسلام کے زمرہ میں داخل ہوئے اور حیات حقیقی حاصل کی اور بہترین مسلمان کہلائے جیسے حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ وغیرہ مگر حضرت عمرؓ اس گروہ کے سردفتر تھے اور آیہ کریمہ اَفَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ الآیۃ میں اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ شخص ہادی اور مہدی ہوگا اور مسلمانوں کو اُس سے نفع عظیم پہنچے گا اس فریق میں سے یہ صفت فاروق اعظمؓ کی ذات میں منحصر تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو حیات معنوی اور ہدایت کے ساتھ موصوف کیا پس جب ان آیات کے سیاق و سباق میں غور کیا جاتا ہے تو ان آیات سے ذہن شیخینؓ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کیونکہ شرح صدر صدیقیت کی حقیقت ہے اور عطاء نور ہدایت محدثیت کی حقیقت ہے اور انہی کے طریقہ کو اللہ نے صراط مستقیم فرمایا ہے اور کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا میں ظلمات سے کفر و ضلالت کی ظلمتیں مراد ہیں زید بن اسلمؓ سے مروی ہے کہ پہلی آیت یعنی اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا حضرت عمرؓ کے بارہ میں ہے اور دوسری آیت یعنی کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ابوجہل کے بارہ میں ہے کیونکہ ابتداء میں دونوں کافر تھے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کو حیات حقیقی عطاء فرمائی اور ابوجہل کو کفر اور ضلالت کی تاریکی میں رکھا اس طرح ان آیات میں بطریق تعریض حضرت عمر فاروقؓ اور ابوجہل کا حال بیان کیا گیا ہے۔

اور ایک[۳] جماعت ضعفاء مسلمین اور فقراء مومنین کی تھی جن کو روساء قریش بنظر حقارت دیکھتے تھے اور ان کی مجالست کو اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے انہیں لوگوں کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔

اور آیہ کریمہ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ ... الیٰ ... وَیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ۔

میں اس قتال مسلمین کی طرف اشارہ ہے جو چونتیس سال بعد واقع ہونے والا تھا ایک متواتر اور ظاہر حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عذاب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے

اٹھا دیا گیا مگر آپس میں ایک دوسرے کو اذیت دینا باقی رہا۔

خلاصہ کلام | کہ آیۂ کریمہ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ میں ابوبکر صدیقؓ کی طرف اشارہ ہے اور آیۂ کریمہ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ میں فاروق اعظمؓ کی طرف اشارہ ہے اور آیۂ کریمہ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا میں ابوجہل کی طرف اشارہ ہے اور آیۂ کریمہ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ میں اصحاب صفہ یعنی درویشانِ اسلام کے گروہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور آیۂ کریمہ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ الخ میں اس فتنہ کی طرف اشارہ ہے جو خلافت راشدہ کے ختم پر مسلمانوں میں باہمی قتل و قتال اور جنگ و جدال کی صورت میں نمودار ہوا (حضرت شاہ ولی اللہؒ کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ

اور جس دن جمع کرے گا اُن سب کو اے جماعت جنوں کی تم نے

اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ

بہت کچھ لیا انسانوں سے اور بولے اُن کے دوست

مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ

دار انسان اے رب ہمارے کام نکالا ہم میں ایک نے دوسرے سے

وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ

اور پہنچے اپنے وعدے کو جو تو نے ہمارا ٹھہرایا تھا فرماوے گا آگ گھر تمہارا

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ

رہا کرو اس میں مگر جو چاہے اللہ تیرا رب حکمت والا

عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا

خبردار ہے اور اسی طرح ہم ساتھ ملا دیں گے گنہگاروں کو ایک دوسرے کو

پ

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ

بدلہ ان کی کمائی کا ۔ اے جماعت جنوں اور انسانوں کی کیا تم

يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ

کو نہیں پہنچے تھے رسول تمہارے اندر کے سناتے تم کو میرے حکم اور

يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى

ڈراتے یہ دن سامنے آنے سے . بولے ہم نے مانے اپنے

اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا

گناہ اور اُن کو بہکایا دنیا کی زندگی نے اور قائل ہوئے

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ

اپنے گناہ پر کہ وہ تھے منکر یہ اس واسطے

لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا

کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں بستیوں کو ظلم سے اور وہاں کے لوگ

غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ

بے خبر ہوں . اور ہر کسی کو درجے ہیں اپنے عمل کے اور تیرا رب

بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ

بے خبر نہیں ان کے کام سے اور تیرا رب بے پرواہ ہے رحم والا

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ

اگر چاہے تم کو لے جاوے اور پیچھے تمہارے قائم کرے جس کو چاہے

كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا

جیسا کہ تم کو کھڑا کیا اور دوں کی اولاد سے جو تم کو

تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ یٰقَوْمِ

وعدہ دیا سو آنے والا ہے اور تم تھکا نہ سکو گے تو کہہ لوگو

اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

کام کرتے رہو اپنی جگہ میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لوگے

مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

کس کو ملتا ہے آخر گھر مقرر بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا

توبیخ جن وانس در روز قیامت

قال تعالیٰ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ... الیٰ ... اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ

در ربط) گذشتہ آیات میں مؤمن اور کافر کی مثال بیان کی اور یہ بتلایا کہ یہ کافر جو مسلمانوں سے مجادلہ کرتے ہیں اور اُن سے جھگڑتے ہیں یہ سب شیاطین کے اغواء سے ہے اب ان آیات میں یہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن شیاطین جن سے باز پرس ہوگی کہ تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا اس کے بعد جو آدمی اُن کے مطیع تھے وہ اس کا جواب دیں گے اور بعد ازاں شیاطین جن وانس دونوں کے لیے سزا کا اعلان کیا جائے گا چنانچہ فرماتے ہیں اور جس دن خدا تعالیٰ جن اور انس سب کو یکجا جمع کرے گا تاکہ ایک دوسرے کے سوال وجواب کو سن سکے اس دن خدا تعالیٰ سب کو جمع کرکے یہ کہے گا اے گروہ جنات یعنی شیاطین تم نے انسانوں کے گمراہ کرنے میں بڑا حصہ لیا اور بہتوں کو مکرو[1] فریب سے بہکا کر اپنے تابع کر لیا اور اس طرح اپنی بڑی جماعت بنالی اس آیت میں جنات کو اس لیے خطاب فرمایا کہ مکرو فریب میں اصل وہی ہیں اور آدمیوں میں سے جو اُن کے دوست ہیں اُن سے بھی باز پرس ہوگی وہ اقرار کریں گے اور یہ کہیں گے اے پروردگار بے شک ہم قصور وار ہیں ہم نے دنیا میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا یعنی جنوں نے آدمیوں سے فائدہ اٹھایا اور آدمیوں نے جنوں سے جنوں نے آدمیوں سے یہ فائدہ اٹھایا کہ

[1] اس لفظ سے گذشتہ آیت عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

آدمیوں نے اُن کی اطاعت اور فرمانبرداری کی اور اُن کی سرداری مانی۔ اور آدمیوں نے جنوں سے یہ فائدہ اٹھایا کہ جنوں نے آدمیوں کے لیے نفسانی شہوات اور لذات کے عجیب عجیب طریقے تلقین کیے اور اُن کی خواہشات کو مزین اور مستحسن کرکے اُن کو دلدادۂ شہوات بنایا اس طرح ہم نے خوب مزے اڑائے اور شہوات حاضرہ کو لذات غائبہ پر ترجیح دی حتیٰ کہ ہم نے خواہشات کے حصول اور ان کی جدوجہد میں بے انتہا مشقتیں برداشت کیں یہ تو ہم نے جنات سے فائدہ اٹھایا اور جنات نے ہم سے یہ فائدہ اٹھایا کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ انسانوں نے ہمیں اپنا سردار بنا لیا ہے اور یہ سب ہمارے حکم اور اشارہ پر دوڑے چلے جا رہے ہیں ہمارا کہنا چل رہا ہے اور انبیاء کرامؑ اور اُن کے وارثوں کی ہدایات اور ارشادات سے آنکھیں بند کرلی ہیں اور اسی طرح ہم دنیا میں مست اور سرشار رہے یہاں تک کہ ہم اُس میعاد اور مدت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی یعنی قیامت آگئی جس کو ہم جھٹلاتے تھے اور اب وہ وقت ہمارے سامنے آگیا ہے جس کے ہم انکاری تھے اور آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اب جو حکم صادر فرمایا جائے وہ آپ کی مرضی ہے اس وقت حق تعالیٰ کفار جن اور کفار انس دونوں سے یہ فرمائیں گے کہ جب تم بلا توبہ کیے مدت معینہ پوراکرکے ہمارے روبرو پیش ہوئے تو تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے تابع اور متبوع خادم اور مخدوم سب دوزخ میں بھی اکٹھے ہی رہیں گے جس طرح دنیا میں اکٹھے تھے تاکہ جس طرح دنیا میں باہمی اجتماع موجب لذت و فرحت تھا اسی طرح دوزخ میں سب کا باہمی اجتماع موجب ذلت و حسرت ہو اور اس آگ کے ٹھکانہ میں تم سب ہمیشہ رہو گے جس سے خلاصی اور رہائی کے کوئی سبیل نہیں مگر یہ کہ خدا ہی کسی کو نکالنا چاہے تو وہ دوسری بات ہے مطلب یہ ہے کہ بیشک کافروں کے لیے دوزخ کا دائمی اور ابدی عذاب ہے مگر وہ اس کے چاہنے یعنی اس کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے وہ جب چاہے موقوف بھی کرسکتا ہے لیکن وہ کافروں کے لیے دائمی اور ابدی عذاب چاہ چکا ہے جس کی خبر اُس نے اپنے قرآن کی بہت سی آیتوں میں دیدی اور ہر زمانہ میں پیغمبروں کی زبانی یہ خبر دی جا چکی ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے وہ کبھی بھی دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے خلاصۂ کلام یہ کہ اس استثناء سے مقصود مبالغہ ہے کہ تم ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہو گے اور تمہارا خلود کبھی ختم نہ ہوگا مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے تو پھر اس کا ختم ہونا ممکن ہے خلاصہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جاؤ تم سب کا ٹھکانا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے تم ہمیشہ اُس میں رہو گے مگر جب اللہ چاہے تو وہ نکال بھی سکتا ہے لیکن وہ کیوں چاہے گا کہ تم جیسے خدا اور رسول کے جھٹلانے والوں کو جہنم سے نکالے کافروں کے لیے دائمی عذاب کا حکم قطعی صادر ہوچکا ہے بے شک تیرا پروردگار حکمت والا جاننے

والا ہے اس کا کوئی کام علم وحکمت سے خالی نہیں کفار کے دائمی عذاب میں بھی حکمت ہے اسے تمام جرائم کا علم ہے جس درجہ کا جرم ہے اسی درجہ کی سزا ہے جو سزا یعنی دائمی عذاب حق تعالیٰ نے ان کے لیے تجویز فرمائی ہے وہ نہایت مناسب ہے اور عین حکمت اور عین صواب ہے

تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ اہل ایمان کا ثواب اور کافروں کا عذاب دائمی اور ابدی ہے اہل ایمان ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اہل ایمان کا ثواب اور کافروں کا عذاب کبھی ختم نہ ہوگا۔

اور فرقہ جہمیہ کا مذہب یہ ہے کہ چند روز کے بعد جنت اور جہنم دونوں فنا ہو جائیں گے ابن تیمیہ حنبلیؒ اور ان کے شاگرد خاص ابن قیمؒ کا مذہب یہ ہے کہ جنت کا ثواب تو دائمی ہے اہل ایمان تو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے (جیسا کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے) مگر دوزخ کا عذاب دائمی نہیں صرف ایک مدت دراز تک کافروں پر عذاب رہے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے خلود سے تعبیر کیا ہے مگر ایک عرصہ کے بعد خدا کے رحم وکرم سے یہ عذاب ختم ہو جائے گا (جیسا کہ فرقہ جہمیہ کا مذہب ہے) ابن تیمیہؒ کا یہ قول سراسر شاذ ہے اور اہل سنت والجماعت کے اجماع کے بالکل خلاف ہے بلکہ صریح آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کے خلاف ہے جیسا کہ ہم عنقریب واضح کریں گے غرض یہ کہ ثواب اور عقاب کے بارہ میں ابن تیمیہؒ کا یہ قول اور یہ مسلک نصف سُنّی ہے اور نصف جہمی ہے جو صراحۃً نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہے اور وہ نصوص اس درجہ صریح اور واضح ہیں کہ ان میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں اور ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے جو ضعیف اور موضوع روایتیں اور سلف کے بعض مجمل اور محتمل اقوال اس بارہ میں پیش کیے ہیں وہ صریح نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں لہٰذا ان کے جواب دینے کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔

آیات قرآنیہ

پہلے پارہ میں یہ آیت گذر چکی ہے (۱) بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اور یہود بے بہبود کا یہ قول بھی گذر چکا ہے وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ چند روز کے بعد جہنم فنا ہو جائے گی یا جہنم کا عذاب ختم ہو جائے گا سو اس کا یہ قول یہود کے اس قول کے مشابہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ ہم کو صرف چند روز کے لیے آگ میں رہنا ہوگا جتنے روز بنی اسرائیل نے گوسالہ

کی پرستش کی صرف اتنے دن عذاب میں رہنا ہوگا بعد میں نجات ہو جائے گی اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں یہود کے اس قول کی تردید فرمائی اور بتلا دیا کہ یہود کی یہ بات بالکل غلط ہے یہود ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے اور قاعدہ کلیہ بیان کر دیا کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی اس سے نہیں نکل سکیں گے اور یہود سے بھی اسی حکم عام اور قاعدۂ کلیہ کے مطابق معاملہ ہوگا اور یہود سے اللہ تعالیٰ نے کوئی عہد نہیں کیا کہ وہ صرف چند روز کے لیے جہنم میں رکھے جائیں گے ابن تیمیہ کا یہ قول یہود کے اس قول کے مشابہ ہے۔

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ٥

۳ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۴) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۵) وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۶) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا (۷) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۸) وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا (۹) وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا (۱۰) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (۱۱) اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (۱۲) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۱۳) اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا (۱۴) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ای دائم (۱۵) كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۱۶) فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ٥ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ (۱۷) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (۱۹)
(۱۸) وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ
(۲۰) وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۱) يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا (۲۲) اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ
وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (۲۳) قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ (۲۴) ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ
النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ (۲۵) اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ
لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ (۲۶) كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ (۲۷) لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ
وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ
(۲۸) فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا (۲۹) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (۳۰) وَمَنْ يَّعْصِ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (۳۱) اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۝

یہ اکتیس آیتیں جن میں صراحۃً کافروں کے مخلّد فی النار ہونے کا ذکر ہے اور بعض آیتوں میں خلود کے ساتھ ابدًا کا لفظ بھی آیا ہے اور اگر ان آیات کے ساتھ ان آیتوں کو بھی شامل کر لیا جائے جو انہی آیتوں کے ہم معنی اور ہم مضمون ہیں تو عدد شمار سے باہر ہو جائے گا مثلاً:

(۱) فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ (۲) وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (۳) وَمَا لَهٗ
فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (۴) وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (۵) كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ
بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (۶) لَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا
مَحِيْصًا (۷) وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (۸) لَيْسَ
مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ (۹) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ
(۱۰) مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ (۱۱) جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ (۱۲) اِخْسَئُوْا
فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (۱۳) اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ (۱۴) فَالْيَوْمَ لَا
يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا (۱۵) كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (۱۶) كُلَّمَآ
اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (۱۷) مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا
خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (۱۸) فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ
يُسْتَعْتَبُوْنَ (۱۹) اُدْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ (۲۰) وَمَا

دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۱﴾ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۲۲﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۲۳﴾ فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۲۴﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۲۵﴾ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۶﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ وغير ذٰلِكَ مِنَ الْاٰيَاتِ۔

اب ان تمام آیات کا مجموعہ ۵۷ ہوا

شیخ تقی الدین سبکیؒ[1] اپنے رسالہ الاعتبار ببقاء الجنۃ والنار میں ان تمام آیات کو لکھ کر فرماتے ہیں کہ اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان آیات میں تاویل ایسی ہی ناممکن اور محال ہے جیسے بعث جسمانی کی آیتوں میں تاویل ناممکن اور محال ہے شیخ تقی الدین سبکیؒ ان آیات کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی طرح کافروں کے دائمی اور ابدی عذاب کے بارہ میں احادیث بھی بے شمار آئی ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں اور اہل نار۔ نار میں پہنچ جائیں گے تو موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان اسکو ذبح کیا جائے گا اور پھر اللہ کے حکم سے ایک منادی یہ اعلان کریگا کہ اے اہل جنت اب خلود یعنی بقاء اور دوام ہی ہے اور کبھی بھی موت نہیں اور اے اہل نار اب خلود یعنی بقاء اور دوام ہی ہے اس کے بعد موت نہیں یہ سن کر اہل جنت تو خوش ہو جائیں گے اور کافر ناامید اور غمگین ہو جائیں گے۔

اور حدیث میں ہے کہ تمام اہل کبائر جہنم سے نکل جائیں گے اور صرف وہ لوگ جن کو قرآن نے روکا ہے یعنی کافر جہنم میں باقی رہ جائیں گے اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔

حافظ عسقلانیؒ فتح الباری ص ۳۶۳ ج ۱۱ میں کافروں کے دائمی عذاب کی حدیثوں کو نقل کر کے

---

[1] شیخ تقی الدین سبکیؒ حدیث اور فقہ کے مسلّم حافظ اور فقیہ ہیں اور حافظ ابن تیمیہؒ کے ہمعصر ہیں ۷۵۶ھ میں وفات پائی ابن تیمیہؒ نے جن مسائل میں جمہور امت سے تفرد اور شذوذ کی راہ اختیار کی اور اجماع کی مخالفت کی ان مسائل میں تقی الدین سبکیؒ نے ابن تیمیہ رح کا رد لکھا اور خوب لکھا ان میں سے ایک رسالہ یہی ہے جس میں ابن تیمیہؒ کے اس قول شاذ کا رد لکھا کہ دوزخ کا عذاب دائمی نہیں حضرات اہل علم اصل رسالہ کی مراجعت کریں اس کے علاوہ ابن تیمیہؒ نے جو تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیکر اجماع صحابہ و تابعین کے خلاف کیا ہے اور توسل اور زیارت نبوی کے لیے سفر کو ممنوع قرار دیا ہے اس قسم کے تمام مسائل کی تحقیق کے لیے تقی الدین سبکیؒ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اُن کو دیکھ لیا جائے۔

پیٹ

فرماتے ہیں کہ امام قرطبیؒ یہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ کافروں کے خلود فی النار کی کوئی حد اور نہایت نہیں اور کفار دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ اُن کو موت آئیگی اور نہ نفع اور راحت کی کوئی زندگی ہوگی جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا. بعد ازاں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ زعم کیا کہ کافر دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور دوزخ بالکل خالی رہ جائے گی یا یہ گمان کیا کہ دوزخ ہی سرے سے زائل اور فنا ہو جائے گی تو ایسے قائل نے اُس دین اور شریعت سے خروج اور انحراف کیا کہ جو حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لے کر آئے اور اس زاعم اور قائل نے اُس چیز سے بھی خروج کیا کہ جس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہو چکا ہے (امام قرطبیؒ کا کلام ختم ہوا)

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ جہمیہ کا قول تو یہ ہے کہ جہنم چند روز کے بعد بالکل فنا ہو جائے گی اس لیے کہ وہ حادث ہے اور ہر حادث فانی ہے اور بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ دوزخ فنا تو نہیں ہوگی مگر کچھ مدت کے بعد اُس کا عذاب ختم ہو جائے گا اور دوزخی لوگ اس سے نکل جائیں گے اور بعض متاخرین (یعنی ابن تیمیہ) کا میلان اسی طرف ہے۔

وهو مذهب ردیّ مردود على	اور یہ مذہب نہایت ردی اور مردود
قائله وقد اطنب السبكي الكبير	ہے اور شیخ تقی الدین سبکی کبیرؒ نے
في بيان وهائه فاجاد (فتح الباری	اس قول کے فساد اور خرابی کے بیان
ص۳۶۳ ج۱۱ باب صفة الجنة والنار	میں تفصیل سے کلام کیا ہے اور نہایت
من كتاب الرقاق)	عمدہ اور جید طریق سے اس قول کا رد کیا ہے

اور ابن حزم نے بھی جنت وجہنم کے ثواب وعقاب کے دائمی ہونے پر اجماع نقل کیا اور یہ کہا ہے کہ امت محمدیہ کے تمام فرقے اس پر متفق ہیں کہ جنت اور جہنم اور ان کا ثواب اور عقاب کبھی ختم نہ ہوگا الخ تفصیل کے لیے ملل ونحل دیکھو ص۸۳ ج ۴۔

ایک شبہ جن لوگوں کا یہ خیال خام ہے کہ دوزخ کا عذاب دائمی نہیں ایک عرصہ کے بعد خدا تعالیٰ کے رحم وکرم سے یہ عذاب ختم ہو جائے گا وہ اس آیت میں جو لفظ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ آیا ہے اس سے استدلال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ سے استثناء ہے معلوم ہوا کہ کافروں کا عذاب دائمی نہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے آیت میں اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کا لفظ محض اللہ کی مشیت اور اختیار اور قدرت کے بیان کرنے کے لیے بڑھایا گیا

ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کافروں کا دائمی عذاب اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے وہ جب چاہے اُسے ختم کر سکتا ہے یہ استثناء محض اظہار قدرت و مشیت کے لیے ہے نہ کہ اخبار کیلئے یعنی اس خبر دینے کے لیے نہیں کہ کافروں کا عذاب چند روز کے بعد ختم ہو جائے گا تاکہ کافر امید لگا کر بیٹھ جائیں کہ چند روز کے بعد یہ مصیبت ختم ہو جائے گی قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ شعیب علیہ السلام نے کافروں کے جواب میں یہ فرمایا وَمَا يَكُونُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا کہ ہمارا کفر و شرک کی طرف جانا ناممکن اور محال ہے مگر جو اللہ چاہے سو اس استثناء سے معاذ اللہ انبیاء کرامؑ کے کفر و شرک کا امکان بیان کرنا نہیں بلکہ اللہ کی مشیت کو بتلانا مقصود ہے کہ ایمان اور ہدایت سب اس کے اختیار میں ہے اسی طرح اس آیت میں سمجھو کہ اس استثناء سے محض اظہار قدرت و مشیت مقصود ہے معاذ اللہ یہ خبر دینا مقصود نہیں کہ یہ عذاب دوزخ چند روزہ تکلیف ہے بعد چندے یہ مصیبت ختم ہو جائیگی خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کی بے شمار آیتوں میں اس بات کی قطعی خبر دی ہے کہ کافروں کا عذاب کبھی ختم نہ ہوگا اور نہ اس میں تخفیف ہوگی بلکہ دن بدن اس میں زیادتی ہوتی جائے گی حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے الا ماشاء اللہ کی یہی تفسیر اختیار کی جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور علامہ آلوسیؒ[1] نے بھی اس تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔

---

[1] علامہ آلوسی روح المعانی ص۲۲ ج۸ میں لکھتے ہیں ونقل عن بعضهم ان هذا الاستثناء معذوق بمشيئة الله تعالیٰ رفع العذاب ای يخلدون الی ان يشاء الله تعالیٰ لو شاء وفائدته اظهار القدرة والاذعان بان خلودهم انما كان لان الله تعالیٰ شانه قد شاءه وكان من الجائز العقلی فی مشيئته ان لا يعذبهم ولو عذبهم لا يخلدهم وان ذلك ليس بامر واجب عليه وانما هو مقتضی ارادته ومشيئته عزوجل وفی الآية على هذا دفع فی صدور المعتزلة الذين يزعمون ان تخليد الكفار واجب على الله بمقتضى الحكمة ولعل هذا هو الحق الذی لا محيص عنه كذا فی روح المعانی ص۲۲ ج۸ ويؤيد ذلك ما روی ابن جرير عن ابن عباس انه كان يتأول فی هذا الاستثناء ان الله جعل امر هؤلاء فی مبلغ عذابه اياهم الی مشيئته، تفسير ابن جرير ص۲۶ ج۸ قال ابن حزم الاندلسی الظاهری المتوفی ۴۵۶ھ روينا عن عبد الله بن عمرو بن العاص لو اقام اهل النار فی النار ماشاء الله ان يبقوا لكان لهم على ذلك يوم يخرجون فيه منها قال ابو محمد انما هو فی اهل الاسلام الداخلين فی النار بكبائرهم ثم يخرجون منها بالشفاعة ويبقى ذلك المكان خاليا ولا يحل لاحد ان يظن فی الصالحين الفاضلين خلاف القرآن وحاشا لهما من ذلك وبالله التوفيق (ملل ونحل لابن حزم ص۸۶ ج۴)

جواب دیگر | ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیگر علماء سے یہ مروی ہے کہ اس آیت میں لفظ ما بمعنی مَنْ ہے اور اس سے عُصَاۃ مؤمنین مراد ہیں یعنی جن اہل ایمان کو اللہ چاہے گا وہ نار میں داخل ہی نہ ہوں گے یا داخل ہونے کے بعد حق تعالیٰ کی رحمت سے یا نبی یا فرشتہ کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے یا لفظ مَا سے وہ لوگ مراد ہیں جو انہی کافروں میں سے آئندہ چل کر ایمان لے آویں گے اور اسلام میں داخل ہو جائیں گے سو ایسے لوگ اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

یا یوں کہا جائے کہ شروع آیت میں خطاب تمام مجرمین کو ہے خواہ وہ کفر و شرک کے مجرم ہوں یا ارتکاب کبیرہ کے مجرم ہوں ابتداءً سب دوزخ میں داخل کیے جائیں گے بعد چندے عصاۃ مؤمنین یعنی گنہگار مسلمان تو دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور کفار کے لیے ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم ہوگا اور یہی مطلب ہے اس کا کہ جو بعض صحابہؓ سے نقل کیا جاتا ہے کہ دوزخ پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کوئی اس میں نہ رہے گا سو بالفرض والتقدیر اگر یہ قول صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ موحدین اور اہل ایمان میں سے کوئی شخص دوزخ میں باقی نہیں رہے گا جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور صرف کفار جہنم میں باقی رہ جائیں گے (دیکھو فتح الباری ص ۲۶۲ ج ۱۱ وکتاب الملل والنحل لابن حزم ص ۸۶ ج ۴)

خلاصۂ کلام | یہ کہ معشر جن اور ان کے متبعین کو یہ سزا دی جائے گی کہ جاؤ تم سب مل کر جہنم میں رہو اور جس طرح تم سب دنیا میں ساتھ رہے اسی طرح ہم دوزخ میں بعض ظالموں کو بعض ظالموں کے ساتھ ملا دیں گے جس درجہ اور جس قسم کا ظالم ہوگا اسی قسم کے ساتھ اسی طبقہ میں اس کو اس کے ساتھ ملا دیں گے یعنی اس کا ساتھی بنا دیں گے ان کے اعمال کفریہ کی وجہ سے یا یہ معنی ہیں کہ دنیا میں بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں اور اس کو اس کے ہاتھ سے خوار اور ہلاک کراتے ہیں تاکہ وہ اپنے ظلم کی سزا ظلم ہی سے بھگتیں حدیث میں ہے کہ جو ظالم کی مدد کرے گا اللہ اس پر کسی ظالم کو مسلط کرے گا کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

وَمَا مِنْ يَدٍ اِلَّا يد الله فَوْقَهَا ❊ وَمَا ظَالِمٌ اِلَّا سَيُبْلٰى بِظَالِمٍ

رجوع بہ مضمون سابق

اب اس استطرادی مضمون کے بعد پھر مضمون سابق کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم قیامت کے دن یہ بھی کہیں گے اے گروہ جن و انس تم مکاروں کے دھوکہ میں کیسے آگئے کیا

تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم سے میرے احکام بیان کرتے تھے اور اس دن کے سامنے آنے سے تم کو ڈراتے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ تم کفر سے باز نہ آتے

جمہور ائمہ سلف اور خلف کا مذہب یہ ہے کہ رُسُلٌ فقط انسانوں میں سے آتے ہیں نہ کہ جنات میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول تو فقط بنی آدم میں سے ہوئے ہیں البتہ منذرین یعنی مبلغین اور واعظین، جنات میں سے بھی ہوتے ہیں جیسا کہ جنات کے بارہ میں ارشاد ہے وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸۶ ج ۷ و تفسیر ابن کثیر ص ۱۷۱ ج ۲)

بعض لوگوں کو اس آیت سے شبہ ہوا ہے کہ جنات میں سے بھی رسول ہوتے ہیں کیونکہ ظاہراً اس آیت (يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ) سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ رسول جنات اور آدمیوں دونوں سے ہوتے ہیں اگر دونوں میں سے نہ ہوتے تو جنات اور انسانوں دونوں کو مخاطب کر کے یہ نہ کہا جاتا کہ تمہارے پاس تمہارے ہی میں سے رسول نہیں آتے تھے۔

جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ خطاب مجموعۂ جن وانس کو ہوگا یعنی مجموعۂ مکلفین کو خطاب ہوگا ہر جماعت سے علیحدہ علیحدہ اور الگ الگ خطاب نہیں ہوگا اور مجموعہ جن وانس میں نبی ہوئے ہیں لہذا اُن سے یہ پوچھنا صحیح ہے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جن اور انس ہر فرقے سے علیحدہ علیحدہ نبی ہوتے ہیں اس کی نظیر قرآن کریم کی آیت ہے يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ۔ ان دونوں دریاؤں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں صرف دریائے شور سے نکلتی ہیں دریائے شیریں سے نہیں نکلتیں لیکن چونکہ ذکر میں دونوں کو ایک ساتھ جمع کر لیا گیا اس لیے ان چیزوں کے نکلنے کی نسبت دونوں کی طرف صحیح ہے کیونکہ یہ چیزیں مجموعہ سے نکلتی ہیں نیز قرآن کریم میں ہے وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا یعنی ساتوں آسمانوں میں چاند کو اجالا بنایا حالانکہ چاند ایک ہی آسمان یعنی آسمان دنیا میں ہے نہ کہ سب آسمانوں میں کسی کے نزدیک بھی آیت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر آسمان میں چاند ہے چاند تو ایک ہی آسمان میں ہے لیکن ساتوں آسمانوں کے مجموعہ کی طرف اسکی نسبت صحیح ہے مثلاً اگر کوئی یہ کہے اے عرب وعجم کے باشندو! اور اے مشرق اور مغرب کے رہنے والو کیا خدا تعالیٰ نے تم ہی میں سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک محمد تو عرب میں پیدا ہوئے اور ایک محمد عجم میں پیدا ہوئے کیونکہ یہ خطاب مجموعۂ عالم کو ہے انواع اور اجناس کو علیحدہ علیحدہ خطاب نہیں۔

باقی یہ تحقیق کہ ہر نوع میں سے الگ الگ پیغمبر بھیجے گئے یا پیغمبر تو فقط نوع بنی انسان سے

بھیجے گئے مگر ان کی بعثت جن وانس دونوں کی طرف ہوئی سو یہ آیت اس بیان سے ساکت ہے البتہ دوسری آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل پیغمبر حضرت آدمؑ کی اولاد سے ہوئے ہیں اور وہی جنات کو بھی تعلیم دیتے تھے۔

(۱) یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ الآیۃ

(۲) اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ الیٰ قولہ تعالیٰ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ

(۳) وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ وَالْکِتَابَ یعنی ابراہیم کے بعد ہم نے نبوت اور کتاب کو ابراہیم کی اولاد میں منحصر کر دیا۔

(۴) وقال تعالیٰ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّھُمْ لَیَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَیَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ۔

(۵) وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِّنْ اَھْلِ الْقُرٰی وغیر ذلک من الآیات

قرآن کریم کی بے شمار آیتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ انسانوں کی طرف فرشتہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا اس لیے کہ عام انسان فرشتہ کا اصلی صورت میں دیکھنے کا تحمل نہیں کر سکتے اور بے اندازہ خوف وہیبت کی وجہ سے اس سے استفادہ نہیں کر سکتے اور انسانی صورت میں بے تکلف اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اسی طرح سمجھو کہ انسان کا جنوں سے خوف وہیبت کی وجہ سے استفادہ بہت مشکل ہے البتہ جنوں کا انسانوں سے استفادہ سہل اور آسان ہے۔

کافروں کی طرف سے اقرار جرم

قیامت کے دن کافروں سے جب باز پرس ہوگی کہ کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں آئے اور کیا تم کو ہماری ہدایتیں اور احکام نہیں پہنچے تو اس وقت ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑے گا اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم اپنی جانوں پر خود اپنے جرم کے گواہ ہیں یعنی ہمیں اسبات کا اعتراف اور اقرار ہے کہ ہمارے پاس تیرے رسول آئے اور انہوں نے ہم کو تیرے احکام کی تبلیغ کی اور اس دن کے پیش آنے سے ہم کو ڈرایا مگر ہم نے انکو جھٹلایا اور ان پر ایمان نہیں لاتے اور یہ سب آفت ان پر اس لیے آئی کہ دنیاوی زندگانی نے ان کو دھوکہ اور فریب میں ڈال دیا وہ یہ سمجھے کہ جو کچھ ہے وہ یہیں کا عیش و آرام ہے قیامت اور حشر ونشر تو باتیں ہی باتیں ہیں اور گواہی دیں گے وہ اپنی جانوں پر کہ بے شک ہم دنیا میں کفر کرنے والے

تھے پہلا قول کفار کا تھا اور یہ حق تعالیٰ کی طرف سے بطور مذمت اُن کے کفر کا بیان ہے تاکہ سامعین اُس سے عبرت پکڑیں اور سمجھ لیں کہ قیامت کے دن کا اقرار بیکار ہے اب آئندہ آیت میں اپنی رحمت کو بیان فرماتے ہیں یہ یعنی رسولوں کا بھیجنا اس لیے ہے کہ تیرا پروردگار ایسا نہیں کہ کفر اور شرک کی وجہ سے دنیا میں بستیوں کو ہلاک کر دے اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں یعنی اللہ تعالیٰ رسولوں کے بھیجنے سے پہلے لوگوں کو نہیں پکڑتا تاکہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہم بے خبر تھے ہم کو بغیر خبردار کیے کیسے پکڑ لیا ہاں خدا تعالیٰ جب رسولوں کو بھیج کر لوگوں پر حجت پوری کر دیتا ہے اور پھر بھی وہ اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آتے تب ان کو ہلاک کرتا ہے کما قال تعالیٰ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا وقال تعالیٰ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ. غرض یہ کہ اس آیت میں بظلم سے کفر اور شرک کے معنی مراد ہیں اور بعض علماء نے آیت کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بدون تنبیہ و تذکیر رسل کسی کو ظلماً ہلاک نہیں کرتا کیونکہ اللہ ظالم نہیں۔

اور جب لوگوں کے پاس اللہ کے رسول آگئے اور لوگوں کو احکام پہنچ گئے اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہوگئی تو جزاء اور سزا کے مستحق ہوگئے اور لوگوں کے اعمال کے مطابق ہر ایک کے درجے مقرر ہیں جس درجہ کا عمل ہوگا اس کے مطابق معاملہ ہوگا کوئی قعرِ جہنم میں ہوگا اور کوئی اس کے کنارہ پر کوئی وسطِ جنت میں ہوگا اور کوئی اس کے کنارہ پر اور تیرا پروردگار لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں اُن کے نیک و بد اعمال سب اس کے پیشِ نظر ہیں اس کے بعد حق تعالیٰ کی شان بے نیازی اور شان رحمت کو بیان کرکے کافروں سے خطاب فرماتے ہیں کہ خدا اس پر قادر ہے کہ تمہیں ہلاک کر دے اور دوسرے لوگوں کو تمہارے قائم مقام کر دے چنانچہ فرماتے ہیں اور تیرا پروردگار بڑا بے نیاز رحمت والا ہے اُسے کسی کی عبادت اور بندگی کی ضرورت نہیں اور نہ کسی کی اطاعت کا محتاج ہے وہ صاحب رحمت ہے لوگوں کے لیے رسول بھیجتا ہے اور گناہوں پر فوراً سزا نہیں دیتا اگر وہ چاہے تو تم سب کو یکلخت اس دنیا سے ملک عدم میں لے جائے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین کر دے جیسا کہ تمکو دوسرے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا کہ اُن کو توفنا کر دیا اور تم کو ان کا جانشین بنا دیا بے شک جس چیز کا تم سے انبیاء کی معرفت وعدہ کیا جا رہا ہے یعنی قیامت اور عذاب کا وہ ضرور آنے والی ہے اور تم خدا کو عاجز نہیں کر سکتے یعنی تمہارا یہ خیال ہو کہ قیامت یا عذاب آنے پر ہم کہیں بھاگ نکلیں گے تو سمجھ لو کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے تم خدا تعالیٰ کی گرفت سے کہیں چھوٹ نہیں سکتے اور کسی صورت تم اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اے نبیؐ! آپ اپنی قوم کے مشرکوں سے یہ کہہ دیجیے کہ تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو اور میں اپنی جگہ پر کام کرتا ہوں مطلب یہ ہے کہ تم اپنے کفر اور عداوت

کے طریقہ پر قائم رہو اور میں اسلام اور صبر پر قائم ہوں مجھے تمہارے کفر اور عداوت کی کوئی پرواہ نہیں میں اپنا کام کرتا ہوں تم اپنا کام کیئے جاؤ ۔ پس عنقریب تم کو معلوم ہو جائیگا کہ آخرت میں اچھا انجام کس کو حاصل ہوتا ہے ہمیں یا تمہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ ظالموں کو کبھی فلاح نصیب نہ ہوگی وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے

❖ ❖ ❖

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کا اس کی پیدا کی کھیتی سے اور مواشی میں ایک حصہ

فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ

پھر کہتے ہیں یہ حصہ اللہ کا ہے اپنے خیال پر اور یہ ہمارے شریکوں کا سو جو

لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ

اُن کے شریکوں کا ہے سو نہ پہنچے اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہے سو پہنچے اُن

يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ

کے شریکوں کی طرف کیا برا انصاف کرتے ہیں اور اسی طرح

زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

بھلی دکھائی ہیں بہت مشرکوں کو اولاد مارنی اُن کے شریکوں نے

لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

کہ اُن کو ہلاک کریں اور ان کا دین خلط کریں اور اللہ چاہتا تو

مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ

یہ کام نہ کرتے سو چھوڑ دے وہ جانیں اور اُن کا جھوٹ اور کہتے ہیں یہ

اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ

مویشی اور کھیتی منع ہے اُس کو نہ کھاوے مگر جس کو ہم چاہیں

بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا

اپنے خیال پر اور بعضے مواشی کی پیٹھ پر چڑھنا منع ٹھہرایا ہے اور بعضے مواشی کے

يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ

ذبح پر نام نہیں لیتے اللہ کا اس پر جھوٹ باندھ کر وہ سزا دے گا

بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ

اُن کو اس جھوٹ کی اور کہتے جو ان مواشی کے پیٹ میں ہو

الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ

سو نرا ہمارے مرد کھاویں اور حرام ہے ہماری عورتوں کو

وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ

اور جو مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہوں وہ سزا دے گا اُن کو

وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

ان تقریروں کی وہ حکمت والا ہے خبردار بے شک خراب ہوئے

قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ

جنہوں نے مار ڈالی اپنی اولاد نادانی سے بن سمجھے

وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً

اور حرام ٹھہرایا جو اللہ نے اُن کو رزق دیا جھوٹ باندھ

عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا

کر اللہ پر بے شک بہکے اور نہ آئے

مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

راہ پر

ابطال رسوم جاہلیت

قال اللہ تعالیٰ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ ۔۔۔ الیٰ ۔ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں مشرکین کی اعتقادی جہالتوں کا بیان تھا اب ان آیات میں اُن کی بعض عملی جہالتوں یعنی اُن کی بعض جاہلانہ رسموں اور عادتوں کو بیان کرتے ہیں وہ رسمیں یہ ہیں

رسمِ اوّل

اور من جملہ اُن کی ہزاروں جہالتوں کے ایک جہالت یہ تھی کہ انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصّہ بطور نیاز اللہ کے لیے مقرر کیا۔ یعنی مشرکین عرب میں ایک رسم یہ تھی کہ اپنی کھیتی اور مویشی میں ایک حصّہ بطور نیاز کے خدا کے نام کا نکالتے اور ایک حصہ اپنے بتوں کے نام کا نکالتے اللہ کا حصہ مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے اور بتوں کے چڑھاوے اُن کے مجاوروں پر خرچ کرتے پھر اگر اتفاق سے اللہ کے حصّہ میں سے کچھ بتوں کے حصّہ میں کوئی چیز گر جاتی تو اُس کو اسی میں رہنے دیتے اور کہتے کہ اللہ تو غنی ہے اور اگر بتوں کے حصّہ میں سے کوئی چیز اللہ کے حصّہ میں گر جاتی تو اُس کو نکال کر پھر بتوں کے حصّہ میں شامل کر دیتے اور کہتے کہ بت اس کے محتاج ہیں اور اگر اللہ کے حصّہ میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جاتی تو اسکی پروا نہ کرتے اور اگر بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جاتی تو اللہ کے حصہ میں سے اُسکی کمی پوری کر لیتے اس آیت میں اُنکی اسی جہالت کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ انکی جہالت اور حماقت کا یہ عالم ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصّہ خدا کے لیے مقرر کیا اور پھر اپنے گمان میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حصّہ تو اللہ کا ہے اور یہ حصہ ہمارے بتوں کا ہے پس جو حصہ اُن کے معبودوں کا ہے وہ خدا کی طرف نہیں پہنچ سکتا یعنی بتوں کے نام کا حصہ مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ نہیں کیا جاسکتا اور البتہ جو حصّہ اللہ کے نام کا ہے وہ ان کے بتوں کو پہنچ سکتا یعنی اللہ کا حصہ معبودوں پر صرف ہو سکتا ہے کیا ہی بُرا ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں کیونکہ اوّل تو یہ کہ کھیتی اور مویشی جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی تھی اس میں سے غیر اللہ کا حصہ کیسے نکالا دوم یہ کہ بتوں کو فقیر اور محتاج بھی مانتے ہیں اور با وجود محتاج ماننے کے اُن کو معبود کہتے ہوئے شرماتے نہیں سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب پر بتوں کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں غرض یہ کہ اُن کا یہ فیصلہ سراسر حماقت اور جہالت ہے۔

رسم دوم

ور جس طرح اُن کو یہ افعال قبیحہ بھلے معلوم ہوتے ہیں اسی طرح بہت سے مشرکوں کی نظر میں اُن کی اولاد کے قتل کو اُن کے شرکاء (شیاطین) نے مزین اور مستحسن کرکے دکھلایا ہے یعنی جس طرح شیطانوں نے اُن کی نظر میں یہ بات اچھی کرکے دکھلائی تھی کہ کھیتی اور مویشی میں سے بتوں کے نام کا حصہ نکالیں اسی طرح شیاطین نے اُن کو یہ سمجھا دیا کہ افلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کر ڈالیں اور عار کے ڈر سے لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیں اور اپنے خیال میں اس کام کو بہت اچھا سمجھتے تھے شیاطین نے مشرکین کو یہی سمجھایا کہ اولاد کو قتل کرنا نہایت اچھا کام ہے تاکہ وہ شیاطین اس طرح سے ان مشرکین کو ہلاک کریں یعنی اس جہالت کے مزین اور مستحسن کرنے سے شیاطین کا مقصود اُن کو ہلاکت ابدی میں ڈالنا ہے اور تاکہ ان کا دین خلط ملط کردیں یعنی مشتبہ کردیں مطلب یہ ہے کہ شیاطین کا ایک مقصود تو اس تزیین اور تحسین سے اُن کو ہلاکت میں ڈالنا ہے کہ اس جہالت اور سنگ دلی اور بے رحمی میں پڑ کر دنیا اور آخرت دونوں ہی کو تباہ اور برباد کریں اور دوسرا مقصود یہ ہے کہ اُن کا دین جو اصل میں ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کا دین ہے وہ مشتبہ ہو جائے معاذ اللہ کجا دین ابراہیمی اور کجا یہ جہالت وحماقت اور اے نبی کریمؐ آپ اُن کی ان حرکات شنیعہ سے مغموم نہ ہوں کیونکہ اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ خراب کام نہ کرتے مگر ان کی قسمت ہی خراب ہے اللہ کو ان کا ہلاک کرنا ہی منظور ہے پس آپ اُن کو اسی افتراء پردازی میں چھوڑ دیجئے جو افتراء کرتے ہیں وہ کرتے دیجئے ان کی فکر میں نہ پڑیے۔

رسم سوم

اور من جملہ ان کی جاہلانہ رسموں کے ایک رسم یہ تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ خاص چوپائے اور خاص کھیتی ہے جو ممنوع الاستعمال ہے یعنی اس سے انتفاع حاصل کرنا اور اس کو استعمال میں لانا ممنوع ہے اس کو کوئی نہیں کھا سکتا مگر صرف وہ لوگ جن کو ہم اپنے گمان میں چاہیں وہ یعنی صرف بتوں کے مجاور اور ہنت اور صرف مرد کھا سکتے ہیں نہ کہ عورتیں مشرکین نے اپنے خیال میں بعض مویشی اور کھیتوں کے متعلق یہ قیود عائد کر رکھی تھیں جو بتوں کے نام پر وقف کیے جاتے تھے غرض یہ کہ ان کی ایک رسم یہ تھی کہ جن جانوروں وغیرہ کو بتوں کے نام

پر دقف کر دیتے تھے اس کا کھانا سوائے پجاریوں کے کسی اور کے لیے جائز نہیں سمجھتے تھے۔

رسم چہارم

اور ایک رسم یہ تھی کہ یہ کہتے تھے کہ یہ مخصوص مویشی ہیں جن کی پیٹھیں حرام ہیں یعنی ان پر سوار ہونا اور ان پر سامان لادنا سب ناجائز ہے یہ مویشی بحیرہ اور سائبہ اور حام اور وصیلہ تھے جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے۔

رسم پنجم

اور یہ بھی کہتے تھے کہ یہ مخصوص مویشی ہیں جن پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ بتوں کے نام پر ان کو ذبح کرتے تھے بعض جانوروں کے متعلق مشرکین نے یہ قرار دے رکھا تھا کہ ذبح کرنے یا سواری کرنے یا دودھ نکالنے کے وقت ان پر خدا کا نام نہ لیا جائے مبادا جو چیز بتوں کے نامزد ہے کہیں اس میں خدا کی شرکت ہو جائے پھر غضب یہ ہے کہ اپنی ان لغویات اور خرافات اور جہالتوں کو اللہ پر بہتان باندھ کر خدا کی طرف ان کی نسبت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بحیرہ وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے یہ سب اللہ پر افتراء اور بہتان ہے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اس افتراء کی سزا دے گا اللہ پر افتراء اور بہتان جرم عظیم ہے۔

رسم ششم

اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے اگر ان سے زندہ بچہ ظاہر ہو تو وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہو تو اس سے منتفع ہونے کے جواز اور حلت میں مرد اور عورت سب شریک ہیں سب کے لیے اس کا کھانا جائز ہے مشرکین یہ کہتے تھے کہ بحائر اور سوائب وغیرہ جو بتوں کے نام پر چھوڑے گئے ہیں ان سے جو بچہ زندہ پیدا ہو اس کا کھانا صرف مردوں کے لیے حلال ہے عورتوں کو اس میں سے کھانا حرام ہے اور جو مردہ پیدا ہو تو اس کو مرد اور

عورت سب کھا سکتے ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ اُن کو اس جھوٹ اور افتراء کی سزا دے گا بیشک وہ حکمت والا جاننے والا ہے سب سے باخبر ہے کسی حکمت سے مہلت دے رکھی ہے یہاں تک مشرکین کی چند جہالتوں اور حماقتوں کو بیان کیا جن میں سب سے زیادہ قبیح عقلاً و شرعاً قتل اولاد کا جرم تھا اس لیے خاتمہ کلام پر اس کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں بے شک وہ لوگ گھاٹے میں رہے جنہوں نے بیوقوفی سے بلا جانے بوجھے اپنی اولاد کو مار ڈالا یہ اُن کی حماقت اور جہالت اور سنگدلی اور بے رحمی کا نتیجہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے اپنی ہی اولاد کو قتل کر دیا دنیا میں اولاد سے محروم ہوئے اور آخرت کا عذاب سر پر رکھا گیا اس طرح دنیا اور آخرت کا خسارہ اٹھایا اور جو حلال چیزیں اللہ نے اُن کو کھانے پینے کے لیے دی تھیں اُن کو اپنے اوپر حرام کر لیا اللہ پر جھوٹ باندھ کر اور بے شک وہ گمراہ ہوئے اور راہ پانے والے نہ ہوئے ایسے بے عقل اور سنگ دل لوگ کہاں راہ یاب ہو سکتے ہیں خلاصۂ کلام یہ کہ جو لوگ ان ناشائستہ افعال اور بے ہودہ خیالات میں مبتلا ہیں سب زیانکار اور بے علم اور بے عقل ہیں اور خدا پر جھوٹ افتراء کرنے والے اور گمراہ ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

وَهُوَ الَّذِیٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ

اور اسی نے پیدا کیے باغ چھتریوں کے

وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ

اور بغیر چھتریوں کے اور کھجور اور کھیتی کئی طرح ہے اس کا

وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ

پھل اور زیتون اور انار آپس میں ملتا اور جدا

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ

کھاؤ اس کے پھل میں سے جس وقت پھل لاوے اور دو اس کا حق جس دن کٹے

وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ

اور بیجا نہ اڑاؤ اس کو خوش نہیں آتے اڑا دینے والے اور

الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ

پیدا کیے مواشی میں لدنے والے اور دبے، کھاؤ اللہ کے رزق میں سے اور

لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

مت چلو شیطان کے قدموں پر وہ تمہارا دشمن ہے صریح

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ

پیدا کیے آٹھ نر اور مادہ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے

اثْنَيْنِ ؕ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا

دو پوچھ تو کہ دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا جو

اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ

لپٹ رہا ہے ماده‌وں کے پیٹ میں بتاؤ مجھ کو سند

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ

اگر تم سچے ہو اور پیدا کیے اونٹ میں سے دو اور

مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

گائے میں سے دو پوچھ تو دونوں نر حرام کیے ہیں یا

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

دونوں مادہ یا جو لپٹ رہا ہے ماده‌وں کے پیٹ میں

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ

یا تم حاضر تھے جس وقت اللہ نے تم کو یہ کہہ دیا تھا پھر اس سے ظالم

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ

کون جو جھوٹ باندھے اللہ پر تا لوگوں کو بہکاوے بغیر

عِلۡمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾

تحقیق بے شک اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو

تقریر توحید وتذکیر انعامات نباتیہ وحیوانیہ

قَالَ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ .... الٰی ... اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں مشرکین عرب کی رسوم شرکیہ اور ناشائستہ افعال اور جاہلانہ عادتوں کا ذکر تھا اب ان آیات میں اُن کی تردید فرماتے ہیں اور حق جل شانہ نے اس تردید میں دو باتیں ذکر فرمائیں۔ اول یہ کہ ان تمام حیوانات اور نباتات کا خالق صرف حق جل شانہ ہے یہ تمام جانور اور باغات اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں جن میں ذرہ برابر کوئی اس کا شریک نہیں پھر تم کیوں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو کوئی چیز سوائے خالق کے کسی کے نامزد نہیں کی جاسکتی۔

دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ جو چیزیں تم نے حرام ٹھہرا رکھی ہیں اس پر کیا دلیل ہے خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو تحلیل وتحریم کا اختیار نہیں کیا خدا نے تمہارے سامنے ان کی حرمت کا حکم دیا تھا اور اسی ذیل میں آٹھ قسم کے مویشی کا ذکر فرمایا اور یہ بتلایا کہ یہ سب انواع حلال ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے کھانے کے لیے ان کو پیدا کیا اور تم نے محض اپنے جی سے بلا دلیل اور بلا سند بعض کو حرام ٹھہرا لیا یہ محض تمہارا افتراء ہے۔

گذشتہ آیات میں بھی مشرکین کے جھوٹ اور افتراء کا بیان تھا اب ان آیات میں بھی اُن کے افتراء کا بیان ہے اور بطور تہکم کے فرماتے ہیں کہ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب کہ اللہ نے ان مویشیوں کو تمہارے زعم اور خیال کے مطابق حرام کیا تھا یہ سب تمہارا اللہ پر افتراء ہے اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر افتراء کرے چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ خدا وہ ہے جس نے تمہارے لیے قسم قسم کی نعمتیں پیدا کیں تاکہ اُن کے ذریعہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اسی نے تمہارے لیے مختلف قسم کے باغات پیدا کیے کچھ تو انگور کی طرح ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے ہیں اور کچھ نہیں چڑھائے ہوئے انگور اور کدو وغیرہ کی بیلیں ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں اور بغیر ٹٹیوں کے چڑھائے سب ہی درخت ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہر قسم کے باغ پیدا کیے اُن میں سے بعض ایسے ہیں جن کو تم ٹٹیوں پر چڑھاتے ہو اور بعض ایسے ہیں جنکو ٹٹیوں پر نہیں چڑھاتے اس سے اُس کی کمال قدرت اور کمال رحمت عیاں ہے اور اسی نے کھجور اور کھیتی کو پیدا کیا جسکے پھل حجم اور بو اور مزے میں مختلف ہیں اور اُسی نے زیتون اور انار کو بھی اسی طرح

پیدا کیا کہ بعض تو باہم رنگ اور شکل اور بو اور مزہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور
بعض ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہوتے یہ سب اُس کی قدرت کے کرشمے اور اُس کی رحمت
و عنایت کے نمونے ہیں کہ اُس نے یہ چیزیں تمہاری غذا اور لذت کے لیے پیدا کیں لہذا تم
اس کے پھل کھاؤ جب کہ وہ پھل لا دے اور اس کی قدرت کو جانو اور اُس کی نعمت کی
قدر کرو اور منعم کا شکر کرو اور ساتھ ساتھ فقراء اور مساکین کا بھی خیال رکھو یعنی اُس کے
کاٹنے اور توڑنے کے دن اس کا حق ادا کرو یعنی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ خیرات کر دو
اس کو اصطلاح فقہاء میں زکوٰۃ الخارج کہتے ہیں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس میں کسی خاص مقدار
کی شرط نہیں قلیل و کثیر سب میں واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں ایک خاص
مقدار ہونا شرط ہے کتب فقہ و حدیث میں اس کی تفصیل ہے یا آیہ مطلب ہے کہ جب تم اپنا
کھیت کاٹو یا درختوں کے پھل توڑو تو اُس موقعہ پر جو مساکین اور محتاج موجود ہوں اُن کو بھی اس
میں سے کچھ کھلاؤ اُن کا بھی اس میں حق ہے باغ والے کو چاہیے کہ ایسے موقعہ پر اصحاب الجنۃ کے
قصے پر دھیان کرے جو سورۃ نون میں مذکور ہے اور حدود شریعت سے تجاوز نہ کرو یعنی ناجائز
باتوں میں نہ خرچ کرو بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا خدا کا
دوست وہ ہے جو حدود شریعت کے اندر رہ کر خرچ کرے اور اللہ تعالیٰ نے کھیت اور مویشی
کی طرح تمہارے لیے چوپایوں میں سے کچھ تو بوجھ اٹھانے والے پیدا کیے جیسے اونٹ اور
گھوڑا اور گدھا اور خچر اور کچھ پستہ قد زمین سے ملے ہوئے پیدا کیے جو بوجھ نہیں اٹھا سکتے
جیسے بھیڑ بکری یہ سب سامان اللہ تعالیٰ نے تمہاری راحت کے لیے پیدا کیا پس تم کھاؤ اللہ
کے رزق میں سے جو اُس نے تم کو دیا ہے اور اُس کا شکر کرو اور اس رزق سے اُس کی
طاعت و عبادت میں قوت حاصل کرو اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے نفع اٹھاؤ اور شیطان
کے قدموں پر نہ چلو یعنی شیطان کے بہکائے میں آکر شرک نہ کرو اور نہ حلال کو حرام کرو بے شک
وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جس نے تم کو گمراہ کیا اور دنیا کی نعمتوں سے تم کو محروم کیا اور آخرت
کا عذاب الگ رہا اب بتلاؤ کہ اس سے بڑھ کر کیا دشمنی ہوگی الغرض حق تعالیٰ نے تمہاری غذا
کے لیے نر و مادہ ملا کر آٹھ قسم کے جانور پیدا کیے دو بھیڑ کی قسم سے یعنی نر اور مادہ اور دو بکری
کی قسم سے یعنی نر اور مادہ اور ان سب کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا اے نبیؐ آپ
ان کافروں سے پوچھیے تو سہی کہ بتلاؤ؟ کیا اللہ نے دونوں جانوروں کے نروں کو حرام کیا ہے
یا دونوں کی ماداؤں کو حرام کیا ہے یعنی کیا خدا نے بھیڑ اور بکری کے کل نر حرام کیے ہیں یا
دونوں کے کل مادہ حرام کیے ہیں یا اس بچہ کو حرام کیا ہے جس پر دونوں ماداؤں کے رحم یعنی
بچہ دان مشتمل ہیں یعنی کیا وہ بچہ حرام ہے جس کو دونوں ماداؤں کے رحم اپنے اندر لیے

ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کیا خدا نے پیٹ کے بچہ کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ نر ہو یا مادہ مجھے اسکے بارہ میں یقینی بات کی خبر دو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔

ف أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنثَيَيْنِ سے مشرکین کے اس قول مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا کے رد کی طرف اشارہ ہے یعنی تم جو کبھی نر کو اور کبھی مادہ کو حرام بتلاتے ہو اور کبھی کہتے ہو کہ یہ چیز مردوں کے لیے حرام ہے اور یہ چیز عورتوں کے لیے حرام ہے تمہارے پاس اس تحلیل و تحریم کی کیا دلیل ہے اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ ان چیزوں کو خدا ہی نے حرام کیا ہے اور حرام کرنے کا حکم اسی کے پاس سے آیا ہے تو کوئی قطعی ثبوت اس کا پیش کرو۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اونٹ سے دو قسمیں پیدا کیں یعنی نر اور مادہ اور گائے اور بھینس سے بھی دو قسمیں پیدا کیں یعنی نر اور مادہ اس طرح سے یہ مویشی کل آٹھ جوڑے ہوئے اگرچہ ان کے علاوہ مویشی کے اقسام میں اور بھی جانور ہیں مگر عرب میں بیشتر یہی جانور ہوتے تھے اور انہی میں سے مشرکین نے بعض کو حلال اور بعض کو حرام کر رکھا تھا اس لیے ان ہی کا ذکر کیا گیا آپ ان سے کہیے کہ کیا اللہ نے ان دونوں کے نروں کو حرام کیا ہے یا ان دونوں کی ماداؤں کو حرام کیا ہے یا اس بچہ کو حرام کیا ہے جس کو دونوں ماداؤں کے رحم اپنے اندر لیے ہوتے ہیں یعنی جس پر دونوں ماداؤں کے رحم یعنی بچہ دان مشتمل ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ ان سے پوچھیے کہ ان چیزوں میں حرمت کہاں سے آئی اور ان کی حرمت کی علت کیا ہے ان میں حرمت نر ہونے کی جہت سے آئی ہے یا مادہ ہونے کی جہت سے یا اشتمال رحم سے پیدا ہونے کی جہت سے حرمت آئی ہے پس اگر حرمت کی علت نر ہونا ہے تو کل نر حرام ہونے چاہئیں اور اگر حرمت کی علت مادہ ہونا ہے تو کل مادائیں حرام ہونی چاہئیں اور اگر اشتمال رحم یعنی رحم سے پیدا ہونا حرمت کی علت ہے تو تمام نر اور مادہ سب ہی حرام ہونے چاہئیں اس لیے کہ نر اور مادہ سب ہی رحم سے پیدا ہوتے ہیں پھر بعض کی کیا تخصیص ہے اور تم بعض کو حرام کہتے ہو سب کو حرام نہیں کہتے جب علت ایک ہے تو اس کی کیا وجہ کہ کوئی حرام ہو اور کوئی حلال ہو (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۱۵ تفسیر خازن ص ۴۹۹ و تفسیر مظہری ص ۳۳۵)

ف اس آیت میں ذکور اور اناث اور ما فی الارحام کے اس قدر تفصیل اور اس درجہ تعمیم سے مقصود مشرکین کے رد میں مبالغہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب انواع کو حلال کیا ہے پھر تم نے محض اپنے زعم سے ان میں سے بعض کو

کیسے حرام ٹھہرایا (تفسیر ابی السعود در روح المعانی)

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے کھانے اور نفع کے لیے پیدا کیا کما قال تعالیٰ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ اور ان اقسام ہشت گانہ میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی شئی کو حرام نہیں کیا نہ ان کو اور نہ ان کی اولاد کو بلکہ سب کو بنی آدم کے نفع کے لیے پیدا کیا کہ ان کو کھا دیں اور ان پر سوار ہوں اور بوجھ لادیں اور ان کا دودھ پیئیں اور طرح طرح کے منافع حاصل کریں پس اس کی کیا وجہ ہے کہ تم بعض جانوروں کو بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ ٹھہرا کر حرام قرار دیتے ہو اور مختلف صورتوں سے تحریم کے مدعی ہو اور ڈھٹائی سے ان جانوروں کی حرمت کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو یہ سب دروغ بے فروغ ہے کیا تم اس وقت حاضر تھے جب کہ اللہ نے تم کو اس تحریم و تحلیل کا حکم دیا تھا یعنی تم کسی نبوت اور وحی کے تو قائل اور معترف نہیں جو یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ نبی کے یہ حکم بھیجا ہے تو پھر تم کو کس طرح معلوم ہوا کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے کیا تم خود خدا سے بالمشافہ یہ حکم سن کر آئے ہو اور جب تم کو اللہ یہ حکم دے رہا تھا تو کیا تم اس وقت اس کے پاس بیٹھے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہے پس اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے کبھی نر کو اور کبھی مادہ کو حرام ٹھہرا کر اللہ کی طرف منسوب کرے تاکہ لوگوں کو بغیر تحقیق کے گمراہ کرے بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت یعنی توفیق نہیں دیتا جو شخص ظلم پر کمر بستہ ہو جائے اور دلائل واضحہ سے آنکھیں بند کر لے اُسے توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ

تو کہہ میں نہیں پاتا جس حکم میں کہ مجھ کو پہنچا کوئی چیز حرام کھانے والے کو جو اسکو

اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ

کھاوے مگر یہ کہ مردہ ہو یا لہو پھینک دینے کا یا گوشت

خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ

سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا گناہ کی چیز جس پر پکارا اللہ کے سوا کسی کا نام

فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ

پھر جو کوئی عاجز ہو نہ زور کرتا نہ زیادتی تو تیرا رب معاف کرتا ہے

رَّحِيمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ

مہربان — اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا

اور گائے اور بکری میں سے حرام کی ان کی چربی مگر جو

مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ

لگی ہو پشت پر یا آنت میں یا ملی ہو ہڈی کے ساتھ

ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۴۶﴾ فَإِن

یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی شرارت پر اور ہم سچ کہتے ہیں پھر اگر

كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ

تجھ کو جھٹلا دیں تو کہہ تمہارے رب کی مہر میں بڑی سمائی ہے اور پھرتا نہیں

بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۴۷﴾

اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے

تفصیلِ محرّماتِ شرعیّہ

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا ... اِلٰی ... وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں اُن حلال چیزوں کا بیان تھا جن کو اہل جاہلیت اپنے خیال میں حرام سمجھتے تھے اب ان آیات میں اُن حرام چیزوں کا ذکر ہے جن کو مشرکین عرب حلال سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ چیزیں حرام ہیں چنانچہ فرماتے ہیں آپ اُن سے کہدیجئے ان چیزوں کی حرمت کے بارہ میں جن کی حرمت تم خدا کی طرف منسوب کرتے ہو میں اُس وحی میں جو مجھ پر کی گئی ہے ان میں سے کسی چیز کو بھی کھانے والے پر جو اسے کھا دے حرام نہیں پاتا خواہ مرد ہو یا عورت مگر یہ کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو تو وہ تو بالکل ہی ناپاک ہے اس کے اجزاء نجس اور حرام ہیں اسی وجہ سے وہ نجس العین کہلاتا ہے یا وہ گناہ کی چیز ہو

جس کو غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو سو یہ سب حرام ہیں اور تم ان چیزوں کو حلال سمجھتے ہو گذشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ تحلیل و تحریم کے بارہ میں جو اہل جاہلیت نے طریقہ اختیار کر رکھا ہے وہ غلط ہے حرمت کا ثبوت صرف وحی سماوی اور شرع نبوی سے ہوتا ہے مجھ پر جو وحی خدا نے نازل کی ہے اس میں سوائے چار چیزوں کے اور کوئی چیز حرام نہیں وہ چار چیزیں یہ ہیں مُردار، بہتا ہوا خون، سؤر کا گوشت، جو جانور غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔

ایک شبہ اس آیت سے اور سورۂ نحل کی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی چار چیزیں حرام ہیں مُردہ جانور اور بہتا ہوا خون اور سؤر کا گوشت اور غیر اللہ کے نامزد کردہ جانور حالانکہ شریعت میں اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں مثلاً شراب اور پیشاب وغیرہ وغیرہ اور احادیث میں ان چار چیزوں کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کی حرمت کا ذکر آیا ہے مثلاً پالتو گدھا اور کچلیوں والا درندہ پس اس آیت سے جو حصر سمجھا جاتا ہے اس کے کیا معنی ہیں۔

جواب شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں "یعنی جن جانوروں کا کھانا دستور ہے ان میں سے یہی چار چیزیں حرام ہیں" انتہی کلامہ یعنی اس آیت میں کفار کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ جو چیزیں اوپر مذکور ہوئیں وہ حلال تھیں جن کو تم نے اپنی رائے سے حرام ٹھہرا لیا ہے اور جو چیزیں واقعی حرام ہیں وہ یہ چار ہیں جن کو تم حلال سمجھتے ہو غرض یہ کہ اس آیت میں ان حیوانات کی حرمت کا بیان کرنا مقصود ہے جس میں مسلمانوں اور مشرکوں کا نزاع تھا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں قصر اضافی ہے مشرکین اور اہل جاہلیت کے رد کے لیے ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ کے نزدیک صرف یہ چار چیزیں حرام ہیں اور جن چیزوں کو مشرکین نے اپنی رائے سے حرام ٹھہرا لیا ہے وہ حرام نہیں (دیکھو حاشیہ تفسیر مظہری ص ۳۲۳ ج ۳)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت میں حلال اور حرام جانوروں کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ باقی مطلق ناپاک اور گندی چیزوں کی حرمت کا مسئلہ دوسری جگہ بیان فرمایا کَمَا قَالَ تَعَالیٰ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وغیر ذلك من الآیات پس شراب اور پیشاب وغیرہ خبائث اور رجس میں داخل ہیں علاوہ ازیں بہت سے جانور جن کی حرمت کا ذکر حدیث میں آیا ہے وہ در پردہ خنزیر کے حکم میں ہیں الغرض یہ سب چیزیں حرام ہیں پھر بھی شریعت نے ان میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ جو شخص فاقہ اور بھوک کی وجہ سے ان حرام چیزوں کے کھانے کی طرف مجبور اور مضطر ہو جائے بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور مقدار ضرورت وحاجت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو ایسی اضطراری حالت میں ان حرام چیزوں میں سے بقدر سدِ رمق کھا لینے میں گناہ نہیں تو بے شک تیرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے کہ ایسی حالت میں ان چیزوں میں

سے کھانا حرام نہیں رکھا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مجبوری کی حالت میں بقدر ضرورت ان حرام چیزوں میں سے کھالے تو اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا ان آیات میں اُن چیزوں کو بیان کیا جن کی حرمت اصلی ہے اب آئندہ آیات میں اُن چیزوں کا بیان کرتے ہیں جن کی حرمت اصلی نہیں بلکہ عارضی اور وقتی تھی یعنی بعض چیزیں وقتی مصلحت کی بناء پر عارضی طور پر بعض قوموں پر حرام کی گئیں مثلاً یہود پر اُن کی شرارتوں کی سزا میں اونٹ وغیرہ حرام کر دیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کیا تھا جیسے اونٹ اور شتر مرغ اور مرغابی اور بطخ وغیرہ اور گائے اور بکری کی قسم میں سے ہم نے ان پر دونوں کی چربیاں حرام کر دی تھیں مگر وہ چربی حرام نہیں کی تھی جو ان دونوں کی پیٹھوں یا آنتوں کو لگی ہوئی ہو یا وہ چربی جو انکی ہڈی سے لگی ہوئی ہو باقی اسکے سوا سب چربی حرام تھی یہ ہم نے انکو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی یعنی یہ چیزیں فی حد ذاتہٖ حلال و طیب ہیں مگر یہود کی نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے ہم نے یہ چیزیں خاص طور پر صرف یہود پر حرام کیں تاکہ ان پر دائرۂ رزق تنگ ہو جائے ورنہ یہ چیزیں فی نفسہٖ قابل تحریم نہ تھیں صرف عارضی طور پر یہود کے حق میں حرام کی گئیں اور بے شک ہم سچے ہیں یعنی اے مشرکین حرمت کے باب میں تمہارا قول بالکل غلط ہے اور ہم سچے ہیں حرمت کی اصل حقیقت یہ ہے جو ہم نے بیان کی اور بنی اسرائیل کا یہ دعویٰ کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیمؑ اور نوح علیہما السّلام کے زمانہ سے مستمر طور پر حرام چلی آرہی ہیں بالکل غلط ہے سچی بات یہ ہے کہ اُن میں سے کوئی چیز عہد ابراہیمی میں حرام نہ تھی یہود کی نافرمانیوں کی وجہ سے یہ چیزیں ان پر حرام ہوئیں کما قال تعالیٰ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ چیز عارضی طور پر یہود بے بہبود پر حرام کی گئیں تھیں اور وہ تحریم اب منسوخ ہو چکی ہے ۔

پس اے نبیؐ اگر یہ مشرکین آپ کو اس لیے جھٹلائیں کہ ان پر عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا تو آپؐ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے اور بڑا حلیم اور بردبار ہے اس لیے وہ کفر اور تکذیب پر فوراً سزا نہیں دیتا تم خدا کی اس مہلت سے نہ سمجھنا کہ ہم مجرم نہیں اور ہم سے عذاب ٹل گیا اور اس کا عذاب اور قہر جب نازل ہوتا ہے تو وہ مجرم لوگوں سے ٹلتا نہیں یعنی تم اللہ کے حلم اور رحمت سے اب تک بچے ہوئے ہو یہ نہ جانو کہ عذاب ٹل گیا ۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ

اب کہیں گے — مشرک — اگر اللہ چاہتا — تو

اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ

شریک نہ ٹھہراتے ہم اور نہ ہمارے باپ اور نہ حرام کر لیتے کوئی

شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ

چیز اسی طرح جھٹلایا کیے ان سے

قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ

اگلے جب تک چکھا ہمارا عذاب تو کہہ کچھ علم بھی ہے تم

عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ

پاس کہ ہمارے آگے نکالو یا نری اٹکل پر چلتے ہو اور

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ

سب تجویزیں کرتے ہو تو کہہ بس اللہ کا

الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ

الزام پورا ہے سو اگر چاہتا تو راہ دیتا تم سب کو تو کہہ لاؤ

شُهَدَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ

اپنے گواہ جو بتا دیں کہ اللہ نے حرام کی ہے

هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ

یہ چیز پھر اگر وہ کہیں بھی تو تو نہ کہہ ان کے ساتھ اور نہ چل ان کی

اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

خوشی پر جنہوں نے جھٹلائے ہمارے حکم اور جو یقین نہیں رکھتے

بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع

آخرت کا اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں اوروں کو۔

مشرکین عرب کا اپنے شرک اور خود ساختہ تحریم کے متعلق ایک شبہ اور اسکا جواب

قال اللہ تعالیٰ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا... الیٰ... وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ

(ربط) اہلِ باطل کا طریقہ یہ ہے کہ جب دلیل اور برہان سے عاجز ہو جاتے ہیں تو ہٹ دھرمی کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں اگر خدا کو ہماری ہدایت منظور ہوتی تو ہم ہدایت پا جاتے لہٰذا حق تعالیٰ اہلِ باطل کی اس آخری حجت کو نقل کر کے اسکا رد فرماتے ہیں کہ یہ مشرکین عرب عنقریب ایسا کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو از خود حرام کرتے مطلب یہ ہے کہ اگر ہمارے یہ کام خدا کو ناپسند ہوتے تو خدا ہم کو یہ افعال کرنے ہی نہ دیتا پس جب وہ ہمارے اور ہمارے ان افعال کے درمیان حائل نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ہمارے یہ افعال خدا کو پسند ہیں حق تعالیٰ اُن کے اس شبہ کو نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں وہ یہ ہے اسی طرح اگلے کافروں نے ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کو جھٹلایا مطلب یہ ہے کہ یہ تکذیب کچھ انہی پر موقوف نہیں ان سے پہلے لوگ بھی اسی طرح انبیاءؑ کی تکذیب کرتے آتے جب پیغمبروں نے اپنی امتوں کو کفر اور شرک سے منع کیا اور یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر اور شرک کو اور ان قبائح کو حرام کیا ہے اور براہین عقلیہ اور نقلیہ سے توحید کو ثابت کر دیا تو ان لوگوں نے بھی پہلوں کی طرح یہی کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ان قبائح کے مرتکب ہوتے اور وہ لوگ برابر اپنی اسی تکذیب پر قائم رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ ہمارا یہ کفر اور شرک اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے غرض یہ کہ وہ اپنی اس تکذیب پر جمے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اس تکذیب پر ہمارے عذاب کا مزہ چکھا یعنی ان کی اس تکذیب کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر ہمارا عذاب نازل ہوا اور شرک کی ان کو سزا ملی اور انبیاء کرامؑ کے وعدہ اور پیشین گوئی کے مطابق ان پر عذاب نازل ہوا جس سے انبیاء کرام کے قول کی تصدیق ہو گئی اُس وقت اُن کی سمجھ میں یہ آیا کہ ہمارے یہ افعال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں اگر ہمارے یہ افعال خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم کو عذاب کا مزہ نہ چکھاتا اور نہ ہم کو ہلاک کرتا اور نہ ہمارے مقابلہ میں اپنے رسولوں کو غلبہ دیتا اور نہ پیغمبروں کے ہاتھوں ہم کو ذلیل و خوار کرتا اور ظاہر ہے کہ سزا تو مجرم ہی کو ملتی ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں کافروں کا شبہ تھا کہ اگر ہمارے کام اللہ کو پسند نہ ہوتے تو ہم کو کرنے نہ دیتا اس کا جواب فرمایا کہ اگلوں کو گناہ پر کیوں پکڑا معلوم ہوا کہ وہ بھی ایک مدت (تک) ناپسند کام کرتے تھے اور اللہ نہ پکڑتا تھا آخر پکڑا" (موضح القرآن)

خدا تعالیٰ نے انبیاءؑ کی تکذیب کے بعد فوراً ہی اُن پر عذاب نازل نہیں کیا بلکہ اُن کو مہلت دی اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی کہ شاید سنبھل جائیں آخر جب ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو انکو پکڑا اور عذاب کا مزہ چکھایا کہ عذاب ایسا ہوتا ہے اصل عذاب اور پورا عذاب تو بعد میں ہوگا اس وقت تو صرف آئندہ عذاب کا تھوڑا سا مزہ چکھایا جا رہا ہے یہ نادان خدا تعالیٰ کی اس مہلت اور حلم اور بردباری اور چشم پوشی سے یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ان اعمال سے راضی ہے اور ہمارا یہ شرک اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے جب ایک عرصہ کے بعد عذاب نازل ہوا اور اس جرم کی سزا ملی تب آنکھیں کھلیں کہ ہم تو مجرم تھے ورنہ اگر ہمارا شرک خدا کو پسند ہوتا تو ہم پر عذاب کیوں نازل کرتا ان نادانوں کی نظر خدا تعالیٰ کے ابتدائی حلم اور بردباری پر تو ہے لیکن جرائم کے آخری نتیجہ پر نظر نہیں کرتے خدا تعالیٰ کی پکڑ اور اس کا عذاب اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ افعال خدا تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں عذاب آنے پر ان کا سمجھا ہوا غلط نکلا اور انبیاء کرامؑ کا فرمایا ہوا حق اور صدق نکلا خدا کے عذاب کو دیکھ کر ان کی سمجھ میں آیا کہ ہمارا یہ قول لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا بالکل لغو اور مہمل بلکہ دھوکہ اور فریب نفس تھا بسا اوقات حکومت کسی باغی اور مجرم کو باوجود اطلاع کے اور باوجود قدرت کے کسی مصلحت کی بناء پر پہلے ہی دن پھانسی نہیں دے دیتی اور کچھ روز کیلئے اس کی باگ ڈھیلی چھوڑ دیتی ہے اور فوراً گرفتاری کے احکام جاری نہیں کرتی تو کیا حکومت کی یہ بردباری اس امر کی دلیل بن سکتی ہے کہ حکومت کی نظر میں یہ فعل جرم ہی نہیں۔

اسی طرح خداوند احکم الحاکمین کا کافروں کو انبیاء کرامؑ کی تکذیب پر فوراً ہی نہ پکڑنا اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا کے نزدیک کفر اور شرک کوئی جرم نہیں حکومت کا مجرم کو ڈھیل دینا اور فوری طور پر نہ پکڑنا قانوناً یہ کسی فعل کے جواز کی دلیل نہیں ہوسکتی حجت اور دلیل حکومت کا قانون ہے قانون جس چیز کو ممنوع قرار دیگا وہ جرم ہوگا۔

پس اسی طرح سمجھو کہ حجت بالغہ قانون شریعت ہے جس چیز کو قانونِ شریعت ممنوع اور حرام قرار دے وہی جرم ہے جو اسکے خلاف ورزی کرے گا وہ مجرم ہوگا غرض یہ کہ کسی فعل کے جواز اور عدم جواز کی دلیل قانون شریعت ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت اور اس کے حلم اور مہلت کو کسی فعل کے جواز کے دلیل نہیں بنایا جاسکتا معلوم ہوا کہ مشرکین کی یہ دلیل بالکل مہمل ہے اس لیے کہ یہ دلیل تو چور اور قزاق بھی پیش کرسکتا ہے کہ اگر میری چوری اور قزاقی خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتی تو خدا مجھے چوری ہی نہ کرنے دیتا بلکہ ہر باطل پرست یہی دلیل پیش کرسکتا ہے۔

اب اس کے بعد مشرکین کے اُس قول کا دوسری طرح سے رد کرتے ہیں اے نبی! آپؐ ان کے جواب میں یہ کہیئے کہ کیا تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ اللہ تمہارے شرک اور

اس تحریم سے راضی ہے اور تمہارے یہ افعال قبیحہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو تم اس علم کو ہمارے سامنے نکالو اور ظاہر کرو اور پیش کرو علم سے مراد دلیل عقلی اور وحی آسمانی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے پاس عقلی یا نقلی دلیل اس بات کی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے شرک سے راضی ہے تو اس کو ہمارے سامنے نکالو ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کیسی دلیل ہے تم اس دعوے میں محض گمان اور خیال پر چل رہے ہو کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں اور تم نرا جھوٹ بولتے ہو کہ اللہ تمہارے شرک اور قبائح سے راضی ہے پس آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ ہی کی دلیل محکم ہے اور اس کی حجت پوری ہے اور تمہاری دلیل لغو اور مہمل ہے اس لیے کہ حجت بالغہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس چیز کا وہ امر کرے وہ پسندیدہ ہے اور جس سے وہ منع کرے وہ بری اور ناپسندیدہ ہے اشیاء کے حسن و قبح کا معیار اس کا امر و نہی ہے جس چیز کا وہ امر صادر کرے وہ چیز خدا کے نزدیک مستحسن اور پسندیدہ ہے اور جس چیز سے وہ نہی یعنی ممانعت کرے وہ قبیح اور ناپسندیدہ ہے خدا تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کو افعال کے حسن و قبح کا معیار نہیں بنایا جا سکتا اس لیے کہ اس کی قدرت کاملہ اور مشیت شاملہ ہر خیر و شر کو شامل اور متناول ہے عالم کی کوئی حرکت اور سکون بغیر اس کے ارادہ اور مشیت کے ممکن نہیں اس کی قدرت اور مشیت تمام اضداد کو حاوی ہے سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا الخ عطر اور گلاب، پیخانہ اور پیشاب، طہارت اور نجاست نور اور ظلمت ایمان اور کفر ہدایت اور ضلالت اور سعادت و شقاوت وغیرہ وغیرہ عالم میں جو کچھ بھی رونما ہو رہا ہے وہ سب اس کی قدرت اور مشیت سے ہو رہا ہے جس کو چاہتا ہے وہ عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے وہ ذلت دیتا ہے پس سمجھ لو کہ وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ اگر چاہتا تو تم سب کو ہدایت اور توفیق دے دیتا ہدایت اور ضلالت سب اس کے اختیار میں ہے لیکن اس کی مشیت یہی ہے کہ کچھ لوگ ہدایت پائیں اور کچھ گمراہ ہوں جنت اور جہنم دونوں ہی آباد ہوں وہ سب کا رزاق ہے اس کی دوزخ کے لیے بھی ایندھن درکار ہے کما قال تعالیٰ وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَہَنَّمَ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَ الۡاِنۡسِ الآیۃ.

اس کی مشیت اور حکمت کا مقتضا یہ ہے کہ اس کارخانہ عالم میں نور ہدایت بھی ہو اور کفر کی ظلمت بھی ہو پیخانہ اور پیشاب بھی ہو عطر اور گلاب بھی ہو کما قال تعالیٰ ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است ⁂ دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

جس کو وہ ہدایت اور توفیق دے وہ اس کا فضل اور احسان ہے اور جس کو چاہے وہ اپنی ہدایت اور توفیق سے محروم رکھے ہدایت اور توفیق اس کی ملک ہے اور اس کے خزانہ رحمت

کی ایک نعمت ہے اس کو اپنے خزانہ کا اختیار ہے جس کو چاہے اس میں سے کچھ دیدے اور چاہے نہ دے اُس مالک مطلق پر نہ کسی کا کوئی حق ہے اور نہ کوئی قرضہ ہے وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ جو دیدے وہ اس کا فضل ہے اور جو نہ دے وہ اس کا عدل ہے غرض یہ کہ کفر اور شرک اور اسلام اور توحید بُری اور اچھی ہر قسم کی چیزیں اُسکی مشیت سے ہوتی ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ اُس ملیک مقتدر کی سلطنت میں کوئی چیز اور کوئی فعل بغیر اُس کی مشیت کے ہو جاتے ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کارخانۂ عالم میں جو مختلف اور متضاد چیزوں کا مجموعہ ہے اس میں جو اچھی چیزیں ہیں وہ اس کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور بُری چیزیں اسے ناپسند ہیں سب کو معلوم ہے کہ اس عالم میں مختلف اعمال اور مختلف افعال اور متضاد عقائد اور نظریات موجود ہیں کیا ان سب کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے نزدیک خوش اخلاقی اور بداخلاقی اور نیکوکاری اور بدکاری اور امانت اور خیانت نکاح اور زنا سب ہی پسندیدہ ہیں؟ پس ہر کام اس کی مشیت سے ہونا اس کی دلیل نہیں کہ وہ کام اُس کے نزدیک پسندیدہ بھی ہے معلوم ہوا کہ اللہ کے ارادہ اور مشیت کو کسی فعل کے جواز اور استحسان کی دلیل بنانا قطعاً غلط ہے حجت بالغہ بعثت رُسُل اور کتب مُنَزّلہ ہیں جن سے اللہ کے احکام اور اوامر اور نواہی کا علم ہوتا ہے اور اگر کفر اور شرک کے مستحسن ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے تو پھر مسلمانوں سے کیوں مزاحمت کرتے ہو مسلمان بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسلام اور توحید خدا کے نزدیک پسندیدہ نہ ہوتی تو ہم مسلمان اور موحد نہ ہوتے اور نہ ہم تم سے جہاد و قتال کرتے بندہ کو چاہیئے کہ اپنے افعال اور اعمال کے لیے خدا کی مشیت اور ارادہ کو بہانہ نہ بنائے بلکہ اس کے حکم اور قانون کا اتباع کرے حکم اور چیز ہے اور مشیت خداوندی اور چیز ہے خدا کی مشیت کا کسی کو علم نہیں وہ سِرِّ مکتوم ہے البتہ اللہ کا حکم پیغمبروں کے ذریعہ بندوں کو پہنچ چکا ہے بندوں پر اس کے حکم کا اتباع لازمی ہے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں اور احکام سے بندوں کو آگاہ کیا اور بندوں کو اُن کے سمجھنے کے لیے عقل دی اور ان کے کرنے کے لیے قدرت اور اختیار دے دیا بے شک اگر خدا چاہتا تو سب راہ راست پر آجاتے لیکن اللہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے ارادہ اور اختیار سے راہ راست پر آئیں اس طرح اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری ہوگئی اور الزام قائم ہوگیا اب تم ان لغو حیلوں اور بہانوں سے عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اپنے کفر اور شرک اور گمراہی کی تاویلوں کو چھوڑ دو اور اپنی گمراہی اور ڈھٹائی کو خدا تعالیٰ کی ناراضی کی علامت جانو اور سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت اور توفیق کا ارادہ نہیں فرمایا وہ اگر تم سے راضی ہوتا تم کو ہدایت اور توفیق کی دولت سے سرفراز کرتا تمہاری ضد اور

ہٹ دھرمی اس کی دلیل ہے کہ خدا کا ارادہ تمہارے ذلیل کرنے کا ہے اوباشی اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذلیل کرنے کا ارادہ کیا ہے خلاصۂ کلام یہ کہ تمہارا کفر اور شرک اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تم سے راضی ہے بلکہ تمہاری یہ گمراہی اور ہٹ دھرمی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کا ارادہ نہیں فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ۔

اب اس کے بعد اُن سے دلیل نقلی کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اب آپ اُن سے یہ کہہ دیجئے کہ تم اپنے گواہوں کو لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رو برو ان مذکورہ چیزوں کو حرام کیا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اُن کا یہ تحریم کا دعویٰ اپنی طرف سے ہے اس کے متعلق ان کے پاس کوئی گواہ نہیں اور واقعی ایسے گواہوں کا دستیاب ہونا قطعاً نا ممکن اور محال ہے جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے روبرو ان چیزوں کو حرام کیا ہے پس اگر بالفرض والتقدیر کچھ نادان اور جھوٹے اور گستاخ بطور تعصب جھوٹی گواہی دینے پر آمادہ ہو جائیں تو آپ ہرگز ان کے ساتھ گواہی نہ دیجئے یعنی اُن کی تصدیق نہ کیجئے کیونکہ وہ لوگ اس گواہی میں صراحۃً اور بداہۃً بلاشبہ جھوٹے ہیں وہ کون ہے کہ جس کے رو برو خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور شرک جائز ہے یقیناً ایسے لوگ بالکل جھوٹے ہیں اور آپ اُن لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلیے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی اور جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور اپنے پروردگار کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں یعنی خدا کے ساتھ شریک گردانتے ہیں۔

ان آیات کی ایک دوسری تفسیر

یہاں تک جو کچھ آیات مذکورہ کی تفسیر کی گئی وہ اس تقدیر پر تھی کہ مشرکین کے قول لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا سے یہ غرض ہو کہ وہ اس طرح سے اپنے کفریات اور شرکیات کا استحسان اور پسندیدۂ خداوندی ہونا ثابت کرنا چاہتے تھے جیسا کہ اُن کے احوال اور اقوال سے ظاہر ہوتا ہے اور مفسرین کی ایک جماعت نے اسی کو اختیار کیا ہے اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا کہنے سے مشرکین کی غرض صرف اپنی معذوری اور مجبوری کا بیان کرنا تھا کہ ہم مجبور ہیں اور خدا کی مشیت کے تابع ہیں خدا ہم سے جو چاہتا ہے وہ کراتا ہے ہم بھلا یا برا جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ اس کی مشیت سے کر رہے ہیں پھر مشیت خداوندی کے مقابلہ میں انبیاء و رسل ہم سے کیوں مزاحمت کرتے ہیں اور عذاب الٰہی سے ہم کو کیوں ڈراتے ہیں سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اُن کا جواب دیا کہ بالکل غلط کہتے ہیں پہلے زمانہ کے کافروں نے بھی اپنے پیغمبروں سے یہی کہا تھا یہاں تک کہ اللہ نے اُن کے کفر و شرک کے

جرم میں پکڑا اور ہلاک کیا تب معلوم ہوا کہ اُن کا یہ دعویٰ کہ ہم مجبور ہیں بالکل غلط ہے اس لیے کہ (اول) تو یہ کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں کہ بے وجہ اور بے قصور لوگوں کو پکڑے اور ہلاک کرے اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے کہ بندہ کو کسی فعل پر مجبور کرے اور پھر اس پر اس کو سزا دے (دوم) یہ کہ اگر یہ لوگ مجبور ہوتے تو عذاب دیکھ کر توبہ کیوں کرتے اور خدا سے یہ وعدہ کیوں کرتے کہ اگر ہم کو معافی دے دی جائے تو آئندہ ہم کفر اور شرک نہ کریں گے گذشتہ اعمال سے توبہ اور آئندہ کے لیے اُن کے ترک کا وعدہ تو اختیاری ہی امور میں ہو سکتا ہے نہ کہ اضطراری امور میں اگر یہ لوگ گذشتہ کفر اور شرک میں مجبور تھے تو پھر یہ کہنا کہ ہم آئندہ کے لیے سچی توبہ کرتے ہیں کہ اب کفر و شرک نہ کریں گے بالکل غلط ہے جس چیز میں انسان مجبور ہو اس کے متعلق وعدہ کرنا بالکل غلط ہے خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اختیار عطا کیا ہے کہ اپنے ارادہ اور اختیار سے افعال کو بجا لاسکے اور ان امور میں اللہ کی مشیت بندہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہوتی ہے بندہ جیسا ارادہ کرتا ہے اللہ کی مشیت بھی اُس کے موافق ہوتی ہے مگر بعض مواقع میں اللہ کی مشیت قاہرہ ہوتی ہے کہ بندہ کے ارادہ اور مشیت کے خلاف ہوتی ہے تو ایسی صورت میں بندہ سے عذاب دفع ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس صورت میں بندہ جماد لا یعقل کی طرح ہو جاتا ہے اور وہ اپنی حرکات و سکنات میں شجر و حجر کی طرح مجبور ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص خود اپنے کو چھت سے گرا دیوے یا خود کنویں میں کود پڑے تو یہ شخص مجرم ہے اور قابل ملامت ہے کیونکہ یہ اُس کا اختیاری فعل ہے اور اگر کسی کا قدم پھسل جائے اور چھت سے گر جائے یا بے اختیار پیر پھسل جانے سے کنویں میں گر جائے تو وہ معذور ہے کیونکہ اس گرنے میں اس کے ارادہ اور اختیار کو دخل نہ تھا اور اہل عقل کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہے۔

رہی خدا تعالیٰ کی مشیت اور اس کی تقدیر سو اُس کا کسی کو بھی علم نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر چیز کو تقدیر میں لکھ دیا ہے مگر کسی کو یہ پتہ نہیں دیا کہ اُس نے تقدیر میں کیا لکھا ہے البتہ دنیا میں کاروبار کرنے کے لیے اس نے بندہ کو قدرت اور اختیار عطا فرمایا تاکہ بندہ اُس خداداد قدرت و اختیار سے اپنا کام چلا سکے اور حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے اس کو عقل و شعور عطا کیا اور بندوں کی ہدایت کے لیے پیغمبروں کو بھیجا جن کو وحی اور الہام کی دولت کے علاوہ ایسی عقل کامل عطا فرمائی جو حدِ اعجاز کو پہنچی ہوئی تھی اور اُن کے ذریعہ سے بندوں کو آگاہ کیا کہ کونسی چیز مرضی الٰہی کے مطابق ہے اور کونسی چیز مرضی الٰہی کے خلاف اور حق اور باطل کی راہیں الگ الگ کر کے تم کو بتلا دی گئیں اب ایمان اور کفر اور گلاب اور پیشاب دونوں تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور تمہاری عقل اور اختیار کی

آزمائش ہے کہ تم کس کو اختیار کرتے ہو پس اگر کوئی بدعقل بجائے عرق گلاب کے پیشاب پی جائے اور جواز کے لیے یہ دلیل پیش کرنے لگے کہ اگر خدا چاہتا تو میں پیشاب نہ پیتا میں تو مجبور ہوں خدا نے جو میری تقدیر میں لکھ دیا ہے میں اس کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں کوئی ادنیٰ عقل والا بھی اس دلیل کو قبول نہ کرے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی حجت بالغہ موجود ہے یعنی خداداد قدرت و اختیار اور خداداد عقل و شعور موجود ہے اور سامنے ہے اور اس کی مشیت اور تقدیر امر غیبی ہے اس کا کسی کو بھی علم نہیں اور مزید برآں انبیاء کرامؑ کی نصیحتیں اور ہدایتیں کہ یہ چیز پسندیدہ ہے اور یہ چیز ناپسندیدہ ہے اُس کے لیے مشعل راہ ہیں اس پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی بدعقل گلاب کو چھوڑ کر پیشاب پینے لگے تو یہی کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق سے محروم ہے اسی طرح کسی کفر اور گمراہی کو اختیار کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کی قسمت میں ہدایت نہیں رکھی گئی۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ بیشک ہر چیز خدا ہی کی مشیت سے ہوتی ہے مگر اُس کی تقدیر اور مشیت کا کسی کو علم نہیں البتہ خدا تعالیٰ نے بندہ کو حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے عقل اور شعور عطا کیا ہے اور فعل اور عمل کے لیے قدرت اور اختیار بھی دیا ہے جسے وہ اپنے موقع اور محل پر استعمال کر سکے پس جو شخص اس خداداد عقل و شعور و قدرت اور اختیار کو اپنے موقع اور محل پر استعمال نہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ کا الزام اور حجت پوری ہے کہ باوجود عقل اور شعور کے اور باوجود قدرت اور اختیار کے اور باوجود انبیاء کرامؑ کی نصیحتوں اور ہدایتوں کے حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کیوں دوڑا جا رہا ہے (دیکھو تفسیر کبیر ص۱۷۱ ج ۴)

فائدہ: طاعت و معصیت کی حقیقت

طاعت اور معصیت یہ دونوں لفظ آپس میں ایک دوسرے کی نقیض ہیں طاعت کے لغوی معنی متابعت اور پیروی کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں حکم خداوندی کی تعمیل اور پیروی کا نام طاعت ہے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت ازلیہ کی موافقت کا نام طاعت نہیں مشرکین نے یہ سمجھا کہ مشیت خداوندی کی موافقت کا نام طاعت ہے اور یہ غلط ہے تعمیلِ حکم اور امتثال امر کا نام طاعت ہے ارادۂ خداوندی اور مشیت ازلیہ کی موافقت کا نام طاعت نہیں اللہ کے ارادہ اور مشیت کا کسی کو علم نہیں اور حکم خداوندی کی مخالفت کا نام معصیت ہے یا یوں کہو کہ دائرۂ طاعت سے خروج کا نام معصیت ہے۔

(ہذا کلہ توضیح ما قالہ[1] الاستاذ الامام عبدالقاہر البغدادیؒ فی کتابہ اصول الدین ص ۲۵۱)

⁂

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ
تو کہہ آؤ میں سُنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر

عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ
تمہارے رب نے کہ شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ سے

اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ
نیکی اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد مفلسی سے

اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا
ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور اُن کو اور نزدیک نہ ہو

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا
بے حیائی کے کام سے جو کھلا ہو اس میں اور جو چھپا اور مار نہ

النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ
ڈالو جان جس کو حرام کیا اللہ نے مگر حق پر تم کو کہہ دیا ہے

[1] قال الاستاذ عبد القاهر البغدادیؒ قال اصحابنا ان الطاعة هی المتابعة واختلف المتکلمون فی حقیقتها فقالت القدریة انها موافقة الارادة وان کل من فعل مراد غیره فقد طاعه و التزم الجبائیؒ علی هذا کون الباری تعالیٰ مطیعًا لعبده اذا فعل مراده فالتزم ذلك وکفرته الامة وقال اصحابنا انا الطاعة موافقة الامر فکل من امتثل امر غیره صار مطیعا له وسؤالنا ربنا لیس یامر فلذلك لم یکن مطیعا لنا وان اجابنا فیما سألناه والعصیان فی اللغة معنیان احدهما معنی الذنب والخروج عن الطاعة الواجبة والثانی الامتناع عن الشیٔ والمعصیة نقیض الطاعة فکما ان الطاعة موافقة الامر کذلك المعصیة مخالفة الامر انتهی کلامه فی کتاب اصول الدین ص ۲۵

بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ

شاید تم سمجھو اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے

اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا

مگر جس طرح بہتر ہو جب تک وہ پہنچے اپنی قوت کو اور پوری

الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا

کرو ناپ اور تول انصاف سے ہم کسی پر وہی رکھتے ہیں جو اسکو

وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ

مقدور ہے اور جب بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ ہو اپنے ناتے والا

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور اللہ کا قول پورا کرو یہ تم کو کہہ دیا ہے شاید تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ

دھیان رکھو اور کہا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ

اور مت چلو کئی راہیں پھر تم کو پھٹا دیں گے اس کی راہ سے یہ کہہ دیا

وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى

ہے تم کو شاید تم بچتے رہو پھر دی ہم نے موسیٰ

الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ

کو کتاب پورا فضل نیکی والے پر اور بیان ہر چیز کا

شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ

اور ہدایت اور مہر شاید وہ لوگ اپنے رب کا ملنا

يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ

یقین کریں اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت کی سو اس پر چلو

وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٥٥﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ

اور ڈرتے رہو شاید تم پر رحم ہو اس واسطے کہ کبھی کہو کتاب جو

الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ

اتری تھی سو دو ہی فرقوں پر ہم سے پہلے اور ہم کو اُن کے پڑھنے

دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿١٥٦﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا

پڑھانے کی خبر نہ تھی یا کہو کہ اگر ہم پر اترتی

الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ

کتاب تو ہم راہ چلتے اُن سے بہتر سو آچکی تم کو تمہارے

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ

رب سے شاہدی اور ہدایت اور مہربانی اب اُس سے بے انصاف کون

كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ

جو جھٹلا دے اللہ کی آیتیں اور اُن سے کترا وے ہم سزا دیں گے کترانے

يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا

والوں کو ہماری آیتوں سے بری طرح کی مار بدلا اس

يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ

کترانے کا کاہے کی راہ دیکھتے ہیں لوگ مگر یہی کہ ان پر آویں

الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ

فرشتے یا آوے تیرا رب یا آوے کوئی نشان تیرے رب کا

يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا

جس دن آوے گا ایک نشان تیرے رب کا کام نہ آوے گا ایمان لانا

لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا

کسی کو جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ نیکی نہ

خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

کی تھی تو کہہ راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں

بیان اصول محرمات دربارۂ اقوال و افعال وتلقین مکارم اخلاق ومحاسن اعمال

قال اللہ تعالیٰ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ... الی ... قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ

(ربط) گذشتہ آیات میں جب حق تعالیٰ کافروں کی حرام کردہ چیزوں کو باطل کرچکے اور کھانے اور پینے کے متعلق جو چیزیں من جانب اللہ حرام تھیں ان کا ذکر ہوچکا تو اب ان آیات میں ان حرام چیزوں کو بیان کرتے ہیں جو اقوال اور افعال سے متعلق ہیں ان آیتوں میں بالترتیب دس چیزوں کو ذکر فرمایا جن میں اللہ نے معاش اور معاد کی صدہا حکمتیں رکھی ہیں۔

(۱) خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

(۲) ماں باپ کے ساتھ سلوک اور احسان کرو اور ان کے ساتھ برائی نہ کرو۔

(۳) اپنی اولاد کو فقر اور تنگ دستی کے خیال سے قتل نہ کرو۔

(۴) بے حیائیوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔

(۵) کسی کا ناحق خون نہ کرو۔

(۶) یتیموں کے مال میں ناحق تصرف نہ کرو۔

(۷) ناپ تول میں کمی نہ کرو۔

(۸) ناانصافی کی بات نہ کہو۔

(۹) اللہ کے عہد کو پورا کرو خلاف عہد کوئی کام نہ کرو۔

(۱۰) صراط مستقیم کا اتباع کرو سیدھے راستہ سے ہرگز نہ ہٹو۔

اس کے بعد اجمالاً یہ ارشاد فرمایا کہ آپ ان مشرکین سے یہ کہہ دیجئے کہ یہ میرا طریقہ ہے اور میرا راستہ ہے جو بالکل سیدھا ہے اس کا اتباع کرو یہی خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے پھر اخیر میں توریت کا ذکر فرمایا کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تفصیل کردی ہے اشارہ اس طرف ہے کہ جن چیزوں کی حرمت اوپر بیان ہوئی کچھ شریعت محمدیہ کے ساتھ مخصوص نہیں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں بلکہ تمام انبیاءؑ کی شریعتوں میں یہ چیزیں حرام رہی ہیں اور جو اس طریق مستقیم سے اعراض اور انحراف کرے وہ بڑا ہی ظالم ہے چنانچہ فرماتے ہیں آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ تم ناحق خدا تعالیٰ پر افتراء کرتے ہو کہ خدا نے فلاں فلاں چیز حرام کی ہے آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے واقعی تم پر حرام فرمایا ہے وہ چیزیں یہ ہیں (اول) یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ بس شریک ٹھہرانا حرام ہوا اور (دوسرے) یہ کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو پس اُن سے بری طرح پیش آنا حرام ہوا اور (تیسرے) یہ کہ اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو زندہ درگور کر دیتے تھے کیونکہ ہم تم کو اور اُن کو رزق مقدر دیں گے وہ تمہارے رزق مقدر میں شریک نہیں پس اولاد کا قتل کرنا حرام ہوا اللہ سب کو روزی دیتا ہے لہٰذا تم اللہ پر بھروسہ رکھو اور (چوتھے) یہ کہ بے حیائی یعنی بدکاری کی باتوں کے پاس بھی نہ جاؤ خواہ وہ بے حیائی علانیہ ہو یا پوشیدہ ہر بے حیائی حرام ہے خواہ لوگوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اور (پانچویں) یہ کہ جس کا خون کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اُس کو قتل مت کرو مگر حق شرعی کی بنا پر اُس کا قتل جائز ہے مثلاً قصاص یا رجم میں یا ارتداد میں پس قتل ناحق حرام ہوا اور اس سب کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم اُن کو سمجھو اور سمجھ کر عمل کرو اور (چھٹے) یہ کہ یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یعنی اس میں بیجا تصرف نہ کرو مگر ایسے طریقہ سے تصرف کی اجازت ہے جو شرعاً بہت اچھا ہو یعنی اس کی اصلاح اور اس کے بڑھانے کی نیت سے اس میں تصرف کرو یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے اس کے بعد اس کا مال اُس کو دے دیا جائے بشرطیکہ سفیہ یعنی بے وقوف نہ ہو پس تصرفِ غیر مشروع مال یتیم میں حرام ہوا اور (ساتویں) یہ کہ ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو انصاف کے ساتھ نہ کسی کو کم دو اور نہ کسی سے زیادہ لو نہ کسی کا حق اپنے پاس رہے نہ آئے پس آپس میں دغا کرنا حرام ہوا اور آگے بتلاتے ہیں کہ یہ احکام کچھ دشوار نہیں کیونکہ ہم کسی شخص کو اُس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے پھر ان احکام مذکورہ میں کوتاہی کی کیا وجہ ہے اور (آٹھویں) یہ کہ جب تم فیصلہ یا شہادت وغیرہ

کے متعلق کوئی بات کہو تو اس میں انصاف کا خیال رکھو گو وہ شخص جس کے مقابلہ میں وہ بات کہہ رہے ہو قرابت دار ہی کیوں نہ ہو مطلب یہ ہے کہ حق کے مقابلہ میں رشتہ داروں کی رعایت نہ کرو سیح بیان کرو خواہ کسی کا نفع ہو یا نقصان پس خلاف عدل حرام ہوا اور (نویں) یہ کہ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو جیسے قسم اور نذر اس کو پورا کیا کرو بشرطیکہ وہ نذر اور قسم خلاف شرع نہ ہو پس اس کا عدم ایفاء یعنی نقض عہد حرام ہوا ان سب باتوں کی اللہ نے تم کو وصیت کی ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور اس پر عمل کرو اور (دسویں) یہ کہ تحقیق یہ دین اسلام میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس پر چلو مجھ تک پہنچ جاؤ گے لفظ ہذا کا اشارہ پورے دین اسلام کی طرف ہے جو احکام مذکورہ کے ضمن میں اجمالاً مفہوم ہو چکا ہے اس لیے کہ یہ احکام مذکورہ گو ظاہر میں چند احکام ہیں مگر حقیقت میں سارے اسلام کا خلاصہ ہیں کیونکہ ان میں عقائد اور معاملات اور معاشرات اور عبادات کے مہتم بالشان امور سب مذکور ہیں اور اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ یہ احکام کسی شریعت میں کبھی منسوخ نہیں ہوئے اس طرح یہ چند احکام گویا تمام شریعت کا خلاصہ ہیں ان عقائد اور اعمال کا ذکر بطور تخصیص نہیں بلکہ بطور تمثیل ہے اور مقصود صراط اسلام کا اتباع ہے جو تمام اصول و فروع کو حاوی ہے۔

نکتہ (۱) اس آیت وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ میں لفظ صراط کو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف فرمایا اور حضور کو حکم ہوا کہ لوگوں سے کہدیں کہ یہ میرا راستہ ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ راستہ تو حقیقت میں اللہ کا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مگر خدا تعالیٰ کے راستہ کے داعی اور ہادی حضور پر نورؐ ہی ہیں آپؐ ہی کی ہدایت اور رہنمائی سے یہ راستہ طے ہوتا ہے اس لیے اس آیت میں صراط کو حضور پر نورؐ کی طرف مضاف کر دیا گیا جیسا کہ دوسری آیت میں دین اسلام کو حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کا راستہ کہا گیا ہے قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ اور اسلام کو حضور پر نورؐ کا راستہ کہنا بطور دعوت اور ہدایت کے ہے کہ آپ اس راستہ کے داعی اور ہادی ہیں ورنہ حقیقت میں وہ صراط اللہ کا ہے دوسرا فائدہ اس اضافت میں یہ ہے کہ سالکان راہ آخرت کو تسلی دینا مقصود ہے کہ تم گھبرانا نہیں میں بھی اسی راستہ پر چل رہا ہوں اور اسی راستہ پر چل کر ہم سب خدا تعالیٰ تک پہنچیں گے مگر شرط یہ ہے کہ تم سب میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ میرے بغیر خدا کا راستہ قطع نہیں ہو سکتا۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق ✤ عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

گر ہوائے ایں سفر داری دلا ✤ دامنِ رہبر بگیر و پس برآ

نکتہ (۲) اور مُسْتَقِیْمًا کے معنی یہ ہیں کہ یہ راستہ سیدھا ہے لفظ مستقیم کے معنی ایک لغوی ہیں یعنی اقصر الخطوط الواصلۃ بین النقطتین، دو نقطوں کے درمیان

جو خطوط واصل ہو سکیں ان میں جو سب سے چھوٹا خط ہو وہ معنی لغوی کے اعتبار سے خط مستقیم ہے) اور ایک معنی عرفی ہیں یعنی بے خوف وخطر راستہ عرف میں راہِ راست اُس راستہ کو کہتے ہیں جس میں کوئی خطرہ نہ ہو جیسے کہا کرتے ہیں کہ فلاں گاؤں کا سیدھا راستہ یہ ہے اس راستہ سے چلے جاؤ حالانکہ اس میں موڑ بھی آتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ راستہ بے خطر ہے اس میں تم کو غلطی پیش نہ آئے گی صاف سڑک پڑی ہوئی ہے اور یہی عرفی معنی اس شعر میں مراد ہیں ع راہِ راست برد گرچہ دور است،

اگر راہ راست کے عرفی معنی نہ لیے جائیں تو پھر لفظ اگر چہ "دور است" صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ جو راستہ لغۃً مستقیم ہوگا وہ اوروں سے دور نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لیے اقصر الطرق ہونا لازم ہے جن لوگوں کو مستقیم کے لغوی اور عرفی معنی میں فرق معلوم نہیں وہ اس شعر کو حل نہیں کر سکتے۔

اب آیت کا مطلب سنیئے کہ دین اسلام کے متعلق مُسْتَقِيمًا کے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ دین اسلام بے خطر بھی ہے اور وصول الی اللہ میں تمام طرق سے اَقْصَر اور اَقْرَب بھی ہے آپ کو اختیار ہے کہ مستقیما کو معنی لغوی پر محمول کریں یا معنی عرفی پر دونوں معنی کی گنجائش ہے

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ صرف اس سیدھے راستہ (دین اسلام) کا اتباع کرو اور دوسرے مختلف راستوں کا اتباع نہ کرو ورنہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے دور اور جدا کر دیں گے یعنی دین اسلام کے سوا جتنے راستے ہیں سب ٹیڑھے ہیں اُن کا رخ دوسرا ہے دین اسلام کو چھوڑ کر جو راستہ بھی اختیار کروگے تو خدا تک نہیں پہنچ سکوگے اسی کی یعنی اسی راستہ پر چلنے کی خدا تعالیٰ نے تم کو وصیت کی ہے یعنی تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقوی حاصل کر سکو اس لیے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کو چھوڑ دینا یہ حرام ہے اس اعتبار سے یہ دسواں حکم ہوا یا یوں کہو کہ دسواں حکم استقامت ہے یعنی احکام شریعت پر مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہنا اور وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا میں اسی حکم استقامت کی طرف اشارہ ہے۔

ف جاننا چاہیئے کہ ہٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا میں صراط سے وہ تمام اعمال مراد ہیں جو معین آخرت اور مفید مقصود ہوں اور لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ میں وہ تمام اعمال مراد ہیں جو مانع عن الآخرت یا مضر آخرت ہوں گویا کہ یہ آیت تمام شریعت کا خلاصہ ہے۔

نکتہ اس جگہ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ سے لے کر وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا تک تین آیتیں ہیں اور ہر آیت کے ختم پر حق تعالیٰ نے ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ فرمایا لیکن پہلی آیت کے اخیر میں تو ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ اور اس تیسری آیت کے اخیر میں ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ فرمایا اب سوال یہ ہے کہ ان عنوانات کے

اختلاف میں نکتہ کیا ہے (جواب) یہ ہے کہ پہلی آیت میں جن پانچ امور کا ذکر ہے ان میں بجز احسان والدین اعتقادی امور کا ذکر ہے اس لیے اعتقادی امور کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ فرمایا کیونکہ اعتقادیات کا تعلق زیادہ تر عقل سے ہے اور دوسری آیت میں مخاطبین کی کسی اعتقادی غلطی کا ذکر نہ تھا بلکہ وہ احکام عمل کے متعلق ہیں جنہیں وہ سہو اور تغافل کرتے تھے اس لیے وہاں تَذَكَّرُوْنَ کا لفظ مناسب ہوا اور تیسری آیت میں کسی خاص حکم کا بیان نہیں بلکہ حکم عام ہے یعنی صراط مستقیم کی اتباع کا حکم ہے اس لیے وہاں تَتَّقُوْنَ کا لفظ مناسب ہوا کیونکہ تقوی بھی شرعاً عام ہے جس کا تعلق عقائد اور اعمال سب سے یکساں ہے۔

تاکید وصایا مذکورہ

گذشتہ آیات میں جن احکام اور وصیتوں کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں اس کی مزید تاکید کے لیے فرماتے ہیں کہ یہ وصیتیں اور یہ احکام موسیٰ علیہ السّلام کے توریت میں بھی تھے چنانچہ فرماتے ہیں پھر ہم نے موسیٰ کو ایک کتاب دی تاکہ اپنی نعمت کو اس شخص پر پورا کریں جو نیکی کرے اور اس میں ہر ضروری امر کی تفصیل ہو اور لوگوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہو تاکہ وہ لوگ یعنی بنی اسرائیل اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کریں اور اس اعتقاد اور یقین کی بناء پر احکام خداوندی کو بجالائیں مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے توریت نازل فرما کر اس زمانہ کے نیک کام کرنے والوں پر اپنی نعمت پوری کر دی اور ہر ضروری امر کو شرح و بسط سے بیان کر دیا اور ہدایت اور رحمت کے دروازے ان پر کھول دیئے تاکہ لقاء خداوندی کا یقین حاصل کریں اور شوقِ لقاء میں جس قدر طاعت میں جدوجہد کر سکیں اس میں دریغ نہ کریں اور توریت کا تتمہ انجیل تھی اس میں بھی یہ ہدایتیں اور وصیتیں تھیں اور اب توریت اور انجیل کے بعد یہ قرآن مجید ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے بڑی خیر و برکت والی ہے خیر و برکت میں توریت اور تمام صحف سماویہ سے بڑھ کر ہے پس تم اس کا اتباع کرو اور کسی اور کتاب کے اتباع سے پرہیز کرو کیونکہ قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے اور تمام کتب سابقہ کے لیے ناسخ ہے پس تم اسی کتاب کا اتباع کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے خدا کی رحمت اور تقویٰ کا حصول ناسخ پر عمل کرنے پر موقوف ہے منسوخ پر عمل کرنے سے نہ خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور نہ تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور توریت و انجیل کے بعد ہم نے اس مبارک کتاب (قرآن کریم) کو اسلئے بھی نازل کیا کہ مبادا قیامت کے دن تم یہ کہنے لگو کہ آسمانی کتاب تو ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے یہود اور نصاریٰ ان پر اتاری گئی تھی اور بے شک ہم ان کے پڑھنے سے بے خبر تھے اس لیے ہم کو احکام خداوندی کا علم نہ ہوا پس ہم کیسے اطاعت کر سکتے تھے پس ہم معذور ہیں یعنی قرآن کریم کے نازل کرنے سے علاوہ برکت اور رحمت کے ایک غرض اتمام حجت ہے

تاکہ تم قیامت کے دن یہ عذر نہ کرسکو کہ توریت وانجیل ہماری زبان میں نہ تھی اور ہم ان کے مطالب کو سمجھ نہیں سکتے تھے یا قیامت کے دن یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم یہود ونصاریٰ سے زیادہ ہدایت پر ہوتے سو اب تمہارے دونوں عذر ختم کرنے کے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن حقیقت اور ہدایت اور رحمت آچکی ہے جو تمام کتب الٰہیہ سے بہتر اور برتر ہے اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کو ہم نے تمہاری زبان میں اس لیئے بھی نازل کیا کہ تمہیں کسی عذر کا موقعہ ہی باقی نہ رہے کہ اگر ہماری زبان میں خدا کی کتاب اترتی تو ہم اُس کا خوب اتباع کرتے اگرچہ اُن کا یہ عذر کہ ہم توریت اور انجیل کی لغت سے واقف نہیں عذر لنگ ہے لیکن اللہ نے یہ عذر بھی باقی نہیں چھوڑا اور حجت پوری کردی پس ایسی شافی اور کافی کتاب ہدایت ورحمت کے آجانے کے بعد اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اُن سے منہ موڑا عنقریب ہم ان لوگوں کو بہت بُرے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں سے روگردانی کرتے ہیں اس سبب سے کہ وہ اعراض کرتے ہیں خدا کی آیتوں سے اعراض اور روگردانی بڑا ہی ظلم ہے کیا یہ لوگ جو کتاب مبارک کے نازل ہو جانے اور آیات بینات کے آجانے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے صرف اس بات کے منتظر معلوم ہوتے ہیں کہ اُن کے پاس قبض روح یا عذاب کے فرشتے آئیں اور مار مار کر اُن کی روحیں قبض کریں کما قال تعالیٰ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ یا یہ معنی ہیں کہ فرشتے ان کے روبرو آکر آپ کی نبوت ورسالت کی گواہی دیں یا ان کی ہلاکت اور بربادی کے لیے خدا کا کوئی حکم آجاتے کما قال تعالیٰ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّکَ کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ - وقال تعالیٰ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے آنے سے اس کے حکم کا آنا مراد ہے جو ان کے قہر اور ہلاکت سے متعلق ہو یا یہ مطلب کہ اللہ تعالیٰ خود ان کے سامنے آجائے اور اُن سے بالمشافہ یہ کہے کہ واقعی یہ ہمارے رسول ہیں اور یہ ہماری کتاب ہے کما قال تعالیٰ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِکَةُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ قَبِیْلًا یا یہ مطلب ہے کہ کفار قیامت کے دن کے منتظر ہیں جس دن خدا تعالیٰ کا جلوۂ جلال ابر کے سائبانوں میں ظاہر ہوگا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کی تفسیر میں گذرا یا تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں آئیں جمہور مفسرینؒ کے نزدیک بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ سے سورج کا مغرب سے طلوع کرنا مراد ہے

ور یہی تفسیر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے ھَلْ یَنْظُرُوْنَ سے لے کر یہاں تک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے اور کافروں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا شاید اب وہ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ خود اُن کے سامنے آئے یا اُسکا قہر اور اسکا کوئی عذاب اُن کے سامنے آئے یا عذاب کے فرشتے اُن کے پاس آئیں یا قیامت کی کوئی بڑی نشانی ظاہر ہو جیسے طلوع الشمس من المغرب شاید جب ان تین باتوں میں سے کوئی بات ظاہر ہو جائے گی اس وقت یہ مجبور ہو کر ایمان لائیں گے مگر اس وقت کا ایمان مفید نہ ہوگا جیسا کہ آیندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جس دن تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں آجائیں گی اُس دن کسی ایسے شخص کو ایمان لانا نفع نہیں دے گا جو اس نشانی سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا جس شخص نے اپنے ایمان کی حالت میں نیکی نہ کمائی ہوگی اس کو اُس دن اپنے ایمان میں نیکی کا کمانا مفید نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ جو شخص پہلے سے ایمان نہیں رکھتا ہوگا اس کا اس نشانی کو دیکھ کر اب ایمان لانا نافع نہ ہوگا اور جو شخص اس نشانی کے ظہور سے پہلے ایمان تو رکھتا تھا مگر اس نے پہلے سے کسب خیر اور عمل صالح نہ کیا تھا تو اس نشانی کو دیکھ کر اُس کا توبہ کرنا اور کسب خیر کرنا قبول نہ ہوگا خلاصہ یہ کہ اس نشانی کے ظہور کے بعد نہ کسی کا جدید ایمان قبول ہوگا اور نہ اس کی توبہ قبول ہوگی البتہ جو لوگ اس نشانی کے ظہور سے پہلے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کرتے تھے ان کے اعمال مقبول ہوں گے اس لیے کہ ان نشانیوں کے ظاہر ہو جانے کے بعد ایمان ایمان بالغیب نہیں رہے گا ایمان بالمشاہدہ ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ایمان بالغیب چاہتا ہے اے نبی آپ اُن سے کہہ دیجئے کہ اچھا اگر تمہیں انہی باتوں کا انتظار ہے تو یہی سہی انہی باتوں کا انتظار کرو اور ایمان نہ لاؤ ہم بھی تمہارے بارہ میں حکم خداوندی کے منتظر ہیں اس انتظار میں ہمارا کوئی نقصان نہیں تمہارا ہی نقصان ہے

فائدہ اشراط ساعت یعنی علامات قیامت میں سے ایک بڑی شرط یعنی بڑی علامت آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا ہے آیت مذکورہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ میں بعض آیات سے آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا مراد ہے اور یہ امر احادیث صحیحہ سے معلوم اور ثابت ہے آیات سماوی میں پہلی آیت مغرب سے آفتاب کا نکلنا ہے یعنی پہلی آیت (نشانی) جو اختلال نظام افلاک وستارگان سے مشاہدہ ہوگی وہ یہ آیت (نشانی) ہے کہ آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع کرے گا اس وقت ایمان لانا مفید نہ ہوگا قیامت کی آسمانی علامتوں میں سے پہلی علامت مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا ہے اور یہ علامت خروج دجال اور نزول

عیسٰی علیہ السلام کے بعد ظاہر ہوگی اور اس کے بعد دابۃ الارض کا زمین سے پیدا ہونا یہ زمینی علامتوں میں سے پہلی علامت ہوگی اور دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا اور آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا قریب قریب ہوگا۔

تنبیہ آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا عقلاً محال نہیں جو خدا آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے وہ اُس کو مغرب سے بھی نکالنے پر قادر ہے جس طرح آفتاب کا نفس وجود اس کے ارادہ سے ہے اسی طرح اس کی حرکت بھی اس کے ارادہ سے ہے۔

✧ ✧ ✧

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا

جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہوگئے کئی فرقے

لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ

تجھ کو اُن سے کچھ کام نہیں اُن کا کام

اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا

حوالے اللہ کے پھر وہی جتا دے گا اُن کو جیسا کچھ

يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ

کرتے تھے جو کوئی لایا نیکی اُس کو ہے اُس کے دس برابر اور

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ

جو لایا برائی سو سزا پاوے گا تو اتنی ہی اور اُن پر

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ

ظلم نہ ہوگا تو کہہ مجھ کو تو سوجھائی میرے رب نے راہ

مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا

سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک طرف کا تھا اور نہ

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٦١﴾ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي

تھا شریک والوں میں تو کہہ میری نماز اور قربانی

وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ

اور میرا جینا اور مرنا اللہ کی طرف سے ہے جو صاحب سارے جہان کا کوئی نہیں اس کا

لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ

شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے حکمبردار ہوں تو کہہ

أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا

اب میں سوائے اللہ کے تلاش کروں کوئی رب اور وہی ہے رب ہر چیز کا اور جو

تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ

کوئی کماوے گا سو اس کے ذمہ پر اور بوجھ نہ اٹھاوے گا

وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم

ایک شخص دوسرے کا پھر تمہارے رب پاس ہے رجوع تمہارا سو وہ جتا دے گا

بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ

جس بات میں تم جھگڑتے تھے اور اسی نے تم کو کیا ہے

خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

نائب زمین میں اور بلند کیے تم میں درجے ایک کے ایک پر

دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ

کہ آزماوے تم کو اپنے دیئے حکم میں تیرا رب شتاب کرتا ہے

الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٥﴾ ع

عذاب اور وہ بخشنے والا مہربان ہے

خاتمۂ سورت

مشتمل بر ترہیب از تفریق دین قویم و ترغیب بر اتباع صراطِ مستقیم

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا ... الیٰ ... وَاِنَّہٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

(ربط) گذشتہ آیت میں دین حق سے اعراض اور روگردانی پر توبیخ اور تہدید تھی اب ان آیات میں صراط مستقیم اور ملت ابراہیم کے اتباع کی ترغیب اور دین حق میں تفریق اور اختلاف سے ترہیب ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ صراط مستقیم دین ابراہیم ہے اور اس سے اختلاف اور انحراف گمراہی ہے نیز ان آیات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور تشفی دی جاتی ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف کیا اور مختلف گروہ بن گئے کوئی عیسیٰ بن مریمؑ کو خدا کہنے لگا اور کوئی بت پرستی میں لگ گیا اور کوئی کواکب پرستی کرنے لگا وغیرہ وغیرہ ان لوگوں سے آپؐ کو کیا مطلب آپؐ رنجیدہ نہ ہوں اور ان کی گمراہی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں ان کے اعمال و افعال کا نتیجہ خود ان کے سامنے آجائے گا وہ سَرِیْعُ الْعِقَابِ بھی ہے اور غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ بھی ہے اس نے بمقتضائے رحمت ایک نیکی کے عوض کم از کم دس گونہ ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے ایک برائی کے عوض صرف ایک عذاب کی خبر دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے اپنے دین کو پراگندہ کیا اور اس میں مختلف راہیں نکالیں اور مختلف گروہ بن گئے آپ کا اُن سے کوئی واسطہ نہیں آپؐ اُن سے بری اور بیزار رہیں یعنی آپؐ اُن لوگوں سے بری اور علیحدہ ہیں جنہوں نے دین حق میں مختلف راہیں نکالیں اس عموم میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور مبتدعین اہلِ اسلام سب داخل ہیں جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اس کو اختیار فرمایا کہ یہ آیت ہر اُس شخص کو شامل ہے کہ جو دین حق میں اختلاف اور افتراق ڈالے ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ اور ضحاکؒ سے منقول ہے کہ یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے بارہ میں اتری اور حکیم ترمذیؒ اور ابن جریرؒ اور طبرانی وغیرہم نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَہُمْ الخ سے اس امت کے اہل بدعت اور اہلِ شبہات اور اہلِ ضلالت مراد ہیں (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۱۹۶ ج ۲ و روح المعانی ص۶۹ ج۸ و تفسیر قرطبی ص۱۴۹ ج ۷)

غرض یہ کہ اس آیت کے عموم میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کے علاوہ مدعیان اسلام میں کے اہل بدعت جیسے خوارج اور روافض اور قدریہ اور مرجئہ وغیرہ بھی داخل ہیں جو مَا اَنَا عَلَیْہِ واصحابی کے طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔

اور ایمہ مجتہدین کا اختلاف اس میں داخل نہیں اُن کا اختلاف اختلاف رحمت تھا جس طرح تمام صحابہؓ اصول دین میں متفق تھے اور فروع میں مختلف تھے اسی طرح ایمہ مجتہدین اصول دین میں متفق ہیں اور فروع میں مختلف ہیں۔

البتہ غیر مقلدین کا گروہ اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَکَانُوۡا شِیَعًا کا مصداق ہو سکتا ہے اس لیے کہ ہر غیر مقلد ایک مستقل مجتہد بنا ہوا ہے اور ہر مسئلہ میں جدا مذہب رکھتا ہے ائمہ اربعہ کا اختلاف تو چار تک محدود تھا اور ان مدعیان عمل بالحدیث کے اختلاف اور افتراق کی کوئی حد ہی نہیں ہر غیر مقلد اپنی جگہ ایک مستقل امام اور مجتہد ہے اور دوسرے کی تقلید کو شرک سمجھتا ہے اور اپنے ظلوم وجہول نفس کی تقلید شخصی کو توحید سمجھتا ہے۔

خلاصہ کلام کہ آپ کو ان اہل اہواء اور اہل ضلالت اور اہل بدعت سے کوئی سروکار نہیں آپ ان سے بری اور علیحدہ ہیں آپ ان کی فکر میں نہ پڑیں جزاایں نیست ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو سمجھے گا پھر جب وہ خدا کے سامنے پیش ہوں گے تو خدا اُن کو جتا دے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے یعنی دین میں نئی نئی راہیں نکالنے کا نتیجہ قیامت کے دن اُن کو معلوم ہو جائے گا اور ہر ایک کو اس کے جرم کی سزا دی جائیگی۔

قانون جزاء

جس کا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ جو ہمارے پاس نیکی لے کر آئے تو اس کے لیے کم از کم اس نیکی کا دس گناہ ثواب ہے اور جو برائی لے کر آئے تو اُس برائی کے برابر ہی سزا ملے گی اور اُن پر کوئی ظلم نہ ہوگا یعنی گنہگار کو اُس کے گناہ سے ——— زیادہ سزا نہیں دی جائے گی یہ ظلم ہے اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ہاں نیکی کا ثواب وہ چند سے لے کر سات سو چند تک دے گا یہ اُس کا فضل ——— اور اُس کا جود و کرم ہے آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ غلط راہ جا رہے ہو تحقیق مجھ کو میرے پروردگار نے سیدھے راستہ پر لگا دیا ہے جو سیدھا خدا تک پہنچانے والا ہے۔ اور صحیح دین پر جو ابراہیم کا طریقہ ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں اور وہ ابراہیمؑ حق کی طرف مائل تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے لہذا مشرکین عرب کا یہ دعوی کہ ہم ابراہیمؑ کے طریقہ پر ہیں بالکل غلط ہے تم مشرک اور بت پرست ہو اور ابراہیمؑ موحد اور خدا پرست تھے تم اُن کے طریقہ پر کیونکر ہو سکتے ہو آپ اُن سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگانی اور میری موت سب اللہ کیلئے ہے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا اس کا کوئی شریک نہیں نہ مارنے میں اور نہ جلانے میں اور نہ استحقاق عبادت میں اور

اسی توحید کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اس کا حکم بردار ہوں یعنی سارے جہان کے فرمانبرداروں کی صف میں نمبر اول اور سب سے آگے ہوں آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ کیا اب میں اللہ کے سوا کسی اور رب کو تلاش کروں کہ اس کو اپنا رب بناؤں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے جس میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جن کو تم نے اپنے خیال سے رب ٹھہرا رکھا ہے اور مجھے بھی ان کے رب بنانے کی ترغیب دیتے ہو اور نہیں عمل کرتا کوئی نفس مگر اسی کی ذمہ داری اسی پر ہوتی ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا مشرکین مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہمارے طریقہ پر چلو تمہارے گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ہم اٹھالیں گے اس آیت میں ان کے اس قول کی تردید فرمائی پھر قیامت کے دن تم سب کا اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ تم کو ان باتوں سے خبردار کرے گا جن میں تم دنیا میں اختلاف کرتے رہتے تھے اور اے لوگو خوب سمجھ لو وہ اللہ وہ ہے کہ اس نے تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین کیا ایک قرن گذرتا ہے تو دوسرا قرن اس کے قائم مقام ہوتا ہے

ع یکے ہمیرود و دیگرے ہمی آید

اور تم میں سے بعض کے بعض پر درجے بلند کیے کوئی امیر ہے کوئی فقیر کوئی خوبصورت ہے کوئی بدصورت کوئی عالم ہے کوئی جاہل کوئی تندرست ہے کوئی بیمار کوئی رذیل ہے کوئی شریف کوئی عاقل ہے کوئی بے عقل تاکہ وہ تمہارا ان باتوں میں امتحان کرے جو تم کو دی ہیں کہ کون اس کی نعمتوں پر شکر کرتا ہے اور کون اس کی مصیبتوں پر صبر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے تم کو شکل اور صورت اور رزق اور دولت اور عزت و راحت کے اعتبار سے مختلف اور متفاوت بنایا ہے اور یہ تفاوتِ مراتب اور اختلاف اس لیے ہے کہ تم کو آزمائے کہ تم کو جو نعمت دی ہے اس میں تم کیسا کام کرتے ہو غنی کا امتحان شکر کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور فقیر کا امتحان صبر کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

کما قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً وقال تعالیٰ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وقال تعالیٰ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا۔

پس جس طرح وہ دنیا میں فرق مراتب پر قادر ہے اسی طرح وہ آخرت میں جزاء و سزا میں فرق مراتب پر قدرت رکھتا ہے خوب سمجھ لو کہ تحقیق تیرا پروردگار دین میں مختلف راہیں نکالنے والوں کو جلدی سزا دینے والا ہے اور تحقیق وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اگر یہ نافرمان اب بھی ایمان لے آئیں تو وہ سب گناہوں کو معاف کردے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا

هٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔

الحمد للہ آج بروز پنجشنبہ بتاریخ ۴ جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ بعد العصر قریب غروب سورۂ انعام کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی جس سے بحمدہٖ تعالیٰ قرآن کریم کی ایک رُبع کی تفسیر مکمل ہوئی فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات اے پروردگار عالم اسی طرح اپنے فضل وکرم سے باقی قرآن کی تفسیر کو بھی اس حقیر سراپا تقصیر کے ہاتھوں مکمل فرما اور اپنی رحمت سے قبول فرما اور ہمارے شفیع نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت خاصہ سے ہم کو سرفراز فرما آمین اور میرے لیے اور میرے والدین کے لیے اور میری تمام اولاد کے لیے اور بھائی بہنوں کے لیئے خصوصًا اور تمام مسلمانوں کے لیے عمومًا ذریعۂ ہدایت اور وسیلۂ مغفرت بنا آمین یا رب العالمین

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سورۂ اعراف مکی ہے اور اس میں دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں مگر آٹھ آیتیں وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ سے لیکر وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ تک مدینہ میں نازل ہوئیں۔

(**ربط**) گزشتہ سورت کے اخیر میں نزول قرآن اور اسکے اتباع کا ذکر تھا۔ کما قال تعالےٰ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ۔ اور اس سورت کا آغاز بھی نزولِ قرآن کے ذکر اور اس کے اتباع کے حکم سے فرمایا کما قال تعالےٰ الٓمّٓصٓ۔ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔

نیز گزشتہ سورت میں زیادہ تر مضامین توحید کے تھے اور اس سورت میں زیادہ تر مضامین بعثت و رسالت کے متعلق ہیں ابتدار سورت میں اولِ رُسُلْ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا اور بعد ازاں حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ اور حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کے واقعات بیان فرمائے کہ کس طرح انکی قومیں تباہ و برباد ہوئیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ انبیار کرامؑ کی تکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے۔ بعد ازاں تفصیل کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان فرمائے۔ کہ فرعون کے ساتھ انکا کس طرح مقابلہ ہوا۔ اور اعجاز

موسوی سحرِ فرعونی کو کس طرح نگل گیا پھر اخیر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت[1] و رسالت اور آپ کی عموم[2] بعثت کو بیان کیا بعدازاں عہد الست کا ذکر فرمایا کہ جس کے یاد دلانے کے لیے انبیاء کرام مبعوث ہوتے پھر سورت کو اتباعِ وحی کے حکم پر ختم فرمایا جس سے سورت کا آغاز ہوا تھا چنانچہ فرمایا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ۔ الی آخر السورۃ اور ساتھ ساتھ یہ بتادیا کہ قرآن کا اتباع یہ ہے کہ اسکو کان لگا کر پوری توجہ سے سنا جائے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ کی تفسیر استمع له وانصت سے صحیح بخاری میں مروی ہے اس لیے اتباعِ وحی کے بعد قرآن کریم کے استماع اور انصات کا حکم دیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ استماع و انصات بھی منجملہ اتباعِ قرآن کے ہے اور چونکہ امر بالشیٔ نہی عن ضدہٖ کو مقتضی ہوتا ہے اس لیے آیت میں استماع اور انصات کا حکم ضمناً مخالجت اور منازعت کی ممانعت کو متضمن ہوگا کیونکہ منازعت اور مخالجت بلاشبہ استماع اور انصات کی ضد ہے جیسا کہ احادیث میں منازعت اور مخالجت کی ممانعت اور کراہت صراحۃً مذکور ہے گویا کہ احادیثِ منازعت اور مخالجت وغیرہ وغیرہ۔ آیت استماع اور انصات کی تفسیر اور تفصیل ہیں کیونکہ امام کے ساتھ کسی کا پڑھنا استماع اور انصات کے منافی اور مباین ہے اور منازعت اور مخالجت کا موجب ہے اس لیے جس کسی نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پیچھے قرأت کی آنحضرت کو سخت ناگوار گزرا اور سلام پھیر کر بطور عتاب اور بطریق مواخذہ ایکم قرء خلفی فرمایا میرے پیچھے کس نے پڑھا۔
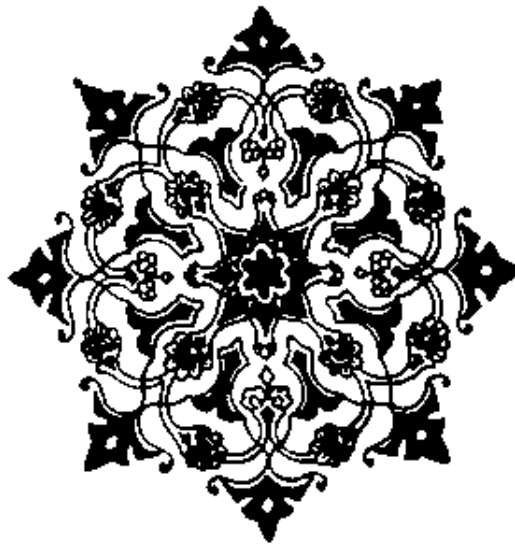
---

[1] اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔

[2] قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔

آیاتها ۲۰۶ ۷ : سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ : ۳۹ رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا ہے مہربان

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ

یہ کتاب اُتری ہے تجھ کو سو اس سے تیرا جی نہ رُکے

حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

کہ خبردار کر دے تو اس سے اور نصیحت جو ایمان والوں کو

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا

چلو اسی پر جو اُترا تم کو تمہارے رب سے، اور نہ چلو اس

مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَكَمْ

کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے، تم کم دھیان کرتے ہو۔ اور کتنی

مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ

بستیاں ہم نے کھپا دیں کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب راتوں رات یا دوپہر

قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ

کو سوتے۔ پھر یہی تھی انکی پکار جب پہنچا ان پر ہمارا عذاب

اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ

کہ کہنے لگے ہم تھے گنہگار۔ سو ہم کو پوچھنا ہے اُن

اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ

سے جن پاس رسول بھیجے تھے اور ہم کو پوچھنا ہے رسولوں سے پھر ہم احوال سنا دیں گے

عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ

انکو اپنے علم سے اور ہم کہیں غائب نہ تھے۔ اور تول اس دن ٹھیک

ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

ہے۔ پھر جس کی تولیں بھاری پڑیں سو وہی ہیں جنکا

الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

بھلا ہوا۔ اور جس کی تولیں ہلکی پڑیں سو وہی ہیں

الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝

جو ہار بیٹھے اپنی جان اس پر کہ ہماری آیتوں سے زبردستی کرتے تھے

ترغیب اتباع قرآن مجید و ترہیب بر انکار حق از عذاب شدید

قال تعالیٰ - الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ... الیٰ ... بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ -

(ربط) گزشتہ سورت کے آخری رکوع میں قرآن مجید کے اتباع کا حکم اور اسکی ترغیب تھی اور اس سے انحراف اور اعراض پر نزولِ عذاب کی وعید تھی اور اسی بنا پر گزشتہ سورت کے آخری رکوع کو اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ پر ختم فرمایا۔ اب اس سورت کے آغاز میں قرآن مجید کے اتباع کا حکم دیتے ہیں اور گزشتہ امتوں کے منکرین حق اور مکذبین حق کی ہلاکت اور بربادی کا ذکر کرتے ہیں تاکہ منکرین قرآن اس سے عبرت پکڑیں ــ چنانچہ فرماتے ہیں۔ الٓمّٓصٓ سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں اس قسم کے حروف مقطعات کے متعلق مفسرین کے اقوال بسط اور تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں ان اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہیں اس کے معنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں یہ تمام حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسرار اور رموز ہیں جنکا علم اللہ ہی کو ہے اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ الٓمّٓصٓ اس سورت کا نام ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔

شانِ نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے تو کافروں کا بہت زور تھا اور مسلمان تھوڑے سے اور کمزور تھے احکام الٰہی کا نزول زور شور

سے ہو رہا تھا۔ توحید اور رسالت اور قیامت کے مسائل کو دلائل قاہرہ سے بیان کیا جاتا تھا جس سے مشرکین کی دشمنی اور عداوت دن بدن بڑھتی جاتی تھی اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو طبعی طور پر گرانی پیش آتی تھی تو اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ الٓمّٓصٓ یہ قرآن مجید ایک مبارک کتاب ہے جو من جانب اللہ آپ کی طرف اتاری گئی ہے پس جان لیجئے کہ اللہ کی توجہات اور عنایات آپکے ساتھ ہیں کہ آپ پر ایسی مبارک کتاب نازل فرمائی پس چاہیئے کہ آپکے سینے میں اس سے یعنی اسکی تبلیغ سے کسی قسم کی کوئی تنگی نہ ہو یعنی لوگوں کے نہ ماننے کی وجہ سے آپ اسکی تبلیغ و دعوت میں تنگدل نہ ہوں اللہ تعالیٰ آپکا محافظ ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ان معاندین اور احمقوں کے طعن و تشنیع اور بیہودہ سوالات سے منقبض اور مکدر ہو کر قرآن کریم کی تبلیغ میں تنگ دل نہ ہوں بلکہ پورے شرح صدر اور طمانیت اور قوت اور جرأت کے ساتھ فریضۂ تبلیغ و انذار میں ہمہ تن مشغول ہو جایئے اور یہ یقین رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایتیں آپکے ساتھ ہیں اور اللہ آپکا محافظ اور نگہبان ہے۔ قوم کی تکلیف اور عداوت سے گھبرا کر تبلیغ اور دعوتِ حق میں کوئی کمی نہ کیجئے کما قال تعالےٰ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ وَقَالَ تَعَالٰى فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ. یعنی جیسا کہ رسل اولوالعزم نے صبر اور تحمل سے کام لیا آپ بھی اسی طرح صبر اور تحمل سے کام لیں اور ان مغرورین اور متکبرین کی پرواہ نہ کریں جو اپنے مال و جاہ پر مغرور ہیں۔ بہت سی بستیوں کو ہم نے یکایک ہلاک کر دیا کہ رات کو سوتے وقت یا دوپہر میں قیلولہ کے وقت ان متکبرین کو عذابِ الٰہی نے آپکڑا بجز اسکے کہ اپنے جرم اور خطا کا اقرار کریں کچھ نہ بن پڑا لہذا آپ اس کتاب کی تبلیغ سے تنگ دل نہ ہوں یہ کتاب آپ پر اس لیے نازل کی گئی ہے تاکہ آپ اس کے ذریعے سے لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائیں اور تاکہ یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ایک نصیحت ہو۔ پس آپ تنگ دل نہ ہوں اور لوگوں سے یہ کہیے کہ اے لوگو جو کتاب نصیحت و ہدایت تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری جانب اتاری گئی اس پر چلو اور اللہ کے سوا اور دوستوں کی راہ پر نہ چلو جو تم کو گمراہ کرتے ہیں جیسے شیاطین الانس والجن مگر باوجود اس مشفقانہ نصیحت کے تم لوگ بہت کم دھیان کرتے ہو نبی جو تمہارا خیر خواہ ہے اسکی طرف کان نہیں لگاتے اور جو تمہارے دشمن ہیں اور تمہیں ہلاک اور برباد کرنا چاہتے ہیں ان کی سنتے ہو۔ اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہوں نے انبیاء کرام کی نصیحتوں سے اعراض کیا اور اپنے دوستوں کا اتباع کیا ہم نے ان کو یکایک ہلاک کیا۔ پس ان پر ہمارا عذاب آیا رات کو سوتے وقت یا دوپہر کے وقت جبکہ وہ قیلولہ کر رہے تھے۔ اس سے مقصود مشرکین کو ڈرانا ہے کہ دنیاوی امن و راحت و عیش و عشرت پر مغرور نہ ہوں ہم نے تم سے پہلے بہت سی بستیوں پر راحت و آرام کے وقت میں ان پر عذاب نازل کیا اور غفلت اور بے خبری میں انکو ہمارے عذاب نے آپکڑا اگر تم کفر و شرک سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی یہی حشر ہونا ہے سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا تو انکا قول بجز اسکے کچھ نہ تھا کہ بیشک ہم ظالم تھے۔ انبیاء و رسل کی مخالفت کر کے ہم نے خود اپنی

جانوں پر ظلم کیا مطلب یہ ہے کہ جب عذاب الٰہی نے آپکڑا تب اپنے جرم کا اقرار کیا مگر اس وقت کے اقرار سے کیا ہوتا تھا۔ وقت گزر چکا تھا جب وقت تھا تو دشمنوں کو دوست سمجھتے رہے اور انبیاء کو اپنا دشمن سمجھتے رہے یہ ناگہانی عذاب تو دنیا میں آیا پھر اس عذاب کے بعد اخروی عذاب کا وقت آئے گا یعنی قیامت آئے گی۔ اس وقت ہم ان امتوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے کہ تم نے پیغمبروں کی دعوت کو قبول کیا یا نہیں اور ہماری نازل کردہ ہدایت اور نصیحت کو مانا یا نہیں کما قال تعالیٰ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ۔ اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے کہ تم نے اپنی امتوں کو ہمارا پیغام پہنچایا یا نہیں اور تمہاری امتوں نے تمہارا کہنا مانا تھا یا نہیں کما قال تعالیٰ۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۔ اور ان دونوں سوالوں سے مقصود کافروں کی توبیخ اور سرزنش ہوگی تاکہ اس کے بعد کافر خود اپنے منہ سے جرم کا اقرار کر کے ذلیل و خوار ہوں اور ان پر انبیاء کرامؑ کی عظمت و شان ظاہر ہو اور انبیاء کے جواب کے بعد ان پر اللہ کی حجت پوری ہو ورنہ خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے اسے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اور پھر ہم اپنے علم سے ان پر اُن کے تمام اعمال کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے اور ہم ان سے غائب نہ تھے۔ ہم سے ان کا کوئی قول و فعل مخفی نہیں تھا۔ انبیاء کرام کو ان کے اعمال کا علم تفصیلی نہیں اور انبیاء کرام ہر وقت انکے ساتھ نہ تھے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تو خدا تعالیٰ ہی کی شان ہے ہم تفصیل کے ساتھ انکے تمام اعمال و احوال کو انکے روبرو کردیں گے۔ اور پھر ان دونوں سوالوں کے بعد اتمام حجت کے لیے اس دن اعمالِ ظاہرہ اور باطنہ کا وزن حق ہے قیامت کے دن اول سوال وجواب ہوگا۔ پھر حساب و کتاب ہوگا اس کے بعد تمام اعمال ظاہرہ و باطنہ کا وزن ہوگا تاکہ وزن سے ہر ایک کی حالت سب پر ظاہر اور عیاں ہو جائے اور اس امر کا مشاہدہ ہو جائے کہ حساب و کتاب کے بعد جو ثواب اور عقاب کا حکم دیا گیا ہے وہ عین حق اور عین صواب ہے پھر وزن کے بعد جس کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہونگے سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہونگے اور جن کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہونگے سو یہ وہی لوگ ہونگے جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا جسکا سبب یہ ہے کہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ بے انصافی کرتے تھے۔ آیتوں کا حق اور انصاف یہ تھا کہ ان پر ایمان لاتے اور ان کو قبول کرتے مگر ان لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کر کے اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر حسنات غالب ہوئے تو جنت ہے اور اگر سیئات غالب ہوئے تو دوزخ ہے اور اگر دونوں برابر ہوتے تو اس کے لیے سردست اعراف تجویز ہوگی۔ بعد میں سزا سے قبل یا بعد شفاعت سے مغفرت ہو جائے گی۔ یا خدا تعالیٰ کی رحمت سے۔ واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم۔

لطائف و معارف

(۱) وزن اعمال کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ نفس اعمال کا وزن ہوگا یا مت

کے دن جو چیز ترازو میں رکھی جائے گی وہ اعمال ہونگے۔ اعمال اگرچہ اعراض ہیں اور غیر قائم بالذات ہیں مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انکو اجساد بنا دے گا۔ یعنی قیامت کے دن اعمال کو قابل وزن جواہر بنا دیا جائے گا۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سورۂ بقرہ اور آلِ عمران دو بادل یا دو چھتری یا دو پرندوں کے پر کی طرح آدیں گی اور حدیث میں ہے کہ مومن کے پاس قبر میں ایک خوبصورت اور خوشبودار جوان سامنے آئیگا تو مومن اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے تو وہ کہے گا کہ میں تیرا عمل صالح ہوں اور کافر اور منافق کے حق میں اسکے برعکس ذکر فرمایا اور حدیث میں ہے کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ یعنی دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں اور ترازو میں بھاری ہیں اللہ کے نزدیک بہت محبوب ہیں وہ دو کلمے یہ ہیں۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ اس حدیث سے بھی نفس اعمال کا میزان میں تولا جانا ظاہر ہے۔

دوسرا قول اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اعمال تو نہیں تولے جائیں گے بلکہ اعمال نامے تولے جائیں گے یعنی وہ صحیفے جن میں فرشتوں نے بندہ کے اچھے اور برے اعمال لکھے ہیں وہ تولے جائیں گے جیسا کہ ترمذی اور مسند احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا جسکے ۹۹ سجل یعنی ننانوے طومار نامۂ اعمال میزان کے ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور ہر سجل (طومار) مدّ بصر تک ہوگا اس کے بعد اسی شخص کا ایک بطاقہ یعنی ایک پرچہ کاغذ لایا جائیگا جس میں لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوگا وہ شخص یہ کہے گا کہ اے پروردگار ان سجلات کے سامنے اس بطاقہ کی کیا ہستی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھ پر ظلم نہ ہوگا پھر اس بطاقہ کو ترازو کے دوسرے پلہ میں رکھ کر سب اعمال کا وزن کیا جاتے گا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ فطاشت السجلات و ثقلت البطاقۃ یعنی اس وقت گناہوں کے وہ تمام طومار ہلکے ہو جائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہو جائیگا۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے اور امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ سب کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ میدانِ حشر میں صرف ایک شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائیگا تاکہ لوگوں پر کلمۂ توحید کا وزن اور ثقل ظاہر ہو جائے کہ یہ کلمہ کس قدر وزنی ہے کہ توحید کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ مقصود نمونہ دکھلانا ہوگا لہٰذا نمونے کے لیے ایک ہی شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائیگا۔

تیسرا قول اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو تولا جائے گا جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا شخص لایا جائیگا اور اس کو تولا جائے گا تو وہ ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی نہ نکلے گا۔ بظاہر یہاں بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ سب کا فروں کے ساتھ نہ کیا جائیگا بلکہ صرف ایک کافر کے ساتھ کیا جائیگا تاکہ اہل محشر پر کافر کی خفت اور بے حقیقتی و بے وقعتی ہونا سب کو آنکھوں سے نظر آجائے۔

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان اخبار و آثار میں توفیق اور تطبیق بھی ممکن ہے وہ یہ کہ یہ کہا جائے کہ بہ سبب امور حق اور درست ہیں کبھی نفس اعمال کا وزن ہوگا اور کبھی صحائفِ اعمال یعنی نامہا ئے اعمال کا وزن ہوگا اور کبھی صاحب اعمال کا وزن ہوگا۔

ان اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور ارجح پہلا قول ہے کہ نفس اعمال کو تولا جائے گا اور سلف صالح اکثر اسی کے قائل ہیں اور اعمال اگرچہ بظاہر اس وقت اعراض معلوم ہوتے ہیں جو بظاہر ایسی چیز نہیں جو تولی جائے لیکن یہی اعمال جو اس دنیا میں اَعراض ہیں قیامت کے دن انکو اَعیان اور اجسام کی صورت میں مجسم بنا دیا جائے گا اور خود نفس اعمال کو ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا جس نے عمل کو اخلاص کے ساتھ اور بروقت اور برمحل کیا ہوگا اس کا عمل ثقیل اور وزنی ہوگا اور جس نے ریاکاری سے یا خلافِ شرع کام کیا ہوگا وہ ہلکا ہو جائیگا اور عقلاً یہ جائز ہے کہ ایک ہی شئے ایک محل اور موطن میں جوہر ہو اور دوسرے موطن میں وہی عرض ہو ہر محل اور موطن کے احکام علیحدہ اور جدا ہیں آگ وجود خارجی میں محرق جلانے والی چیز ہے اور وجود ذہنی میں آگ کی صورتِ ذہنیہ جلانے والی چیز نہیں۔

(۲) احادیث صحیحہ اور متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت کے دن ایک میزان لاکر رکھی جائے گی جس میں کفّتین (دو پلے) اور ایک لسان یعنی زبان ہوگی اس پر ایمان لانا اور اسکو حق سمجھنا ضروری ہے رہا یہ امر کہ اس میزان کے دونوں پلوں کی کیا نوعیت اور کیا کیفیت ہوگی اور اس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا۔ سو یہ چیزیں ہماری حیطۂ عقل اور دائرۂ ادراک سے باہر ہیں اور نہ ہم اسکے جاننے کے مکلف ہیں۔ عالم غیب کی چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اور انکی نوعیت اور کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے میزان کو اس حسی اور عرفی ترازو میں منحصر سمجھ لینا صحیح نہیں اسی دنیا میں دیکھ لو کہ ترازو کی کتنی قسمیں ہیں ایک میزان وہ ہے جس سے سونا اور چاندی تولتے ہیں ایک میزان وہ ہے جس سے غلّہ یا سوختہ یا کوئلہ تلتا ہے۔ ایک میزان وہ ہے جو ریلوے اسٹیشن پر ہوتی ہے جس سے مسافروں کا سامان تُلتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک مقیاس الہواء اور مقیاس الحرارت ہے جس سے حرارت اور برودت کا درجہ معلوم ہوتا ہے اور ایک تھرمامیٹر ہے جس سے اندرونی حرارت کا درجہ معلوم ہوتا ہے کہ کس درجہ کا بخار ہے۔ ایک میزان شعر ہے جس سے شعر کا وزن معلوم ہوتا ہے۔ پس جب دنیا میں مختلف قسم کی میزانیں موجود ہیں جن سے اَعیان اور اَعراض کے اوزان اور درجات کا تفاوت معلوم ہو جاتا ہے تو اس قادر مطلق کو کیا مشکل ہے کہ وہ قیامت کے دن ایک ایسی حسّی اور مقداری میزان قائم کردے جس سے بندوں کے اعمال کے اَوزان اور درجات اور مراتب کا تفاوت اور فرق صورۃً اور حسّاً ظاہر ہو جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

بعض خام عقل لوگوں نے جیسے معتزلہ نے ایسی میزان کو بعید از عقل و قیاس سمجھ کر یہ کہہ دیا کہ وزن سے حسّی ترازو میں تولنا مراد نہیں بلکہ وزن سے عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا مراد ہے یعنی اس

دن نہایت جچے تُلے فیصلے ہوں گے اور اس دن اعمال کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا۔ حقیقۃً اس دن کوئی ترازو نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ اپنی اس تاویل کے ثبوت میں سوائے اپنی عقلی استبعاد کے نہ کوئی عقلی دلیل پیش کر سکے اور نہ نقلی۔ صحابہ و تابعین سے بڑھ کر دنیا میں کون عقلمند ہو سکتا ہے جب انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بھی اسکو تسلیم کر لیں۔

(۳) نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ ترازو ایک ہوگی یا متعدد ہوں گی۔ صحیح قول یہ ہے کہ ترازو ایک ہوگی اور قرآن کریم میں جو بعض جگہ صیغۂ جمع آیا ہے وہ باعتبار کثرتِ اعمال کے ہے یا باعتبار کثرۃ اصحاب اعمال کے ہے اسی بنار پر بعض علماء نے کہا ہے کہ موازین جمع میزان کی نہیں بلکہ جمع موزون کی ہے اور مراد اعمالِ موزونہ ہیں۔

(۴) حق تعالیٰ جل شانہ نے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ سے متقین کا ذکر فرمایا اور اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ میں کافروں کا ذکر فرمایا لیکن گنہ گار مسلمانوں کا حال ذکر نہیں فرمایا ان کا معاملہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے جس پر چاہے رحمت فرمائے اور جس کو چاہے عذاب دے کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔

(۵) جس کے حسنات اور سیئات برابر ہونگے آیت میں اسکا ذکر نہیں۔ یہ لوگ اصحابِ اعراف ہونگے انکا مآل جنت ہوگا۔ جیساکہ آئندہ آیت اعراف کے بیان میں آئیگا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا
اور ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور بنا دیں اس میں تم کو

مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ
روزیاں تم تھوڑا شکر کرتے ہو اور ہم نے تم کو پیدا کیا

ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ
پھر صورت دی پھر کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾
تو سجدہ کیا مگر ابلیس نہ تھا سجدہ والوں میں

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا
کہا تجھ کو کیا مانع تھا کہ سجدہ نہ کیا جب میں نے فرمایا بولا میں اس

خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ

سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اسکو بنایا خاک

طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ

سے کہا تو اتر یہاں سے تجھ کو یہ نہ ملے گا کہ

تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ

تکبّر کرے یہاں سو نکل تو ذلیل ہے بولا

اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ

مجھ کو فرصت دے، جس دن تک لوگ جی اٹھیں۔ کہا تجھ کو فرصت

الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ

ہے۔ بولا کہ تو جیسا تو نے مجھے بدراہ کیا ہے میں بیٹھوں گا انکی

صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ

تاک میں تیری سیدھی راہ پر پھر ان پر آؤں گا آگے

اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ

سے اور پیچھے سے اور داہنے سے اور

شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ

بائیں سے اور نہ پاوے گا تو اکثر ان میں شکر گزار کہا

اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ

نکل یہاں سے مردود کھدیڑا جو کوئی ان میں تیری راہ چلا

مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

میں بھر دوں گا دوزخ تم سب سے اکٹھے

ذکر قصۂ سیدنا آدم علیہ السلام برائے تذکیر نعم و تذکیر نقم و ترغیب بر اطاعت و انابت و تنبیہ بر انجام سرکشی و معصیت

قال تعالیٰ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۔ الیٰ ۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ و دعوت کا اور لوگوں کو آپکے اتباع اور اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی کرنے پر دنیوی اور اُخروی عذاب سے آگاہ کیا۔ اب ان آیات میں اپنے انعامات و احسانات کو بیان فرماتے ہیں تاکہ ان احسانات کا خیال کر کے اللہ کی اطاعت اور اس کی شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں اور منعم حقیقی کے مقابلہ میں ابلیس کی طرح تمرد اور سرکشی نہ کریں اس لیے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا قصہ ذکر فرمایا تاکہ اس سے اُس علیم و قدیر کی کمال قدرت اور کمال حکمت کا علم ہو۔ اور حضرات انبیاء کرام کی بعثت کی ضرورت معلوم ہو کہ حضرات انبیاء کرام خداوند احکم الحاکمین کے سفراء اور خلفاء اور نائبین ہیں جس شخص نے انکی اتباع کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے انکی مخالفت کی وہ تباہ اور برباد ہوا۔ بغیر انبیاء و رسل کے اتباع کے بندہ خدا تک نہیں پہنچ سکتا وہ بڑے بڑے انعامات جن کا خاص طور پر ان آیات میں حق تعالیٰ نے اظہار فرمایا وہ یہ ہیں۔

(۱) ہم نے تمہیں زمین پر قابض بنایا کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو۔

(۲) تمہاری زندگی کی چیزیں زمین میں پیدا کیں کہ ان سے ہمارے نازل کردہ قانون شریعت کے ماتحت نفع حاصل کرو۔

(۳) تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو یہ شرافت عطا کی کہ زمین میں انکو اپنا خلیفہ بنایا اور تمام فرشتوں سے انکو سجدہ کرایا۔

(۴) شیطان کو صرف اس وجہ سے کہ اس نے خدا کے خلیفہ اور اسکے برگزیدہ رسول کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ جنت سے نکال دیا۔ شیطان تمہارا قدیمی دشمن ہے اس سے ہشیار رہنا باپ کے طریقہ پر چلنا اور دشمن کے وسوسوں کی طرف التفات نہ کرنا۔

(۵) پھر اخیر میں آخرت یاد دلائی کہ یہ دنیا چند روزہ ہے اسکی نعمتوں اور عشرتوں میں مست ہو کر آخرت سے غافل نہ ہو جانا۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۔ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۔ غرض یہ کہ اس طرح حق تعالےٰ نے مبداء اور منتہیٰ دونوں کو بتلا دیا اور اس کو علم مبداء و معاد کہتے ہیں۔

اب ہم آیات کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اے لوگو تم کیسے مَآ اُنْزِلَ اللّٰہُ کا اتباع نہ کرو گے جس سے تمہاری میزانِ اعمال کا پلہ بھاری ہو جائے اس لیے کہ تحقیق ہم نے تم کو زمین میں تمکنت اور قدرت عطا کی کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو اور تمہارے لیے اس میں قسم قسم کے اسباب معیشت پیدا کیے تاکہ تم ان بے مثال نعمتوں کا شکر کرو اور ان دنیوی نعمتوں کو سعادت ابدیہ کا ذریعہ بناؤ۔ مگر تم بہت کم شکر کرتے ہو اور اس سے بڑھ کر نعمت یہ ہے کہ البتہ تحقیق ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو صورت دی۔ یعنی تمہارے باپ آدم کو پیدا کیا اور انکو ایک خاص صورت اور خاص صفت عطا کی پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ سب نے آدم کا رتبہ پہچان لیا مگر ابلیس نے تکبر کیا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے کیا چیز مانع آئی کہ جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تو نے سجدہ نہیں کیا اس نے کہا کہ وہ مانع یہ ہے کہ میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسکو یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا یعنی میں اسکو کس طرح سجدہ کروں میں تو اس سے بہتر اور افضل ہوں کیونکہ اس کی پیدائش مٹی سے ہے اور میری آگ سے ہے اور آگ مٹی سے بہتر ہے کیونکہ آگ ایک جوہر علوی چمکدار اور خفیف ہے اور مٹی ایک جوہر سفلی تاریک اور ثقیل اور کثیف ہے۔ ابلیس لعین نے مٹی کی ظاہری صورت پر تو نظر کی اور یہ خیال نہ کیا کہ آدمؑ کا خمیر پانی اور مٹی سے تیار ہوا ہے اور عنصر آبی (پانی) اس قدر قوی ہے کہ دہکتی ہوئی آگ کو یک لخت بجھا ڈالتا ہے۔ اور پانی تمام مخلوقات کا سرچشمہ حیات ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۔ رہی مٹی سو اس میں سکون اور وقار ہے اور پستی ہے اس لیے حضرت آدمؑ نے تواضع کی راہ اختیار کی اور ابلیس نے ناری ہونے کی وجہ سے آگ کی طرح علو اور تکبر کی راہ اختیار کی۔ انسان کی اصل فطرت چونکہ ترابی اور خاکی ہے اس لیے انسان میں اصل تواضع ہے اور تکبر عارض کی وجہ سے ہے اور جنات کی اصل آگ ہے اس لیے شیاطین اور جنات میں تکبر اصل ہے اور تواضع عارض کی بنا پر ہے علاوہ ازیں مٹی میں صبر اور تحمل اور حیا اور وقار ہے اس میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا۔ قسم قسم کی غذائیں اور پھول اور پھل سب زمین ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ سب کو پالتی ہے بخلاف آگ کے کہ وہ ایک مہلک چیز ہے ابلیس اگر مٹی کی ان باطنی صفات پر غور کرتا تو اس پر منکشف ہو جاتا کہ مٹی آگ سے بہتر ہے۔ ابلیس نے آگ کی چند ظاہری صفات کو دیکھ کر دھوکہ کھایا اور یہ خیال نہ کیا کہ آگ میں اگر کچھ نور ہے تو اس کے ساتھ دھوئیں کی ظلمت اور کدورت بھی ملی ہوئی ہے اور یہ نہ سمجھا کہ وہ معیار افضلیت نہیں۔ بلکہ معیار افضلیت اطاعت حکم خداوندی ہے۔ عناصر سب خدا کی نظر میں برابر ہیں۔ ابلیس لعین کا یہ دعویٰ کہ فلاں عنصر فلاں عنصر سے بہتر ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

نیز اگر شیطان میں یہی فضیلت تھی کہ خدا تعالیٰ نے اسکو آگ سے پیدا کیا تو آدم میں یہ فضیلت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ہر چیز کا اسکو علم دیا اور مسجود ملائک بنایا۔ عدو اللہ نے ان فضیلتوں پر تو نظر نہ کی۔ صرف یہ دیکھ لیا کہ آدم مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ باقی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ

لی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری نظر صرف عنصر ظاہری پر ہے اور آدمؑ کے جسم خاکی میں جو روح میں نے پھونکی ہے اس پر تیری نظر نہیں وہ خالص نورانی ہے تو اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور تکبر میں مبتلا ہے۔ پس تو آسمان سے نیچے اتر۔ بڑائی کی سزا پستی ہے۔ پس تیرے لیے یہ لائق نہیں کہ تو آسمان میں تکبر کرے اور اپنے عنصریت ناریہ پر غرور کرے۔ جنت متکبرین پر حرام ہے اس مقام عالی میں بندگی اور سرافگندی کے ساتھ قیام ممکن ہے تکبر کے ساتھ یہاں قیام ناممکن ہے پس تو یہاں سے نکل جا۔ تحقیق تو ذلیلوں میں سے ہے۔ تکبر کی سزا ذلت اور خواری ہے تجھ میں عنصر ناریہ تو ہے مگر روحانیت کے کمال اور جمال سے تو عاری ہے۔

اس وقت ابلیس نے کہا خدایا مجھے اس دن تک مہلت دیدیجیئے کہ جس دن مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے یعنی نفخۂ ثانیہ تک مجھ کو مہلت دے دیجائے ابلیس کا اس سوال سے مقصد یہ تھا کہ موت کا ذائقہ نہ چکھے اس لیے کہ یوم بعثت کے بعد موت نہیں۔ خدا تعالیٰ نے ابلیس کی یہ درخواست تو منظور نہیں کی مگر نفخۂ اولیٰ تک اسکو مہلت دی جیساکہ سورۂ حجر میں ہے۔ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ اور وقتِ معلوم سے نفخۂ اولیٰ کا وقت مراد ہے جس وقت تمام زندہ لوگ مرجائیں گے۔ غرض یہ کہ جب ابلیس نے یہ درخواست کی تو

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا بے شک تو ان لوگوں میں سے ہے جنکو وقت معلوم تک مہلت اور ڈھیل دی گئی ہے جیساکہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ وہ ملعون تو موت کی تکلیف سے بچنے کی خاطر نفخۂ ثانیہ تک مہلت چاہتا تھا کیونکہ دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد موت نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اسکو وقت معلوم تک مہلت دی جیساکہ سورۂ حجر اور سورۂ صٓ میں اسکی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو وقت معلوم یعنی نفخۂ اولیٰ تک مہلت دی جیساکہ عبداللہ بن عباسؓ نے وقت معلوم کی تفسیر پہلے صور سے فرمائی ہے۔ کہ جس وقت ساری مخلوق مرجائے گی۔ اور سب فنا ہو جائیں گے تو اس وقت اسکو بھی موت آئے گی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وقت معلوم سے وہ خاص وقت مراد ہے جو اللہ ہی کو معلوم ہے ابلیس کو اس وقت کا علم نہیں ابلیس نے مُردوں کے جی اٹھنے تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی تاکہ اس بہانہ موت سے محفوظ ہو جائے اس لیے کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد کسی کی موت نہیں مگر خدا تعالیٰ نے اسکی یہ درخواست منظور نہیں کی بلکہ اس کو ایک وقت معلوم یعنی ایک خاص وقت تک اسکو زندہ رہنے کی مہلت دی جسکا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ حسب قاعدۂ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ابلیس کو اس وقت معلوم پر موت آئیگی اور پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۲۷ جلد ۱۰ سورۂ حجر۔

نکتہ ابلیس کی اس درخواست رَبِّ اَنْظِرْنِیْ کے جواب میں حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ انی انظر تلک تحقیق میں نے تجھے مہلت دے دی بلکہ یہ فرمایا اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ. تحقیق تو ان لوگوں میں سے ہے کہ جنکو علم الٰہی اور تقدیر خداوندی میں وقت معلوم تک مہلت دی جاچکی

ہے مطلب یہ ہے کہ تیری اس درخواست سے پہلے ہی ہمارے کارخانۂ قضاء وقدر میں وقت معلوم تک تیری مہلت مقدر ہو چکی ہے تو ہماری بارگاہ میں یہ درخواست کرے یا نہ کرے تیری درخواست سے پہلے ہی ہماری قضاء وقدر میں وقت معلوم تک تیری مہلت مقدر ہو چکی ہے جسکا تجھے علم ہی نہیں پس حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ جواب اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ کسی درجہ میں بھی ابلیس کی درخواست کی منظوری نہیں بلکہ اپنی سابق قضاء وقدر کا اظہار اور اسکی خبر ہے۔

جذبۂ انتقام

شیطان کو صرف حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں جنت سے نکالا گیا اس لیے شیطان نے جوش عداوت میں یہ چاہا کہ اولادِ آدم سے اسکا انتقام لے تو ابلیس نے یہ کہا کہ اے پروردگار جب آپ نے مجھے وقتِ معلوم تک مہلت دیدی پس قسم اسکی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا اور آدم کی وجہ سے مجھ کو جنت سے ذلیل اور خوار کر کے نکالا تو میں اولادِ آدم کی رہزنی کے لیے تیرے سیدھے راستے پر انکی تاک میں جاکر بیٹھ جاؤں گا یعنی انکی وجہ سے میں تو گمراہ ہوا ہی ہوں اب انکی بھی راہ ماروں گا اور سر توڑ اسکی کوشش کروں گا کہ اولادِ آدم کسی طرح جنت تک نہ پہنچ سکے اور جنت کے سیدھے راستہ سے منحرف ہو کر دوزخ کی راہ اختیار کریں پھر البتہ میں انکے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے داہنے سے اور ان کے بائیں سے آؤں گا یعنی ہر چہار طرف سے انکو گھیر لوں گا آخرت کی طرف سے انکے دلوں میں تشکیک اور شبہات ڈالوں گا۔ دنیا کی محبت میں انکو پھنساؤں گا اور آخرت سے انکو متنفر اور بیزار کردوں گا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے ان کو بہکاؤں گا۔ ابلیس نے ان چار جانبوں کا ذکر کیا۔ اس لیے کہ دشمن کے آنے کی یہی چار راہ ہیں اور مِنْ فَوْقِهِمْ یعنی اوپر کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اوپر کی جانب سے اللہ کی رحمت اترتی ہے خدا کی رحمت اور بندہ کے درمیان شیطان حائل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے شیطان اوپر کی جانب سے نہیں آتا اور نیچے کی طرف سے آنے کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ تکبر کی وجہ سے نیچے کی جانب سے آنا اس کو پسند نہیں پس شیطان اوپر اور نیچے کی طرف سے بندہ کے پاس نہیں آتا صرف انہیں چار جانبوں سے آتا ہے جنکا ذکر آیت میں ہے اور اسکے بعد شیطان نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ میں اپنی اس جدوجہد میں بہت کچھ کامیاب بھی ہو جاؤں گا۔ چنانچہ آپ ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار اور اطاعت شعار نہ پائیں گے ابلیس کا یہ قول بطور ظن اور قیاس اور گمان تھا لیکن اسکو یقین نہ تھا خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ (یعنی ابلیس نے اپنے گمان کو کچھ ٹھیک پایا) خدا تعالیٰ نے فرمایا میں بندوں کی شکر گزاری سے بے نیاز ہوں اے گستاخ تو آسمان سے مذموم اور راندہ ہو کر نکل جا اور جس کو چاہے بہکا مجھے کوئی پرواہ نہیں خوب سمجھ لے جو کوئی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں بھی تابع

اور متبوع سب سے دوزخ کو بھردوں گا۔ جہاں ایک دوسرے پر لعنت کرتے رہیں گے اس حالت کو تو اگر کامیابی سمجھتا ہے تو سمجھا کر۔

لطائف و معارف

(۱) شیطان کے اس قول فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بھی ہدایت اور غوایت کا خالق حق تعالیٰ ہی کو سمجھتا تھا اسی لیے فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ کہا مگر معتزلی یہ کہتا ہے کہ غوایت اور ہدایت کا خالق خود بندہ ہے گویا کہ معتزلی شیطان کو مشورہ دیتا ہے کہ تو فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ مت کہہ تو تو خود ہی اپنی غوایت کا خالق ہے خدا تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کرتا ہے۔

(۲) ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ۔ یہ آیت اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے کہ شیطان ہر طرف سے آتا ہے اور بہکاتا ہے اور ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سے دنیا کی طرف سے آنا مراد ہے اور مِنْ خَلْفِهِمْ سے آخرت کی طرف سے آنا۔ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ سے نیکیوں کی طرف سے آنا۔ اور عَنْ شَمَآئِلِهِمْ سے برائیوں کی طرف سے آنا مراد ہے یعنی آخرت کے بارے میں انکو شک میں ڈال دوں گا اور دنیا کی رغبت دلاؤں گا اور برائیوں اور گناہوں کی لذت ان کو بتاؤں گا۔ اور نیکیوں سے انکو نفرت دلاؤں گا۔

(۳) وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ۔ شیطان کا یہ قول فقط اپنے گمان اور غرور اور انانیت کی بنا پر تھا۔ اتفاق سے اسکا یہ گمان اور خیال واقع کے موافق نکلا۔ کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ

اور اے آدم! بس تو اور تیرا جوڑا جنت میں پھر کھاؤ جہاں

حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا

سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے پھر تم

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ

ہو گے گنہگار پھر بہکایا انکو شیطان نے تا کھولے ان

لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا

پر جو ڈھکے تھے ان سے ان کے عیب اور وہ بولا تم

نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا

کو جو منع کیا ہے رب تمہارے نے اس درخت سے مگر یہ کہ کبھی ہو جاؤ

مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ

فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ جینے والے اور انکے پاس قسم کھائی

اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ

کہ میں تمہارا دوست ہوں پھر ڈھلایا (مائل کیا) ان کو

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا

فریب سے پھر جب چکھا دونوں نے درخت کھل گئے ان پر عیب انکے اور لگے جوڑنے

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ

اپنے اوپر پات بہشت کے اور پکارا انکو انکے رب نے

اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ

میں نے منع نہ کیا تھا تمکو اس درخت سے؟ اور کہا تجھا تم کو کہ

الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا

شیطان تمہارا دشمن صاف ہے۔ بولے اے رب ہمارے ہم نے

اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ

خراب کیا اپنی جان کو اور اگر تو نہ بخشے ہم کو اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ہو

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

جاویں نامراد کہا تم اترو ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۲۴﴾

اور تم کو زمین پر ٹھہرنا ہے اور برتنا ہے ایک وقت تک

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۵﴾

کہا اسی میں تم جیو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

تتمہ اور ہم نے آدمؑ کو کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی حواؑ فی الحال جنت میں سکونت اور قیام کرو یعنی سردست جنت ہی میں رہو پھر اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ پیو لیکن اس خاص درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ ظلم کے اصل معنی لغت میں نقصان اور کمی کے آتے ہیں کما قال تعالیٰ وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا اس لیے ہم نے ظالم کا ترجمہ گنہگار سے نہیں کیا بلکہ نقصان اٹھانے والے سے کیا اور یہی زیادہ مناسب ہے ابلیس چونکہ حضرت آدمؑ کی وجہ سے ملعون اور مطرود ہو چکا تھا اس لیے اسکے دل میں حسد اور انتقام کی آگ سلگ رہی تھی حضرت آدمؑ کی یہ نعمت اور کرامت دیکھ کر حسد اور انتقام کی آگ اور بھڑک گئی۔ اس لیے از راہ عداوت اس فکر میں پڑا کہ کسی طرح مکر و فریب سے ان کو اس عیش و عشرت اور اعلیٰ مقام سے علیحدہ کر دیا جائے۔

(۱) ادھر کچھ قرائن سے حضرت آدمؑ کو یہ محسوس ہوا کہ مجھے ایک دن یہ مقام کریم چھوڑ کر دنیا میں جانا ہوگا کیونکہ زمین کی مٹی میری فطرت میں داخل ہے اور اسی سے میرا خمیر تیار ہوا ہے۔ بتقاضائے فطرت انکو یہ اندیشہ تھا کہ میرا خمیر مجھ کو زمین کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے اس لیے کہ اصل اپنی فرع کے لیے جاذب ہوتی ہے اس بنا پر حضرت آدمؑ کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا کسی وقت بتقاضائے فطرت مجھ کو زمین کی طرف کھنچنا پڑے۔

(۲) علاوہ ازیں تمام فرشتوں میں میری خلافت ارضی کا اعلان ہو چکا ہے اور اسی کے لیے مجھ کو پیدا کیا گیا ہے کما قال تعالیٰ۔ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً لہٰذا ایک نہ ایک دن مجھ کو منصب خلافت کی ادائیگی کے لیے زمین پر اترنا پڑے گا اس لیے حضرت آدمؑ کو اپنے خلود جنت کی طرف سے ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔

(۳) نیز اس اعلان خلافت کے بعد حق تعالیٰ کا حضرت آدمؑ کو یہ حکم دینا اُسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اس طرف مشیر ہے کہ یہ حکم چند روزہ سکونت کا ہے دائمی قیام کا حکم نہیں کیونکہ اُسْكُنْ فرمایا ہے اَقِمْ نہیں فرمایا اس حکم کو سن کر حضرت آدمؑ نے زبان سے تو کچھ نہ فرمایا مگر دل میں ڈر گئے اور چونکہ حضرت آدمؑ خداوند ذوالجلال کے عاشق صادق تھے جنت کے قیام کو اس لیے مغتنم سمجھتے تھے کہ بہشت

کا قیام قرب خداوندی کا ذریعہ ہے جس سے بڑھ کر عاشق صادق کی نظر میں کوئی چیز محبوب اور مطلوب نہیں ابلیس نے یہ خیال کیا کہ عاشق صادق کو قرب کی طمع اور لالچ دیکر چکمہ دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس نے حضرت آدمؑ اور حواءؑ کو ملکیت اور خلود فی الجنۃ کا ایک حیلہ بتایا اور قسم کھا کر یہ باور کرایا کہ یہ حیلہ۔ زیادتی قرب یا دوام قرب کا ذریعہ ہے تاکہ آدمؑ اور حواءؑ سنتے ہی اسکی طرف مائل ہو جائیں کیونکہ زیادتی قرب یا دوام قرب عاشق کی عین تمنا اور آرزو ہے۔ عاشق صادق کی شان تو یہ ہوتی ہے۔ ؎

تلخ تر از فرقت تو ہیچ نیست ⁂ بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست

(یعنی تیری جدائی سے زیادہ تلخ کوئی چیز نہیں اور بغیر تیری پناہ کے سوائے الجھن اور حیرانی کے کچھ نہیں)

پس شیطان نے اس راہ سے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ اس درخت سے کھانے سے وہ قابل شرم چیز جو ان کی مستور تھی وہ ان کے سامنے ظاہر کر دے یعنی ان پر ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو جائیں کیونکہ اس درخت کی خاصیت ہی یہ تھی کہ اسکے کھانے کے بعد جنت کا لباس بدن سے اتر جائے اور وہ وسوسہ جس کے ذریعے ابلیس نے حضرت آدمؑ اور حواءؑ کو دھوکہ دیا وہ یہ تھا کہ آدم اور حوا سے یہ کہا کہ نہیں منع کیا تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت کے کھانے سے مگر اس خطرہ سے کہ تم دونوں اس کو کھا کر مبادا فرشتے نہ ہو جاؤ کہ فرشتوں کی طرح کھانے اور پینے سے مستغنی ہو جاؤ اور فرشتوں کی طرح تسبیح و تقدیس تمہاری غذا بن جائے اور فرشتوں کی طرح اطاعت خداوندی تمہاری طبیعت اور مزاج بن جائے اور معصیت کا احتمال بھی باقی نہ رہے یا اگر فرشتے نہ بنو تو ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ کہ موت کا خطرہ باقی نہ رہے کیونکہ اس کے کھانے میں یہ دونوں خاصیتیں ہیں شیطان کا مطلب یہ تھا کہ اے آدمؑ تم کو جو خلود فی الجنت کی طرف سے کھٹکا لگا رہتا ہے اسکے ازالہ کی صورت یہ ہے کہ آپ اس دانۂ گندم کو کھا لیجیے تو آپ کو بہشت کا دائمی قیام حاصل ہو سکے گا آپکے خلود اور بقاء میں صرف یہ مانع ہے آپ اسکو اٹھا دیجیے آپکا مقصود جو قرب دائمی ہے وہ آپکو میسر آجائے گا جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى اور ابتداء میں جو آپکو ممانعت کی گئی تھی سو غالباً اس وقت ملکیت اور حیات ابدیہ آپکے مناسب حال نہ تھی اور اب آپ ترقی کر گئے ہیں جس سے آپ میں اسکی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے جو آپ کے حال کے مناسب ہے اس لیے اب اس درخت کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اسکے بعد شیطان دونوں کے روبرو قسم کھا کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں تمہارے خیر خواہوں میں ہوں یعنی اگرچہ میں تمہارا دشمن ہوں مگر خدا کی قسم یہ بات تو تمہاری خیر خواہی سے کہہ رہا ہوں اور محض بطور خیر خواہی خلود اور بقاء کا یہ طریقہ تمکو بتلا رہا ہوں چونکہ میں تم سے پہلے اس جگہ رہا ہوں اس لیے میں یہاں کے احوال اور اطوار سے بخوبی واقف ہوں اور خدا کی قسم میں تم سے پہلے پیدا ہوا ہوں اور تم سے زیادہ یہاں کا علم رکھتا ہوں اس لیے بطور خیر خواہی تم کو یہ مشورہ دے رہا ہوں۔ حضرت آدمؑ کے دل میں حق جل شانہٗ کی عظمت اس درجہ راسخ تھی کہ انکو یہ شبہ بھی نہ گزرا کہ کوئی خدا کے نام سے جھوٹی قسم کھانے کی جرأت بھی

کر سکتا ہے اور حکم شرعی بھی یہی ہے کہ جب کوئی خدا کی قسم کھائے تو اسکی بات مان لینی چاہیئے اس لئے حضرت آدمؑ اور حواؑ اسکے دھوکے اور فریب میں آگئے جس سے حضرت آدمؑ کا کمال اور جمال بھی ظاہر ہوا کہ خداوند ذوالجلال کے کس درجہ شیدائی اور فدائی تھے کہ اسکا نام سن کر گھل گئے اور کسی نے کیا خوب کہا ہے قَدْ يُخْدَعُ الْمُؤْمِنُ بِاللّٰهِ یعنی مومن اللہ کا نام سنکر دشمن کے فریب میں آجاتا ہے عاشق سے جب محبوب کا نام لیکر کچھ کہا جاتا ہے تو اس وقت اسکے دل کا حال کچھ اور ہوتا ہے اس لیے آدم علیہ السلام اسکی جھوٹی قسموں کا اعتبار کر بیٹھے اور انکو اسکی خیر خواہی کا یقین ہو گیا۔ اور اس سے پہلے انکو کسی مکار اور فریبی سے واسطہ بھی نہ پڑا تھا جو جانتے کہ مکر اور فریب کیسا ہوتا ہے۔ پس اس طرح فریب سے ان دونوں کو اپنی طرف کھینچ لیا اور دھوکہ سے بلندی سے اتار کر پستی کی طرف ڈال دیا۔ اور دانۂ گندم کے کھانے کی طرف انکو مائل کر دیا۔ پس جونہی انہوں نے اس درخت کے پھل کو چکھا تو انکا ستر کھل گیا۔ جو اس درخت کی خاصیت تھی وہ ظاہر ہوئی اور بہشتی لباس ان سے اتر گیا اور وہ شرما گئے اور شرما کر اپنے اوپر بہشت کے درختوں کے پتے چپکانے لگے تاکہ اپنے ستر کو چھپائیں۔ اور اس وقت انکے رب نے انکو پکارا کیا میں نے تم کو اس درخت کے کھانے سے منع نہیں کر دیا تھا اور کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ تحقیق یہ شیطان ہر چیز میں تمہارا دشمن ہے اس سے بچتے رہنا اگرچہ وہ قسمیں کھا کر خیر خواہی جتلائے پھر تم اس کے کہنے میں کیوں آگئے دونوں بولے اے پروردگار ہم قصوروار ہیں اور تیری مغفرت اور رحمت کے امیدوار ہیں بیشک ہم نے ابلیس کے فریب میں آکر اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا۔ اور اپنا ہی کام خراب کیا کہ ہمارا یہ جنتی لباس بدن سے اتر پڑا حکم عدولی سے تیرا کوئی نقصان نہیں بیشک ہم اگر عزم اور حزم یعنی تامل اور احتیاط سے کام لیتے تو یہ نقصان نہ دیکھتے اور اگر آپ ہمارا یہ قصور معاف نہ کریں اور آئندہ کے لیے ہم پر اپنا لطف و کرم نہ فرمائیں تو بلیشک ہم خسارہ اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور اگر آپ نے اپنی مغفرت اور رحمت سے ہم کو نواز دیا تو ہمارا یہ خسارہ مبدل بہ منفعت ہو جائیگا۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو دوام قرب خداوندی کے حصول کا ایک ذریعہ بتلایا جو انکی تمنا اور آرزو تھی اسلئے اس ذوق شوق کی حالت میں حق تعالیٰ کے حکم لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اور اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى سے ذہول اور نسیان ہوا اور یہ بھی خیال نہ رہا کہ جب میں مسجود ملائکہ بن چکا ہوں تو اب ملک (فرشتہ) بننے کی کیا ضرورت رہی کما قال تعالیٰ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ مگر اسکو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر کر گزرے اور ظاہر ہے کہ اگر بھول کر کوئی کام خلاف حکم سرزد ہو جائے تو اسکو لغزش اور خطاء اجتہادی کہتے ہیں یہ اگر معصیت ہے تو محض صورۃً معصیت ہے اور حقیقۃً معصیت وہ ہے جو دیدہ و دانستہ ہو۔ حضرات انبیاء کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان سے کوئی بھول چوک ہو جاتی ہے تو وہ فوراً بارگاہ خداوندی میں معافی کے خواستگار ہو جاتے ہیں اور اپنی لغزش کی کوئی تاویل نہیں کرتے تاویل بھی خلاف ادب ہے اسی وجہ سے حضرت آدمؑ لغزش

کے بعد توبہ اور استغفار کی طرف متوجہ ہو گئے جس سے انکا مرتبہ اور بلند ہو گیا۔ کما قال تعالیٰ وَعَصَىٰٓ اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ۔ معصیت کے بعد اجتباء کا ذکر اس توبہ اور استغفار کا ثمرہ ہے خوب سمجھ لو۔ اور شیطان نے دیدہ و دانستہ حکم عدولی کی اور اپنے زعم باطل کی توجیہات اور تاویلات شروع کر دیں جس سے اور زیادہ ذلیل اور خوار ہوا۔

حضرات انبیاء اپنے علو مرتبت اور رفعت اور کمال معرفت کے سبب اپنی ادنیٰ لغزشوں پر بھی مواخذۂ خداوندی سے خائف اور ترساں رہتے ہیں جن پر دوسرے لوگوں سے مؤاخذہ نہیں ہوتا اور جو امور ان سے از راہ سہو و نسیان سرزد ہو جاتے ہیں ان لغزشوں کو انکے علو مرتبہ کے لحاظ سے سیئات اور معاصی کے نام سے تعبیر کر دیا جاتا ہے ورنہ فی الحقیقت دوسرے لوگوں کے گناہوں کی طرح گناہ نہیں ہوتے بلکہ دوسرے لوگوں کے لیے بمنزلہ نیکی ہوتے ہیں البتہ یہ لغزشیں اور بھول چوک حضرات انبیاء کے مرتبہ کے لحاظ سے بمنزلہ ذنوب کے ہو جاتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں۔

ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست ٭ خون شہیداں راز آب اولیٰ ترست

چنانچہ عارف رومی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں

گرچہ یک مُو بُد گنہ کو جستہ بود ٭ لیک آں مُو در دو دیدہ رُستہ بود

(اگرچہ وہ گناہ جو آدم علیہ السلام سے سرزد ہوا وہ بال کے برابر تھا لیکن وہ بال آنکھوں میں ظاہر ہوا) انسان کے جسم پر کم و بیش بال ہوتے ہیں مگر اُن سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن آنکھوں کے اندر اگر کوئی بال آجائے تو وہ سخت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

بود آدم دیدۂ نور قدیم ٭ موئے در دیدہ بود کوہِ عظیم

(اسی طرح سمجھو کہ آدم علیہ السلام کی ذات بابرکات نور قدیم کے آنکھ کی طرح تھی اور آنکھ جیسی نازک چیز میں ایک بال بھی بمنزلہ ایک بھاری پہاڑ کے موجب ثقل ہوتا ہے)۔

گر دراں حالت بکردے مشورت ٭ در پشیمانی نہ گفتے معذرت

(ہاں اگر اس حالت میں جبکہ شیطان انکو اپنی تقریر سراپا تزویر سے دھوکہ دے رہا تھا۔ حق جل شانہٗ سے مشورہ کر لیتے کہ اے پروردگار اس بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے تو آدم علیہ السلام کو ندامت اور پشیمانی سے معذرت یعنی توبہ اور استغفار کی نوبت ہی نہ آتی کیونکہ حضرت آدمؑ رسول مکلّم تھے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ انکو وحی ہوتی تھی وہ اس بارہ میں بھی بلا واسطہ حق تعالیٰ سے دریافت کر سکتے تھے لہذا انکی شایان شان یہ تھا کہ جس طرح انکو بلا واسطہ یہ نہی پہنچی تھی کہ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ (اس درخت کے قریب نہ جانا) تو اسی طرح ان کے لیے یہ مناسب تھا کہ جب شیطان نے انکو یہ مشورہ دیا تھا تو وہ خود خداوند تعالیٰ سے بلا واسطہ دریافت کرتے کہ یہ ابلیس مجھے یہ مشورہ دیتا ہے۔ اس بارہ میں کیا حکم ہے اور کیا وہ سابق نہی مرتفع ہو گئی۔ پس حضرت آدمؑ نے وہ چیز ترک کی جو انکی شان کے لیے اولیٰ اور

انسب تھی کہ خدا تعالےٰ سے دریافت کرتے لیکن بھول گئے اور خدا تعالےٰ سے دریافت نہ کیا پس اس ترک اولےٰ کی وجہ سے عتاب آیا اور یہ ترک اولےٰ بھی انکی شان کے لحاظ سے ہے ورنہ ہمارے لحاظ سے ترک اولیٰ بھی نہیں کیونکہ اللہ کے نام کی قسم سے حجت پوری ہو جاتی ہے۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا اگرچہ میں نے تمہاری تقصیر کو معاف کیا اور تمہاری توبہ اور معذرت قبول ہوئی اور آئندہ کے لیے تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم پر میری رحمتیں اور برکتیں مبذول ہونگی لیکن فی الحال یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم جنت سے زمین پر اترو تاکہ تمہاری پیدائش کا مقصد جو خلافت فی الارض ہے اور جس پر تم نامزد ہو چکے ہو۔ وہ زمین پر اترنے ہی سے پورا ہو گا اور باہمی عدل وانصاف جو خلافت کے لوازم میں سے ہے وہ جنت میں رہ کر پورا نہیں ہو سکتا۔ خلافت کے لیے باہمی دشمنی اور عداوت چاہیئے اور یہ امر جنت میں ممکن نہیں باہمی عداوت کا محل زمین ہے لہٰذا تم زمین کی طرف اترو وہاں ایک دوسرے کا دشمن ہو گا۔ اور اللہ کا خلیفہ تمہارے درمیان عدل وانصاف کریگا۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک ممتد رہیگا تمہارا یہ ہبوط اگرچہ بظاہر لغزش اور خطار کا اثر معلوم ہوتا ہے لیکن در پردہ مشیت الٰہیہ کی تکمیل ہے مگر چونکہ اس منصب جلیل یعنی منصب خلافت کی سپردگی جنت سے نکلنے پر موقوف تھی اس لیے اس بھولے سے کھانے کو اسکا ایک ظاہری سبب اور بہانہ بنا دیا گیا صورۃً اور ظاہراً اگرچہ وہ کھانا نزولِ عتاب کا باعث بنا لیکن درحقیقت وہ ازدیاد مراتب اور عروج مدارج کا سبب بنا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حکم یہ ہوا کہ جنت سے زمین کی طرف اترو اور تمہاری اولاد ایک دوسرے کی دشمن ہوگی اور تمہارے لیے ایک وقتِ معین تک یعنی مرنے تک زمین میں ٹھہرنا ہے اور سامان دنیوی سے نفع اٹھانا ہے اور وہاں رہ کر جنت کی واپسی کی تیاری کرنا ہے اور یہ شیطان بھی زمین پر جا رہا ہے وہاں جاکر اس سے ہوشیار رہنا اور اسکے دھوکہ میں نہ آنا اور پھر چند روز کے بعد تمکو ہماری طرف آنا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ تم اسی زمین میں زندگی بسر کرو گے اور اسی میں مرو گے۔ اور پھر قیامت کے قریب اسی میں سے زندہ کرکے نکالے جاؤ گے۔ اور حساب کتاب کے بعد تم میں سے جو شخص اپنے باپ آدمؑ کے طریقہ پر چلا ہو گا وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔ ورنہ سجین اور اسفل السافلین میں اسکا ہبوط ہو جائے گا۔

لطائف ومعارف

(۱) حضرت آدمؑ اللہ سبحانہٗ کے من کل الوجوہ مقبول اور برگزیدہ بندے تھے کما قال تعالےٰ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ الآیۃ۔ ہر اعتبار سے ظاہراً و باطناً خدا کے پسندیدہ اور چیدہ و برگزیدہ تھے حق تعالےٰ شانہٗ نے خود اپنے دستِ خاص سے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور اپنے صفات و کمالات کا انکو آئینہ اور مظہر بنایا جیسا کہ حدیث میں ہے خلق اللہ

آدم علی صورته۔

پس خلیفہ ساخت صاحب سینۂ تا بود شاہیش را آئینۂ

اور بلا واسطہ اپنے کلام اور خطاب کے شرف سے انکو شرف بخشا اور خلعت خلافت اور خلعت نبوت و رسالت سے انکو سرفراز کیا اور مسجود ملائک بنایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ نبیؑ اور رسولؑ کا درجہ فرشتوں سے بڑھ کر ہے اور قرب خداوندی میں ان کا مقام ملائکہ کے مقام سے بلند اور برتر ہے جیسا اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام ملائکہ سے افضل ہیں اور جب فرشتوں پر حضرت آدمؑ کا فضل و کمال ظاہر ہو گیا تو خداوند ذوالجلال نے انکو جنت میں رہنے کا حکم دیا یٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ حضرت آدمؑ جنت کے قیام کو از بس مغتنم سمجھتے تھے کہ وہاں کا قیام قرب خداوندی کا ذریعہ تھا۔ مگر قرائن سے یہ محسوس کرتے تھے کہ مجھے ایک نہ ایک دن یہ مقام چھوڑنا پڑے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مٹی سے پیدا کیا ہے میری اصل فطرت زمینی ہے مبادا بتقاضائے فطرت کسی وقت مجھ کو زمین کی طرف کھنچنا پڑے کیونکہ فرع کا اصل کی طرف انجذاب ایک فطری امر ہے۔ نیز میری پیدائش کا اصل مقصد خلافت فی الارض ہے نہ معلوم کس وقت اس منصب کی انجام دہی کے لیے زمین پر اترنا پڑے۔ نیز فی الحال جو مجھ کو قیام جنت کا حکم دیا گیا ہے وہ یٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ کے عنوان سے آیا ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہاں کا قیام دائمی نہیں بلکہ چند روزہ سکونت ہے اس لیے انکو اپنے خلود فی الجنۃ کی طرف کھٹکا رہتا تھا۔ اور باوجود اس علم کے کہ میں مسجود ملائکہ ہوں اور خداوند ذوالجلال نے جو علم اور شرف اور منصب خلافت مجھ کو عطا کیا ہے وہ ملائکہ کی تسبیح و تقدیس سے افضل ہے۔ خدا تعالیٰ کے عاشق صادق تھے۔ حق تعالیٰ کی محبت بے غایت کی وجہ سے قیام جنت کو قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر اس کی طرف مائل تھے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی افضل اور جلیل المرتبہ اپنے سے کمتر اور فروتر کی کسی نعمت اور فضیلت کی طرف کسی عارض کی بنا پر مائل ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ انکی سہولت اور خفت کو دیکھ کر انبیاء کرام بھی ان پر غبطہ کریں گے سو یہ غبطہ اس بنا پر نہ ہو گا کہ وہ لوگ انبیاء سے افضل ہونگے بلکہ کسی سہولت اور راحت کی بنا پر ہو گا اسی طرح حضرت آدمؑ کو باوجود افضلیت اور باوجود فضل کلی کے اگر ملائکہ کے بعض جزئی فضائل کی طرف میلان ہو جائے تو یہ میلان انکی افضلیت کے منافی نہیں۔

شیطان نے حضرت آدمؑ کی اسی تڑپتی ہوئی رگ کو تاک لیا اور سمجھ گیا کہ اسی راہ سے انکو دھوکہ اور فریب دیا جا سکتا ہے چنانچہ انکے پاس آیا اور خدا کی قسم کھا کر یہ کہا کہ اگر تم جنت کا خلود اور دوام چاہتے ہو تو اس درخت سے کچھ کھا لو تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ یعنی تم ہمیشہ جنت ہی میں رہو گے اور زمین پر اترنا نہیں پڑے گا۔ حضرت آدمؑ اسکے فریب میں آ گئے اور اکل حنطہ کا ارتکاب کر بیٹھے ارتکاب کے بعد اپنی خطا اور لغزش کا احساس ہوا اور بصد ندامت و شرمساری اور بصد گریہ و زاری ان کلمات سے توبہ

اور معذرت کی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔

(۲) ہبوط کا حکم

بعدازاں حضرت آدمؑ اور حواؑ کو حکم ہوا کہ بہشت سے زمین پر اتریں اور حضرت آدمؑ کو بہشت سے نکلنے کا حکم ازروئے عتاب وعقاب نہ تھا۔ بلکہ اس درخت کے کھانے کا اثر تھا جس طرح انکشاف ستر اسکا ایک اثر تھا خصوصاً جبکہ بعض آیات اس پر دال ہیں کہ ہبوط کا حکم قبول توبہ کے بعد ہوا ہے کما قال تعالےٰ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قبول توبہ کے بعد زمین پر اتارے گئے اور ظاہر ہے کہ قبولِ توبہ کے بعد عتاب اور عقاب کے کوئی معنی نہیں۔

حضرت آدمؑ کا بہشت میں رہنا اس شرط کے ساتھ مشروط تھا کہ وہ اس درخت سے نہ کھائیں اور اب مصلحت ان کے بہشت میں رہنے کی نہ تھی اور وقت آگیا کہ نوشتۂ قضا وقدر ظہور میں آئے اور وہ اپنے مقامِ خلافت پر جائیں جیسا کہ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً صاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت آدمؑ کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ زمین پر خلیفہ ہوں اور زمین انہی کے لیے پیدا کی گئی تھی کما قال تعالیٰ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ پس یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت آدمؑ کا زمین پر اتارنا سزایا بطورِ اہانت تھا۔ وہ تو پہلے ہی خلافت الٰہیہ فی الارض کے لیے مامور اور نامزد ہو چکے ہیں۔ یہ عجیب اہانت ہے کہ انکو خلافت فی الارض عطاء کی جارہی ہے اور وہ منصب جلیل ان کو عطاء کیا جارہا ہے جسکی فرشتوں نے وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ کہہ کر خواہش ظاہر کی تھی اور حق جل شانہ کے اس ارشاد وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ سے صاف ظاہر ہے کہ اس لغزش کے بعد خدا تعالےٰ نے مزید برگزیدہ بنایا۔ پس حضرت آدمؑ کو بہشت سے زمین پر اترنے کا حکم اہانت کی بنا پر تھا بلکہ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ کی تکمیل کے لیے تھا کہ جنکو پیدا ہی خلافت ارضی کے لیے کیا گیا ہے۔ انکو مقامِ خلافت میں پہنچا دیا جائے بظاہر اگرچہ بعد ہوگا مگر معنیً اور رتبۃً قرب پہلے سے زیادہ ہوگا۔ خدا تعالےٰ کے اعتبار سے زمین اور آسمان سب برابر ہیں۔ اور مقامِ خلافت قیامِ جنت سے کہیں اعلیٰ اور ارفع ہے اور یہ مقامِ خلافت اس درجہ بلند ہے کہ ملائکۂ سمٰوات وارضین کو اسی وجہ سے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ خلیفۂ الٰہی کی فضیلت اور برتری ملائکہ پر ثابت ہوجائے۔

(۳) حضرت آدمؑ کے اس قول رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا میں۔ ظلم سے گناہ اور جرم کے معنی مراد نہیں ظلم کے اصل معنی نقصان اور کمی اور کوتاہی کے ہیں حق تعالےٰ کے اس قول وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـــًٔا میں ظلم سے کمی کے معنی مراد ہیں اور عقلاً اور شرعاً ظلم کے درجات ہیں۔ حق تعالےٰ نے شرک

کو ظلم عظیم فرمایا ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ اور دوسری جگہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ۔ فرمایا ہے معلوم ہوا کہ کوئی ظلم یعنی کوئی نقصان اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ذرہ کے برابر ہوتا ہے تو حضرت آدمؑ کے ظلم کے معنی یہ ہیں کہ اے پروردگار ہم نے شیطان کے دھوکہ میں آکر اپنا نقصان کیا کہ آپکے حکم کی متابعت سے اور شیطان کی مخالفت سے ہمکو جو درجات اور مراتب حاصل ہوئے ان میں کمی آگئی اور سر دست جنت کا لباس ہمارے بدن سے اتر گیا اور تیسرے مقامِ قرب اور مقام اختصاص سے ہم کو دور جانا پڑ رہا ہے اور نعمائے جنت سے محروم ہو رہے ہیں۔ ہم پر رحم فرما۔

۳۔ قصۂ آدم علیہ السلام و بستن قضا نظر او را از مراعاتِ صریح نہی و ترکِ تاویل

عارف رومی قدس سرہ السامی نے اپنی مثنوی میں بزبانِ ہُدہُد ایک قصہ بیان کیا جس میں بتلایا۔

چوں قضا آید شود دانش بخواب ❊ مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب

یعنی جب قضا آتی ہے تو عقل سو جاتی ہے اور اسکا ادراک بھی سو جاتا ہے اور قضاءِ الٰہی سے چاند سیاہ پڑ جاتا ہے اور سورج کو گرہن لگ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ عقل جو آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہے قضاءِ الٰہی سے وہ بے نور اور تاریک ہو جاتی ہے اب آگے اسی مضمون کی تائید کے لیے حضرت آدمؑ کا قصہ بیان کرتے ہیں بظاہر یہ قصہ بھی بزبان ہُدہُد ہے اور ممکن ہے کہ یہ قصہ عارف رومی کی طرف سے ہو اور مقصود یہ ہے کہ غلبۂ قضاء وہ چیز ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے باوجود اتنے بڑے علم و معرفت کے لغزش ہوگئی کہ قضا و قدر نے انکی نظر کو صریح نہی کی رعایت سے باز رکھا اور ترکِ تاویل اور عدمِ تاویل کی بجائے تاویل کی طرف انکو مائل کر دیا اور تاویل کی راہ اختیار کر گئے یہ سب قضاء و قدر کا کرشمہ تھا۔

بو البشر کو عَلَّمَ الْاَسْمَا بگ است ❊ صد ہزاراں علمش اندر ہر رگ است

یعنی حضرت آدم علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام جو ابو البشر ہیں اور مرتبۂ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کے تاجدار ہیں اور لاکھوں علم انکی رگ میں بھرے ہوئے ہیں۔ آگے عَلَّمَ الاسماء کی تفسیر فرماتے ہیں۔

اسم ہر چیزے چناں کاں چیز ہست ❊ تا بپایاں جان او را داد دست

تمام چیزوں کے نام اور جس حالت پر وہ واقع ہیں سب کا نام و نشان انکی آخری حالت تک انکی روح کو عطا کر دیا گیا۔ خلاصہ تفسیر کا یہ ہوا کہ علم آدم الاسماء سے صرف اشیاء کے نام بتا دینا مراد نہیں بلکہ اسماء عام ہے جو حقائق اور اوصاف اور خواص اور آثار سب کو شامل ہے پس تعلیم اسماء کا مطلب یہ ہوا کہ تمام اشیاء کے نام اور انکی ماہیتیں اور صفتیں اور خاصیتیں سب آدمؑ کو بتلا دیں کیونکہ خلیفۃ اللہ فی الارض کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دنیا میں پیش آنے والے امور مثلاً کھانا اور پینا اور بھوک اور پیاس اور سرد اور

حزن اور شہوت اور غضب وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام امور کے ماہیتوں اور خاصیتوں سے واقف ہو اس لیے یہ تمام امور حضرت آدمؑ کو بتلا دیئے گئے تاکہ زمین میں منصب خلافت کو انجام دے سکیں اور فرشتوں میں اللہ نے کسی حکمت سے یہ استعداد نہیں رکھی کہ وہ ان امور حسیہ اور جسمانیہ کا کما حقہٗ ادراک کر سکیں ملائکہ اس قسم کے امور سے منزہ ہیں اس لیے منصبِ خلافت بجائے ملائکہ کے حضرت آدمؑ کو ملا۔

چشم آدم چوں بنور پاک دید ٭ جان و سرّ نامہا گشتش پدید

حضرت آدمؑ کی آنکھ نے جو نور خداوندی سے منور تھی نظر اٹھائی اور خدا داد نور سے اشیار کا مشاہدہ کیا تو ان پر تمام اسمار کے حقائق اور اسرار منکشف ہو گئے پس اصل فضیلت حضرت آدمؑ کی یہ تھی کہ وہ نور الٰہی اور علم خداوندی کے مظہر اور آئینہ تھے۔

چوں ملک انوارِ حق بروے بتافت ٭ در سجود اُفتاد و در خدمت شتافت

جب فرشتوں نے ان میں انوار حق اور تجلیاتِ ربّانی کو درخشاں دیکھا تو سب سجدہ میں گر گئے اور خدمت کے لیے دوڑے۔

چوں ملائک نور حق دیدند ازو ٭ جملہ افتادند در سجدہ برو

جب ملائکہ نے حضرت آدمؑ میں نور حق کا جلوہ گر دیکھا تو سب سجدہ میں گر گئے بخلاف ابلیس کے کہ اسکی نظر صرف مادہ طین تک محدود رہی اور نور حق سے نابینا بن گیا اس لیے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور خداوند ذوالجلال سے بحث شروع کی۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ۔

ایں چنیں آدم کہ نامش می برم ٭ گر ستایم تاقیامت قاصرم

"مُحرّر"، جس کی زبان پر یہ قصہ بیان کیا جا رہا ہے وہ مُحرّر یہ کہتا ہے کہ ایسے آدمؑ جنکا نام میں لے رہا ہوں اگر قیامت تک بھی انکی تعریف و توصیف کروں تو تب بھی قاصر رہوں۔

ایں ہمہ دانست و چوں آمد قضا ٭ دانش یک نہی شد بروے غطا

باوجودیکہ حضرت آدمؑ کو یہ سارا علم حاصل تھا اور تمام چیزوں کے خواص آثار سے واقف تھے لیکن جب قضا نمودار ہوئی تو ایک نہی (لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ) کا علم ان پر پوشیدہ ہو گیا اور غیبی طور پر اس پر ایک پردہ پڑ گیا جس سے وہ دشمن کے وسوسہ سے تردد میں پڑ گئے جس کا اگلے شعر میں بیان ہے

کاے عجب نہی از پئے تحریم بود ٭ یا بتاویلے بدو توہیم بود

حضرت آدمؑ حیران تھے اور تعجب اور تردد میں تھے کہ خدا جانے یہ نہی تحریم مطلق کے لیے ہے کہ ذاتی طور پر اس درخت کے قریب جانا مطلقاً حرام ہے یا یہ نہی متلبس بتاویل ہے اور اس نہی سے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ تاویلی اور مجازی معنی مراد ہیں جس سے مجھ کو وہم میں ڈال دیا گیا ہے تاویل کے معنی ہیں کلام کو ظاہر سے پھیر کر ایسے معنی کی طرف لے جانا جو قواعد شریعت اور قواعد عربیت کے مطابق ہوں اور توہیم اور ابہام کے معنی۔ قریبی اور متبادر مفہوم کو چھوڑ کر معنی بعید مراد لینا۔ اس لیے حضرت آدمؑ کو خیال ہوا کہ عجب نہیں کہ یہ

نہی تادیبی ہو اور اس سے اس درخت کی ممانعت مراد نہ ہو بلکہ کوئی اور معنی مراد ہوں یعنی اس درخت سے کھانا فی حد ذاتہ حرام نہ ہو۔ محض کسی حکمت اور مصلحت سے اس درخت سے کھانے کی ممانعت کر دی گئی ہو۔ غرض یہ کہ حضرت آدمؑ دشمن کے وسوسہ سے تردد میں پڑ گئے کہ یہ نہی اور ممانعت ذاتی حرمت کی وجہ سے ہے یا یہ نہی تنزیہی ہے یا محض شفقت کی بنار پر ہے کہ اس وقت میری استعداد کمزور ہے۔ شاید اس حالت میں اسکا تحمل نہ کر سکوں اور ممکن ہے کہ یہ نہی تابیدی نہ ہو بلکہ وقتی ہو اور کسی عارض اور مصلحت کی بنار پر ہو اور یہ خیال کیا کہ جو نہی اور ممانعت محض شفقت کی بنار پر ہو یا کسی وقتی اور عارضی مصلحت کی وجہ سے ہو تو ایسی نہی کی خلاف ورزی کوئی گناہ نہیں اس لیے وہ درخت سے کھانے پر آمادہ ہو گئے۔

در دلش تاویل چوں ترجیح یافت ✤ طبع در حیرت سوئے گندم شتافت

حضرت آدمؑ اسی حیرت اور تردد میں تھے کہ دل نے تاویل کو ترجیح دی اور طبیعت حیرت میں آکر گندم کی طرف مائل ہو گئی تو بارگاہ خداوندی سے عتاب ہوا اور ہبوط کا حکم آیا اس لیے کہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اسکو کھائے گا وہ دنیا کی طرف ضرور اترے گا۔ کھانے کے بعد حضرت آدمؑ کو اپنی خطار کا احساس ہوا تو توبہ اور استغفار شروع کی اب آگے اسکی مثال بیان فرماتے ہیں۔

باغباں را خار چوں در پائے رفت ✤ دزد فرصت یافت کالا بُرد تفت

اس قصہ کی ایسی مثال ہو گئی جیسے کوئی باغبان ہو اور اس کے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو وہ بیچارہ تو کانٹا نکالنے میں لگا اور چور کو فرصت میں مال چرانے کا موقع مل گیا کہ جلدی سے سارا مال لے کر چلتا بنا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام باغبانِ علم و معرفت تھے انکے پائے قلب میں وسوسہ کا ایک کانٹا چبھا اور اس کے نکالنے میں مشغول ہوئے دُزدِ لعین (ابلیس) موقع پاکر انکی متاعِ راحت و سکینت کو چرا کر لے بھاگا۔

چوں ز حیرت رست باز آمد براہ ✤ دید بردہ دُزد رخت از کارگاہ

جب حضرت آدمؑ اس حیرت سے نکلے اور راہِ حقیقت ان پر منکشف ہوئی تو دیکھا کہ چور کارخانہ سے مال و متاع چرا کر لے گیا۔ حضرت آدمؑ سمجھ گئے کہ یہ سب شیطان کا فریب تھا تاکہ مجھ کو جنت سے محروم کرا دے

رَبَّنَا اَنَا ظَلَمْنَا گفت و آہ ✤ یعنی آمد ظلمت و گم گشت راہ

اس وقت حضرت آدم علیہ السلام بصد آہ و درد رَبَّنَا ظَلَمْنَا کہہ کر بارگاہ خداوندی میں معذرت کرنے لگے روتے جاتے تھے اور آہیں بھرتے جاتے تھے یعنی اے خدا ہماری عقل پر ظلمت اور تاریکی چھاگئی اور ہم سے راستہ گم ہو گیا اس دوسرے مصرعہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت آدمؑ کی اس دعا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا میں ظلمنا۔ ظلم سے مشتق نہیں بلکہ ظلمت سے مشتق ہے پس ظلمنا انفسنا کے معنی یہ ہوں گے کہ اے پروردگار ہم نے قلتِ عمل اور قلتِ احتیاط کی بنار پر اپنے آپکو ظلمت اور تاریکی میں ڈال دیا اور اپنے مرتبے اور منزلت کو ملحوظ رکھ کر عمل نہ کیا اور ان مشقتوں میں پڑ گئے جو اس درخت کے خواص میں سے ہیں۔ پس حضرت آدمؑ

کا درخت سے کھانا اور پھر اس کے بعد زمین پر اترنا سب قضاء و قدر سے تھا۔ ابتداء میں حضرت آدمؑ کی افضلیت اور سیادت ظاہر ہوئی۔ اب وقت آیا کہ حسب قضا و قدر انکی خلافت ظہور میں آئے اس لیے یہ اکل شجر اس کے لیے ایک بہانہ بنا دیا گیا۔

این قضا ابرے بود خورشید پوش ❊ شیر و اژدہا بود زو ہمچو موش

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے بطور نتیجہ فرماتے ہیں کہ اس قضا کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک بادل ہو وہ آفتاب کو چھپا لے۔ قضا ایسی سخت چیز ہے کہ اسکے سامنے شیر اور اژدہا چوہے کے مانند عاجز اور لاچار ہیں۔

(دیکھو مثنوی مولانا روم صـ۱۰۳ دفتر اول وصـ۱۰۴ دفتر اول)

اضافت کردن آدم علیہ السلام آن زلت را بخویشتن۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا الخ

واضافت کردن ابلیس گناہِ خود را بحق۔ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ الخ

حضرت آدم علیہ السلام کا اپنی لغزش کو اپنی طرف منسوب کرنا اور رَبَّنَا ظَلَمْنَا کہنا (کہ اے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا) اور ابلیس کا اپنے جرم کو خدا کی طرف منسوب کرنا کہ اسطرح کہا کہ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ (اے پروردگار تو نے مجھے گمراہ کیا) اپنے گمراہی کو خدا کی طرف منسوب کیا۔

اس مضمون کا تعلق مسئلہ جبر و اختیار سے ہے معتزلہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں اور جبریہ بندہ کو مجبور محض سمجھتے ہیں اور تمام افعال کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اہلسنت والجماعت کا مسلک نہایت معتدل اور متوسط ہے جبر اور قدر کے درمیان ہے کہ افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر بندہ خداداد قدرت اور اختیار سے ان افعال کا کاسب اور مرتکب ہے پس ابلیس تو جرم کر کے جبری محض بن گیا کہ اغواء کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف کر دی اور خود بری الذمہ اور بے تعلق بن گیا۔

گفت شیطان کہ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ ❊ کرد فعل خود نہان دیو دنی

شیطان نے بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ کہا اور اس کمینہ نے اپنے کسب اور ارتکاب غوایت کو چھپا کر اغواء کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تاکہ خود بری الذمہ بن جائے۔

گفت آدم کہ ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ❊ او ز فعل حق نہ بُد غافل چو ما

اور حضرت آدمؑ نے ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا کہہ کر ظلم کو اپنی نفس کی طرف منسوب کیا اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ ہماری طرح فعل حق یعنی خلق سے غافل ہوں جیسے ہم اکثر امور میں خدا کی خالقیت سے غافل ہو کر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ

چیز میری پیدا کردہ ہے گویا کہ ہم بندہ کو اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں حضرت آدمؑ کو خوب معلوم تھا کہ ہر چیز کا خالق خدا تعالےٰ ہے اور بندہ کاسب اور مرتکب ہے مگر حضرت آدمؑ نے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا میں اپنی تقصیر کو اپنی طرف منسوب کیا اور ادب کی وجہ سے خالق کی طرف منسوب نہیں کیا ۔

درگنہ او از ادب بپنہانش کرد ❊ زاں گنہ برخود زدن او برخورد

گناہ کے بارے میں ادب کی وجہ سے اللہ کے فعل خلق کو پوشیدہ رکھا اور اس کے خلق کا ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کیا اور گناہ کو اپنی طرف منسوب کرنے سے انکو اس ادب کا بہت ہی اچھا پھل ملا ۔ کہ عفوِ تقصیر اور رفع درجات اور خلافتِ الٰہی سے مشرف اور سرفراز ہوئے ۔

بعد توبہ گفتش اے آدم نہ من ❊ آفریدم در تو ایں جرم و محن

توبہ قبول کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے حضرت آدمؑ سے کہا اے آدم کیا یہ تقصیر (اکل شجرہ) خود میں نے تیرے اندر پیدا نہیں کی یعنی میں ہی تو اس تقصیر کا خالق ہوں اور یہ سب کچھ میری ہی قضا و قدر سے واقع ہوا ہے پھر تم نے معذرت کے وقت اس فعل کو میری طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کیا

نہ کہ تقدیر و قضاء من بُد آں ❊ چوں بوقت عذر کردی آں نہاں

کیا یہ سب کچھ میری ہی قضا و قدر سے نہ تھا جو تو نے عذر کے وقت اسکو پوشیدہ رکھا اور یہ نہیں کہا کہ میری تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا لہٰذا میں بے قصور ہوں ۔

گفت ترسیدم ادب نگذاشتم ❊ گفت من ہم پاس آنت داشتم

حضرت آدمؑ نے عرض کیا کہ میں سوءِ ادب سے ڈر گیا اور دامنِ ادب ہاتھ سے نہ چھوڑا تو فرمایا کہ پھر میں نے بھی تیرے ادب کا لحاظ کیا اور تجھے اپنے عفو و کرم سے نوازا ۔

گناہ گرچہ اختیار ماحافظ ❊ تو در طریقِ ادب کوش گو گناہ من است

ہر کہ آرد حرمت او حرمت برد ❊ ہر کہ آرد قند لوزینہ خورد

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص ہماری بارگاہ میں ادب اور احترام کو ملحوظ رکھتا ہے وہ اس کے صلہ میں حرمت اور کرامت لے جاتا ہے یعنی ہمارا مقبول اور مقرب بن جاتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ قند لاؤ اور لوزینہ (یعنی حلوا بادام) کھاؤ ۔

(مثنوی مولانا روم ۔ دفتر اوّل صـ۱۲۴ و کلید مثنوی دفتر اوّل حصّہ اول صـ۳۶۵)

خاصان حق کی لغزش عوام کی طاعت سے افضل ہے

زلّتِ او بہ ز طاعت نزدِ حق[1] ❊ پیش کفرش جملہ ایمانہا خلق

(اے کہنہ و بوسیدہ و بے اعتبار)

[1] مثنوی دفتر اوّل صـ۱۳۵ و مفتاح العلوم صـ۳۴۲/۲۸ و کلید مثنوی صـ۲۸۱ ج ۱۲ ۔

مرد کامل کی لغزش خدا کے نزدیک اور لوگوں کی صدہا طاعت سے بہتر ہے اور اس کے کفر کے سامنے جس کو لوگ بظاہر کفر سمجھتے ہیں۔ تمام لوگوں کے ایمان کہنہ اور بوسیدہ ہیں خاصانِ حق سے قصداً تو کوئی معصیت ظہور میں نہیں آسکتی البتہ سہو و نسیان کی بنا پر کسی وقت اُن سے لغزش ہو جاتی ہے مگر ان کی لغزش اوروں کے ہزار ہا حسنات اور طاعت سے بہتر ہوتی ہے کیونکہ انبیاء کرام سے جو بھول چوک ہو جاتی ہے وہ سراسر اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی ہوتی ہے جسکو خطاء اجتہادی کہنا چاہیئے مگر لغزش کے بعد جب انکو تنبہ ہوتا ہے تو ندامت و خجالت میں غرق ہو جاتے ہیں اور بصد ہزار گریہ وزاری توبہ و استغفار اور معذرت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جن کی ندامت اور شرمساری اور گریہ وزاری کو دیکھ کر فرشتے بھی عشعش کرنے لگتے ہیں اور اس گریہ زاری کی وجہ سے ایسے مرتبۂ عظمیٰ پر پہنچتے ہیں کہ دوسرے لوگ طاعت اور عبادت کر کے بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے ان حضرات کی لغزشیں۔ سیئات المقربین کے قبیل سے ہیں اور سیئات المقربین باجماع اولیاء و عارفین حسنات ابرار سے کہیں بہتر ہے۔ مرد کامل سے زلّت (لغزش) کے بعد جو ذلت و خواری اور حیاء اور انکساری اور گریہ وزاری ظہور میں آتی ہے وہ درپردہ اسکی ترقی اور معراج معنوی ہے کہ پہلے سے زیادہ اسکا مقام بلند ہو گیا (زلّت) کے معنی لغزش کے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ اپنے مقام بلند سے پھسل گیا اور جو فعل اسکے مقام رفیع کے مناسب نہ تھا وہ اس سے سرزد ہو گیا اس لغزش کے بعد جو ہوش آیا تو ندامت و خجالت اور گریہ وزاری کے پروں سے پرواز کی اور مقام قرب کی اتنی بلندی پر پہنچ گیا کہ جہاں اس لغزش سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور پہلے سے زیادہ اسکے درجے بلند ہو گئے اور اہل بدر کے متعلق جو ارشاد آیا ہے۔ اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم اسکا مطلب یہ ہے کہ اہل بدر سے دیدہ دانستہ اللہ کی معصیت ظہور میں نہیں آئے گی البتہ بمقتضائے بشریت بطریق سہو و نسیان ان سے لغزشیں ہونگی یعنی اُن سے کبھی ایسے افعال سرزد ہونگے جو انکی شان اور مرتبہ کے مناسب نہ ہونگے اس قسم کے جو امور ان سے صدور اور ظہور میں آئیں گے۔ وہ اللہ کے یہاں سب معاف ہیں۔ اور دوسرے مصرعہ میں جو فرمایا کہ انسان کامل کا کفر اور لوگوں کے ایمان سے بہتر ہوگا سو اس مصرعہ میں کفر سے اصطلاحی اور شرعی کفر مراد نہیں بلکہ مقام فناء کی طرف اشارہ ہے کہ اس حالت میں پہنچ کر انسان کی زبان سے بے اختیار "انا الحق" اور "سبحانی ما اعظم شانی" اس قسم کے الفاظ سرزد ہو جاتے ہیں جو بظاہر اور قضاء رقاضی میں کفر شمار کیے جاتے ہیں لیکن بردر حقیقت کمال ایمان کی دلیل ہوتے ہیں جیسا کہ حدیثِ قدسی میں آیا ہے۔ لا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی اذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بھا و رجلہ التی یمشی بھا۔ (رواہ البخاری)

پس مقام فناء میں اس قسم کے جو کلمات سرزد ہوتے ہیں وہ بظاہر کفر معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ کمال قرب کی دلیل ہوتے ہیں اس قسم کے الفاظ حضرات اولیاء سے بیخودی کی حالت میں نکلے ہیں اس لیے شرعاً معذور ہیں۔ یہ تمام تفصیل بحر العلوم شرح مثنوی سے ماخوذ ہے۔ حضرات اہل علم اصل بحر العلوم ص۱۰۲ ج ۱ دفتر

اول اور مثنوی طبع کانپوری کے صد ۱۳۵ دفتر اول کے حواشی کی مراجعت کریں۔

چوں بنالد زار بے شکر و گلہ ❊ افتد اندر ہفت گردوں غلغلہ

اور جب وہ انسانِ کامل لغزش کے بعد زار و قطار گریہ وزاری اور شرمساری کرتا ہے جس کا سبب نہ تو شکر یہ ہوتا ہے اور نہ کوئی شکوہ ہوتا ہے تو ایسی گریہ وزاری سے ساتوں آسمانوں میں غلغلہ پڑ جاتا ہے اور سُکّانِ ملکوت حیرت میں رہ جاتے ہیں فرشتوں نے ایسی بے قراری اور ایسی گریہ وزاری کا منظر کب دیکھا تھا۔

ہر دمش صد نامہ صد پیک از خُدا ❊ یاربے زد شصت لبیک از خُدا

اور اس حالت میں اس انسان کامل کو صدہا نام و پیام خُدا کی طرف سے پہنچتے ہیں اور اس کے ایک مرتبہ یارب کہنے سے ساٹھ مرتبہ (یعنی بکثرت) خدا کی طرف سے لبیک کا جواب آتا ہے۔ جیساکہ حدیث میں ہے کہ جو بندہ ایک نیکی لیکر آتا ہے تو اسکو کم از کم دس گنا اجر ملتا ہے اور جو شخص خدا سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو خدا اس سے ایک گز قریب ہوجاتا ہے اور جو شخص خدا کی طرف چل کر آتا ہے۔ خدا اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ (رواہ مسلم)

ہر دمے او را یکے معراج خاص ❊ بر سرِ زرتش نہد صد تاج خاص

اور اس مرد کامل کو اس شرمساری اور گریہ وزاری سے ہر دم خاص معراج حاصل ہوتی رہتی ہے یعنی ہر دم اسکو عروج اور ترقی مراتب حاصل ہوتی رہتی ہے اور اُس کے سر پہ خدا تعالیٰ کے قرب خاص کا ایک خاص تاج رکھ دیا جاتا ہے معراج سے مراد مرتبۂ قرب ہے چونکہ مراتب قرب کی کوئی انتہا نہیں اس لیے خاصانِ خدا کو یہ ترقی لحظہ بلحظہ علی الدوام ہوتی رہتی ہے (دیکھو مثنوی مولانا روم صد ۱۳۵ دفتر اول)

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرات انبیاء کرام سے لغزش کے بعد جو شرمساری اور گریۂ زاری ظہور میں آتی ہے اس سے ان کی اندرونی محبت اور اخلاص کا حال کھلتا ہے کہ انکا باطن حق تعالیٰ کی محبت اور عظمت سے کس درجہ لبریز ہے جس طرح ابلیس لعین کے سوال وجواب سے اسکی اندرونی نخوت وتکبر کا حال ظاہر ہوا اسی طرح حضرت آدمؑ سے لغزش کے بعد ندامت اور معذرت سے ان کا اندرونی اخلاص ظاہر ہوا جس سے ان کا فضل و کمال اور حسن و جمال اور چمک گیا اور اس لغزش سے اگرچہ ظاہر میں ہبوط اور نزول ہوا مگر درحقیقت وہ علو اور عروج تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ ہبوط اگرچہ حسًّا وظاہراً نزول تھا مگر درپردہ وہ معراج باطنی تھی اس بنا پر عارفِ رومیؒ نے انبیاء کی لغزش کو عوام کی طاعت سے بہتر قرار دیا اور یہ ارشاد فرمایا۔

ع زلّت او بہ ز طاعت پیش حق الخ

اسکی تفصیل گزر گئی اس وقت اس راقم الحروف کے خیال میں یہ آیا کہ اگر یہ مضمون ان لفظوں میں ادا کیا جائے تو امید ہے کہ کوئی حرج نہ ہوگا۔

زلّتِ خاصاں و سہو و غفلتے ❊ بہتر از صد سالہ بابا طاعتے

پ

جیساکہ صدیق اکبرؓ سے منقول ہے یا لیتنی کنت سھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم (کاش میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا سہو ونسیان بن جاتا) کہ حضور پر نور کا سہو ونسیان ہماری طاعت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

۷۔ ایک اشکال

بعض اہل ظاہر نے اس قصہ سے قیاس کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ قیاس ایک فعل شیطانی ہے اور سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس ہے اور ابلیس قیاس ہی کی وجہ سے مطرود اور مردود ہوا۔

جواب

یہ ہے کہ منکرین قیاس کا یہ استدلال سراپا اختلال، خود ایک قیاس فاسد و باطل ہے ابلیس کے مردود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے محض اپنی رائے سے حکم خداوندی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور غرور اور تکبر کی وجہ سے اسکو غیر معقول اور غیر مستحسن قرار دیا اور ایسے قیاس کا دنیا میں کوئی امام اور مجتہد قائل نہیں کہ جو صریح حکم خداوندی کے خلاف ہو قیاس اس وقت کیا جاتا ہے کہ جب کتاب وسنت اور اجماع امت سے کوئی حکم صراحۃً ثابت نہ ہو۔ امور منصوصہ میں کوئی شخص بھی قیاس کا قائل نہیں۔ نص پر تو بے چون و چرا عمل فرض ہے اس قصہ سے اس قیاس کی برائی ظاہر ہوتی ہے کہ جو نص صریح کے معارضہ اور مقابلہ میں کیا جائے مطلق قیاس کی مذمت ظاہر نہیں ہوتی اور ائمہ مجتہدین کا قیاس وحی خداوندی اور ارشاد نبوی کے تابع ہوتا ہے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ اور تابعین کا مذہب یہی ہے کہ قیاس حجت شرعیہ ہے اور عقلاً اور شرعاً اسکا اتباع ضروری ہے صرف چند اہل ظاہر قیاس کے منکر ہیں۔ مگر وہ صحیح نہیں۔ صحیح وہی ہے جو صحابہ و تابعین کا مسلک ہے اور اسی کو امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح میں اختیار فرمایا اور کتاب الاعتصام میں حجت قیاس کے لیے متعدد ابواب اور تراجم منعقد فرمائے۔ اور یہ واضح فرمایا کہ اگر مسئلہ کا حکم کتاب اور سنت اور اجماع امت سے معلوم نہ ہو سکے تو قیاس واجب ہے اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے اور خلفاء راشدین اور صحابہ و تابعین سے یہی ثابت ہے کہ جب انکو کسی امر میں اشتباہ پیش آتا اور کتاب وسنت اور اجماع امت سے اس کا حکم نہ معلوم ہوتا تو امثال اور اشباہ پر اس کو قیاس کرتے (دیکھو تفسیر قرطبی ص۱۷۱ جلد ۷)

منکرین قیاس کے شور و غوغا کے بند کرنے کے لیے ہم امام قرطبیؒ کا اصل کلام ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

وہو ہذا قال الامام القرطبیؒ اختلف الناس فی القیاس الی قائل بہ وراد لہ فاما القائلون بہ فھم الصحابۃ والتابعون وجمھور من بعدھم و ان التعبد بہ جائز عقلاً واقع شرعًا و ھو الصحیح و ردہ بعض اھل الظاھر والاول ھو الصحیح قال البخاری فی کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ المعنی لا عصمۃ لاحد الا فی کتاب اللہ او سنۃ نبیہ او فی اجماع

العلماء اذا وجد فیها الحکم فان لم یوجد فالقیاس۔ وقد ترجم علی هٰذا (باب من شبه اصلا معلوما باصل مبین قد بین اللّٰه حکمها لیفهم السائل) و ترجم بعد هذا (باب الاحکام التی تعرف بالدلائل و کیف معنی الدلالة و تفسیرها) و قال الطبری الاجتهاد والاستنباط من کتاب اللّٰه و سنة نبیه صلی اللّٰه علیه وسلم و اجماع الامة هو الحق الواجب و الفرض اللازم لاهل العلم و بذالک جآءت الاخبار عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وعن جماعة الصحابة والتابعین وقال ابوتمام المالکی اجمعت الامة علی القیاس فمن ذالک انهم اجمعوا علی قیاس الذهب والورق فی الزکوٰة وقال ابوبکرؓ اقیلونی بیعتی فقال علیؓ واللّٰه لا نقیلک ولا نستقیلک رضیک رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لدیننا فلا نرضاک لدنیانا فقاس الامامة علی الصلاة وقاس الصدیق الزکوٰة علی الصلوٰة و قال واللّٰه لا افترق بین ماجمعه اللّٰه وصرح علیؓ بالقیاس فی شارب الخمر بمحضر من الصحابة و قال انه اذا سکر هذی و اذا هذی افتری فحده حد القاذف و کتب عمرؓ الی ابی موسی الاشعری کتابًا فیه اَلْفَهْمَ اَلْفَهْمَ فیما یختلج فی صدرك مما لم یبلغك فی الکتاب والسنة اعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذالک فاعمد الی احبها الی اللّٰه تعالٰی واشبهها بالحق فیما تری الحدیث بطوله ذکره الدارقطنی و اَمّا الاٰثار و آی القران فی هذا المعنی فکثیر وهو یدل علی ان القیاس اصل من اصول الدّین وعصمة من عصم المسلمین یرجع الیه المجتهدون و یفزع الیه العلماء العاملون فیستنبطون به الاحکام وهو قول الجماعة الّذین هم الحجة ولا یلتفت الی من شذّ عنها و اما الرأی المذموم والقیاس المتکلف المنهی عنه فهو مالم یکن علی هٰذه الاصول المذکورة لِانّ ذالک ظن و نزغ من الشیطان قال اللّٰه تعالٰی وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ وکل ما یورده المخالف من الاَحادیث الضّعیفة والاخبار الواهیة فی ذم القیاس فهی محمولة علی هٰذا النوع مِن القیاس المذموم والّذی لیس له فِی الشرع اصل معلوم وتتمیم هذا الباب فی کتب الاصول ۔ انتهی کلام القرطبی فی تفسیر سورة الاعراف ص۱۷۱-۱۷۳ ج ۷ ۔

اور حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں اس پر نہایت تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ رائے اور قیاس کی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور ایک مذموم۔ محمود وہ ہے جو اصول شریعت یعنی کتاب اور سنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو اور مذموم وہ ہے جو اصولِ شریعت سے ماخوذ نہ ہو محض ظن اور

تخمین پر مبنی ہو اور فرمایا کہ جن احادیث اور آثار صحابہ میں رائے کی مذمت آئی ہے اس سے اسی قسم کی رائے مراد ہے اور جن آیات اور احادیث میں رائے کی مدح آئی ہے اس سے رائے محمود مراد ہے اور اسی طرح حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ اور القیاس فی الشرع الاسلامی میں لکھا ہے اور اس مسئلہ کی تفصیل پارۂ پنجم میں زیر تفسیر آیت فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

دربیان آنکہ اول کسیکہ درمقابل نص صریح قیاس آورد ابلیس علیہ اللعنۃ بود

اس بات کے بیان میں کہ سب سے پہلے جس نے نص صریح اور حکم واضح اور وحی خداوندی کے مقابلہ میں اپنا قیاس پیش کیا وہ ابلیس ملعون تھا جیسا کہ مشہور ہے اول من قاس ابلیس۔ یعنی جس نے سب سے پہلے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔

اول آنکس کیں قیاسکہا نمود ❊ پیشِ انوارِ خدا ابلیس بود

سب سے پہلا شخص جس نے انوار الٰہیہ (یعنی احکامِ منصوصہ) کے مقابلہ میں اپنے بیہودہ قیاسات چلانے شروع کیے وہ ابلیس تھا۔

گفت نار از خاک بیشک بہتراست ❊ من زنار و اُو زِ خاک اکدرؔ است

کہنے لگا کہ اس میں کیا شک ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وہ خاک تاریک سے پیدا ہوا ہے۔

پس قیاس فرع بر اصلش کنیم ❊ او ز ظلمت ماز نورِ روشنیم

پس مناسب ہے کہ ہم فرع کو اصل پر قیاس کریں سو ان کی اصل مادۂ ظلماتی ہے اور میری اصل مادۂ نورانی اور درخشانی ہے یعنی آگ ہے ابلیس نے یہ قیاس کیا اور غلط کیا۔ اول تو اس پر کیا دلیل ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے دونوں ہی عنصر اللہ کی مخلوق ہیں عُنصُریت میں دونوں برابر ہیں اور اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو مٹی آگ سے بہتر ہے اس لیے کہ مٹی میں متانت اور وقار ہے اور حلم اور حیاء اور صبر کا مادہ ہے اسی وجہ سے حضرت آدمؑ تواضع اور تضرع کی طرف مائل ہوئے اور عفو و مغفرت اور اجتباء سے سرفراز ہوئے اور آگ کی طبیعت میں خفت اور حدت اور ارتفاع اور طیش اور اضطراب ہے اسی وجہ سے شیطان تکبر اور مقابلہ پر آیا جس کی وجہ سے وہ ابدی لعنت اور شقاوت کا مورد بنا۔

گفت حق نے بلکہ "لا انساب" شد ❊ زہد و تقوی فضل را محراب شد

حق تعالیٰ نے فرمایا ہماری بارگاہ میں۔ نسب اور مادہ اور اصل کا اعتبار نہیں کما قال تعالیٰ۔ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ۔ ہمارے یہاں فضیلت کا معیار

زہد اور تقویٰ ہے۔ کما قال تعالےٰ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ اور یہ وصف آدمؑ میں ہے تجھ میں نہیں۔

این نہ میراث جہان فانی است ❊ کہ بانسابش بیابی جانی ست

یہ فضیلت کوئی دنیوی میراث نہیں کہ جسے تم نسب کے ذریعے حاصل کرسکو بلکہ یہ روحانی میراث ہے۔

بلکہ ایں میراث ہائے انبیاراست ❊ وارث ایں جانہائے اتقیا است

بلکہ یہ فضیلت انبیاء کرام کی میراث ہے اور اس کی وارث متقی اور پرہیزگاروں کی ارواح ہیں۔

پور آں بوجہل شد مومن عیاں ❊ پور آں نوحؑ نبی از گمرہاں

ابوجہل کا بیٹا یعنی عکرمہؓ جو اپنے باپ کی طرح مشہور جنگجو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن تھا وہ تو اسلام سے بہرہ ور ہوگیا اور فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوکر مؤمنین مخلصین میں سے بن گیا۔ حالانکہ اس کی اصل کافر ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند کنعان گمراہوں میں سے ہوگیا جس کی اصل پاک اور برگزیدہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل مادہ کا اعتبار نہیں۔ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ۔

زادۂ خاکی منور شد چو ماہ ❊ زادۂ آتش توئی اے روسیاہ

اسی طرح سمجھ لو کہ ایک خاک زادہ یعنی آدم علیہ السلام چاند کی طرح انوارِ الٰہی سے منور اور روشن ہوگیا اور اے شیطان تو آتش زادہ ہے اے روسیاہ تو تاریک رہا مادۂ ناری کی ظلمت اور دُخان نے تجھ کو تاریکی میں ڈال دیا۔

ایں قیاسات و تحری روز ابر ❊ یا بشب مرد قبلہ را کردست جبر

اس قسم کے قیاسات اور اٹکل کی باتیں اس وقت چلتی ہیں کہ جب ابر چھایا ہوا ہو یا رات کا وقت ہو کہ قبلہ نظر نہ آتا ہو اس وقت اس قسم کے قیاسات اور تخمینے قبلہ کا جبر اشتباہ اور بدل بن سکتے ہیں۔

لیک با خورشید و کعبہ پیش رو ❊ ایں قیاس و ایں تحری را مجو

لیکن ایسی حالت میں کہ جب آفتاب طلوع کیے ہوئے ہو اور خانہ کعبہ سامنے ہو تو اس وقت تحری اور قیاس سے نماز ہرگز جائز نہیں۔

کعبہ نادیدہ مکن زورُ رومتاب ❊ از قیاس اللہ اعلم بالصواب

روز روشن ہو اور کعبہ سامنے ہو ایسی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھنا اور تحری اور قیاس کرنا ایسا ہے کہ تجھے کعبہ نظر نہیں آتا۔ ایسی حالت میں جبکہ کعبہ سامنے ہو اور دن کی روشنی ہو محض قیاس اور تحری کی بنا پر اس سے منہ پھیرنا کب جائز ہے اسی طرح وحی خداوندی اور ارشاد نبوی بمنزلہ طلوع آفتاب اور حضور کعبہ ہے اسکے ہوتے ہوئے قیاس کی گنجائش نہیں (مثنوی دفتر اول ص ۳۰۵) واللہ اعلم بالصواب۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ

اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک کہ ڈھانکے تمہارے عیب

وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ

اور رونق اور کپڑے پرہیزگاری کے سو بہتر ہیں یہ قدرتیں ہیں

اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ

اللہ کی شاید وہ لوگ دھیان کریں۔ اے اولاد آدم کی نہ بہکاوے

الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ

تم کو شیطان، جیسا نکالا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے اتروائے

عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ

ان کے کپڑے کہ دکھاوے ان کو عیب ان کے۔ وہ دیکھتا ہے تم کو

وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ

اور اُسکی قوم جہاں سے تم ان کو نہ دیکھو ہم نے رکھے ہیں شیطان

اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً

رفیق ان کے جو ایمان نہیں لاتے۔ اور جب کریں کچھ عیب کا

قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ

کام، کہیں ہم نے دیکھا اسی طرح کرتے اپنے باپ دادوں کو اور اللہ نے ہمکو یہ حکم کیا۔ تو کہہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا

اللہ حکم نہیں کرتا عیب کے کام کو کیوں جھوٹ بولتے ہو اللہ پر جو

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا

معلوم نہیں رکھتے تو کہہ میرے رب نے فرمائی ہے دینداری اور سیدھے کرو

وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

اپنے منہ ہر نماز کے وقت اور پکارو اس کو نرے اس کے

الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَ

حکم بردار ہوکر۔ جیسا تم کو پہلے بنایا دوسری بار بنو گے۔ ایک فرقے کو راہ دی اور

فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ

ایک فرقے پر ٹھہری گمراہی۔ انہوں نے پکڑے شیطان

اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾

رفیق اللہ چھوڑ کر اور سمجھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا

اے اولاد آدم کی لے لو اپنی رونق (آرائش) ہر نماز کے وقت اور کھاؤ

وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾

اور پیو اور مت اڑاؤ۔ اس کو خوش نہیں آتے اڑانے والے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ

تو کہہ کس نے منع کی ہے رونق اللہ کی جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے واسطے اور

الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي

ستھری چیزیں کھانے کی۔ تو کہہ وہ ہے ایمان والوں کے واسطے دنیا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ

کی زندگی میں نری ان کی ہیں قیامت کے دن یوں بتاتے

نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣٢﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ

ہیں ہم آیتیں جن لوگوں کو بوجھ ہے تو کہہ ! میرے رب نے

رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ

منع کیا ہے سو بے حیائی کے کام جو کھلے ہیں ان میں اور جو چھپے اور گناہ اور

وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ

زیادتی ناحق کی اور یہ کہ شریک کرو اللہ کا جس کی اس

يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا

نے سند نہیں اتاری اور یہ کہ جھوٹ بولو اللہ پر جو تم کو

تَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ

معلوم نہیں۔ اور ہر فرقے کا ایک وعدہ ہے پھر جب پہنچا ان کا وعدہ

لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۴﴾

نہ دیر کریں گے ایک گھڑی اور نہ جلدی۔

تحذیر از فتنۂ شیطانی در بارۂ بے حیائی و عریانی

قال تعالیٰ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا... الیٰ ... لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○

(ربط) گزشتہ قصہ میں شیطان کی عداوت کا ذکر فرمایا اور اسی سلسلہ میں یہ بیان فرمایا کہ شیطان نے حضرت آدمؑ اور حواؑ کو دھوکہ دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے بدن سے جنت کا لباس اتر پڑا جس سے گھبرا کر اور شرما کر جنت کے درختوں کے پتوں سے ستر کو ڈھانکنے لگے۔ یہ برہنگی شیطان کا پہلا فتنہ تھا اب آئندہ آیات میں اسی فتنہ کے متعلق احکام ارشاد فرماتے ہیں جس میں اہل عرب شیطان کے اغوار اور اضلال سے مبتلا تھے کہ برہنہ طواف کرتے تھے اور بعض چیزوں کے کھانے کو زمانۂ حج میں حرام جانتے تھے بعض لوگ بکری کا دودھ اور گوشت اور چکنائی چھوڑ دیتے تھے اور بعض لوگ گھی کو حرام کر لیتے تھے۔ اور حضرت آدمؑ کے قصہ میں شیطان کی عداوت کا اثر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ لباس اور طعام میں ظاہر ہوا۔ شجرۂ ممنوعہ کے کھانے کی وجہ سے جنت کے باقی اَطعِمہ سے محروم ہوئے اور جنت کا لباس بھی بدن سے اتر گیا۔ اس لیے حضرت آدمؑ کے قصہ کے بعد شیطان کے اضلال اور اغوار کا جو اثر عرب کے اَطعِمہ اور اَلبِسہ میں ظاہر ہوا اس کے متعلق

احکام نازل ہوئے کہ عریانی اور برہنگی یہ سب امور حرام ہیں اور شیطان کے اغوار اور اضلال سے ہیں اس لیے ان آیات میں اولادِ آدم کو شیطان کی عداوت سے ڈرایا کہ یہ لعین کہیں باپ کی طرح تمکو مصیبت میں مبتلا نہ کر دے اس لیے شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔ حق جل شانہٗ نے ان ہدایات اور ارشادات میں بنی آدم کو چار جگہ یا بَنِیْٓ اٰدَمَ کے خطاب سے مخاطب فرمایا اور لفظ یا کلام عرب میں ندار بعید کے لیے آتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو لوگ اس قسم کی بے حیائیوں میں مبتلا ہیں۔ وہ فطرت اور انسانیت اور آدمیت سے بہت بعید ہیں انکو فطرت اور آدمیت کے قریب کرنے کے لیے یا بَنِیْٓ اٰدَمَ کہہ کر پکارا جا رہا ہے۔ (ندار اوّل) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا۔ الخ (ندار دوم) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ۔ (ندار سوم) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ الخ (ندار چہارم) یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ۔ اور ان تمام مواضع میں حق تعالےٰ نے اپنے انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔

ندار اوّل

اے اولادِ آدم ہم نے تمکو بے ستری کی شرمندگی سے بچانے کے لیے تم پر یہ انعام کیا کہ تحقیق ہم نے تم پر ایک لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور تمہارے لیے موجب زینت بھی ہے اور اس ظاہری لباس کے علاوہ جس سے صرف بدن کا تستر اور تزین ہو جاتا ہے ایک معنوی لباس بھی ہے وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا لباس ہے اور یہ لباس سب لباسوں سے بہتر ہے۔ تقویٰ سے مراد خوف خداوندی ہے جس میں ایمان اور اعمال صالحہ سب داخل ہیں۔ اور لباسِ پرہیزگاری سب لباسوں سے بہتر ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

اِذَا اَنْتَ لَمْ تَلْبَسْ ثِیَابًا مِنَ التُّقٰی ✿ عَرِیْتَ وَاِنْ وَارَی الْقَمِیْصَ قَمِیْصٌ

(یعنی اگر تو تقویٰ کا لباس پہنے ہوئے نہیں تو درحقیقت برہنہ ہے۔ اگرچہ ظاہر میں کُرتہ پہ کرتہ ہو)

ف انزال کے معنی اوپر سے نیچے اتارنے کے ہیں چونکہ لباس کی پیدائش کا سبب بارش ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے جب تک آسمان سے بارش نہ ہو تو زمین سے روئی پیدا نہیں ہوتی جس سے لباس بنتا ہے۔ اس لیے لباس کے پیدا کرنے کو اتارنے سے تعبیر کیا گیا۔ یہ یعنی ہمارا تم پر لباس ظاہری و باطنی کو اتارنا خدا کی نشانیوں میں سے ہے جو اسکے فضل و رحمت پر دلالت کرتی ہیں تاکہ لوگ ان میں غور کریں اور نصیحت پکڑیں اور اسکی نعمتوں کا شکر بجا لائیں اور برہنگی سے اپنے آپکو محفوظ رکھیں۔

ندار دوم

اے اولادِ آدم تم اپنے باپ کا قصہ سُن چکے ہوشیار رہنا کہیں شیطان تم کو فریب نہ دے دے۔ جیسا

کہ اس نے تمہارے باپ آدم وحوا کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ یعنی یہ شیطان تمہارا جدی اور پدری دشمن ہے اس سے احتیاط رکھنا یہ ننگے طواف کرنا اور تقویٰ کے لباس سے خالی ہونا یہ شیطانی حرکت ہے اسی نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے ایسی حالت میں نکلوایا کہ ان کا لباس ان سے اس غرض سے اتارا تھا کہ انکی شرمگاہیں دکھلائے تاکہ وہ اس شرم وندامت کی حالت میں جنت سے علیحدہ ہوں تحقیق وہ اور اسکا جتھا تم کو ایسی طرح سے دیکھتا ہے کہ تم انکو نہیں دیکھتے یعنی شیاطین تو آدمیوں کو دیکھتے ہیں اور آدمی شیاطین کو نہیں دیکھتے ایسے دشمن سے بچنا بہت مشکل ہے کہ جو ہم کو تو دیکھتا ہو اور ہم اسے نہ دیکھتے ہوں ایسے دشمن سے بچاؤ ایمان اور تقویٰ ہی کے لباس سے ممکن ہے تحقیق ہم نے شیاطین کو انہی لوگوں کا رفیق اور دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے یعنی انکا تسلط اور زور بے ایمانوں ہی پر ہے جو اسکے دوست ہیں اور جو لوگ ایمان اور تقویٰ کا لباس زیب تن کیے ہوئے ہیں وہ اس کے داؤ گھات سے محفوظ رہتے ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لائے اور شیطانوں کے دوست بنے ہوئے ہیں جس وقت بے حیائی کا کام کرتے ہیں۔ جیسے خانہ کعبہ کا ننگے طواف کرنا اور کوئی انکو اس سے منع کرتا ہے تو اپنی اس بے حیائی کے عذر میں یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور اللہ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے۔ یعنی اپنے افعال قبیحہ اور اعمال شنیعہ کے جواز اور استحسان کے ثبوت میں اپنے بڑوں کو پیش کرتے ہیں اور ان افعال کو فرمودۂ خداوندی بتلاتے ہیں اے نبی آپ ان سے کہدیجئے کہ تم خدا تعالےٰ پر محض افترا کرتے ہو کہ اللہ نے ہمیں اس کام کا حکم دیا ہے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ تحقیق اللہ تعالےٰ نے بُری باتوں کے کرنے کا حکم نہیں دیتا عقلاً یہ ناممکن اور محال ہے کہ اللہ تعالےٰ بے حیائی اور بُری باتوں کا حکم دے اللہ تو انصاف کرنے کا اور نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہے کیا تم اللہ کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہو جسکا تمہیں کوئی علم نہیں یعنی تم اپنی بے علمی سے اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔ یہ نہایت سخت گستاخی اور بے باکی ہے آپ کہدیجئے کہ میرا پروردگار اس سے منزہ ہے کہ وہ کسی امر قبیح کا حکم دے میرے پروردگار نے تو انصاف کا حکم دیا ہے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے خدا کے ساتھ کسی کو شریک گرداننا سراسر ظلم اور بے انصافی ہے اور میرے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ ہر نماز کے وقت اپنے منہ سیدھے خدا کی طرف متوجہ کرو اور اللہ کو ایسے پکارو کہ خالص اسی کی اطاعت کرنے والے ہو۔ یعنی عبادت اور دعا میں بتوں کو شریک نہ کرو محض اللہ ہی کی اطاعت کرو اور یہ سمجھ لو کہ ایک دن تمکو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ جیسے خدا نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اسی طرح تم بالآخر اسکی طرف لوٹو گے یعنی ننگے پن اور ننگے بدن اور ننگے پاؤں اور غیر مختون اور خدا کے روبرو پیش ہوگے۔ اور تم سے اعمال کی بازپرس ہوگی اور اس وقت پیش آنے والے دو گروہ ہونگے ایک اہل سعادت کا اور ایک اہل شقاوت کا یعنی مؤمن اور کافر۔ ان میں سے ایک فریق کو اللہ نے ہدایت دی جو نبی آخر الزمانؐ پر ایمان لایا اور ایک فریق پر گمراہی اور بدبختی ثابت ہوئی جس نے شیاطین کو اپنا دوست بنایا اس وقت ہر ایک کی سعادت اور شقاوت ظاہر ہو جائے گی کیونکہ ان

لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا دوست بنایا اور ان کے کہنے پر چلے اور توحید کی بجائے بت پرستی اختیار کی اور بیحیائی کے کام کیے اور گمان یہ کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ حشر کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ دنیا میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر تھا یعنی ایسے اندھے ہو گئے ہیں کہ گمراہی کو ہدایت سمجھتے ہیں۔

ندا ِ سوم

اے اولادِ آدم تمام احوال میں اور خاص کر نماز کی حالت میں اپنے بدن کی زینت اور رونق کو یعنی لباس کو ضرور لے لیا کرو۔ جو تمہاری زینت اور آرائش کے لیے پیدا کیا گیا اور لذائذ اور طیبات سے کھاؤ اور پیو تاکہ عبادت اور اطاعتِ خداوندی کی قوت تم میں پیدا ہو اور کھانے اور پینے اور پہننے میں حدودِ شریعت سے باہر نہ نکلو۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ کفار برہنہ ہو کر خانۂ کعبہ کا طواف کرتے تھے مرد۔ دن میں اور عورتیں رات میں۔ نیز ایام حج میں کھانا بھی کم کھاتے اور بدمزہ کھایا کرتے تھے۔ اس میں گھی وغیرہ نہ ڈالتے تھے۔ اس آیت میں حق تعالےٰ نے ان لغویات کا رد فرمایا اور آئندہ آیات میں بھی اسی کا رد ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں آپ ان لوگوں سے جو ایام حج میں پاکیزہ غذاؤں سے اجتناب کرتے ہیں اور برہنہ طواف کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ بتلاؤ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی زینت کو یعنی لباس اور پوشاک کو جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور کس نے حرام کیا ہے کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو یعنی کسی نے بھی حرام نہیں کیا یہ تمہاری جہالت ہے کہ تم طواف میں کپڑے نہیں پہنتے جو تمہارے لیے موجب زینت ہیں اور گوشت اور چربی نہیں کھاتے جو تمہارے لیے باعثِ لذت و راحت ہیں یہ تمام لذائذ و طیبات تمہارے ہی نفع کے لیے پیدا کیے ہیں۔ آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ یہ ملبوسات اور لذائذ و طیبات کی نعمتیں دنیاوی زندگی میں دراصل ایمان والوں کے واسطے ہیں۔ یعنی کھانے پینے اور پہننے کی تمام نعمتیں دراصل مسلمانوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور وہی ان کے اصل مستحق ہیں۔ تاکہ اللہ کے رزق سے اللہ کی طاعت اور عبادت کی قوت حاصل ہو۔ لیکن دنیا میں کافر بھی ان کے شریک کر دیئے گئے ہیں بلکہ بطور استدراج و امہال انکو زیادہ دے دیا گیا ہے تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے۔ رزق کے اصل مستحق اہلِ ایمان ہیں اور کافران کے طفیلی ہیں۔ ان نعمتوں سے مقصود بالانعام اہل ایمان ہیں۔ جو اللہ کے محترم اور مکرم بندے ہیں جو اسکا رزق کھا کر اسکی اطاعت کرتے ہیں اور اسکے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور خدا کے نافرمان اور سرکش اگرچہ دنیاوی رزق میں بظاہر اہلِ ایمان کے شریک ہیں لیکن درپردہ طفیلی اور تابع ہیں کفار۔ خدائے تعالےٰ کی نظر میں بمنزلہ چوپاؤں کے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ جس طرح حیوان کو انسان کے طفیل

میں کھانے کو بہت زیادہ مل جاتا ہے اسی طرح کفار کو اہل ایمان کے طفیل اور صدقہ میں خوب مل رہا ہے اور قیامت کے دن تمام نعمتیں خالص اہل ایمان ہی کے لیے ہونگی۔ آخرت میں کفار کو بطور تطفّل اور بطور تبعیت بھی ان نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا کیونکہ جنت اور جنت کی نعمتیں کافروں پر حرام ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت سے دنیاوی زندگی میں کافروں کو نعمتوں میں شریک کردیا مگر یہ شرکت اصالۃً نہیں بلکہ تبعًا ہے بالذات نہیں بلکہ بالعرض ہے بقولہ تعالیٰ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ۔ یا یہ معنی ہیں کہ دنیا میں مؤمن اور کافر سب شریک ہیں

ع چہ دشمن بریں خوانِ یغما چہ دوست

مگر قیامت کے دن نعمتیں خاص ایمانداروں کے حصہ میں آئیں گی اور کفار ان سے محروم رہیں گے اسی طرح ہم اپنے احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے رہیں اس گروہ کے لیے جو جانتے اور بوجھتے ہیں اور جو جہالتوں اور حماقتوں میں مبتلا ہیں ان کے لیے بتلانا اور نہ بتلانا سب برابر ہے۔

تفصیل محرّمات

گزشتہ آیات میں جاہلیت کی لغویات کا رد فرمایا اب آگے محرمات کی قدرے تفصیل فرماتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ جز ایں نیست کہ اللہ نے حرام کیا ہے تمام بے حیائی کے کاموں کو جو ان میں سے ظاہر ہیں انکو بھی جیسے برہنہ طواف کرنا اور جو ان میں سے چھپے ہیں انکو بھی جیسے بدکاری مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عمدہ لباس اور عمدہ غذاؤں کو حرام نہیں کیا بلکہ بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے جنکے تم مرتکب ہو اور اللہ نے ہر قسم کے گناہ کو حرام کیا ہے۔ جس میں شراب اور جوا خاص طور پر داخل ہے كَمَا قَالَ تَعَالَىٰ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ اور کسی پر ناحق ظلم اور زیادتی کو حرام کیا ہے اور اس بات کو اللہ نے حرام کیا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو شریک گردانو جسکی اللہ نے کوئی حجت اور سند نہیں اتاری اور حرام کیا اللہ نے اس بات کو کہ تم اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرو جسکا تمکو علم نہ ہو یعنی اپنی جہالت سے اللہ پر بہتان باندھنا حرام ہے ظلم اور زیادتی اور شرک اور خدا پر جھوٹ بولنا۔ اگرچہ فواحش اور اثم (گناہ) کے تحت میں داخل تھا لیکن چونکہ یہ تین گناہ سب سے بڑھ کر ہیں اس لیے انکو علیحدہ بیان کیا تاکہ انکی برائی واضح ہوجائے مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں واقع میں حلال ہیں انکو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے اور جو چیزیں واقع میں حرام ہیں انکو حلال سمجھتے ہو عجب جہل میں گرفتار ہو۔ اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ اگر یہ چیزیں خدا نے حرام کیں ہیں تو خدا تعالیٰ انکے ارتکاب پر سزا کیوں نہیں دیتا تو جواب یہ ہے کہ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے اس وقت مقرر کے آنے تک انکو مہلت ملتی ہے پس جب وہ وقت مقرر آپہنچے تو ایک لمحہ کے لیے آگے اور پیچھے نہیں ہوسکتے وقت مقررہ آجانے کے بعد کوئی توبہ اور معذرت قبول نہیں مقصود یہ ہے کہ عذاب

الٰہی میں جلدی کرنا بیکار ہے ہر شخص کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہے جب وہ وقت آجائے گا تو پھر ایک لمحہ کی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

ف لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ کا ذکر محض تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے جیسے ایک خریدار دکاندار سے قیمت بتلانے کے وقت کہتا ہے کچھ کم و بیش، تو دکاندار کہتا ہے کم و بیش کچھ نہیں۔ دونوں جگہ کم کا ذکر مقصود ہے اور بیش کا لفظ محض تاکید اور مبالغہ کے لیے تبعًا اور استطرادًا ذکر کر دیا گیا ہے اس طرح یہاں مقصود یہ ہے کہ جب خدا کا وعدہ آپہنچے تو پھر اٹل ہے ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی مقصود تاخیر کی نفی کرنا ہے۔ تقدیم کی نفی تو پہلے ہی سے ظاہر ہے اسکی نفی کا ذکر محض تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

اے اولاد آدم کی! کبھی پہنچیں تم پاس رسول تم میں کے سنا دیں تم کو

اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

آیتیں میری، تو جس نے خطرہ (بچاؤ) کیا اور سنوار پکڑی، نہ ڈر ہے ان پر اور نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا

وہ غم کھاویں۔ اور جنہوں نے جھوٹ جانیں آیتیں ہماری اور تکبر کیا ان

عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾

کی طرف سے وہ ہیں دوزخ کے لوگ اس میں رہ پڑے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

پھر اس سے ظالم کون؟ جو جھوٹ باندھے اللہ پر، یا جھٹلاوے

بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓى

اسکے حکم کو وہ لوگ پاویں گے جو انکا حصہ لکھا کتاب میں یہاں تک

اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

کہ جب پہنچے ان پاس بھیجے ہوئے ہمارے جان لینے کو، بولے کیا ہوئے جن کو تم

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ

پکارتے تھے سوا اللہ کے؟ بولے ہم سے گم ہو گئے اور

شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ

قائل ہوئے اپنی جان پر کہ وہ تھے منکر۔ فرمایا

ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ

داخل ہو ساتھ اور اُمتوں کے جو تم سے پہلے ہو چکی ہیں جنّ اور

وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ

انسان، آگ میں جہاں داخل ہوتی ایک امت لعنت کرنے لگی دوسری

حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ

کو۔ جب تک گر چکے اس میں سارے، کہا پچھلوں نے

لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا

پہلوں کو اے رب ہمارے! ہم کو انہیں نے گمراہ کیا سو تو دے انکو دونا عذاب

مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

آگ کا۔ فرمایا کہ دونوں کو دونا ہے پر تم نہیں جانتے۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ

اور کہا پہلوں نے پچھلوں کو، سو کچھ نہ ہوئی تم کو ہم پر

فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

زیادتی اب چکھو عذاب، بدلہ اپنی کمائی کا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا

بے شک جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں اور ان کے سامنے تکبر کیا، نہ

تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

کھلیں گے انکو دروازے آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے جنت

حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

میں جب تک پیٹھے (گھس لے) اونٹ سوئی کے ناکے میں اور ہم یوں بدلہ دیتے

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ

ہیں گنہ گاروں کو۔ انکو دوزخ کے فرش ہیں اور اوپر

غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

سائبان اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں بے انصافوں کو اور جو یقین لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ

اور کیں بھلائیاں، ہم بوجھ نہیں رکھتے کسی پر مگر اسکے مقدور کا

اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ

وہ ہیں جنت کے لوگ۔ وہ اس میں رہ پڑے۔ اور

نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ

نکال لی ہم نے جو ان کے دل میں تھی خفگی۔ بہتی ہیں انکے نیچے

الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ

نہریں اور کہتے ہیں شکر اللہ کو جس نے ہمکو یہاں راہ دی۔

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ

اور ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر نہ راہ دیتا ہم کو اللہ۔ بے شک

جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ

لائے تھے رسول ہمارے رب کی تحقیق بات اور آواز آئی کہ یہ جنت ہے

أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾

وارث ہوئے تم اسکے - بدلہ اپنے کاموں کا

ندائے چہارم

تذکیر عہد قدیم باطاعت خداوند کریم وبیان نعیم وجحیم

قال تعالیٰ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ... الی... اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں۔ بنی آدم کے لیے تین نداؤں کا بیان ہوا جن میں عقائد و اعمال میں ابلیس کے اتباع اور موافقت سے اور احکام الٰہیہ کی مخالفت سے ممانعت فرمائی اب آئندہ آیات میں ندائے چہارم کا ذکر ہے جس سے بنی آدم کو اپنا عہد قدیم یاد دلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تم کو اس مضمون کا خطاب کوئی جدید امر نہیں بلکہ عالم ارواح میں تم سے یہ عہد لے لیا گیا تھا کہ دیکھو ہم دنیا میں اپنے رسول بھیجیں گے اور ان کے ذریعہ سے ہم تم کو راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم سے آگاہ کریں گے کہ اس راہ پر چل کر تم ہم تک پہنچ سکو گے اور جو ہمارے رسولوں کا اتباع کریگا۔ اسکو یہ جزاء ملے گی اور جو ان کے احکام سے انحراف کرے گا اور شیطان کی راہ پر چلے گا اسکو یہ سزا بھگتنی پڑے گی جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الآیات

غرض یہ کہ ان آیات میں اس عہد قدیم کا یاد دلانا مقصود ہے جو اولادِ آدم سے عالمِ ارواح میں لیا گیا تھا جو توحید اور رسالت اور قیامت اور مبدأ و معاد کے بیان پر اجمالاً مشتمل تھا چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے اولاد آدم ہم نے تم سے روزِ ازل میں یہ کہدیا تھا کہ اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے یعنی تمہاری جنس سے رسول آئیں جو تم پر میری آیتیں پڑھیں پس جو انکی ہدایت اور نصیحت کو سن کر اللہ سے ڈرے اور اپنی حالت کو درست کرے یعنی پوری طرح سے انکا اتباع کرے تو ایسوں پر قیامت کے دن نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ اور جنہوں نے انکے آنے کے بعد ہمارے احکام کو جھٹلایا اور انکے قبول کرنے سے تکبر کیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے کبھی بھی عذاب سے نہیں نکل سکیں گے۔

مسیلمۂ قادیان کا ایک ھذیان

واضح ہو کہ قادیانی جماعت نے مسیلمۂ قادیان کے اثبات نبوت کے لیے قرآن میں تحریف کا بیڑا اٹھا رکھا ہے چنانچہ اس آیت کے معنی میں بھی تحریف کی ہے اور اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی رسول آسکتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ خطاب امت محمدیہ کو نہیں بلکہ یہ آیت حضرت آدمؑ کے قصہ سے متعلق ہے۔ اور یہ اس وقت کا حکم ہے کہ جب دنیا کی ابتدار تھی اور زمین پر کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا جیسا کہ ابن جریرؒ نے ابو یسار سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یعنی یٰبَنِیٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ الخ کل اولادِ آدم کو ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور انکی ذریت کو اپنے دست قدرت میں لیکر عالم ارواح میں فرمایا تھا (روح المعانی ص ۹۹ ج ۸)

جیسا کہ سورۂ بقرہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى۔ الخ اور سورۂ طٰہٰ کے رکوع ہفتم میں حضرت آدمؑ اور حواؑ کو ملا کر ان الفاظ میں خطاب فرمایا ہے۔ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى۔ پس ان آیات نے واضح کر دیا کہ یہ قصہ حضرت آدمؑ کے وقت کا ہے اور یہ خطاب خاص اولاد آدم کو ہے کہ اے اولادِ آدم خوب یاد رکھو کہ یہ شیطان تمہارا دشمن ہے کہ تم اسکے مکر و فریب سے ہوشیار رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم کو تنرک اور بے حیائی اور اثم و عدوان میں پھنسا کر پدری میراث (یعنی جنت) سے محروم کر دے۔ ہم تذکیر آخرت کے لیے وقتاً فوقتاً تمہاری طرف اپنے رسول اور پیغمبر بھیجیں گے جو صاحب شریعت اور صاحب آیاتِ بینات ہونگے اور وہ تمکو اپنے باپ کی میراث یعنی جنت کے حاصل کرنے کی ترغیب دیں گے پس جو ان کا اتباع کریگا وہ فلاح پائے گا اور جو انکی تکذیب کریگا وہ ہلاک اور برباد ہو گا چنانچہ اس اعلان کے بعد حضرت آدمؑ کی اولاد میں بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر اور صاحب شریعت اور صاحب کتاب رسول اور پیغمبر آئے۔ یہاں تک کہ خاتم الانبیار مبعوث ہوئے اور نبوت و رسالت کا دروازہ بند ہو گیا جیسا کہ آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سرور عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہ ہو گا۔

قادیان کے دہقان نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف قیامت تک کے لیے انبیار و رسل کی آمد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں اور اس قسم کی آیتوں سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک رسولوں کے بھیجنے کا وعدہ کیا ہے یہ بالکل غلط ہے یہ وعدہ اولادِ آدم سے ہے خاتم الانبیار کی امت سے یہ وعدہ نہیں قرآن کریم۔ خاتم النبیین کے بعد کسی نبی اور رسول کی بعثت کو جائز نہیں رکھتا نیز مرزا غلام احمد کے نزدیک بھی خاتم النبیین کے بعد نبوت تشریعی کا دروازہ بند ہے کہ خاتم الانبیار کے بعد قیامت تک نہ کوئی جدید شریعت آسکتی ہے اور نہ کوئی صاحب کتاب رسول آسکتا ہے مسیلمۂ قادیان کے نزدیک خاتم الانبیار کے بعد صرف غیر تشریعی نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور تشریعی نبوت کا دروازہ اسکے نزدیک بھی بند ہے اور آیت مذکورہ یعنی یٰبَنِیٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ۔ میں بظاہر ان رسولوں کا آنا مراد ہے جو صاحب شریعت اور صاحب کتاب اور صاحب معجزات ہوں پس اگر یہ آیت بقار نبوت پر دلیل ہے تو اس سے تو ہر قسم کی نبوت و رسالت کی بقار ثابت ہو جائے گی۔ خواہ

وہ نبوت تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔
قادیان کے دہقان یہ کہتے ہیں کہ نبوت ایک نعمت ہے۔ امتِ محمدیہ باوجود خیرالامم ہونے کے اس نعمت سے کیسے محروم رہے تو جواب یہ ہے کہ تشریعی نبوت سب سے ہی اعلیٰ اور اکمل نعمت ہے تو جب سابقہ امتوں کو تشریعی نبی اور رسول ملتے رہے تو یہ امت تشریعی نبوت ورسالت کی نعمت سے کیوں محروم رہے اس لیے قادیانیوں کو چاہیئے کہ کھل کر یہ اعلان کریں کہ تشریعی نبوت کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے اور خاتم الانبیاء کے بعد مستقل رسول اور صاحب شریعت اور صاحب کتاب نبی بھی آسکتے ہیں۔ ظلی اور بروزی نبوت کا نام لینے کی ضرورت نہیں غرض یہ کہ یہ آیت اگر بالفرض والتقدیر بقاء نبوت پر دلالت کرتی ہے تو اس آیت سے ہر قسم کے نبوت کے بقاء کا امکان ثابت ہو جائے گا۔ خواہ وہ نبوت تشریعی ہو یا غیر تشریعی سو یہ آیت بہائی فرقہ والوں کے لیے دلیل ہوگی جو اپنے اعتقاد میں قرآن کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اب بہاء اللہ کی نبوت ورسالت کا دور شروع ہوگیا اور اسی آیت سے وہ دلیل پکڑتے ہیں۔ نیز اگر خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہے تو مرزائے قادیان کے بعد بھی نبی آسکتا ہے اور مرزا کا بھی ظل اور بروز ہو سکتا ہے۔

تفصیل سزائے مکذبین ومتکبرین

گزشتہ آیت میں جس عہد کا ذکر کیا گیا اس میں نعیم وجحیم کا اجمالاً ذکر تھا اب قدرے اسکی تفصیل کرتے ہیں۔ اول اہل جحیم کا حال بیان کرتے ہیں پھر اہل نعیم کا حال اور مآل بیان کریں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں پس اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا۔ جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یعنی جو بات خدا تعالیٰ نے نہیں کہی وہ اسکی طرف منسوب کی مثلاً اسکا شریک ٹھہرایا یا اسکی آیتوں کو جھٹلایا یعنی جو بات خدا نے کہی تھی اسکا انکار کر دیا ایسے لوگوں کو نوشتہ خداوندی سے حصہ پہنچے گا۔ یعنی خدا تعالیٰ نے ان کیلیے جو عمر اور مال وجاہ مقدر کیا ہے وہ انکو دنیا میں مل جائے گا اور ایک وقت تک انکو ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوتے فرشتے انکی روحیں نکالنے آئیں گے تو وہ ان سے کہیں گے بتلاؤ کہاں ہیں وہ جنکو تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے۔ یعنی انکو پکارو اور بلاؤ کہ تمہاری مدد کریں اور تم کو عذاب سے بچائیں کفار جواب دیں گے کہ وہ معبود تو ہم سے غائب ہوگئے۔ واقعی کوئی ہمارے کام نہیں آیا اور اس وقت مجبور ہو کر وہ کافر اپنی جانوں پر گواہی دیں گے۔ کہ بے شک وہ کافر تھے یعنی وہ اپنے کفر کا اقرار کریں گے اور بعض آیات میں جو یہ آیا ہے کہ وہ اپنے کفر اور شرک کا انکار کریں گے۔ سو وہ اس آیت کے منافی نہیں اس لیے کہ قیامت کے دن مختلف مواقف اور مختلف احوال ہونگے۔ کسی جگہ انکار کریں گے اور کسی جگہ اقرار کریں گے خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ تم سب آگ میں ان امتوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ جو جنوں اور انسانوں میں سے تم سے پہلے گزری ہیں یعنی جس آگ میں

پہلے زمانوں کے کفار جن وانس ہیں تم بھی انہی میں داخل اور شامل ہوجاؤ اور اس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ جب کبھی کوئی جماعت داخل ہوگی تو لعنت کرے گی اپنی دوسری ہم جنس جماعت پر یہودی یہودیوں پر لعنت کریں گے۔ عیسائی عیسائیوں پر۔ مجوسی مجوسیوں پر غرض یہ کہ اس مصیبت میں ایک دوسرے کی ہمدردی تو کیا ہوتی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے یہاں تک کہ جب وہ سب دوزخ میں گر کر ایک دوسرے سے مل جائیں گے تو انکی پچھلی جماعت جو بعد میں داخل ہوتی ہوگی انکی پہلی جماعت کے حق میں یہ کہے گی پچھلی جماعت سے عوام الناس مراد ہیں جو اپنے سرداروں کے تابع تھے اور ان کے حکم پر چلتے تھے اور پہلی جماعت سے ان کے سردار اور رؤساء مراد ہیں۔ اے ہمارے پروردگار انہی لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا یعنی یہ ہمارے مقتدا اور پیشوا تھے جو راہ انہوں نے ہمارے لیے تجویز کی ہم اس پر چلے ہم انکو بڑا سمجھتے تھے ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ خود بھی گمراہ ہیں اور ہم کو بھی گمراہ کر رہے ہیں غرض یہ کہ ہماری گمراہی کا سبب یہ لوگ ہوئے ہیں سو آپ ان لوگوں کو بہ نسبت ہمارے دوزخ کا عذاب دوچند دیجئے کیونکہ انکا دوہرا قصور ہے یہ خود بھی گمراہ تھے اور ہمکو بھی گمراہ کیا۔ خدا تعالےٰ فرمائے گا دونوں کو دونا عذاب ہے پہلی جماعت کو اس لیے دگنا عذاب ہے کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کے لیے گمراہی کی راہ ڈالی۔ اور پچھلی جماعت کو اس لیے دوگنا عذاب ہے کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور باوجود اسکے کہ انبیاء اور ان کے وارثوں نے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے تم پر حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح کر دیا۔ پھر بھی تم نے ان گمراہوں کا اتباع کیا اور اہل حق کو چھوڑ کر اُن کے پیچھے ہوئے اور انبیاء اور انکے وارثوں نے پچھلی قوموں کی تباہی اور بربادی کا حال تم کو سنا دیا۔ پھر بھی تم نے عبرت حاصل نہ کی دیکن تم جانتے نہیں کہ ہر فریق کس درجہ عذاب کا مستحق ہے اور آئندہ چل کر اسکے عذاب میں کس قدر زیادتی ہوگی اور حق تعالےٰ کے اس جواب کے بعد انکی پہلی جماعت انکی پچھلی جماعت سے یہ کہے گی پس اس حساب سے تو تم کو ہم پر کوئی فضیلت اور فوقیت نہ ہوئی ہم دوچند عذاب میں مبتلا ہوئے اسی طرح تم بھی دوچند عذاب میں مبتلا ہوئے۔ گمراہی اور کفر میں ہم تم دونوں برابر ہیں۔ اچھا تو اب ہماری طرح تم بھی عذاب کا مزہ چکھو بدلہ میں اس کفر کے جو تم کماتے تھے۔ الغرض ہر ایک اپنے کرتوت کا مزہ چکھے گا۔ اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے قبول کرنے سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ یعنی انکی زندگی میں اُنکے اعمال و افعال آسمان پر نہیں چڑھیں گے۔ یعنی انکے اعمال کو آسمانی قبول و رفعت حاصل نہ ہوگی اور نہ مرنے کے بعد انکی روحیں آسمان پر چڑھ سکیں گی کیونکہ اُن کے اعمال گندے ہیں اور انکی روحیں نجس ہیں اور اللہ کی طرف اعمال صالحہ اور کلمات طیبہ اور پاک روحیں ہی چڑھتی ہیں۔ آسمان کا دروازہ ان لوگوں کے لیے کھلتا ہے۔ جنہوں نے انبیاء کرام کی بے چون و چرا تصدیق کی اور سر تسلیم ان کے سامنے خم کیا۔ اور جنہوں نے بجائے تصدیق کے انبیاء کی تکذیب کی اور بجائے تواضع کے ان سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کا دروازہ نہیں کھل سکتا جیسا کہ احادیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ فرشتے جب کافر کی روح کو قبض کر کے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو آسمان اور زمین کے درمیان رہنے والے فرشتوں

کی جس جماعت پر گزرتے ہیں تو وہ جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ خبیث روح کس کی ہے جس سے مردار کی بدبو آرہی ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اور دنیا میں جو اسکا بہت برا نام تھا وہ لیکر بتلاتے ہیں یعنی اس خبیث کا اسم اور مسمی دونوں ہی گندہ اور پلید ہیں جب آسمان پر پہنچتے ہیں تو اس کے لیے دروازہ کھولنے کی درخواست کرتے ہیں۔ مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا اور اسکی روح کو آسمان سے سجین کی طرف پھینک دیا جاتا ہے اور مومن کی روح کے لیے آسمان کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اسکے ساتھ جاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے احادیث کا مطالعہ کریں۔ غرض یہ کہ کافروں کی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے یہ تو مرنے کے بعد کا حال ہوا اور قیامت کے حساب وکتاب کے بعد یہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہونگے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جاتے اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن اور محال ہے لہٰذا انکا جنت میں داخل ہونا بھی ناممکن اور محال ہے۔ اس قسم کے کلام کو تعلیق بالمحال کہتے ہیں حاصل یہ ہے کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں داخل ہونا محال ہے۔ اسی طرح ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے اور اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں یعنی کفار کو جو ہم نے یہ سزا دی کہ جنت میں انکا داخل ہونا ناممکن اور محال بنا دیا وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ مجرم ہیں اور مجرم کی یہی سزا ہے اور جرم یہ ہے کہ احکام خداوندی کی تکذیب کی اور ان کے قبول کرنے سے تکبر کیا مقصود یہ ہے کہ کافر دخول جنت سے قطعاً مایوس اور ناامید ہو جائیں انکی تکذیب اور تکبر نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان پر جنت کا دروازہ بند کر دیا۔ اور عذاب محیط کو ان پر ایسا مسلط کر دیا کہ ان کے لیے دوزخ ہی کا فرش ہوگا اور ان کے اوپر اسی کے بالاپوش ہوں گے یعنی آگ ہی انکا اوڑھنا اور بچھونا ہوگی۔ جس طرح دنیا میں انکو کفر اور تکذیب اور تکبر احاطہ کیے ہوئے تھا اسی طرح آخرت میں انکو عذاب خداوندی احاطہ کیے ہوئے ہوگا اور اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے یا اسکے احکام کو جھٹلائے جس کا ذکر فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا الخ میں ابھی گزرا ہے ظلم ہی سے کلام کا آغاز ہوا اور ظلم ہی پر اسکا اختتام ہوا۔

تفصیل جزاء مومنین صالحین

گزشتہ آیات میں مکذبین اور متکبرین کی سزا کی تفصیل تھی اب آگے مومنین صالحین کی جزاء کی تفصیل ہے جس میں اشارۃً یہ بتلایا ہے کہ آسمان اور جنت کے دروازوں کا کھلنا اعمال شاقہ پر موقوف نہیں کہ کوئی شخص کسی درجہ میں مشقت یا تکلیف مالا یطاق کا عذر کر سکے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ آیات الٰہیہ پر ایمان لائے اور انبیاء کی ہدایت کے مطابق انہوں نے نیک عمل کیے اور ایمان لانا اور اعمال صالحہ کا کرنا کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ ہماری عادت یہ ہے کہ ہم کسی شخص کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور اسکے مقدرت

سے بڑھ کر اس پر بوجھ نہیں ڈالتے مطلب یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی تکلیف ایسا بوجھ نہیں جو ناقابل برداشت ہو اور طاقت بشری سے باہر ہو سو ایسے لوگ بہشتی ہیں بہشت میں داخل ہونگے وہ ہمیشہ بہشت ہی میں رہیں گے عمل انکا اگرچہ محدود تھا مگر اسکی جزا غیر محدود ہوگی اور جنت میں داخل ہونے کے بعد اہل جنت کے مابین اہل نار کی طرح باہمی عداوت اور ایک دوسرے پر لعنت اور ایک دوسرے سے نفرت نہ ہوگی بلکہ ان مومنین صالحین کے سینوں میں جو ایک دوسرے کی طرف سے دنیا میں بمقتضائے بشریت کسی غلط فہمی کی بنا پر کسی قسم کی کوئی خفگی اور رنجش اور ناخوشی ہوگی تو جنت میں جانے کے بعد اسکو ہم انکے سینوں سے کھینچ کر باہر نکال دیں گے جنت میں پہنچ جانے کے بعد نہ ایک کو دوسرے سے عداوت ہوگی اور نہ شکوہ وشکایت سب بھائی بھائی بن کر رہیں گے کیونکہ رنج وغم عیش کو مکدر کر دیتا ہے اور جنت میں تکدر کا نام ونشان نہ ہوگا اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کبھی اس درجہ کے نیکوں میں بھی باہم رنجش اور کدورت پیش آجایا کرتی ہے جو خدا کے نزدیک بھی اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ کا مصداق ہوتے ہیں اور انکی اس باہمی رنجش سے اللہ کے نزدیک انکے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ انکی رنجش اور کدورت کی بنیاد حسد اور طمع پر نہیں ہوتی بلکہ محض لِلّٰہ اور فی اللہ ہوتی ہے گو نفس الامر میں ان دونوں میں سے ایک خطاء پر ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی طرف سے طلب حق میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے ان سے جو خطاء اور غلطی ہوتی ہے وہ اجتہادی ہوتی ہے جس پر کوئی مواخذہ نہیں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ بلکہ اس پر اجر ملتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے من اجتهد فاصاب فله اجران و من اخطأ فله اجر واحد۔ جس نے اجتہاد کیا اور صواب کو پہنچا اسکو دو اجر ہیں اور جس نے اجتہاد میں خطا کی اسکو ایک اجر ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہم اہل بدر کے بارہ میں نازل ہوئی۔ نیز آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ قیامت کے دن انہی لوگوں میں سے ہونگے جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے۔ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۵ ج ۲ وتفسیر قرطبی ص ۲۰۸ ج ۷)

کہتے ہیں کہ جنتی جب جنت کی طرف دوڑیں گے تو اس کے دروازے کے پاس ایک درخت پائیں گے جسکے نیچے دو چشمے جاری ہونگے جن میں سے ایک چشمے کا پانی وہ پئیں گے تو ان کے سینوں کا کینہ دور ہو جائیگا۔ وہی شراب طہور ہے کما قال تعالیٰ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا دوسرے چشمے سے وہ غسل کریں گے جس سے ان پر تازگی اور خوشحالی آجائے گی۔ (روح المعانی ص ۱۲۲ ج ۸ وتفسیر ابن کثیر ص ۲۱۵ ج ۲)

اور بعض علماء نے وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ باوجودیکہ جنتیوں کے مدارج مختلف ہونگے کوئی اعلیٰ درجہ میں ہوگا اور کوئی ادنیٰ درجہ میں مگر بایں ہمہ انکے دلوں میں ایک دوسرے پر حسد نہ ہوگا ہر ایک اپنے درجہ میں خوش ہوگا اور سب ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور اخلاص

رکھیں گے بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ (تفسیر قرطبی ص ۲۰۸ ج ۷) ان کے مکانات کے نیچے نہریں جاری ہونگی اور وہ لوگ غایت مسرت سے حق تعالیٰ کے شکر میں یہ کہیں گے کہ سپاس بے قیاس ہے اس خداوند کریم کے لیے جس نے اپنے لطف وکرم سے ہم کو دنیا میں ایمان صحیح اور عمل صالح کی توفیق دی جس کی بدولت آج ہم کو جنت کی یہ عزت وکرامت نصیب ہوئی اور ہم بذات خود رہ یاب نہ ہوتے اگر اللہ ہم کو توفیق نہ دیتا اسکی توفیق اور عنایت سے ہم کو ہدایت میسر ہوئی ؎

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃ علینا و نحن عن فضلک ما استغنینا
گر بدرقۂ لطف تو نماید راہ از راہ تو ہیچ کس نگردد آگاہ
آنکہ بہ رسند و باید رفتن توفیق رفیق نشد واویلاہ!

اہل ایمان دخول جنت کے بعد اول حق تعالیٰ کی نعمت ہدایت اور نعمت توفیق کا شکر ادا کریں گے بعد ازاں حضرات انبیاء ورسل کا ذکر کریں گے جو خدا اور بندوں کے درمیان میں واسطہ فی الہدایت اور واسطہ فی الانعام ہیں اور یہ کہیں گے البتہ تحقیق ہمارے پروردگار کے رسول حق لیکر آئے تھے اگر یہ حضرات ہماری رہبری اور رہنمائی نہ کرتے تو ہم خدا تک نہیں پہنچ سکتے تھے یہ نعمت وکرامت جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ سب انکا فیض صحبت اور انکے اتباع کی برکت ہے اور ان حضرات نے ایمان اور عمل صالح اور اتباع شریعت پر جو جو وعدے ہم سے لیے تھے وہ سب سچے نکلے اور نعمائے آخرت کی جو بشارتیں ان حضرات نے ہم کو دی تھیں آج ہم نے ان کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔ ہم کو جو کچھ ملا وہ حضرات انبیاء کے واسطے سے ملا بغیر انبیاء کرام کے توسط کے بارگاہ خداوندی میں رسائی ممکن نہیں۔ صلوات اللہ وسلامہ علیھم اجمعین وعلی خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین۔

خلاصۂ مطلب یہ کہ محض حق تعالیٰ کی توفیق اور دستگیری سے اور پھر حضرات انبیاء کرام کی رہنمائی اور رہبری سے ہم کو یہ اعلیٰ مقام نصیب ہوا ورنہ ہم کہاں اور یہ مقام کہاں اور اہل جنت جب ان تمام نعمتوں اور کرامتوں کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور ہدایت اور اسکے لطف وعنایت کا کرشمہ سمجھ کر اسکا شکر کریں گے اور اسکو اپنے ایمان اور عمل صالح کا ثمرہ اور صلہ نہیں سمجھیں گے۔ تو اس وقت انکو خدا کی طرف سے ندا دی جائے گی۔ کہ یہ جنت ہے جسکے تم اپنے عملوں کے عوض وارث بنائے گئے ہو یعنی یہی وہ جنت ہے جسکا تم سے دنیا میں رسولوں نے وعدہ کیا تھا اب تم اسکے مالک ہوگئے۔ حق تعالیٰ کے فضل سے اور پھر ایمان اور عمل صالح کی برکت سے تم نے اپنے باپ آدمؑ کی میراث ہمیشہ کے لیے حاصل کر لی۔

ف اور یہ ندا کرنے والا خدا کی طرف سے کوئی فرشتہ ہوگا جیسا کہ تفسیر درمنثور میں ابومعاذ بصریؒ سے مرفوعاً منقول ہے جسکے الفاظ یہ ہیں فیذھب الملک فیقول سلام علیکم تلکم الجنۃ اورثتموھا بما کنتم تعملون۔

نکتہ اہل جنت نے اپنے اعمال کو حقیر اور ہیچ سمجھا اور جنت کو محض اللہ کا فضل سمجھا اور اسکا شکر کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آوازہ پڑا کہ چونکہ تم نے اعمال کو حقیر اور ہیچ سمجھا اور انکو قابل جزا اور انعام نہ جانا اور ہماری بارگاہ میں تذلل اور تواضع اور ادب کو ملحوظ رکھا اس لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ جنت تمہاری عملی جدوجہد کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور ہمیشہ کے لیے تم اسکے مالک بنا دیئے گئے۔

نکتۂ دیگر بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمل صالح دخول جنت کا سبب ہے اور ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ کوئی شخص بسبب عمل کے جنت میں نہ جائیگا بلکہ رحمت الٰہی کے سبب سے جنت میں جائیں گے سوجاننا چاہیئے کہ آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں دخول جنت کا سبب ظاہری بندہ کا عمل ہے اور سببِ حقیقی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے آیت میں سبب ظاہری کا ذکر ہے اور حدیث میں سبب حقیقی مراد ہے پس آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا

اور پکارا جنت والوں نے آگ والوں کو کہ ہم پا چکے جو

مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ

ہم کو وعدہ دیا تھا ہمارے رب نے تحقیق، سو تم نے بھی پایا جو تمہارے رب نے وعدہ دیا تھا

حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ

تحقیق بولے ہاں۔ پھر پکارا ایک پکارنے والا انکے بیچ میں کہ لعنت ہے اللہ کی

عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

بے انصافوں پر۔ جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے

اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی۔ اور وہ آخرت سے منکر ہیں۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ

اور دونوں کے بیچ میں ہے ایک دیوار اور اسکے سرے پر مرد ہیں کہ پہچانتے ہیں

كُلًّا بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ

ہر ایک کو اسکے نشان سے، اور پکارے جنت والوں کو، کہ سلامتی ہے

عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ

تم پر داخل نہیں ہوئے جنت میں اور وہ امیدوار ہیں۔ اور جب پھری

اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

انکی نگاہ دوزخ والوں کی طرف، بولے اے رب ہمارے نہ کر ہم کو

مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ ع وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ

گنہگار لوگوں کے ساتھ اور پکارے دیوار کے سرے والے

رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ

ایک مردوں کو کہ انکو پہچانتے ہیں نشان سے بولے، کیا کام آیا تم کو

جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ

جمع کرنا اور جو تم تکبر کرتے تھے؟ اب یہ وہی ہیں

اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا

کہ تم قسم کھاتے تھے نہ پہنچاوے گا انکو اللہ کچھ مہر۔ چلے جاؤ جنت میں نہ

خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ

ڈر ہے تم پر نہ تم غم کھاؤ۔ اور پکارے آگ والے

النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ

جنت والوں کو بہاؤ ہم پر تھوڑا پانی۔

اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى

یا جو روزی تم کو دی اللہ نے۔ بولے اللہ نے یہ دونوں بند کیے ہیں

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا
منکروں سے جنہوں نے ٹھہرایا ہے اپنا دین تماشا اور کھیل
وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا
اور بہکے دنیا کی زندگی پر ۔ سو آج ہم انکو بھلادیں گے جیسے وہ
لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾
بھولے اپنے اس دن کا ملنا اور جیسے تھے ہماری آیتوں سے جھگڑتے ۔
وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى
اور ہم نے انکو پہنچا دی ہے کتاب جو کھول کر بیان کی ہے خبرداری سے
وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا
راہ بتاتی اور مہربانی ایمان والے لوگوں کو کیا راہ دیکھتے ہیں ؟ مگر
تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ
یہی کہ وہ ٹھیک پڑے جس دن وہ ٹھیک پڑے گی کہنے لگیں گے جو اسکو بھول
مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا
رہے تھے پہلے سچی بات لائے تھے ہمارے رب کے رسول اب کوئی ہیں
مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ
سفارش والے تو ہماری سفارش کریں یا ہمکو پھر جانا ہو تو ہم کام کریں سوا
الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ
اسکے جو کر رہے تھے ۔ تحقیق ہارے اپنی جان اور بھول گیا
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع
جو جھوٹ بناتے تھے ۔

اہل جنت اور اہل دوزخ اور اہل اعراف کی باہمی گفتگو کا ذکر

قال تعالیٰ وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ .. الی .. وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں اہل جنت اور اہل نار کی جزار و سزا کا بیان تھا اب ان آیات میں ان مخاطبات اور مکالمات کا ذکر ہے جو دخول جنت و جہنم کے بعد جنتیوں اور دوزخیوں کے مابین ہونگے اور انکے ساتھ اہل اعراف کا بھی ذکر فرمایا جنکی حالت ابتدا میں بین بین ہوگی اور بعد میں انکو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہو جائے گا اور اس تمام تذکرہ سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ اس روز اہل ایمان کو سعادت کاملہ حاصل ہوگی اور اسلام کے دشمنوں کو انتہائی رنج و غم اور انتہائی حسرت پیش آئے گی۔ جسکی کوئی تلافی ممکن نہیں جو کچھ کرنا ہے وہ اب کر لو چنانچہ فرماتے ہیں اور جب جنت والے جنت میں اور آگ والے آگ میں جا چکیں گے اور اپنے اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جائیں گے تو جنت والے آگ والوں کو پکاریں گے اور یہ پکارنا محض خبر دینے کے لیے نہ ہوگا بلکہ اپنی حالت پر اظہار مسرت کے لیے اور انکی توبیخ اور حسرت بڑھانے کے لیے ہوگا۔ اور وہ ندا اور پکار یہ ہوگی کہ تحقیق ہم سے جو دنیا میں ہمارے پروردگار نے اپنے رسولوں کی زبانی ایمان اور عمل صالح پر بہشت کا وعدہ کیا تھا اسکو ہم نے ٹھیک پایا یعنی وہ وعدے جو ہمارے ساتھ کیے گئے تھے وہ پورے کر دیئے گئے سو تم بتلاؤ کہ تم نے اس وعدہ کو ٹھیک پایا جو تمہارے پروردگار نے تم سے کیا تھا یعنی خدا کا وعدہ تم سے کفر پر عذاب الیم کا تھا جس کی خبر تمکو انبیاء کرام دیا کرتے تھے بتلاؤ کہ تم بھی اپنے وعدۂ عذاب کو پہنچے یا نہیں اور انبیاء نے جس چیز کی خبر دی تھی اب بھی اسکا یقین آیا یا نہیں اہل دوزخ جواب میں کہیں گے کہ ہاں ہم نے بھی اس وعدے کو ٹھیک پایا جو ہمارے پروردگار نے رسولوں کی معرفت ہم سے کیا تھا اسی وعدہ کے بناء پر ہم عذاب میں پڑے ہیں جنتیوں کا دوزخیوں سے یہ سوال بطور تقریع و توبیخ کے ہوگا کہ ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ سچا پایا تم کہو کہ تم نے بھی سچا پایا یا نہیں۔ جھک مار کر کہیں گے کہ ہاں ہم نے سچا پایا جیسا کہ سورۂ صافات میں ہے کہ ایک شخص اپنے کافر یار سے کہے گا۔ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ وَ لَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ۔ بعد ازاں فرشتے کہیں گے۔ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن کنویں پر کھڑے ہو کر سرداران قریش کو نام بنام پکار کر بطور توبیخ اور سرزنش فرمایا۔ اے ابوجہل بن ہشام اے عتبہ بن ربیعہ اور اے شیبہ بن ربیعہ اور اے فلاں اور اے فلاں هل وجدتم

مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا فَاِنِّیْ وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِیْ رَبِّیْ حَقًّا۔ سو جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ندا اور نام بنام خطاب مقتولین بدر کی توبیخ اور سرزنش کے لیے تھا اسی طرح اہل جنت کی اہل نار سے یہ گفتگو بطور تقریع اور توبیخ ہوگی تاکہ انکی حسرت اور ندامت حد کمال کو پہنچ جائے اس وقت دوزخیوں کو جواب میں بجز نعم (ہاں) کہنے کے کوئی چارہ نہ ہوگا مگر لاچاری اور مجبوری کا یہ اقرار یعنی نَعَمْ اجمالی اقرار ہے جس میں اپنے جرم کی تفصیل نہیں پس اس وقت ان دوزخیوں اور بہشتیوں کے درمیان ایک پکارنے والا یعنی ایک فرشتہ بآواز بلند پکار کر یہ کہے گا کہ خدا کی لعنت ہو ظالموں پر جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور خدا کی راہ میں کجی کے متلاشی رہتے تھے۔ یعنی اس میں عیب نکالتے رہتے تھے اور اپنی کج بحثیوں سے دن رات اس فکر میں رہتے تھے کہ صاف اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کردیں تاکہ کوئی اس راہ پر نہ چل سکے۔ ملاحدہ اور زنادقہ کا طریقہ یہی ہے کہ دین کی باتوں میں شکوک اور شبہات نکالتے رہتے ہیں تاکہ لوگ دین سے بدظن اور متنفر ہو جائیں اور وہ آخرت کے منکر تھے صرف دنیاوی زندگانی ان کی منتہائے نظر تھی عالم دنیا جو انکو آنکھوں سے نظر آ گیا تھا۔ صرف اسکے قائل تھے اور عالم آخرت جو مرنے کے بعد نظر آتا ہے وہ اس کے قائل نہ تھے غرض یہ کہ ان کے نَعَمْ (ہاں) کہنے کے بعد فرشتہ ان ظالموں پر بآواز بلند لعنت کی اذان دیگا تاکہ سب اولین اور آخرین سن لیں کہ یہ ظالم بلاشبہ قابل لعنت ہیں اور ان ظالموں نے جو مجبور ہو کر نعم کہا اس میں اپنے جرم کی تفصیل نہیں خدا کے مؤذن یعنی فرشتہ نے جب لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ الخ کی اذان دی اور بآواز بلند اسکا اعلان کیا تو انکا مجرم ہونا سب کو معلوم ہو گیا کہ ان کا جرم ظلم یعنی کفر اور شرک ہے۔

اہل اعراف کا ذکر

جب اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ والوں کا ذکر کرچکے تو اب یہ بتلاتے ہیں کہ دوزخ اور جنت کے درمیان ایک حجاب یعنی ایک بلند دیوار ہے جسکا خاصہ یہ ہوگا کہ جنت کا اثر دوزخ تک اور دوزخ کا اثر جنت تک نہیں پہنچنے دے گی کیونکہ اگر اہل جنت کو نار کا کوئی اثر پہنچے تو ان کے لیے باعث ایذاء ہے اور اگر اہل جنت کا کوئی اثر اہل دوزخ تک پہنچے تو انکے عذاب اور مصیبت میں کمی آجائے اس لیے درمیان میں ایک پردہ قائم کردیا گیا کہ ادھر کا اثر ادھر نہ پہنچ سکے اور یہ وہی حجاب ہے جسکا اللہ تعالیٰ نے سورۃ حدید میں ذکر فرمایا ہے۔ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار حائل ہے جسکا نام اعراف ہے اعراف کو اعراف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل اعراف ہر شخص کو اوپر سے دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ جنتی ہے اور یہ دوزخی ہے اعراف۔ عرف کی جمع ہے جس کے

معنی بلند جگہ کے ہیں چونکہ وہ دیوار اونچی ہے اس لیے اسکا نام اعراف رکھا گیا جس کی بلندی پر سے جنتی اور دوزخی سب نظر آئیں گے اور اس دیوار اعراف پر کچھ مرد ہونگے جنکی نیکیاں اور بدیاں برابر ہونگی۔ اس لیے یہ لوگ نہ جنت کے مستحق ہیں اور نہ دوزخ کے اس لیے فی الحال اور سردست اعراف میں رکھے جائیں گے پھر آخر میں اللہ تعالیٰ انکو اپنے فضل سے بہشت میں داخل فرمائے گا۔ غرض یہ کہ اہل اعراف جنت اور جہنم کے درمیان میں ایک بلند دیوار ہونے کی وجہ سے جنتیوں اور دوزخیوں میں سے ہر ایک کو انکی علامت اور چہرے کی نشانی سے پہچان لیں گے چونکہ یہ لوگ بلندی پر ہونگے اس لیے دونوں فریقوں کو آسانی سے دیکھ سکیں گے جنتیوں کو ان کے سفید اور نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو انکے چہروں کی بدرونقی اور سیاہی اور بدرونقی سے پہچانیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اہل اعراف جنتیوں کو انکے چہروں کے سفیدی سے پہچانیں گے اور دوزخیوں کو انکی روسیاہی سے جیساکہ قرآن کریم میں ہے۔ وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَۃٌ ضَاحِکَۃٌ مُّسۡتَبۡشِرَۃٌ وَوُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ عَلَیۡہَا غَبَرَۃٌ تَرۡہَقُہَا قَتَرَۃٌ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکَفَرَۃُ الۡفَجَرَۃُ اور یہ اہل اعراف جب جنتیوں کی طرف دیکھیں گے تو جنتیوں کو پکار کر کہیں گے سلام علیکم یعنی تمکو مبارک ہو اللہ تعالیٰ کی سلامتی تم پر قائم اور دائم رہے ابھی تک یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہ ہوئے ہونگے اور وہ امید اور توقع رکھتے ہونگے یعنی اہل اعراف جس وقت بہشتیوں کو بطور مبارکباد سلام کریں گے تو اس وقت تک وہ خود بہشت میں نہیں ہونگے مگر انکو بہشت میں داخل ہونے کی توقع ہوگی کیونکہ وہ اپنے اعراف میں ہونے کی وجہ سے جان جائیں گے کہ دوزخ سے تو ہم نجات پا ہی چکے ہیں اب ہم بہشت میں ضرور داخل ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ اعراف کوئی دائمی مقام نہیں۔ آخرت میں دائمی قیام کی جگہ دوزخ ہے یا بہشت نیز عجب نہیں کہ اصحاب اعراف کی نظر اللہ کے لطف وکرم پر ہو اور دل میں یہ طمع ہو کہ اگرچہ ہماری حسنات اور سیئات کے دونوں پلے برابر ہیں لیکن حسنات کا پلہ بھاری ہو جاتے حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔ ؎

ہست امیدم علی رغم عدو روز جزا ٭ فیض عفوش نہ نہد بار گنہ بردوشم

اور جب اہل اعراف کی نظریں دوزخیوں کی طرف پھیری جائیں گی اور انکے عذاب اور انکی روسیاہی کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ دوزخ میں شامل نہ کر۔ انکی ہمراہی سراسر تباہی ہے اہل اعراف کی حالت حسنات اور سیئات کے برابر ہونے کی وجہ سے اور دوزخ اور جنت کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے خوف اور رجاء اور طمع اور یاس کے بین بین ہوگی۔ ادھر دیکھیں گے تو امید کریں گے اور ادھر نظر پڑے گی تو خدا سے ڈر کر پناہ مانگیں گے کہ ہم کو ان دوزخیوں میں شامل نہ کیجیے مگر پلہ رجاء اور طمع یعنی امید کا غالب ہوگا بالآخر انکی امید پوری ہو جائے گی اور انکو جنت میں جانے کا حکم ہو جائے گا۔ جیساکہ حدیث میں آیا ہے۔

نکتہ اہل اعراف کا منہ جہنم کی طرف اس لیے پھیرا جاوے گا تاکہ اللہ کا شکر کریں کہ اس عذاب سے خلاصی ہی بہت بڑی نعمت ہے۔

ف حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دوزخ اور جنت کے درمیان جو حجاب ہے اسی کا نام اعراف ہے قیامت میں تین قسم کے آدمی ہونگے ایک وہ جنکی نیکیاں بدیوں پر غالب ہونگی انہیں جنت میں جانے کا حکم ہو جائیگا۔ دوسرے وہ جنکی برائیاں انکی نیکیوں پر غالب ہونگی انہیں دوزخ میں جانے کا حکم ہو جائیگا۔ اور تیسرے وہ لوگ ہونگے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہونگی انہیں اس مقام میں جسکا نام اعراف ہے ٹھہرنے کا حکم ہوگا یہاں تک کہ جب اللہ کو منظور ہوگا تو انکی خطائیں معاف کر دے گا اور انہیں جنت میں داخل ہونے کا حکم دیگا۔ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ اصحاب اعراف کون ہیں کہا کہ وہ لوگ ہیں جن کے حسنات اور سیئات برابر ہیں۔ سیئات نے جنت میں جانے سے روکا اور حسنات نے آگ سے بچایا سو وہ اس دیوار پر ٹھہریں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ انکے حق میں فیصلہ کرے۔ جمہور سلف اور خلف کا مذہب یہی ہے کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہونگے جنکی حسنات اور سیئات برابر ہوں گی عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور حذیفہ بن الیمانؓ جیسے جلیل القدر صحابہ سے اسی طرح منقول ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہونگے جو جہاد میں بغیر والدین کی اجازت کے نکلے اور خدا کی راہ میں شہید ہوئے اسکے علاوہ اور بھی اقوال ہیں تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر قرطبی صـ۲۱۱ ج ۷ اور تفسیر ابن کثیر صـ۲۱۶ ج ۲۔ دیکھیں۔

اور جیسے اہل اعراف نے اہل جنت سے سلام و کلام کیا اسی طرح یہ اہل اعراف دوزخیوں میں سے کچھ مردان کفر کو یعنی کافروں کے سرداروں کو جنہیں وہ ان کی علامت سے پہچانتے ہونگے پکاریں گے اور یہ کہیں گے کیا کام آیا تمہارا مال جمع کرنا اور وہ جو تم دنیا میں تکبر کرتے تھے۔ اور انبیاء کرام کی اتباع اور پیروی کو اپنے لیے عار سمجھتے تھے یعنی تمہارے مال و دولت اور تکبر نے آج تم کو نفع نہ پہنچایا آخر تم اس عذاب اور وبال میں پھنسے یا جمع سے جمعیت یعنی نوکر چاکر اور برادری اور فوج اور لشکر مراد ہے کہ جس جتھے پر تم کو گھمنڈ تھا وہ کچھ کام نہ آئی بعد ازاں اہل اعراف ان غریب اور بیچارے مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے جو جنت میں ہونگے یہ کہیں گے کیا یہ غریب مسلمان وہی لوگ نہیں کہ جنہیں تم دنیا میں حقیر سمجھ کر انکے بارہ میں قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو اللہ کی رحمت نہیں پہنچے گی اب دیکھو کہ ان پر اللہ کی کیسی رحمت ہو رہی ہے۔ ان کے لیے حکم ہو چکا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کچھ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہوگے اب دیکھ لو پس جنکو تم بنظر حقارت دیکھ کر یہ کہا کرتے تھے اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا۔ دیکھ لو ان پر اللہ کا کیسا فضل اور کیسی رحمت ہو رہی ہے اور تم کس عذاب اور مصیبت میں مبتلا ہو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ قول فرشتوں کا ہے جو اہل اعراف سے متعلق ہے یعنی فرشتے اہل اعراف سے کہیں گے۔ اے اہل اعراف فریقین کا فیصلہ ہو چکا لو اب تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ وہاں نہیں نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ غم۔ اہل اعراف دوزخ کے درمیان ایک بلند جگہ پر ہونے کی وجہ سے فریقین کا حال دیکھیں گے دوزخیوں کو دیکھ کر ڈریں گے اور پناہ مانگیں گے کہ اے اللہ ہمیں انکے ساتھ نہ شامل کرنا اور اہل جنت کو دیکھ کر

ایک عجیب طمع اور آرزو کے ساتھ انکو سلام کریں گے زبان سے سلام کریں گے۔ اور دل میں یہ طمع اور آرزو ہو گی کہ اللہ تعالے اپنے فضل و کرم سے ہمکو انکی طرح جنت میں جگہ دے اللہ تعالے انکی یہ طمع اور آرزو پوری کریگا اور حکم ہو جائے گا۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ۔

دوزخیوں کا اہل جنّت کے سامنے دست سوال

گزشتہ آیات میں اہل جنّت کی گفتگو کا اہل جہنم سے ذکر تھا اب ان آیات میں دوزخیوں کی جنتیوں سے گفتگو کا ذکر کرتے ہیں اور دوزخ والے بھوک اور پیاس سے بدحواس ہو کر جنت والوں کو پکاریں گے کہ خدا را پانی کا کوئی قطرہ ہم پر ڈال دو یا جو روزی اللہ نے تمکو دی ہے اس میں سے کچھ ہم کو بھی دے دو جن فقراء مومنین کے بارہ میں قسم کھا کر کہا کرتے تھے۔ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ اور تکبر کی وجہ سے ان سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے آخرت میں پہنچ کر اُن کے سامنے دست سوال دراز کریں گے۔ اہل جنت جواب میں کہیں گے کہ تحقیق اللہ تعالے نے ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے یہ کافر وہی تو ہیں جنہوں نے (دنیا میں) اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنا رکھا تھا اور دنیاوی زندگانی نے انکو ایسا فریب دیا کہ آخرت کو بالکل بھول گئے پس آج ہم بھی انکو بھول جائیں گے جیسا کہ وہ دنیا میں اس دن کی پیشی اور ملنے کو بھولے ہوئے تھے۔ خدا تعالے نسیان سے منزہ ہے یہاں مجازاً اسکو خدا کی طرف منسوب کر دیا مطلب یہ ہے کہ آج ہم انکو اپنی رحمت سے نظرانداز کر دیں گے بھول جانا کنایہ ہے بے التفاتی اور بے توجہی سے اور اس کے راحت و آرام کی خبر نہ لینے سے ورنہ نسیان کے حقیقی معنی جناب باری تعالے میں متصور نہیں ہو سکتے پس جس طرح یہ لوگ ہماری ہی دی ہوئی نعمتوں میں مست ہو کر ہم کو بھول گئے۔ اور پیغمبروں کے ذریعے ہم نے احکام بھیجے انکا خیال بھی نہ کیا اور ہمارے دین کا کھیل اور تماشہ بنایا اسی طرح آج ہم بھی انکا خیال نہ کریں گے اور جن لوگوں نے ہمارے دین کا کھیل اور تماشہ بنایا آج ہم ان کی ذلت و خواری کا تماشہ دکھلائیں گے اور جیسا کہ یہ لوگ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح آج ہم بھی انکی درخواست قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں اور ان لوگوں کا انکار کسی شبہ پر مبنی نہ تھا بلکہ عناد کی بنا پر تھا اس لیے کہ تحقیق ہم نے ان کفار کے پاس ایسی کتاب پہنچا دی جس میں تمام عقائد اور احکام اور امور آخرت کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جو ایسے علم یقینی اور قطعی پر مشتمل ہے جس میں سہو اور خطا کا احتمال بھی نہیں اور یہ کتاب ایسے عجیب و غریب علم پر مشتمل ہے کہ اس جیسا علم کسی اور کتاب میں نہیں (روح المعانی ص۱۱۱ ج ۸) اور اس مفصل کتاب کو ہم نے اس لیے نازل کیا تا کہ سب پر حق واضح ہو جائے اور یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ذریعہ ہدایت اور رحمت ہے جو اسکو سن کر ایمان لاتے ہیں اور

ایمان لاکر اسکی برکتوں سے حصہ پاتے ہیں برخلاف ان بدنصیبوں کے کہ جنکے دل تکبر اور نخوت اور مال و دولت کی محبت سے بھرے ہوئے اور لذات نفسانیہ پر فریفتہ ہیں وہ اسکا سننا بھی پسند نہیں کرتے ان کی حالت سے بظاہر ایسا مترشح ہوتا ہے کہ یہ کافر لوگ نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر اس وعدۂ عذاب کی حقیقت اور مصداق کے ظاہر ہوجانے کا یعنی یہ کافر جو اس قرآن کی تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں کیا وہ اسی بات کے منتظر ہیں کہ قرآن میں جو عذاب کے وعدے کیے گئے ہیں وہ وقوع اور ظہور میں آجائیں اور اپنی آنکھوں سے انکو دیکھ لیں تب ایمان لائیں تو خوب سمجھ لو جس دن اس وعدۂ عذاب کی حقیقت سامنے آجائے گی یعنی قیامت کے دن جب اس تکذیب اور تکبر کا نتیجہ آنکھوں سے دیکھ لیں گے سو وہ لوگ جو اس دن کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تھے اس دن کو دیکھ کر یہ کہیں گے کہ بے شک ہمارے رب کے رسول دنیا میں حق لیکر آئے تھے ہم نے اپنی حماقت اور تکبر سے انہیں ناحق جھٹلایا پس کیا ہمارے لیے یہاں کوئی سفارشی ہو سکتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے اللہ سے سفارش کریں یا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم دنیا میں پھر واپس لوٹا دیئے جائیں۔ پس وہاں جاکر ان عملوں کے خلاف عمل کریں جو ہم پہلے کرتے تھے یعنی ہم پہلے بُرے عمل کرتے تھے اب اچھے عمل کریں گے۔ عذاب خداوندی کو دیکھ کر یہ تمنا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب نجات کی کوئی صورت نہیں جو وقت تم کو آخرت کی تجارت کے لیے دیا گیا تھا وہ سب تم نے اپنے تکبر اور حماقت سے ضائع کر دیا بے شک ان لوگوں نے انبیاء کی تکذیب کر کے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا اب اسکا نتیجہ بھگتیں اور ان سے وہ سب کچھ گم ہو گیا جو وہ دنیا میں افترا کرتے رہتے تھے سوائے عذاب کے کچھ نظر نہ آیا " خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم "۔ عجیب عجیب باتیں کرتے تھے جب آنکھ کھلی تو کچھ اور ہی دیکھا۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان و زمین

فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ قف يُغْشِي

چھ دن میں پھر بیٹھا تخت پر۔ اوڑھاتا ہے

اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

رات پر دن، اسکے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا۔ اور سورج اور چاند

وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ

اور تارے کام لگے اسکے حکم پر۔ سن لو اسی کا کام ہے بنانا

وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾
اور حکم فرمانا بڑی برکت اللہ کی جو صاحب سارے جہان کا

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا
پکار اپنے رب کو گڑگڑاتے اور چپکے اسکو خوش

يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ
نہیں آتے حد سے بڑھنے والے اور مت خرابی مچاؤ زمین میں اس

اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ
کے سنوارے پیچھے اور پکارو اس کو ڈر اور توقع سے۔ بے شک مہر اللہ

قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ
کی نزدیک ہے نیکی والوں سے اور وہی ہے کہ چلاتا ہے بادیں

الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ
(ہوائیں) خوشخبری لائیں، آگے اسکی مہر سے۔ یہاں تک کہ جب اٹھا

سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ
لائیں بدلیاں بھاری ہانکا ہم نے اسکو ایک شہر مردے کی طرف پھر اسمیں اتارا پانی

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى
پھر اس سے نکالے سب طرح کے پھل۔ اسی طرح نکالیں گے مردوں کو

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ
شاید تم دھیان کرو اور جو موضع ستھرا ہے اسکا سبزہ نکلتا

نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا
ہے اسکے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے اس میں نکلے سو

نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝۵۸

ناقص یوں پھیر پھیر بتاتے ہیں ہم آیتیں حق ماننے والے لوگوں کو

ذکر تخلیقِ عالم برائے اثبات ربوبیت والوہیت برائے اثبات قیامت

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ .. الی .. كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں معاد اور جزاء اور سزا کا بیان تھا جسکا مشرکین انکار کرتے تھے اب ان آیات میں تخلیق عالم کا ذکر فرماتے ہیں جو حق جل شانہٗ کی ربوبیت اور الوہیت اور کمال قدرت کے دلائل پر مشتمل ہے جسکو سماوات اور ارضین کی تخلیق سے شروع فرمایا اور بارش اور ارض میتہ کی حیات یعنی مردہ زمین کی زندگی پر کلام کو ختم فرمایا کہ بارش سے کس طرح زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ جس سے مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر استدلال فرمایا اور یہ فرمایا۔ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ تاکہ منکرین حشر کا استبعاد دفع ہو جائے اور اسکے بعد بعض مشہور پیغمبروں کے حالات اور واقعات ذکر فرمائے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ انبیاء کرام کی تصدیق اور تکذیب کا قیامت کے آنے سے پہلے ہی دنیا میں کیا انجام ہوا تقریباً پارہ نہم کے نصف تک یہی مضمون چلا گیا ہے غرض یہ کہ ان آیات میں اولاً مبداء اور معاد کے دلائل کو بیان کیا اور بعد ازاں حضرات انبیاء کے واقعات سے دلائل نبوت اور براہین رسالت کو بیان فرمایا اور اسی طرح توحید اور رسالت اور قیامت کا بیان یکے بعد دیگرے اخیر سورت تک چلا گیا تاکہ ان خاسرین پر جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے (جیسا کہ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا۔ میں گزرا) سعادت اور شقاوت فلاح اور خسران کی حقیقت واضح ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اے لوگو حقیقت میں تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور ان مشرکین نے جو شرکاء اور ارباب تراش رکھے ہیں ان میں کوئی بھی تمہارا رب نہیں انہوں نے آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ بھی پیدا نہیں کیا یہ چھ دن یہ ہیں یکشنبہ دوشنبہ سہ شنبہ چہار شنبہ پنجشنبہ۔ جمعہ اور جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ہفتہ کے دن کوئی چیز پیدا نہیں کی یہ دن پیدائش سے خالی رہا اسی وجہ سے اس دن کو یوم سبت کہتے ہیں سبت کے معنی قطع کے ہیں یعنی اس دن آفرینش منقطع ہو چکی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اتنی مدت اور اتنے وقت میں پیدا کیا جو دنیا کے چھ دنوں کے برابر تھا کیونکہ زمین اور آسمان کی پیدائش سے پہلے یہ متعارف دن اور رات ہی نہ تھے کہ جو طلوع آفتاب سے غروب تک اور غروب سے طلوع آفتاب تک ہے

اور بعضوں نے کہا کہ اس سے آخرت کے دن مراد ہیں کہ ہر دن ہزار سال کا ہے۔ کما قال تعالیٰ وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ اور پہلا ہی قول صحیح ہے (ماخوذ از موضح القرآن للشاہ عبدالقادر الدہلوی ؒ)

اس پر زمانہ حال کے بعض فلاسفہ اعتراض کرتے ہیں کیونکہ انکی تحقیق یہ ہے کہ یہ کائنات آہستہ آہستہ اور بتدریج لاکھوں اور کروڑوں برس میں پیدا ہوئی ہے لیکن یہ تحقیق خود مشکوک ہے جس پر کوئی دلیل نہیں مگر جو لوگ یورپ کی تقلید پہ مٹے ہوئے ہیں وہ تو اسکو وحی آسمانی سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں اور قرآن کریم کی خبر کہ آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا ہوئے اسکو غلط سمجھتے ہیں حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے وہ حق اور صدق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اسکے بعد بے شمار مخلوق اسکے ارادہ اور قدرت سے پیدا ہوئی اور جب تک چاہے گا پیدا ہوتی رہے گی اور یہ خیال کہ کائنات عالم آہستہ آہستہ اور بتدریج لاکھوں اور کروڑوں برس میں پیدا ہوئی یہ خیال خام ان دھریوں کا ہے کہ جو خدا کے منکر ہیں اور سلسلۂ عالم کو قدیم اور ازلی مانتے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے تمام انبیاء و مرسلین کا اس پر اجماع ہے کہ تمام عالم حادث ہے خدا تعالیٰ کے ارادہ اور قدرت سے عدم کے پردہ سے نکل کر وجود میں آیا ہے پھر بعد ازاں اللہ تعالیٰ بلا کسی نقل و حرکت کے عرش پر بلا کسی حلول اور بلا تمکن اور بلا استقرار کے قائم ہوا جیسا قیام اسکی شان کے لائق اور مناسب تھا اور حکمرانی شروع کی اور علویات اور سفلیات میں اپنی تدبیر اور تصرف اور احکام کو جاری فرمایا جیسا کہ دوسری جگہ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ کے بعد يُدَبِّرُ الْاَمْرَ وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں جو استوار علی العرش کی تفسیر ہیں۔

اور یہود بے بہبود یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین پیدا کرنے کے بعد تھک گیا اور درماندگی کی وجہ سے عرش پر لیٹ گیا تمام اہل اسلام کا اجتماعی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی نہایت ہے اور نہ اسکے لیے کوئی مکان اور سمت اور جہت ہے اسکی ہستی سمت اور جہت اور مکان اور زمان کے قیود اور حدود سے پاک اور منزہ ہے اسکی ہستی کسی زمان یا مکان کی ہستی پر موقوف نہیں بلکہ مکان اور زمان کی ہستی اُسکی ایجاد اور تکوین پر موقوف ہے کیونکہ جب مکان و زمان موجود نہ تھے وہ اس وقت بھی تھا اور اب جبکہ زمان اور مکان موجود ہیں تب بھی موجود ہے وہ خداوند ذوالجلال زمین اور آسمان اور عرش اور کرسی کے پیدا کرنے سے پہلے جس صفت اور شان پر تھا اب بھی اسی صفت اور شان پر ہے۔ معاذ اللہ عرش عظیم خداوند کریم کا حامل نہیں کہ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے یا تھامے ہوئے ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے وہ ذرہ برابر کسی عرش اور فرش کا محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں معلوم ہوا کہ استوار علی العرش سے عرش پر بیٹھنا اور متمکن اور مستقر ہونا مراد نہیں بلکہ کائنات عالم کے تدبیر اور تصرف کی طرف متوجہ ہونا

مراد ہے اور یہ جملہ (یعنی استواء علی العرش) قرآن کریم میں سات جگہ آیا ہے ایک تو یہ جگہ کہ آپ کے سامنے ہے دوم سورۂ یونس میں سوم سورۂ رعد میں چہارم سورۂ طٰہٰ میں پنجم سورۂ فرقان میں ششم سورۂ سجدہ میں ہفتم سورۂ حدید میں اور سب جگہ اسکی شان شہنشاہی اور تدبیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہی سارے عالم کا خالق ہے اور وہی تمام کائنات کا مدبر اور ان میں متصرف ہے یہی فی الحقیقت تمہارا رب ہے جسکا حکم آسمانوں اور زمینوں میں جاری ہوتا ہے۔

متشابہات اور اس قسم کی تمام آیتیں اور حدیثیں جن سے بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان یا جہت میں ہے جیسے آیات استواء علی العرش اور احادیث نزول باری تعالیٰ اس قسم کی آیات اور احادیث کو متشابہات کہتے ہیں انکی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔

فرقۂ مجسمہ اور مشبہہ اور کرامیہ اس قسم کی آیات اور احادیث کو ظاہری اور حسی معنی پر محمول کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ استواء علی العرش کے معنی تخت پر بیٹھنے کے ہیں اور جس طرح دنیا کا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اس گروہ کے نزدیک استواء کے معنی تمکن اور استقرار اور قعود کے ہیں ظاہر پرست اس قسم کے الفاظ کو ظاہری اور عرفی معنی میں لیکر خدا تعالیٰ کے لیے عرش (تخت) پر بیٹھنا ثابت کرتے ہیں۔

اہل حق اہل حق یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی عرش اور تخت پر یا کسی جسم پر متمکن اور مستقر ہو یعنی جس طرح کسی بادشاہ کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے یا ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا ہے مگر خدا تعالیٰ کو ایسا کہنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ اگر (۱) خدا تعالیٰ کسی جسم اور محل پر متمکن اور مستقر ہو تو اسکا مقداری ہونا لازم آئے گا کیونکہ جو چیز کسی جسم پر متمکن ہوتی ہے وہ یا تو اس سے بڑی ہوتی ہے یا چھوٹی ہوتی ہے یا برابر ہوتی ہے اور کمی اور بیشی اور مساوات کے ساتھ وہی شئے موصوف ہوسکتی ہے جو مقداری ہو اور اللہ تعالیٰ کمیت اور کیفیت اور مقدار سے پاک اور منزہ ہے۔ (۲) نیز جو چیز کسی مکان یا جہت میں ہوگی وہ محدود اور متناہی ہوگی اور اطراف اور جوانب میں محصور ہوگی اور جو محدود اور محصور ہے وہ مخلوق اور حادث ہے (۳) نیز خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ سو ان آیات کو اگر ظاہری معنی پر محمول کیا جائے کہ خدا کی ذات ہر مکان میں موجود ہے اور تمام آسمانوں اور زمینوں میں موجود ہے تو یہ آیتیں استواء علی العرش کی آیت کے معارض پڑیں گی اس لیے کہ جب خدا کی ذات آسمان اور زمین میں ہر جگہ موجود ہے تو عرش کی خصوصیت باطل ہوئی (۴) نیز حدیث میں آیا ہے ینزل اللّٰہ کل لیلۃ الی سماء الدنیا۔ خدا تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اگر اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو لازم آئیگا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کبھی عرش پر بیٹھتا ہے اور کبھی نیچے اترتا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ حق تعالیٰ نقل و حرکت سے پاک اور منزہ ہے (۵) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر

نمازی کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے کیا کوئی موحد اس بات کی جرأت کر سکتا ہے کہ اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کرے۔

معاذ اللہ کیا خدا تعالیٰ کبھی عرش پر بیٹھتا ہے اور کبھی آسمان دنیا پر اترتا ہے اور کبھی نمازی کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے جس کا اہل اسلام میں سے کوئی بھی قائل نہیں (۶) بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے حق تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس صراحۃً ثابت ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اپنی اپنی امتوں کو ایمان تنزیہی ہی کی دعوت دیتے چلے گئے ایمان تشبیہی و تمثیلی اور اسلام تجسیمی و مقداری کی کسی نبی نے دعوت نہیں دی۔ (۸) اور اسی پر تمام صحابہ و تابعین اور سلف اور خلف کا اجماع ہے (۹) اور خدا تعالیٰ کا مکان اور جہت سے پاک اور منزہ ہونا دلائل عقلیہ اور قطعیہ سے ثابت ہے (۱۰) اور شریعت کے مسلمات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی مکان ہے اور نہ کوئی زمان ہے اور نہ کوئی حد اور نہایت ہے اس خداوند قدوس کی ذات والا صفات مکان اور جہت اور سمت سے مبرا ہے اور کیوں نہ ہو کیونکہ مکان اور جہت کو اسی نے پیدا کیا ہے وہ مکان کے پیدا کرنے سے پہلے بغیر مکان کے تھا۔ بعد میں اس نے اپنی قدرت سے مکان اور جہت کو پیدا کیا پس جس صفت اور شان پر وہ مکان اور جہت کے پیدا کرنے سے پہلے تھا پیدا کرنے کے بعد بھی وہ اسی صفت اور شان پر ہے ہُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ

متشابہات میں سلف اور خلف کے مسلک کی تشریح

لہٰذا اس قسم کی آیات متشابہات جن سے مکان یا جہت یا تشبیہ اور تمثیل کا شبہ ہوتا ہو سلف اور خلف کے نزدیک بالاجماع ان سے ظاہری اور حسی معنی مراد نہیں اور کلام کو اپنے ظاہر سے ہٹانا اور پھیرنا اسی کا نام تاویل ہے کیونکہ تمام آیتیں اور حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ مکان اور جہت اور سمت سے پاک ہے اور یہ تمام کی تمام نصوص صریحہ اور قطعیہ ہیں اور محکمات ہیں اور شریعت کے مسلمات ہیں جن میں تاویل کی ذرہ برابر گنجائش نہیں اور آیات متشابہات جن سے مکان اور جہت کا شبہ ہوتا ہے وہ ظنی الدلالت ہیں لہٰذا ان میں تاویل کی جائے گی تاکہ قطعیات اور محکمات اور مسلمات کے مخالف نہ رہیں اور محکمات اور متشابہات میں جب بظاہر تعارض نظر آئے تو محکمات کا اتباع واجب ہے اور متشابہ کا اتباع زیغ ہے۔

تاویل اجمالی و تاویل تفصیلی

اب اس تاویل کے دو طور ہیں ایک اجمالی اور ایک تفصیلی اب اس کی تفصیل سنیئے!

تاویل اجمالی

تاویل اجمالی تو یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان آیات سے ظاہری اور حسی معنی مراد نہیں اور استوار علی العرش کا یہ مطلب نہیں کہ خدائے قدوس کی ذات مقدس عرش سے متصل اور اس سے ملاقی ہے اور اس پر متمکن اور جاگزیں ہے جس سے جسمیت لازم آئے۔ رہا یہ امر کہ پھر ان سے کیا مراد ہے سو اسکو حق تعالےٰ کے سپرد کیا جاتے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالےٰ نے جو کچھ ان سے مراد لیا ہے وہ حق ہے اور ہم بلا تشبیہ اور بلا تمثیل اور بلا کیفیت اللہ کی مراد پر ایمان لاتے ہیں یہ مذہب سلف صالحین اور فقہاء اور محدثین اور اصولیین محققین کا ہے جیسا کہ امام مالک رح سے منقول ہے کہ اُن سے کسی شخص نے استوار علی العرش کے معنی پوچھے اور سوال کیا کہ حق تعالےٰ عرش پر کیسے مستوی ہے اور اس کا استوار کیسا ہے تو امام مالکؒ نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی بنار پر) سر نیچے جھکا لیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے پھر سر اٹھایا اور فرمایا کہ استوار معلوم ہے اور کیفیت مجہول اور غیر معقول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس سے سوال کرنا بدعت ہے اور اے سائل تو بلا شبہ ایک بُرا آدمی اور بدعتی شخص ہے پھر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اسکو یہاں سے نکال دو اس پر آپ کے اصحاب نے اسکو نکال دیا۔

اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ شرح فقہ اکبر اور شرح قصیدہ بدء الامالی میں ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے اور امام مالکؒ کا مطلب یہ تھا کہ استوار کے معنی لغت میں معلوم ہیں عربی زبان میں لفظ استوار متعدد معنی کے لیے مستعمل ہوتا ہے مثلاً کبھی استقرار اور تمکن اور قعود کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی قصد اور ارادہ اور اقبال اور توجہ اور اکمال اور اتمام اور اعتدال اور استیلاء اور قہر اور غلبہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جس میں سے بعض معنی شان خداوندی کے مناسب ہیں اور بعض غیر مناسب اور حق تعالےٰ نے ہمیں اپنے معنی مرادی کی تعیین سے مطلع نہیں کیا پس ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ معنی مراد ہیں اور وہ معنی مراد نہیں اس لیے مذہب اسلم تفویض و تسلیم ہے کہ ان کی مراد کو اللہ کے سپرد کیا جائے پس استوار علی العرش جو قرآن سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے مگر اسی معنی کے اعتبار سے ایمان لانا واجب ہے جو خدا کی شان تنزیہ و تقدیس کے شایان ہوں ایسے معنی کے اعتبار سے استوار ثابت کرنا جس میں اجسام کی طرح خدا تعالےٰ کے لیے مکان اور محل لازم آئے یہ جائز نہیں اور خدا تعالےٰ کے لیے جس معنی کر استوار ثابت ہوگا اس میں کیفیت اور کمیت کا شائبہ بھی نہ ہوگا کیونکہ خدا تعالےٰ کمیت اور کیفیت سے پاک اور منزہ ہے۔ قرآن کریم میں نوح علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ۔ سو اس آیت میں استوار سے نوح علیہ السلام کا اور ان کے اصحاب کا کشتی میں سوار ہونا اور بیٹھنا مراد ہے تو کیا معاذ اللہ حق تعالیٰ شانہٗ کے حق میں استوار علی العرش سے عرش پر سوار ہونے اور بیٹھنے کے معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ اور امام مالکؒ کا یہ لفظ والکیف غیر معقول اس امر کی واضح دلیل ہے کہ بارگاہ خداوندی میں

استواء سے ظاہری اور عرفی معنی مراد نہیں جو لوگوں کی عقل میں آسکیں بلکہ ایسے معنی مراد ہیں کہ جو عقل اور ادراک سے بالا تر ہیں اور ظاہر ہے کہ استواء کے معنی جلوس اور قعود اور استقرار اور تمکن کے ایسے معنی ہیں کہ عامۃ الناس کی عقلیں بھی اسکو جانتی اور سمجھتی ہیں اس معنی کر استواء کو کیسے غیر معقول کہا جا سکتا ہے اور امام مالکؒ نے بیٹھنے اور سوار ہونے کے معنی کے لحاظ سے استواء علی العرش پر ایمان لانے کو واجب قرار نہیں دیا بلکہ اس معنی کر ایمان لانا واجب قرار دیا جو خداوند قدوس کی شان تنزیہ اور تقدیس کے لائق اور مناسب ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے ان آیات متشابہات کی تلاوت فرمائی صحابہ سن کر ان پر ایمان لائے اور بلا تشبیہ و تمثیل کے ان امور کو خدا تعالیٰ کے لیے ثابت کیا اور سُن کر خاموش ہوگئے اور کیفیت دریافت کرنے کے درپے نہ ہوئے اس لیے انکے بارہ میں سوال کرنا اور درپئے حقیقت و کیفیت ہونا یہ بدعت ہے۔

تاویل تفصیلی اور تاویل تفصیلی یہ ہے کہ جب ان متشابہات کو بوجہ آیات تنزیہ و تقدیس ظاہری اور حسی معنی پر محمول کرنا ناممکن ہوا تو ضرورت اس کی ہوئی کہ معنی مجازی کی تعیین کی جائے کہ جو اس آیت سے قواعد شریعت اور قواعد عربیت کے تحت رہ کر مراد لیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً استواء علی العرش سے علو اور ارتفاع کے معنی مراد لینا یا استیلاء و قہر اور غلبہ کے معنی مراد لینا اور مثلاً وجہ اور نفس سے ذات مراد لینا وغیرہ۔ یہ تاویل تفصیلی ہوئی یہ مذہب جمہور متکلمین کا ہے اور راسخین فی العلم وہ لوگ ہیں جو محکمات کو اصل قرار دیکر متشابہات میں تاویل کرتے ہیں اور جو شخص محکمات کو نظر انداز کر کے متشابہات کو ظاہری اور حسی اور عرفی معنی پر محمول کرے اور اسی کو حقیقت سمجھے تو یہ شخص زائغین میں سے ہے یعنی کج فہم اور جاہل ہے جس کو اپنی جہالت کی بھی خبر نہیں سلف اور خلف کا حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس پر ایمان ہے اور سب اس پر متفق ہیں کہ استواء اور نزول سے ظاہری اور حسی طور پر اترنا اور چڑھنا اور بیٹھنا مراد نہیں رہا یہ امر کہ پھر کیا مراد ہے۔ سو سلف نے معنی مرادی کو اللہ کے سپرد کیا اور خلف نے عوام کو تشبیہ اور تمثیل کے فتنہ سے بچانے کے لیے قواعد عربیت اور قواعد شریعت کے تحت ان متشابہات کے معنی بیان کیے اور محاورات عرب میں جو مجازات کثیر الاستعمال تھے ان پر متشابہات کو محمول کیا اب ہم اس بارہ میں حضرات متکلمین سے جو مختلف تاویلیں منقول ہیں وہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

تاویل اوّل استواء کے معنی علو اور ارتفاع کے ہیں اور استواء علی العرش سے علو مرتبت اور رفعت شانِ خداوندی کو بیان کرنا مقصود ہے امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح میں اسی تاویل کو اختیار فرمایا۔

امام ابوبکر بن فورکؒ فرماتے ہیں کہ استواء کے معنی علو اور ارتفاع کے ہیں مگر یہ علو۔ حاشا باعتبار مکان اور جہت کے اور باعتبار سمت کے اور مسافت کے نہیں بلکہ باعتبار شان اور مرتبہ کے ہے اور جس شخص نے استواء کو تمکن اور استقرار کے معنی پر محمول کیا اس نے غلطی کی۔ دیکھو مشکل الحدیث صفحہ ۱۴۶۔

تاویل دوم

قفال مروزیؒ فرماتے ہیں کہ استوار علی العرش کے معنی یہ ہیں کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ تمام کائنات کی تدبیر اور تصرف کی طرف متوجہ ہوا جیسا کہ سورۂ یونس میں ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ الآیۃ۔ سو اس آیت میں استوار علی العرش کے بعد تدبیر عالم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ تمام عالم میں مُدبّر اور متصرف وہی خالق سموات وارضین ہے اور وہی فی الحقیقت تمہارا رب ہے لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اسکی ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور عرش کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ کائنات عالم میں عرش سے بڑی کوئی مخلوق نہیں۔ عرشِ عظیم اس قدر عظیم ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اور خداوند ذوالجلال کی اوّل مخلوقات سے ہے اور اسکی شان شہنشاہی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔ تمام احکام اور تدابیر کا نزول عرش ہی سے ہوتا ہے استوار علی العرش سے دنیاوی بادشاہوں کی طرح ظاہری اور حسی طور پر تخت نشینی مراد نہیں بلکہ بطور کنایہ اپنی شاہنشاہی اور احکم الحاکمینی کو بیان کرنا ہے کہ آسمان و زمین پیدا کرنے کے بعد تمام کائنات میں اسکے مالکانہ اور شاہنشاہانہ تصرفات اور تدبیرات اور احکام جاری ہو رہے ہیں جیسا کہ سورۂ رعد میں استوی علی العرش کے بعد یدبّر الامر کا لفظ آیا ہے سو یہ جملہ استوار علی العرش کی تفسیر ہے اور اس آیت میں استوی علی العرش کے بعد یغشی الیل النہار کا لفظ آیا ہے۔ یہ بھی تدبیر اور تصرف اور اقتدار کامل بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب اور تمام ستارے سب ہی اسکے حکم کے سامنے مسخر ہیں اور اسکے علاوہ جہاں کہیں بھی استوی علی العرش کا ذکر آیا ہے سب جگہ اسکے بعد تدبیر اور تصرف ہی کا ذکر ہے گویا کہ بعد کی تمام آیتیں استوی علی العرش کی تفسیر ہیں۔ قفال مروزیؒ کے کلام کی مزید تفصیل درکار ہو تو امام رازیؒ کی تفسیر کبیر صفحہ ۲۷۴ جلد ۳ دیکھیں نیز تفسیر روح المعانی ص۱۱۸ ج۸ دیکھیں۔

تاویل سوم

امام ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ بعد ازاں عرش میں کوئی فعل اور تصرف فرمایا جس کا نام استوار رکھا اور قرینہ اسکا یہ ہے کہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے بعد ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کو بصیغۂ ماضی اور بلفظ ثمّ ذکر فرمایا ہے جو کلام عرب میں تراخی کے بیان کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے پس استوار کو فعل ماضی یعنی بلفظ اِسْتَوٰی لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق السموات والارض کی طرح یہ کوئی فعل خداوندی تھا اور لفظ ثم کلام عرب میں تراخی کے بیان کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ تراخی افعال ہی میں ہوتی ہے صفات خداوندی میں تراخی ممکن نہیں حق تعالےٰ کا ایک فعل دوسرے فعل سے متراخی اور مؤخر ہو سکتا ہے مگر یہ ناممکن ہے کہ ایک صفت دوسری صفت سے متراخی اور مؤخر ہو اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازلی ہیں۔

غرض یہ کہ استواء علی العرش سے حق جل شانہٗ کا کوئی فعل اور تصرف مراد ہے جو اس نے عرش میں کیا اور اسکا نام استواء رکھا جیسے اللہ تعالیٰ ہر شب میں آسمان دنیا میں کوئی فعل اور تصرف فرماتے ہیں جسکا اللہ نے نزول نام رکھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ینزل ربنا تبارک و تعالیٰ کل لیلۃ سماء الدنیا (ہر رات میں اللہ تعالیٰ سبحانہٗ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں) سو یہ نزول جسکا حدیث میں ذکر ہے معاذ اللہ یہ نزول جسمانی اور حسی نہیں کہ جس طرح ایک جسم بلندی سے پستی کی طرف اترتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح عرش سے آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اللہ تعالیٰ حرکت اور انتقال سے پاک اور منزہ ہے بلکہ نزول سے حق تعالیٰ کا کوئی فعل مراد ہے جسکا ظہور اور صدور بوقت شب ہوتا ہے مثلاً نزول رحمت مراد ہے یا نزول ملائکہ وغیرہ مراد ہے (روح المعانی ۱۱۸ ج ۸) اور حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ استواء علی العرش سے اللہ کی کوئی خاص تجلی مراد ہے یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے یعنی ظلمت شب۔ دن پر مثل پردے کے پڑ جاتی ہے اور دن اس سے چھپ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ دن کے بعد جب رات آتی ہے تو دن اس سے چھپ جاتا ہے گویا کہ دن نے اپنے اوپر ظلمت شب کا لباس پہن لیا ہے اور اسی طرح جب رات کے بعد دن آتا ہے تو رات غائب ہو جاتی ہے۔ حق جل شانہٗ نے اس آیت میں رات کے بعد دن کے آنے کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ تغشیہ دونوں طرف سے ایک دوسرے کا ہوتا ہے اس لیے کہ رات کے بعد دن کے آنے کا ذکر دوسری آیتوں میں فرما دیا ہے جیسے یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّھَارِ وَیُکَوِّرُ النَّھَارَ عَلَی الَّیْلِ۔ لیکن اس آیت میں صرف رات کے دن کو ڈھانک لینے کے ذکر پر اکتفا فرمایا کہ اسکا عکس اور ضد خود بخود سمجھ میں آجائے گی نیز اسی آیت میں حُمَید بن قیس کی قرارت میں اس طرح آیا ہے یَغْشَی الَّیْلُ النَّھَارَ۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ معناہ ان النھار یغشی الّیل (صفحہ ۲۲۱ جلد ۷) یعنی دن رات کو ڈھانپ لیتا ہے۔ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا۔ طلب کرتی ہے رات دن کو نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ یعنی رات دن کے پیچھے دوڑی چلی آتی ہے دن ختم ہوا تو فوراً رات آپہنچی اور رات ختم ہوئی تو فوراً دن آپہنچا درمیان میں ایک منٹ کا بھی وقفہ نہیں گویا کہ ایک، دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے چلا آرہا ہے۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِہٖ ؕ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور اسی نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا جو اس کے حکم کے تابع ہیں۔ جب وہ چاہتا ہے طلوع اور جب وہ چاہتا ہے غروب ہو جاتے ہیں۔ انکی سیر اور انکا رجوع اور انکی حرکت کی مقدار اور کیفیت سب اسکے حکم کے تابع ہے آگاہ ہو جاؤ یعنی اچھی طرح سن لو کہ پیدا کرنا اور بنانا اسی کا کام ہے اور اسی کا حکم اور فرمانروائی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی کا حکم جاری اور نافذ ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب قادر مطلق کے حکم سے ہو رہا ہے اور یہ اتفاقی اور طبعی امور نہیں، جیسا کہ ملاحدہ اور دہریہ کا گمان ہے۔ انتہائی بزرگی والا اللہ جو پروردگار ہے سب جہانوں کا اسکی عظمت اور جلال کی کوئی انتہا نہیں اور اس کے خزانے میں کسی چیز کی

کوئی کمی نہیں۔ پس اے لوگو جب تمکو معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت تمہارا رب وہ ہے جو تمام کائنات کا خالق اور ان میں مدبر اور متصرف ہے اور تمام کارخانہ اسی کے حکم سے چل رہا ہے لہٰذا تم ہر حالت اور ہر حاجت میں اپنے ایسے ہی پروردگار سے دعا کیا کرو عاجزی سے اور چپکے چپکے۔ یعنی دعا کا ادب یہ ہے کہ عاجزی اور فروتنی کے ساتھ ہو اور آہستہ آہستہ ہو معلوم ہوا کہ دعا میں اخفاء بہ نسبت جہر کے اولیٰ ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کے اوصاف میں بیان فرمایا ہے۔ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا۔ کہ اس نے اپنے پروردگار کو آہستہ اور چپکے سے پکارا۔ عطاءؒ کہتے ہیں کہ آمین ایک دعا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ دعا کا آہستہ اور خفیہ کرنا بہتر ہے اس لیے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں آمین آہستہ کہنا بہتر ہے اور جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مذہب ہے کیونکہ دعا میں اخفاء اقرب الی الادب ہے تحقیق اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو دعا میں حد ادب سے نکل جاتے ہیں مثلاً چلا چلا کر دعا مانگنا۔ یا مثلاً یہ دعا مانگنا کہ اے اللہ مجھکو جنت الفردوس کے دائیں جانب سفید محل عطا کر اس قسم کی دعائیں خلافِ ادب ہیں اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تلقین سے ملک کا حال درست ہو گیا تو اب انکی نافرمانی کر کے ملک میں فساد نہ کرو اور نہ خرابی مچاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کا اتباع اصلاح ہے اور اسکی مخالفت فساد اور خرابی ہے اور سب سے بڑا فساد کفر اور شرک کا ہے باقی ہر معصیت اپنے درجہ کے مطابق فساد اور خرابی ہے اور پکارو اسکو امید و بیم کے ساتھ یعنی قبول ہونے کی امید رکھو اور نہ قبول ہونے سے ڈرتے رہو۔ خلاصہ یہ کہ دعا اور عبادت خوف اور رجاء کے ساتھ ہونی چاہیئے بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے یعنی ثواب آخرت کے مستحق نیک ہی لوگ ہیں۔ بدکار اس سے دور رہیں گے۔

ذکر تصرفات خداوندی در عالم سفلی و ارضی

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے فلکیات اور علویات میں اپنی تدبیر اور تصرف کو بیان کیا اب ان آیات میں سفلیات اور ارضیات اور کائنات الجو میں اپنی تدابیر اور تصرفات کا ذکر کرتے ہیں کہ تمام علویات اور سفلیات میں وہی مدبر اور متصرف ہے اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے لہٰذا جو کچھ مانگنا ہے اسی سے مانگو۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ (اللہ) وہ ہے جو اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے بھیجتا ہے۔ باران رحمت کے نزول سے پہلے نرم نرم ہوائیں چلتی ہیں جو بارش کی آمد کی خوشخبری سناتی ہیں یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں پانی کے بوجھ سے بھاری بادلوں کو اٹھاتی ہیں تو ہم اس بادل کو ایک مردہ شہر یعنی مردہ اور خشک زمین کی طرف ہانک دیتے ہیں جو ایک عرصہ سے بارش نہ ہونے کی وجہ سے بے جان پڑی تھی۔ پھر ہم اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر ہم اس پانی سے ہر قسم کے پھل

زمین سے نکالتے ہیں یوں ہی ہم مردوں کو قبروں سے نکالیں گے شاید تم اس مشاہدہ سے نصیحت پکڑو کہ جو اللہ خشک اور بے جان زمین سے اس کو زندہ کر کے اس سے تر و تازہ پھل نکالتا ہے تو وہ مردوں کو جلانے پر قادر ہے جس طرح ہم اپنی قدرت کاملہ سے مردہ زمین کو زندہ اور سرسبز کر سکتے ہیں اسی طرح ہم قیامت کے دن تم کو بھی زمین سے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے مردہ انسان اور مردہ زمین کا زندہ کرنا سب یکساں ہے اور ہمارا یہ کلام ہدایت التیام اگرچہ مثل باران رحمت کے فیض رسانی میں یکساں ہے اسکی ذات میں کوئی فرق نہیں مگر جن قلوب کی زمینوں پر یہ بارش نازل ہوتی ہے وہ اپنی استعدادوں اور صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف ہیں جس طرح ہر زمین اپنی صلاحیت اور استعداد کے موافق بارش کا اثر قبول کرتی ہے اسی طرح ہر زمین قلب اپنے استعداد اور صلاحیت کے مطابق باران ہدایت کا اثر قبول کرتی ہے عمدہ اور پاکیزہ زمین جب اس پر مینہ برستا ہے تو خدا کے حکم سے اسکا سبزہ خوب نکلتا ہے اور جو زمین خراب ہے یعنی شور اور بنجر ہے سو اول تو اس میں سے کچھ نکلتا نہیں اور اگر نکلتا ہے تو سوائے ناقص اور خراب کے کچھ نہیں نکلتا۔ عمدہ اور پاکیزہ زمین سے مومن کا دل مراد ہے اور ناکارہ اور خراب زمین سے کافر مراد ہے اور قرآن کریم بمنزلہ باران رحمت اور آب حیات ہے یہ بارش جو مومن کی زمین دل پر برسی تو اس سے طرح طرح کے ثمرات و برکات کا ظہور ہوا اسنے قرآن کریم کے مواعظ سے خوب فائدہ اٹھایا اور کافر کی زمین دل شور تھی اس نے باران ہدایت کا کوئی اثر قبول نہیں کیا بلکہ اس میں سے کفر اور الحاد کے کانٹے اور جھاڑ جھنکاڑ ہی نکلے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ؎
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ہم اسی طرح نشانیاں بار بار ان لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں جو شکر کرتے ہیں اور نعمت ہدایت کی قدر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مردہ زمین کا زندہ کرنا اور ہر زمین سے الگ الگ نباتات کو اگانا یہ اس کی کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا

ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف تو بولا اے قوم بندگی کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

اللہ کی کوئی نہیں تمہارا صاحب اسکے سوا۔ میں ڈرتا ہوں تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ

ایک بڑے دن کے عذاب سے۔ بولے سردار اس کی قوم کے

إِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ

ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بہکا ہے۔ بولا اے قوم! میں

بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾

کچھ بہکا نہیں ہوں لیکن میں بھیجا ہوں جہان کے صاحب کا۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ

پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں اور جانتا ہوں

مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ

اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تم کو

ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا

نصیحت تمہارے رب کی طرف سے، ایک مرد کے ہاتھ تمہارے بیچ میں سے کہ تم کو ڈرسنائے اور تم

وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ

بچو، اور شاید تم پر رحم ہو۔ پھر اسکو جھٹلایا پھر ہم نے بچا لیا اس کو اور جو اس

مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ

کے ساتھ تھے کشتی میں اور غرق کیے جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

وہ لوگ تھے اندھے۔

قصۂ اوّل نوح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

قال تعالیٰ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ..... الٰی ... اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝

(ربط) اس سورت کے شروع میں حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور پھر اسی ذیل میں فتنۂ شیطان سے بچنے کی تاکید اکید فرمائی اور بعد ازاں اس عہد قدیم کو یاد دلایا کہ جو حق تعالیٰ نے اولادِ آدم سے عالم ارواح میں لیا تھا اب اسکے بعد دیگر حضرات انبیاء کرامؑ کے قصے بر عایت ترتیب بیان کرتے ہیں جو متعدد فوائد کو متضمن ہیں (اوّل) یہ کہ حضرات انبیاء سے سرکشی اور سرتابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں قدیم زمانہ سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ لوگ اپنے اپنے زمانے کے پیغمبروں کی تکذیب کرتے رہے (دوم) یہ کہ انبیاء کرام کے مخالفین کا انجام ہمیشہ خراب ہی رہا دنیا میں بھی خوار و ذلیل ہوئے اور آخرت کا عذاب اسکے علاوہ رہا۔ (سوم) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود اُمّی ہونے کے انبیاء سابقین کے واقعات اور حالات کو صحیح صحیح بیان کرنا یہ آپ کے ملہم من اللہ ہونے کی دلیل ہے بغیر وحی ربانی کے ہزارہا اور صدہا سال قبل کے واقعات کا علم عقلاً محال ہے۔

(۴) نیز یہ بتلانا ہے کہ آپ جو توحید اور رسالت اور قیامت کی تعلیم دے رہے ہیں۔ انبیاء سابقین بھی اپنی امتوں کو یہی تعلیم دیتے رہے جسکو انہوں نے نہ مانا تو انہوں نے اسکا خمیازہ بھی بھگتا۔

(۳) نیز گزشتہ آیات میں بنی آدم کو یہ خطاب فرمایا تھا۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ الآیۃ۔ اس لیے حسبِ وعدۂ سابق انبیاء کرام کے واقعات بیان فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بہت دنوں تک لوگ شریعت الٰہیہ پر قائم رہے ایک عرصہ کے بعد بت پرستی شروع ہوئی تو نوح علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے انکو اپنی قوم سے بہت تکلیفیں پہنچیں ساڑھے نو سو برس تک آپ انکو تبلیغ کرتے رہے اور وہ لوگ آپکی تکذیب کرتے رہے بالآخر اللہ پاک نے انکی قوم پر عذاب نازل کیا پانی کا طوفان بھیجا جس سے ایک کافر بھی جانبر نہ ہوسکا۔ صرف حضرت نوح علیہ السلام اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے وہ بچ گئے باقی سب ہلاک اور برباد ہوئے اور نوح علیہ السلام کی کشتی بنانے اور طوفان عام کے آنے کا مفصل قصہ انشاء اللہ سورۂ ہود میں آئیگا

نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور ساڑھے نو سو برس قوم کو تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ طوفان آیا اور سوائے اہل ایمان کے سب غرق ہوئے طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے یہاں تک کہ آبادی کثیر ہوگئی۔ (تفسیر قرطبی صفحہ ۲۳۳ ج ۷)

البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو انکی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تاکہ انکی باران موعظت سے دلوں کی زمین بقدر اپنی صلاحیت کے زندہ اور سرسبز اور شاداب ہوسکے پس نوح علیہ السلام غایت شفقت سے بولے اے میری قوم تم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ بت پرستی کو چھوڑ کر ہمہ تن اسی معبود برحق کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ تحقیق میں ڈر رہا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب

سے اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا بڑے دن سے قیامت کا دن مراد ہے یا طوفان کا دن مراد ہے۔ انکی قوم کے سرداروں نے جواب دیا اے نوح تحقیق ہم تجھ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں یعنی جو ہم کو بتوں کی پرستش سے چھڑاتا ہے اور صرف ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ تیری عقل ماری گئی۔ نوح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم مجھ میں ذرہ برابر گمراہی نہیں۔ گمراہی نے تو مجھے مَسّ[1] بھی نہیں کیا۔ معبود کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حیطۂ ادراک واحساس سے بالاتر اور برتر ہو اور اپنے پرستاروں کا تراشیدہ نہ ہو۔ و لیکن میں پروردگارِ عالم کا فرستادہ ہوں جس میں کسی قسم کی گمراہی کا احتمال اور امکان نہیں۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں تاکہ تم گمراہی سے نجات پاؤ اور محض تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اور عقل کا تقاضہ ہے کہ خیر خواہ کی بات کو سنا جائے خاص کر ایسا خیر خواہ جس میں اسکی کوئی دنیوی غرض نہ ہو اور علاوہ ازیں میں خدا کی طرف سے ان چیزوں کو جانتا ہوں جنکو تم نہیں جانتے یعنی مجھ پر وحی آتی ہے جس کے ذریعے مجھے آئندہ پیش آنے والے امور کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ منجملہ اسکے مجھے بذریعہ وحی کے یہ خبر دے دی گئی ہے کہ جو ایمان نہیں لائیگا اس پر عذاب الٰہی نازل ہوگا میں نے بحق خیر خواہی تمکو اس آنے والے عذاب سے خبردار کر دیا کیا تم میری نبوت و رسالت اور نزولِ وحی کے منکر ہو اور تم کو اس سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک مرد کی معرفت جو تمہاری ہی جنس میں سے ہے ایک نصیحت اور ہدایت آگئی۔ سو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جب تم آدمی ہو تو تمہارے ڈرانے کے لیے پیغمبر بھی آدمیوں میں سے ہی ہوگا۔ اگر فرشتوں میں سے پیغمبر ہوتا تو تم اسے دیکھ بھی نہ سکتے اس لیے تمہیں میں کا ایک مرد کامل۔ خدا کا پیغام لیکر تمہارے پاس آیا تاکہ وہ مرد تم کو عذاب الٰہی سے ڈرائے اور تاکہ تم اسکے ڈرانے سے ڈر جاؤ اور تقویٰ کو اختیار کرو۔ اور تاکہ تم پر مہربانی کی جائے۔ تقویٰ رحمت اور سعادت کا ذریعہ ہے کفار کی قدیم عادت ہے کہ وہ اپنے جیسے بشر کو وحی الٰہی اور رسالتِ خداوندی کا مستحق خیال نہ کرتے تھے۔ نوح علیہ السلام نے اسی اعتراض کے جواب میں یہ کہا مطلب یہ ہے کہ ارسالِ رُسُل سے مقصود انذار ہے اور انذار بشریت کے منافی نہیں پس منذر کے بشر ہونے سے تعجب کرنا حماقت ہے۔ تم لوگ وَدّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کی پرستش کرتے ہو اور باوجود حجریت کے ان کی الوہیت کے قائل ہو۔ حجریت (پتھر ہونا) تو الوہیت کے منافی نہ ہوئی عجیب بات کہ بشریت کو نبوت و رسالت کے منافی سمجھتے ہو۔ پس وہ لوگ باوجود اس ہدایت اور نصیحت کے انکی تکذیب پر جمے رہے اور برابر انکو جھٹلاتے رہے پس اس وقت ہم نے نوح علیہ السلام کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے وہ عذاب بھیجا جس کی انہوں نے پہلے خبر دے دی تھی اور نوح علیہ السلام کو اور انکے صحابہ کو جو کشتی میں انکے ساتھ تھے طوفان اور غرق سے بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور ہدایتوں اور

---

[1] یہ ترجمہ لَيْسَ بِي ضَلٰلَةٌ کی باکا ہے اس لیے کہ باء الصاق کے لیے ہوتی ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ

نصیحتوں کو جھٹلایا تھا ان سب کو طوفان میں غرق کر دیا تحقیق وہ لوگ دل کے اندھے تھے انکو حق اور باطل کا فرق نظر نہ آیا۔ زجاج کہتے ہیں کہ عَمِین سے مراد یہ ہے کہ وہ دل کے اندھے تھے نہ کہ آنکھوں کے انکو ایمان اور حق نظر نہ آیا یا یہ معنی ہیں کہ نزولِ عذاب سے اندھے تھے۔ مفصل قصہ انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ ہود میں آئیگا۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ

اور عاد کی طرف بھیجا انکا بھائی ہود۔ بولا اے قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا صاحب اس کے سوا

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۶۵ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ

کیا تم کو ڈر نہیں؟ بولے سردار جو منکر

كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ

تھے اس کی قوم میں ہم تو دیکھتے ہیں تجھ کو عقل نہیں اور

اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۶۶ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ

ہماری اٹکل میں تو جھوٹا ہے۔ بولا اے قوم میں کچھ

بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۷

بے عقل نہیں لیکن میں بھیجا ہوں جہان کے صاحب کا۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝۶۸

پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں معتبر۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ

کیا تمکو تعجب ہوا کہ آئی تمکو نصیحت تمہارے رب کی ایک مرد کے

مِّنۡكُمۡ لِيُنۡذِرَكُمۡ ؕ وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ

ہاتھ تمہارے بیچ میں سے کہ تمکو ڈر سنائے؟ اور یاد کرو کہ تم کو سردار کر دیا

مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ زَادَكُمۡ فِى الۡخَلۡقِ

پیچھے قوم نوح کے اور زیادہ دیا تم کو بدن میں

بَصۜۡطَةً ۚ فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَاۤءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾

پھیلاؤ سو یاد کرو احسان اللہ کا شاید تمہارا بھلا ہو۔

قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ وَنَذَرَ مَا

بولے کیا تو اس واسطے آیا ہم پاس۔ کہ بندگی کریں نری اللہ کی، اور چھوڑ دیں جنکو

كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ

پوجتے تھے ہمارے باپ دادے تو لے آ جو وعدہ دیتا ہے ہمکو اگر تو

مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدۡ وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ

سچا ہے۔ کہا تم پر پڑ چکی ہے تمہارے رب

رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوۡنَنِىۡ فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ

کے ہاں سے بلا اور غصہ کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے۔ کئی ناموں

سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا

پر کہ رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے انکی

مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ﴿۷۱﴾

کچھ سند سو راہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں۔

فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعۡنَا

پھر ہم نے بچا دیا اسکو اور جو اسکے ساتھ تھے۔ اپنی مہر سے اور کاٹی پچھاڑی

دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

انکی جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں اور نہ تھے ماننے والے۔

قصۂ دوم حضرت ہود علیہ السلام با قوم عاد

قال اللہ تعالیٰ وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا... الیٰ ... وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝

(ربط) اب دوسرا قصہ قوم عاد کا بیان کرتے ہیں یہ قوم طوفان نوح کے بعد ملک عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں آباد تھی۔ یمن میں ایک مقام احقاف تھا وہاں یہ لوگ رہتے تھے اور اس قوم کے لوگ بڑے قد آور اور تناور تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہود علیہ السلام اس قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے یہ قوم بت پرست تھی اور صنم تراشی میں ماہر تھے اور اس قوم کے لوگ نہایت سرکش اور ظالم تھے اور انکو اپنی قوت پر ناز تھا اور یہ کہا کرتے تھے کہ دنیا میں ہم سے زیادہ کوئی قوی نہیں۔ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ہود علیہ السلام نے انکو نصیحت کی اور شرک اور ظلم سے منع کیا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا مگر کچھ اثر نہ ہوا جسم کی طرح انکے دل بھی سخت تھے کچھ اقل قلیل لوگ ان پر ایمان لائے اور اکثروں نے انکی تکذیب کی اور ملک میں فساد برپا کیا اور شرارت حد سے گزر گئی تو اللہ تعالیٰ نے تین سال تک ان سے بارش کو روک لیا جس سے انکا ناک میں دم آ گیا اس زمانے میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب ان پر کوئی بلا یا مصیبت نازل ہوتی تو سب کے سب مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے مقام پر جمع ہو کر خدا تعالیٰ سے اس مصیبت کے دفعیہ کی دعا کرتے اس دستور کے مطابق یہاں کے لوگوں نے کچھ لوگوں کو مکہ معظمہ بھیجا کہ وہاں جا کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ قحط دور کرے اور پانی برسائے اس زمانے میں مکہ معظمہ میں عمالقہ کی قوم کے کچھ لوگ رہتے تھے ان دنوں عمالقہ کا سردار اور رئیس معاویہ بن بکر تھا یہ لوگ وہاں جا کر ٹھہرے معاویہ نے انکی خوب مہمانداری کی یہ قحط زدہ بھوکے جب وہاں پہنچے اور کھانے پینے کو خوب ملا تو دعا وغیرہ سب بھول گئے۔ ایک ماہ تک یہ لوگ اسکے یہاں پڑے رہے اور خوب شرابیں پیتے رہے جب معاویہ بن بکر نے دیکھا کہ یہ لوگ اسکے یہاں سے کسی طرح نکلتے ہی نہیں اور جس کام کے لیے انکی قوم نے بھیجا ہے اس سے بالکل غافل ہو گئے ہیں تو معاویہ بوجہ شرم کے خود تو کچھ کہہ نہ سکا مگر اس نے گانے والی چھوکریوں کو چند اشعار سکھا دیئے جنکا مطلب یہی تھا کہ "اے لوگو قوم عاد کے لیے دعا کرو شاید اللہ کی رحمت ان پر نازل ہو تم تو یہاں عیش و عشرت میں مبتلا ہو مگر قوم عاد کی حالت وہاں بہت خراب اور خستہ ہے" یہ سن کر وہ لوگ چونکے اور دعا کرنے کے لیے کعبہ کے سامنے حاضر ہوئے جا کر دعا کی اس وقت تین ابر نمودار ہوتے ایک سفید اور ایک سیاہ اور ایک سرخ پھر آسمان سے ایک

آواز آئی کہ اپنی قوم کے لیے ان تین بادلوں سے جس بادل کو چاہو اختیار کر لو۔ تو ان لوگوں نے اس خیال سے کہ سیاہ بادل میں پانی زیادہ ہوگا سیاہ کو اختیار کر لیا وہ بادل قوم عاد کی طرف چل دیا جب وہ بادل عاد کے قریب پہنچا تو اسے دیکھ کر خوش ہوئے اور سمجھے کہ بادل ہم پر پانی برسائے گا فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا۔ مگر وہ بادل درحقیقت مجسم قہر الٰہی تھا۔ جب انکے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ بادل تو آندھی ہے اسمیں سے آندھی نمودار ہوئی کہ آدمیوں کو اوپر لے جاتی تھی پھر انہیں سر کے بل زمین پر گرا دیتی تھی اور سر بدن سے ٹوٹ کر علیحدہ ہو جاتا تھا۔ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا۔ وہ آندھی ان لوگوں پر سات آٹھ دن رہی جس نے قوم عاد کا خاتمہ کر دیا۔ بڑے بڑے قد آور اور شہ زور ایسے پڑے تھے جیسے جڑ سے اکھڑے ہوئے درخت۔ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّ ثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ الاٰية۔ مگر مومنوں کو خدا تعالیٰ نے اس آندھی سے بچا لیا صرف حضرت ہود علیہ السلام اور انکے اصحاب اور اہل ایمان اس قہر الٰہی سے محفوظ رہے۔

(دیکھو تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۲۵ جلد ۲ وصفحہ ۲۲۶ ج ۲ و روح المعانی صفحہ ۱۴۰ ج ۸ وصفحہ ۱۴۱ ج ۸)

بعض علماء کہتے ہیں کہ اسکے بعد ہود علیہ السلام مکہ میں آکر آباد ہو گئے اور ڈیڑھ سو برس کی عمر میں یہیں انتقال ہوا اور مطاف کعبہ میں مدفون ہوئے۔ یہ تو عاد اولیٰ کا انجام ہوا اور اسی قوم کی دوسری شاخ ثمود ہے جسے عاد ثانیہ کہتے ہیں اسکا ذکر آئندہ آیات میں آتا ہے۔

تفسیر اور ہم نے قوم عاد کی طرف انکے برادری یا وطنی بھائی ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا ان آیتوں میں قوم عاد کا ذکر ہے جو عاد بن عوص بن ادم بن سام بن نوح کی طرف منسوب ہے۔ یہ ایک بڑی مغرور اور متکبر قوم تھی جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود بن عبداللہ بن رباح بن الخلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا یہ لوگ یمن کے مشہور ریگستان احقاف میں عمان اور حضرموت کے درمیان آباد تھے انہی کو عاد اولیٰ کہتے ہیں اور یہ قوم قوم نوح کے بعد سب سے پرانی قوم ہے انکے بعد ایک قوم عاد اور بھی ہوئی ہے جو عاد ثانیہ کے نام سے مشہور ہے جنکا قصہ اسکے بعد آئے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام اگرچہ ملت اور مذہب کے اعتبار سے اُس قوم سے بالکل جدا تھے مگر چونکہ نسب اور خاندان میں ان کے شریک تھے اس لیے حق تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو انکا بھائی کہا۔ اور تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہود علیہ السلام کی بعثت اپنی قوم تک محدود تھی عام نہ تھی جیسا کہ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ سے یہ بتلانا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فقط بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح سارے عالم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔ ہود علیہ السلام

نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تمکو چاہیئے کہ صرف ایک اللہ کی مثل خدا کے پرستار ہو جاؤ صرف ایک اللہ کی
عبادت کرو اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو یوں بے باکانہ کفر اور
شرک کر رہے ہو۔ انکی قوم کے سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تجھ کو بے عقلی اور بے وقوفی میں مبتلا دیکھتے ہیں۔
کہ تونے آباؤ واجداد کے دین کو ترک کر دیا جو عقلاء کا دین تھا اور اگر بالفرض ہم تجھ کو کمال عقل کے ساتھ
بھی موصوف دیکھتے تب بھی تیرا اتباع نہ کرتے اس لیے کہ ہم اپنے گمان اور خیال میں یہ سمجھتے ہیں کہ تو
جھوٹوں میں سے ہے یعنی تو جو ہم کو ایک خدا کے پوجنے کی دعوت دیتا ہے اور بتوں کی پرستش سے منع
کرتا ہے اور آبائی دین کی مخالفت کرتا ہے یہ تیری جہالت اور حماقت ہے اور یہ جو تو پیغمبری کا دعویٰ کرتا
ہے اس میں تو جھوٹا ہے ایک بشر کیسے نبی اور رسول ہو سکتا ہے اور تم جھوٹ موٹ ہمکو عذاب الٰہی سے
ڈراتے ہو۔ ہود علیہ السلام بولے اے قوم بحمدہٖ تعالیٰ مجھ میں تو ذرہ برابر بے عقلی اور بے وقوفی نہیں
بے وقوف تو تم ہو کہ اپنے خود تراشیدہ پتھروں کو اپنا معبود بنالیتے ہو لیکن میں تو جہانوں کے پروردگار
کی طرف سے پیغمبر ہوں تمہاری صلاح اور فلاح کا پیغام لیکر آیا ہوں اور خدا کا فرستادہ اور پیغامبر کبھی بے عقل
ہو ہی نہیں سکتا میں تمکو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں تاکہ تمہاری اصلاح ہو اور میں تمہارا

سچا خیر خواہ ہوں اور خدا کے پیغام میں امانت دار اور معتبر ہوں میری نصیحت اور خیر خواہی اور امانت اور دیانت تمکو بھی معلوم ہے کیا

اس کے بعد بھی تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہو اور تمکو اس سے تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار
کی جانب سے تم ہی میں کے ایک مرد کی زبانی ایک نصیحت اور ہدایت آئی تاکہ تمکو عذاب الٰہی سے ڈرائے
سو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ خدا تعالیٰ نے آدم اور ادریس اور نوح علیہم السلام پر وحی نازل کی جو
تمہاری ہی جنس سے تھے۔ اور عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے اور یاد کرو تم اللہ کے اس احسان کو کہ اس نے تم کو
قوم نوح کے ہلاک کرنے کے بعد انکا جانشین بنایا اور ان سے زیادہ تم پر انعام کیا کہ جسامت میں تمکو زیادہ
پھیلاؤ دیا کہ جسمانی قوت اور ڈیل ڈول اور تن توش میں تمکو ان سے زیادہ بنایا پس تم اللہ کی نعمتوں کو زیادہ
یاد کرو۔ اور زیادہ شکر کرو تاکہ تم زیادہ فلاح پاؤ اس لیے کہ ذکر اور شکر ہی فلاح اور نجات کا ذریعہ ہے
وہ لوگ جواب میں بولے اے ہود! کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم صرف ایک خدا کی بندگی
کریں اور ان بتوں کو چھوڑ دیں جنکی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کیا کرتے تھے۔ پس تو ہمارے پاس وہ
عذاب اور قہر لے آ جسکا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا کہ جب تمہاری
سرکشی اور ڈھٹائی یہاں تک پہنچ گئی ہے تو سن لو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب
نازل ہوا ہی چاہتا ہے جو عنقریب آکر تمہاری اس سرکشی اور ڈھٹائی کو ختم کر دے گا کیا تم مجھ سے ایسے
بے حقیقت ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں جن کی
کوئی حقیقت نہیں ہے جسکے بارہ میں اللہ نے کوئی دلیل اور سند نہیں اتاری یعنی واقع میں وہ معبود نہیں مگر

تم نے بلا دلیل انکا نام معبود رکھ لیا ہے پس اب تم نزول عذاب کے منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ اسکا منتظر ہوں پس چندے انتظار کے بعد عذاب آیا اور ہم نے ہود علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے یعنی مومنین تھے اپنی رحمت اور مہربانی سے عذاب سے بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انکی جڑ کاٹ دی یعنی انکو بالکل ہلاک کردیا اور وہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ان کی قساوت قلبی انتہا کو پہنچ چکی تھی یعنی اگر بالفرض وہ ہلاک بھی نہ ہوتے تب بھی وہ ماننے والے نہ تھے انکی سنگدلی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اسی لیے ہم نے بمقتضائے حکمت انکا خاتمہ ہی کردیا اور بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کر انکو پھینک دیا۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ کما قال تعالیٰ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا

اور ثمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح بولا اے قوم! بندگی کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ

اللہ کی کوئی نہیں تمہارا صاحب اسکے سوا، تم کو پہنچ چکی ہے دلیل

مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا

تمہارے رب کی طرف سے۔ یہ اونٹنی اللہ کی اس سے ہے تمکو نشانی سو اسکو چھوڑ دو

تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

کھاوے اللہ کی زمین میں اور اس کو ہاتھ نہ لگاؤ بری طرح

فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ

پھر تم کو پکڑے گی دکھ کی مار۔ اور وہ یاد کرو جب تم کو

خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ

سردار کیا عاد کے پیچھے اور ٹھکانہ دیا زمین میں

تَتَّخِذُونَ مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَّتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ

بناتے ہو نرم زمین میں محل اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر۔

بُيُوتًا ۚ فَاذْكُرُوٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ

سو یاد کرو احسان اللہ کے اور مت مچاتے پھرو زمین

مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ

میں فساد کہنے لگے سردار جو بڑائی رکھتے تھے اس کی

قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

قوم میں سے غریب لوگوں کو جو ان میں یقین رکھتے تھے

اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا

کیا تم کو معلوم ہے کہ صالح بھیجا ہے اپنے رب کا بولے ہم کو

بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا

جو اس کے ہاتھ بھیجا یقین ہے کہنے لگے بڑائی والے جو

اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ

تم نے یقین کیا سو ہم نہیں مانتے پھر کاٹ ڈالی اونٹنی

وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا

اور پھرے اپنے رب کے حکم سے اور بولے اے صالح! لے آ ہم پر

تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

جو وعدہ دیتا ہے اگر تو بھیجا ہے۔ پھر پکڑا ان کو

الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى

زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے۔ پھر الٹا پھرا

عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ

ان سے اور بولا اے قوم ! میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کا

وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور بھلا چاہا تمہارا لیکن تم نہیں چاہتے بھلا چاہنے والوں کا۔

قصۂ سوم حضرت صالح علیہ السلام باقوم ثمود

قال اللہ تعالیٰ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ... الیٰ ... وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝

(ربط) اب یہ تیسرا قصہ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا بیان فرماتے ہیں، ثمود۔ قوم عاد کے بعد ہوئے ہیں یہ لوگ عرب کے رہنے والے تھے مدینہ اور شام کے درمیان ان کا وطن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ۹ھ میں تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو راستہ میں انکے شہر اور مکانات پر سے گزر ہوا اور وہاں کچھ قیام کا بھی اتفاق ہوا لوگوں نے انکے کنوئیں سے پانی بھرا اور اس سے آٹا گوندھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی خبر ہوئی تو آپ نے یہ حکم دیا کہ جس قدر پانی بھرا گیا ہے پھینک دیا جائے پھر آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا اور اس کنوئیں کے قریب جاکر قیام کیا جہاں سے صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیتی تھی۔ اس کنوئیں سے آپ نے پانی پینے کا حکم دیا۔ یہ قوم نہایت مُرفِہُ الحال تھی مگر یہ بدنصیب بت پرست اور بدکار تھے اور علانیہ فواحش کے مرتکب تھے انکی ہدایت کے لیے اللہ تعالٰے نے صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو توحید اور احکامِ الٰہی کی دعوت دی تو انہوں نے امتحاناً ایک خاص معجزہ کا سوال کیا کہ اگر تم اس صخرہ (سنگِ سخت یعنی چٹان) سے ایک حاملہ اونٹنی نکال دو تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر دعا کی یکایک وہ پتھر ہلا اور پھٹا اور اس میں سے ایک حاملہ اونٹنی نمودار ہوئی جسکے شکم میں اس کا بچہ جنبش کرتا تھا اس معجزہ کے ظاہر ہونے پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور اکثر لوگ کفر پر قائم رہے پھر اس اونٹنی کے ایک بچہ پیدا ہوا حضرت صالح علیہ السلام نے لوگوں سے کہدیا کہ دیکھو اس اونٹنی کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تم پر عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ وہ اونٹنی نہایت قوی ہیکل اور ہیبت ناک تھی لوگوں کے جانور اسکو دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ جس دن وہ پانی پیتی اس دن کوئی جانور پانی نہیں پیتا تھا اور ایک دن اس کے پانی پینے کا مقرر تھا اور دوسرے دن اور لوگوں کے مواشی کا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ۔ جاننا چاہیئے کہ خدا کی قدرت کے اعتبار سے ماں کا بطن اور

صخرہ (چٹان) کا باطن سب برابر ہیں۔ جو خدا اپنی قدرت سے ایک انڈے میں سے چوزہ نکال سکتا ہے وہ پتھر میں سے اونٹنی بھی نکال سکتا ہے اسکی قدرت کے لحاظ سے چوزہ اور ناقہ سب برابر ہیں خوب سمجھ لو کہ ملاحدہ اور زنادقہ کے وسوسوں میں نہ پڑو۔

اس معجزے کو دیکھ کر جندع بن عمرو جو کہ رؤسار ثمود میں سے تھا وہ اور اس کے رفقار ایمان لے آئے اور بقیہ اشراف اور رؤسار اور اکثر لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ کفر اور عداوت میں اور شدید ہو گئے اور دشمنی پر تل گئے بالآخر لوگوں نے جوشش عداوت میں اس اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے اور اسکو ذبح کر ڈالا اونٹنی کے بچہ نے جب یہ حال دیکھا تو بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور جس پتھر سے صالح علیہ السلام کا ناقہ نکلا تھا وہ کشادہ ہو گیا وہ بچہ اس کے اندر گھس گیا اور غائب ہو گیا حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر ملی تو سخت ملول ہوئے اور قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارا وقت اب پورا ہو چکا ہے اب تم تین دن تک جو چاہو کر لو چوتھے دن تم پر عذاب آئے گا بعض لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ عذاب آنے سے پہلے ہی صالح کو مار ڈالا جائے کہ اگر یہ سچا ہے تو ہم سے پہلے مارا جائے اور اگر جھوٹا ہے تو اسکو اسکی ناقہ سے ملا دیا جائے۔ کما قال تعالیٰ تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔

چنانچہ انہوں نے جب یہ فعل کیا تو پنجشنبہ کی صبح کے وقت ان کے چہرے زرد ہو گئے اور جمعہ کے دن انکے چہرے سرخ ہو گئے اور شنبہ کے روز انکے چہرے سیاہ ہو گئے تین دن گزرنے کے بعد چوتھے روز بروز یکشنبہ ان پر عذاب اس طرح آیا کہ آسمان کی طرف سے ایک صَیْحَہ (چنگھاڑ یعنی ایک سخت ہولناک آواز آئی اور زمین کی طرف سے ایک رَجْفَہ (سخت زلزلہ) نمودار ہوا جس سے ایک دم میں سب کی جانیں نکل گئیں۔ کوئی شخص ان میں سے نہ بچا چھوٹا بڑا مرد عورت بوڑھے جوان بچے۔ سب کے سب مر کر رہ گئے سب اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے اس عذاب سے اس قوم میں کا صرف ایک شخص ابو رغال نامی بچا جو حرم میں رہ گیا تھا لیکن جب وہ حدود حرم سے باہر نکلا تو وہ بھی عذاب سے ہلاک ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۲۷ ج ۲ تا صفحہ ۲۲۹ ج ۲ ۔ و روح المعانی صفحہ ۱۴۵ ج ۸ تا صفحہ ۱۴۷ ج ۸)

قوم ثمود کی ہلاکت اور بربادی کے بعد صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مسلمان مکہ معظمہ آ کر مقیم ہو گئے اور وہیں صالح علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ثمود کی ہلاکت کے بعد انہیں بستیوں میں آباد رہے۔

تنبیہ قوم ثمود کی ہلاکت کے بارے میں اس جگہ تو رَجْفَہ کا لفظ آیا ہے یعنی ایک عظیم اور شدید زلزلہ آیا جس سے وہ ہلاک ہو گئے اور سورۂ ہود میں صَیْحَہ کا لفظ آیا ہے یعنی ایک چنگھاڑ اور سخت ہولناک آواز آئی جس سے انکے دل پھٹ گئے چنانچہ سورۂ ہود میں اس طرح آیا ہے

فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۔ اور سورہ الحاقہ میں لفظ طاغیہ آیا ہے۔ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ۔ سوان آیات میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں اس قوم پر نیچے سے یعنی زمین سے زلزلہ آیا اوپر سے یعنی آسمان سے ایک سخت ہولناک آواز آئی یا یوں کہو کہ اس زلزلہ ہی میں سخت آواز تھی جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور یہ دونوں باتیں انکی ہلاکت کا سبب بنیں اور لفظ طاغیہ جسکے معنی حد سے گزرنے والی چیز کے ہیں سو وہ دونوں باتوں کو شامل ہے زلزلہ کو بھی اور ہولناک آواز کو بھی (دیکھو روح المعانی ص ۱۴۳، ج ۸)

تفسیر اور قوم ثمود کی طرف ہم نے انکے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ صالح نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں انکی قوم نے ایک خاص معجزہ کی درخواست کی کہ آپ پتھر کی اس ٹھوس چٹان میں سے حاملہ اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں چنانچہ آپ نے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ خدا تعالیٰ نے انکی دعا سے ایسا ہی کر دیا کہ وہ پتھر پھٹا اور اس میں سے ایک بڑی اونٹنی نکلی (رواہ محمد بن اسحاق) صالح علیہ السلام نے قوم کو اول دعوت توحید دی اور بعد ازاں انکی فرمائش کے مطابق ایک معجزہ ظہور میں آیا جو ان کی نبوت کی دلیل تھی۔ اس فرمائشی معجزے کے ظہور کے بعد صالح علیہ السلام نے فرمایا اے قوم تحقیق تمہارے پروردگار کی طرف سے میری نبوت کی ایک واضح دلیل آچکی ہے وہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے میری نبوت کی ایک نشانی ہے جو بغیر نر اور مادہ کے ایک ٹھوس پتھر سے نکلی ہے اور کامل الخلقت ہے اور بغیر حمل اور بغیر تدریج کے ظاہر ہوئی ہے۔ اور میری دعا سے خدا تعالیٰ نے غیر معتاد طریقہ سے اسکو پتھر سے نکالا ہے پس تم اسکے حقوق کی رعایت کرو مثلاً خدا کی زمین میں مباح گھاس سے اسکو نہ روکو۔ غرض یہ کہ جس نشان کو تم نے خدا تعالیٰ سے خود مانگ کر حاصل کیا ہے اسکے ساتھ برائی سے نہ پیش آؤ ورنہ تمہاری خیر نہیں۔

نکتہ اس معجزہ میں اشارہ اس طرف تھا کہ جو خدا اپنی قدرت سے اور اپنے رسول کی دعا کی برکت سے ایک سخت چٹان میں حیات اور زندگی کے آثار پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح جو دل پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں۔ نبی کی دعا و برکت سے اور انکی متابعت سے ان میں بھی زندگی کے آثار نمایاں ہو سکتے ہیں۔ پس تم اس اونٹنی کو چھٹا چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے کھاتی اور چرتی پھرے کیونکہ یہ اونٹنی اللہ کی ہے اور یہ زمین اور گھاس بھی اللہ ہی کی ہے۔ تمہیں روکنے کا کوئی حق نہیں۔ اور تم اس کو برے ارادہ سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمکو دردناک عذاب آپکڑے گا۔ اس

یہ ہے کہ جو شخص اس درجہ سنگدل ہو کہ اللہ کی نشانی کو مٹانا چاہے وہ بلاشبہ دردناک عذاب کا مستحق ہے۔ اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ قوم عاد کے ہلاکت کے بعد تمکو انکا جانشین کیا۔ تاکہ اس حیات دنیویہ کو حیات اخرویہ کا ذریعہ بناؤ اور زمین میں تمکو ٹھکانہ دیا کہ اسکی نرم زمینوں میں تم محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں پتھروں میں سے گھر تراشتے ہو قوم ثمود بڑی مالدار اور خوشحال اور صناع تھی گرمیوں میں رہنے کے لیے نرم ریتوں میں گھر بناتے تھے اور جاڑوں کے لیے پہاڑوں میں پتھر کے گھر تراشتے تھے۔ پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ان کا شکر کرو۔ اور کم از کم زمین میں فساد تو نہ مچاتے پھرو۔ اور کفر اور شرک اور نبی کی مخالفت سے بڑھ کر کوئی فتنہ اور فساد نہیں انکی قوم کے سرداروں نے جو متکبر تھے اُن ناتواں اہل ایمان سے جو ضعیف اور ناتواں سمجھے جاتے تھے یہ کہا کہ کیا تمکو یہ یقین ہے کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے ہماری جانب پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اہل ایمان نے جواب میں کہا کہ انکی نبوت میں کوئی شبہ ہی نہیں۔ تحقیق ہم ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جو وہ منجانب اللہ دیکر بھیجے گئے تم مسئلہ ان کی نبوت کا نہ پوچھو وہ تو بالکل بدیہی ہے تم تو مسئلہ ایمان کا پوچھو اور ان پر ایمان لانے کی سوچو ہم تو ان کی ہدایتوں پر بے چون وچرا ایمان لا چکے ہیں چاہے اُنکی باتیں ہماری عقلوں میں آئیں یا نہ آئیں۔ جو لوگ متکبر اور سرکش تھے وہ بولے کہ ہم ان تمام چیزوں کے جن پر تم ایمان اور اعتقاد رکھتے ہو ہم اسکے کافر اور منکر ہیں۔ ہم نہ انکی نبوت ورسالت کو مانتے ہیں اور نہ انکے اس معجزہ یعنی ناقہ کے معجزہ کو مانتے ہیں اور نہ اسکو مانتے ہیں کہ ناقہ کو مار ڈالنے سے کوئی عذاب آجائیگا پھر انہوں نے صلاح اور مشورہ کرکے اس اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے اور خدا تعالےٰ کے حکم سے سرکشی کی اور صالح علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور کہا اے صالح تو اس عذاب کو لے آجسکا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو واقعی رسولوں میں سے ہے اور تیرا گمان یہ ہے کہ خدا اپنے رسولوں کی، دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرتا ہے پس جب ان کی جرأت اس درجہ پہنچ گئی کہ خدا کے پیغمبر کا برملا مذاق اڑانے لگے تو غیرت خداوندی جوش میں آگئی اور ایک زلزلہ نے ان کو آپکڑا نیچے سے ایک زلزلہ آیا اور اوپر سے ایک صَیْحَۃ (چنگھاڑ یعنی سخت آواز) آئی جس سے سب کا دم نکل گیا۔ پس صبح کے وقت اپنے گھروں میں اپنے گھٹنوں پر اوندھے پڑے ہوئے تھے یعنی جب صبح ہوئی تو جو جہاں تھا وہیں اپنے گھٹنوں پر مرا پڑا تھا۔ پس صالح علیہ السلام نے انکے مرنے کے بعد ان سے منہ پھیرا اور ان مردودوں سے بطور ملامت یہ کہا اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری پوری خیرخواہی کی لیکن تم خیرخواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ اپنے ناصح کی ایک نہ سُنی بالآخر یہ روز بد دیکھا صالح علیہ السلام کا اپنی قوم سے ہلاکت کے بعد یہ خطاب ایسا تھا جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر سے کہا تھا هل وجدتم ما وعد ربكم حقا۔ مقصود اس سے دوسروں کو سُنانا تھا۔ تاکہ ماننے والوں کے ایمان میں زیادتی ہو اور دوسرے لوگ عبرت پکڑیں

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا
اور لوط کو بھیجا جب کہا اپنی قوم کو کیا کرتے ہو بے حیائی؟ تم سے
سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ
پہلے نہیں کی یہ کسی نے جہان میں۔ تم تو
لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ
دوڑتے ہو مردوں پر شہوت کے مارے عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم لوگ
قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ
حد پر نہیں رہتے۔ اور کچھ جواب نہ دیا اسکی قوم نے مگر یہی
قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ
کہا نکالو ان کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں
يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖؗ كَانَتْ
ستھرائی چاہتے۔ پھر بچا دیا ہم نے اسکو اور اسکے گھر والوں کو مگر اسکی عورت رہ گئی
مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ
رہنے والوں میں۔ اور برسایا ان پر برساؤ پھر دیکھ آخر
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾
کیسا ہوا حال گنہ گاروں کا۔

قصہ چہارم حضرت لوط علیہ السلام با قوم او

قال اللہ تعالیٰ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ ... الیٰ ... فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ
(ربط) یہ چوتھا قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور شہر

سدوم کے رہنے والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے یہ شہر شرق اردن کے علاقہ سے قریب ہے یہ لوگ بت پرست اور نہایت بدکار تھے لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتے تھے۔ یہی بدبخت قوم اس ناپاک عمل کی موجد تھی ان سے پہلے دنیا کی کسی قوم نے یہ خبیث فعل نہیں کیا تھا اور یہ لوگ لٹیرے بھی تھے تاجروں کو لوٹ لیتے تھے اور بے حیا اس قدر تھے کہ بھری مجلسوں میں بے حیائیوں کے مرتکب ہوتے حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا اور اس بدکاری اور بے حیائی سے منع کیا۔ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ مگر بدنصیبوں نے کچھ نہ سنا تب ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور چند فرشتے حسین لڑکوں کی صورت میں بن کر حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان ہوئے جب انکی قوم کو یہ خبر ہوئی تو لوط علیہ السلام کا مکان آکر گھیر لیا اور اُن سے کہا کہ اپنے مہمانوں کو ہمارے حوالہ کرو۔ لوط علیہ السلام نے کہا کہ ایسا ظلم نہ کرو میری لڑکیاں موجود ہیں ان سے نکاح کر لو مگر میرے مہمانوں کو نہ ستاؤ انہوں نے بالکل نہ مانا تب فرشتوں نے کہا اے لوط! تم گھبراؤ نہیں ہم خدا کے فرشتے ہیں انہیں غارت کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنے تمام کنبے کو اور مسلمانوں کو لیکر نکل جاؤ چنانچہ وہ نکل گئے مگر انکی بیوی جو کافرہ تھی وہ پیچھے رہ گئی اور عذاب میں مبتلا ہوئی حسب وعدۂ خداوندی صبح کے وقت اس قوم پر یہ عذاب آیا کہ وہ تمام بستیاں الٹا دی گئیں اور پھر اوپر سے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑا اور آسمان کی طرف لے جا کر انکو اوپر سے نیچے گرایا پھر اوپر سے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا یہ قصہ انشاءاللہ تعالیٰ سورۂ ہود میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

تفسیر اور ہم نے لوط علیہ السلام کو انکی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے آپ کا نسب نامہ یہ ہے لوط بن ہاران بن تارخ جب اس نے اپنی قوم اہل سدوم سے کہا جنکی طرف وہ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو قباحت میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ جس کو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ اس گناہ کے تم ہی موجد ہو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں (یعنی لڑکوں) کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ تمہارا مقصود صرف شہوت رانی ہے نسل اور اولاد تمہارا مقصود نہیں نسل کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پیدا کیا ہے کہ مرد اوپر ہوں اور عورتیں نیچے اور تم نے جو طریقہ اختیار کیا وہ سراسر خلاف فطرت ہے بلکہ تم حد سے نکل جانے والی قوم ہو۔ یعنی صرف اتنا ہی نہیں کہ تم اس فعل سے گناہ یا غلطی کے مرتکب ہو رہے ہو بلکہ تمہارا یہ خلاف فطرت فعل اسکی دلیل ہے کہ تم انسانیت کی حدود سے بھی باہر نکل چکے ہو اور اس نصیحت کے بعد ان کی قوم کا جواب اسکے سوا کچھ نہ تھا کہ بعض بعض سے کہنے لگے کہ لوط علیہ السلام اور انکے پیروؤں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں کہ ہم کو گندہ بتلاتے ہیں یعنی یہ لوگ جب اپنی پاکی کے مدعی ہیں تو ہم ناپاکوں میں ان پاکوں کا کیا کام انکو یہاں سے نکال دو۔ خیر وہ ملعون تو کیا نکالتے خدا تعالیٰ نے

حضرت لوط علیہ السلام اور انکے اصحاب کو عزت اور راحت کے ساتھ صحیح وسالم ان بستیوں سے نکال لیا اور ان نکالنے والوں پر عذاب مسلط کر دیا۔ پس جب انکے تمسخر کی نوبت یہاں تک پہنچی تو ہم نے لوط کو اور انکے متعلقین کو عذاب سے بچایا مگر انکی بیوی ان لوگوں میں رہ گئی جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا اور دوسری جگہ یہ آیا ہے کہ وہ بستیاں الٹ دی گئیں اور پتھروں کا مینہ ان پر برسایا گیا کما قال تعالیٰ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ۔ چونکہ ان لوگوں نے بھی عالی (مرد) کو سافل بنایا اور نیچے لٹا کر اس سے لواطت کی اس لیے اس فعل شنیع کی سزا میں پوری بستی کو زیر وزبر تہہ و بالا کیا گیا اسی بنا پر ان بستیوں کو مؤتفکات کہتے ہیں اسی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ اسکو کسی بلند مقام پہاڑ یا منارہ وغیرہ سے گرا دیا جائے یا اسے سنگسار کیا جائے اور اوپر سے پتھر مارے جائیں تا آنکہ وہ مر جائے جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ کیا گیا اور بعض علماء کے نزدیک اس کی سزا مثل زنا کے ہے کہ اگر لوطی محصن ہے تو رجم یعنی سنگسار کیا جائیگا اور اگر محصن نہیں تو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور بعض علماء کے نزدیک صرف قتل کر دینا کافی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تم کسی کو قوم لوط جیسا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو۔ (رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۱ ج ۲) اور اسی طرح یہ فعل عورتوں کے ساتھ بھی بالاجماع حرام ہے۔ پس اے دیکھنے والے دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا خراب ہوا اس لیے فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ لواطت کی حرمت زنا کی حرمت سے کہیں زیادہ شدید ہے اس لیے لواطت کی سزا حنفیہ کے نزدیک زنا کی سزا سے بڑھ کر ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ

اور مدین کو بھیجا ان کا بھائی شعیب۔ بولا اے قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ

بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا صاحب اسکے سوا پہنچ

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا

چکی تم کو دلیل تمہارے رب کی طرف سے سو پوری

الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

کرو ماپ اور تول اور مت گھٹا دو لوگوں کو

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

ان کی چیزیں اور مت خرابی ڈالو زمین میں اسکے سنوارے پیچھے

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا

یہ بھلا ہے تمہارا اگر تم کو یقین ہے ۔ اور مت بیٹھو

بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

ہر راہ پر ڈرا تے ، اور روکتے اللہ کی راہ

اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا

سے اس کو جو کوئی یقین لاوے اس پر اور ڈھونڈتے اسمیں عیب اور وہ یاد کرو

اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

جب تھے تم تھوڑے پھر تمکو بہت کیا اور دیکھو آخر کیسا ہوا ہے

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ

حال بگاڑنے والوں کا ۔ اور اگر تم میں ایک فرقہ نے

اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا

مانا ہے جو میرے ہاتھ بھیجا ، اور ایک فرقے نے نہیں تو

فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

صبر کرو جب تک اللہ فیصلہ کرے ہمارے بیچ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ۔

قصۂ پنجم شعیب علیہ السلام با قوم او

قال تعالیٰ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ... .. الیٰ .... وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ٥

(ربط) یہ پانچواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے جو قوم لوط کی تباہی کے بعد پیش

آیا حضرت شعیب علیہ السلام مدین کی طرف مبعوث ہوئے۔ مدین اصل میں حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے کا نام ہے جو ملک عرب میں آکر آباد ہو گئے تھے انکی نسل کے لوگ اس جگہ رہتے تھے اس لیے اس بستی کو یا اس قبیلہ کو مدین کہا جاتا ہے مدین کا اطلاق قبیلہ اور شہر دونوں پر آتا ہے اور یہ قبیلہ حجاز میں شام کے قریب آباد تھا یہ حجاز کا آخری حصہ ہے اسی قبیلہ میں سے اللہ تعالےٰ نے شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت شعیبؑ کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ آپ نہایت فصیح اللسان اور بلیغ البیان تھے۔ اس لیے اس لقب سے ملقب ہوئے۔ محمد بن اسحاق نے انکا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم۔ یہ وہی شعیب علیہ السلام ہیں جنکے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر آئے تھے اور دس برس ان کے پاس رہے اور انکی صاحبزادی سے نکاح ہوا پھر مصر کی طرف واپس ہوئے اور راستہ میں کوہ طور کے قریب اللہ کی تجلی دیکھی اور نبوت ملی۔

مدین کے لوگ بڑے شریر اور بت پرست تھے ماپ تول میں کمی کرتے تھے اور معاملات میں دغابازی انکا عام دستور تھا، راہزن تھے راستہ چلنے والوں کو لوٹ لیتے تھے اور کھوٹے سکے چلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے انکی ہدایت کے لیے شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہ راست کی طرف بلایا توحید کی دعوت دی اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی انکو تعلیم دی تو ان لوگوں نے یہ ناشائستہ جواب دیا کہ ہم آپکو اور آپ کے متبعین کو اپنے شہر سے نکالدیں گے نہیں تو آپ ہمارے مذہب میں آجائیے۔ شعیب علیہ السلام نے انکو بہت سمجھایا۔ بہت تھوڑے سے لوگ ان پر ایمان لائے اور اکثر اپنے اعمال بد پر مُصر رہے بالآخر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا جس سے وہ سب ہلاک ہو گئے اس جگہ اللہ تعالےٰ نے یہ بتلایا۔ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ یعنی اس قوم کو ایک عظیم زلزلہ نے پکڑ لیا جس سے وہ اوندھے منہ گر کر مر گئے اور دوسرے مقام پر یہ ہے فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ یعنی انکو ایک سخت اور تاریک دھوئیں نے پکڑ لیا اس قوم پر جب عذاب کا وقت قریب آیا تو اللہ نے ان پر ایک سخت اور تاریک دھواں اٹھایا جس کی گرمی اور ظلمت نہایت مہیب تھی اس دھوئیں کو اللہ تعالےٰ نے ظلّہ سے تعبیر کیا ہے یعنی انکو بادل والے عذاب نے پکڑ لیا جس میں آگ تھی۔ اور تیسری جگہ یہ آیا ہے وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ۔ ان ظالموں کو ایک سخت عذاب اور ہولناک آواز نے آپکڑا سو جاننا چاہیئے کہ ان تینوں عذابوں میں کوئی تعارض نہیں زمین سے ایک زلزلہ آیا جس میں ہیبت ناک آواز تھی اور آسمان کی طرف سے ایک ابر آتشیں آیا اس میں دھواں اور چنگاریاں اور بھڑکتی ہوئی آگ اور لپیٹ تھی جب اس طرح اوپر اور نیچے سے عذاب آیا تو سب کا دم نکل گیا اور اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور اللہ نے دکھلا دیا کہ جو لوگ رسول کو شہر سے نکالنے کا ارادہ کر رہے تھے وہ سب کے سب نہایت ذلت وخواری سے تباہ ہو گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام اور انکے متبعین اس عذاب سے محفوظ رہے (دیکھو تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۳۲ ج ۲)

تنبیہ قرآن کریم میں کسی جگہ حضرت شعیب علیہ السلام کا اہل مدین کی طرف مبعوث ہونا آیا ہے اور کسی جگہ اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہونا آیا ہے اسلئے بعض علماء دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں دونوں الگ الگ ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دو قبیلوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا مدین کے قریب گنجان درختوں سے گھری ہوئی ایک آبادی تھی جسکا نام ایکہ تھا اور شرک اور بت پرستی اور تول لینے اور ناپنے میں کمی کرنے کی بیماری میں دونوں شریک تھے شعیب علیہ السلام اوّل اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے اور انکے ہلاک ہونے کے بعد اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہوئے اور سورۂ فرقان و سورۂ قاف میں اصحاب الرس کا لفظ آیا ہے کہ شعیب علیہ السلام اصحاب رس کی طرف مبعوث ہوئے یہ کنوئیں والے اہل مدین اور اصحاب ایکہ کے علاوہ کوئی جدا قبیلہ ہے اس لیے بعض علماء کا یہ قول ہے کہ شعیب علیہ السلام تین قبیلوں کی طرف مبعوث ہوئے اور قرآن کریم میں جو قوم شعیب کے لیے تین عذابوں کا ذکر آیا ہے۔ رَجفَہ، صَیحَہ اور ظلہ یہ تین قسم کے عذاب تین قبیلوں کے لیے علیحدہ علیحدہ تھے۔ یا سب پر یہ تینوں عذاب نازل ہوئے اس لیے کہ شرک اور بت پرستی اور بدمعاملگی کا مرض سب میں مشترک تھا واللہ اعلم (دیکھو روح المعانی ص ۱۵۳ ج ۸)

تفسیر اور اہل مدین کی طرف ہم نے انکے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے جو قطورہ کے بطن سے تھا۔ جہاں اس نے سکونت اختیار کی تھی وہاں رفتہ رفتہ ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ اور وہ شہر مدین ہی کے نام سے مشہور ہو گیا تھا یہ شہر حجاز عرب میں کوہ سینا کے جنوب مشرق میں بحر قلزم کے کنارے سے کسی قدر فاصلہ پر واقع تھا اب وہ بالکل ویران اور غیر آباد ہے البتہ اسکے کھنڈرات اور نشانات اب تک موجود ہیں خدا تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو اس شہر کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا حضرت شعیب علیہ السلام نے انکو نصیحت کی کہا اے قوم اللہ کی بندگی کرو اسکے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے میری نبوت کی نشانی آچکی ہے یعنی میرے معجزات تم دیکھ ہی چکے ہو اور یہ سمجھ چکے ہو کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں پس جو حکم دوں اسکی اطاعت کرو۔ پیمانہ اور ترازو کو پورا رکھو اور ناپ تول میں لوگوں کو چیزیں کم نہ دو اور ملک میں درستی کے بعد خرابی نہ ڈالو۔ یعنی دین خداوندی کی مخالفت نہ کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے یعنی توحید اور ناپ تول میں عدل دین و دنیا میں تمہارے لیے نافع ہے۔ اگر تم کو آخرت اور میری نبوت کا یقین ہے اور نہ بیٹھو ہر راہ پر کہ چلنے والوں کو ڈراؤ اور جو اللہ پر ایمان لائے ہیں انکو اللہ کی راہ سے روکو اور اللہ کی راہ میں کجی نکالو ان لوگوں کی عادت تھی کہ دو دو چار چار اشخاص راستوں پر بیٹھ جاتے تو راہ گیروں کو ڈراتے دھمکاتے اور جو انکے پاس ہوتا وہ ان سے چھین لیتے اور جو شخص شعیب علیہ السلام کے پاس جانا چاہتا اس سے کہتے کہ جس کے پاس تو جانا چاہتا ہے وہ جھوٹا ہے اور خدائی مذہب کے متعلق نکتہ چینی اور عیب جوئی کرتے اور طرح طرح کے شبہات نکالتے اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے

کہ مذہب کا راستہ سیدھا نہیں بلکہ ٹیڑھا ہے اور یاد کرو اس وقت کو کہ تم بہت تھوڑے تھے پھر اللہ نے تمکو کثرت بخشی تو اسکا شکر کرو اور دیکھ لو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ لہٰذا تم کو چاہیئے کہ خدا کی نعمتوں پر مغرور نہ ہو بلکہ خدا کی گرفت سے ڈرتے رہو قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود اور قوم لوط کے حالات سے عبرت پکڑو کہ ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کی تو کس طرح ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور اگر تم میں سے ایک فریق ان باتوں پر ایمان لے آیا ہے جنکے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک فریق ایمان نہیں لایا تو ذرا صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے یعنی حق تو یہ تھا کہ تم سب حق پر متفق ہو جاتے لیکن جب تم نے اختلاف ہی کی ٹھان لی تو فیصلہ کا انتظار کرو کہ منجانب اللہ آسمان سے میرے اور تمہارے اختلافات کا فیصلہ ہو جاتے کہ عذاب الٰہی سے تم کافر تو ہلاک ہو جاؤ اور ہم مسلمان نجات پا جائیں اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اسکے فیصلہ میں نہ ظلم کا امکان ہے اور نہ اسکے فیصلہ کو کوئی رد کر سکتا ہے۔

الحمد للہ آٹھویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی
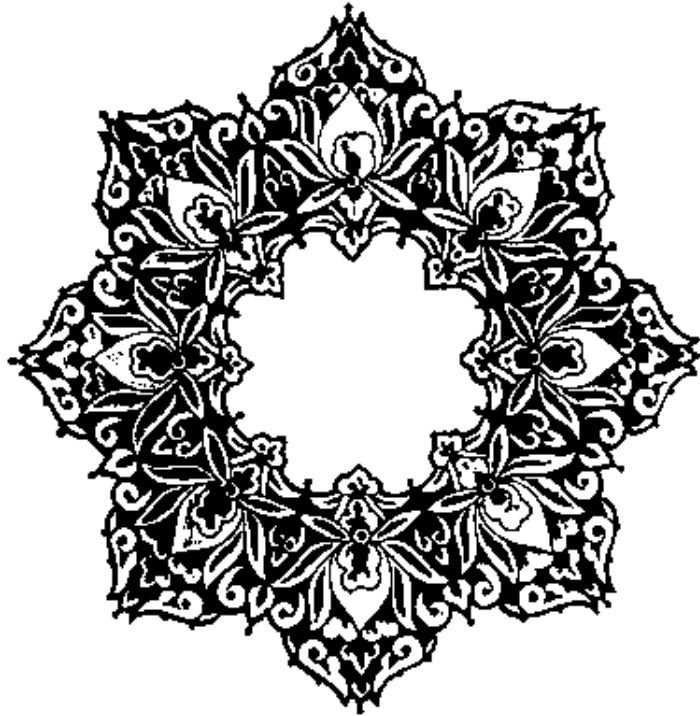
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
بولے سردار جو بڑائی رکھتے تھے اس کی قوم کے

لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ
ہم نکال دیں گے اے شعیب تجھ کو اور جو یقین لاتے ہیں تیرے ساتھ

قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا
اپنے شہر سے یا تم پھر آؤ ہمارے دین میں۔ بولا کیا ہم بیزار ہوں تو

كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا
بھی؟ ہم نے جھوٹ باندھا اللہ پر اگر پھر آویں

فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ
تمہارے دین میں جب اللہ ہم کو خلاص کرچکا اس سے۔ اور ہمارا کام نہیں

لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ
کہ پھر آویں اس میں مگر کبھی اللہ چاہے رب ہمارا ہمارے

رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ
رب کی سمائی میں ہے سب چیز کی خبر۔ اللہ پر ہم نے بھروسا کیا ہے۔ اے رب فیصلہ

بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ
کر ہمارے اور ہماری قوم کے بیچ انصاف کا اور تو ہے بہتر

الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
فیصلہ کرنیوالا۔ اور بولے سردار جو منکر تھے اس کی

قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾
قوم کے اگر چلے تم شعیب کی راہ بے شک تو تم خراب ہوئے۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ﴿۹۱﴾

پھر پکڑا انکو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے

الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡهَا ۚۛ

جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو جیسے کبھی نہ رہے تھے وہاں۔

اَلَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا کَانُوۡا هُمُ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۹۲﴾

جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی ہوئے خراب۔

فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَقَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسٰلٰتِ

پھر الٹا پھرا ان سے اور بولا اے قوم! پہنچا چکا تمکو پیغام اپنے رب

رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَکُمۡ ۚ فَکَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ کٰفِرِیۡنَ ﴿۹۳﴾

کے اور بھلا چاہا تمہارا اب کیا غم کھاؤں؟ نہ ماننے لوگوں پر۔

بقیہ قصۂ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ ... الٰی ... فَکَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ کٰفِرِیۡنَ

شعیب علیہ السلام کے قوم کے متکبر سرداروں نے جواب دیا کہ اے شعیبؑ ہمیں صبر کرنے کی اور فیصلہ کی انتظار کی ضرورت نہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو تم پر غلبہ دیا ہے اور ہم کو تمہارے نکالنے کی قدرت دی ہے۔ اے شعیبؑ یاد رکھو ہم تجھ کو اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں انکو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آجاؤ۔ تو پھر ہم تم سے۔ کوئی تعرض نہ کریں گے یہ بات حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھیوں کے اعتبار سے ہے کہ جو شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے سے پہلے کفر کے طریقہ پر تھے اور کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے تھے باقی خود حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ معاذ اللہ وہ پہلے ملت کفار میں داخل تھے۔ پھر مسلمان ہوتے اس لیے کہ انبیاء کرام ابتدائے ولادت ہی سے کفر اور شرک سے معصوم ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص نبوت سے پہلے کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث ہو اور بعد میں نبی بنا دیا گیا ہو بہر حال یہ خطاب

تغلیبی ہے۔ عام مؤمنین کے اعتبار سے یہ الفاظ استعمال کیے گئے یا یوں کہو کہ یہ لفظ انکے حق میں کفار کے زعم کے مطابق کہا گیا کیونکہ بعثت سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام نے دعوت وتبلیغ شروع نہ کی تھی اس لیے انکی خاموشی اور سکوت سے اہل مدین یہ سمجھے کہ یہ ہمارے ہی دین اور مذہب پر ہیں یا یوں کہو کہ لَتَعُوْدُنَّ میں۔ عود سے مطلق صَیر ورت (ہو جانے) کے معنی مراد ہیں یعنی تم ہمارے ہم مذہب بن جاؤ۔ شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے دین میں داخل ہو جائیں۔ اگرچہ ہم تمہارے دین سے ناخوش اور بیزار ہوں یعنی دلیل اور حجت اور چشم بصیرت سے ہم پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ جن کفریات میں تم مبتلا ہو وہ سمّ قاتل ہیں پھر جان بوجھ کر یہ زہر کا پیالہ کیسے پی لیں بالفرض اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہو جائیں بعد اسکے کہ اللہ ہم کو اس سے نجات دے چکا ہے تو ضرور ہم نے اللہ پر بہتان باندھا یعنی اگر ہم تمہارے دین میں شامل ہو جائیں تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اب تک جو ہم پیغمبری کا دعوے کرتے تھے اور تمکو اللہ کے پیغامات سناتے تھے اور تمہارے دین کو برا کہتے تھے اور اپنے دین کو خدا کا دین کہتے تھے اس میں ہم نے خدا پر بہتان باندھا اور گویا ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ اب تک جو ہم اپنی حقانیت کا دعوی کرتے تھے وہ سب کا سب جھوٹ اور افترا تھا۔ اور ہم سے یہ ممکن نہیں کہ کفر وشرک کی ملت میں داخل ہو جائیں۔ مگر یہ کہ خداوند پروردگار ہی کسی کو گمراہ کرنا چاہے تو وہ اور بات ہے اسکی قضا وقدر کو کوئی نہیں ٹال سکتا بمطلب یہ ہے کہ جب ہم کفر کی قباحت اور شناعت اور اسکے انجام بد سے بخوبی واقف ہیں تو پھر کفر کیونکر اختیار کر سکتے ہیں ہاں اگر اللہ ہی کو ہماری ہدایت منظور نہ ہو اور اسی نے ہماری قسمت میں کفر لکھ دیا ہو تو ہم مجبور ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ہدایت اور گمراہی سب اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اسکی مشیت انسان کے ارادہ پر غالب ہے انسان کی سعادت اور شقاوت اسکے اختیار میں ہرگز نہیں دل جو تمام افعال انسانی کا محرک ہے وہ خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے جس طرف چاہے اس کو پھیر دے چاہے ہدایت کی طرف اور چاہے گمراہی کی طرف ہمارا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قضا وقدر کی حکمتیں اور مصلحتیں اسی کو معلوم ہیں ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا وہی اپنی عنایت سے ہم کو اپنے دین پر قائم رکھے گا۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق فیصلہ کر دیجئے یعنی کافروں پر عذاب نازل فرما تاکہ انکا باطل پر ہونا اور ہمارا حق پر ہونا علانیہ طور پر واضح ہو جائے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ دعا شعیب علیہ السلام نے اس وقت کی کہ جب وہ قوم کے ایمان سے ناامید ہو گئے اور ان کی یہ تقریر دلپذیر سن کر انکی قوم کے سرداروں نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تم نے شعیب علیہ السلام کا اتباع کیا تو تم بڑے خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ یعنی اگر تم نے باپ دادا کا دین چھوڑا تو یہ دین کا خسارہ ہوگا اور اگر تجارت ماپ تول پورا رکھا تو یہ دنیا کا خسارہ ہوگا غرض یہ کہ وہ اپنے کفر اور ظلم پر جمے رہے پس اللہ کا عذاب آیا اور انکو ایک زلزلہ نے آپکڑا پس

صبح کو لٹھے اس حال میں کہ اپنے گھروں میں اپنے زانوؤں پر اوندھے مرے پڑے تھے جنہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا ایسے ہو گئے کہ گویا وہ کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے جنہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہی خسارہ میں رہے دنیا میں برباد اور آخرت میں دائمی عذاب کے ہمیشہ کے لیے مستحق ہوئے مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے شعیب علیہ السلام اور انکے اصحاب کو نکالنے کی دھمکی دی تھی نہ وہ رہے اور نہ ان کی بستیاں رہیں اور جو یہ کہتے تھے کہ شعیب علیہ السلام کے اتباع کرنے والے خراب ہونگے سو خود ہی خائب و خاسر ہو کر رہ گئے زلزلہ نے انکو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ کہیں کو نکل بھاگیں۔ پھر شعیب علیہ السلام نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے قوم میں نے تمکو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی اور دنیا اور آخرت کے نفع نقصان سے تمکو آگاہ کر دیا مگر تم نے ایک نہ مانی اور کیفر کردار کو پہنچے۔ پس میں کافر قوم کی ہلاکت پر کیوں غم کھاؤں۔ خود اپنے کرتوتوں سے ہلاک ہوتے نہ شعیب علیہ السلام کی تکذیب پر اصرار کرتے نہ ہلاک اور برباد ہوتے کافروں کی ظلم اور شرک پر ہٹ دھرمی کرنے والوں کی اور انبیاء کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کی تباہی اور بربادی لائق حزن و غم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے کہ زمین اللہ کے نافرمانوں سے پاک ہوئی اور اہل ایمان کی نگاہیں کفر و شرک کی نجاستیں دیکھنے سے محفوظ ہو گئیں فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ کافر خدا کی نظر میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ لہذا کسی مچھر کے مرنے پر غم کرنا اور کسی مچھر کے مرنے یا مارے جانے پر تار دینا۔ عاقل اور دانا کا تو کام نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ پکڑا وہاں کے

اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾

لوگوں کو سختی اور تکلیف میں شاید وہ گڑگڑاویں۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا

پھر بدل دی ہم نے برائی کی جگہ بھلائی جب تک کہ بڑھ

وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ

گئے اور کہنے لگے پہنچتی رہی ہمارے باپ دادوں کو بھی تکلیف اور خوشی پھر پکڑا ہم نے

بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى

انکو ناگہاں اور وہ خبر نہ رکھتے تھے۔ اور کبھی بستیوں والے

اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ

یقین لاتے اور بچ چلتے تو ہم کھول دیتے ان پر خوبیاں آسمان اور

الْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

زمین سے لیکن جھٹلانے لگے تو پکڑا ہم نے انکو بدلہ انکی کمائی کا

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّ

اب کیا نڈر ہیں بستیوں والے؟ کہ آپہنچے ان پر آفت ہماری راتوں رات جب

هُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ

سوتے ہوں۔ یا نڈر ہیں بستیوں والے؟ کہ آ پہنچے ان پر

بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ

آفت ہماری دن چڑھتے جب کھیلتے ہوں کیا نڈر ہوگئے؟ اللہ کے داؤ

فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ

سے۔ سو نڈر نہیں اللہ کے داؤ سے مگر جو لوگ خراب ہونگے اور کیا

يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ اَهْلِهَآ

سوجھ نہیں آئی انکو جو قائم ہوتے ہیں ملک پر، پیچھے وہاں کے لوگ جاکر

اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى

کہ ہم چاہیں تو انکو پکڑیں انکے گناہوں پر اور ہم مہر کرتے ہیں

قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ

انکے دل پر سو وہ نہیں سنتے۔ یہ بستیاں ہیں کہ سناتے ہیں ہم

عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

تجھ کو، کچھ احوال ان کا اور ان پاس پہنچ چکے انکے رسول نشانیاں

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ

لے کر پھر ہرگز نہ ہوا کہ یقین لاویں جو پہلے بات جھٹلا چکے

قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

یوں مہر کرتا ہے اللہ منکروں کے دل پر

وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ

اور نہ پایا انکے اکثروں میں ہم نے نباہ اور اکثر ان میں

اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

پائے بے حکم۔

بیانِ اجمالی حال و مآل امم سابقہ برائے عبرت و نصیحتِ امم حاضرہ

قال تعالیٰ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ ... الی ... وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ

(ربط) گزشتہ رکوعات میں امم سابقہ کے واقعات قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیے اب ان کا اجمالی خلاصہ بیان کرتے ہیں تاکہ موجودہ زمانے کے لوگوں کے لیے عبرت اور نصیحت کا ذریعہ بنیں کہ اے لوگو تمہیں ان واقعات سے انبیاء کرام کی تکذیب کے بُرے نتائج کا علم ہو گیا مگر یاد رکھو کہ یہ سزائیں انکو دفعۃً نہیں دی گئیں بلکہ تنبیہات کے بعد دی گئیں کیونکہ ہماری عادت یہ ہے کہ لوگ جب انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں تو ہم شروع میں تنبیہ کے طور پر بیماری اور قحط اور مختلف قسم کی سختیوں اور تکلیفوں کو ان پر مسلط کرتے ہیں تاکہ یہ مکذبین اپنی شرارتوں سے باز آجائیں اور بارگاہِ الٰہی کی طرف جھکیں اور جب انکی سخت طبیعتیں تنبیہات کا اثر قبول نہیں کرتیں تو ہم ان سے مصیبتوں اور سختیوں کو ہٹا کر ان پر اپنی نعمتوں اور احسانات کے دروازے کھول دیتے ہیں کہ شاید ان احسانات سے شرما کر ہماری طرف متوجہ ہوں اور سمجھیں کہ خدا تعالیٰ نے ہماری مصیبتوں کو دور کیا اور ہم کو اپنی نعمتوں سے نوازا اور خوشحالی بخشی مگر وہ عیش و عشرت میں اس قدر

سست ہو جاتے ہیں کہ تضرع اور زاری کی طرف آنے کے بجائے اپنے حال کو یوں تاویل کرنے لگتے ہیں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں زمانہ کی گردش ہے کبھی یوں ہے اور کبھی وروں اور یہ نہ سمجھے کہ یہ سب اللہ کی آزمائش ہے زمانہ کے اتفاقات نہیں۔

پس جب لوگ غفلت کی اس منزل پر پہنچ جاتے ہیں تو اس وقت ناگہانی طور پر خدا کا عذاب غافلوں کو بحالت غفلت آکر پکڑ لیتا ہے جبکہ وہ عیش وعشرت میں غافل اور مست ہوتے ہیں۔ پس اے گروہ قریش تمکو ہوشیار رہنا چاہیئے کہ امم سابقہ کی طرح ناگہانی عذاب الٰہی تمکو نہ آ دبائے یہ نہ سمجھنا کہ عذاب الٰہی صرف انبیاء سابقین کے منکرین پر ہوا تھا تم پر بھی انکار و تکذیب کے بعد اسی قسم کا عذاب آسکتا ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ ان واقعات کے ذکر کرنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ تم عبرت پکڑو۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ رکوعات میں امم سابقہ کا حال اور انکی تکذیب کا عبرت ناک مآل ذکر کیا اب یہ بتلاتے ہیں کہ منکرین اور مکذبین کے بارے میں سنت الٰہیہ اور طریقہ خداوندی یہ ہے کہ اول انکو تنگی اور سختی میں مبتلا کرتے ہیں تاکہ عبرت پکڑیں اور ہوش میں آجائیں اور پھر ان پر رزق کے دروازے کھولتے ہیں تاکہ شکر کریں اور اطاعت کی طرف مائل ہوں لیکن جب ان پر کسی طرح اثر نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ انکو یکایک پکڑ لیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امم سابقہ کو فقط تنبیہ قولی کے بعد ہلاک نہیں کیا گیا بلکہ فعلی اور عملی تنبیہات کے بعد بھی جب وہ متنبہ نہ ہوتے تب ہلاک کیئے گئے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں کوئی نبی اور اس بستی والوں نے اس نبی کو جھٹلایا مگر یہ کہ ہم نے اس بستی کو بالکلیہ تباہ اور برباد کرنے سے پہلے اسکے باشندوں کو بطور تنبیہ تنگی اور سختی میں یعنی فقر اور تنگدستی میں اور رنج اور بیماری میں مبتلا کیا کہ شاید وہ اس سے ڈر کر ہمارے آگے گڑگڑائیں اور ہمارے نبی کی نصیحت اور دعوت کو قبول کریں تاکہ ان سے یہ بلا دفع کر دی جائے پھر جب وہ ان بلاؤں اور مصیبتوں سے بھی متنبہ نہ ہوتے اور اسی طرح اپنے تکبر اور تکذیب پر قائم رہے تو ہم نے بطور استدراج اور بطریق مکر ان پر مال و دولت کے دروازے کھولدیئے اور بجائے شدت اور محنت کے انکو صحت اور سلامتی اور راحت دے دی یہاں تک کہ وہ لوگ مال اور اولاد میں بہت زیادہ ہوگئے اور اپنی گزشتہ تنگی اور سختی کو بالکل بھول گئے اور اپنی غفلت اور سخت دلی کے باعث یہ کہنے لگے کہ اسی طرح کی تکلیف اور راحت ہمارے بڑوں کو پہنچتی رہی ہے۔ یعنی ہم جس تکلیف میں مبتلا تھے وہ کچھ ہم پر خدا کا عتاب نہ تھا اور اب جو ہم سے وہ تکلیف جاتی رہی اور اسکے بدلہ ہمکو راحت ملی وہ ہم پر خدا کا کچھ انعام نہیں یہ سب زمانہ کے اتفاقات اور انقلابات ہیں قدیم زمانے سے یہی دستور چلا آرہا ہے کہ آدمی کو کبھی راحت پہنچتی ہے اور کبھی تکلیف اس میں ایمان اور کفر کو کوئی دخل نہیں جیسے موسم کبھی اچھا آتا ہے اور کبھی خراب اسمیں اچھے اور برے اعمال کو کوئی دخل نہیں اور یہ نہ سمجھے کہ راحت اور مصیبت سب اللہ کے حکم سے ہے پس جب یہ لوگ ان ضراء اور سراء کے عملی تنبیہات کے بعد بھی اپنے تمرد اور تکبر پر قائم اور مضبوط رہے تو ہم نے انکو اچانک پکڑ لیا یعنی ایسی حالت میں ان کو پکڑا کہ انکو کسی قسم کا خوف نہ تھا اور وہ جانتے نہ تھے کہ ان پر عذاب نازل ہوگا انکو یہ گمان بھی نہ تھا کہ ہم یکایک اس عیش وعشرت سے محروم ہو جائینگے

اور یہ حسرت اور ارمان لیکر مرے کہ کاش اگر نزول عذاب کے کچھ آثار پہلے نظر آجاتے تو شاید توبہ کر لیتے اور یہ ساری بلا کفر اور تکذیب کی وجہ سے آئی اگر ان بستیوں کے لوگ پیغمبروں پر ایمان لے آتے اور انکی تکذیب اور مخالفت سے پرہیز کرتے تو ہم ضرور اُن پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا اس لیے ہم نے ان پر قہر اور عذاب کے دروازے کھولدیئے پس ہم نے انکو ان کے اعمالِ خبیثہ کی سزا میں پکڑ لیا اور عذاب مہلک سے انکو ہلاک اور برباد کر دیا کیا ان عبرتناک قصوں کے سننے کے بعد پھر بھی ان موجودہ بستیوں کے رہنے والے جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دَورِ نبوت میں موجود ہیں اور عیش وعشرت میں مست ہیں اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں پس کیا یہ موجودہ بستیوں والے اس بات سے نڈر اور بے خوف ہو گئے ہیں کہ سابقین کی طرح رات کے وقت ان پر ہمارا عذاب آئے اور یہ سوئے ہوئے ہوں یعنی غفلت کے وقت ہی عذاب کا شب خون ان پر آئے کیا یہ بستیوں والے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ دن چڑھے ان پر ہمارا عذاب آجائے درآنحالیکہ وہ کھیل تماشہ میں مشغول ہوں مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کی تکذیب کے بعد عذاب سے بے خوف نہ رہنا چاہیئے نہ رات کو نہ دن کو نہ معلوم کہ رات اور دن میں کس وقت ان پر عذاب آجائے اور انکو خبر بھی نہ ہو۔ خدا سے غفلت برتی۔ غفلت کی حالت میں پکڑے گئے۔ کیا یہ تکذیب کرنے والے خدا کے داؤ اور مکر سے بے خوف ہو گئے ہیں عیش وعشرت اور خواب استراحت میں یکایک پکڑ لینا کہ جہاں سے کسی مصیبت کا وہم وگمان بھی نہ ہو یہ اللہ کا مکر یعنی اسکا داؤ ہے۔ پس نہیں بے خوف ہوتے مکر الٰہی سے مگر وہی لوگ جو زیاں کار ہیں اور نقصان کے مارے ہوئے ہیں کیا واضح نہیں ہوا ان لوگوں کے لیے کہ جو زمین کے پہلے باشندوں کے ہلاک ہونے کے بعد زمین کے وارث ہو رہے ہیں۔ کہ اگر ہم چاہیں تو پہلے ہلاک شدہ لوگوں کی طرح ان کو بھی انکے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیں اور پہلوں کی طرح انکو بھی کفر کا مزہ چکھا دیں اور اصل بات یہ ہے کہ ہماری سنت یہ ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں جو حق سے دیدہ و دانستہ اعراض کرتے ہیں پس ایسے لوگ حق کو سنتے ہی نہیں چہ جائیکہ اسکی طرف توجہ اور التفات کریں اگر دل کھلا ہوا ہوتا تو حق کو سنتا اور سمجھتا اور جب دل پر مہر لگ گئی تو گوشِ دل کیا سنے اور کیا سمجھے۔ کلام حق کا سننا اصل کام دل کے کان کا ہے اس آب وگل کے کان کا کام نہیں۔

ایں سخن از گوشِ دل باید شنود	گوشِ گِل ایں جا ندارد ہیچ سود
گوشِ سَر با جملہ حیوان ہمدم است	گوشِ سِر مخصوص نسل آدم است
گوشِ سَر چوں جانب گوینده است	گوشِ سِر سہل است گر آگنده است

اب آئندہ آیات میں جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے لیے فرماتے ہیں جو تمام گزشتہ مضمون کا خلاصہ ہے یہ مذکورہ بستیاں یعنی قوم نوح اور عاد وثمود اور قوم لوط اور قوم شعیب کی بستیاں جن کا اوپر ذکر ہوا جیسے احقاف اور حجر اور مؤتفکات وغیرہ انکی بعض خبریں ہم تجھ سے بیان کرتے ہیں

تاکہ معلوم ہو جائے کہ مکذبین کا اخیر انجام ہلاکت ہے اور تحقیق انکے پاس ان کے رسول اپنی نبوت و رسالت کی کھلی نشانیاں لیکر آئے تھے پس نہ تھے ایسے کہ ایمان لے آتے اس بات پر جسکو وہ پہلی ہی بار جھٹلا چکے تھے اللہ تعالیٰ یونہی کافروں کے دل پر مہر کر دیتا ہے جسے نمونہ دیکھنا ہو وہ ان بدبختوں کو دیکھ لے اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی وفا اور نباہ نہیں پائی عہد سے مراد یا تو عہد الست ہے یا وہ عہد مراد ہے کہ جو مصیبت آنے کے وقت یہ لوگ کر لیا کرتے تھے۔ کہ اگر ہم نجات پائیں تو ایمان لے آئیں گے اور تحقیق ہم نے ان میں سے اکثر کو بد عہد اور بدکردار پایا جب مصیبت ٹلی تو سب عہد و پیمان ختم ہوا اور جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہو گئے الغرض ہمیشہ سے کافروں کا یہ طریقہ اور شیوہ ہے پس آپ انکی تکذیب اور اعراض سے اور انکی عہد شکنی سے غم نہ کریں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى

پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ

فرعون اور اسکے سرداروں پاس پھر زبردستی کی انکے سامنے سو دیکھ آخر کیا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى

ہوا حال بگاڑنے والوں کا۔ اور کہا موسیٰ نے

يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ

اے فرعون میں بھیجا ہوں جہان کے صاحب کا۔ قائم ہوں

عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ

اس پر کہ نہ کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے کہ لایا ہوں تم

بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ ﴿۱۰۵﴾

پاس نشانی تمہارے رب کی سو رخصت دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ

بولا اگر تو آیا ہے کچھ نشان لے کر تو وہ لا اگر تو

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ

سچا ہے۔ تب ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ ہوا اژدہا

مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

صریح۔ اور نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت وہ سفید نظر آیا دیکھنوں کو۔

قصۂ ششم حضرت موسیٰ علیہ السلام با سبطیان و قبطیان

(ربط) گزشتہ رکوعات میں پانچ پیغمبروں کے قصے بیان ہوئے اور انکے بعد بطور نتیجہ اور خلاصہ یہ بتلایا کہ مکذبین کے متعلق سنت الٰہی کیا ہے اب ان پانچ قصوں کے بعد چھٹا قصہ موسیٰ علیہ السلام کا بیان کرتے ہیں جو ان سب انبیاء کے بعد تشریف لائے یہ قصہ بظاہر ایک قصہ ہے مگر اپنے اندر بہت سے قصوں کو لیے ہوئے ہے اور یہ قصہ بہ نسبت اور قصوں کے زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس مقام پر بھی یہ قصہ بہ نسبت اور قصوں کے زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس مقام پر یہ قصہ نصف پارہ تک چلا گیا ہے اور صرف اس مقام پر نہیں قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اکثر و بیشتر آیا ہے اور یہ قصہ متعدد مطالب اور مختلف مقاصد کے بیان کرنے کے لیے قرآن کریم میں بہت جگہ آیا ہے اور تکرار اور تفصیل کی وجہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات انبیاء سابقین کے معجزات سے زیادہ قوی ہیں اور نہایت عظیم اور عجیب ہیں جن سے سحر اور معجزہ کا فرق خوب واضح ہو جاتا ہے اور فرعون اور فرعونیوں کا ظلم اور عناد اور تکبر بھی شدید ہے جس سے ظلم کے انجام بد کا بخوبی علم ہو جاتا ہے اور بنی اسرائیل کی جہالتیں بھی عجیب ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کے سامنے لب کشائی جہالت اور حماقت ہے اس لیے یہ امور اس قصہ کی تکریر اور تفصیل کو مقتضی ہوئے۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قصہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو دین و دنیا کی عزتیں ملیں اور آپکے دشمن ذلیل و خوار ہوئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے امت محمدیہ کو دین و دنیا کی عزتیں ملیں اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسی بادشاہت ملی۔

موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ چند واسطوں سے یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے آپکے والد کا نام عمران تھا قبطی زبان میں مُو کے معنی ماء یعنی پانی کے ہیں اور سا کے معنی شجر یعنی درخت کے ہیں چونکہ موسیٰ علیہ السلام پانی اور درخت کے درمیان پائے گئے اس لیے ان کا نام موسیٰ ہو گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی اور ان کے اور یوسف علیہ السلام کے درمیان چار سو سال کا فاصلہ تھا اور ابراہیم علیہ السلام سے سات سو سال بعد ہوئے اور فرعون اس بادشاہ کا نام نہ تھا بلکہ اس زمانہ میں ہر شاہ مصر کا یہ لقب تھا جیسا کہ بادشاہان فارس کا لقب کسریٰ اور شاہانِ روم کا لقب قیصر تھا اس طرح اس بادشاہ کا لقب تو فرعون تھا اور اصل نام قابوس تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسکا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا یہ قوم قبط کا بادشاہ تھا جو مصر میں رہتی تھی کہا جاتا ہے کہ یہ بادشاہ تین سو سال تک زندہ رہا۔ واللہ اعلم۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا ربوبیت اور الوہیت کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا خدا اور معبود نہیں جانتا جب اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تو اہل مصر نے اسکو قبول کیا مگر بنی اسرائیل نے اس کو قبول نہ کیا۔ فرعون بنی اسرائیل سے یہ کہتا کہ تمہارا باپ یوسفؑ تھا جو میرے آباؤ اجداد کا زرخرید غلام تھا اور تم سب میرے غلام زادے ہو یہ کہہ کر بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالیا اور ان سے ذلت آمیز خدمتیں لینے لگا۔ فرعون اپنی ظاہری شان و شوکت پر مغرور تھا حق تعالیٰ نے اسکی طرف ایک نبی کو مبعوث کیا جو بالکل درویش تھا اور ظاہری شان و شوکت سے بالکل خالی تھا صوف کا عمامہ اور صوف کا جبہ اسکا لباس تھا جیسا کہ امام بیہقیؒ نے کتاب الاسماء والصفات میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ انکو ایک عصا عطا فرمایا جس سے فرعون جیسے سراپا عصیان وطغیان کی تنبیہ مقصود تھی اور تاکہ جب معجزۂ عصا ظاہر ہو تو متکبرین اور مغرورین سمجھ جائیں کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہے جس کے ہاتھ سے ایسے افعال کا ظہور ہوتا ہے جو طاقت بشریہ کی حدود سے باہر ہیں یہ دنیا دار امتحان ہے اور حق اور باطل کے معرکہ کا میدان ہے اس لیے من جانب اللہ تعالیٰ اکثر و بیشتر نبوت و رسالت کا ظہور برنگ فقیری و درویشی ہوتا ہے اور ظاہری اور مادی شان و شوکت باطل کی جانب ہوتی ہے مقصود امتحان ہوتا ہے کہ کون ظاہری اور مادی شان و شوکت دیکھ کر باطل کی طرف جاتا ہے اور کون حق کے حقیقی اور باطنی حسن و جمال کو دیکھ کر حق کو قبول کرتا ہے اگر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دنیاوی شان و شوکت ہوتی تو پھر فرعون کو کون پوچھتا۔

ذکرِ بعثتِ موسیٰ علیہ السلام و مکالمۂ او با فرعون

قال اللہ تعالیٰ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى ... الیٰ ... فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ

(ربط) موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں سب سے پہلے انکی بعثت کا واقعہ اور فرعون کے ساتھ ان کے مناظرہ اور مکالمہ کا ذکر فرماتے ہیں پھر ہم نے ان انبیاء متقدم الذکر کے بعد موسیٰ بن عمران کو اپنی نشانیاں دیکر یعنی معجزات اور دلائل نبوت دیکر فرعون اور اسکے قوم کے بڑے لوگوں کی طرف دعوت و تبلیغ کی خاطر بھیجا پس انہوں نے دلائل اور براہین رسالت یعنی معجزات کے ساتھ ظلم کیا معجزات کا حق یہ تھا کہ ان پر

ایمان لاتے اور ان کی تصدیق سے اپنی اصلاح کرتے لیکن بجائے تصدیق کے انکی تکذیب کی۔ پس دیدۂ بصیرت اور چشم عبرت سے دیکھ کر حق کے ساتھ بے انصافی کرنے کے بعد مفسدوں کا کیسا انجام ہوا کہ آخر کار سب غرق ہوئے اور انکی زمین اور ملک کا ان کے دشمنوں کو وارث بنا دیا گیا۔ مفسدین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے انبیاء کرام کی تکذیب کی اور اُن کے آیات اور معجزات کے ساتھ ظلم کیا۔ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے روپوش ہوئے تو مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور وہاں انکی صاحبزادی صفورا سے نکاح فرمایا ایک عرصہ بعد پھر مصر جانے کا قصد فرمایا اثناء راہ میں خلعت پیغمبری ملا اور عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطاء ہوا اور حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ مصر جاکر فرعون کو راہِ خداوندی کی دعوت دیں اور تکبر اور دعوائے خداوندی سے منع کریں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام مصر آئے اور مدت کے بعد جب فرعون سے ملاقات ہوئی تو اس کو حق کی دعوت دی اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے فرعون اس میں شک نہیں کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تمہاری ہدایت کے لیے آیا ہوں اور جو خداوند پروردگار کی طرف سے پیغمبر ہو کر آیا ہو اس کی بات کا قبول کرنا ضروری ہے۔ میں لائق اور سزاوار ہوں اس بات کے کہ خدا پر سوائے حق اور سچ بات کے کچھ نہ کہوں۔ یعنی میری شان کے لائق نہیں کہ میں خدا کی طرف کوئی غلط بات منسوب کروں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حقیق کے معنی قائم اور ثابت کے ہیں یعنی میں بلا کسی تزلزل اور تذبذب کے قول حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہوں کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور رسول کبھی کوئی بات خلاف حق نہیں کہہ سکتا اور نہ انکے پائے ثبات واستقامت میں کبھی تزلزل آسکتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حقیق کے معنی حق لازم اور حق مؤکدہ اور واجب کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میں من جانب اللہ قول حق پر واجب اور لازم کر دیا گیا ہوں یعنی قول حق کو اس بات کا پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ میری ہی زبان سے نکلے کسی اور زبان سے اسکو نکلنے کی اجازت نہیں اور جس کی شان یہ ہو اسکی زبان سے خلاف حق کیسے نکل سکتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت کا ذکر ہوا اب آگے اپنی نبوت ورسالت کا ذکر فرماتے ہیں۔

تحقیق میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے اپنی نبوت ورسالت کی روشن دلیل لیکر آیا ہوں پیغمبری کا خالی دعویٰ ہی نہیں بلکہ اسکے ساتھ دلیل اور برہان بھی ہے یعنی معجزات بھی ہیں جو میری رسالت کی صحت پر گواہ ہیں۔ سو جب میں رسول مع الدلیل ہوں اور بدون وحی الٰہی کے کچھ نہیں کہتا تو میں جو کہوں اسکو دل وجان سے قبول کرو چنانچہ منجملہ ان امور کے ایک امر یہ ہے کہ تو بنی اسرائیل کو جن کو تو نے ناحق غلام بنا رکھا ہے اور اپنی بیگار لینے کی وجہ سے انکو اپنے اصلی وطن ملک شام جانے سے روک رکھا ہے انکو میرے ساتھ بھیجدے تا کہ میں انکو ارض مقدسہ جو انکے آباؤ اجداد کا وطن ہے وہاں لے جاؤں فرعون نے

عہ قال ابو السعود قولہ تعالیٰ فارسل معی بنی اسرائیل ای خلہم حتی یذہبوا معی الی الارض المقدسۃ التی ہی وطن آباءہم وکان قد استعبدہم بعد انقراض الاسباط یستعملہم ویکلفہم الاعمال الشاقۃ فانقذہم اللہ تعالیٰ بموسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تفسیر ابی السعود ص ۳۹۲ ج ۴ برحاشیہ تفسیر کبیر وروح المعانی ص ۱۸ ج ۹۔

بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا ان سے اینٹیں پتھوا تا اور مٹی ڈھلوا تا اور پانی بھروا تا اور طرح طرح کی خدمتیں لیتا اسکا سبب یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام مع اپنے بیٹوں اور پوتوں کے مصر میں آئے اور وہیں آباد ہو گئے اور اولاد بہت ہو گئی اور یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام انتقال فرما گئے اور ان کے زمانہ کا فرعون جس کا نام ریان تھا وہ بھی انتقال کر گیا۔ ریان کے بعد اسکا بیٹا مصعب فرعون مصر ہوا وہ بنی اسرائیل کی عزت اور توقیر کرتا تھا وہ بھی مر گیا اسکے بعد موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون ولید تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی۔ کی ڈینگ ماری بنی اسرائیل نے یہ دعویٰ قبول نہ کیا تو بولا کہ تم ہمارے بزرگوں کے زرخرید غلام ہو موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی فرعون کو حق کی دعوت دی اور یہ کہا کہ اسے فرعون بنی اسرائیل کو اس ظلم و ستم سے آزاد کر اور ان کو میرے ساتھ کر تاکہ میں انہیں ارض شام لے جاسکوں جو انکا آبائی وطن ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا۔ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (تو بنی اسرائیل کو اپنی قید سے چھوڑ دے اور میرے ساتھ انکو ملک شام بھیجدے) بحکم خداوندی تھا معاذ اللہ کوئی قومی تحریک نہ تھی بعض دلدادگان قومیت و حریت اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصد قومی اور وطنی آزادی تھا سو یہ ایک مجنونانہ اور مخبوطانہ خیال ہے۔ فرعون اسی ملک کا باشندہ تھا اور قوم قبط بھی اسی ملک کی باشندہ تھی اور انہی کی اکثریت تھی اور بنی اسرائیل اقلیت میں تھے قومی اور وطنی نظریہ کے لحاظ سے فرعون کی حکومت قومی اور وطنی حکومت تھی۔ اس سے معارضہ کی کیا ضرورت تھی موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا وہی مقصد تھا جو تمام انبیاء کی نبوت و رسالت کا مقصد رہا ہے منجملہ ان مقاصد کے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل (جو کہ اس زمانہ کے مسلمان تھے) انکو ایک ظالم کے پنجہ سے نکال کر ملک شام لیجائیں تاکہ وہاں جاکر بلاکسی خوف وخطر کے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کر سکیں باقی جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصد صرف بنی اسرائیل کو آزادی دلانا تھا سو وہ سراسر تحریف ہے اعاذنا اللہ منہ

سوء الفہم۔

فرعون نے کہا کہ آپ اگر من جانب اللہ اپنے دعوائے نبوت و رسالت کی کوئی واضح اور روشن دلیل لیکر آئے ہیں تو اسکو پیش کیجیے اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں یعنی اگر آپ اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہیں تو کوئی معجزہ دکھلائیے جس سے یہ ثابت ہو کہ پروردگار عالم کے پیغمبر اور فرستادہ ہیں اور اس نشانی کو دیکھ کر میں سمجھ لوں کہ آپ سچے ہیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے سنتے ہی فوراً اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جو کہ لکڑی کا تھا سو وہ ڈالتے ہی دفعۃً بلاکسی سبب کے ایک صریح اژدہا تھا جس کے اژدہا ہونے میں کوئی شک و شبہ نہ تھا۔ دم کے دم میں ایک بے جان لکڑی حقیقۃً حیوان بن گئی اور یہ اژدہا صریح اژدہا تھا کوئی خیال یا شبیہ اور مثال نہ تھا۔

ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ اور سُدیؒ اور قتادہؒ سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب وہ عصا

زمین پر ڈالا تو وہ ایک مارِ عظیم بن گیا اور منہ کھول کر فرعون کی طرف متوجہ ہوا فرعون ڈر کر اپنے تخت سے بھاگا اور ڈر کے مارے اس کا پیشاب اور پیخانہ بھی خطا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد چاہی تب موسیٰ علیہ السلام نے اسکو اٹھا لیا تو وہ پھر حسب سابق عصا ہو گیا۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر صف ۲۳۶ ج ۲) اور فرعون کا خوف دور ہوا تو آکر پھر اپنے تخت پر بیٹھا۔ ایک عصا نے فرعون کی ساری الوہیت کا خاتمہ کر دیا خیر ایک نشانی تو یہ ہوئی اور دوسری نشانی یہ ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا پس وہ ناگہاں دیکھنے والوں کے لیے ایسا سفید تھا کہ دیکھنے والوں نے جان لیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی اندرونی نورانیت کا ایک نمونہ اور کرشمہ ہے اور للناظرین کا مطلب یہ ہے کہ ید بیضاء کا معجزہ سب دیکھنے والوں نے دیکھا اور بلا کسی اشتباہ کے سب نے اسکو آنکھوں سے دیکھا کہ کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہ رہی دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہو گیا۔ ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزوں کا ذکر فرمایا ان دو کے علاوہ اور بھی معجزات ہیں جو دوسری آیات میں مذکور ہیں۔

ف اس آیت میں معجزۂ عصاء کے متعلق یہ فرمایا فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ۔ یعنی بڑا اژدہا ہو گیا اور دوسری آیت میں كَأَنَّهَا جَانٌّ فرمایا اور جان چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ بڑائی میں تو مثل اژدہا کے تھا اور تیز رفتاری میں چھوٹے سانپ کی مانند تھا۔ یا شروع میں سانپ بنا پھر بعد میں اژدہا بن گیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو منجملہ دیگر معجزات کے یہ دو بڑے معجزے عطا فرمائے ایک عصاء کا اور ایک ید بیضاء کا معجزۂ عصاء انکی نبوت کی خارجی نشانی تھی اور معجزۂ ید بیضاء ان کی نبوت کی ذاتی اور داخلی اور باطنی نشانی تھی جو خود انکی ذات بابرکات میں تھی کہ ہاتھ جیب گریبان میں ڈالکر نکالا تو روشن نکلا یہ انکے نور باطن کا نمونہ تھا۔

قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٩﴾

بولے سردار فرعون کی قوم کے یہ بے شک کوئی بڑا جادوگر ہے۔

يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿١١٠﴾

نکالا چاہتا ہے تمکو تمہارے ملک سے اب کیا مشورت دیتے ہو۔

قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿١١١﴾

بولے ڈھیل دے اس کو اور اسکے بھائی کو اور بھیج شہروں میں نقیب

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ

کر لاویں تجھ پاس جو ہو پڑھا جادوگر ۔ اور آئے جادوگر فرعون پاس

قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِينَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ

بولے ہماری کچھ مزدوری ہے اگر ہم غالب ہوئے ۔ بولا

نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوا يٰمُوسٰى إِمَّا

ہاں اور تم پاس رہا کرو گے ۔ بولے اے موسیٰ ! یا

أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ﴿۱۱۵﴾

تو ڈال یا ہم ڈالتے ہیں ۔

قَالَ أَلْقُوا ۚ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ

کہا ڈالو پھر جب ڈالا باندھ دیں لوگوں کی آنکھیں

وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَأَوْحَيْنَا

اور ان کو ڈرا دیا اور کر لائے بڑا جادو ۔ اور ہم نے حکم

إِلٰى مُوسٰى أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ

بھیجا موسیٰ کو ڈال اپنا عصا تبھی وہ لگا نگلنے جو

مَا يَأْفِكُونَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا

سانگ وہ بناتے تھے ۔ تب داؤ پڑا حق کا اور غلط ہوا جو وہ

يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صٰغِرِينَ ﴿۱۱۹﴾

کرتے تھے ۔ تب ہارے اس جگہ اور پھرے ذلیل ہو کر

وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِينَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ

اور ڈالے گئے ساحر سجدہ میں ۔ بولے ہم نے مانا جہان کے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ

صاحب کو ۔ جو صاحب موسیٰ اور ہارون کا ۔ بولا فرعون تم

اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ

نے مان لیا اس کو ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو، یہ مکر ہے کہ باندھ

مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ

لائے ہو شہر میں کہ نکالو یہاں سے اس کے لوگ سو اب

تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ

تم جان لوگے میں کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں

خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى

پھر سولی چڑھاؤں گا تم سب کو ۔ بولے ہم کو اپنے

رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا

رب کی طرف جانا ہے ۔ اور تو ہم سے یہی بیر کرتا ہے کہ مانیں ہم

بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا

نے اپنے رب کی نشانیاں جب ہم تک پہنچیں اے رب! دہانے کھول دے ہم

وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿١٢٦﴾

پر صبر کے اور ہم کو مار مسلمان

ع ۱۴

قال اللہ تعالیٰ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ .. الیٰ .. وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ۔

(ربط) فرعون نے جب یہ دونوں معجزے دیکھے تو گھبرا گیا اور مشورہ کے لیے اپنی قوم کے سرداروں

کو بلایا اور پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیئے لوگوں نے یہ خیال کرکے کہ موسیٰ علیہ السلام سے جو کرشمہ ظاہر ہوا ہے وہ کوئی شعبدہ یا جادو ہے اس لیے مشورہ یہ دیا کہ مقابلہ کے لیے جادوگروں کو جمع کیا جائے تاکہ جادو کا مقابلہ جادو سے کیا جائے اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ۔ الآیات۔

اس قصہ کے ذکر کرنے سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا اثبات مقصود ہے اور فرعون کے دعوائے الوہیت کا ابطال مطلوب ہے کہ فرعون کا یہ دعویٰ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى بالکل غلط تھا وہ تو خدا کا پیدا کردہ ایک عاجز اور ناتواں انسان تھا اور اگر وہ خدا ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام سے کیوں ڈرتا اور گھبراتا اور جادوگروں سے کیوں مدد چاہتا۔ غرض یہ کہ فرعون نے یہ دونوں معجزے دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں مشورہ کرنے کے لیے اپنی قوم کے سرداروں کو بلایا تو قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ بے شک یہ موسیٰ بڑا دانا جادوگر ہے یعنی یہ جو اس نے لاٹھی کو سانپ بنا دیا اور اپنے ہاتھ کو سفید دکھایا یہ سب اسکے جادو کا کرشمہ ہے اور اپنے فن میں ماہر ہے فقط دعوائے نبوت و رسالت پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے ـــــــ کہ اپنے سحر کے زور سے تمکو تمہارے ملک سے نکال دے اور خود بادشاہ بن جائے۔ فرعون نے کہا اب تم کیا مشورہ دیتے ہو یعنی کیا تدبیر کریں جس سے یہ شخص اپنے مقصد میں ناکامیاب ہو جائے اے ارکان دولت جو مجھے مشورہ دوگے اس پر عمل کروں گا۔ انہوں نے مشورہ یہ دیا کہ سردست موسیٰ کو اور انکے بھائی کو ذرا ڈھیل دو اور انکے معاملہ میں جلدی نہ کرو۔ اور یہ مشورہ مجبوری کا تھا۔ فرعون کو باوجود غیظ و غضب کے موسیٰ علیہ السلام کے نہ قتل پر قدرت ہوئی اور نہ انکے قید کرنے پر قدرت ہوئی حالانکہ فرعون نے انکو دھمکی دی تھی۔ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ اور ارکان دولت نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں نقیب بھیجدو کہ ہر دانا جادوگر کو آپ کے پاس لیکر آئیں ان سے اسکا مقابلہ کرایئے وہ اسے نیچا دکھائیں گے چنانچہ اس رائے پر عمل کیا گیا۔ اور شہروں میں آدمی بھیجدیئے گئے اور جادوگر فرعون کے پاس آگئے تو بولے کہ ہم کو کچھ صلہ اور انعام بھی ملے گا۔ اگر ہم اس شخص پر غالب آگئے اور اسکو نیچا دکھا دیا فرعون بولا ہاں ضرور تم کو اسکا انعام بھی ملے گا اور مزید برآں یہ ہوگا کہ تم بلاشبہ میرے خاص مقربین میں سے ہو جاؤ گے یعنی اگر تم غالب آگئے تو صرف انعام اور اجرت پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ قرب شاہی کی عزت و وجاہت بھی تمکو ملے گی مال و دولت اور عزت و وجاہت دونوں جمع ہو جائیں گے جو دنیا میں کامل ترین خوش نصیبی سمجھی جاتی ہے اس گفتگو کے بعد ایک دن مقابلہ کے لیے طے ہو گیا اور جب وقت مقابلہ کا آیا تو ساحروں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا اے موسیٰ یا تو آپ پہلے اپنی لاٹھی ڈالیں یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے ہو جائیں۔ انکا گمان یہ تھا کہ جب ہم سب ملکر اپنی لاٹھیاں ڈالیں گے تو موسیٰ علیہ السلام حیران اور دنگ رہ جائیں گے موسیٰ علیہ السلام نے ازراہ خلق و کرم فرمایا اچھا تم ہی پہلے ڈالو مجھے اسکی کچھ فکر اور پرواہ نہیں کہ کون پہلے ڈالے

موسیٰ علیہ السلام کو یقین کامل تھا کہ غلبہ اللہ کے رسول ہی کو ہوگا خواہ ابتدا کسی جانب سے ہو اور سحر کسی حال میں بھی معجزہ پر غالب نہیں آسکتا اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا پہلے تم ہی اپنے کمال کا مظاہرہ کر لو اور دل کی حسرت نکال لو پس جب ان ساحروں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو زمین پر ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ یعنی لوگوں کو انکی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ دکھلائی دیں ورنہ حقیقت اور اصلیت کچھ نہ تھی اور لوگوں کو اپنے جادو سے ڈرایا اور بڑا بھاری جادو لائے جسے دیکھ کر لوگ اول وہلہ میں ڈر گئے اور یہ خیال کیا کہ ایسے سحر کا کون مقابلہ کر سکتا ہے کہا جاتا ہے کہ تیس ہزار جادوگر تھے۔ ہر ایک کے پاس عصا اور رسن تھا انہوں نے ایک میل طول میں اور ایک میل عرض میں سانپ ہی سانپ بھر دیئے تھے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے موسیٰ اب تو اپنا عصا زمین پر ڈالدے جیسا کہ آپ ڈالا کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اعجاز موسوی سحر فرعونی کو کس طرح نگل جاتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنا عصا زمین پر ڈالا پس وہ ڈلتے ہی اژدہا بن گیا اور انکے بنے بنائے سانگ اور ڈھونگ کو نگلنے لگا دم کے دم میں عصائے موسیٰ سانپ بن کر انکی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا پس حق کا حق ہونا ثابت ہو گیا اور انکے عمل سحر کا غلط اور باطل ہونا ظاہر ہو گیا اور سب نے بچشم سر دیکھ لیا کہ نبی کا معجزہ سحر عظیم کو کس طرح یک لخت نگل جاتا ہے۔ پس اس جگہ فرعون کی تمام قوم مغلوب ہو گئی اور نہایت ذلیل وخوار ہو کر اپنے گھروں کو واپس ہوئے تکبر اور غلبہ کے خیال کو لیکر میدان مقابلہ میں آئے تھے مگر ذلت اور ناکامی اور نامرادی کو لیکر واپس ہوئے اور چونکہ جادوگروں نے بوقت مقابلہ موسیٰ علیہ السلام کے ادب کو ملحوظ رکھا اور موسیٰ علیہ السلام کو یہ اختیار دیا کہ ڈالنے میں آپ ابتدا کریں یا ہم۔ تو اس ادب کی برکت سے توفیق ایزدی نے ان کی دستگیری کی اور تکوینی طور پر یہ جادوگر جبراً و قہراً سجدہ میں ڈال دیئے گئے گویا کہ توفیق ایزدی نے سر پکڑ کر ان کو سجدہ میں ڈالدیا۔ ساحروں نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہمارے اس سحر عظیم کو یک لخت نگل گیا تو سمجھ گئے کہ یہ امر آسمانی ہے سحر نہیں سحر سحر پر غلبہ پا سکتا ہے لیکن سحر کو نیست اور نابود نہیں کر سکتا اور موسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے جو کرشمہ ظاہر ہوا ہے وہ کوئی سحر سے بالا اور برتر حقیقت ہے اور سحر کی حد اور احاطہ سے بالکل باہر ہے اس لیے فوراً ایمان لے آئے اور اس خدائی نشان کو دیکھ کر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے لفظ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ (جادوگر ڈالدیئے گئے) اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ان پر غیبی طور پر کوئی خاص حالت اور خاص کیفیت طاری ہوئی کہ جس کے بعد بجز خضوع اور استسلام کے کوئی چارہ نہ رہا ابھی نبی کے مقابلہ پر کھڑے تھے ایک گھڑی نہ گزری کہ سجدہ میں گرے اور سر اٹھانے سے پہلے ولی کامل اور عارف باللہ بن گئے اور سجدہ ہی کی حالت میں انکو جنت اور جہنم دکھلا دی گئی۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۳۷ ج ۲۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۔

غرض یہ کہ جادوگر اس حالت کو دیکھ کر سجدہ میں گر پڑے اور بطور لذت یہ کہنے لگے کہ ہم ایمان

لائے رب العالمین پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا جس نے انکو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے جادوگروں نے رب العلمین کے ساتھ رب موسیٰ و ہارون کا لفظ اس لیے بڑھایا تاکہ قوم فرعون میں سے کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ انہوں نے یہ سجدہ فرعون کو کیا ہے کیونکہ فرعون بھی اپنے آپکو رب اعلیٰ کہتا تھا فرعون نے جب یہ دیکھا کہ میرا دام فریب تو سارا تار تار ہو گیا تو ذرا بہادر بن کر بولا کہ تم میری اجازت سے پہلے ہی رب موسیٰ اور ہارون پر ایمان لے آئے بے شک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تمہارا مکر ہے جو اس شہر میں تم سب نے (آپس میں مل کر) کیا ہے یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس سے پہلے ہی موسیٰ کے ساتھ سازش کر لی تھی جب ہی تو تم جلدی سے اس پر ایمان لے آئے۔ یہ اس ملعون کا صریح جھوٹ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام تو ابھی مدین سے آئے تھے اور سیدھے فرعون کے پاس گئے اور اسکو حق کی دعوت دی اور معجزے ظاہر فرمائے وہ تو ان جادوگروں کو پہچانتے بھی نہ تھے اور نہ ان میں سے پہلے کسی کو دیکھا تھا یہ سب فرعون کے حکم سے جمع ہوئے تھے فرعون نے یہ لفظ اپنی کمزوری کی پردہ پوشی اور قوم کو فریب دینے کے لیے کہا کما قال تعالیٰ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ۔ اور تم نے یہ سازش اس لیے کی ہے کہ تم اس شہر سے اسکے باشندوں کو نکال دو اور اپنی سلطنت قائم کرو اچھا اب عنقریب تم اپنی سازش کا نتیجہ معلوم کر لو گے وہ یہ کہ میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹواؤں گا۔ مثلاً دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کہ اس سے سارا دھڑ بیکار ہو جاتا ہے پھر تم کو ضرور سولی پر لٹکا دوں گا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو ساحروں نے جواب دیا کہ تو ہمیں موت اور قتل سے کیا ڈراتا ہے ہم تو موت کے مشتاق ہیں اس لیے کہ تحقیق ہم تو اپنے پروردگار کی طرف جانے والے ہیں اور اس کی لقاء کے مشتاق ہیں اور موت اسکا بہترین ذریعہ ہے اور اس کی لقاء کے بعد ہم کو ایسی پاکیزہ اور لذیذ حیات ملے گی۔ جو اس دنیوی حیات سے کہیں بہتر اور برتر ہو گی جو تجھ سے ہو سکے وہ کر گزر ہم مرنے سے نہیں ڈرتے۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

جانہائے بستہ اندر آب و گل چوں رہند از آب و گلہا شاد دل
در ہوائے عشق حق رقصاں شوند ہمچوں قرص بدر بے نقصاں شوند
چوں نقاب تن برفت از روئے روح از لقائے دوست دارد صد فتوح
میزند جاں در جہان آبگوں نعرہ یَا لَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ

اور اے فرعون تجھے ہم سے کیا عیب نظر آتا ہے سوائے اسکے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جبکہ اس کی قدرت کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں اور ہم نے انکو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ محض سنا نہیں بلکہ آنکھوں سے انکا مشاہدہ کر لیا۔ بعد ازاں یک لخت ان ساحروں نے فرعون سے منہ پھیر لیا اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا اے ہمارے پروردگار پانی کی طرح ہم پر صبر ڈال دے کہ سر سے پیر تک صبر میں نہا جائیں تاکہ بلاء اور مصیبت کے وقت بے صبری نہ کریں اور ہم کو مسلمان کر

یعنی مرتے دم تک اسلام پر قائم رہیں اور کسی فتنہ اور بلا سے ہمارے پائے استقلال میں تزلزل نہ آئے۔

ابن عباسؓ اور کلبیؒ اور سدیؒ سے منقول ہے کہ فرعون نے انکے ہاتھ پاؤں کٹوا کر انکو سولی پر چڑھا دیا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فرعون انکے عذاب دینے پر قدرت نہ پا سکا کیونکہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا۔ فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْکُمَا بِاٰیٰتِنَآ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَکُمَا الْغٰلِبُوْنَ۔ یعنی فرعون والے تم دونوں بھائیوں پر دست درازی نہ کرسکیں گے۔ ہماری نشانیاں لیکر جاؤ۔ تم دونوں اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے (روح المعانی صفحہ ۲۵ ج ۹)

نکتہ اس آیت میں بجائے اَنْزِلْ عَلَیْنَا صَبْرًا کے اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا۔ کہا گیا سو لفظ افراغ بہ نسبت لفظ انزال کے زیادہ بلیغ ہے اس لیے کہ انزال کے معنی اتارنے کے ہیں اور افراغ کے معنی برتن سے اس طرح پانی بہادینے کے ہیں کہ برتن میں کچھ نہ رہے اور علیٰ کا لفظ استعلا اور احاطہ کے لیے ہے سو مطلب یہ ہوگا کہ ہم پر صبر کامل کا ایسا پانی بہا دے کہ جو سر سے پیر تک یہ صبر کا پانی ہمارے تمام بدن پر سے گزر جائے اور کوئی حصہ بدن کا ایسا نہ رہ جائے کہ جس میں بے صبری کی کوئی کدورت باقی رہ جائے اور سر سے پیر تک صبر کے پانی میں ایسے نہا جائیں کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے اور صبر اگرچہ بندہ کا فعل ہے مگر حق تعالیٰ سے درخواست کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ بندے کے افعال کا خالق بھی حق تعالیٰ ہی ہے اور تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ میں اشارہ اس طرف ہے کہ اصل اعتبار خاتمہ کا ہے۔

***

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ

اور بولے سردار قوم فرعون کے کیوں چھوڑتا ہے

مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ

موسیٰ کو اور اس کی قوم کو؟ کہ دھوم اٹھادیں ملک میں اور

یَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ

موقوف کرے تجھ کو اور تیرے بتوں کو۔ بولا اب ہم ماریں گے ان کے بیٹے اور

نَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ

جیتی رکھیں گے ان کی عورتیں اور ان پر ہم زور کریں گے موسیٰ نے

مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ

کہا اپنی قوم کو مدد مانگو اللہ سے اور ثابت رہو زمین

الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۟ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ

ہے اللہ کی اسکا وارث کرے جسکو چاہے اپنے بندوں میں اور

الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ

آخر بھلا ہے ڈر والوں کا۔ بولے ہم پر تکلیف رہی تیرے آنے سے

اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ

پہلے اور جب تو ہم میں آ چکا کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا

اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ

کھپا دے تمہارے دشمن کو اور نائب کرے تم کو ملک میں

فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

پھر دیکھے تم کیسا کام کرتے ہو

قال تعالیٰ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى .. الیٰ .. فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور جب موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزۂ عظیمہ ظاہر ہوا اور حق کے اس نشان کو دیکھ کر ساحرین سجدہ میں گر پڑے اور عام طور پر قبطیوں کا میلان بھی انکی طرف ہونے لگا تو فرعون ڈر گیا۔ اور اس کی قوم کے سردار گھبرا گئے اور اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعرض نہ کیا اور نہ درپئے آزار ہوا۔ نہ قتل کیا اور نہ قید کیا تو اس وقت قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون سے کہا کیا تو موسیٰ کو اور اس کی قوم (بنی اسرائیل) کو اسی حالت میں چھوڑے رکھے گا۔ کہ وہ زمین مصر میں فساد پھیلاتے پھریں یعنی تیری مخالفت اور بغاوت پر لوگوں کو آمادہ کریں اور تیری اطاعت سے برگشتہ کریں اور وہ موسیٰ تجھے اور تیرے مقرر کردہ معبودوں

کو چھوڑ دے اور لوگ تیری عبادت سے اور تیرے تجویز کردہ بتوں کی عبادت سے منہ پھیرلیں۔ فرعون دہری تھا اور صانع عالم کا منکر تھا اور تاثیر کواکب کا قائل تھا خود چاند اور سورج اور ستاروں کو پوجتا تھا اور لوگوں سے اپنی عبادت کراتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ زمین میں میں ہی تمہارا سردار اور پروردگار اور رب اعلیٰ ہوں اور اپنی صورت کے بُت بنوا کر لوگوں میں تقسیم کر دیئے تھے اور اُن سے اُن کی عبادت کراتا تھا۔ اور اپنے کو سب کا سردار بتاتا تھا اور اسی وجہ سے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ یعنی یہ بت تمہارے چھوٹے خدا ہیں اور میں تمہارا بڑا خدا ہوں بہرحال وہ اپنے آپ کو بڑا معبود کہلواتا تھا اور مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ۔ کہہ کر وجود باری تعالیٰ کی نفی کرتا تھا۔ غرض یہ کہ ارکانِ سلطنت نے فرعون کو یہ مشورہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور انکی قوم کو اس طرح بے داروگیر چھوڑنا مناسب نہیں اسکا انسداد اور انتظام ضروری ہے۔ فرعون نے کہا ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے تاکہ انکی نسل منقطع ہو جائے اور ان کی بیٹیوں کو اپنی خدمت کے لیے زندہ رکھیں گے۔ جیسا کہ ہم پہلے کیا کرتے تھے اور یہ حکم (یعنی قتل ابناء اور استحیاء نساء) جو چند روز سے ملتوی تھا اسکو پھر جاری کر دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے فرعون نے قتل ابناء اور استحیاء نساء کا حکم دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا تابوت جب غیبی طور پر فرعون کے گھر پہنچ گیا اور فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنا لیا اور موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانا ایک اسرائیلی عورت کے سپرد ہو گیا تو اس وجہ سے بنی اسرائیل کی اولاد کا قتل ترک کر دیا پھر ایک عرصہ دراز کے بعد موسیٰ علیہ السلام جب پیغام رسالت لیکر آئے اور ساحروں سے مقابلہ ہوا تو فرعون نے حسب سابق پھر اس حکم کو دوبارہ جاری کیا اور یہ کہا کہ تحقیق ہم بنی اسرائیل پر غالب ہیں اور وہ مغلوب ہیں اور ہمارے زیر حکم ہیں ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں مگر یہ نہیں کہا کہ ہم موسیٰ کو قتل کر ڈالیں گے کیونکہ اسکو یقین ہو گیا تھا کہ مجھے موسیٰؑ کے قتل پر قدرت نہیں۔ جب اس گفتگو اور مشورہ کی خبر بنی اسرائیل کو پہنچی تو مضطرب اور پریشان ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے آکر اپنی پریشانی بیان کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اس کے ظلم و تشدد کے مقابلہ میں اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو اور گھبراؤ مت جو شخص اللہ سے مدد مانگتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اسکو ٹھہراؤ اور غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ صابروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ بیشک تمام زمین اللہ ہی کی ہے وہی وقتاً فوقتاً جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کو وارث بناتا رہتا ہے کبھی صالح سے لیکر طالح کو دیتا ہے اور کبھی طالح سے چھین کر صالح کو دیتا ہے اور وہ زمین مصر فی الحال اگرچہ ایک طالح کے قبضہ میں ہے لیکن تم صبر کرو اور تقویٰ پر قائم رہو عنقریب تم اُس زمین کے وارث بنا دیئے جاؤ گے۔ اس لیے کہ اخیر کامیابی اور نیک انجام متقیوں کے لیے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اشارۃً اور کنایۃً بنی اسرائیل کو خوشخبری سنائی مگر وہ نہ سمجھے اور حکایات اور شکایات کا سلسلہ شروع کیا اور بولے کہ اب ہم میں صبر کی طاقت نہیں رہی۔ بلا اور مصیبت بہت شدید اور مدید ہو چکی ہے اے موسیٰ ہم آپکے آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور آپ کے آنے کے بعد بھی آخر کہاں

تک صبر کریں۔

مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم ڈھا رکھا تھا۔ جبکہ منجموں نے اس کو یہ خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک صاحب جاہ و جلال لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا اس خوف کی بنا پر اس نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اسکو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ خدا کی قدرت کہ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور انکی والدہ ماجدہ نے بادشاہ کے خوف سے انکو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا اور وہ صندوق بادشاہ کی بیٹی کے ہاتھ لگا۔ اور وہ اپنی ماں کے پاس لے گئی اور اس پاکیزہ بی بی نے بادشاہ کی اجازت سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنا لیا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو بنی اسرائیل سے ان مظالم کو دور کر دیا۔ جو پہلے سے چلے آرہے تھے۔ بادشاہ حضرت موسیٰ کی بہت خاطر کرتا تھا اور ان کے احکام ملک میں شہزادہ کی طرح جاری ہوتے تھے ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مظلوم اسرائیلی کی حمایت میں ایک قبطی کو مار دیا اس واقعہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ڈر سے مصر سے مدین چلے گئے اور وہاں شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور انکی صاحبزادی سے نکاح ہوا جب ایک عرصہ کے بعد مدین سے واپس ہوئے تو راستہ میں نبوت و رسالت کا خلعت ملا۔ اور فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا چنانچہ فرعون کے پاس آئے اور اسکو احکام الٰہی سنائے اور معجزات دکھائے جنکو دیکھ کر جادوگر ایمان لے آئے اس وقت فرعون کو اندیشہ ہوا کہ ملک میں موسیٰ علیہ السلام کا اثر، زور اور قوت نہ پکڑ جائے اس لیے فرعون نے اسی اگلے ظلم کی دھمکی دی کہ جو درمیان میں ملتوی ہو گیا تھا اور یہ کہا کہ جیسے میں پہلے تمہارے لڑکوں کو قتل کراتا تھا اب بھی اسی طرح کرونگا اور قتل ابناء کا حکم جو ایک عرصہ سے ملتوی تھا اب دوبارہ اسکو جاری کردوں گا بنی اسرائیل اس ظالمانہ اور سفاکانہ تجویز کو سن کر ڈر گئے مگر موسیٰ علیہ السلام نے انکو تسلی دی اور کہا کہ گھبراؤ نہیں امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو یعنی فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کرے اور انکے بجائے تم کو اس زمین میں حکمران بنادے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو کہ اس نعمت کا شکر کرتے ہو یا معصیت اور غفلت کی راہ اختیار کرتے ہو۔

لطائف و معارف

(۱) خداوند ذوالجلال کی سنت یہ ہے کہ جب کسی برگزیدہ بندہ کو خلعت نبوت و رسالت سے سرفراز فرماتے ہیں تو اس کے ہاتھ پر ایسے خارق عادت افعال ظاہر فرماتے ہیں کہ جو قوت بشریہ کی حدود سے بالکل خارج ہوتے ہیں اور تمام افراد بشر اسکے مثل لانے سے عاجز ہوتے ہیں۔ ایسے افعال کو معجزہ کہتے ہیں جیسے آگ کا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں برد اور سلام ہوجانا اور موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا اور

عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیر دینے سے کوڑھی اور مادر زاد اندھے کا اچھا ہو جانا اور صالح علیہ السلام کی دعا سے صخرہ میں سے ایک حاملہ اونٹنی کا برآمد ہو جانا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا۔

پس جب اس قسم کے افعال انبیاء کرام سے صادر ہوتے ہیں کہ جن کا مثل صادر کرنے سے کل عَالَم عاجز ہوتا ہے اور وہ افعال حدِ بشریت اور امکانِ مخلوقیت سے بالا اور برتر ہوتے ہیں تو لوگوں پر یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ فرستادگانِ خدا ہیں اور اس قسم کے خوارق۔ انکی صداقت کے نشان ہوتے ہیں۔ پس جو امر خارق للعادت بلا کسی سبب کے محض اللہ کی قدرت اور مشیت سے خدا کے کسی برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر اسکی صداقت ظاہر کرنے کے لیے ظہور میں آئے اسکو معجزہ کہتے ہیں کہ کُل عَالَم اس کے مثل لانے سے عاجز ہو جاتا ہے رسول اور نبی چونکہ انسان ہی ہوتے تھے اور انکی صورت اور دوسرے انسانوں کی صورت میں بظاہر فرق نہیں ہوتا تھا اس لیے اللہ پاک انکو معجزات عطا کرتا تھا تاکہ وہ ان کی صداقت کی دلیل بنیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے۔

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ ۔ (یعنی تیرے رب کی طرف سے تیری نبوت و رسالت کی یہ دو روشن دلیلیں ہیں)

(۲) سحر کی حقیقت یہ ہے کہ جو خارق عادت امر ایسے اسبابِ خفیہ کے استعمال سے ظاہر ہو کہ جسے دیکھ کر عام طور پر عقل اور وہم حیران رہ جائے۔

جمہور علماء اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ سحر کی چند اقسام ہیں بعض قسمیں وہ ہیں جن کی نفس الامر میں کوئی حقیقت ہوتی ہے اور بعض قسمیں وہ ہیں کہ جن کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ محض خیال اور نظر بندی ہوتی ہے اور جمہور معتزلہ اور بعض علماء اہلسنت یہ کہتے ہیں کہ سحر بالکل ایک بے حقیقت شئے ہے۔ واقع میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی وہ محض تمویہ اور تخییل ہوتی ہے یعنی محض ملمع کاری اور نظر بندی ہوتی ہے (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۴۶ جلد ۲ - و فتح الباری ص ۔)

اور حق جل شانہٗ کے اس ارشاد فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ ۔ سے بظاہر یہ معلوم ہے کہ سحر ایک بے حقیقت شئے ہے اس لیے کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ جب اُن ساحروں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحرین فرعون نے جو شعبدہ دکھلایا فی الواقع اس سے حقیقت میں کوئی انقلاب نہیں ہوا تھا بلکہ وہ محض تخییل اور نظر بندی تھی جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے۔ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۔ سو جاننا چاہیئے کہ اس سے یہ لازم نہیں کہ ہر قسم کا سحر محض خیال اور نظر بندی ہی ہو۔ سحر کی بعض قسمیں ایسی ہیں جن سے حقیقت ہی بدل جاتی ہے۔ اور بعض ایسی ہیں جو محض خیال اور

نظر بندی ہوتی ہیں ایک قسم کے ذکر کرنے سے دوسری قسم کی نفی نہیں ہو جاتی۔ شاید ساحروں نے سحر کی اس قسم کو اس لیے اختیار کیا ہو کہ ظاہر نظر میں یہ سحر عظیم ہے اور لوگ جب دیکھیں گے کہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں تو مرعوب ہو جائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام اس عجیب وغریب سحر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور اگر بالفرض کیا بھی تو پھر ہم اس سحر عظیم سے بڑھ کر سحر اعظم کا شعبدہ دکھلائیں گے مگر موسیٰ علیہ السلام نے انکو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کن شکست دے دی آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔

(۳) سحر اور معجزے میں فرق

سحر اور شعبدہ اور مسمریزم ایک فن ہے جو سیکھنے اور سکھلانے سے حاصل ہو سکتا ہے اور معجزہ کوئی فن نہیں کہ جو تعلیم وتعلم سے حاصل ہو سکے حتیٰ کہ معجزے میں نبی کا اختیار ہی نہیں اور بسا اوقات نبی کو پہلے سے اسکا علم نہیں ہوتا جس طرح قلم بظاہر لکھنا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت لکھنا قلم کا فعل اختیاری نہیں بلکہ کاتب کا فعل ہے اسی طرح معجزہ درحقیقت فعل اللہ کا ہے مگر اسکا ظہور نبی کے ہاتھ سے ہوتا ہے۔

نقش باشد پیش نقاش وقلم
عاجز وبستہ چو کودک در شکم

نبی کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دے برخلاف فنون سحریہ کے کہ وہ جس وقت چاہیں قواعد مقررہ اور اعمال مخصوصہ کے ذریعے اسکے نتائج ظاہر کر سکتے ہیں مگر آج تک معجزہ کے متعلق نہ کوئی کتاب لکھی گئی اور نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ مقرر ہوا اور نہ معجزے کی تعلیم کے لیے کوئی درسگاہ کھولی گئی دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر آگ لینے کے لیے گئے یکایک پیغمبری ملی اور اس کی تصدیق کے لیے عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا ہوا اور جب ساحران فرعون سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر ڈالیں اور وہ چلتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے تو موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرے۔ کما قال تعالیٰ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً۔ پس اگر موسیٰ علیہ السلام خود ساحر ہوتے تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اس لیے کہ انسان اپنے اختیاری فعل سے نہیں ڈرتا اور یہی وجہ ہے کہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام پر گھبراہٹ اور خوف کے آثار دیکھے تو سمجھ گئے کہ یہ شخص ہمارا ہم پیشہ نہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے انکے سانپوں کو نگل لیا تو سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ خدائی فعل اور کرشمۂ قدرت ہے۔ جس کے سامنے سحر کی کوئی حقیقت نہیں اور بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور چلا اٹھے کہ ہم رب موسیٰؑ و ہارونؑ پر ایمان لاتے ہیں۔

حکایت بامزہ مشتمل بر بیان فرق درمیان سحر و معجزہ

یک[1] حکایت بشنو اکنوں بامزہ
تا بدانی فرق سحر و معجزہ

عارف رومی قدس سرہٗ السامی نے مثنوی کے دفتر سوم از صفحہ ۷۹ تا صفحہ ۱۰۱ میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے جس سے سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہو جاتا ہے ہم اس حکایت کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں وہ حکایت یہ ہے کہ۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے تمام جادوگروں کو جمع کرنے کا حکم دیا دو نوجوان جادوگری میں بہت مشہور تھے انکے پاس بادشاہ کا قاصد خاص طور پر پیغام لیکر پہنچا کہ بادشاہ کی مصیبت دفع کرنے کے لیے کوئی تدبیر کرو اس لیے کہ دو فقیر۔ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام ملک مصر میں آئے ہوئے ہیں اور انہوں نے بادشاہ اور اسکے قلعہ پر حملہ کیا ہے۔ اور ان دو فقیروں کے پاس سوائے ایک عصا کے (لاٹھی) کے کچھ نہیں نہ کوئی فوج و سپاہ ہے اور نہ کوئی لاؤ لشکر ہے صرف ایک عصا ہے جو ایک درویش کے ہاتھ میں ہے اور وہ عصا نہایت عجیب و غریب عصا ہے جو اسکے حکم سے اژدہا بن جاتا ہے ان دو درویشوں سے بادشاہ اور اسکا لشکر عاجز آگیا ہے۔ قاصد نے یہ پیغام پہنچایا اور یہ کہا کہ بادشاہ نے کہا ہے کہ اگر تم اس مصیبت کے دفع کرنے کی کوئی تجویز تدبیر کرو تو تم کو اس صلہ میں بہت کچھ انعام ملے گا۔

فرستادہ فرعون بہ مدائن در طلب ساحران

(فرعون کا شہروں میں جادوگروں کے بلانے کے لیے قاصد روانہ کرنا)

چوں کہ موسیٰ باز گشت و او بماند
اہل رائے و مشورت را پیش خواند

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزۂ عصا دکھا کر فرعون کے پاس سے واپس آئے اور فرعون اکیلا رہ گیا تو اس نے مشورہ کے لیے اپنے مشیروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ یہ شخص بڑا دانا جادوگر معلوم ہوتا ہے اور تمکو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے قتل میں جلدی نہ کی جائے

[1] یہ شعر اس ناچیز مؤلف کی طرف سے ہے جو بمنزلہ عنوان کے ہے۔

اور قبل اسکے کہ اس کا جادو اور جھوٹ لوگوں پر چلے ملک کے جادوگروں کو بلاکر اس کا مقابلہ کرایا جائے۔

مجتمع گشتند و بہ فشردند پائے
ہر کسے کردند عرض فکر و رائے

ارکانِ دولت جمع ہو گئے اور مضبوطی کے ساتھ جم کر کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی رائے اور تجویز پیش کی۔

عاقبت ہامان بے سامان دوں
رائے پیش آورد گردش رہنموں

بالآخر فرعون کے وزیر ہامان بے سامان کمینے نے فرعون کے سامنے اپنی رائے پیش کی اور فرعون کی رہنمائی کی۔

کائے شہ صاحب ظفر چوں غم فزود
ساحراں را جمع باید کرد زود

اے فتحمند بادشاہ چونکہ پریشانی برابر بڑھتی جارہی ہے اس لیے اس درویش کے مقابلہ کے لیے جلدی ہی جادوگروں کو جمع کرنا چاہیئے۔

درممالک ساحراں داریم ما ٭ ہر یکے در سحر فرد و پیشوا

ہم اپنی قلمرو میں بہت سے جادوگر رکھتے ہیں جن میں سے ہر ایک فنِ سحر میں یکتا اور پیشوا ہے۔

مصلحت آنست کز اطرافِ مصر ٭ جمع آرد شانِ شہ و صرّاف مصر

مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اطرافِ مصر سے بادشاہ اور اس کے نائب جو اس ملک میں منصرف اور حکمران ہیں جادوگروں کو جمع کریں۔

او بسے مردم فرستاد آں زماں ٭ درنواحی بہر جمع جادواں ساحراں

فرعون نے اسی وقت تمام اطراف و جوانب میں جادوگروں کے جمع کرنے کے لیے قاصد روانہ کر دیئے۔ کہ انکو بلاکر لائیں۔

دو جواں بودند ساحر مشتہر ٭ سحر ایشاں در دلِ شہ مستمر

دو جوان ملک مصر میں فن ساحری میں بہت مشہور تھے اور ان کا سحر بادشاہ کے دل میں خوب راسخ تھا۔

چوں بر ایشاں آمد آں پیغام شاہ ٭ کز شما شاہ است اکنوں چارہ خواہ

چنانچہ انکے پاس بادشاہ کا پیغام پہنچا کہ بادشاہ تم سے چارہ خواہ ہے اور مدد چاہتا ہے۔

از پئے آنکہ دو درویش آمدند ٭ بر شہ و بر قصر او موکب زدند
اس لیے کہ بادشاہ کے پاس دو درویش آئے اور انہوں نے بادشاہ اور اس کے محل پر حملہ کر دیا اور قصر شاہی میں آکر اپنا ڈیرہ جما لیا جس وجہ سے بادشاہ سخت پریشان ہے۔

نیست با ایشان بغیر یک عصا ٭ کہ ہمی گردد بامرش اژدھا
اس درویش کے پاس سوائے ایک عصا (لاٹھی) کے کچھ نہیں اور وہ عصا اس درویش کے حکم سے اژدہا بن جاتا ہے۔

شاہ و لشکر جملہ بے چارہ شدند ٭ زیں دو کس جملہ با فغاں آمدند
ان دونوں درویشوں سے سب نالاں ہیں اور بادشاہ اور اس کا لشکر ان کے سامنے مجبور اور لاچار ہیں حالانکہ ان درویشوں کے پاس نہ کوئی فوج ہے اور نہ کوئی لشکر ہے۔

چارہ جویاں بندہ از پیش شما ٭ شاہ ازاں ارسال فرمود است تا
قاصد نے کہا کہ بادشاہ نے اس مشکل کی چارہ جوئی کے لیے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔

چارۂ سازید اندر دفع شاں ٭ گنج ہا بخشد عوض شہ بیکراں
تاکہ تم اس مشکل کو دفع کرنے میں بادشاہ کی چارہ سازی کرو بادشاہ اسکے صلہ میں تم کو بے شمار خزانے بخشے گا۔

آں دو ساحر را چو ایں پیغام داد ٭ ترس و مہرے در دلِ ہر دو فتاد
جب قاصد نے ان دونوں ساحروں کو فرعون کا یہ پیغام پہنچایا تو یہ پیغام سُن کر ان کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کا کچھ خوف وہراس بھی اور کچھ محبت بھی دل میں پیدا ہوئی اور خوف تو اس لیے پیدا ہوا کہ جن درویشوں نے بادشاہ کو ناک چنے چبوا دیئے نہ معلوم ان میں کس بلا کی طاقت ہوگی اور یہ سنکر کہ ان درویشوں کا عصا اژدہا بن جاتا ہے خوف زدہ ہوگئے اور محبت اس لیے ہوئی کہ باوجود درویشی اور فقیری کے بادشاہ ان سے لرزاں اور ترساں ہے تو ضرور یہ خدا کے خاص بندے ہونگے۔

یہ دونوں جادوگر اس پیغام کو سُن کر اپنے گھر آئے اور اپنی ماں سے کہا کہ اے ماں ہمیں ہمارے بابا کی قبر بتاؤ کہ ہم اسکی روح سے کچھ ضروری باتیں دریافت کریں۔ ماں انکو باپ کی قبر پہ لے گئی۔ وہاں جاکر دونوں نے فرعون کے نام کے تین روزے رکھے، تین روز سے رکھنے کے بعد باپ کی قبر کے پاس کھڑے ہوکر بولے اے بابا یعنی اے بابا کی روح بادشاہ نے ہمارے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ ان دو درویشوں نے مجھے سخت پریشان اور حیران کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے مجھے بے آبرو کردیا ہے اور یہ دونوں عجیب درویش ہیں نہ ان کے پاس کوئی ہتھیار ہے اور نہ فوج۔ بجز ایک عصا کے اور کچھ بھی نہیں اور سارا شور وشر اسی ایک عصا کے اندر ہے اے بابا آپ سچوں کے ملک میں گئے ہیں۔ اگرچہ بظاہر آپ مٹی میں سوتے ہیں آپ سے ہماری یہ درخواست ہے کہ آپ ہم کو ان درویشوں کی سچی حقیقت سے آگاہ

فرما دیں۔ اگر انکا یہ عصا کوئی جادو ہے تو یہ بتا دیجئے اور اگر خدائی قوت اور کرشمۂ ایزدی ہے تو وہ بتلا دیجئے تاکہ ہم بھی اسی خدا کے مطیع ہو جائیں جس خدا نے یہ کرشمہ ان درویشوں کو عطا کیا ہے اور کیمیا خداوندی سے مل کر کیمیا ہو جائیں ہم اس وقت ناامیدی کی حالت میں ہیں شاید کوئی امید نظر آتے اور ضلالت کی شب تاریک میں شاید کوئی آفتاب ہدایت طلوع کر آئے اور ہم ہدایت پر آجائیں اور اللہ تعالے کا کرم ہم کو اپنی طرف کھینچ لے، غرض یہ کہ آپ ہمکو اس حقیقت سے آگاہ فرمائیے آپ اس وقت سچوں کے ملک میں ہیں جو بتلائیں گے وہ صحیح ہوگا۔

بعد ازاں گفتند اے مادر بیا ✤ گور بابا کو تو مارا راہ نما

جب ان دونوں جادوگروں کو بادشاہ کا پیغام پہنچا تو یہ دونوں پیغام سُن کر اپنے گھر آئے اور اپنی ماں سے کہا کہ اے ماں آ اور چل کر ہمیں ہمارے باپ کی قبر بتلا کہ وہ کہاں ہے اور تو ہماری رہنما ہے قبر کی رہنمائی کر۔

بُرد شاں برگور او بنمود راہ ✤ پس سہ روزہ داشتند از بہر شاہ

پس انکی ماں انکو اُنکے باپ کی قبر پر لے گئی وہاں جاکر ان دونوں نے بادشاہ کے نام کے تین روزے رکھے۔

بعد ازاں گفتند اے بابا بما ✤ شاہ پیغامے فرستاد از وَحَا

اس کے بعد انہوں نے کہا اے بابا۔ بادشاہ نے خوفزدہ ہو کر ہمیں ایک پیغام بھیجا ہے۔

کہ دو مرد اورا بہ تنگ آوردہ اند ✤ آبرویش پیش لشکر بردہ اند

کہ دو درویشوں نے اسکو تنگ کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے بے آبرو کر دیا ہے۔

نیست با ایشاں سلاح و لشکرے ✤ جز عصا و در عصا شورے شرے

ان کے پاس کوئی ہتھیار اور لشکر نہیں صرف ایک عصا ہے اور اسی ایک عصا میں سارا شور و شر بھرا ہوا ہے

تو جہانِ راستاں در رفتۂ ✤ گرچہ در صورت بخا کے خفتۂ

تو سچوں کے جہان میں چلا گیا ہے اگرچہ بظاہر تو خاک میں سو رہا ہے تو جو کہے گا وہ صحیح ہوگا۔

آں اگر سحر است وہ مارا خبر ✤ ور خدائی باشد اے جان پدر

ہم خبر دہ تاکہ ما سجدہ کنیم ✤ خویش را بر کیمیائے بر زنیم

یعنی کوئی کرشمۂ خداوندی ہے تو اس کی بھی ہم کو خبر دے تاکہ ہم اسکے سامنے سجدہ کریں اور اپنے آپکو اس کیمیا والے پر لگا کر کیمیا بن جائیں کیمیا کا خاصہ ہے کہ اس پر اگر تانبے کو لگائیں تو وہ تانبہ بھی کیمیا بن جاتا ہے۔

ناامید انیم امیدے رسد ✤ در شب دیجور خورشیدے رسد

ہم اس وقت ناامیدی کی حالت میں ہیں۔ شاید کوئی امید آن پہنچے اور حیرت کی شب تاریک

ہیں کوئی آفتاب ہماری رہنمائی کے لیے پہنچے۔

از ضلال آئیم در راہِ رَشَدْ ✤ راندگانیم و کرم مارا کشد

اور شاید گمراہی سے نکل کر راہِ راست پر آجائیں اور ہم راندۂ درگاہ ہیں شاید خدا کا کرم ہم کو اپنی طرف کھینچ لے۔

جواب گفتن ساحِرِ مُردہ با فرزندانِ خود

مردہ ساحر کا اپنے بیٹوں کو ان کے استفسار کا جواب دینا۔

گفت شاں درخواب کاے اولادِ من ✤ نیست ممکن ظاہر ایں را دم مزن

فاش مطلق گفتنم دستور نیست ✤ لیک راز از پیش چشم دور نیست

اس مردہ ساحر نے خواب میں کہا اے میرے بیٹو اس راز کا صاف صاف کہنا ممکن نہیں۔ میں اس کام کی حقیقت سے بخوبی واقف ہوں یہ راز میری آنکھوں سے پوشیدہ نہیں مگر مجھے صاف صاف کہنے کی اجازت نہیں۔

یک نشانے وا نمایم با شما ✤ تا شود پیدا شمارا ایں خفا

لیکن میں تمکو ایک نشانی اور علامت بتلاتا ہوں جس سے یہ پوشیدہ راز تم پر ظاہر ہو جائیگا۔

نور چشمانم چو آنجا می روید ✤ از مقامِ خواب شاں آگہ شوید

اے میرے نورِ چشمو تم دونوں جاؤ اور اس درویش کی خواب گاہ معلوم کرو کہ کس جگہ سوتا ہے

آں زماں کہ خفتہ باشد آں حکیم ✤ آں عصا گیرید و بگذارید بیم

جب تم اس عصا والے دانا اور حکیم کو سوتا ہوا پاؤ تو اسکی کوشش کرو کہ کسی طرح انکی عصا کو چرا لو یا اٹھالو اور دیکھو ڈرنا نہیں ورنہ راز منکشف ہو جائیگا۔

گر بدزدیدش عصا آں ساحراست ✤ چارۂ ساحر شمارا حاضر است

پس اگر تم اس عصا کے چرانے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ موسیٰ علیہ السلام ساحر اور جادوگر ہے اور سحر کا رد اور توڑ تمہارے لیے کوئی مشکل نہیں ہر سحر کا علاج تمہارے پاس موجود ہے۔

ورنہ بتو انید ہاں آں ایزدی است ✤ او رسولِ ذوالجلال و مہتدی است

اور اگر تم اس عصا کے چرانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو خوب سمجھ لینا کہ وہ کوئی خدائی قوت اور غیبی کرشمہ ہے اور یقین کر لینا کہ وہ شخص جادوگر نہیں بلکہ خداوند ذوالجلال کا فرستادہ اور ہدایت یافتہ ہے کوئی اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

گر جہاں فرعون گیرد شرق و غرب ✤ سرنگوں آید خدا را گاہ حرب

فرعون اگر مشرق و مغرب پر بھی قبضہ کرے تب بھی وہ خدا سے نہیں لڑ سکتا جنگ کے وقت وہ سر کے بل گر یگا۔

این نشان راست دادم جان باب ✽ برنویس اللہ اعلم بالصواب

اے باپ کی جان بیں میں نے تمکو ٹھیک اور سچی نشانی بتلادی ہے اسکو لکھ لو یعنی خوب یاد کر لو آگے اللہ ہی بہتر جانتا ہے مطلب یہ ہے کہ سحر اور جادو ساحر اور جادوگر کا ایک فعل اور تصرف ہے جو اس کی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے۔ جادوگر جب سوجاتا ہے تو اس جادو کا کوئی رہبر نہیں رہتا لہذا وہ سحر معطل اور بیکار ہو جاتا ہے جیسا کہ چرواہا جب سوجاتا ہے تو بھیڑیا نڈر ہو جاتا ہے اس لیے کہ چرواہے کے سونے سے اسکی تدبیر رُک جاتی ہے بخلاف اس شئے کے کہ جسکا محافظ اور نگہبان خدا تعالیٰ ہو۔ وہاں بھیڑیئے کی رسائی ممکن نہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ پر غفلت طاری نہیں ہوسکتی پس اگر تم انکے عصا کو نہ چرا سکے تو سمجھ لینا کہ یہ خدائی طلسم ہے جس کا کوئی توڑ نہیں اور یقین کر لینا کہ وہ سچے نبی ہیں اور یہ انکی نبوت کی قطعی نشانی ہے اور ایسی قطعی ہے کہ سونا تو درکنار اگر انکی وفات بھی ہو جاتے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو بلند ہی فرمائیں گے اور کبھی بھی مغلوب نہ ہونگے۔ بیٹا جاؤ یہ سچی نشانی ہے جو میں نے تم کو بتادی ہے تم اسے دل پر نقش کر لو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دونوں بیٹے باپ کا یہ حکم سُن کر موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ وہ دونوں ایک درخت کے نیچے سو رہے ہیں اور عصا قریب میں رکھا ہوا ہے ان دونوں نے موقعہ غنیمت جانا اور عصا چرانے کے لیے آگے بڑھے عصا نے یکا یک حرکت کی اور اژدھا بن کر ان پر حملہ آور ہوا یہ دیکھ کر دونوں بھاگ گئے۔

مولانا بحر العلوم شرح مثنوی صفحہ ۲۹ جلد ۳ میں فرماتے ہیں کہ مولانا روم نے ان اشعار میں سحر اور معجزہ کے فرق کو واضح فرمایا ہے وہ یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا کیونکہ سحر ساحر کا فعل ہے اور اسکی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے جب ساحر اپنے سحر سے غافل ہوا تو سحر بھی ختم ہوا بخلاف معجزے کے کہ وہ اللہ کا فعل ہے جسکو اس نے محض اپنی قدرت سے بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر پیدا کیا ہے تاکہ اسکی صداقت ظاہر ہو اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیز کبھی ختم نہیں ہوتی جب تک کہ ارادۂ الٰہی اسکو باقی رکھنا چاہے وہ باقی رہے گی رسول کی غفلت کو معجزہ کی بقار اور عدم بقار میں کوئی دخل نہیں معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور وہی اسکا نگہبان ہے۔ رسول کے دشمنوں کو عاجز کرنے کے لیے خدا نے یہ اعجاز ظاہر فرمایا۔ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہوتا کہ اس میں نبی کے تصرف اور ہمت کو دخل ہو توجہ تو درکنار نبی کو تو بسا اوقات اسکا علم بھی نہیں ہوتا رسول کو کبھی اسکا علم ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ عرض کیا کہ میرا عصا ہے فرمایا اسکو زمین پر ڈالدو، وہ اژدہا بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام بمقتضائے بشریت ڈر کر بھاگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ڈرو مت بس اگر عصا کا سانپ ہونا موسیٰ علیہ

السلام کی توجہ اور ہمت سے ہوتا تو انکو ڈر کر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ انبیاء کرامؑ سے جس قدر معجزات ظاہر ہوئے ان میں نبی کی توجہ اور ہمت کو کوئی دخل نہیں وہ سب اللہ کی قدرت کے کرشمے تھے۔ کما قال تعالیٰ۔ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا اس لیے کہ وہ اسکی ہمت اور توجہ پر موقوف ہوتا ہے اور جو چیز مخلوق کی ہمت اور توجہ سے ظہور میں آئے گی اسکے لیے یہ شرط ہے کہ صاحب ہمت اس چیز سے غافل نہ ہو ورنہ وہ چیز نیست اور معدوم ہو جائے گی بخلاف معجزے کے کہ اس کے باقی رہنے کے لیے صاحب معجزہ کی بیداری اور عدم غفلت شرط نہیں۔ اس لیے کہ معجزہ اللہ کا فعل ہے۔ اللہ کے ارادہ سے ظاہر ہوتا ہے نبی کی توجہ اور ہمت سے اسکا ظہور نہیں ہوتا پس معجزہ اس امر الٰہی کو کہتے ہیں جو امر اللہ تعالیٰ نبی کے ہاتھ پر بغیر نبی کے کسی تصرف اور توجہ کے پیدا فرمادیں اس امر کا پیدا ہونا نبی کی دعا کے بعد ہو یا بلا دعا کے بہر حال معجزہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی کو یہ معلوم نہیں کہ دریا پر عصا مارنے سے کس طرح دریا میں راستے بن جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے دریا پر عصا مارا اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے بارہ راستے پیدا کر دیئے اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر گزر گئے مگر انکو یہ معلوم نہیں تھا کہ کس طرح عصا مارنے سے دریا میں بارہ سڑکیں بن گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے چاند کی طرف انگلی کا اشارہ کیا اللہ کی قدرت سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے مگر حضورؐ کو چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا طریقہ معلوم نہ تھا اور نہ آپکو یہ قدرت تھی کہ بذاتِ خود جس وقت چاہیں اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کرلیں غرض یہ کہ سحر ساحر کا فعل ہے اور معجزہ اللہ کا فعل ہے۔ اس میں نبی کی قدرت اور تصرف اور ہمت کو دخل نہیں بسا اوقات نبی کو پہلے سے اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔ خدائے تعالیٰ جب اور جس طرح چاہتا ہے اسکو رسول کے ہاتھ پر ظاہر کر دیتا ہے اور سحر ساحر کا فعل اور تصرف ہوتا ہے پہلے سے اس کو اسکا علم ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

جانِ بابا چوں بخسپد ساحرے ❊ سحر و مکرش را نباشد رہبرے

اے جانِ پدر خوب سمجھ لو کہ جب جادوگر سو جاتا ہے تو پھر اس کے سحر اور مکر کا کوئی رہنما باقی نہیں رہتا جسکے سہارے سے وہ سحر اور مکر چل سکے۔

چوں کہ چوپاں خفت گرگ ایمن شود ❊ چونکہ خفت آں جہدِ آں ساکن شود

جب گڈریا سو جاتا ہے تو اسکی نگرانی بھی سو جاتی ہے سو ایسی حالت میں بھیڑیا بے خوف ہو جاتا ہے۔ جب چرواہا سو گیا تو اسکی کوشش اور نگرانی بھی ساکن ہو گئی۔

لیک حیوانیکہ چوپانش خداست
گرگ را آنجا امید و رہ کجاست

لیکن جس حیوان اور جانور کا رکھوالا خدا ہے وہاں بھیڑیئے کو کوئی امید اور طمع نہیں اور نہ وہاں اس

کے لیے کوئی راہ ہے۔

جادو ئیکہ حق کند حق است وراست
جادوئے خواندن مرآں حق راخطا است

جو جادو حق تعالٰی کرے وہ درحقیقت حق اور درست ہے اس فعل حق کو جادو کہنا غلطی ہے۔

جانِ بابا ایں نشانِ قاطع است
گر بمیرد نیز حقش رافع است

اے جانِ پدر یہ نشان قطعی ہے صاحب نشان اگر مر بھی جائے تو حق تعالٰی اس نشان کو بلند کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے کیونکہ یہ معجزہ اللہ تعالٰی کا فعل ہے وہ جب تک چاہے گا اسکو باقی رکھے گا اس کے بقار اور عدم بقار میں نبی کے خواب اور وفات کو دخل نہیں کیونکہ جب اس معجزہ کے وجود اور ظہور میں نبی کی ہمت اور تصرف کو دخل نہیں تو اسکی بقار اور محفوظیت میں بھی نبی کے تصرف اور ہمت و بیداری اور غفلت کو بھی دخل نہ ہوگا۔ دیکھو حاشیۂ مثنوی مولانا روم دفتر سوم صـ۱۰۰ وصـ۱۰۱۔ اور دیکھو حاشیہ بحرالعلوم بر مثنوی صـ۵۰ دفتر سوم۔ بقیہ حکایت کے لیے مثنوی کی مراجعت کریں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ
اور ہم نے پکڑ لیا فرعون والوں کو قحطوں میں اور

نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾
میووں کے نقصان میں شاید وہ دھیان کریں۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
پھر جب پہنچی انکو بھلائی کہنے لگے یہ ہے ہمارے واسطے اور اگر پہنچے

سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا
برائی شومی بتاتے موسیٰ کی اور اس کے ساتھ والوں کی، سن لو شومی

طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَ
ان کی اللہ ہی پاس ہے پر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور

قَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا

کہنے لگے، جو تو لاوے گا ہم پاس نشانی کہ ہم کو اس سے جادو کرے سو ہم

نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ

تجھ کو نہ مانیں گے۔ پھر بھیجا ان پر طوفان اور

الْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۣ

ٹڈی اور چچڑی اور مینڈک اور لہو کتنی نشانیاں جدی جدی

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا

پھر تکبر کرتے رہے اور تھے وہ لوگ گنہ گار۔ اور جب بار

وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

پڑا ان پر عذاب بولے اے موسیٰ پکار ہمارے واسطے اپنے

بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ

رب کو جیسا سکھا رکھا ہے تجھ کو اگر تو نے اٹھایا ہم سے عذاب تو

لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ ۚ

بیشک تجھ کو مانیں گے اور رخصت کریں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ

پھر جب ہم نے اٹھا لیا اُن سے عذاب ایک وعدے تک کہ ان کو پہنچنا

اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

تھا تبھی منکر ہو جاتے۔ پھر ہم نے بدلا لیا ان سے پھر ڈوبا دیا

فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا

گہرے پانی میں اس پر کہ جھٹلائیں ہماری آیتیں اور کر رہے ان سے

غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا

تغافل - اور وارث کیے ہم نے جو لوگ

يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ

کمزور ہو رہے تھے اس زمین کے مشرق کے اور مغرب کے جس میں

بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى

برکت رکھی ہے ہم نے اور پورا ہوا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ

بنی اسرائیل پر، اس پر کہ وہ ٹھہرے رہے اور خراب کیا ہم نے جو

يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

بنایا تھا فرعون اور اس کی قوم نے اور انگور چڑھاتے چھتریوں پر۔

ذکر نزولِ مصائب عبرت بر قبطیان تا آخر ہلاکت

قال تعالیٰ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ... الی... وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝

(**ربط**) گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے یہ وعدہ ذکر فرمایا۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ۔ عنقریب خدا تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کریگا۔ اب ان آیات میں اس اہلاک موعود کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ قوم فرعون کس طرح بتدریج ہلاک کی گئی اور وقتاً فوقتاً ان پر کیا کیا مصیبتیں اور کیا کیا بلائیں یکے بعد دیگرے نازل کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ان پر بلائیں نازل کیں تاکہ متنبہ ہو جائیں اور عبرت اور نصیحت پکڑیں کہ انبیاء کرام کی تکذیب اور مقابلہ کا انجام ایسا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب کسی طرح متنبہ نہ ہوئے تو بالآخر غرق کر دیئے گئے۔ یہ غرقابی انکی ہلاکت کی آخری منزل تھی۔ (تفسیر کبیر ص ۲۸۶ جلد ۴)

مطلب یہ ہے کہ جب فرعون اور قوم فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے لیے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بتدریج ان پر سات بلائیں اور مصیبتیں نازل کیں

سب سے پہلے قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کیا۔ پھر پانی کا طوفان آیا پھر ٹڈیاں مسلط کیں تاکہ کھیت تباہ ہو جائیں پھر گھن کا کیڑا پیدا کر دیا کہ گھروں میں جو غلہ کا ذخیرہ تھا گھن کے کیڑوں نے اس کو ختم کر دیا پھر مینڈک پیدا کر دیئے مینڈکوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ تمام مکانات اس سے بھر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ملک کے تمام پانیوں کو قبطیوں کے حق میں خون کر دیا۔ چنانچہ قبطی جس کنوئیں اور دریا سے پانی بھرتے تو وہ پانی خون ہو جاتا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے یہ بلائیں ان پر نازل ہوئیں جب کبھی کوئی بلا ان پر نازل ہوتی تو گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے اور یہ کہتے کہ اگر آپ کی دعا سے یہ بلا دور ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے اور آپ کی دعا سے وہ بلا دور ہو جاتی اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی تو پھر وہ اپنی سابق سرکشی کی طرف رجوع کرتے۔ سچ ہے کہ جس کے دل پر مہر کر دیں اسے کون ہدایت کر سکتا ہے غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انکی تنبیہ کے لیے چند بار عذاب نازل کیا مگر پھر بھی انکو تنبہ نہ ہوا بلکہ سرکشی میں اور زیادتی ہوتی رہی تب اللہ تعالیٰ نے انکو دریا میں غرق کر دیا اور ان کا کام تمام کیا۔ اور انکے تمام ملک کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا اور حق تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ۔ اور وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ۔ وہ دونوں وعدے پورے کر دیئے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ نے دشمنوں کے ہلاک کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ۔ اب ان آیات میں ان مصیبتوں اور آفتوں کا بیان ہے جو ان کو آخری ہلاکت سے پہلے یکے بعد دیگرے پیش آئیں چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے قوم فرعون کو قحطوں میں اور میووں کے نقصان میں مبتلا کر دیا۔ کہ آسمان سے مینہ برسنا بند ہو گیا اور درختوں پر آفتیں ڈالیں کہ جن سے پھلوں کی پیداوار کم ہو گئی حتیٰ کہ کسی نخلہ میں کھجور کا ایک ہی دانہ لگتا مطلب یہ ہے کہ کھیتیاں بھی برباد ہوئیں اور باغات بھی تباہ ہوئے شاید وہ متنبہ ہو جائیں اور اپنی سرکشی سے رجوع کریں مگر ان کو کچھ تنبہ نہ ہوا بلکہ اور سخت دل ہو گئے سو جب انکو کوئی بھلائی اور خوشحالی اور فراغت اور ارزانی پہنچتی تو یہ کہتے کہ یہ تو ہمارے ہی لیے ہے یعنی ہم اس کے مستحق ہیں بجائے شکر کے اس نعمت کو اپنی خوش بختی سمجھتے اور جب انکو کوئی برائی پہنچتی جیسے قحط اور بیماری وغیرہ تو موسیٰ علیہ السلام اور انکے ساتھ والوں کی نحوست بتلاتے اور یہ خیال نہ کرتے کہ یہ سب ہمارے کفر اور برے اعمال کی نحوست ہے آگاہ ہو جاؤ کہ یہ نحوست موسیٰ کی نہیں بلکہ انکی نحوست اور شومیٔ قسمت کا سبب اللہ کے علم میں ہے یعنی انکو جو تکلیفیں پہنچیں یہ ان کے برے اعمال کی نحوست ہے موسیٰ علیہ السلام کا اس میں کوئی دخل نہیں اس لیے کہ وہ تو اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندے ہیں انکی طرف نحوست کی نسبت ممکن نہیں۔ تمہاری نحوست کا اصلی اور واقعی سبب خدا کے علم میں ہے اور وہ تمہاری سرکشی اور لغاوت ہے جسکی وجہ سے دنیا میں نحوست کا کچھ حصہ وقتی طور پر بطور سزا و تنبیہ تم کو پہنچ رہا ہے کیونکہ سختیوں سے دل نرم ہو جاتا ہے اور سرکشی سے عاجزی کی طرف

مائل ہو جاتا ہے باقی تمہارے کفر اور ظلم کی اصل نحوست خدا کے پاس محفوظ ہے وہ تم کو آخرت میں پہنچے گی لیکن ان میں سے اکثر اس بات کو جانتے نہیں انکا گمان یہ ہے کہ یہ آیات اور معجزات سب سحر ہیں اور یہ انکی نحوست ہے اور یہ کہتے ہیں کہ اے موسیٰ تو جب کبھی بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لیکر آئیگا تاکہ اس سے ہم پر جادو کرے تو ہم تیرے لیے باور کرنے والے نہیں یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کے معجزات کو سحر سمجھتے تھے اور بطور تمسخر یہ کہتے تھے کہ ہم ان پر ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر اسکے علاوہ دوسری عقوبتیں نازل کیں۔ پس ہم نے ان پر پانی کا طوفان بھیجا یعنی ان پر ایک ہفتہ متواتر بارش ہوئی۔ جس سے جان اور مال اور کھیتوں کی تباہی کا اندیشہ ہو گیا اور بھیجی ہم نے ان پر ٹڈیاں جنہوں نے ان کے کھیتوں کو خراب کر ڈالا اور بھیجی ہم نے ان پر جوئیں یا گھن کے کیڑے اتنی جوئیں پیدا ہو گئیں کہ تمام مکانوں اور کھانے کی چیزوں میں بھر گئیں یا یہ معنی ہیں کہ اللہ نے گھن کے کیڑے پیدا کر دیئے کہ جو غلہ ان کے مکانوں میں بھرا ہوا تھا اسے خدا کے حکم سے گھن کا کیڑا لگ گیا جس سے سارا غلہ تباہ ہو گیا اور بھیجے ہم نے ان پر مینڈک یعنی مینڈک اس قدر پیدا کر دیئے گئے کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا مینڈکوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ کھانا اور پینا اور گھر میں بیٹھنا مشکل ہو گیا اور خون کا عذاب ان پر مسلط کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے قبطیوں کے حق میں تمام ملک کے پانی کو خون بنا دیا کنوئیں سے پانی بھرتے تو وہ خون اور دریا سے پانی لیتے تو وہ خون قبطی جو پانی لیتا وہ اسکے منہ میں جا کر خون ہو جاتا۔ غرض یہ کہ یہ سات عذاب ہم نے ان پر مسلط کیے درآنحالیکہ یہ سب ہماری قدرت اور قہر کی کھلی کھلی نشانیاں تھیں جن میں سحر کا شائبہ بھی نہ تھا جیسا کہ وہ کہتے تھے ۔ لِتَسْحَرَنَا بِهَا۔ یا یہ معنی ہیں کہ یہ نشانیاں جدا جدا تھیں یعنی ان جدا جدا عذابوں میں سے ہے ۔ ایک عذاب ان پر ایک ہفتہ تک رہا۔ اور ہر دو عذابوں کے درمیان ایک ہفتہ کا وقفہ تھا مطلب یہ ہے کہ خدا کی جانب سے ان پر قہر کی یہ نشانیاں جدا جدا آئیں تاکہ ان پر اللہ کی حجت قائم ہو۔ پس باوجود ان واضح نشانیوں کے اور مختلف قسم کے عذابوں کے بھی ان لوگوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا اور تھے ہی یہ لوگ جرائم پیشہ جرم اور سرکشی کے خوگر اور عادی ہو چکے تھے ۔ کہ باوجود سختی کے بھی جرم سے باز نہ آئے غرض یہ کہ یہ سات بلائیں موسیٰ علیہ السلام کے سات معجزے تھے اور یہ ساتوں عصا اور ید بیضاً کے ساتھ مل کر آیات تسعہ کہلاتے ہیں اور ان کے مجرم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب کبھی ان پر مذکورہ بالا عذابوں میں سے کوئی عذاب نازل ہوتا تو اس وقت مجبور ہو کر یہ کہتے اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے رب سے اس قہر کے ٹلنے کی دعا کیجیئے جیسا کہ خدا نے تجھ سے قبولیت کا عہد کیا ہے یعنی خدا تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جب تو اس سے دعا کریگا تو وہ اسے قبول فرمائے گا۔ البتہ ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تو نے اپنی دعا سے اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیا تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو ضرور تیرے ساتھ بھیج دیں گے ۔ جب بھی کوئی عذاب آتا تو موسیٰ علیہ السلام سے آکر دعا کی درخواست کرتے اور پختہ وعدہ کرتے کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپکے ہمراہ کر دیں گے۔

پھر جب ہم موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ایک خاص مدت تک کے لیے جس کو وہ پہنچنے والے تھے عذاب کو ہٹا لیتے تو وہ فوراً ہی اپنے عہد کو توڑ ڈالتے۔ اس اجل سے وہ مدت مراد ہے جو دو عذابوں کے نزول کے درمیان گزرتی تھی۔ اور جس میں وہ چین اور امن سے رہتے تھے۔ جب وہ وقت گزر جاتا تو حسب سابق سرکشی اور بدعہدی کرنے لگتے پس اب تک تو ہم نے تنبیہ کے لیے وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا عذاب نازل کیا لیکن جب باوجود ان سخت تنبیہوں کے بھی سرکشی سے باز نہ آئے اور برابر بدعہدی کرتے رہے تو ہم نے انکے دائمی عذاب اور ابدی ہلاکت کا ارادہ کر لیا اور ان مجرمین سے انکی سرکشی اور بدعہدی کا پورا پورا بدلہ لے لیا سو ہم نے انکو دریا میں غرق کر دیا اس لیے کہ انہوں نے ہماری قدرت کی نشانیوں کو جھٹلایا اور تھے یہ لوگ ہماری آیتوں سے تغافل برتنے والے کہ تکبر کی وجہ سے ان میں غور و فکر بھی نہ کیا اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور و ناتواں سمجھے جاتے تھے یعنی بنی اسرائیل کو اس زمین کے مشرق اور مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے بظاہر اس برکت والی سرزمین سے مصر کی زمین مراد ہے۔ یعنی فرعونیوں کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل کو زمین مصر کا وارث بنا دیا اور اے نبی تیرے پروردگار کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں انکے صبر کی وجہ سے پورا ہوا کہ انہوں نے شدت اور مصیبتوں پر صبر کیا اور ہم نے خراب اور برباد کر دیا اس چیز کو جسکو فرعون اور اسکی قوم بناتی تھی اور جو بلند عمارت وہ بناتے تھے اسکو بھی ہم نے ملیامیٹ کر دیا یعنی انکے محلات اور مکانات سب کو منہدم کر دیا

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ جب انکی سرکشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور باوجود اس قدر متواتر تنبیہات کے بھی وہ متنبہ نہ ہوئے تو ہم نے انکو دریا میں غرق کر دیا اور انکے تمام ملک کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا اور جو سچا وعدہ ہم نے ان سے کیا تھا وہ پورا کر دیا اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ مشارق الارض ومغاربہا سے زمین شام کے مشرقی اور مغربی حصے مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ

اور پار اتارا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو وہ پہنچے ایک لوگوں پر

یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّہُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ

کہ پوجنے میں لگ رہے تھے اپنے بتوں پر بولے اے موسیٰ! بنا دے

لَّنَآ اِلٰـھًا کَمَا لَہُمْ اٰلِہَۃٌ ۭ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْہَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ہم کو بھی ایک بت جیسے انکے بت ہیں کہا تم لوگ جہل کرتے ہو۔

إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوا

یہ لوگ جو ہیں تباہ ہونا ہے انکو جس کام میں لگے ہیں اور غلط ہے جو کر رہے

يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰهًا وَّهُوَ

ہیں - کہا کیا اللہ کے سوا لا دوں تم کو کوئی معبود ؟ اور اس

فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَإِذْ أَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ

نے تمکو بزرگی دی سب جہان پر - اور وہ وقت یاد کرو جب بچا لیا ہم نے تم کو

فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُونَ أَبْنَآءَكُمْ

فرعون والوں سے دیتے تھے تم کو بری مار - مار ڈالتے تمہارے بیٹے

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور جیتی رکھتے تمہاری عورتیں - اور اس میں احسان ہے تمہارے رب

عَظِيمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع

کا بڑا -

ذکر بعض جہالت بنی اسرائیل باینہمہ انعام جلیل

قال اللہ تعالیٰ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ... الی... وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ

(ربط) گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل پر حق تعالیٰ کے انعاماتِ جلیلہ کا ذکر تھا۔ اب ان آیتوں میں ان کی بعض جہالتوں کا ذکر ہے کہ بت پرستوں کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام سے ویسی ہی درخواست کرنے لگے - موسیٰ علیہ السلام نے اس جاہلانہ درخواست پر انہیں سخت سرزنش کی اور حق جل شانہ کے انعامات اور احسانات یاد دلاتے کہ باوجود ان احسانات کے تم یہ چاہتے ہو کہ ایسے عظیم الشان منعم اور محسن کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا معبود بناؤ اور پتھروں کے سامنے اپنا سر جھکاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو صحیح سالم سمندر کے پار اتار دیا۔ پس انکا ایک ایسی قوم پر

گزر ہوا جو اپنے بتوں کی پرستش پر جمے بیٹھے تھے۔ کہ اس بتکدے کے مجاور اور معتکف بنے ہوئے تھے ان بتوں کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک مورت اور بُت بنا دیجئے جیسے اس قوم کے لیے معبود ہیں کہ انہیں یہ لوگ پوجتے ہیں یعنی جس طرح اس قوم کا معبود مجسم ہے اسی طرح ہمارے لیے بھی ایک مجسم معبود بنا دیجئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تحقیق تم عجیب قوم ہو کہ وقتاً فوقتاً نئی نئی جہالتوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہو تم جاہلوں کو اللہ کی عظمت اور جلال کی خبر نہیں کہ اللہ ہر شبیہ اور مثال سے پاک اور منزہ ہے۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں بنی اسرائیل موحّد تھے انکو توحید میں شک نہ تھا مگر اپنی جہالت سے یہ خیال کر بیٹھے کہ جب تک کوئی صورت اور مجسم شئے سامنے نہ ہو اس وقت تک خدا کی عبادت نہیں ہوسکتی اس لیے انہوں نے یہ درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے کوئی بت یا کوئی صورت بنا دیجئے جس کو ہم اپنے آگے رکھ کر خدا کی عبادت کیا کریں اس لیے کہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ ایک محسوس چیز کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے اور ان لوگوں نے اپنی جہالت اور حماقت سے یہ خیال کیا کہ یہ امر دیانت اور وحدانیت کے منافی نہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جاہل آدمی نرے بے صورت معبود کے عبادت سے تسکین نہیں پاتا جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو۔ (ان لوگوں نے) وہ قوم دیکھی کہ گائے کی صورت پوجتی تھی۔ انکو بھی یہ ہوس آئی آخر سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا (موضح القرآن)

بنی اسرائیل مدت تک مصری بت پرستوں کے ساتھ رہے انکی بُری صحبت کے اثر سے یہ جاہلانہ خیال دل میں آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم بڑے ہی سخت جاہل ہو جو ایسی درخواست کرتے ہو تم نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں بن سکتی اور نہ اسکی عبادت کے وقت کسی محسوس اور مجسم شئے کو سامنے رکھا جاسکتا ہے یہ سب مشرکانہ اور جاہلانہ خیالات ہیں۔

تنبیہ جاننا چاہیئے کہ یہ بے ہودہ بات بنی اسرائیل کے بعض جاہلوں کے منہ سے نکلی تھی نہ کہ سب کی طرف سے یہ درخواست کی گئی تھی کیونکہ بنی اسرائیل میں احبار اور ربانیین بھی تھے ان کی زبان سے ایسی بے وقوفی کی بات کا نکلنا ممکن نہیں تحقیق بت پرستوں کی یہ جماعت جس مذہب میں لگی ہوئی ہے وہ تباہ اور برباد ہونے والا ہے۔ عنقریب حق تعالیٰ اس دینِ باطل کو حق کے غلبہ سے تباہ و برباد کریں گے اور جو کام یہ کر رہے ہیں وہ بھی سرتاپا غلط اور لغو ہے کیونکہ شرک کے باطل اور غلط ہونے میں کیا شبہ ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا خدا کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود ڈھونڈوں حالانکہ اس نے تمکو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے خدا تعالیٰ نے انواع و اقسام کی جو نعمتیں خاص تم کو دیں وہ اہل عالم میں کسی اور کو نہیں دیں۔ پس ایسے محسن معبود کو چھوڑ کر دوسرے معبود تلاش کرنے کی درخواست بڑی ہی حماقت ہے اور اے بنی اسرائیل وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے تمکو فرعون والوں سے نجات دی کہ وہ تمکو بُری طرح سے عذاب دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ ان احسانات

کی یاد دلانے سے مقصود توبیخ اور سرزنش ہے کہ جس خدا نے تم پر یہ احسانات کیے اسے چھوڑ کر دوسرے معبود کو کیوں تلاش کرتے ہو۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا

اور وعدہ ٹھہرایا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا ان کو

بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ

دس سے تب پوری ہوئی مدت تیرے رب کی چالیس رات اور کہا

مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ

موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو میرا خلیفہ رہ میری قوم میں اور سنوار

وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى

اور نہ چل بگاڑنے والوں کی راہ۔ اور جب پہنچا موسیٰ ہمارے

لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ

وقت پر اور کلام کیا اس سے اسکے رب نے، بولا اے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھکو دیکھوں

قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ

کہا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھے گا لیکن دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف۔ جو وہ

اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ

ٹھہرا اپنی جگہ تو آگے تو دیکھے گا مجھ کو۔ پھر جب نمودار ہوا رب اس

لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ

کا پہاڑ کی طرف کیا اسکو ڈھا کر برابر اور گر پڑا موسیٰ بے ہوش پھر جب چونکا

قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

بولا تیری ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیرے پاس اور میں سب سے پہلے یقین لایا۔

قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ

فرمایا اے موسیٰ! میں نے تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے اپنے پیغام بھیجنے کا

وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

اور اپنے کلام کرنے کا سو لے جو میں نے تجھ کو دیا اور شاکر رہ۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ

اور لکھ دی ہم نے اسکو تختوں پر ہر چیز میں سے سمجھوتی اور

تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ

بیان ہر چیز کا سو پکڑ ان کو زور سے اور کہہ اپنی قوم کو

يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۗ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

کہ پکڑے رہیں اسکی بہتر باتیں اب میں تم کو دکھاؤں گا گھر بے حکم لوگوں کا۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ

میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان کو جو بڑائی ڈھونڈتے ہیں ملک

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ

میں ناحق اور اگر دیکھیں ساری نشانیاں یقین نہ کریں ان کو

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ

اور اگر دیکھیں راہ سنوار کی۔ وہ نہ ٹھہراویں راہ۔

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَىِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۗ ذٰلِكَ

اور اگر دیکھیں راہ الٹی اس کو ٹھہراویں راہ یہ اس

بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَ

واسطے کہ انہوں نے جھوٹ جانیں ہماری آیتیں اور ہو رہے ان سے بے خبر۔ اور

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ

جنہوں نے جھوٹ جانیں ہماری آیتیں اور آخرت کی ملاقات، ضائع ہوئیں

اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

اُنکی محنتیں وہی بدلہ پاویں گے جو کچھ عمل کرتے تھے۔

ذکر مکالمۂ خداوندی با موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام عطار توراۃ

قال اللہ تعالیٰ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً .. الیٰ .. هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

(ربط) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا تھا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کریگا اور تمہیں انکا جانشین اور ان کے ملک کا وارث بنائے گا اور اس وقت میں تم کو حق تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب ہدایت مآب لاکر دونگا جو تمہارے لیے دستور العمل ہوگی۔ چنانچہ جب فرعون ہلاک ہوگیا اور بنی اسرائیل کو اسکے پنجۂ ظلم سے نجات ملی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کتاب کی درخواست کی۔ حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر آکر اعتکاف کریں اور تیس روزے رکھیں اس کے بعد کتاب عنایت ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام نے آخری روزہ میں منہ کی بو دفع کرنے کے لیے مسواک کر لی تو فرشتوں نے کہا کہ اے موسیٰ تمہارے منہ سے جو مشک کی خوشبو آتی تھی وہ جاتی رہی اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ دس دن اور روزے رکھیں تاکہ چلہ پورا ہو جائے۔

اکثر اسلاف کے نزدیک یہ چلہ یکم ذیقعدہ سے شروع ہو کر دس ذی الحجہ کو پورا ہوا غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر چالیس دن ٹھہرے اسکے بعد انکو توریت عطار ہوئی ان آیات میں عطار توراۃ اور مکالمۂ خداوندی کا قصہ ذکر کیا جاتا ہے اور جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے کوئی آسمانی شریعت لائیے تاکہ اب ہم فراغِ خاطر کے ساتھ اس پر عمل کریں اس پر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس وقت ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے توریت دینے کے لیے تیس رات کا وعدہ کیا کہ کوہِ طور پر آکر اعتکاف کرو اور تیس روزے رکھو تو ہم تمکو توراۃ دیں گے اور بعد ازاں ان میں دس اور ملا کر پورا چالیس کر دیا۔ جمہور مفسرین کے نزدیک وہ تیس راتیں ذیقعدہ کی تھیں اور دس راتیں ذی الحجہ کی تھیں اس بنار پر دسویں تاریخ ذی الحجہ کو کلام الٰہی نصیب ہوا۔ اور اسی روز اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دین کو مکمل کیا کما قال تعالیٰ۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

جب موسیٰ علیہ السلام تیس روزے رکھ چکے تو روزے میں خشکی کی وجہ سے منہ میں جو بدبو پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ناگوار معلوم ہوئی اس بو کے دفع کرنے کے لیے مسواک کرلی۔ فرشتوں نے کہا اے موسیٰ! ہم تمہارے منہ سے مشک کی خوشبو سونگھتے تھے مسواک کرنے سے وہ خوشبو جاتی رہی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دس روزے اور رکھیئے تاکہ چلہ پورا ہو جائے پس اس طرح ان کے پروردگار کا مقرر کردہ وقت چالیس رات پورا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور کو جاتے وقت اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میں توریت لینے کے لیے طورِ سینا کی طرف جا رہا ہوں میں جب تک واپس آؤں میری قوم میں تو میرا قائم مقام رہ اور ان کی اصلاح کرتا رہ یعنی صلاح اور تقویٰ کے کاموں میں انکو لگاتے رہنا اور مفسدوں کی راہ پر نہ چلنا یعنی اگر میرے پیچھے یہ لوگ کسی قسم کا فتنہ و فساد برپا کریں اور تیرا کہنا نہ مانیں تو اس وقت تو ان سے علیحدہ ہو جانا اور انکی پیروی نہ کرنا۔ اور نہ کسی بات میں انکی موافقت کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر انکی اصلاح ممکن نہ ہو تو ان سے علیحدگی اختیار کر لینا اور اسکے بعد جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے کے مطابق وقت مقررہ پر پہنچے اور انکے پروردگار نے بلا واسطہ فرشتہ کے ان سے کلام کیا جیسا کہ وہ خداوند قدوس جبریلؑ اور میکائیلؑ سے بلاواسطہ کلام کرتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام کو غایت حلاوت کی وجہ سے اللہ کا کلام سن کر شوق پیدا ہوا کہ اس کلام کے متکلم کو دیکھوں تو زیادتیٔ شوق سے مجبور ہو کر بولے اے میرے پروردگار مجھے اپنے جمال بے مثال کا ایک جلوہ دکھا کہ تیری طرف ایک نظر اٹھا سکوں۔ "تاکہ کلام اور گفتار کے ساتھ دیدار کی نعمت اور کرامت بھی جمع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب[1] میں کہا کہ اے موسیٰ تو مجھے اس دارِ فانی میں ان کمزور آنکھوں کے ساتھ ہرگز نہیں دیکھ سکے گا یعنی تجھ سے میرے جمال بے مثال کا تحمل نہیں ہو سکے گا۔ انسان ضعیف البنیان ہے اس دارِ فانی میں خداوند ذوالجلال کے جلوہ کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس کے جمال بے مثال کی تاب نہیں لا سکتا و لیکن تمہاری تسلی اور تشفی کے لیے یہ کرتا ہوں کہ پہاڑ پر تھوڑی سی تجلی کرتا ہوں پس تم پہاڑ کی طرف نظر کرو کہ جو وجودِ جسمانی میں تم سے کہیں زیادہ قوی ہے اور تحمل کی قوت اس میں تم سے زیادہ ہے پس اگر ہماری اس تجلی کے بعد یہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہا تو قریب ہے یعنی ممکن ہے کہ تو بھی مجھے دیکھ سکے گا اور میری تجلی کا تحمل کر سکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی مخلوق کا فانی اور کمزور وجود اس دارِ فانی میں اسکے دیدار کا تحمل نہیں کر سکتا لیکن خیر ہم تھوڑی دیر کے لیے اپنے جمالِ دلربا کی ایک جھلک اس پہاڑ پر ڈالتے ہیں پس اگر پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اسکو برداشت کر سکی تو ممکن ہے کہ تم بھی اس کو برداشت کر سکو۔ جیسے انسانِ ضعیف البنیان نے اس امانت کے بوجھ کو اٹھا لیا جسکو آسمان اور زمین نہ اٹھا سکے۔ کما قال تعالیٰ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا

---

[1] فرمود پروردگار ہرگز بچشم فانی مرا نتوانی دید کہ قوائے عنصری تحمل آں ندارند (دیکھو تیسیر القاری شرح بخاری ص۲۰۴ ج ۳)

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۔ وَقَالَ تعالیٰ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۔ اور اگر پہاڑ جیسی قوی اور مضبوط چیز بھی تحمل نہ کر سکے تو سمجھ لیجئے کہ جس چیز کا تحمل پہاڑ سے نہ ہو سکے تو انسان ضعیف البنیان سے اسکا تحمل کیسے ہو سکتا ہے اس لیے کہ دیدار کا تعلق ظاہری آنکھوں سے ہے اور ظاہری وجود کے اعتبار سے انسان بہت کمزور ہے ۔ کما قال تعالیٰ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۔ وَقَالَ تعالیٰ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ انسان کے اعتبار سے تمہارا وجود کمزور ہے تم سے اسکا تحمل نہ ہو سکے گا۔ دیدار کے حق میں ہماری طرف سے کوئی مانع نہیں مانع تمہاری طرف سے ہے یعنی تمہارا ضعف رؤیت باری کے تحمل سے مانع ہے پھر جب ان کے پروردگار نے اس پہاڑ پر اپنی تجلی فرمائی یعنی اس پر اپنے نور کی ایک جھلک ڈالی تو اس تجلی کے سبب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کے اس حصے کو جس پر تجلی ہوئی ریزہ ریزہ کر دیا یعنی اس تجلی کی عظمت سے پہاڑ کا ایک حصہ پارہ پارہ ہو گیا اور پہاڑ کا ایک حصہ زمین کے برابر ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے بلا تشبیہ و تمثیل یوں سمجھئے کہ جس چیز پر بجلی گرتی ہے وہ چیز جل کر ایک آن میں خاک ہو جاتی ہے اور جو لوگ اسکے قریب ہوتے ہیں کم و بیش انکو صدمہ پہنچتا ہے ۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو یہ بولے ۔ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی اے اللہ تو پاک ہے اس سے کہ دنیا میں تجھے کوئی دیکھ سکے اگر دیکھے تو مر جائے دنیا کی فانی آنکھوں میں یہ طاقت نہیں کہ تیرے دیدار کا تحمل کر سکیں میں فرط شوق میں یہ درخواست کر گزرا لیکن آئندہ کے لیے میں توبہ کرتا ہوں کہ اس دار فانی میں آئندہ کبھی رویت کا سوال نہ کروں گا اور میں سب سے پہلے تیرے عظمت اور جلال پر یا تیرے ارشاد لَنْ تَرَانِىْ پر ایمان لانے والا ہوں یا اس بات پر ایمان لانے والا ہوں کہ دار فانی میں کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ وہ تجھے دیکھ سکے اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں کہ دار دنیا میں قیامت تک تجھ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا یعنی مجھ پر شہودی اور عیانی طور پر یہ امر منکشف ہو گیا کہ اس دار فانی میں ان ظاہری آنکھوں سے تیرا دیدار ممکن نہیں اور میں پہلا مؤمن ہوں جو اس بات کا قائل ہوا کہ اس دار فانی میں اس چشم فانی سے کوئی شخص بھی قیامت تک اپنے پروردگار کو نہیں دیکھ سکتا۔

بے فنار خود میسر نیست دیدار شما
می فروشد خویش را اوّل خریدار شما

ف حضرات انبیاء سے اگر کوئی ذرا سی بھی لغزش اور سہو سے برائے نام خلاف ادب کوئی امر سرزد ہو جاتا ہے تو حضرات انبیاء اس بھول چوک سے گناہوں کی طرح توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے سوال دیدار سے توبہ اور معذرت کی اور کہا کہ پہاڑ کے حال کے مشاہدہ سے مجھ کو اس بات کا ایمان شہودی حاصل ہو گیا کہ بشر کی چشم حادث میں یہ قوت اور طاقت نہیں

کروہ آپکے جلوہ کا تحمل کر سکے بندۂ آپکو اس دار فانی میں اپنی قوت اور طاقت سے نہیں دیکھ سکتا البتہ جب آخرت میں آپ اسکو قوت اور قدرت عطا کریں گے تو وہ آپکو آپکی قدرت سے دیکھ سکے گا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ حدوث کے قدم بارگاہِ قِدَم میں بدونِ خداوندِ قدیم کی تائید اور تقویت کے نہیں ٹھہر سکتے۔

موسیٰ علیہ السلام کی تسلی

موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ لن ترانی کے جواب سے اور دیدار کی محرومی سے رنج اور قلق ہوا اس لیے اب آئندہ آیت میں انکی تسلی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تم ہمارے اس جواب لن ترانی سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہونا اگر اس وقت تجھے میرا دیدار میسر نہ ہو سکا تو نہ سہی کیا تیرے شرف اور امتیاز کے لیے یہ کافی نہیں کہ تحقیق میں نے تجھ کو اپنے پیغامات اور بلا واسطہ کلام کے ذریعے لوگوں پر برگزیدگی اور برتری کی یعنی تجھ کو اپنی نبوت ورسالت کا خلعت پہنایا اور بلا واسطہ تجھ سے کلام کیا اور تجھ کو توریت عطا کی۔ پس کیا یہ شرف امتیاز کچھ کم ہے۔ پس جو شرف اور امتیاز میں نے تجھ کو عطا کیا اسکو لے لے اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔ یعنی خدا کے خاص الخاص شکر گزاروں میں سے ہو جا جو دیدیا اسکا شکر کر اور جو نہیں دیا اسکے رنج وفکر میں نہ پڑ اور جو چیز تیری طاقت اور تحمل سے باہر ہے اسکا سوال نہ کر اور رؤیت کے حاصل نہ ہونے کا افسوس نہ کر یہ نعمت صرف آخرت کے لیے مخصوص ہے۔

لن ترانی می رسد از طور موسیٰ را جواب
ہر چہ آں از دوست آید سر بنہ گردن متاب

اور علاوہ رسالت اور کلام کے ہم نے یہ شرف بخشا کہ ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ کر انکو دی یعنی دین کے بارہ میں جتنی نصیحتوں کی ضرورت تھی وہ سب لکھ کر دی اور ہر چیز میں اوامر اور نواہی کی تفصیل کر دی پھر ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ ان تختیوں کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ صدق اور عزیمت کے ساتھ الواحِ توریت میں جو چیزیں لکھی ہوئی ہیں ان میں سے بہتر چیز کو پکڑ لیں یعنی جس چیز کا اجر اور ثواب دوسرے سے بڑھ کر اور بیشتر ہے اس کو لیویں اور اختیار کریں۔ منجملہ احسن کے ایک یہ ہے کہ عزیمت اور افضل پر عمل کریں اور حتی الوسع رخصت اور مفضول یعنی کمتر کو اختیار نہ کریں۔

اور میں عنقریب تمکو نافرمانوں کے مکانات دکھلاؤں گا اور قوم ثمود کی بستیاں دکھلاؤں گا۔ کہ کیسی ویران اور تباہ پڑی ہیں تاکہ انکو دیکھ کر عبرت پکڑو

قطعہ

چشم عبرت بیں چرا در قصر شاہاں ننگرد ÷ تا چہ ساں از حادثاتِ دورِ گردوں شد خراب
پردہ داری می کند بر طاق کسریٰ عنکبوت ÷ چغد نوبت می زند بر قلعۂ افرا سیاب

مطلب یہ ہے کہ میں عنقریب تجھ کو دکھلاؤں گا کہ فاسق اور فاجر۔ فسق و فجور کر کے کس بربادی اور تباہی کے گھر میں بستے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ دار فاسقین سے فرعونیوں کے مکانات مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میں عنقریب تمکو فرعون اور قبطیوں کے مکانات کا وارث بناؤں گا اور تمکو یہ دکھلادوں گا کہ خدا دشمنوں کے مکانات کا دوستوں کو کیسے وارث بناتا ہے۔

ان آیات میں اطاعت کی ترغیب تھی اب آئندہ آیات میں تکبر اور سرکشی سے ترہیب ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ عنقریب اپنی آیتوں کے قبول کرنے اور اُنکے سمجھنے سے ان لوگوں کے دلوں کو پھیر دوں گا اور اپنے احکام سے برگشتہ کر دوں گا جو زمین میں ناحق اور بلاوجہ کے تکبر کرتے ہیں یعنی ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم متکبروں کے دل پر مہر کر دیتے ہیں تاکہ وہ حق بات کو نہ سمجھ سکیں۔ کما قال تعالیٰ فَلَمَّا زَاغُوٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَہُمْ۔ اور تکبر کی وجہ سے وہ عقل اور فہم سے اس قدر دور ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ ساری نشانیاں بھی آنکھوں سے دیکھ لیں تب بھی انکا یقین نہ کریں اور اگر ہدایت کی راہ دیکھیں تو اس راہ کو نہ پکڑیں اور اگر یہ متکبر الٹی راہ دیکھ لیں تو اسکو پکڑ لیں یہ اُن کے دلوں کی کجی اور بیراہی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے تکبر کی وجہ سے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور عناد کی وجہ سے دیدہ و دانستہ ہماری آیتوں سے غافل بن گئے اس لیے انکو یہ سزا ملی کہ انکے دل حق سے پھیر دیئے گئے اور انکی عقل الٹی ہو گئی یہ سزا تو دنیا میں ملی اور آخرت میں یہ سزا ملے گی کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات اور پیشی کو جھٹلایا یعنی جزاء و سزا کے منکر ہوئے ان کے وہ سب کام جن پر وہ نفع کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ سب تباہ اور غارت ہوئے نہیں بدلہ پاویں گے آخرت میں مگر جو دنیا میں کرتے تھے۔ ان آیات سے مقصود تنبیہ ہے کہ آیاتِ خداوندی کے مشاہدہ کے بعد ان سے غفلت اور اعراض تباہی اور بربادی کا موجب ہے۔

لطائف و معارف

(۱) اس آیت (وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ) سے خداوند تعالیٰ کا متکلم ہونا ثابت ہوا مگر خدا کے کلام کی اصل صفت اور کیفیت سوائے اس خدا کے جس نے جس سے کلام کیا ہو اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ جس طرح خدا کی ذات بے چون و چگون اور بے مثال ہے ہم نہ اس کی ذات کی کُنہ کو پہنچ سکتے ہیں اور نہ اسکی صفات کی کُنہ کو۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

نہ ادراک در کنہ ذاتش رسد ÷ نہ فکرت بغور صفاتش رسد

اس لیے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ قرآن اور حدیث بلکہ تمام کتب سماویہ سے خدا تعالیٰ کا متکلم ہونا ثابت ہے اور کلام اسکی صفت قدیمہ اور ازلیہ ہے اور اسکے کلام میں حرف اور صوت نہیں اللہ کا کلام انسان کے کلام کے مشابہ نہیں جو حرف اور صوت کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور زبان اور ہونٹ اور حلقوم سے نکلتا ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ۔ اور حنابلہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ خدا کا کلام حروف اور الفاظ اور اصوات سے مرکب ہے اور یہ الفاظ اور اصوات سب قدیم ہیں اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں اور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ خدا کے متکلم۔ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ کلام اسکی صفت ہے اور اسکی ذات کے ساتھ قائم ہے بلکہ اسکے متکلم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے کلام کو کسی دوسری چیز مثلاً درخت یا لوح محفوظ یا فرشتہ یا نبی میں پیدا کر دیتا ہے اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے بخاری کی کتاب التوحید کی شرح میں کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

حضرات متکلمین اور اولیاء اور عارفین فرماتے ہیں کہ کلام دراصل ان حروف اور اصوات کا نام نہیں۔ بلکہ کلام اصل میں مَا بِهِ إِفَادَةُ مَا فِي عِلْمِهِ ۔ کا نام ہے یعنی جس شئے کے ذریعے سے اپنے علم میں آئی ہوئی چیز کا افادہ اور افاضہ کیا جائے تو اسکو کلام کہتے ہیں اور ہماری زبان سے نکلے ہوئے حروف اور اصوات یا کاغذ پر لکھے ہوتے نقوش یہ کلام خداوندی کے لیے بمنزلۂ لباس کے ہیں۔ ہماری زبان سے نکلے ہوئے حروف اور الفاظ کو اور ہمارے ہاتھ کے لکھے ہوئے نقوش کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عین کلام قدیم ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں جس طرح ہماری شغن اور ہماری آواز ہمارے تصورات یا صور ذہنیہ کی ترجمان ہے ان کا عین نہیں اسی طرح ہمارے حروف اور ہماری اصوات خداوند قدوس کے کلمات قدسیہ وغیبیہ کے ترجمان ہیں اور اس بے نشان کے ایک قسم کے نشان ہیں اور کلام الٰہی کی دلالات اور عبارات ہیں۔

صحابۂ کرامؓ نے قرآن کریم کے مرتب ہو جانے کے بعد ان اوراقِ منتشرہ کو جلا دیا کہ جن میں آیاتِ قرآنیہ لکھی ہوئی تھیں کیا کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ جب صحابہ نے قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کے بعد قدیم نوشتوں کو جلایا تو کیا معاذ اللہ صحابۂ کرام نے عین کلام خداوندی کو جلا دیا یا فنا کر دیا۔ اللہ کا کلام قدیم اور غیر مخلوق ہے کسی مخلوق کی کیا مجال کہ قدیم اور غیر مخلوق کو جلا دے بلکہ یہ کہا جائیگا کہ ہماری زبان سے نکلے ہوئے حروف اور الفاظ اور ہمارے قلم سے لکھے ہوئے نقوش جو اصل کلام قدیم کا آئینہ اور مظہر ہیں جنکے پردے میں کلام قدیم کا جلوہ نظر آتا ہے وہ جلا دیئے گئے آئینہ کے جل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس چیز کا عکس آئینہ میں پڑ رہا ہے وہ شئ بھی جل جائے۔

اللہ جل شانہ کی ذاتِ بابرکات صورت اور شکل سے پاک اور منزہ ہے مگر قیامت کے دن لوگ

اس بے چون وچگون ذات کو صورت کے پردہ اور لباس میں دیکھیں گے اسی طرح اللہ کا کلام بے چون وچگون ہے اور حروف اور اصوات سے پاک ہے مگر اسکا ظہور اور اسکا جلوہ حروف اور الفاظ کے لباس اور پردہ میں ہوتا ہے۔ اللہ کا کلام انسان کی زبان سے سنا جائے یا بلبلوں سے سنا جائے یا کاغذ پر لکھا ہوا دیکھا جائے تو یہی کہا جائیگا کہ کلام کی حقیقت سب جگہ ایک ہے مگر ہر جگہ صورت اور لباس بدلا ہوا ہے لہذا نہ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مختلف صورتیں اور مختلف قسم کے لباس اس اصل حقیقت کا بالکل عین ہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسکا غیر ہیں تمام متکلمین اور سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ کا جو کلام انسان کی زبان سے سنا جائے اسکے متعلق یہ کہہ دینا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ایسا کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں یہ جو کچھ سنا جارہا ہے وہ بلاشبہ اللہ کا کلام ہے جو انسانی حروف اور اصوات کے پردہ میں ظاہر ہورہا ہے

دم مزن چون در عبارت نایدست ٭ آں مگو چوں در اشارت نابداست

عارف جامی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں۔

شنید آنکه کلامے نے بآواز ٭ معانی درمعانی راز در راز
نہ آگاہی از و کام و زبان را نہ ہمراہی بہ او نطق و بیاں را

(۲) اہلسنت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ آخرت میں مؤمنین حق تعالیٰ کو بلا کیف اور بلا جہت کے دیکھیں گے اور حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے اہل ایمان کو دیدار کی نعمت نصیب ہوگی۔ چنانچہ اس عقیدہ پر کتاب اور سنت اور اجماع امت سے کافی دلائل بیان کیئے گئے ہیں جو تفصیل کے ساتھ علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہیں اور مختصراً بقدر ضرورت ہم آیت لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۔ کی تفسیر میں ان کا ذکر کر چکے ہیں اور معتزلہ اور انکے پیرو جنت میں بھی دیدار الٰہی کے منکر ہیں اور اس کو محال قرار دیتے ہیں اور اس آیت (لن ترانی) سے دنیا اور آخرت میں نفی رؤیت پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لن نفی تابید کے لیے وضع کیا گیا ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ لفظ لن کلام عرب میں نفی تاکید کے لیے وضع کیا گیا ہے نہ کہ نفی "تابید کے لیے اور اگر بالفرض یہ لفظ نفی تابید کے لیے بھی ہو تو نفی تابید باعتبار دنیا کے ہے نہ باعتبار آخرت کے اس لیے کہ آخرت میں مؤمنین کا خدا تعالیٰ کو دیکھنا آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے حق میں فرمایا ہے وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا یہ لوگ کبھی بھی موت کی آرزو نہ کریں گے حالانکہ وہ قیامت کے دن موت کی تمنا کریں گے۔ کما قال تعالیٰ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۔ وَقَالَ تعالیٰ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۔ وَغَيْرُ ذٰلِكَ مِنَ الْاٰيَاتِ معلوم ہوا کہ یہ دعویٰ کرنا کہ حرف لَنْ لغت میں تابید اور دوام کے لیے ہے غلط ہے۔ بلکہ اہلسنت والجماعت اس آیت سے رؤیت باری تعالیٰ کا جواز اور امکان ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت یعنی رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ اے اللہ مجھے اپنی ذات بابرکات دکھلا دے تاکہ تجھے ایک نظر دیکھ

سکوں۔ معتزلہ پر حجت ہے اس لیے کہ اگر خدا تعالیٰ کی رؤیت ناممکن اور محال ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم اسکا سوال ہی کیوں کرتے یہ بات کیسے قیاس میں آسکتی ہے کہ نبی معصوم خدا تعالیٰ سے ناممکن اور محال کی درخواست کرے۔

اس موقعہ پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے کافر بیٹے کی نجات کے لیے دعا کی تو خدا تعالیٰ نے انکی نسبت یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ إِنِّيٓ أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ ٱلْجَٰهِلِينَ۔ (اے نوح میں تمکو نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں جیسی بات نہ کرو) بخلاف اس کے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب خدا تعالیٰ سے رؤیت کی درخواست کی تو خدا نے انکو کسی قسم کا عتاب نہیں فرمایا بلکہ انکو تسلی دی اور یہ فرمایا کہ تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکے گا یعنی میری رؤیت سراپا عظمت وہیبت کا اس دار فانی میں تجھ سے تحمل نہ ہو سکے گا۔ اور بعد ازاں رؤیت کو ایک امر جائز الوقوع پر معلق کیا اور تسلی کے لیے یہ فرمایا کہ اے موسیٰ تو پہاڑ کی طرف نظر کر اگر میری تجلی کے بعد وہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو ممکن ہے کہ تو بھی دیکھ سکے اور ظاہر ہے کہ پہاڑ کا اپنی جگہ پر قائم رہنا ممکن ہے اور جو چیز ممکن پر موقوف اور معلق ہو گی وہ بھی ممکن ہو گی معلوم ہوا کہ لَن تَرَانِي سے مراد یہ ہے کہ اس دار فانی میں تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ اس دارِ فانی میں چشم فانی سے کوئی بشر مجھ کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ آخرت میں چشم باقی سے میرے دیدار کا تحمل کر سکے گا۔

کیا معتزلہ اپنی عقل کو موسیٰ علیہ السلام کی عقل سے زائد جانتے ہیں کہ معتزلہ کو تو خدا تعالیٰ کے متعلق ممکن اور محال کا علم ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہ ہو۔ اگر رؤیت باری فی نفسہٖ محال تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا سوال کیوں کیا معتزلہ کے پاس بجز اسکے کوئی جواب نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا کی رؤیت کا محال ہونا معلوم نہ تھا لیکن ان بندگانِ خدا سے کوئی پوچھے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو باوجود رسول اور کلیم ہونے کے رؤیت خداوندی کا محال ہونا معلوم نہ ہوا تو تم کو کس طرح معلوم ہو گیا۔ آخر تم نے اس بات کو اپنی عقل ہی سے معلوم کیا۔ کیا اس خدا کے اُس برگزیدہ نبی کی عقل تمہاری عقل سے کم تھی پس موسیٰ علیہ السلام کے سوال سے معلوم ہوا کہ دنیا میں رویت باری عقلاً ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کے جواب لَن تَرَانِي سے معلوم ہوا کہ شرعاً ممتنع الوقوع ہے۔

نیز لن ترانی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کسی بصر میں یہ قابلیت اور صلاحیت نہیں کہ دنیا میں خدا کو دیکھ سکے ہاں اگر لَن أُرىٰ بصیغہ مجہول ہوتا تو ممکن تھا کہ یہ خیال کیا جا سکے کہ خدا کی رؤیت نہیں ہوسکتی اور آیت لَا تُدْرِكُهُ ٱلْأَبْصَٰرُ۔ یعنی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ میں "ادراک" کی نفی کی گئی ہے جس کے معنی دریافت کرنے کے ہیں رؤیت کی نفی نہیں کی گئی ادراک (کسی چیز کو پالینا) اور چیز ہے اور رؤیت (کسی چیز کو دیکھ لینا) اور چیز ہے اگر بالفرض ادراک سے رؤیت ہی کے معنی مراد لیے جائیں تو اس سے ظاہری اور عادی طریقہ پر دیکھنے کی نفی مراد ہو گی اور مطلب یہ ہو گا کہ ظاہری طور پر اور بطریق عادت کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا جب تک خدا تعالیٰ اپنے آپکو ظاہر نہ کرے کوئی اس کو نہیں دیکھ

سکتا جیسا کہ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ سے شیاطین اور جنات کے دیکھنے کی نفی کی گئی ہے سو اس کا مطلب یہی ہے کہ عادی طریقہ اور ظاہری طور پر کوئی شخص شیطان اور جنات کو نہیں دیکھ سکتا جب تک خدا تعالیٰ بطور خرق عادت اپنے کسی برگزیدہ اور مقبول بندہ کو نہ دکھائے تو جنات اور شیاطین اور فرشتوں کو کوئی شخص خود بخود ظاہری طور پر نہیں دیکھ سکتا مگر بطور خرق عادت انبیاء اور بعض اولیاء کے لیے شیاطین اور ملائکہ کا دیدار بچشم سر ثابت ہے اور مرتے وقت تو کافر بھی فرشتہ اور شیطان کو دیکھ لیتا ہے۔

(۳) بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو الواح یعنی تختیاں عطا کی گئیں وہی توریت پر مشتمل تھیں یعنی انہی میں توریت لکھی ہوئی تھی کما قال تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ تختیاں توریت کے علاوہ تھیں جو نزول توریت سے پہلے عطا ہوئی تھیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص۲۴۶ ج۲) ان الواح (تختیوں) کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ دس تھیں اور بعض کہتے ہیں سات تھیں اور بعض کہتے ہیں دو تھیں اور الواح جو صیغہ جمع کا ہے اس سے مافوق الواحد مراد ہے۔ (تفسیر روح المعانی ص۵۱ ج۹) نیز اس میں اختلاف ہے کہ وہ تختیاں کس چیز کی تھیں بعض کہتے ہیں کہ سبز زمرد کی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ ٹھوس پتھر کی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنت کی بیری کی خشک لکڑی کی تھیں جیسا کہ بعض ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے علامہ آلوسیؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ وہ بیری کی لکڑی کی تھیں۔ (روح المعانی ص۵۱ ج۹) بہرحال جس چیز کی بھی ہوں وہ آسمان سے ہی لکھی ہوئی نازل ہوئی تھیں جیسا کہ وَكَتَبْنَا لَهٗ سے ظاہر ہوتا ہے رہا یہ امر کہ انکی کتابت خود دست قدرت نے کی تھی یا بحکم خداوندی کسی فرشتے نے کی تھی اس بارے میں سند صحیح سے کوئی بات ثابت نہیں اس بارہ میں جس قدر روایتیں کتب تفسیر میں مذکور ہیں وہ اسرائیلیات ہیں اور حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل کی روایتوں کی نہ تم تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو لہٰذا آج کل کے مصنفین نے جو قاعدہ بنا لیا ہے کہ جو اسرائیلی روایت ہو وہ بالکل غلط اور ناقابل اعتبار ہے یہ ان کا بنایا ہوا قاعدہ غلط ہے جو احادیث صحیحہ کے خلاف ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر کوئی اسرائیلی روایت قرآن اور حدیث کے مطابق ہوگی تو اسکی تصدیق کی جائیگی اور جو قرآن اور حدیث اور اصول اسلام کیخلاف ہوگی اسکی تکذیب کیجائیگی اور جو اسرائیلی روایت قرآن اور حدیث کے نہ موافق ہو اور نہ مخالف ہو بلکہ ایسی شئے کے متعلق ہو کہ جسکے بیان سے کتاب وسنت ساکت ہیں تو ایسی اسرائیلی روایت کی بابت ہمیں حدیث نبوی میں یہ حکم آیا ہے کہ ایسی روایت کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو بلکہ سکوت کرو لہٰذا الواح توریت کے بارے میں جب اسرائیلی روایات شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر درمنثور میں ذکر کی ہیں وہ سب حسب ارشاد نبوی حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ذکر کی ہیں اور ان کا حکم یہ ہے لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم یعنی ان پر سکوت واجب ہے اور زبان طعن وتشنیع کا دراز کرنا ناجائز ہے۔ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ✿ میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا

اور بنا لیا موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا

ایک دھڑ اسمیں گائے کی آواز۔ یہ نہ دیکھا انہوں نے کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا اور

يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَ

نہ دکھاوے راہ۔ اس کو ٹھہرا لیا (معبود) اور وہ تھے بے انصاف۔ اور

لَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ

جب پچھتائے اور سمجھے کہ ہم بہکے۔ کہنے

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ

لگے اگر نہ رحم کرے ہم کو رب ہمارا اور نہ بخشے تو بیشک ہم

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ

خراب ہو نگے۔ اور جب پھر آیا موسیٰ اپنی قوم میں

غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ

غصے بھرا اور افسوس بولا کیا بُری جگہ رکھی تم نے میری میرے بعد

اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ

کیوں جلدی کی اپنے رب کے حکم سے اور ڈال دیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے

اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ

بھائی کا لگا کھینچنے اپنی طرف وہ بولا کہ اے میرے ماں کے جنے لوگوں نے

اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ

مجھے بودا سمجھا اور نزدیک تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں سو مت ہنسا مجھ پر

بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

دشمنوں کو اور نہ ملا مجھ کو گنہ گار لوگوں میں -

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ

بولا اے رب! معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور ہم کو داخل کر اپنی رحمت

وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا

میں۔ اور تو ہے سب سے زیادہ رحم کرنے والا۔ البتہ جنہوں نے بچھڑا بنا لیا

الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي

ان کو پہنچے گا غضب ان کے رب کا اور ذلت دنیا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

کی زندگی میں۔ اور یہی سزا دیتے ہیں ہم جھوٹ باندھنے والوں کو۔

وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِهَا

اور جنہوں نے کیے بُرے کام پھر بعد اس کے توبہ کی اور

وَاٰمَنُوْا ۫ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

یقین لائے تیرا رب اسکے پیچھے بخشتا ہے مہربان -

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ

اور جب چُپ ہوا موسیٰ سے غصہ، اٹھائیں تختیاں اور

وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ

انکی نقل جو لکھی اسمیں راہ کی سوجھ ہے اور مہر ان کے واسطے جو اپنے رب

يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

سے ڈرتے ہیں۔

قصۂ اتخاذ عجل وانجام آن

قَالَ اللّٰہ تعالیٰ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْ بَعْدِہٖ مِنْ حُلِیِّھِمْ عِجْلًا .. الیٰ .. لِلَّذِیْنَ ھُمْ لِرَبِّھِمْ یَرْھَبُوْنَ

(**ربط**) گزشتہ رکوع میں بنی اسرائیل کی ایک جہالت کا بیان تھا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ کی جاہلانہ درخواست کی۔ اب ان آیات میں انکی ایک اور حماقت اور سفاہت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ نادان اپنے ایک خود ساختہ ڈھانچہ کی آواز پر ایسے مفتون ہوئے کہ اسے خدا سمجھ بیٹھے۔

(**ربط دیگر**) گزشتہ آیت یعنی وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ۔ میں اس امر کا بیان تھا کہ تکذیب آیات کی وجہ سے انکے اعمال حبط ہوگئے اب ان آیات میں حبط اعمال کے ایک اور سبب کا بیان ہے وہ یہ کہ اتخاذ عجل بھی حبط اعمال کا سبب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یعنی سامری اور اسکے متبعین نے موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانیکے بعد اپنے ان زیوروں سے جو انہوں نے مصر سے نکلتے وقت قبطیوں سے عید یا شادی کے بہانہ سے مستعار لیے تھے۔ بچھڑے کی ہیئت پر ایک بدن بلا روح کی بنا کر کھڑا کیا جس میں سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی یعنی جس کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ ایک قالب بلا روح تھا جس سے بچھڑے کی مانند آواز نکلتی تھی حیوان بھی نہ تھا بلکہ حیوان کے مشابہ تھا۔ ان نادانوں نے اسکو خدا بنا لیا۔ بنی اسرائیل کی ایک عید تھی انہوں نے قبطیوں سے چاندی اور سونے کے بہت سے زیورات استعار مانگ لیے تھے مگر جب فرعون اور اسکی قوم غرق ہوگئی تو جہال بنی اسرائیل ان کی دیگر املاک کے وارث ہوتے تو ان کے زیوروں کے بھی وہی مالک اور وارث ہوئے بنی اسرائیل میں سامری نامی ایک شخص بڑا کاریگر تھا اس نے بنی اسرائیل سے وہ زیورات لیکر بچھڑے کا بت ڈھال لیا اور حضرت جبریلؑ کے گھوڑے کے قدم کی خاک اس کو مل گئی تھی وہ اس نے اس کے شکم میں ڈال دی اس لیے اس میں بیل کی آواز پیدا ہوگئی اور بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود یہ ہے کہ تم اسکو پوجو چنانچہ سب اسکی پرستش کرنے لگے اس بچھڑے کے بدن کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ حقیقۃً بچھڑا بن گیا تھا اور اس کا دھڑ گوشت اور پوست والا ہوگیا تھا۔ اور اصل گائے کی طرح وہ جاندار بن گیا تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اسکا جسم تو سونے اور چاندی کا تھا لیکن اس میں روح وغیرہ کچھ نہ تھی اسکے منہ میں ہوا کی آمد و رفت سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۲۸۴ جلد ۷ و تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۷ ج ۲)

اور دونوں صورتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں۔ وَھُوَ عَلٰی مَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ۔

اب آئندہ آیت میں انکی جہالت اور حماقت کو بتلاتے ہیں کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ تحقیق یہ بچھڑا ان سے بات بھی نہیں کرتا اور نہ انکو راہ دکھاتا ہے کہ راہ کی جگہ پر پہنچیں کیسے بے عقل ہیں کہ ایک مصنوعی دھڑ کو خدا بنا لیا اور بڑے ہی ظالم تھے کہ اپنی عبادت کو بے محل رکھدیا کسی چیز کو بے موقع رکھدینا یہ ظلم ہے لہذا بجائے خدا برحق کے بچھڑے پر اپنی عبادت کو رکھدیا اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا اور جب وہ ہوش میں آئے اور اپنی حماقت پر متنبہ ہوئے اور اپنی اس حرکت پر نادم اور پشیمان ہوئے گویا کہ ندامت اور پشیمانی انکے ہاتھوں میں آکر اس طرح گری کہ جیسے کوئی چیز سامنے ہو اور سمجھ گئے کہ تحقیق وہ اس حرکت سے گمراہ ہو گئے تب انہوں نے ندامت کے مارے یہ کہا کہ اگر ہم پر ہمارے پروردگار نے رحم نہ کیا اور ہم کو نہ بخشا تو ہم ضرور گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور یہ قول انہوں نے اس وقت کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے اور اس جہالت اور حماقت پر انکو ملامت کی تو عقل اور ہوش ٹھکانے آئے اور گھبرا کر کہنے لگے کہ اگر خدا نے ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ابدی خسران اور دائمی ہلاکت میں جا پڑیں گے چنانچہ آئندہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی اسی تنبیہ اور توبیخ اور غصہ کا ذکر فرماتے ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو غصہ اور افسوس میں بھرے ہوئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور ہی پر یہ خبر دے دی تھی کہ ہم نے تیرے پیچھے تیری قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے اور سامری نے انکو بہکا کر گمراہ کر دیا ہے اس لیے اس خبر کو سن کر غصہ میں بھرے ہوئے اور افسوس کرتے ہوئے لوٹے کہ میری قوم فتنہ میں مبتلا ہو گئی یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کیسے بے عقل ہیں ایک بیل کو خدا بنا بیٹھے معاذ اللہ خدا تو بیل نہیں ہو سکتا۔ یہی بیل بن گئے ہیں تو غصہ سے کہا کہ تم نے میرے بعد میری بری جانشینی کی کہ توحید کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی میں پڑ گئے کیا تم نے اپنے پروردگار کے حکم سے جلدی کی یعنی خدا کا حکم جو میں تمہارے پاس لانے والا تھا اسکا انتظار نہ کیا اور اس سے پہلے ہی گوسالہ کو اپنا معبود بنا بیٹھے اور اسکے غضب کے مستحق ہوئے اور یہ کہہ کر جوش غضب میں وہ تختیاں جن میں احکام الٰہی لکھے ہوئے تھے ایک طرف ڈالیں اور یہ غصہ محض خدا کے لیے تھا۔ جب آکر قوم کو شرک میں مبتلا دیکھا تو دینی حمیت اور غیرت جوش میں آگئی اور جلدی میں زور سے وہ تختیاں ایک طرف ڈالدیں یا ایک طرف رکھدیں جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ ڈال رہا ہے ورنہ فی الحقیقت وہ تختیاں پھینکی نہ تھیں بلکہ عجلت میں ایک طرف رکھ دیں۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم پر غصہ ہونے کے بعد تختیاں ایک طرف رکھ دیں اور اس کے بعد اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوتے تاکہ ان سے دارو گیر کریں کہ یہ گوسالہ پرستی کیسے ظہور میں آئی۔ موسیٰ علیہ السلام کو گمان یہ ہوا کہ ہارون علیہ السلام سے اس بارے میں کوئی تقصیر یا تساہل ہوا اس لیے انکی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے موسیٰ علیہ السلام چونکہ نشۂ توحید سے سرشار تھے اس لیے ان سے یہ شرک کا منظر برداشت نہ ہوا اور گمان یہ کیا کہ ہارون علیہ السلام نے نہی عن المنکر میں کوتاہی کی اس لیے دارو گیر میں سختی کی اور یہ سختی

بطور اہانت نہ تھی بلکہ اس گمان اور خیال کی بناء پر تھی کہ ہارون علیہ السلام نے انکو بچھڑے کے پوجنے سے کیوں نہیں روکا۔

ہارون علیہ السلام نے کہا اے میری ماں کے بیٹے تم یہ خیال نہ کرو کہ میں نے وعظ اور نصیحت میں کوئی کمی کی میں نے انکو سمجھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مگر کچھ کارگر نہ ہوا وجہ اسکی یہ ہوئی کہ تحقیق ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا ان لوگوں کی نظر میں میری وہ وقعت اور ہیبت نہ تھی جو آپکی تھی اور نہ آپ جیسا ان پر رعب تھا اور جب میں نے ان پر سختی کی تو قریب تھے کہ وہ مجھے مار ہی ڈالیں کیونکہ میں نے انکو گوسالہ پرستی سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ اور اصرار کیا کہ وہ میرے قتل کے درپے ہو گئے اگر زیادہ سختی کرتا تو بالکل ہی مار ڈالتے بہرحال میں نے اپنی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں کی ان لوگوں کو روکنے میں اپنی پوری طاقت خرچ کردی یہاں تک کہ میں مقہور اور مجبور ہو گیا پس اے میرے بھائی مجھ پر سختی کر کے دشمنوں کو ہنسنے کا موقعہ نہ دو اور مجھ کو ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کرو مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی سے میری تذلیل اور اہانت چاہتے تھے بلکہ میرے قتل کے درپے تھے لہذا آپ میرے ساتھ ایسی سختی کا معاملہ نہ کیجئے کہ جس سے انکی آرزو پوری ہو اور مجھے ان ظالموں کے زمرہ میں شمار نہ کیجئے میں ان سے بری اور بیزار ہوں یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ ہارون علیہ السلام معذور اور بالکل بے قصور ہیں اور مجھ سے اپنے بھائی کو پکڑ کر کھینچنے میں اور الواح توریت کو ڈال دینے میں کوتاہی ہوئی اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں کہا اے میرے پروردگار مجھ سے جو بھول ہو گئی اور جوش ایمانی میں بھائی کے معاملہ میں یا توریت کے ادب اور احترام میں جو بے اعتدالی یا کوئی کوتاہی یا غلطی ہو گئی وہ مجھے معاف فرما اور میرے بھائی کو بھی معاف فرما۔ اگر اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی قسم کی کوتاہی اور کمی ہوئی ہے اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما کہ آئندہ کو سہو اور غفلت سے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تقصیر اور کوتاہی سے محفوظ ہو جائیں اور اپنی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے ہم کو تیرا غضب اور غصہ نہ پہنچے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ دنیا میں جو بھی رحم ہے وہ تیری ہی رحمت کا اثر ہے۔ ؎

قطعہ

تو بر اہل سخا انعام کر دی
کہ بر بیچارگاں اکرام کردند
بہ ہر جا جوئے از رحمت روان است
زِ دریا ہائے جودت دام کردند

بھائی کو خوش کرنے کے لیے بھائی کو بھی دعائے مغفرت و رحمت میں شریک کیا تحقیق جن لوگوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنایا اور اسکی محبت انکے دلوں میں پلا دی گئی اور وہ برابر اس کی عبادت پر قائم ہیں اور گوسالہ پرستی سے توبہ نہیں کی عنقریب انکو پہنچیگا انکے رب کا غضب اور دنیا میں عظیم ذلت یعنی دنیا

میں ان میں سے بہت سے قتل کیے جائیں گے اور بہت سے جلا وطن کیے جائیں گے جہاں جائیں گے ذلیل اور خوار ہو کر رہیں گے۔ اور کچھ انہیں کی خصوصیت نہیں۔ ہم اسی طرح افترا پردازوں کو سزا دیا کرتے ہیں کہ ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور ذلت بھی ان پر نازل ہوتی ہے اور جن لوگوں نے بُرے کام کیے اور پھر بعد میں توبہ کی اگرچہ وہ کتنے ہی زمانہ بعد کی ہو اور صحیح طریقہ پر ایمان لے آئے تو اے توبہ کرنے والے! بیشک تیرا پروردگار اس توبہ کے بعد البتہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ توبہ سے گزشتہ گناہ کو معاف کرتا ہے اور آئندہ کے لیے رحمتوں کا دروازہ کھولتا ہے اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصّہ خاموش ہو گیا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا۔ جنکو ڈالا تھا اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے غصّہ کو ایک انسان ناطق کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب گوسالہ پرستی کو دیکھا تو ان کا غصّہ جوش میں آگیا اور ان کو یہ حکم دینے لگا کہ ان لوگوں پر سختی کی جائے لیکن ہارون علیہ السلام کی معذرت سے اور قوم کی توبہ سے غصّہ خاموش ہوا تو ان تختیوں کو اٹھایا جنکو غصّہ کی حالت میں ایک طرف ڈال دیا تھا معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا غصّہ بالکل زائل نہ ہوا تھا بلکہ خاموش ہو گیا تھا۔

ف اَخَذَ الْاَلْوَاحَ کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تختیاں موسیٰ علیہ السلام نے ڈالی تھیں ان میں سے کوئی تختی نہ تو ٹوٹی اور نہ کوئی آسمان پر اٹھائی گئی جیسا کہ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ وہ تختیاں ڈالنے کے وقت ٹوٹ گئیں تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے انکو سمیٹ کر جمع کیا۔ واللہ اعلم۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۹ ج ۲ و روح البیان صفحہ ۲۴۹ ج ۳ و تفسیر قرطبی ص ۲۸۸ جلد ۷۔

اور جو مضامین ان تختیوں میں لکھے ہوئے تھے ان میں ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ نسخۂ ہدایت سے شفا اسی کو ہوتی ہے جسکے دل میں خدا کا خوف ہو۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا

اور چنے موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر مرد

لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ

لانے کو ہمارے وعدہ کے وقت پھر جب انکو لرزے نے پکڑا بولا اے رب! اگر تو چاہتا

اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

پہلے ہی ہلاک کرتا ان کو اور مجھ کو کیا ہم کو ہلاک کرے گا ایک کام

السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ

پر جو کیا ہمارے احمقوں نے؟ یہ سب تیرا آزمانا ہے۔ بچلا دے (بھٹکا دے) اس میں

تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

جسکو چاہے اور راہ دے جس کو چاہے تو ہی ہے ہمارا تھامنے والا سو بخش ہم کو

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ

اور مہر کر ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ۔ اور لکھ دے ہمارے واسطے

هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ

اس دنیا میں نیکی اور آخرت میں ہم رجوع ہوئے تیری طرف

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ

فرمایا میرا عذاب جو ہے سو ڈالتا ہوں جس پر چاہوں اور میری مہر شامل ہے

كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ

ہر چیز کو سو وہ لکھ دوں گا انکو جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں

الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ

زکوٰۃ اور جو ہماری باتیں یقین کرتے ہیں ۔ وہ جو

يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ

تابع ہوتے ہیں اس رسول کے جو نبی ہے امی جس کو پاتے ہیں

مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ

لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں بتاتا ہے ان

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ

کو نیک کام اور منع کرتا ہے برے کام سے اور حلال کرتا ہے

الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَـبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

انکے واسطے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک اور اتارتا ہے ان سے

اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

بوجھ ان کے اور پھانسیاں جو اُن پر تھیں ۔ سو جو اس پر یقین لائے

بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ

اور اسکی رفاقت کی اور مدد کی اور تابع ہوئے اس نور کے جو اسکے ساتھ

مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

اُترا ہے وہی پہنچے مراد کو۔

ذکر میقات توبہ معذرت از عبادت عجل

قال اللہ تعالیٰ وَاخۡتَارَ مُوۡسٰی قَوۡمَهٗ سَبۡعِیۡنَ رَجُلًا... الی... اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ

(ربط) گزشتہ رکوع میں میقات مناجاۃ و تکلیم کا ذکر کیا اور اسکے بعد گوسالہ پرستی کا قصہ ذکر کیا اب ان آیات میں میقات توبہ و معذرت کا ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمیوں کو منتخب کیا کہ وہ کوہ طور پر حاضر ہوں اور عبادتِ عجل سے معذرت کریں جب یہ لوگ کوہ طور پر پہنچے تو ایک ابر نمودار ہوا جس نے سارے پہاڑ کو ڈھانپ لیا۔ سب سے پہلے اس ابر میں موسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے اور قوم سے کہا کہ تم قریب آجاؤ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے کلام اور پیغام سے انکو خبردار کیا تو یہ کہنے لگے کہ اے موسیٰؑ ہم کو تو یقین نہیں آتا کہ واقع میں خدا تم سے باتیں کر رہا ہے۔ اس کہنے پر ان پر ایک بجلی گری جس سے سب مر کر رہ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ سب عذابِ الٰہی میں پکڑے گئے تو نہایت عاجزی سے ان کی رہائی کی درخواست کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انکو دوبارہ زندگی عطاء فرمائی۔ (تفسیر کبیر)

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ میقات اس میقات کے علاوہ ہے جو من جانب اللہ عطاء توریت کے لیے مقرر ہوا تھا۔ اور آیاتِ حاضرہ کی ترتیب سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گوسالہ پرستی کے بعد پیش آیا اور یہ میقات۔ گوسالہ پرستی سے معذرت کے لیے مقرر ہوا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اولاً میقات کلام کا ذکر فرمایا پھر اسکے بعد قصۂ اتخاذ عجل ذکر کیا اور پھر گوسالہ پرستی کے واقعہ کے بعد یہ قصہ ذکر کیا معلوم ہوا کہ یہ قصہ گزشتہ قصہ کے مغائر ہے اور اسی ترتیب کے ساتھ یہ قصہ اور سورتوں میں بھی مذکور ہوا ہے اور اکثر و بیشتر۔ ترتیب ذکری و بیانی میں باعتبار وقوع کے ترتیب زمانی بھی ملحوظ ہوتی ہے۔

اور چونکہ یہ میقات عبادت عجل سے معذرت کے لیے مقرر ہوا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس میقات کو میقات التوبۃ والمعذرۃ کے نام سے موسوم کیا جائے اور پہلے میقات کو میقات کلام و مناجاۃ سے تعبیر کیا جائے۔ تاکہ فرق واضح ہو جائے۔

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ واقعہ بھی میقات اول ہی کا ہے اور اسی کا بقیہ اور تتمہ ہے اور یہ قصہ اسی وقت کا ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام توریت لینے کے لیے گئے تھے تو اسی وقت ستر لوگوں کو اس لیے اپنے ہمراہ لے گئے تھے کہ یہ بھی خدا کا کلام سُنیں اور واپس آکر بنی اسرائیل کے سامنے شہادت دیں مگر جب ان لوگوں نے وہاں جاکر یہ گستاخی کی کہ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ کہا تو منجانب اللہ اُن کو ایک صاعقہ نے پکڑ لیا بعد میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے معافی ہوئی اور سورۂ نساء کی یہ آیت فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ۔ صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے کہ گوسالہ پرستی اس واقعہ کے بعد ہوئی۔

امام رازیؒ اور دیگر محققین کی رائے یہ ہے کہ میقات۔ گزشتہ میقات کے علاوہ اور مغائر ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر کبیر دیکھیں اور شیخ الاسلام ابوالسعودؒ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور جو لوگ امام رازیؒ کی طرح اس واقعہ کو گوسالہ پرستی کے بعد بتلاتے ہیں وہ آیت نساء کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یعنی ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ میں ثُمَّ ترتیب زمانی کے لیے نہیں بلکہ ترتیب رتبی یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے لیے ہے کہ بے محابا اللہ کی رؤیت کی درخواست اگرچہ ظلم عظیم ہے لیکن فی حد ذاتہ دیدار خداوندی ممکن ہے محال نہیں مگر اتخاذ عجل تو اس درجہ قبیح اور شنیع ہے کہ جس کی کوئی حد اور انتہا نہیں۔ اس لیے کہ شریک باری تو عقلاً و نقلاً محال اور ممتنع بالذات ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے مقررہ وقت پر لانے کے لیے ستر آدمی منتخب کیے تاکہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ جاکر گوسالہ پرستی سے توبہ کریں اور یہ ستر اشخاص وہ تھے جنہوں نے خود تو گوسالہ پرستی نہیں کی تھی لیکن گوسالہ پرستی پر انکار بھی نہ کیا تھا اور نہ اُن سے علیحدگی اختیار کی۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی "تا عذر گویند از عبادت گوسالہ این جماعت اگرچہ عبادت نکردہ بودند بر عبادت کنندگان انکار ہم نکردند پس خدا تعالیٰ ہلاک ساخت"، واللہ اعلم (کذا فی فتح الرحمٰن)

اور وہب بن منبہؒ سے یہ منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب الواح توریت لیکر آئے تو بنی اسرائیل

ع۱ قال ابن عباس انما اخذتهم الرجفة لانهم لم ينهوا من عبد العجل و لم يرضوا عبادته و قيل هؤلاء السبعون غير من قالوا ارنا الله جهرة (تفسیر قرطبی ص۲۹۵ جلد۷)

ع۲ قال ابو حیان اختلفوا فی هذا المیقات اهو میقات المناجات و نزول

باقی آئندہ صفحہ پر

کے ایک گروہ نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کوئی کلام نہیں کیا اور نہ ہم کو اس بات کا یقین ہے کہ یہ الواحِ توریت اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ہیں۔ ہم آپ کی بات کا جب یقین کریں گے کہ جب آپ ہمارے بزرگوں کا ایک گروہ اپنے ساتھ لیجائیں اور وہ خود جاکر اللہ کا کلام سن لیں اور واپس آکر گواہی دیں تب ہم یقین کریں گے۔ (دیکھو تفسیر البحر المحیط ص ۳۹۹ ج ۴ لابی حیان رح)

مطلب یہ ہے کہ توریت لانے کے بعد قوم نے مطالبہ کیا کہ اے موسیٰ ہم تمہاری بات کا اس وقت یقین کریں گے جب تم ہمارے منتخب آدمیوں کو لے جاکر اللہ کا کلام سناؤ جب وہ آکر گواہی دیں گے تب ہم آپکا یقین کریں گے۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کو کوہِ طور پر لے گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے اللہ کا کلام سنا تو اب اس میں یہ شاخسانہ نکالا کہ معلوم نہیں پس پردہ کون کلام کر رہا ہے ہم تو جب ایمان لائیں گے کہ جب خدا تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھ سے دیکھ لیں کما قال تعالیٰ۔ حاکیا عنھم ــ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ اس پر ایک زلزلہ آیا جس سے سب ہلاک ہو گئے۔ پس جب ان ستر آدمیوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا جس سے وہ سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر ڈرے کہ بنی اسرائیل مجھ پر تہمت لگائیں گے کہ اس نے لے جاکر مروا دیا۔ تو کہا کہ اے میرے پروردگار اگر آپ چاہتے تو انکو اور مجھ کو یہاں آنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے اور بنی اسرائیل مجھ کو متہم نہ کرتے کیا تو ہم کو اس کام پر ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ التوراۃ او غیرہ فقیل ھو الاوّل بیّن فیہ بعض ماجری من احوالہ وروی ھذا عن ابن عباس وقیل ھو میقات آخر غیر میقات المناجاۃ ونزول التوراۃ فقال وھب بن منبہؒ قال قال بنو اسرائیل لموسیٰؑ ان طائفۃ تزعم ان اللّٰہ لا یکلمک فخذ منا من یذھب معک لیسمعوا کلامہٗ فیؤمنوا فاوحی اللّٰہ تعالیٰ الیہ ان یختار من قومہ سبعین من خیارھم ثمّ ارتق بھم الجبل انت وھارونؑ واستخلف یوشعؑ ففعل فلمّا سمعوا سألوا موسیٰؑ ان یریھم اللّٰہ جھرۃ فاخذتھم الرجفۃ الی ان قال ابو حیان۔ والذی یظھر ان ھذا المیقات غیر میقات موسیٰ الذی قیل فیہ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ یظاھر تغائر القصتین وماجری فیھما اذ فی تلک ان موسیٰ کلمہ اللّٰہ وسألہ الرؤیۃ واحالہ فی الرؤیۃ علی تجلیہ للجبل۔ وثبوتہ فلم یثبت وصار دکا وصعق موسیٰ وفی ھذہ اختیر السبعون لمیقات اللّٰہ واخذتھم الرجفۃ ولم تأخذ موسیٰ وللفصل الکثیر الذی بین اجزاء الکلام لو کانت قصۃ واحدۃ کذا فی البحر المحیط صفحہ ۳۹۹ ج اور ابو حیانؒ کا یہ کلام امام رازیؒ کے کلام کا خلاصہ ہے۔ حضرات اہل علم تفصیل کے لیے تفسیر کبیر صفحہ ۳۰۶ ج ۴ کی مراجعت کریں۔

نے کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بے وقوف اور نادان ہیں انکی خطا معاف فرما دیجئے۔ نہیں ہے یہ واقعہ مگر آپکی آزمائش اور امتحان ـــ کہ آپ نے انکو اپنا کلام سنایا جس سے وہ دیدار کی طمع میں پڑے اور دائرۂ ادب سے باہر نکل گئے یا یہ مطلب ہے کہ آپ نے اپنی قدرت سے انکے ایک خودساختہ بچھڑے میں آواز پیدا کر دی جس سے یہ بے وقوف فتنہ میں مبتلا ہو گئے یہ آپ ہی کی طرف سے فتنہ اور امتحان تھا۔ اس قسم کے فتنہ اور امتحان سے آپ جسکو چاہتے ہیں گمراہ کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں آپ کی مشیت اور حکمت کا کسی کو علم نہیں تو تو ہمارا آقا ہے پس تو ہماری خطا کو معاف کر اور ہم پر مہربانی کر اور تو سب معاف کرنے والوں سے بہتر معاف کرنے والا ہے تو بغیر کسی غرض اور نفع کے محض اپنے فضل و کرم سے معاف کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی دوسری دُعا

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ

یہ موسیٰ علیہ السلام کی دوسری دعا کا ذکر ہے پہلی دعا دفع مضرت اور رفع مصیبت کے لیے تھی اور یہ دُعا تحصیلِ منفعت کے لیے ہے جس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی کی درخواست ہے اور اے اللہ اس دعا کے ساتھ ایک دعا یہ ہے کہ لکھدے تو ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی دنیا اور آخرت کی بھلائی کی دستاویز اور قبالہ میری اُمت کے لیے لکھدیجئے۔ مطلب یہ تھا کہ میری امت سب امتوں پر فائق رہے اس لیے کہ ہم تیری طرف رجوع ہوئے ہیں تجھ سے ہر خیر کے امیدوار ہیں۔

جواب خداوندی

حق تعالےٰ نے جواب میں فرمایا میرا عذاب جو ہے اسکو میں جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں کوئی مجھ پر اعتراض نہیں کر سکتا سب میری مِلک اور سب میرے غلام ہیں اور مالک کو اپنے ملک پر ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے اور میری رحمت اور مہربانی ہر چیز کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے اللہ کی رحمت دنیا میں مومن اور کافر کو شامل ہے اگر اللہ کی یہ رحمت عامہ نہ ہوتی تو کوئی کافر و فاجر اور کوئی نافرمان زندہ نہ رہتا کما قال تعالےٰ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ۔ اللہ کی اس رحمت عامہ سے مؤمن و کافر سب کو حصّہ مل رہا ہے اور اس رحمت عامّہ کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہوا ہے اور اس رحمت عامہ میں سے آپکی امت کو بھی حصّہ مل چکا ہے یہ رحمتِ عامّہ بلا سوال کے اور بلا استحقاق کے سب کو پہنچ رہی ہے۔

اے بداده رائیگاں صد چشم و گوش ٭ بے ز رشوت بخش کرده عقل و ہوش
در عدم ما مستحقاں کے بدیم ٭ کہ بدیں جان و بدیں دانش شدیم
ما نبودیم و تقاضا ما نبود ٭ لطف تو ناگفتہ ما می شنود

اور اس رحمت عامہ کے علاوہ خدا تعالیٰ کی ایک رحمت خاصہ بھی ہے جسکا خاصان خاص پر نزول ہوتا ہے اس رحمت خاصہ کے حصول کے لیے تین شرطیں ہیں تقویٰ اور ایتاء زکوٰۃ اور ایمان بالآیات یعنی اللہ کے تمام احکام کو ماننا جس میں یہ اوصاف مذکورہ پائے جائیں گے وہ اس رحمت خاصہ کا مستحق ہوگا۔ حاصل کلام یہ کہ اے موسیٰ میری ایک رحمت تو عام ہے جس میں کوئی قید و شرط نہیں اس میں سے آپکی قوم کو بھی حصہ مل رہا ہے اور میری ایک رحمتِ خاص ہے جو چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے پس البتہ میں اس رحمت خاصہ کو جو دین اور دنیا دونوں کی بھلائی کو جامع ہو۔ جس کا آپ سوال کر رہے ہیں ان لوگوں کے لیے لکھدوں گا جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں یعنی انکے قلوب خدا کی عظمت اور جلال سے لبریز ہیں اور (۲) زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں یعنی اُنکے نفوس مال کی محبت سے پاک اور صاف ہو چکے ہیں اور ہماری تمام آیتوں (۳) پر یقین رکھتے ہیں ایسا نہ ہو کہ بعض آیتوں کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں۔ پس اس رحمت خاصہ اور کاملہ میں سے بنی اسرائیل میں سے اس شخص کو حصہ ملے گا جو متقی اور پرہیزگار ہو اور زکوٰۃ گزار ہو اور ایمان کامل رکھتا ہو یعنی اللہ کے تمام احکام کو مانتا ہو ان لوگوں میں سے نہ ہو جنکے بارے میں اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ نازل ہوئی رحمت خاصہ کے یہ شرائط تو اُن لوگوں کے لیے ہیں جو خاتم الانبیاء کی بعثت سے پہلے ہونگے اور خاتم الانبیاء کی بعثت کے بعد یہ رحمت خاصہ ان لوگوں کے لیے ہو گی جو توریت اور انجیل کی پیشین گوئیوں کے مطابق اس نبی آخرالزمان پر ایمان لائیں گے۔ اور اس کی مدد کریں گے انکو اس رحمتِ خاصہ میں سے حصہ ملے گا (دیکھو البحر المحیط ص۴۰۲ ج ۴) چنانچہ فرماتے ہیں کہ رحمت خاصہ اور کاملہ جسکا آپ نے سوال کیا ہے میں اس رحمت خاصہ کو خاص متقیوں اور مومنوں کے لیے لکھوں گا اور اخیر زمانہ میں اسکا مصداق وہ لوگ ہونگے جو صدق دل سے اس رسول کی پیروی کریں گے جو نبی اُمّی ہے یعنی وہ نبی نہ لکھنا جانتا ہے اور نہ پڑھنا جانتا ہے اور باوجود بے پڑھے لکھے ہونے کے علم و حکمت کے چشمے اسکی زبان سے جاری ہونگے اور یہ اسکی نبوت و رسالت کی دلیل ہو گی۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا۔

نگارِ من کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت ٭ بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

جس کو وہ یہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰؑ جس رحمتِ خاصہ اور دینی اور دنیوی بھلائی کا تو خواستگار ہے۔ اخیر زمانہ میں اس رحمت خاصہ میں سے ان لوگوں کو حصہ ملے گا جو توریت اور انجیل کے پیش گوئیوں کے مطابق اس نبی امی کا اتباع کریں گے جس کے اوصاف وہ اپنے یہاں توریت اور انجیل میں لکھے ہوئے پائیں گے حالانکہ اس وقت تک انجیل نازل نہیں ہوئی تھی اشارہ

اس طرف تھا کہ جب انجیل نازل ہوگی تو اس میں بھی آپکا ذکر ہوگا چنانچہ ورقہ بن نوفل اور عبداللہ بن سلامؓ اور مخریق اور بحیرا راہب اور نسطورا راہب اور نجاشی شاہ حبشہؒ مع قسیسین اور رہبان یہ سب انہی بشارات کی بنا پر مسلمان ہوئے اور ضفاطر رومی یعنی بشپ روم آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایلچی دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ پر یہ کہہ کر مشرف باسلام ہوا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جنکی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی۔ مگر رومیوں نے اسکو شہید کر دیا ہرقل شاہ روم نے بھی اسکی تصدیق کی مگر سلطنت کی خاطر اسلام قبول نہیں کیا۔ مقوقس شاہ مصر نے بھی اس کا اقرار کیا اسلام تو نہیں لایا مگر ماریہ قبطیہؓ وغیرہ تحفے بھیجے اور وہ نبی امی انکو ہر پسندیدہ کام کا حکم دیگا اور ہر ناپسندیدہ کام سے انکو منع کرے گا۔ اور تمام پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کر دیگا۔ مراد وہ پاکیزہ چیزیں ہیں جو بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی سزا میں توریت میں ان پر حرام کی گئی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت اور بھیڑ اور بکری اور گائے کی چربی اور تمام ناپاک اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کر دے گا۔ جیسے مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور جیسے رشوت اور سود اور ان سے وہ بوجھ اور مشقتوں کے طوق دور کر دے گا جو موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ان پر تھے جیسے توبہ میں جان کا مارنا اور قصاص کا واجب ہونا اور دیت کا ممنوع ہونا اور مال غنیمت کا جلا دینا مطلب یہ ہے کہ اگلی شریعتوں میں جو سختیاں تھیں انہیں دور کر دیگا۔ اور شریعت کو ان پر آسان اور ہلکا کر دیگا۔ پس جو لوگ اس نبی امی موصوف بصفات مذکورہ پر ایمان لائیں گے اور اسکی تعظیم کریں گے اور اس کے دشمنوں کے مقابلہ پر اسکی مدد کریں گے اور اس نور ہدایت یعنی کلام الہٰی کی پیروی کریں گے جو اسکے ساتھ آسمان سے زمین پر اتارا گیا ہے ایسے لوگ فلاح پانے والے ہیں اخیر زمانے میں دین و دنیا دونوں کی بھلائی ایسے ہی لوگوں کو ملے گی۔ یہ صحابہ کرام اور خلفاء راشدینؓ کا گروہ ہے جن کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی پہلے ہی سے مقدر ہو چکی تھی دنیا میں فتح و نصرت حاصل ہوئی اور شام اور ایران کی سلطنتوں پر قابض ہوئے اور آخرت میں نجات اور مغفرت اور درجات عالیہ کی بشارتوں سے سرفراز کیے گئے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

لطائف و معارف

(۱) حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ شاید حضرت موسیٰؑ نے اپنی امت کے حق میں دنیا اور آخرت کی بھلائی جو مانگی تھی مراد یہ تھی کہ میری امت سب امتوں پر مقدم اور فائق رہے دنیا اور آخرت میں خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ میرا عذاب اور میری رحمت کسی فرقہ پر مخصوص نہیں سو عذاب تو اسی پر ہے جسکو اللہ چاہے اور رحمت عامہ سب مخلوق کو شامل ہے۔ لیکن وہ رحمت خاصہ جو تم طلب کر رہے ہو وہ ان لوگوں کے نصیب میں لکھی ہے جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں اور اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں یا اپنے

نفس کا تزکیہ کرتے ہیں اور خدا کی ساری باتوں پر یقین کامل رکھتے ہیں یعنی آخری امت کو جو سب کتابوں پر ایمان لاوے گی سو حضرت موسیٰ کی امت میں سے جو کوئی آخری کتاب پر یقین لایا اس کو یہ نعمت پہنچی اور حضرت موسیٰ کی دعا ان کو لگی۔ انتہیٰ کلامہ بتوضیح یسیر (منقول از تفسیر عثمانی)

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے لیے جو مانگا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کو عطا کر دیا (تفسیر قرطبی ص ۲۹۶/ ۲۹۷ ج ۷)

اسکا مطلب یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دعا اپنی امت کے لیے مانگی تھی وہ انکی امت کے حق میں قبول نہ ہوئی بلکہ بجائے انکی امت کے امتِ محمدیہ کے حق میں قبول ہو گئی اور مطلب یہ ہوا کہ اے موسیٰ جس دنیا اور آخرت کی بھلائی کا تم سوال کر رہے ہو وہ امت محمدیہ کو ملے گی اور تمہاری یہ دُعا خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر پوری ہوگی کہ وہ ولی کامل بھی ہونگے اور بادشاہ عادل بھی ہونگے اور ولایت آخرت کی نیکی ہے اور بادشاہت دنیا کی بھلائی ہے اور اس کے مجموعہ کا نام خلافت راشدہ ہے اور علامہ طیبیؒ یہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی اپنی امت کے لیے یہ دعا ایسی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لیے یہ دعا کی۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ کہ اے اللہ میری ذریت کو بھی امامت میں حصہ ملے تو حق تعالیٰ نے جواب میں یہ فرمایا۔ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ۔ مطلب یہ تھا کہ تمہاری دعا اور درخواست قبول ہے مگر اس منصب امامت کے حصول کے لیے عدالت اور تقویٰ شرط ہے ظالم اور فاسق کو یہ منصب نہیں ملے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ تم نے اپنی امت کے لیے جو دنیا اور آخرت کی بھلائی کی دعا کی ہے وہ منظور ہے مگر اس رحمت خاصہ کے حصول کے لیے تقویٰ اور زکوٰۃ اور ایمان بالآیات شرط ہے پس آپ کی امت میں سے جو اس رحمت خاصہ کے مورد اور محل بننا چاہتے ہیں وہ ان اوصاف مذکورہ کو اختیار کریں تاکہ اس رحمت خاصہ کے مستحق ہو جائیں جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ ہو گا اسی درجہ کی رحمت کے مستحق ہونگے۔ رحمت کاملہ کا استحقاق اہلِ اطاعت کاملہ ہی کو ہے اسکے بعد یہ بتلایا کہ اخیر زمانہ میں جب نبوت محمدیہ کا دور دورہ ہو گا اس وقت اس رحمت کاملہ اور خاصہ کے مستحق وہ لوگ ہونگے جو اس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور دل وجان سے اسکی مدد کریں گے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک کے اہل کتاب کو سنانے کے لیے یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ اس زمانے کے اہل کتاب اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دُعا میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ اس نبی امیؐ پر ایمان لائیں جسکو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اللہ کی رحمت خاصہ ان لوگوں کے واسطے جو نبی امیؐ کا اتباع کریں گے خواہ وہ بنی اسرائیل سے ہوں یا غیروں سے ہوں۔

(۲) آیت اَلَّذِىْ ـــــ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ۔ کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو لوگ اس نبی آخر الزمان کا عہد مبارک پائیں ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس نبی آخر الزمان

پر ایمان لائیں تاکہ ان کو رحمت خاصہ میں سے بقدر ایمان اور تقوی کے حصہ مل جائے۔

(۳) اس آیت میں اس نبی آخر الزمان کے تو وصف توصراحۃً ذکر کیے اور ایک وصف ضمناً ذکر فرمایا یعنی اس نبی امی پر ایک کتاب نازل ہوگی جو نور ہدایت ہوگی اور رہروانِ آخرت کے لیے مشعل ہوگی مطلب یہ ہے کہ اس نبی امی پر آسمان سے ایک کتاب نازل ہوگی جسے وہ پڑھ کر سنائیں گا توریت کی طرح لکھی ہوئی کتاب اسکو عطار نہ ہوگی۔ اور وہ نو صفتیں یہ ہیں۔

۱۔ وہ رسول ہوگا (۲) وہ نبی ہوگا (۳) وہ امی ہوگا یعنی نوشت و خواند سے ناواقف ہوگا مگر علم اور حکمت کا چشمہ اس کی زبان سے جاری ہوگا۔ اور یہ اسکی نبوت کی بڑی دلیل ہوگی ورنہ مخالفین کو یہ گنجائش ہوتی کہ وہ یہ کہتے کہ آپ کتب سابقہ کو دیکھ کر اگلے زمانے کے حالات بیان کرتے ہیں اور انبیار سابقین کے صحیفوں کی مدد سے آپ اپنے دین کے قواعد اور احکام مرتب کرتے ہیں سو سزا وارِ رحمتِ خاصہ وہی لوگ ہونگے جو اس نبی امی کا اتباع کریں گے (۴) علمار یہود اور نصاریٰ اس نبی امی کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے۔ توریت اور انجیل میں آپکی بالتفصیل صفات مذکور تھیں اور اس وقت کے یہود اور نصاری ان مضامین سے واقف تھے اور اگر یہ مضامین توریت و انجیل میں موجود نہ ہوتے تو تمام یہود اور نصاریٰ شور مچاتے اور قرآن کریم کی اس قسم کی آیتوں کی تکذیب کرتے اور یہ کہتے کہ یہ سراسر افترار ہے اور یہ شخص کذاب اور مفتری ہے توریت و انجیل میں کہیں بھی آپکا ذکر نہیں اور جن مجلسوں میں اَلنَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ جیسی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ــــ وہاں جاکر علمار اہل کتاب کھلم کھلا یہ کہتے ـــ کہ یہ سب غلط ہے اور تمام یہود و نصاریٰ مشرکین مکہ کو جو آپکے دشمنِ خاص تھے اس سے آگاہ کرتے نیز آپکا علمار یہود و نصاریٰ کے مدارس میں جاکر تحدّی کے ساتھ یہ بیان کرنا کہ میں وہی نبی ہوں جس کی توریت اور انجیل میں خبر دی گئی یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کو ان بشارتوں کا جزم اور یقین تھا چنانچہ بہت سے علمار یہود اور علمار نصاریٰ اور بہت سے راہب اور عابد و زاہد اسی بنار پر ایمان لائے جیسے شاہِ حبشہ اور جو ایمان نہیں لائے جیسے ہرقل شاہِ روم وغیرہ سو انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ آپ وہی نبی ہیں جنکی توریت اور انجیل میں خبر دی گئی ہے۔

حق یہ ہے کہ کتب سابقہ میں آپکا ذکر موجود تھا مگر معاندین نے ان میں تحریف کر دی اور اس قسم کی تمام عبارتیں توریت اور انجیل سے نکالدیں اگرچہ اب بھی بعض اناجیل قدیمہ میں فارقلیط کا لفظ موجود ہے جو لفظ احمد کا ترجمہ ہے اور انبیار سابقین کی بشارات کے متعلق اس ناچیز نے ایک مستقل رسالہ بھی لکھدیا ہے اہل علم اسکو دیکھیں۔ جو چھپ چکا ہے۔

چنانچہ عارف رومی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں۔

بود در انجیل نام مصطفےٰ ٭ واں سر پیغمبراں بحر صفا

بود ذکر حلیہا و شکل او ٭ بود ذکر غزو و صوم و اکل او
طائفہ نصرانیاں بہر ثواب ٭ چوں رسیدندے بداں نام وخطاب
بوسہ دادندے بداں نام شریف ٭ رونہادندے بداں وصف لطیف

(۵) پانچویں صفت آپکی یہ بیان کی کہ آپ لوگوں کو تمام نیک باتوں کا حکم دیں گے۔

(۶) چھٹی صفت آپکی یہ بیان فرمائی کہ آپ لوگوں کو تمام بُری باتوں سے منع کریں گے۔ یہ دونوں صفتیں اگرچہ تمام انبیاء میں مشترک ہیں مگر علی وجہ الکمال آپ میں پائی جائیں گی۔ آپکی تعلیم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تمام جزئیات کو حاوی ہوگی۔

(۷) ساتویں صفت آپکی یہ بیان کی کہ آپ لوگوں کے لیے پاکیزہ اور ستھری چیزوں کو حلال کریں گے جس سے انسانی طبیعت کراہت اور نفرت نہیں کرتی بلکہ انسان کے لیے موجب لذت اور منفعت ہے اگرچہ مشرکین نے اپنی جہالت سے ان پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔

(۸) اور آٹھویں صفت آپکی یہ فرمائی کہ وہ نبی گندی اور ناپاک چیزوں کو حرام کریگا۔ جن کے استعمال میں سراسر مضرت اور نقصان ہے جیسے مُردار اور خنزیر اور قمار اور شراب وغیرہ اگرچہ مشرکوں نے اپنی جہالت سے ان چیزوں کو اپنے اوپر حلال کر رکھا ہے۔

(۹) اور نویں صفت آپکی یہ بیان فرمائی کہ آپ یہودیوں پر سے ان کے بوجھ اتاریں گے اور ان کے طوقوں کو دور کریں گے یعنی انکی شریعت میں جو سخت احکام جو انکی پیٹھوں پر بمنزلہ بھاری بوجھوں کے تھے اور گلوں میں بمنزلہ طوقوں اور پھندوں کے تھے۔ انکو منسوخ کرکے انکی جگہ سہل احکام دیں گے یعنی اس کی شریعت سہل اور آسان ہوگی۔

مثلاً توریت میں بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر تم سے گناہ ہو جائے تو اسکی توبہ قتل ہے کہ تم اپنے آپکو قتل کر ڈالو اسلام میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور یہ حکم دیا گیا کہ توبہ کے لیے گزشتہ گناہ پر ندامت اور شرمساری اور آئندہ کے لیے یہ عزم کہ اب یہ کام نہیں کروں گا۔ توبہ کے لیے فقط اتنا کافی ہے۔

توریت میں یہ حکم تھا کہ اگر کپڑا ناپاک ہو جائے تو جتنا ناپاک ہوا ہے اتنے کو قینچی سے کاٹ ڈالا جائے یہ حکم اسلام میں منسوخ ہوگیا اور کپڑے کا پانی سے دھونا کافی قرار دیا گیا۔

توریت میں قصاص فرض تھا اور دیت حرام تھی اسلام نے اسکی جگہ یہ حکم دیا کہ اگر ورثہ قصاص معاف کردیں اور اسکی جگہ دیت پر راضی ہو جائیں تو پھر قصاص ضروری نہیں۔

توریت میں حکم تھا کہ ہفتہ کے دن دنیا کا کوئی کاروبار نہ کرو۔ اسلام نے اس کو منسوخ کر دیا۔

توریت میں حکم تھا کہ کنایس (یعنی مسجد اور معبد) سے باہر نماز نہ پڑھو اسلام نے اس کی جگہ حکم دیا کہ نماز ہر جگہ صحیح ہے۔

(۱۰) دسویں صفت اس نبی اُمّیؐ کی یہ بیان کی کہ اس نبی پہ ایک نور ہدایت یعنی قرآن نازل ہوگا جو اس کا اتباع کرے گا وہ فلاح پائے گا اور وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ۔ میں اسی صفت کے ساتھ اشارہ ہے اور توریت سفر پنجم باب ۱۸ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر دی کہ میں بنی اسرائیل کے بھائیوں میں تجھ جیسا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا الخ اس آخری جملہ میں قرآن کریم کے نزول کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مطلب بالاختصار یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ اے پروردگار ملاء اعلےٰ میں میری امت کے لیے دنیا اور آخرت کی نیکی مقدر کر دے۔ رب الارباب سے جواب ملا ہو دا یک حال پہ نہ رہیں گے بلکہ ان میں سے بعض کو میرا عذاب پہنچے گا۔ اور یہ وہ لوگ تھے جنکی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ اور بعض رحمت الٰہی کے مورد ہونگے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۔ پھر فرمایا فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ۔

یعنی پس ان لوگوں کے لیے میں دنیا اور آخرت کی نیکی لکھ دونگا جن کی صفت یہ ہے کہ وہ متقی ہونگے زکوٰۃ دیں گے اور اسکی نشانیوں پر ایمان رکھیں گے۔

پس ان آیات سے مفہوم ہوا کہ یہ لوگ جو مذکورہ بالا اوصاف سے موصوف ہوں زمانۂ آئندہ میں پیدا ہونے والے تھے دنیا میں فتح و نصرت حاصل ہو اور دیگر سلطنتیں انکی مطیع اور باجگذار ہوں اور آخرت میں نجات اور مغفرت حاصل ہو اور درجات اور مناصب عالیہ انکو حاصل ہوں بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خصوصًا یہ وہ لوگ ہونگے جو نبی امی کے تابعدار ہونگے جس کی تعریف و توصیف کتاب الٰہیہ میں پائی گئی اور انبیاء سابقین نے اُنکی بعثت کی خبر دی جس سے کافۂ انام پر حجت پوری ہوئی اور منکرین عنداللہ معذور نہ رہے اور کتب الٰہیہ میں اللہ نے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی وہ یہ ہے کہ وہ نبی اُمّی نیکی کا حکم کرے گا اور بُرائی سے منع کرے گا۔ تمام پاک چیزیں حلال کرے گا اور خبائث حرام کریگا اور ان کے سر سے بار گراں اور گردن سے انکے طوق اتار دے گا یعنی شرائع شاقہ کو منسوخ کر دیگا اور ملت حنفیہ اور شریعت سہلہ کو جاری کرے گا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کمال رأفت و رحمت الٰہیہ ہے۔

ان آیات میں ضمنًا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں کی اور آپ کے اعوان و انصار کی مدح فرمائی اور ان کی صلاح کونین اور فلاح دارین کی خبر دی ہے اور شک نہیں کہ خلفاً

راشدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور جان و مال سے آپکی مدد کی پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تا زیست اسی طرح ساعی اور کوشاں رہے اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔ و ہذا ہو المقصود (ازالۃ الخفار)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس دُعاءِ موسوی کا ظہور خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر ہوا اور صحابہ کرامؓ اس رحمت خاصہ کے مورد بنے اور یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ کتب الٰہیہ میں اس نبی امی کے تابعداروں اور مددگاروں کی جو تعریف و توصیف کی گئی اسکا مصداق صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین ہیں۔ جن کو دنیا کی نیکی تو یہ ملی کہ فتح و نصرت ہوئی اور دنیا کی سلطنتیں اور ریاستیں انکی باجگذار بنیں اور آخرت کی نیکی یہ ملی کہ خوشنودی اور رضاء خداوندی اور جنت اور مغفرت اور قسم قسم کی عزت و کرامت کا پروانہ انکو دنیا ہی میں مل گیا اور اخیر آیات میں مہاجرین اور انصار کی خاص طور پر مدح فرمائی۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اور انکے صلاح اور فلاح دارین کی خبر دی۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا	تو کہہ لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	جس کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں کسی کی بندگی نہیں سوائے
يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ	اسکے، جلاتا ہے اور مارتا ہے سو مانو اللہ کو اور اسکے بھیجے نبی اُمّی
الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ	کو، جو یقین کرتا ہے اللہ پر اور اسکے سب کلام پر اور اسکے تابع ہو
تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾	شاید تم راہ پاؤ۔

ذکر عموم بعثت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ..الی.. لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں نبی آخر الزماں کی بشارت کا ذکر تھا اور یہ بتلایا تھا کہ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ الخ میں متقین کے لیے جس رحمت خاصہ کا وعدہ ہے وہ اُن متقین کے لیے مخصوص ہے کہ جو اس نبی امی کے متبع ہوں جسکا ظہور آخر زمانہ میں ہوگا اب اس آیت میں اس نبی امی کی عموم بعثت کا ذکر ہے کہ اس نبی آخر الزماں کی بعثت عام ہوگی یعنی تمام عالم کے لیے آپ نبی اور رسول ہوں گے انبیاء سابقین کی طرح آپکی بعثت کسی قوم اور قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی آپ کی اطاعت سب پر لازم ہوگی اہل کتاب میں سے جو شخص اس رحمت خاصہ میں شامل ہونا چاہے جس کی موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی تھی اسکو چاہیئے کہ اس رسول برحق پر ایمان لائے اور سمجھ لے کہ بغیر آپکے نور کے اتباع کیے فلاح نہیں پا سکتا نیز آئندہ آیات میں یہ بتلانا ہے کہ اس پیغمبر آخر الزماں کی صفت اگرچہ توریت اور انجیل میں یہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ نبی امی ہوگا مگر اس نبی امی کی بعثت فقط اُمیین یعنی عرب کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی جیسا کہ بعض اہل کتاب کا خیال ہے بلکہ اسکی بعثت کل عالم کی طرف ہوگی چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو یہودی یا نصرانی میری خبر پا کر مجھ پر ایمان نہیں لائیگا وہ جہنم میں جائیگا۔ (رواہ مسلم)

اے نبی امی آپ لوگوں سے علی العموم اور علی الاعلان یہ کہہ دیجیئے کہ اے دنیا کے جہان کے لوگو تحقیق میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں بخلاف پہلے پیغمبروں کے کہ وہ کسی خاص فرقہ یا خاص امت کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور میں تمام مخلوق اور کافۃ الناس کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں خواہ وہ عرب ہوں یا عجم - رومی ہوں یا فارسی چینی ہوں یا ہندی غرض یہ کہ میری بعثت تمام دنیا کے لیے ہے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو چند باتیں ایسی عنایت کی ہیں جو کسی اور نبی کو عنایت نہیں فرمائیں۔

۱- ہر نبی خاص اپنی قوم کے ہدایت کے لیے بھیجا جاتا تھا مجھ کو اللہ نے ہر سیاہ و سفید یعنی عرب و عجم کے لیے بھیجا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

۲- مجھ پر نبوت ختم ہو گئی یعنی میرے بعد کسی کو منصب نبوت عطا نہیں ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام جو اخیر زمانہ میں آسمان سے نازل ہونگے انکو منصب نبوت آپ سے چھ سو سال پہلے مل چکا ہے انکا نزول ختم نبوت کے منافی نہیں۔

۳- مجھ کو شفاعت کا مقام عطا کیا گیا کہ قیامت کے دن اولین اور آخرین کے لیے شفاعت کرونگا۔

۴۔ میرے لیے غنیمتیں حلال کردی گئیں مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہیں کی گئیں۔

۵۔ تمام روئے زمین میرے لیے پاک اور موضع صلاۃ قرار دے دی گئی میری اُمت کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لے۔

۶۔ ایک مہینہ کے راہ کے فاصلہ پر میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا گیا۔

۷۔ اور مجھ کو جوامع الکلم عطا کیے گئے یعنی ایسے جامع کلمات کہ جن کے لفظ تو بہت تھوڑے اور معنی بہت یہ مضمون بخاری اور مسلم کی روایتوں سے ثابت ہے غرض یہ کہ میری بعثت تمام جہان کے لیے ہے میں تم سب کی طرف اس خدائے برحق کی طرف سے رسول بنکر آیا ہوں جس کے لیے آسمان اور زمین کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے پس اے لوگو! ایمان لاؤ اس خدا پر جس کی صفت تم نے سُن لی اور نیز ایمان لاؤ اس کے اس رسول پر جو نبی اُمّی ہے یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو اللہ پر اور اسکی تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہے اور بے چون وچرا اس نبی اُمّی کی پیروی اور فرمانبرداری کرو تاکہ تم ہدایت پا جاؤ معلوم ہوا کہ جو نبی اُمّی کا اتباع نہ کرے وہ گمراہ ہے کیونکہ خداتعالےٰ نے ہدایت اور فلاح کو آپ کے اتباع میں منحصر فرما دیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں اسی نبی اُمّی کے اوصاف بیان کیے تھے اب ان آیات میں اس نبی کے اتباع اور پیروی کا حکم دیا کہ بغیر اسکے اتباع کے ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ

اور موسیٰ کی قوم میں ایک فرقہ ہے کہ راہ بتاتے ہیں حق کی

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ

اور اسی پر انصاف کرتے ہیں اور بانٹ کر انکو ہم نے کیا کئی فرقے ، بارہ

اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ

دادوں کے پوتے اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو جب

اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

پانی مانگا اس سے اسکی قوم نے کہ مار اپنی لاٹھی سے اس پتھر کو

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ

تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے ، پہچان لیا ہر ایک

أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا

لوگوں نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر ابر کا اور اتارا ان

عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۚ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ

پر من اور سلویٰ کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے روزی

وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾ وَ

دی تمکو اور ہمارا کچھ نہ بگاڑا، لیکن اپنا برا کرتے رہے ۔ اور

إِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ

جب حکم ہوا انکو کہ بسو اس شہر میں اور کھاؤ اس میں

شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَغْفِرْ

جہاں سے چاہو اور کہو گناہ اترے اور پیٹھو (داخل ہو) دروازے میں سجدہ کرتے تو

لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ

بخشیں ہم تمہاری تقصیریں آگے اور (بہت) دیں گے نیکی والوں کو ۔ سو بدل لیا بے انصافوں

ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا

نے اُن میں سے اور لفظ سوا اسکے جو کہہ دیا تھا پھر بھیجا ہم نے

عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾

ان پر عذاب آسمان سے بدلہ ان کی شرارت کا۔

ذکر احوال بنی اسرائیل

قال اللہ تعالیٰ وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ .. الیٰ .. بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ٥

(ربط) اوپر سے سلسلۂ کلام موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں چلا آرہا ہے اب یہ بتاتے ہیں کہ

بنی اسرائیل میں اب بھی بعضے لوگ خدا پرست اور انصاف دوست ہیں جو لوگوں کو راہ راست کی ہدایت کرتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اس بات کی شہادت دی کہ یہ وہی نبی اُمّی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں خبر دی گئی ہے اور ایسے ہی حق پرست اس رحمت خاصہ میں داخل ہوئے جس کی موسیٰ علیہ السلام نے وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ میں دعا کی تھی اور انہی اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ظالم اور سرکش بھی ہیں باوجودیکہ ان پر اللہ کے بڑے بڑے انعامات ہوئے مگر پھر بھی دن بدن نافرمانیاں اور سرکشیاں ہی کرتے رہے چنانچہ فرماتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی راہ بتاتا ہے اور اسی حق کے ساتھ انصاف کرتا ہے جیسے عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ قبیلوں پر بانٹ دیا گروہ گروہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ہر بیٹے کی نسل کو سبط کہتے تھے مطلب یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ایک دادا کی اولاد پر تقسیم کر دیا جس سے انکے بارہ گروہ ہوگئے۔ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف جب انکی قوم نے جنگل میں ان سے پانی مانگا کہ اے موسیٰ تو اپنی لاٹھی کو پتھر پر مار پس ان کے مارتے ہی اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے کیونکہ بارہ ہی سبط تھے اس لیے بارہ چشمے جاری ہو گئے ہر سبط کے لیے علیحدہ علیحدہ چشمہ متعین ہوگیا۔ سب آدمیوں نے یعنی ہر سبط نے اپنا جُدا جُدا گھاٹ معلوم کر لیا۔ ایک سبط دوسرے سبط کے گھاٹ سے پانی نہیں لیتا تھا اور ایک انعام ہم نے ان پر یہ کیا کہ جنگل میں ابر کو ان پر سائبان بنا دیا تاکہ بنی اسرائیل کو آفتاب کی گرمی کی تکلیف نہ ہو۔ اور ایک انعام ان پر یہ کیا کہ خزانۂ غیب سے ان پر من وسلویٰ اتارا۔ "من" ترنجبین کے مانند ایک میٹھی چیز تھی اور سلویٰ مرغ اور بٹیر کے مانند کوئی جانور تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کے لیے یہ کھانا اتارا جن میں سے ایک شیریں اور دوسرا نمکین تھا اور اُن سے یہ کہہ دیا کہ جو پاکیزہ روزی ہم نے محض اپنی عنایت سے بلا سبب ظاہری کے تم کو دی ہے اس میں سے کھاؤ اور شکر کرو اور ذخیرہ نہ کرو اور ان لوگوں نے ذخیرہ کر کے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا ولیکن ذخیرہ کر کے وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے نافرمانی کر کے اپنا ہی نقصان کیا اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا کہ اس بستی یعنی بیت المقدس یا اریحا میں جا کر رہو اور اس کے پھلوں اور کھیتی اور پیداوار کھاؤ جہاں سے چاہو جتنی رغبت ہو کھاؤ کوئی پابندی نہیں اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ جب اس شہر میں جانے لگو تو زبان سے لفظ حِطَّۃٌ کہو یعنی اے اللہ ہماری درخواست حِطّۂ ذنوب اور وضع معاصی ہے یعنی اے اللہ ہمارے کاندھوں سے گناہوں کا بوجھ اتار دے اور اس شہر کے دروازے میں تواضع اور عاجزی کے ساتھ جھکے جھکے داخل ہونا تو ہم تمہاری اس توبہ اور نیازمندی کی بنا پر تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور جو تم میں سے نیکوکار اور مخلص ہیں انکو مزید انعام اور ثواب سے نوازیں گے پس جو ان میں سے ظالم اور سرکش تھے وہاں پہنچ کر سرکشی کرنے لگے اور جو قول اور لفظ انکو بتلایا گیا اسکو دوسرے

قول سے بدل دیا۔ جو اسکے بالکل برعکس تھا یعنی انہوں نے بجائے حِطّۃٌ کے "حنطۃ فی شعرۃ" کہا جس کے معنی یہ ہیں کہ بالوں میں گیہوں دے اور بجائے سجدہ کرنے کے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے پس اس سرکشی کی سزا میں ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا یعنی طاعون آیا یا کوئی اور عذاب آیا جس سے ایک وقت میں ستر ہزار آدمی مرگئے اس لیے کہ وہ لوگ ظلم کرتے تھے یعنی انکا قول اور فعل سب بے محل تھا اس لیے آسمان سے ان پر بلا نازل ہوئی اور برمحل نازل ہوئی یہ واقعہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ

اور پوچھ ان سے احوال اس بستی کا کہ تھی کنارے دریا کے، جب

يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ

حد سے بڑھنے لگے ہفتے کے حکم میں، جب آنے لگیں ان پاس مچھلیاں

سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ

ہفتے کے دن پانی کے اوپر جس دن ہفتہ نہ ہو نہ آویں۔ یوں ہم آزمانے

نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ

لگے ان کو اس واسطے کہ بے حکم تھے۔ اور جب بولا ایک فرقہ

مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ

ان میں کیوں نصیحت کرتے ہو ایک لوگوں کو کہ اللہ چاہتا ہے انکو ہلاک کرے

مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ

یا انکو عذاب کرے سخت؟ بولے، الزام اتارنے کو تمہارے رب کے

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ

آگے، اور شاید وہ ڈریں۔ پھر جب بھول گئے جو ان کو سمجھایا تھا۔

أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ

بچا لیا ہم نے جو منع کرتے تھے بُرے کام سے اور پکڑا گنہگاروں کو

ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا

برے عذاب میں بدلہ ان کی بے حکمی کا۔ پھر جب

عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً

بڑھنے لگے جس کام سے منع ہوا تھا، ہم نے حکم کیا کہ ہو جاؤ بندر

خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾

پھٹکارے۔

قصۂ اصحاب سبت

قال اللہ تعالیٰ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ۔ الیٰ۔۔ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کے حالات اور واقعات کو بیان کیا اب ان آیات میں بنی اسرائیل کے آباء و اجداد کی کفرانِ نعمت اور انکی سرکشی اور تمرد کا ایک قصہ ذکر کرتے ہیں جو یہود کو بخوبی معلوم ہے جس سے غرض یہ بتلانا ہے کہ احکام خداوندی سے دیدہ و دانستہ انحراف انکی جبلی اور آبائی خصلت ہے جس کی ہمیشہ انکو سزا ملتی رہی اور اسی وجہ سے انکو بندر بنایا گیا اور انسانی صورت سے حیوانی صورت میں مسخ کیے گئے جو انتہائی ذلت ہے اور عبرتناک سزا ہے اور یہ قصہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا منع تھا اس وقت ان میں تین قسم کے لوگ تھے ایک وہ کہ جو نافرمانی کرتے تھے دوسرے وہ کہ جو خود نافرمانی نہیں کرتے تھے مگر دوسروں کو منع بھی نہ کرتے تھے۔ تیسرے وہ لوگ جو خود بھی نافرمانی نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو نافرمانی کرنے سے منع کرتے تھے حتیٰ کہ منع کرنے والوں نے شکار کرنے والوں سے ملنا بھی چھوڑ دیا تھا اور بستی کے درمیان ایک دیوار بھی قائم کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان بستی والوں کے حال سے خبر دی کہ کس گروہ پر عذاب آیا اور کس گروہ نے عذاب الٰہی سے نجات پائی چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ ان ظالم یہودیوں سے جو اپنے ظلم اور فسق کے منکر ہیں بطور تہدید و توبیخ اس شہر کا حال پوچھیے کہ جو دریا کے روبرو تھا اس شہر کا نام اَیلہ تھا جو بحر قلزم کے کنارہ پر واقع تھا ان پر ہفتہ کے دن کی تعظیم فرض تھی اور اس دن مچھلیوں کا شکار ان پر حرام تھا۔ انکو یہ حکم تھا کہ اس دن دنیا کے کاموں میں مشغول نہ رہیں۔ مگر ان لوگوں نے حکم کی خلاف ورزی کی اور داؤد علیہ السلام کی زبان پر ملعون اور بندر اور لنگور بنے اور وَسْئَلْهُمْ میں جو استفہام کا حکم

دیا گیا وہ بغرض حصول علم نہیں بلکہ اس سے مقصود یہود دلوں کو ملامت اور سرزنش کرنا ہے۔ اور اُن کے تمرد اور سرکشی کے ایک واقعہ کو یاد دلانا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریمؐ آپ ان یہود بے بہبود سے دجن میں ظلم اور فسق پشتہا پشت سے چلا آرہا ہے۔

اس بستی والوں کا حال پوچھیئے جو کہ سمندر کے کنارہ پر تھی کہ جب وہ ہفتہ کے بارہ میں حد سے تجاوز کرنے لگے یعنی انکو ہفتہ کے دن شکار کرنے کی ممانعت تھی ان لوگوں نے اسکی حرمت کو توڑ ڈالا۔ جبکہ آتی تھیں اُن کے پاس انکی مچھلیاں انکے ہفتہ کے دن جس دن انہیں مچھلی کا شکار منع تھا۔ اُسی دن مچھلیاں آتیں ظاہر ہو کر کہ پانی کے اوپر اپنا سر اٹھائے ہوتے۔ تاکہ وہ ان کو دیکھ کر للچائیں اور جس دن ہفتہ نہ ہو اس دن نہیں آتی تھیں لیکن یوں ہم انکا امتحان لینے لگے کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا تو مچھلیاں آتیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو مچھلی کی صورت بھی نظر نہ آتی اس لیے یہ لوگ نافرمان تھے۔ یعنی چونکہ یہ لوگ نافرمانی کے عادی ہو گئے تھے اس لیے ہم نے انکا امتحان لیا۔ تاکہ حجت پوری ہو جائے۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا تو مچھلیاں بکثرت پانی پر ظاہر ہوتیں اور ہفتہ کے بعد غائب ہو جاتیں یہ دیکھ کر صبر کرنا مشکل ہوا اور سوچا کہ ہفتہ کے دن کہ جب مچھلیاں پانی پہ ظاہر ہو جاتی ہیں اس دن شکار کرنا ممنوع ہے اس لیے متردد ہوئے اور حیران ہو کر یہ حیلہ نکالا کہ سمندر کے کنارے سے حوض بنا دیئے اور سمندر سے حوضوں میں پانی آنے کے لیے چھوٹی چھوٹی نالیاں بنا دیں جب ہفتہ کی صبح ہوتی چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ سمندر کا پانی اُن حوضوں میں بھر لیتے پانی کے ساتھ بے شمار مچھلیاں بھی اُن حوضوں میں جمع ہو جاتیں شام کو حوضوں کا منہ بند کر کے نالیوں کا سلسلہ ان سے منقطع کر دیتے تاکہ مچھلیاں پھر نہ سمندر میں چلی جائیں۔ دوسرے دن جب اتوار آتا تو ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے اور تاویل یہ کرتے کہ ہم نے ہفتہ کے دن شکار نہیں کیا۔

قاعدہ ہے کہ بستی کے تمام آدمی یکساں نہیں ہوتے۔ اس بستی کے آدمی بھی تین فریق ہو گئے ایک فریق تو وہ کہ جو ہفتہ کے دن شکار کرتا تھا۔ دوسرا فریق وہ کہ جو انکو اس بُرے عمل سے منع کرتا تھا حتیٰ کہ جب وہ نہ مانے تو شہر کے اندر دیوار قائم کر کے اپنا ٹکڑا الگ کر لیا۔ تیسرا فریق وہ کہ جو نہ شکار کرتا تھا اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتا تھا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب بستی والوں کے ایک گروہ نے جو نہ شکار کرتا تھا اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتا تھا۔ اس گروہ سے جو اوروں کو شکار کرنے سے منع کرتا تھا ناامید ہو کر یہ کہا کہ تم ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہو جن پر تمہاری نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو ہلاک کرنیوالا ہے یا اگر بالکلیہ انکو ہلاک نہ کیا تو ان کو سخت عذاب دینے والا ہے۔ ایسے لوگوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ؟ تو منع کرنے والے گروہ نے کہا کہ ہمارا یہ نصیحت کرنا پروردگار کے سامنے عذر کرنے کے لیے ہے کہ پروردگار نے ہم پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کیا ہے سو ہم اس لیے نصیحت کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے روبرو یہ کہہ سکیں کہ اے

پروردگار کے ہم معذور ہیں اور شاید وہ کسی وقت اس فعل سے باز آجائیں اور ہماری نصیحت کا اثر آئندہ کسی وقت میں ظاہر ہو کر وہ خدا سے ڈر جائیں اور گناہ کو چھوڑ دیں مگر وہ کب باز آنے والے تھے پس بالآخر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو انکو کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو انکو بُرے کام سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو سخت عذاب میں پکڑ لیا بسبب اسکے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے پس جب انہوں نے سرکشی کی اور جس بات کی انکو ممانعت کی گئی تھی اس میں حد سے بڑھ گئے۔ یعنی مچھلی کے شکار کو نہ چھوڑا تو ہم نے ازراہ قہر و غضب انکے لیے حکم دے دیا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل چنانچہ وہ بندر اور لنگور بن گئے۔

اور شیخ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں روایتیں نقل کی ہیں کہ تین دن کے بعد یہ سب بندر مر گئے اور انکی نسل نہیں چلی۔ ان آیات کے ظاہری سیاق سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں اور فاسقوں کو اولاً کسی عذاب بئیس (عذاب شدید) میں پکڑا تاکہ متنبہ ہو جائیں اور باز آجائیں مگر جب یہ دلیر ہو گئے اور سرکشی میں حد سے نکل گئے تو ان کو بندر بنا دیا گیا۔ سو یہ عذاب مسخ اس عذاب بئیس کے علاوہ ہے جس کا پہلی آیت میں ذکر ہے۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ دوسری آیت پہلی آیت کی تفسیر اور تفصیل ہے اور گزشتہ آیت میں جو عذاب بئیس کا ذکر تھا اس سے یہی عذاب مسخ مراد ہے۔

لطائف و معارف

۱۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے البتہ اگر ناصح بالکل مایوس ہو جائے اور اسکو نصیحت کے اثر کی امید نہ رہے تو پھر نصیحت واجب نہیں رہتی مگر عزیمت اور فضیلت اسی میں ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جاری رکھا جائے اس زمانے میں جو لوگ بے باک لوگوں اور آزاد منشوں کے ساتھ خلا ملا رکھتے ہیں انکو اس سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔

۲۔ جو لوگ ڈارون کی تھیوری پر بلا دلیل ایمان رکھتے ہیں کہ انسان اصل میں بندر تھا ترقی کر کے انسان بن گیا انکے سامنے جب خدا کے نافرمانوں اور سرکشوں کے بندر بنائے جانے کی خبر دی جاتی ہے تو اُن کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ صاحب آپکے نزدیک جب بندر ترقی کر کے انسان بن سکتا ہے تو انسان تنزلی کر کے بندر بھی بن سکتا ہے خاص کر آپکے نزدیک کہ جب انسان کی اصل ہی بندر ہے تو شئ کا اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا کیوں محال ہے۔ جس دلیل سے حیوان کا انسان بننا ممکن ہے اسی دلیل سے انسان کا حیوان بننا بھی ممکن ہے دلیل بیان کیجئے کہ کس دلیل سے انسان کا بندر بن جانا عقلاً محال ہے۔ کوئی عقلی دلیل پیش کیجئے یا کسی زمانہ کا تجربہ اور مشاہدہ پیش کیجئے کہ فلاں زمانے میں اتنے بندر انسان بنے تھے۔

کہ برہاں قوی باید و معنوی
نہ رگہائے گردن نہ حجت قوی

اور مسخ کی تحقیق سورۂ بقرہ کے اس آیت کی تفسیر میں یعنی قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

۳۔ اس آیت میں حق جل شانہٗ نے ظالمین کے عذاب اور واعظین اور ناصحین کی نجات کا ذکر فرمایا مگر جو لوگ از اول تا آخر ساکت رہے حق تعالیٰ نے انکے ذکر سے سکوت فرمایا نہ انکے عذاب کا ذکر کیا نہ ان کی نجات کا ذکر کیا اس لیے کہ جزاء جنس عمل سے ہوتی ہے یہ ساکتین کا گروہ نہ مستحق مدح کا ہوا کہ ان کی مدح کی جاتی اور نہ مرتکب نہی کا ہوا جو انکی مذمت کی جاتی۔ اس لیے علماء نے اختلاف کیا کہ ساکتین کا گروہ ناجین (نجات پانے والوں میں) رہا یا ہالکین اور معذبین میں رہا۔ اس لیے ادب کا مقتضا یہ ہے کہ جسکے ذکر سے حق تعالیٰ نے سکوت کیا ہم بھی اسکے ذکر سے سکوت کریں۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۹ ج ۲)

۴۔ واعظین نے اپنے اور سرکشوں کے درمیان شہر میں ایک دیوار قائم کر لی تھی جس سے شہر اس طرح تقسیم ہو گیا تھا مگر اس درمیانی دیوار میں آمد و رفت کے لیے ایک دروازہ کھول لیا تھا۔ جو رات کے وقت بند کر دیا جاتا تھا جس رات کو نافرمان لوگ ذلیل و خوار بندر بنا دیئے گئے تو وہ دروازہ بند تھا صبح ہوئی تو دوسری جانب سے کوئی آواز نہ آئی صالحین نے ایک شخص کو دیوار پر چڑھایا دیکھا تو دم دار بندر بنے ہوئے ہیں پس جب یہ لوگ اندر داخل ہوئے تو یہ لوگ تو اپنے کسی رشتہ دار کو نہیں پہچانتے تھے مگر وہ بندر اپنے اہل قرابت کو پہچان کر آتے اور ان کے کپڑے سونگھتے اور روتے اور یہ لوگ کہتے کہ کیا ہم نے تمکو منع نہیں کیا تھا تو سر ہلاتے کہ ہاں بیشک تم نے منع کیا تھا۔ بالآخر تین روز کے بعد سب ہلاک ہو گئے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۰۶ ج ۷)

۵۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں تین فرقے تھے ایک ظالمین اور فاسقین کا یعنی نافرمانوں کا دوسرا واعظین اور ناصحین کا اور تیسرا ساکتین کا، ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ جو فرقہ ساکت رہا اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ ہلاک نہیں ہوا کیونکہ اس نے ان نافرمانوں کے فسق اور معصیت کو برا جانا اور انکی مخالفت کی اور اسی وجہ سے یہ کہا لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا الخ ابن عباس رض کو عکرمہ رض کا یہ قول پسند آیا اور خوش ہو کر انکو ایک خلعت پہنایا۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا سے اور وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف فرقۂ عادیہ اور عاصیہ ہلاک ہوا۔ باقی دو فرقے ہلاک نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۰۶ ج ۷)

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ

اور وہ وقت یاد کر کہ خبر دی تیرے رب نے، البتہ کھڑا رکھے گا یہود پر قیامت کے دن تک

الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ

کوئی شخص کہ دیا کرے انکو بری مار۔ تیرا رب شتاب

لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ

سزا دیتا ہے اور وہ بخشتا بھی ہے مہربان۔ اور متفرق کیا ہم

فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ

نے انکو ملک میں فرقے فرقے بعضے ان میں نیک اور بعضے اور طرح

ذٰلِكَ ۡ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ

کے اور آزمایا انکو خوبیوں میں اور برائیوں میں شاید وہ

يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا

پھر آویں۔ پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف وارث

الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ

کتاب کے لیتے اسباب ادنیٰ زندگی کا اور کہتے ہیں

سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ

کہ ہم کو معاف ہوگا اور اگر ایسا ہی اسباب پھر آوے تو لے لیویں۔

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا

کیا ان پر عہد نہیں لیا؟ کتاب کے حق میں کہ نہ بولیں

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ

اللہ پر سوا سچ کے، اور پڑھا انہوں نے جو لکھا ہے اسمیں اور پچھلا گھر بہتر

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦٩﴾ وَالَّذِيْنَ
ہے ڈر والوں کو کیا تم کو بوجھ نہیں ۔ اور جو لوگ
يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ
پکڑ رہے ہیں کتاب اور قائم رکھتے ہیں نماز ہم ضائع نہ
اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿١٧٠﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ
کریں گے ثواب نیکی والوں کا ۔ اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ انکے اوپر جیسے
ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ
سایہ بان اور ڈرے کہ وہ گرے گا ان پر پکڑو جو ہم نے دیا ہے
بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧١﴾ ع
زور سے اور یاد کرتے رہو جو اس میں ہے ۔ شاید تم کو ڈر ہو ۔

ذکر تسلیط عذاب ذلت بر یہود تا روز قیامت

قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ .. الی .. لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں یہود کے بعض شنائع اور قبائح کا بیان تھا اور یہود کی ایک خاص جماعت کی ایک وقتی ذلت کا ذکر تھا کہ ذلیل وحقیر بندر اور لنگور بنا دیئے گئے اب ان آیات میں تمام یہود کی دائمی ذلت کا بیان ہے کہ تمرد اور سرکشی کی وجہ سے قیامت تک ان پر ذلت اور حقارت کی مہر لگا دی گئی۔ قیامت تک دوسرے لوگ ان پر مسلط رہیں گے اور انکی کہیں حکومت نہ ہوگی۔ دوسروں کی حکومتوں میں رہیں گے اور طرح طرح کی ذلتیں سہتے رہیں گے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ان کم بختوں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء نہ کرنا اور یہ عہد انکی کتاب میں موجود ہے اور انکو خوب معلوم ہے مگر باوجود اسکے اس عہد کو توڑا اور محض دنیاوی طمع کی وجہ سے احکام میں تحریف کی اور خدا کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں اور دن رات اسی میں مشغول رہے اس لیے یہود پر یہ عذاب مسلط کیا گیا کہ وہ ہمیشہ مقہور اور مغلوب اور محکوم رہیں گے چنانچہ ابتداء میں یہود یونانی اور کلدانی بادشاہوں کے محکوم رہے

اور بعد میں بخت نصر کے مظالم کا تختۂ مشق بنے آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک مجوسیوں کے باجگذار رہے پھر اللہ تعالےٰ نے انکو مسلمانوں کا محکوم بنا دیا اور تقریباً چودہ سو سال تک مسلمان حکومتوں کے باجگذار رہے اور اب بیس سال سے جو فلسطین میں برائے نام اسرائیل کے نام سے حکومت قائم ہوئی ہے وہ یہودیوں کی حکومت نہیں بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی ہے اور اس مختصر رقبہ کے یہودی باشندے امریکہ اور برطانیہ کے سہارے سے زندہ ہیں۔ اور امریکی حکومت کے غلام ہیں۔ اور عجب نہیں کہ فلسطین میں یہودیوں کا یہ اجتماع خروج دجال اور نزولِ عیسٰی بن مریمؑ کا پیش خیمہ ہو۔ کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ دجال قوم یہود سے ہوگا اور جب وہ ظاہر ہوگا تو یہودی اسکے مددگار ہونگے۔ اس وقت عیسٰی بن مریم علیہ السلام آسمان سے نازل ہونگے اور دجال کو قتل کریں گے اور تمام یہود۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے مسلمان رفقاء کے ہاتھوں تہہ تیغ کیے جائیں گے جیسا کہ یہ مضمون احادیث متواترہ سے ثابت ہے جس میں نہ کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہے اور نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی کریمؐ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ تیرے پروردگار نے انبیاء بنی اسرائیلؑ کی معرفت اس بات سے آگاہ کر دیا کہ ان یہودیوں پر انکی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی سزا میں قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط رکھے گا جو انکو بُری طرح کا عذاب پہنچاتے رہیں یعنی انکی شرارت اور خباثت کی وجہ سے ہم نے یہ لکھ دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ذلیل اور دوسروں کے محکوم رہیں گے بعث سے یہاں تسلط کے معنی مراد ہیں کما قال اللہ تعالےٰ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُولِىْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ چنانچہ ابتداء سے لیکر اب تک یہودی کسی نہ کسی سلطنت کے محکوم اور مقہور ہی چلے آتے ہیں بیشک تیرا پروردگار جب چاہے جلد سزا دینے والا ہے کہ جب گستاخی اور سرکشی میں حد سے گزر گئے تو دم کے دم میں بندر اور لنگور بنا دیا اور بیشک وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بخشنے والا مہربان ہے کہ مغفرت کے بعد مہربانی بھی فرماتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کفار پر دنیا میں عذاب نازل کرتا ہے اور اہل ایمان کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازتا ہے اور ہم نے بنی اسرائیل کو دنیا میں متفرق اور پراگندہ کر دیا فرقے فرقے تاکہ انکی شوکت باقی نہ رہے دنیا میں متفرق ہو گئے کوئی کسی طرف نکل گیا اور کوئی کسی طرف کوئی اجتماعی قوت اور شوکت نہ رہی اور مختلف جماعتیں اور مختلف مذاہب بن گئے بعضے ان میں سے شائستہ اور نیکوکار تھے جنہوں نے دین میں کوئی تحریف و تبدیلی نہیں کی تھی یہ لوگ زیادہ تر حضرت عیسٰیؑ کے زمانے سے پہلے تھے اور بعض ان میں سے اس کے برعکس اور برخلاف تھے جنہوں نے دینِ موسوی کو بدل دیا تھا اور تنبیہ کے لیے ہم نے انکو راحتوں اور تکلیفوں سے آزمایا تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں۔ راحت اور مصیبت دونوں میں انسان کی آزمائش ہے نعمت اور راحت کی حالت میں اللہ کا شکر کرنا چاہیئے اور مصیبت کے وقت میں اللہ سے ڈرنا چاہیئے یہ حال تو ان کے سلف کا ہوا پھر ان کے بعد بُرے جانشین آئے جو توریت کے وارث ہوئے یعنی توریت کے عالم کہلائے لیکن حالت یہ ہوئی کہ علم دین کو فروخت کرنے لگے کہ اس خسیس اور حقیر دنیا کا مال و متاع حاصل کرتے ہیں یعنی لوگوں سے رشوت لیکر انکی خاطر احکام الٰہی میں تبدیلی کرتے ہیں اس

سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے احبار یہود مراد ہیں اور اس درجہ بے باک ہو گئے ہیں کہ جرم کرتے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ہو جائے گی اور ہمارے گناہ معاف ہو جائیں گے ان کا گمان یہ تھا کہ ہم ابناء اللہ اور احباء اللہ ہیں اور اسکے مقبول بندے ہیں ہمارے دن کے گناہ رات کو اور رات کے گناہ دن کو معاف ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ رشوت لینے کو گناہ جانتے تھے اور حال یہ تھا کہ اگر انکے پاس پھر اسی قسم کا حرام مال آجائے تو اسکو بھی بے دھڑک لے لیں گے مطلب یہ کہ گناہ پر دلیر ہیں اور کبھی اسکے چھوڑنے کا خیال بھی نہیں آتا اور بایں ہمہ خدا سے یہ باطل امید لگائے بیٹھے ہیں کہ ہم جو گناہ کریں گے وہ معاف ہو جائیں گے۔ کیا ان رشوت لینے والوں سے کتاب (توریت) میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف سوائے حق کے کوئی بات منسوب نہ کریں اور یہ لوگ دن رات اللہ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور اس کلام کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کا کلام نہیں۔ نیز یہ لوگ اللہ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ وہ ان بدکاروں کو بخش دیگا اور حالانکہ ان لوگوں نے اس مضمون کو پڑھا بھی ہے جو اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انکو اس امر کا بخوبی علم ہے کہ اللہ کے کلام میں تحریف کفر ہے اور معصیت خداوندی کو ضعیف اور حقیر سمجھنا اور بے دھڑک اسکو کیسے چلے جانا ہی کفر ہے اور یہ کہنا کہ اللہ ہمارے ان جرائم کو بخش دیگا۔ یہ اللہ پر بہتان باندھنا ہے یہ سب باتیں انکو معلوم ہیں اور خوب مستحضر ہیں۔ جاہل اور بے خبر نہیں اس لیے کہ اللہ کی کتاب یعنی توریت کو پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں مگر باوجود اس علم کے دیدہ و دانستہ جرائم پر دلیر اور بے باک بنے ہوئے ہیں صرف دنیا ہی دنیا ان کے پیش نظر ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ دار آخرت کا ثواب ان لوگوں کے لیے جو حرام سے بچتے ہیں دنیائے فانی کے مال ومتاع سے کہیں بہتر ہے اے یہود بے بہبود کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ دار بقاء کا ثواب اس دار فانی کے مال ومتاع سے بدرجہا بہتر ہے۔ جسے تم خدا کی نافرمانی کر کے حاصل کرتے ہو بڑے ہی نادان ہیں کہ انجام پر نظر نہیں۔ اور ارتکاب معاصی پر مغفرت کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ ؎

وانکہ پندارد آں تاریک رائے
خواہد آمرزیدنش آخر خدائے

اور ان میں سے جو لوگ کتاب توریت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں یعنی اس میں تحریف نہیں کرتے اور اس کی ہدایت کے مطابق نبی آخر الزمان پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضؓ وغیرہ تو ہم ایسے نیکوکاروں کا ثواب ضائع نہ کریں گے بلکہ ان کو ہم مزید انعام دیں گے۔ گزشتہ آیات میں جس عہد اور میثاق کا ذکر کیا تھا اب آئندہ آیت میں اسکی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ وہ کس شدومد سے لیا گیا تھا کہ ان کے سروں پر پہاڑ مثل سائبان کے اٹھا لیا گیا اور یہ سمجھے کہ اب پہاڑ ہم پر گرا اس وقت ان سے عہد لیا گیا مگر انہوں نے اس عہد کو بھی توڑ ڈالا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ وقت قابل ذکر ہے کہ جب ان لوگوں نے توریت کے عہد اور میثاق کو پس پشت ڈال دیا تو اس وقت ہم نے پہاڑ کو اکھاڑ کر

ان کے سروں پر ایسا معلق کر دیا کہ گویا وہ ایک سائبان تھا اور انہوں نے گمان کیا کہ اگر انہوں نے توریت کے حکم کو نہ مانا تو وہ پہاڑ ان کے سروں پر گر پڑے گا اس وقت ہم نے اُن سے کہا کہ جو کتاب یعنی توریت ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور جو اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرو تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ اور گستاخوں اور بیباکوں کی فہرست سے تمہارا نام کٹ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بڑے سرکش لوگ ہیں جب تک خدا کا قہر نازل نہیں ہوتا اسوقت تک سیدھے نہیں ہوتے اور یہ نتق جبل کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے عہد مبارک کا ہے جس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

نکتہ جاننا چاہیئے کہ پہاڑ کو کسی کے سر پر معلق کھڑا کر دینا عقلاً محال نہیں جو خدا آسمان جیسے عظیم جسم کو سارے عالم کے سر پر معلق کر سکتا ہے اسے کسی پہاڑ کا معلق کر دینا کیا محال ہے پہاڑ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو مگر آسمان سے تو بڑا نہیں نیز موسم برسات میں بسا اوقات ایسا گہرا اور غلیظ بادل سر پر معلق ہوتا ہے جو میلوں تک دکھائی دیتا ہے اور اتنا کثیر پانی بادلوں میں بھرا ہوتا ہے جس کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے اور ایک ایک ہفتہ تک لوگوں پر برستا رہتا ہے۔ بسا اوقات بلدیہ کی ٹنکی ٹوٹ کر گر جاتی ہے مگر کیا مجال کہ کوئی بادل اوپر سے نیچے گر پڑے حالانکہ ایک بادل میں جو پانی بھرا ہوا ہے وہ ہزار ہا ہزار ٹنکیوں سے کہیں زیادہ ہے مگر دست قدرت اسکو تھامے ہوئے ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ جو بادل ہزار ہا بلکہ لکھو کھا ٹن پانی سے بھرا ہوا ہے اور زمین تین اور چار چار میل تک پھیلا ہوا ہے وہ خلاء میں لوگوں کے سروں پر معلق ہے کیا اتنا طویل عریض بادل پہاڑ سے کم ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ

اور جس وقت نکالی تیرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پیٹھ میں سے ان

ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ

کی اولاد اور اقرار کروایا ان سے اُنکی جان پر کیا میں نہیں ہوں رب تمہارا

قَالُوْا بَلٰي ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا

بولے البتہ! ہم قائل ہیں کبھی کہو قیامت کے دن ہم کو

كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ

اس کی خبر نہ تھی۔ یا کہو کہ شریک

اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ

تو کیا ہمارے باپ دادوں نے پہلے اور ہم ہوئے اولاد ان کے

بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

پیچھے تو ہم کو کیوں ہلاک کرتا ہے ایک کام پر کہ کیا ہے خطا والوں نے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

اور یوں ہم کھولتے ہیں باتیں شاید وہ لوگ پھر آویں۔

عہدِ الست

قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ .. الیٰ .. وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اس عہد کا ذکر فرمایا تھا جو خاص بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اور جس کی خلاف ورزی سے وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہوئے کما قال تعالیٰ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ۔

اب ان آیات میں اُس عہد کا ذکر فرماتے ہیں جو عالم ارواح میں تمام بنی آدم سے لیا گیا تھا کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے انکی تمام اولاد کو جو تا قیام قیامت پیدا ہونے والی ہے نکالا اور انہیں عقل اور تکلم کی قوت عنایت فرمائی اور ان سے پوچھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں۔ قَالُوْا بَلٰى۔ سب نے کہا کیوں نہیں بیشک آپ ہمارے پروردگار ہیں جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ توحید امر فطری ہے ہر فرد بشر کی فطرت اور جبلت میں داخل ہے اللہ تعالیٰ نے ذریت کو پشت آدمؑ سے نکالا اور ان سے اپنی خالقیت اور ربوبیت کا قول و قرار لیا اور خود ان کی جانوں کو اس قول و قرار پر گواہ ٹھہرایا کہ ان کا رب وہی اللہ ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں چونکہ یہ عہد عالم ارواح میں لیا گیا تھا۔ دار دنیا میں آنے کے بعد اور عرصہ دراز گزر جانے کی وجہ سے اکثر کو اس عہد سے ذہول ہو گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کو اس عہد قدیم کی تذکیر اور یاددہانی کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ قیامت کے دن۔ ذہول اور غفلت کا عذر نہ کرسکیں۔ کما قال تعالیٰ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ۔ یعنی اگر بالفرض والتقدیر قیامت کے دن کا فر یہ عذر کریں کہ یہ عہد ہم کو یاد نہیں رہا۔ تو جواب

ملیگا کہ اے غافلو! اگر تم اس عہد کو بھول گئے تھے تو کیا ہم نے اس عہد کی یاد دہانی کے لیے پیغمبروں کو نہیں بھیجا اور علاوہ ازیں کائنات کا ہر ہر ذرّہ ہماری الوہیت اور وحدانیت کی گواہی دے رہا تھا اور تم کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلا رہا تھا پھر بھی تم نے کوئی توجہ نہ کی نہ انبیاء کرام کی سنی اور نہ دلائل اور براہین کی طرف التفات کیا۔ غرض یہ کہ یہ آیت غافلوں کو عہد الست کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیے نازل ہوئی۔ باقی جو بڑے ہوشمند اور بیدار دل تھے وہ دنیا میں آنے کے بعد اس عہد سے غافل نہیں ہوئے۔

اَلَسْت از ازل ہمچنا نش بگوش
بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

عالم دنیا میں انسان پر سینکڑوں حالات اور واقعات گزرتے ہیں اور انسان انکو بھول جاتا ہے۔ انسان بسا اوقات کوئی دستاویز لکھتا ہے اور عدالت میں اسکی رجسٹری بھی کرالیتا ہے مگر بعض اوقات مرور زمانہ کی وجہ سے بالکل بھول جاتا ہے اور بعد میں جب عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور گواہ گواہی دیتے ہیں تو اس وقت یہ عذر مسموع نہیں ہوتا کہ میں بھول گیا تھا اور مجھ کو یہ بات یاد نہ رہی تھی۔ انسان کو اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا بھی یاد نہیں لوگوں کے کہنے سے ماں کو ماں سمجھتا ہے اگر کوئی شخص ماں کا حق ادا نہ کرے اور عذر یہ کرے کہ مجھے اپنا پیدا ہونا یاد نہیں تو میں اسکو کیسے ماں جانوں تو سب اسکو احمق کہیں گے۔

اسی طرح عہد الست کو سمجھو کہ انسان سے عالم ارواح میں جو عہد لیا گیا تھا وہ اس قفس عنصری میں آنے کے بعد اسے بھول گیا اور جب اس قفس عنصری سے رہا ہو گا اور یہ حجابات جسمانی مرتفع ہو جائیں گے تو وہ بھولا ہوا سبق اسکو یاد آجائے گا اور یادداشت اور سہو و نسیان اور بھول چوک سب اللہ کے ارادے اور مشیت سے ہے اور اسکی حکمت سے ہے وہ اپنی حکمت سے ہزاروں چیزیں ہمارے حافظہ سے نکال دیتا ہے اسی طرح اگر وہی خدا اپنی کسی حکمت سے عہد الست کو بھلا دے اور پھر اس پر بازپرس کرے تو اسے حق ہے عہد الست کا یہ مضمون احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہے اور یہی جمہور اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ معتزلہ جو عقل کو نقل پر ترجیح دیتے ہیں وہ اس واقعہ کو بعید از عقل سمجھتے ہیں اور آیت میں نہایت رکیک تاویلیں کرتے ہیں جو مع جوابات کے تفسیر کبیر میں مذکور ہیں۔ اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں۔

عہد الست کے بارے میں معتزلہ کا مذہب

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ انسان سے عالم ارواح میں کوئی عہد نہیں لیا گیا اور اس آیت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں توحید اور ربوبیت کا اقرار ودیعت رکھا ہے اور اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر بیشمار دلائل قائم کر دیئے ہیں تو گویا کہ یہ سب دلائل خدا تعالیٰ کی طرف

سے اسکی ربوبیت کے لیے بمنزلہ عہد کے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ان دلائل کو تمہارے انفس اور آفاق میں پیدا کرنا گویا کہ تم سے اسکا عہد لینا اور تم کو اس پر گواہ بنانا ہے۔

اہلسنت والجماعت کا مذہب

اہلسنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ معتزلہ کی یہ تاویل احادیث صحیحہ اور صریحہ کے صریح خلاف ہے اور اجماع صحابہ و تابعین کے خلاف ہے اس لیے کہ صحابہ و تابعین سے بالاتفاق عالم ارواح میں عہد لینا ثابت ہے لہٰذا معتزلہ کی یہ تاویل کسی طرح بھی قابلِ التفات نہیں۔

نیز میثاقِ حالی۔ میثاق قالی اور ازلی کے منافی نہیں۔ میثاق حالی اور عقلی دلائل عقلیہ اور فطریہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ مگر میثاق قالی اور ازلی طورِ عقل سے بالا اور برتر ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں اس قسم کی چیز انبیاء کرام ہی کی تعلیم اور بیان سے معلوم ہو سکتی ہے اس لیے احادیث میں اسی میثاق قالی اور ازلی کو بیان کیا گیا جو عقل سے معلوم نہیں ہو سکتا تھا معتزلہ میثاق حالی اور عقلی کے تو قائل ہیں لیکن کتاب و سنت نے جس میثاق کی خبر دی ہے وہ میثاق قالی ہے اور دلائل ربوبیت کا میثاق۔ میثاق حالی اور عقلی ہے جو اس میثاق قالی اور ازلی کا مؤید اور مذکر ہے۔ اور کتاب و سنت نے اس میثاق قدیم کی خبر دی ہے کہ جہاں عقل کی رسائی نہیں اور معتزلہ کے نزدیک اگر میثاق قالی اور ازلی کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ یاد نہیں رہا تو بہت سے لوگوں کو میثاق عقلی اور حالی بھی یاد نہیں۔ میثاق حالی کے دلائل عقلیہ یعنی دلائل آفاقیہ اور دلائل انفسیہ انکی نظروں کے سامنے ہیں مگر وہ ان کو نظر نہیں آتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبیؐ آپ لوگوں کو وہ واقعہ یاد دلا یئے کہ جب تیرے پروردگار نے آدم کی پشت سے انکی ذریت کو نکالا اور پھر اولاد آدم کی پشتوں سے انکو توالد اور تناسل کی ترتیب کے مطابق نکالا یعنی جس ترتیب سے دنیا میں نسلاً بعد نسل پیدا ہونگے اسی ترتیب سے انکی پیٹھوں سے انکی نسل کو نکالا اور انکو عقل و شعور عطا کیا اور جس قدر ملائکہ اور مخلوقات اس وقت موجود تھے سب کے سامنے یہ عہد لیا تاکہ سب گواہ رہیں اور حجت قائم کرنے کے لیے خود انہی کو انکی ذات پر گواہ بنایا اور ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں انہوں نے کہا کیوں نہیں بیشک تو ہمارا رب ہے اور ہم فقط مقر اور معترف نہیں بلکہ ہم اپنے اس اقرار کے خود ہی گواہ بھی ہیں اور بنی آدم سے یہ اقرار اور شہادت ہم نے اس لیے لیا کہ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن یہ کہنے لگو کہ تحقیق ہم تیری ربوبیت اور الوہیت اور وحدانیت سے بے خبر تھے یا یہ کہنے لگو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے آباء و اجداد نے کیا اور ہم انکے بعد انکی نسل تھے جیسا ہم نے انکو کرتے دیکھا ویسا ہی ہم نے بھی کیا ہمیں کیا معلوم تھا کہ تو رب العالمین اور وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے پس کیا تو ہم کو دوزخ میں ڈال کر اس جرم کی پاداش میں ہلاک کرتا ہے جو ہم سے اگلے ناحق پرستوں نے کیا سو اس عہد اور اقرار اور ذاتی شہادت کے بعد تمہارا یہ عذر ختم ہوا۔ اب قیامت کے دن تم یہ عذر نہیں کر سکتے کہ ہم سے غفلت ہوئی اس لیے کہ جب خدا تعالیٰ نے پیغمبروں کی زبانی اس عہد کو یاد دلا دیا تو پھر

عذر کی گنجائش باقی نہیں رہی کیونکہ جب دلائل قطعیہ سے یاد دہانی کر دی گئی تو بمنزلہ تذکر ہی کے ہے انبیاء کرام کی یاد دہانی کے بعد نہ انکار کی مجال ہے اور نہ شک وشبہ کی گنجائش ہے اور جس طرح ہم نے عہد الست کو بیان کیا اسی طرح ہم کھول کھول کر اپنی ربوبیت اور الوہیت کی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ ان میں غور و فکر کریں اور تاکہ معلوم ہو جانے کے بعد ہماری ربوبیت اور الوہیت کے اقرار کی طرف رجوع کریں اور کفر وشرک سے باز آ جائیں اور فطرتِ سابقہ کی طرف لوٹ جائیں۔

لطائف ومعارف

۱۔ یہ آیت عام اصطلاح میں آیت میثاق کہلاتی ہے اور جس عہد کا اس میں ذکر ہے اسکو عہد الست کہتے ہیں۔

۲۔ جمہور مفسرین اور محدثین اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں حضرت آدمؑ کی تمام اولاد کو جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی انکی پشت سے نکالا اور ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں۔ سب نے اقرار کیا اور بلیٰ کہا کہ بے شک تو ہمارا پروردگار ہے پھر انکو آدمؑ کی پشت میں واپس کر دیا اور یہی مضمون بیشمار احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے اور مقصود یہ ہے کہ اللہ کی محبت اور اس کی معرفت انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

معتزلہ اور مدعیان عقل اس آیت کی تفسیر دوسری طرح کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے آدمؑ کی پشت سے اسکی ذریت کو نکالا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہم نے بنی آدم کی پشت سے انکی ذریات کو نکالا۔ پس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم نے بنی آدم کی پشتوں سے توالد اور تناسل کے طریقہ انکی اولاد کو نکالا اس طرح پر کہ انکے نطفے عورتوں کے رحم میں واقع ہوئے پھر وہ خون بنے پھر گوشت کا لوتھڑا پھر اور کئی تغیرات کے بعد وہ انسانی صورت میں رحم مادر سے باہر آئے پھر جب وہ سن تمیز کو پہنچے تو خدا تعالیٰ نے ان میں عقل پیدا کی جس سے وہ نیک و بد میں تمیز کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے دلائل ربوبیت اور وحدانیت کو پہچاننے لگے اور انکے دل نے اس بات کی شہادت دی کہ بے شک کوئی انکا خالق اور پروردگار ہے گویا خدا تعالیٰ نے بواسطہ ان دلائل قدرت کے جوان کی نظروں کے سامنے تھے ان سے یہ سوال کیا کہ میں تمہارا پروردگار نہیں۔ سب نے بزبان حال اسکا جواب دیا کہ بلیٰ بے شک تو ہمارا پروردگار ہے اور ہم اپنے اس اقرار پر گواہ ہیں پس ان لوگوں کے نزدیک اس آیت کا تمام مضمون بطور تمثیل ہے نہ بطور حقیقت اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت ایسی بنائی ہے کہ اگر وہ اپنی خلقت کے عجائب اور اپنی صنعت کے غرائب پر نظر کرے جو خود اس

کے اندر موجود ہیں تو اس کو معلوم ہوجائیگا کہ یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت پر گواہ ہیں۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ معتزلہ کی یہ تمام تاویلات نہایت رکیک اور بے معنی ہیں۔ جن کی احادیث صحیحہ اور صریحہ اور اجماع صحابہ و تابعینؒ کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں۔

۳- اس آیت میں بنی آدم کے پشتوں سے انکی اولاد اور ذریت کا نکالنا ذکر کیا ہے اور آدم علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ آدم علیہ السلام سب کے باپ ہیں اور سب انہی کی پشت سے نکلے ہیں اور مسند احمد اور نسائی اور مستدرک حاکم میں باسناد صحیح عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدمؑ کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور سامنے بکھیر دیا جیسے چیونٹیاں اور پھر ان سے بالمشافہ کلام کیا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ سب نے جواب میں بلیٰ کہا۔ الیٰ آخر الآیۃ (دیکھو تفسیر ابن کثیر صـ۲۶۱ ج۲) اور یہی مضمون حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث میں آیا ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صـ۳۱۵ ج۷)

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک پیدا ہونے والی ذریت ان کی پشت سے نکل پڑی اور ہر شخص کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھی پھر سب کو آدم علیہ السلام پر پیش کیا گیا آدمؑ نے عرض کیا کہ اے رب یہ کون ہیں فرمایا یہ تیری ذریت ہے پھر آدم علیہ السلام کی ایک انسان پر نظر پڑی جس کی آنکھوں کے درمیان کا نور بہت چمک رہا تھا پوچھا کہ اے پروردگار یہ کون ہے فرمایا کہ یہ ایک آدمی ہے۔ جو تیری ذریت کے پچھلی امتوں میں ہوگا اسکا نام داؤدؑ ہے عرض کیا کہ اے پروردگار اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے فرمایا ساٹھ سال عرض کیا اے پروردگار میری عمر میں سے اسکو چالیس سال دے دیجیے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی درخواست قبول کی۔ الیٰ آخر الحدیث رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔

نکتہ حضرت آدمؑ نے حضرت داؤدؑ کی پیشانی میں جو نور دیکھا شاید وہ نور خلافت الٰہیہ کا ہوگا۔ جو حضرت آدمؑ کے نور خلافت سے ملتا جلتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

بعد ازاں اللہ تعالےٰ نے ان ارواح کو اصلاب آباء میں لوٹا دیا جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے ثُمَّ رَدَّهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ حَتَّى أَخْرَجَهُمْ قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ اخرجہ ابو الشیخ۔

۴- بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کے دائیں جانب سے جو ذریت نکالی گئی وہ سفید اور نورانی تھی اور بائیں جانب سے جو ذریت نکالی گئی وہ سیاہ اور ظلماتی تھی اور آیت يَوْمَ

تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ میں اسی طرف اشارہ ہے دائیں جانب سے جو نکالے گئے وہ اصحاب الیمین ہیں اور بائیں جانب سے جو نکالے گئے وہ اصحاب الشمال ہیں۔ ابو طاہر قزوینیؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب یمین پر تجلی رحمت تھی انہوں نے شوق اور رغبت سے بلٰی کہا اور اصحاب شمال پر تجلی ہیبت و قہر تھی اس لیے انہوں نے جبراً و قہراً بلٰی کہا اس لیے دنیا میں آکر دوسری راہ پر پڑ گئے۔

۵۔ جمہور مفسرینؒ اس طرف گئے ہیں کہ یہ عہد حضرت آدمؑ کے پیدا ہونے کے بعد اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے لیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد ہبوط من السماء سے پہلے لیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ ہبوط یعنی آسمان سے اترنے کے بعد زمین پر لیا گیا۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں تطبیق و توفیق مشکل ہے حضرات صوفیائے کرامؒ یہ فرماتے ہیں کہ مختلف مواضع میں مختلف قسم کے عہد اور میثاق لیے گئے واللہ اعلم۔ (دیکھو روح المعانی صفحہ ۹۳ ج ۹)

۶۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا تو پھر کیا حاصل تو اس کو یوں سمجھیے کہ وہ عہد اگرچہ یاد نہیں رہا مگر اس کا نشان تو ہر ایک دل میں موجود ہے انسان کے دل میں قدرتی طور پر حق تعالیٰ کی طرف ایک میلان پایا جاتا ہے جب کبھی کوئی پریشانی پیش آتی ہے تو دل خدا کی طرف دوڑتا ہے اور اس سے اس مصیبت کے دفعیہ کا طلبگار اور امیدوار ہوتا ہے پس انسان کا دل خود اندر سے گواہی دیتا ہے کہ کوئی میرا پروردگار ضرور ہے بہرحال یہ میلان تمام طبیعتوں میں پایا جاتا ہے کسی میں کم اور کسی میں زیادہ خواہ وہ اس میلان کے منشاء کو سمجھے یا نہ سمجھے اور اسکے مقتضاء پر عمل کرنے کو آمادہ ہو یا نہ ہو اب رہا یہ امر کہ اس طبعی اور فطری میلان کا منشاء کیا ہے سو معلوم یوں ہوتا ہے کہ اس پیدائش سے پہلے انسان کو جناب باری تعالیٰ کی کسی قسم کی تجلی ضرور میسر آئی ہے جسکے سبب اسکے دل میں خدا کی محبت اس قدر جم گئی ہے کہ صدہا تکالیف اٹھاتا ہے اور پھر بھی خدا ہی کی طرف جھکتا ہے ورنہ کسی چیز کی محبت بے دیکھے اور بے برتے پیدا نہیں ہو سکتی پس یہ طبعی میلان روز الست یا یوم میثاق کا ایک نشان ہے کہ اس وقت اپنے پروردگار کو دیکھا ہے اور اسی ایک جلوہ نے سب کو پروردگار کا عاشق بنا دیا ہے تمام افراد بشر کا اقرار ربوبیت پر متفق ہونا اور یقین کے ساتھ اقرار کرنا کہ کوئی ہمارا پروردگار ہے سو یہ طبعی میلان اور فطری اذعان اسی پرانے عہد میثاق کا دھندلا سا نشان ہے کہ جو ایک لمحہ دو لمحہ یا ایک گھڑی دو گھڑی کے لیے پیش آیا سو ظاہر ہے کہ ایک گھڑی یا دو گھڑی کے قصہ کو مرور زمانہ اور انتقال مکانی سے بھول جانا کوئی مستبعد نہیں تھوڑی دیر کے لیے عہد الست کے وقت سب نے اپنے خدائے پروردگار کے جمال بے مثال کو دیکھا ہے اس لیے خدا کی محبت فطری طور پر دلوں میں ایسی راسخ اور پختہ ہو گئی کہ کسی طرح نکالے نہیں نکلتی اور اگر کسی شخص میں یہ دیکھو کہ اس میں خدا کا میلان بالکل نہیں تو سمجھ لو کہ اسکی انسانی فطرت بالکل مسخ ہو چکی ہے اور خارجی اثرات کی وجہ سے انسانی خصلتیں سلب اور نابود ہو جاتی ہیں جیسے بعض اوقات خارجی اثرات سے

خدا کا میلان طبیعت سے بالکل نکل جاتا ہے جو اس بات کی نشانی ہے کہ اس منکر خدا کی فطرت انسانی مسخ ہو چکی ہے اکثر عالم بلکہ تمام عالم کا اس میلان پر متفق ہو جانا اس امر کی نشانی ہے کہ کبھی نہ کبھی یہ بات کان میں پڑی ہے۔ جو ہر ایک کی زبان پر آتی ہے مگر یہ امر کہ یہ بات کس موقعہ اور محل پر کان میں پڑی ہے وہ یاد نہیں رہا مکان اور زمان اگرچہ یاد نہیں رہا مگر اسکا نشان تو موجود ہے مرور زمانہ کی وجہ سے یہ عہد یاد نہیں رہا جس وقت عہد لیا گیا تھا اس وقت ذریت چھوٹے چھوٹے ذرات کی مقدار میں تھی اس وقت سے لیکر توالد اور تناسل تک ایک طویل عرصہ گزرا اور ذرات مختلف اطوار اور ادوار سے گزرتے رہے یہاں تک کہ اس عالم فانی میں داخل ہوئے تو مدت مدیدہ کا یہ عہد بھول گئے۔ (دیکھو الیواقیت و الجواہر ص۱۵۱ ج۱)

اور حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ۔ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس قسم کی آیتوں میں تذکیر کا حکم دیا گیا ہے اور تذکیر کے اصل معنی لغت میں بھولی ہوئی بات کو یاد دلانے کے ہیں اسی طرح سمجھو کہ عہد الست کے بھولے ہوئے سبق کو انبیاء کرامؑ نے یاد دلایا اس وجہ سے علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ کافر کا جو بچہ شعور اور ادراک سے پہلے مرجائے وہ جنت میں جائیگا اس لیے کہ اس کے عہد اور میثاق میں کوئی تغیر نہیں آیا البتہ کافر کی جو اولاد بالغ ہوکر یہودی یا نصرانی ہو جائے اور اسی پر وہ مرجائے تو وہ جہنم میں جائے گی اس لیے کہ اس نے روز اول کے میثاق کو توڑ دیا۔

۷۔ اور عہد الست میں سب سے پہلا خطاب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ تھا۔ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ربوبیت کے متعلق سوال تھا اسی طرح مرنے کے بعد قبر میں پہلا سوال اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہی کے متعلق ہوتا ہے قبر میں منکر نکیر سب سے پہلے یہی سوال کرتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے ازل میں بھی أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ فرمایا اور قبر میں بھی رب ہی کے متعلق سوال ہوا۔

۸۔ لغات میں مذکور ہے کہ علی سہیل اصفہانی قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپکو روز بلیٰ یاد ہے تو فرمایا کیوں نہیں مجھے روز بلیٰ ایسا یاد ہے جیسے کل گزشتہ۔ کسی نے یہ کلام شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاریؒ سے ذکر کیا تو فرمایا کہ اس جواب میں نقصان ہے جو کل گزر گئی یا جو کل آئے گی اس سے صوفی اور درویش کو کیا مطلب اس روز کی تو ابھی شام بھی نہیں ہوئی اور صوفی اور درویش تو ابھی اسی دن میں ہے۔

روز امروز است اے صوفی و شان ؛ کے بود ازدی و از فردا نشان
آنکہ از حق نیست غافل یکنفس ؛ ماضی و مستقبلش حال است و بس

۹۔ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو آدم علیہ السلام کی پشت کی بالوں کی مسامات کی راہ سے نکالا پھر ان سے کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں انہوں نے گویائی کے ذریعے سے جواب دیا اور بلیٰ کہا اور وہ اسی حالت میں زندہ اور صاحب عقل تھے اور عقلاً یہ امر محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ

انہیں باوجود اس قدر چھوٹے ہونے کے حیات اور عقل دیدے۔ آخر وہ حیوانات جو بذریعہ خوردبین نظر آتے ہیں کسی قدر ادراک اور شعور ان کو بھی حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے رزق حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں اور ان میں توالد اور تناسل بھی ہے اور وہ ایذارساں چیزوں سے بچتے بھی ہیں اور اگر کوئی ان کی راہ میں آ جاتا ہے تو اس سے کترا جاتے ہیں تو جب یہ باتیں اہل سائنس کے نزدیک بھی مسلم ہیں تو عہد الست کے واقعہ سے کیوں تعجب کرتے ہیں۔ خدا کی قدرت کے لحاظ سے اس میں کوئی استبعاد نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ وہ ذرات انسان کی صورت پر ہونگے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ذریت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ذرات کا لفظ نہیں فرمایا اور لغت میں ذریت کا اطلاق اسی چیز پر آتا ہے جس کی صورت بن چکی ہو باہمی امتیاز کا ذریعہ یہی صورت اور شکل ہے۔

۱۰۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ بدن انسانی میں دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں کیونکہ یہ امر مشاہدہ اور بداہت سے ثابت ہے کہ ابتداء ولادت سے لیکر اخیر عمر تک بدن کے اجزاء میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے ابتداء ولادت کے وقت بدن دو بالشت تھا اور اخیر عمر میں سات آٹھ بالشت کا ہو گیا۔ بدن کبھی فربہ ہوتا ہے اور کبھی لاغر مگر ہر حال میں یہ شخص وہی کہلاتا ہے کہ جو ابتداء ولادت کے وقت تھا پس جو اجزاء اوّل عمر سے اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں وہ اجزاء اصلیہ ہیں اور جن اجزاء بدن میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے وہ اجزاء زائدہ ہیں پس اس آیت اور جن احادیث میں بنی آدم کی پشتوں سے انکی اولاد کا نکالنا آیا ہے سو وہ اجزاء اصلیہ کا نکالنا مراد ہے اور اصلی اور حقیقی انسان یہی اجزاء اصلیہ ہیں اور روح کا تعلق انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے پس حقیقی انسان جو احکام شرعیہ کا مخاطب اور مکلف ہے وہ یہی ذرات ہیں جن کے ساتھ روح متعلق ہے اور قیامت کے دن درحقیقت انہی اجزاء اصلیہ کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ روح متعلق کر کے حساب و کتاب و عذاب و ثواب دیا جائیگا جس طرح دنیاوی زندگی میں روح کا اصل تعلق انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ تھا اسی طرح بعث بعد الموت کے وقت بھی زائد اجزاء ان کے ساتھ ملادیئے جائیں گے (امام رازیؒ کا کلام ختم ہوا)

۱۱۔ حکمت جدیدہ نے کلاں بینوں اور مائیکرومیٹر سے (جو باریک اجسام کی مقدار معلوم کرنے کا آلہ ہے) یہ دریافت کیا ہے کہ پانی کے ایک چھوٹے قطرہ میں اتنے حیوانات ہوتے ہیں کہ تمام روئے زمین پر اتنے آدمی نہیں ہوتے اور ان میں توالد اور تناسل بھی جاری ہے اور باوجود اس کثرت کے نہ ان میں اژدہام معلوم ہوتا ہے اور نہ کوئی کسی سے ٹکراتا ہے حالانکہ انکی حرکت نہایت سریع ہے اور یہ وہ حیوانات ہیں جو موجودہ کلاں بینوں سے نظر آتے ہیں اگر ان کلاں بینوں سے زیادہ قوت والی کلاں بین ہو تو معلوم نہیں کہ اور کتنے محسوس ہونگے (دیکھو مقاصد الاسلام حصہ سوم صـ۳۲ ج ۳ و حصہ ہفتم صـ۳۹ ج ۷۔ مصنفہ مولانا انوار اللہ خان صاحب حیدرآبادی۔)

نیز حکمت جدیدہ کی رُو سے ایک تخم میں کروڑ ہا کروڑ متمایز اجزاء موجود ہوتے ہیں جو آئندہ درختوں

کا تخم بنتے ہیں اور ایک قطرہ منی میں کروڑہا کروڑ ایسے متمائز اجزاء موجود ہوتے ہیں جو صدہا سال کی آنے والی نسلوں کا مادہ بنتے ہیں یہ دلدادگان مغربیت یہ سب کچھ بلا دلیل ماننے کے لیے تیار ہیں، مگر خدا تعالیٰ نے جو حضرت آدمؑ کی پشت سے ذریت نکالنے کی خبر دی ہے اسکے ماننے کے لیے تیار نہیں۔

⊗⊗⊗⊗⊗⊗⊗⊗⊗⊗⊗⊗⊗⊗⊗

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا

اور سُنا ان کو احوال اس شخص کا کہ ہم نے اسکو دی ہیں

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ

اپنی آیتیں پھر اسکو چھوڑ نکلا پھر پیچھے لگا اسکو شیطان، تو وہ ہوا

الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ

گمراہوں میں۔ اور ہم چاہتے تو اسکو اٹھا لیتے ان آیتوں سے

لٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ

لیکن وہ گرا پڑا (جھک پڑا) زمین پر اور چلا اپنی چاؤ پر۔ تو اس کا

كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ

حال جیسے کتا۔ اس پر تو لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے

يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

تو ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی، کہ جھٹلائیں ہماری آیتیں

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلًا

سو تو بیان کر احوال شاید وہ دھیان کریں۔ بُری کہاوت اُن

الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا

لوگوں کی کہ جھٹلائیں ہماری آیتیں اور اپنا ہی نقصان

يَظْلِمُونَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ

کرتے رہے۔ جس کو اللہ راہ دے سو وہی پاوے راہ۔ اور جس کو

يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا

وہ بھٹکا دے سو وہی ہیں زیان میں۔ اور ہم نے پھیلا رکھے

لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ

دوزخ کے واسطے بہت جن اور آدمی، جن کو دل ہیں ان سے

لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫

سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں

وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ

اور کان ہیں ان سے سنتے نہیں وہ جیسے چوپائے بلکہ

بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ

اُن سے زیادہ بے راہ۔ وہی لوگ ہیں غافل۔ اور اللہ کے

الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ

ہیں سب نام خاصے سو اسکو پکارو وہ کہہ کر، اور چھوڑ دو ان

يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

کو جو کج راہ چلتے ہیں اسکے ناموں میں وہ بدلہ پا رہیں گے اپنے کیئے کا۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ

اور ہماری پیدائش میں سے ایک لوگ ہیں کہ راہ بتاتے ہیں سچی، اور اسی پر

يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ ۧ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ

انصاف کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں انکو ہم سہج سہج پکڑیں گے

مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَ أُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي

جہاں سے وہ نہ جانیں گے۔ اور ان کو فرصت دونگا۔ بے شک میرا داؤ

مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾

پکا ہے۔

دیدہ و دانستہ حق سے انحراف اور ہوا پرستی کا حال اور مآل اور اسکی مثال

قال اللہ تعالیٰ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا ... الیٰ ... وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ

(ربط) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کے عہود اور مواثیق کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں ایسے ہوا پرستوں اور گرفتاران حرص وطمع کا حال اور انجام اور مثال بیان کرتے ہیں جو حق کو قبول کرلینے اور پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع کی بناء پر احکامِ خداوندی سے منحرف ہو جائیں اور شیطان کے اشاروں پر چلنے لگیں اور خدا کے عہد اور میثاق کی پرواہ نہ کریں ایسوں کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے۔ اس لیے بطور تذکیر اس سلسلہ میں ایک واقعہ ذکر فرمایا۔

شانِ نزول اس آیت کے شانِ نزول میں مفسرینؒ نے مختلف روایتیں نقل کی ہیں اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا حال مذکور ہے جسکا نام بلعم بن باعوراء تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت کچھ علم دیا تھا اور مستجاب الدعوات بھی بنایا تھا آخر میں اس نے ایک عورت کے اغوار سے اور مال و دولت کی لالچ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سرکشی کی جس سے وہ مردود ہو گیا ساری کرامتیں اسکی چھن گئیں اور اسکی زبان کتے کی طرح باہر نکل آئی اور دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذاب عظیم کا مستحق ہوا۔ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس آیت میں اُمیّۃ بن ابی الصلت کی طرف اشارہ ہے یہ شخص توریت اور انجیل کا زبردست عالم تھا اور صاحب شعر و حکمت تھا اور اسکو معلوم تھا کہ اخیر زمانہ میں فارقلیط کا ظہور ہوگا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات اور صفات بخوبی جانتا تھا اور لوگوں میں بر وعظ کہتا تھا کہ جس نبی آخر الزمانؐ کی ظہور کی انبیاءؑ سابقین نے خبر دی ہے اس کے ظہور کا زمانہ قریب آگیا ہے مگر جب حضور پُرنورؐ کا ظہور ہوا تو از راہ حسد آپ سے برگشتہ ہو گیا اور کفار کا طرفدار بن گیا حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اُمیّہ کا شعر تو مسلمان ہے مگر اس کا دل کافر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں ابو عامر راہب کی طرف اشارہ ہے جو ایک نصرانی عالم تھا اس نے منافقوں کے بہکانے سے سلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی غرض سے مسجد ضرار بنوائی۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر

میں یہ تمام روایتیں اسکے شان نزول کے متعلق نقل کی ہیں اور لکھا ہے کہ مشہور یہی ہے کہ یہ آیت بلعم بن باعوراء کے بارے میں نازل ہوئی اور یہی مناسب ہے کیونکہ اس سے مقصود بنی اسرائیل کو سنانا ہے کہ ایک ایسا عالم اور صاحب تصرف درویش نبی کی مخالفت سے مردود ہو گیا پس تم نبیؐ کی مخالفت نہ کرو ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہو گا بہرحال شان نزول جو بھی ہو اس قصہ میں علماء کے لیے خاص تنبیہ ہے کہ جس کو خدا تعالٰے علم اور ہدایت سے نوازے اُسے چاہیئے کہ نفسانی خواہش کا ہرگز ہرگز اتباع نہ کرے اور یہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے ہر ہوا پرست عالم کو شامل ہے ہر عالم کو اس سے سبق لینا چاہیئے اور خدا سے پناہ مانگنی چاہیئے اللھم اعوذبك من علم لا ینفع و من قلب لا یخشع و من نفس لا تشبع و من دعاء لا یسمع اعوذبك من شر ھٰؤلاء الاربع. آمین

اور اے نبیؐ۔ آپ ان لوگوں کو نصیحت اور عبرت کے لیے اس شخص کا حال اور قصہ سنایئے جسے ہم نے اپنی آیتوں کا علم عطا کیا پس وہ ان آیات کے علم سے ایسا باہر نکل گیا جس طرح سانپ اپنی کینچلی سے باہر نکل آتا ہے اور کینچلی سے اسکو کوئی تعلق نہیں رہتا پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا کہ وہ اس کو چھوڑتا ہی نہیں سو وہ آیتوں کا عالم ایسے گمراہوں میں سے ہو گیا جس کی ہدایت کی کوئی توقع نہیں رہی مشہور قول کی بناء پر ان آیات میں بلعم بن باعوراء کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل میں ایک زبردست مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات شخص تھا اس نے بعض شریروں کے بہکانے سے رشوت لیکر حضرت موسیٰؑ پر بددعا کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکی کرامت چھن گئی اور راندۂ درگاہ ہو گیا اور کتے کی طرح اسکی زبان باہر نکل آئی اور دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذاب عظیم کا مستحق ہوا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے سبب اسکو رفعت اور بلندی مرتبہ عطا کرتے یعنی اگر وہ ان آیتوں پر عمل کرتا تو اسکا مرتبہ اور بلند ہوتا اور اتنا بلند ہوتا کہ شیطان وہاں تک نہ پہنچ سکتا۔ ولیکن وہ بجائے بلندی کے پستی کی طرف یعنی دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور نفسانی خواہش کا پیرو بن گیا اس لیے ہم نے اسکو توفیق اور عنایت کے بلند مقام سے دناءت اور خست کی طرف پھینک دیا۔ پس خست اور رذالت میں اسکی مثال کتے کی سی مثال ہے اگر تو اس پر حملہ کرے یا اس پر کوئی بوجھ اور مشقت ڈالے تو وہ زبان باہر نکال دیتا ہے یا تو اسکو اسکے حال پر چھوڑ دے تو بھی زبان باہر لٹکا دیتا ہے اور ہانپتا ہے مطلب یہ ہے کہ کتا دونوں حالتوں میں یکساں ہے کسی حال میں اپنی عادت نہیں چھوڑتا تمام حیوانات کا قاعدہ ہے کہ جب ان پر کوئی مشقت پڑتی ہے یا پیاس اور تشنگی انکو لاحق ہوتی ہے تو اپنی زبان باہر نکال دیتے ہیں ورنہ جب سکون اور آرام کی حالت میں ہوتے ہیں تو نہیں نکالتے بخلاف کتے کے کہ اس پر مشقت پڑے یا نہ پڑے وہ ہر حال میں اپنی زبان باہر لٹکائے رہتا ہے جو اسکی خست اور دناءت کی نشانی ہے اور یہ اسکا طبعی خاصہ ہے کتے کا زبان کو لٹکانا اور ہانپتے رہنا یہ اسکی اندرونی حرص اور طمع کی ظاہری نشانی ہے جو کسی وقت اس سے علیحدہ نہیں ہوتی پیاسا جانور تو فقط پیاس کے وقت زبان لٹکاتا ہے مگر کتا ہر وقت زبان کو لٹکائے رہتا ہے اور حرص اور طمع اور اضطراب کسی حال میں اس سے

جدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہوا پرست عالم کی زبان حرص وطمع کی وجہ سے ہر وقت نکلی پڑی رہتی ہے اور بدحواسی اور پریشانی سے ہر وقت ہانپتا رہتا ہے اور یہ قلق اور اضطراب اور بے آرامی کبھی اُس سے جدا نہیں ہوتی یہ آیت ہوا پرست عالم کے لیے غایت درجہ کی عبرت ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو ایک نہایت خسیس اور ذلیل وحقیر حیوان کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جو عالم علم اور ہدایت سے باہر نکل کر نفسانی شہوتوں کی طرف متوجہ ہوا وہ کتے کے مشابہ ہے جو خسیس ترین اور حریص ترین جانور ہے جسے نجاست اور مردار حلوے سے زیادہ لذیذ ہے۔ (اے اللہ تیری پناہ)

حکایت کسی عارف باللہ کا قول ہے کہ ہوا تقدیر کا عجب حال ہے کسی کو معلوم نہیں کہ کدھر سے چلتی ہے اور کیا تماشہ دکھاتی ہے اگر فضل کی طرف سے چلتی ہے تو بہرام گبر کے زنار کو عشق خداوندی کا کمر بند کر دیتی ہے اگر عدل کی طرف آتی ہے تو بلعم کی رسم توحید کو اڑا کر کتے کے برابر کر دیتی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ رباعی

آنرا بری از صومعہ در دیر گبراں افگنی ÷ ویں را کشی از بتکدہ سرحلقۂ مرداں کنی
چون وچرا در کار تو عقل زبوں راکے رسد ÷ فرماں دہ مطلق توئی حکمے کہ خواہی آں کنی

یہی حال اور مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے دیدہ ودانستہ از راہ تکبر وعناد ہماری آیتوں کو جھٹلایا یعنی کچھ علماء ہی کی خصوصیت نہیں یہ مثال تمام کفار معاندین اور مکذبین پر صادق آتی ہے جو حق واضح ہو جانے کے بعد بھی کتے کی طرح دنیا کی حرص اور طمع میں پڑے رہے اور ہوا پرستی کا شکار بنے رہے پس اسے نبی آپ انکو یہ قصے سنائیے شاید وہ کچھ غور وفکر کریں اور بُرے انجام سے ڈریں۔ بُری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جان بوجھ کر ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور یہ لوگ تکذیب کر کے اپنی ہی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہوا پرستی کی بنا پر یہ لوگ دنیا میں کتوں کے مشابہ بنے اور آخرت میں بھی کتوں جیسا معاملہ ہوگا۔ آگے یہ بتلاتے ہیں کہ آیات اگرچہ ہدایت کا سبب اور ذریعہ ہیں۔ مگر جب تک توفیق یزدانی اور عنایت ربانی دستگیری نہ کرے اس وقت تک ہدایت نہیں ہوتی۔

چنانچہ فرماتے ہیں جسکو اللہ توفیق دیتا ہے وہی آیات خداوندی سے راہ یاب ہوتا ہے اور جس کو وہ اپنی توفیق سے محروم کر دے سو ایسے ہی لوگ ابدی خسارہ میں پڑ جاتے ہیں اور باوجود علم وفضل کے ان کو ہدایت نہیں ہوتی اور آیات خداوندی ہدایت ہی کے لیے اتاری گئیں اور بظاہر ہدایت کا سبب ہیں لیکن ہدایت اور گمراہی کا اصل سبب قضا وقدر ہے اس لیے کہ تحقیق ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے ہیں تاکہ وہ خدا کے تنور (دوزخ) کا ایندھن بنیں جس طرح ہم جنت کے رزاق ہیں اسی طرح ہم جہنم کے بھی رازق ہیں ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے رزق کے لیے پیدا کیا ہے ہم مالک مطلق اور خالق مطلق ہیں جو چاہیں کریں بندہ کا فرض بندگی اور بے چون وچرا اطاعت ہے بندہ کو چاہیئے کہ اسکو جو حکم دیا گیا ہے وہ بجا لائے قضاء وقدر کے اسرار کو خدا کے سپرد کرے۔ ان

منکرین اور معاندین کے لیے دل ہیں مگر ان دلوں سے حق کو نہیں سمجھتے اور ان کے واسطے آنکھیں ہیں مگر ان سے آیات قدرت اور دلائل نبوت کو نہیں دیکھتے اور ان کے کان ہیں مگر ان سے کوئی حق بات سننا نہیں چاہتے دل بھی ہے اور آنکھ بھی ہے اور کان بھی ہے مگر توفیق نہ ہونے کی وجہ سے ہدایت گم ہے ایسے لوگ جو حواس اور قوائے ادراکیہ کو دنیائے فانی کی لذتوں اور شہوتوں کی طرف متوجہ رکھتے ہیں۔ مانند چوپاؤں کے ہیں۔ جنکا مقصودِ زندگی ہی کھانا اور پینا اور سونا ہے بلکہ یہ لوگ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں چوپائے اپنے مالک کو اور اپنے نفع اور ضرر کو تو پہچانتے ہیں اور یہ لوگ باوجود انسان ہونے کے آخرت کے نفع اور ضرر کو نہیں پہچانتے یہ لوگ وہ ہیں کہ جو باوجود توجہ دلانے کے آخرت سے بالکل غافل ہیں اس لیے کہ ان کی شہوت انکی عقل پر غالب ہے ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے جن کی یہ صفات مذکور ہوئیں ان کے دوزخی ہونے کا سبب یہ صفات ہیں قضاء و قدر اللہ کا فعل ہے وہ جو چاہے مقدر کرے وہ مالک مختار ہے اسکی تقدیر کا کسی کو علم نہیں کہ اس نے تقدیر میں کیا لکھا اس نے انسان کو پیدا کیا اور اپنی عنایت سے اسکو عقل اور قدرت اور ارادہ عطاء فرمایا انسان دنیا کے مشکل سے مشکل کام اسی خداداد عقل اور قدرت سے کرتا ہے اور دنیا کے کاموں میں دوڑتا پھرتا ہے مگر جب آخرت کے کام کا ذکر آتا ہے تو مجبور بن جاتا ہے اور تقدیر کا حوالہ دینے لگتا ہے کہ میری تقدیر میں یوں ہی لکھا ہے یہ سب بہانے ہیچ قابل شنوائی نہیں مسئلہ قضاء و قدر کی تحقیق بقدر ضرورت خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیجئے۔

اہل ایمان کو نصیحت اور توحید اور دُعا کی ترغیب

گزشتہ آیت میں غافلوں کا ذکر کیا اب اس آیت میں مومنوں کو ذکر الٰہی کی ترغیب دیتے ہیں اور متنبہ کرتے ہیں کہ تم غفلت نہ اختیار کرنا اور حکم دیتے ہیں کہ غفلت سے دور رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ یادِ الٰہی میں لگے رہو اور اللہ ہی کے لیے ہیں۔ سب اچھے نام جو اسکی صفات کمالیہ پر دلالت کرتے ہیں کوئی نام اس کی عظمت و جلالت شان پر دلالت کرتا ہے اور کوئی اسکے جُود و نوال پر اور کوئی اسکی تنزیہ و تقدیس پر بس اے مسلمانو! تم اللہ کو انہی اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکارا کرو اور اسکے ہر نام سے وہ حاجت طلب کرو جو اس نام کے مناسب ہو مثلاً یا رحمٰن ارحمنی۔ یا رزاق ارزقنی۔ یا ھادی اھدنی۔ یا فتاح افتح لی۔ یا تواب تب علی یعنی اے رحمٰن مجھ پر رحم فرما اور اے رزاق مجھ کو رزق عطاء فرما۔ اس طرح اسماء حسنیٰ کے ذریعہ سے دعائیں اور حاجتیں مانگو اور ان لوگوں کے طریقہ کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں میں کج راہی کرتے ہیں یعنی ٹیڑھے چلتے ہیں اسماء الٰہیہ میں الحاد (کجروی) کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالےٰ کے اسماء و صفات کا غیر اللہ پر اطلاق کیا جائے جیسا کہ مشرکین۔ غیر اللہ کو الٰہ اور معبود کہتے ہیں۔ اور الٰہ سے لات اور عزیز سے

عُزّیٰ وغیرہ بنا کر بتوں کے نام رکھتے ہیں دوم یہ کہ اللہ کو غیر مناسب اسمار وصفات کے ساتھ موسوم کیا جاتے جیسا کہ نصاریٰ خدا تعالے کو اب یعنی باپ کہتے ہیں سوم یہ کہ خدا تعالے کو ایسے نام اور وصف سے پکارا جائے جو خلاف ادب ہو جیسے یوں کہہ کر پکارے اے ضرر رساں اے محروم کرنیوالے اے بندر کے خالق اے کیڑوں کے پیدا کرنے والے اگرچہ حق تعالے سب چیزوں کے پیدا کرنے والے ہیں مگر دعا میں اس طرح کے الفاظ کا استعمال کرنا خلاف ادب ہے اور علیٰ ہذا جو نام اور صفت شریعت سے ثابت نہیں یا نامعلوم المعنیٰ ہیں ایسے ناموں کا اطلاق بھی کجروی میں داخل ہے مثلاً خدا تعالے کو یا کریم کہنا تو صحیح ہے اور یاسخی کہنا صحیح نہیں۔ اور خدا تعالے کو عالم اور حکیم کہنا صحیح ہے مگر عاقل اور طبیب کہنا صحیح نہیں شریعت میں خدا تعالے پر ان ناموں کا اطلاق وارد نہیں ہوا عنقریب ان ملحدین کو اپنے کیے کی سزا ملے گی کہ اللہ کے اسمار وصفات میں کیوں کجراہی کرتے تھے مشرکین عرب اللہ پاک کو یا ابا المکارم اور یا ابیض الوجہ کہہ کر پکارتے تھے اور نصاریٰ یا ابا المسیح اور یا ابا الملائکۃ کہتے تھے اور حکمار فلاسفہ علت اُولےٰ بولتے تھے حق تعالے نے اس قسم کے ناموں کے اطلاق کی ممانعت میں یہ آیت نازل فرمائی اور من جملہ ان لوگوں کے جن کو ہم نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو حق کی راہ بتاتی ہے اور حق کے ساتھ لوگوں کا انصاف کرتی ہے یہ مہاجرین اور انصار کی جماعت ہے اور جو لوگ قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلیں گے۔ یہ آیت امت محمدیہ کے حق میں ایسی ہے جیسا کہ وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ۔ امت موسویہ کے حق میں ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم انکو درجہ بدرجہ یعنی آہستہ آہستہ اور بتدریج ہلاکت کے مقام تک پہنچائیں گے اس طرح سے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی کہ جب کوئی معصیت کریں گے تو انکے واسطے دنیاوی نعمت اور کرامت اور زیادہ کر دیں گے جس سے وہ سمجھیں گے کہ خدا تعالے ہم سے خوش ہے اور یہ نعمتیں کبھی ہم سے زائل نہ ہونگی پھر جب وہ نعمتوں میں خوب مست ہو جائیں گے تب یک لخت انکو پکڑ لیں گے اور غفلت کی حالت میں انکو ہلاک کر دیں گے۔ استدراج کے معنی تدریج یعنی درجہ بدرجہ اور آہستہ آہستہ پکڑنے کے ہیں کہ بتدریج انکو ہلاکت کی طرف لے جایا جائے۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ نعمت عطار کرنا اور شکر کا بھلا دینا یہ استدراج ہے اور میں ان لوگوں کو ڈھیل بھی دونگا یعنی اُنکی شرارتوں پر فوراً نہیں پکڑونگا بلکہ مہلت دونگا کہ دل کھول کر دنیا کے مزے اڑالیں اور جرم کا پیمانہ لبریز ہو جائے۔ تحقیق میری تدبیر بڑی محکم اور مضبوط ہے۔ کید اس تدبیر کو کہتے ہیں جو پوشیدہ ہو استدراج کو کید اس لیے فرمایا کہ ظاہر میں انعام اور اکرام ہے اور باطن میں تذلیل و تحقیر ہے یعنی ناکامی اور رسوائی ہے۔

ف گزشتہ آیت یعنی سَیُجْزَوْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ میں ملحدین کی سزا کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلایا کہ جو لوگ حق جل شانہ کے نزدیک مبغوض ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ انہیں فوراً عذاب دیا جائے بلکہ بطور استدراج انکو مہلت ملتی ہے۔

ایک شبہ شبہ یہ ہے کہ اس جگہ تو یہ فرمایا وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ ہم نے بہت سے جن اور انس کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اور دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۔ کہ جن اور انس سب کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا۔

جواب یہ ہے کہ اس جگہ اپنی تقدیر اور تکوین کو بیان فرمایا کہ تکوینی اور تقدیری طور پر بہت سوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ جہنم کا ایندھن بنیں اور دوسری جگہ اپنی تشریع اور تکلیف کو بیان فرمایا کہ بندوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ اپنے معبود برحق کی عبادت اور اطاعت کریں اور خداوند قدوس نے جو ان کو عقل اور فہم اور قدرت اور اختیار دیا ہے اس کو اسکی عبادت اور اطاعت میں خرچ کریں خدا اور رسول کے مقابلہ میں اسکو استعمال نہ کریں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ایک جگہ غایتِ تشریعی کا بیان ہے اور ایک جگہ غایتِ تکوینی اور تقدیری کا بیان ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ

کیا دھیان نہیں کیا انہوں نے ؟ انکے رفیق کو کچھ جنون نہیں

اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ

وہ تو ڈرانے والا ہے صاف ۔ کیا نگاہ نہیں کی

مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ

سلطنت میں آسمان اور زمین کے اور جو اللہ نے بنائی

مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ

ہے کوئی چیز اور یہ کہ شاید نزدیک پہنچا ہو اُن کا

اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ

وعدہ سو اُسکے پیچھے کس بات پر یقین لاویں گے ؟ جس کو

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ

اللہ بھٹکا دے اسے کوئی نہیں راہ دینے والا۔ اور انکو چھوڑ رکھتا ہے

طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُونَ ﴿۱۸۶﴾

اُن کی شرارت میں بہکتے۔

تہدید بر عدم نظر و فکر و تذکیر موت

قال اللہ تعالیٰ اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا مَا بِصَاحِبِهِمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ .. الیٰ .. وَیَذَرُهُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں گمراہوں اور آخرت سے غافلوں کی تہدید و توبیخ کا ذکر تھا اب ان آیات میں انکی غفلت اور گمراہی کے سبب کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ غور و فکر سے کام نہیں لیتے اس لیے کبھی نبوت و رسالت کے بارہ میں انکو شبہ لاحق ہوتا ہے اور کبھی خداوند ذوالجلال کی الوہیت اور ربوبیت میں شبہ پیش آتا ہے اگر یہ لوگ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور معجزات میں غور کرتے تو آپ کی نبوت و رسالت میں انکو شبہ نہ ہوتا اور اگر آسمان و زمین کی خلقت میں غور کرتے تو خدا کی وحدانیت میں کوئی شبہ نہ رہتا انکو چاہیئے کہ اس بات میں غور کریں کہ شاید انکی موت اور ہلاکت کا وقت قریب آگیا ہے اس لیے انکو چاہیئے کہ موت آنے سے پہلے سنبھل جائیں اور مابعد الموت کی تیاری کریں۔

ربط دیگر گزشتہ آیات میں انکے قصور کا بیان تھا اب ان آیات میں انکے بیہودہ شبہات کا جواب ہے۔ ایک شبہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے متعلق کرتے تھے کہ یہ مدعی نبوت کوئی دیوانہ شخص معلوم ہوتا ہے اور دوسرا شبہ خدا تعالےٰ کی وحدانیت کے متعلق تھا۔ اب ان آیات میں انکے بیہودہ شبہات کا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ نادان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف جنون کی نسبت کرتے ہیں اور انہوں نے اس بات میں غور نہیں کیا کہ ان کے رفیق محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو جنون سے ذرہ برابر کوئی مس بھی نہیں ہمیشہ سے آپ کے ساتھ رہے اور یہ لوگ آپ کے حال سے بخوبی واقف ہیں دنیاوی لذات سے کنارہ کش اور ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ ہیں دن رات حکمت و موعظت کی باتیں بتلاتے ہیں آپ تو صرف صاف طور پر آئندہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور ایسی علم و حکمت کی باتیں ایک مجنون سے سرزد نہیں ہو سکتیں جس کو یہ مجنون کہتے ہیں دل سے انکو بھی یقین ہے کہ مجنون کی باتیں ایسی نہیں ہوتیں کیا ان لوگوں نے دیدۂ عقل سے آسمانوں اور زمین کے ملک عظیم میں نظر نہیں کی یعنی نجوم اور کواکب اور شمس و قمر اور کوہ و دریا میں نظر نہیں کی اور انکے علاوہ خدا تعالےٰ نے قسم قسم کی جو چیزیں پیدا کی ہیں انکو نہیں دیکھا جس سے صانع کی کمال قدرت اور مُبدِع کی جمال وحدت ان پر ظاہر ہو جاتی کیونکہ عالم کا ذرہ ذرہ اسکی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے اور نہ ان

لوگوں نے اس بات کا خیال کیا کہ شاید انکی موت قریب آگئی ہو اور اس ڈر سے توبہ کرلیں کہ کہیں کفر کی حالت میں نہ مر جائیں پس اس قرآن کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے اس کے بعد تو قیامت تک کوئی کتاب نازل ہونی ہی نہیں کیونکہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کی کتاب آخری کتاب ہے جس سے تمام پہلی کتابیں منسوخ ہوگئیں جسکو اللہ گمراہ کرے اور توفیق سے اسکو محروم کرے پس اسکو کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور ان معاندین کو خدا تعالے گمراہی سے نکالتا نہیں بلکہ انکو انکی گمراہی اور سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے کہ اسی میں برابر سرگرداں اور حیران پھرتے رہیں اور راہ راست پر نہ آئیں اور آخرت پر ایمان نہ لائیں ان آیتوں میں استدراج کو بیان کیا جس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالے اپنے دشمنوں پر نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے یہاں تک کہ وہ عیش و عشرت میں ایسے مست ہو جاتے ہیں کہ دل کے اندھے ہو جاتے ہیں اور جس منعم حقیقی نے یہ نعمتیں دی ہیں اس سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں بلکہ اسکو بھلا دیتے ہیں جب غفلت کی اس منزل میں پہنچ جاتے ہیں تو پکڑے جاتے ہیں اور انکو یہ معلوم نہیں کہ یہ سارا ماجرا از اول تا آخر قضا و قدر میں طے ہو چکا ہے۔ اب آئندہ آیت میں مشرکین کے ایک احمقانہ سوال کو ذکر کرکے اسکا جواب دیتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ

تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت (کی بابت) کس وقت ہے اسکا ٹھہراؤ تو کہہ

اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ

اس کی خبر تو ہے میرے رب ہی پاس وہی کھول دکھا دے گا اسکو اپنے

اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا

وقت، بھاری بات ہے آسمان و زمین میں تم

تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ

پر آویگی تو بے خبر آوے گی تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں گویا کہ تو اسکا تلاشی ہے

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

تو کہہ اسکی خبر ہے خاص اللہ پاس لیکن اکثر لوگ سمجھ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا
نہیں رکھتے ۔ تو کہہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا نہ
ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ
بُرے کا مگر جو اللہ چاہے ۔ اور اگر میں جانا کرتا غیب کی بات
لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ
تو بہت خوبیاں لیتا ۔ اور مجھ کو بُرائی کبھی نہ پہنچتی ۔ میں تو
اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع
یہی ہوں ڈر اور خوشی سنانے والا، ماننے لوگوں کو ۔

قال اللہ تعالیٰ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ... الی ... اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۔ میں انفرادی قیامت کا ذکر تھا اس لیے کہ حدیث میں ہے ۔ من مات فقد قامت قیامته جو شخص مرگیا اس کی قیامت تو قائم ہوگئی اب ان آیات میں مجموعہ عالم کی قیامت کا ذکر ہے پس جس طرح کسی شخص کو اپنی شخصی قیامت یعنی اجل اور موت کا علم نہیں اسی طرح سمجھ لو کہ پوری دنیا کی اجل یعنی موت کا علم بھی کسی کو نہیں کون بتلا سکتا ہے کہ قیامت کس تاریخ میں اور کس دن میں اور کس وقت میں آئے گی ۔ اسکا علم سوائے خداوند علام الغیوب کے کسی کو نہیں قریش کے ایک گروہ نے آپ سے سوال کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتلاؤ کہ قیامت کب آئے گی اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ مشرکین قیامت کو یعنی دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے یہ انکا خیال خام تھا مرنا تو کوئی محال چیز نہیں رہا مرکر زندہ ہونا سو اس میں اگر کوئی اشکال ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہے کہ نیست سے ہست ہونا کیونکر ممکن ہے سو یہ بھی دن رات مشاہد ہے اس میں بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں خداوند قدوس کی قدرت میں ذرا غور کریں تو سارے شبہات دور ہو جائیں چنانچہ فرماتے ہیں یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ قیامت کس وقت قائم ہوگی تا کہ قیامت قائم ہونے

سے کچھ دیر پہلے ایمان لے آئیں آپ جواب میں کہدیجئے کہ جز ایں نیست کہ قیامت کا علم صرف میرے پروردگار ہی کے پاس ہے جس کی خبر نہ کسی ملک مقرب کو ہے اور نہ نبی مرسل کو نہیں ظاہر کریگا اسکو اس کے وقت پر مگر وہی جو اس سے جانتا ہے قیامت کا حادثہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری اور گراں حادثہ ہے جس میں آسمان اور زمین سب کی فنا ہے اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اسکو مخفی رکھا جائے نہیں آئے گی تم پر قیامت مگر ناگہاں اس لیے تمکو اس سے ڈرتے رہنا چاہیئے اور آنے سے پہلے اسکی تیاری کرلینی چاہیئے اور پہلے سے بتلا دینے میں یہ بات نہ رہے گی یہ لوگ آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق اس طرح سے سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس سے پورے باخبر اور واقف ہیں آپ کہدیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اللہ تعالے نے کسی حکمت اور مصلحت سے اسکے علم کو اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے جس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ منکرین قیامت کو آخر وقت تک قیامت کی آمد کا پتہ نہ چلے جیسے انسان کو آخر وقت تک موت کا علم نہیں کہ کب آئے گی اسی طرح کسی کو قیامت کے آنے کا وقت بھی معلوم نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جنکا علم حق تعالے شانہٗ کے ساتھ مخصوص ہے کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر اللہ تعالے نے انکا علم انبیأ اور ملائکہ سے بھی روک لیا ہے۔ منجملہ انکے ایک قیامت ہے جس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے اسکے سوا اور کسی کو نہیں مگر اکثر آدمی یعنی کفار اپنی بے علمی کے سبب یہ سمجھتے ہیں کہ نبیوں کو قیامت کا علم ہی ضروری ہے اور اگر کوئی نادان یہ کہے کہ نبی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ غیب دان ہو تو اے نبی آپ اس سے کہدیجئے کہ میں تو اپنی ذات کے لیے بلکہ چہ جائیکہ دوسروں کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں مگر جتنا اللہ تعالے چاہے فقط اتنی مقدار مجھے اختیار حاصل ہو جاتا ہے میں نہ اختیار مستقل رکھتا ہوں اور نہ علم محیط اور اگر میں غیب داں ہوتا تو میں اپنے لیے بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھ کو کبھی کوئی برائی نہ پہنچتی یعنی اگر میں غیب داں ہوتا تو بہت سی بھلائیاں اور کامیابیاں حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے مجھ سے فوت ہو جاتی ہیں۔ نیز بسا اوقات لاعلمی کی وجہ سے مجھ کو ناگوار حالت بھی پیش آتی ہے اگر پہلے ہی مجھے علم ہوتا تو یہ اضطراب اور پریشانی مجھ کو لاحق نہ ہوتی انسان کو اگر پہلے سے علم ہو جائے تو نہایت آسانی کے ساتھ بہت سی مشکلات کی روک تھام ممکن ہے میں نہ تو مجنون ہوں اور نہ غیب داں ہوں میں تو صرف عذاب الٰہی سے ڈرانے والا اور ایمان والوں کو ثواب کی بشارت دینے والا ہوں یعنی میری نبوت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ میں احکام خداوندی کا بشیر اور نذیر ہوں نہ مجھے علم غیب ہے اور نہ میں کسی نفع اور ضرر کا مالک ہوں مشرکین عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں جہاں اور شبہات نکالتے تھے وہاں یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمیں دنیا وی مضرتوں سے بچانے کے لیے ہمیں غیب کی خبریں بتلا دیئے اور آنیوالی مصائب سے ہمیں آگاہ کیجیے تاکہ ان سے بچنے کی تدبیر کر لیجائے ان سب مزخرفات کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی آپ ان سے یہ کہدیجئے کہ میں خود اپنے ہی نفع اور ضرر کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ میں عالم الغیب ہوں جو تمہیں غیب کی باتیں بتاؤں۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا

وہی ہے جس نے تم کو بنایا ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا

زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا

جوڑا کہ اس پاس آرام پکڑے پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا حمل رہا ہلکا

خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا

سا حمل، پھر چلتی گئی اس سے پھر جب بوجھل ہوئی دونوں نے پکارا اللہ اپنے رب کو

لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٨٩﴾ فَلَمَّآ

اگر تو ہم کو بخشے چنگا بھلا تو ہم تیرا شکر کریں۔ پھر جب

اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاۗءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى

دیا ان کو چنگا بھلا ٹھہرانے لگے اس کے شریک اس کی بخشی چیز میں سو اللہ

اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٩٠﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا

اوپر ہے انکے شریک بتانے سے کن کو شریک بناتے ہیں جو پیدا نہ کریں ایک چیز

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا

اور آپ پیدا ہوتے ہیں؟ اور نہ کر سکتے ہیں انکو مدد اور نہ اپنی

وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٢﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى

مدد کریں۔ اور اگر ان کو پکارو راہ

الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ

پر، نہ چلیں تمہاری پکار پر۔ برابر ہے تم کو، کہ انکو پکارو یا

اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿١٩٣﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

چپکے رہو۔ جن کو تم پکارتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا

اللہ کے سوا بندے ہیں تم سے، بھلا پکارو ان کو تو چاہیئے قبول کریں

لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ

تمہارا پکارنا، اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کو پاؤں ہیں جن سے چلتے

بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ

ہیں یا انکو ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا انکو آنکھیں ہیں

يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ط

جن سے دیکھتے ہیں۔ یا ان کو کان ہیں جن سے سنتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾

تو کہہ پکارو اپنے شریکوں کو پھر برا کرو میرے حق میں اور مجھ کو ڈھیل نہ دو۔

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۚ وَهُوَ يَتَوَلَّى

میرا حمایتی اللہ ہے۔ جس نے اتاری کتاب اور وہ حمایت کرتا

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا

ہے نیک بندوں کی۔ اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا نہیں

يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

کر سکتے تمہاری مدد اور نہ اپنی جان بچا سکیں۔

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ط وَ

اور اگر ان کو پکارو راہ کی طرف کچھ نہ سنیں اور

تَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

تو دیکھے کہ تکتے ہیں تیری طرف اور کچھ نہیں دیکھتے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ

خوب کر معاف کرنا اور کہہ نیک کام کو اور کنارہ کر

الْجٰهِلِيْنَ ۝۱۹۹ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ

جاہلوں سے - اور کبھی ابھار دے تجھ کو شیطان کی چھیڑ

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۰۰ إِنَّ الَّذِيْنَ

تو پناہ پکڑ اللہ کی - وہی ہے سنتا جانتا - جو لوگ

اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا

ڈر رکھتے ہیں جہاں پڑ گیا ان پر شیطان کا گزر چونک گئے

فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝۲۰۱ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي

پھر تبھی ان کو سوجھ آ گئی - اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ انکو کھینچتے

الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝۲۰۲

جاتے ہیں غلطی میں پھر وہ کمی نہیں کرتے -

اثباتِ توحید و ابطالِ شرک

قال اللہ تعالیٰ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ... الیٰ ... ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں اللہ تعالےٰ کی کمال قدرت اور کمال علم و حکمت کا ذکر تھا کہ وہی ہر نفع اور ضرر کا مالک ہے اور وہی عالم الغیب ہے اور شروع سورت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کا قصہ ذکر فرمایا اب سورت قریب الختم ہے اس لیے حضرت آدمؑ اور حواؑ کا قصہ اجمالی طور پر دوبارہ ذکر فرماتے ہیں جس سے مقصود توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال ہے اگرچہ گزشتہ آیات میں بھی توحید خداوندی کا مختصر سا ذکر ہوا ہے لیکن ان آیات میں اس مضمون کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں وہی اللہ ہے جس نے تم سب انسانوں کو ایک ذات یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اور پھر اسی ایک ذات سے اسکا جوڑا پیدا کیا۔

یعنی حوّاؑ کو پیدا کیا تاکہ آدمؑ اس جوڑے کے ساتھ سکون اور آرام حاصل کرے۔ یعنی عورت کو آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا پھر ان سے نسل کا سلسلہ چلا اور اولاد پیدا ہوئی اور ان میں بھی میاں بیوی ہوتے سو ان میں سے بعض کی یہ حالت ہوئی کہ جب مرد نے عورت سے مقاربت یعنی ہم بستری کی تو اس عورت نے ایک ہلکا سا بوجھ اٹھایا یعنی نطفہ نے اسکے رحم میں قرار پکڑا جو ایک ہلکا سا بوجھ تھا۔ سو وہ اسکے ساتھ چلتی پھرتی رہی۔ اوّل اوّل حمل کا بوجھ ہلکا رہا۔ جس کی وجہ سے وہ بے تکلیف چلتی پھرتی رہی پس جب وہ بوجھل ہوئی اور میاں بیوی دونوں کو یقین ہوگیا کہ حمل ہے تو اس وقت دونوں کو طرح طرح کے خطرات اور توہمات پیش آنے لگے جیسا کہ پیش آیا کرتے ہیں تو اس وقت میاں اور بیوی دونوں اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگنے لگے کہ اے پروردگار اگر تو نے ہم کو صحیح سالم بیٹا عطا کیا تو ہم ضرور تیرے شکرگزاروں میں سے ہو جائیں گے جیسا کہ عام عادت ہے کہ نعمت ملنے سے پہلے بڑے عہد اور میثاق کرتے ہیں پھر جب نعمت مل جاتی ہے تو حالت بدل جاتی ہے پس یوں ہی ہوا کہ جب اللہ نے انکو صحیح سالم بیٹا دے دیا تو انہوں نے اس خداداد بیٹے میں جو اللہ نے انکو عطا کیا شریک ٹھہرانے لگے اور یہ کہنے لگے کہ بیٹا تو تاثیر کواکب سے پیدا ہوا ہے اور کسی نے کہا کہ ہمارے بتوں نے ہمکو بخشا ہے وغیرہ وغیرہ اسی لیے کسی نے بچہ کا نام عبدالعزیٰ اور عبد مناف رکھا اور کسی نے عبد شمس اور کسی نے عبد المسیح اور کسی نے عبد النبی اور کسی نے عبد الرسول اور کسی نے بندۂ علی نام رکھا۔ سو اللہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں منعم حقیقی کے نام پر تو نام نہ رکھا اور غیر اللہ کی طرف اسکو منسوب کر دیا بجائے عبداللہ اور عبدالرحمن نام رکھنے کے عبد الشمس اور عبد العزیٰ نام رکھدیا۔

محققین مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ابتدا ر آیت میں اگرچہ آدمؑ اور حوّاؑ کا ذکر تھا مگر وہ بطور تمہید تھا مگر بعد میں مطلق مرد اور عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے کیونکہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کے ذکر سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آدمیوں میں نر اور مادہ کو پیدا کیا تاکہ ایک دوسرے سے مانوس ہوں جسکا انکو شکرگزار ہونا چاہیئے تھا مگر انکی حالت یہ ہے کہ آڑے وقت میں تو صرف ہم کو پکارتے ہیں اور جب وقت نکل جاتا ہے تو ہمارے ساتھ اوروں کو شریک کرنے لگتے ہیں غرض یہ کہ اصل مقصود مطلق مرد اور عورت کا حال بتلانا ہے اس لیے محققین مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا میں تثنیہ کی تینوں ضمیریں خاص حضرت آدمؑ اور حوّاؑ کی طرف راجع نہیں بلکہ ان دونوں کی اولاد کے مردوں اور عورتوں کی طرف راجع ہیں یا یوں کہو کہ ان کی نسل میں سے دو مختلف جنسوں کی طرف راجع ہیں اور تقدیر کلام الٰہی اس طرح سے ہے فلما اٰتی اللہ آدم و حواء الولد الصالح الذی ـــــ تمنیاہ و طلباہ۔ جعل کفار اولاد ہما ذالک مضافا الی غیر اللہ تعالیٰ۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور حوّاؑ کو فرزند صالح عطا فرمایا جس کی ان دونوں نے خواہش کی تھی تو آئندہ چل کر انکی کافر اولاد نے اسکو غیر خدا کی طرف منسوب کیا اور اس تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ میں لفظ یشرکون صیغہ جمع کا لایا گیا ہے۔ اور لیشرکان

صیغہ تثنیہ کا نہیں لایا گیا معلوم ہوا کہ خود حضرت آدمؑ اور حواؑ مراد نہیں بلکہ یہ شرک کسی جماعت سے صادر ہوا ہے جو اولادِ آدمؑ سے ہے اور مسلسل شرک میں گرفتار ہیں کیونکہ عما یشرکون مضارع کا صیغہ ہے جو استمرار تجددی کے لیے لایا گیا ہے معاذ اللہ جسکا حضرت آدمؑ اور حواؑ کے بارہ میں تصور بھی نہیں ہو سکتا معاذ اللہ اگر آیت میں حضرت آدمؑ اور حواؑ کا شرک مراد ہوتا تو فتعالیٰ عما یشرکان بصیغۂ تثنیہ آتا معلوم ہوا کہ جعلا لہ شرکاء کی ضمیر تثنیہ۔ دو جنسیں یا نوعین مختلفین کی طرف راجع ہے نہ کہ آدمؑ اور حوا کی طرف۔

غرض یہ کہ ان آیات میں خاص آدمؑ اور حواؑ کا حال بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ عام آدمیوں کے مرد اور عورت کا حال بیان کرنا مقصود ہے بے شک ابتدار کلام یعنی هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔ میں بطور تمہید آدمؑ اور حواؑ کا ذکر تھا مگر اس کے بعد مطلق مرد اور عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے اور قرآن کریم میں بکثرت ایسا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جیسے وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ میں جن سیاروں کو مصابیح فرمایا آئندہ آیت وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا۔ میں انہی کی طرف ضمیر راجع کی گئی ہے حالانکہ جن سیاروں کو مصابیح فرمایا ہے وہ ٹوٹنے والے نہیں جن سے شیاطین کا رجم ہوتا ہے مگر شخص مصابیح سے جنس مصابیح کی طرف راجع کی گئی۔ اب بحمدہٖ تعالیٰ وَجَعَلَا لَہٗ شُرَکَآءَ کی تفسیر میں کوئی اشکال نہیں رہا اور بعض مفسرینؒ اس طرف گئے ہیں کہ اس آیت میں روئے سخن آدمؑ اور حواؑ کی طرف ہے اس لیے کہ بعض روایتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ حضرت آدم اور حوار علیہما السلام کا حال ہے حضرت حوار کے کئی بچے مر چکے تھے اسکے بعد وہ حاملہ ہوئیں تو شیطان نے ان سے آکر کہا کہ اگر اسکا نام عبدالحارث رکھو تو یہ زندہ رہے گا۔ حضرت حواؑ شیطان کے فریب میں آگئیں اور اس نام کے رکھنے کا وعدہ کر لیا۔ پھر حواؑ نے حضرت آدمؑ کو بھی راضی کر لیا اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے اسکا نام عبدالحارث رکھا اور حارث ابلیس کا نام تھا اور بظاہر حضرت حوار کو اسکی خبر نہ تھی کہ حارث شیطان کا نام ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ یہ مشورہ دینے والا شیطان ہے یا بھیس بدل کر آیا ہو گا اور حضرت حواؑ نے پہچانا نہ ہو گا۔ اور اس قسم کا مکر حضرت آدمؑ اور حواؑ نے نہ کبھی سنا تھا اور نہ دیکھا تھا یہ پہلا موقعہ تھا بے خبری سے دھوکہ میں آگئے سو یہ روایت اگرچہ ترمذی میں مذکور ہے مگر متعدد وجوہ سے معلول ہے اور حضرات محدثین نے اسکی تضعیف کی ہے علاوہ ازیں اسمار اعلام میں لغوی معنی کا لحاظ اور اعتبار نہیں ہوتا اور اگر بالفرض کچھ لحاظ ہو بھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کی طرف لفظ عبد کو مضاف کیا جائے اسکو معبود سمجھ لیا جائے عرب کا محاورہ ہے کہ میزبان کو عبدالضیف کہتے ہیں یعنی مہمان کا غلام اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مہمان اسکا معبود ہے اور یہ اسکی پوجا کرتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد کا نام عبدالمطلب تھا کوئی شخص اسکا مطلب نہیں سمجھتا تھا کہ وہ مُطّلب کے بندہ ہیں اور مُطّلب ان کا معبود ہے پس اگر عبدالحارث نام رکھنے کا واقعہ صحیح ہو تو اس سے شرک فی التسمیہ مراد ہو گا۔ معاذ اللہ یہ ممکن نہیں کہ حقیقۃً شرک کا ارتکاب کرے لیکن ایسا نام رکھنا جس سے شرک کی بو آتی ہو یہ نبی کی شان رفیع

کے مناسب نہیں اور قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیاءؑ اور مقربین کی چھوٹی سی چھوٹی باتوں اور لغزشوں اور بھول چوک کو بھی سخت عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیساکہ یونس علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ اور دوسری جگہ ہے حَتّٰۤى اِذَا اسْتَایْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا اسی طرح یہاں بھی سمجھیئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے رتبہ کے لحاظ سے اس تسمیہ کو جس میں شرک کا ایہام تھا تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا۔ وَجَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ۔ آخر درخت سے کچھ کھالینا وہ بلاشبہ سہو اور نسیان سے تھا اور سہو ونسیان عقلاً ونقلاً قابل مؤاخذہ نہیں مگر حضرت آدمؑ نے جو بھولے سے کھالیا اس پر قرآن کریم میں کس قدر عتاب آیا۔ یہ عتاب انکی شان رفیع کے لحاظ سے تھا۔

ابطالِ شرک وبُت پرستی

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کا ذکر تھا جو اس کے استحقاق معبودیت کی دلیل تھیں اب آگے آلہۂ باطلہ کے نقائص کا ذکر ہے جو ان کی عدم معبودیت کی دلیل ہیں بلکہ وہ تو اپنے پرستاروں سے بھی بدتر ہیں نہ انکے ہاتھ ہیں نہ ان کے پیر نہ انکے آنکھ نہ انکے کان وہ اپنے پرستاروں کی آواز بھی نہیں سُن سکتے پھر کیوں انکی پرستش کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ خالق کائنات کے ساتھ ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے اور بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور خالق کے ساتھ شریک کرنا کمال بے عقلی ہے اور اپنے ہاتھ کی تراشیدہ چیز کو اپنا معبود بنانا کمال ابلہی ہے اور کسی چیز کا پیدا کرنا تو بڑی بات ہے یہ تو اپنے پرستش کرنے والوں کی کسی قسم کی مدد بھی نہیں کرسکتے کہ انکی مصیبت اور تکلیف ہی کو دور کردیں اور نہ اپنی ہی مدد کرسکتے ہیں کہ کوئی انکو توڑنے پھوڑنے لگے تو اپنے آپکو توڑ پھوڑ ہی سے بچالیں یا کوئی ان پر میل یا گندگی لگانے لگے تو اسی سے اپنے آپ کو دور کرسکیں ان سے بہتر تو انسان ہی ہے کہ دوسرے کی بھی مدد کرسکتا ہے اور اپنا بھی بچاؤ کرسکتا حالانکہ عقل کا تقاضہ ہے کہ معبود عابد سے بہتر ہونا چاہیئے یہاں ماجرا برعکس ہے اور اس سے بھی بڑھ کر سنو وہ یہ کہ اگر تم ان کو کسی بات کے بتلانے کے لیے پکارو تو وہ تمہاری پیروی نہ کریں تمہارا پکارنا اور خاموش رہنا سب برابر ہے پس ایسوں کو کیوں پکارتے ہو پس جو ذات اس درجہ عاجز ہو کہ پکار کو بھی نہ سُنے وہ کیسے معبود ہوسکتی ہے حالانکہ پکار کو سُن لینا نہایت سہل ہے اور کسی کی مدد کرنا یا اپنی حفاظت کرنا یہ اس سے مشکل ہے پس جو ذات ایسی آسان چیزوں سے عاجز ہوگی وہ پیدا کرنے سے بدرجۂ اولیٰ عاجز ہوگی تحقیق جنکو تم سوائے اللہ کے پکارتے ہو وہ تمہارے ہی مانند عاجز بندے ہیں بندہ سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہاری طرح خدا کے مخلوق اور مملوک ہیں اور ایک مماثل اور مساوی دوسرے مماثل اور مساوی کے حق میں معبود نہیں ہوسکتا اور اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ وہ تم سے افضل اور اکمل ہیں تو ان معبودوں کو پکارو تو سہی پس انکو چاہیئے کہ تمہاری پکار کا جواب دیں اور تمہاری

عرض معروض کو قبول کریں اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ وہ تمہارے معبود برحق ہیں اس لیے کہ معبود برحق پر لازم ہے کہ وہ اپنے بندہ کی دعا کو قبول کرے اور اسکی ندا اور دعا کا جواب دے وہ تمہاری باتوں کا کیا جواب دے سکتے ہیں وہ تو ان کمالات سے بھی عاری ہیں جو ایک معمولی انسان کو حاصل ہوتے ہیں کیا ان کے پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں اور کسی قسم کی حرکت کر سکیں یا ان کے لیے ہاتھ ہیں جن سے وہ کوئی چیز پکڑ سکیں یا ان کے لیے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا ان کے لیے کان ہیں جن سے وہ سن سکیں پس ایسے لُولوں اور لنگڑوں اور اندھوں اور بہروں کو خدا بنانا اعلیٰ درجہ کی حماقت ہے مطلب یہ ہے کہ تم خود قائل ہو کہ انکے نہ پاؤں ہیں اور نہ ہاتھ ہیں اور نہ انکی آنکھیں ہیں بینا اور نہ کان ہیں شنوا اور تمہیں یہ سب چیزیں حاصل ہیں تو تم ان سے افضل اور بہتر ہو لہذا تمہارا بتوں کے آگے جھکنا جو تم سے بہت کمتر اور عاجز ہیں کمال درجہ کی بے وقوفی ہے آپ ان سے کہدیجئے کہ تم اپنے تجویز کردہ شریکوں کو بلاؤ پھر سب ملکر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو مجھے تمہارے معبودوں کی ذرہ برابر پرواہ نہیں اس لیے کہ تحقیق میرا کارساز وہ اللہ ہے جس نے یہ مبارک کتاب مجھ پر نازل کی وہ خاص طور پر میرا کارساز اور معین اور مددگار ہے اور وہ تو عام طور پر سب نیکو کاروں کا کارساز ہے اور میں تو خدا تعالیٰ کا خاص الخاص پیغمبر ہوں وہ میری توضرور ہی مدد کرے گا پھر مجھے کہاں کا ڈر ہے اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور پوجتے ہو یعنی بتوں کو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں جب کوئی انکے توڑنے اور خراب کرنے کا قصد کرے تو وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور مدد کرنا تو بڑی بات ہے انکو تو اگر کسی بات بتلانے کے لیے پکارو تو وہ سنیں گے بھی نہیں کیونکہ ان کے کان ہی نہیں (اے نبیؐ) آپ ان بتوں کو دیکھیں گے۔ کہ گویا وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں۔ کیونکہ ان پر آنکھوں کی شکل بنی ہوئی ہے حالانکہ وہ واقع میں کچھ نہیں دیکھتے کیونکہ وہ حقیقت میں آنکھ نہیں رکھتے اور اگر بالفرض والتقدیر اس بیان واضح اور برہان ساطع کے بعد بھی آپؐ سے اپنے شرکاء کے بارہ میں مجادلہ کریں تو اے نبیؐ آپ ان مجادلین اور معاندین سے بجائے غصہ کے درگذر کو اختیار کرو شاید نصیحت قبول کریں اور انکو نیک کام کا حکم دیجیے اگر ذرا بھی عقل ہوگی تو قبول کریں گے اور جاہلوں سے اعراض اور کنارہ کشی کرو یعنی وہ لوگ اگر جہالت سے پیش آئیں تو آپؐ ان سے اعراض کریں نہ ان پر غصہ کریں اور نہ ان کے درپے ہوں اور اگر اتفاقاً کسی وقت انکی جہالت پر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آپؐ کو غصہ پر آمادہ کرے تو آپؐ اسکے شر سے بچنے کے لیے خدا سے پناہ مانگیے بے شک اللہ تعالیٰ زبان کی بات کو سننے والا اور دل کی بات کو جاننے والا ہے جوش اور غصہ کے وقت اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھنا تریاق مجرب ہے تحقیق جو لوگ خدا ترس ہیں جب انکو شیطان کی طرف سے کوئی ایسا خیال آتا ہے جو ان کے دل کے گرد گھوم جاتے اور انکو غصہ پر آمادہ کرے تو وہ چونک جاتے

عہ اس ترجمہ میں لفظ طائف کے اصل معنی کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

ہیں پھر ناگہاں اسی دم وہ بینا ہو جاتے ہیں اور راہ صواب انکو نظر آجاتی ہے اور اس بینائی کے ذریعہ وسوسۂ شیطانی کی ظلمت اور کدورت کو اپنے دل سے دور کرتے ہیں اور راہ صواب پر آجاتے ہیں اور اس سے وسوسہ کا اثر انکے دل سے جاتا رہتا ہے اور انکے برعکس برادران کفار یعنی شیاطین مشرکوں کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں پھر گمراہ کرنے میں کچھ کسر نہیں چھوڑتے مطلب یہ ہے کہ مومن کو گناہ کا خیال آتا ہے تو خدا کو یاد کرکے اس خیال سے باز آجاتا ہے اور شیطانی وسوسہ اسکے دل سے نکل جاتا ہے بخلاف کفار کے کہ ان کے برادران یعنی شیاطین جب انکے ساتھ لگ جاتے ہیں تو انکو خوب اپنے قابو میں کر لیتے ہیں اور ہمیشہ انکو معصیت میں مبتلا رکھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ متقین کو وسوسۂ شیطانی سے اگر غفلت لاحق ہوتی ہے تو فوراً چونک پڑتے ہیں اور ٹھوکر لگتے ہی سنبھل جاتے ہیں اور غفلت کا پردہ فوراً انکی آنکھوں سے اٹھ جاتا ہے بخلاف شیطانی برادری کے کہ انکی غفلت اور معصیت میں برابر زیادتی ہوتی رہتی ہے۔

فائدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام صغائر اور کبائر سے معصوم ہیں اور شیطان کی مجال نہیں کہ ان پر اپنا کوئی داؤ چلا سکے اور اس آیت یعنی وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ کا مضمون عصمت نبوی کے منافی نہیں اس لیے کہ اوپر کی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حلم اور درگزر کرنے کا حکم ہوا تھا اب اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت جاہلوں کی جہالت پر آپکو غصہ وغیرہ آجائے اور حکم سابق کے خلاف خیال آپکے دل میں گزرے تو فوراً اللہ پاک سے پناہ مانگیے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھیے اور ظاہر ہے کہ ایسا خیال شانِ عصمت کے ذرہ برابر منافی نہیں۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ

اور جب تو لے کر نہ جاوے اُن پاس کوئی آیت کہیں کچھ چھانٹ کیوں نہ لایا؟

قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا

تو کہہ میں چلتا ہوں اسی پر جو حکم آوے مجھ کو میرے رب سے یہ سوجھ

بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ

کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور راہ اور مہر ہے ان لوگوں کو جو

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

یقین لاتے ہیں۔

جواب شبہ کفار دربارۂ رسالت

قال اللہ تعالیٰ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ ..... الی ..... لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر تھا اب اس آیت میں کفار کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں۔ بعض لوگ کج بحثی اور شرارت کی بنا پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خاص معجزات طلب کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فرمائشی معجزات میں سے کوئی خاص فرمائشی معجزہ انکے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اس معجزہ کو کیوں نہیں بنا لیا جس طرح آپ اور طرح طرح کی نشانیاں بنا کر لاتے ہیں اسی طرح ہماری فرمائش کے مطابق بھی ایک نشان بنا کر دکھلا دیجئے آپ انکے جواب میں کہہ دیجئے کہ معجزہ دکھلانا میرا کام نہیں۔ یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے جز این نیست میرا اصلی کام یہ ہے کہ میں صرف اس چیز کی پیروی کروں جو میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے آیتوں کا اتارنا اور معجزات کا ظاہر کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ جب چاہتا ہے اتارتا ہے اور ظاہر کرتا ہے اور جب چاہتا ہے تو نہیں اتارتا اور نہیں ظاہر کرتا ہاں البتہ یہ قرآن جو بذریعہ وحی مجھ پر نازل ہو رہا ہے یہ میرا سب سے بڑا معجزہ ہے یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں ہیں جن سے راہ حق نظر آتی ہے اور خدا تک پہنچنے کا راستہ دکھلائی دیتا ہے اور اہل ایمان کے لیے مشعل ہدایت اور مژدۂ رحمت ہے کہ اسکے اتباع سے گمراہی سے نجات ملتی ہے اور خدا کی رحمت اور عنایت حاصل ہوتی ہے مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس ہدایت اور رحمت سے محروم ہیں۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا

اور جب قرآن پڑھا جاوے تو اس طرف کان رکھو اور چپ رہو

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾

شاید تم پر رحم ہو۔

تعلیم ادب قرآن

قال اللہ تعالیٰ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں حق جل شانہ نے قرآن مجید کو بصیرت اور رحمت اور ہدایت فرمایا اب اس آیت میں اسکے ادب کی تعلیم دیتے ہیں کہ قرآن کا ادب اور اسکا حق یہ ہے کہ جب وہ پڑھا جائے تو تم ہمہ تن گوش بن جاؤ اور جب تک وہ پڑھا جائے اس وقت تک تم بالکل خاموش رہو تاکہ تم خدا کی رحمت اور عنایت کے مورد بن سکو۔ قرآن جو اللہ کا کلام ہے اسکا حق یہ ہے کہ کانوں سے اسکا استماع ہو اور زبان سے انصات یعنی خاموشی ہو تاکہ تم اسکی رحمت اور مہربانی کے مستحق بن سکو اس لیے کہ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ میں رحمت خاصہ کا وعدہ مستمعین اور منصتین کے لیے ہے نہ کہ منازعین اور مخالجین کے لیئے۔

(ربط دیگر) نیز شروع سورت میں اتباع قرآن کا حکم دیا تھا۔ کما قال تعالٰی اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ اب سورت کے ختم پر قرآن کریم کے ایک خاص ادب کی تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ ادب بھی منجملہ اتباع کے ہے کیونکہ اس آیت میں قرآن کا حق اور ادب استماع اور انصات بتلایا گیا ہے اور قرآن کا استماع اور انصات یہی قرآن کا اتباع ہے۔ کما قال تعالٰی فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۔ اے نبی کریمؐ جب ہم آپ کے سامنے بلاواسطہ یا بالواسطہ قرآن پڑھیں تو آپ اسکا اتباع کیجئے صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فاتبع قرآنہ کے معنی فاستمع لہ و انصت کے ہیں ابن عباسؓ کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں فاتبع سے سننا اور خاموش رہنا مراد ہے۔

شانِ نزول اس آیت کے شان نزول میں مختلف اقوال آئے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولاً تمام اقوال ذکر کردیئے جائیں تاکہ پوری حقیقت سامنے آجائے اور ترجیح اور تنقیح میں سہولت ہو۔

قولِ اوّل بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت نماز میں باتیں کرنے کے متعلق نازل ہوئی لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے اس پر سکوت اور خاموشی کا حکم ہوا کہ نماز میں امام کی قرارت سنو اور خاموش رہو باتیں نہ کرو۔ مگر یہ قول صحیح نہیں اس لیے کہ یہ آیت مکی ہے اور نماز میں کلام کرنے کا نسخ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا اور جس آیت سے نماز میں سلام و کلام منسوخ ہوا وہ یہ آیت ہے۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۔ جیسا کہ کتب حدیث و تفسیر میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

قول دوم بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعض مسلمان اثنار نماز میں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے اس کی ممانعت کے لیے یہ آیت نازل ہوئی مگر یہ قول بھی ضعیف ہے اور اس قول کا مآل قول اوّل ہی کی طرف ہے غرض یہ کہ شان نزول کے بارہ میں یہ دونوں قول نہایت ضعیف ہیں۔

قول سوم بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت جمعہ کے خطبہ کے بارہ میں نازل ہوئی لوگ اثنار خطبہ میں باتیں کیا کرتے تھے اس پر حکم ہوا کہ خاموش رہو باتیں نہ کرو (مگر) یہ قول بھی صحیح نہیں اس لیے کہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ مدینہ میں ہجرت کے بعد فرض ہوا کیونکہ سورۂ جمعہ بالاتفاق مدنی ہے۔ نیز خطبہ تو خطیب کا کلام ہے جب اسکا سننا اور اسکے لیے خاموش رہنا واجب ہوا تو کلامِ خداوندی کا سننا اور اس

کے لیے خاموش رہنا بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔

قول چہارم بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارہ میں نازل ہوئی کہ جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو کافر یہ کہتے تھے۔ لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ (یعنی اس قرآن کی طرف کان نہ لگاؤ اور اسکے پڑھنے کے وقت شور مچا دیا کرو شاید تم مسلمانوں پر غالب آجاؤ) تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں کفار قریش کو خطاب کیا گیا کہ اے قریش جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمہارے سامنے قرآن پڑھیں تو تم کان لگا کر اس قرآن کو سنو اور خاموش رہو اور شور نہ مچاؤ اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح شروع آیات میں کفار مخاطب ہیں اسی طرح مناسب ہے کہ آخر آیات میں بھی کفار ہی مخاطب ہوں اور لفظ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ بھی اس پر دال ہے اس لیے کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ شاید تم پر رحم کیا جائے اور یہ معنی کافروں کے مناسب ہیں اہل ایمان کے مناسب نہیں کیونکہ اہل ایمان تو پہلے ہی سے اہل ہدایت اور مورد رحمت بن چکے ہیں پس اس آیت کا تعلق اہل ایمان سے نہیں جیسا کہ اسکے سیاق و سباق سے ظاہر ہے۔

اور اس قول کو امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے جیسا کہ امام رازیؒ کی عادت ہے کہ اپنی تفسیر میں تمام صحیح اور سقیم اقوال ذکر کر دیتے ہیں تاکہ ایک مرتبہ تمام اقوال نظروں کے سامنے آجائیں قطع نظر اس امر سے کہ یہ قول صحیح ہے یا فاسد و کاسد ہے۔

اور یہ قول۔ بظاہر اگرچہ مناسب معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت یہ قول بدعت ظاہرہ ہے اجماع سلف کے سراسر خلاف ہے یہ قول صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ میں سے کسی سے منقول نہیں بلکہ انکے خلاف ہے جیسا کہ عنقریب ظاہر ہو جائے گا۔

قول پنجم جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی یعنی خاص مقتدی کے لیے یہ حکم نازل ہوا کہ مقتدی کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ امام کے پیچھے قرارت کرے بلکہ اس کے لیے استماع اور انصات یعنی سننا اور خاموش رہنا واجب اور ضروری ہے اور اسی کو امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اختیار کیا کہ یہ آیت قرارت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے آپؐ کے پیچھے نماز میں قرارت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ گزشتہ آیت میں حق جل شانہٗ نے یہ ارشاد فرمایا ھٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ وَھُدًی وَّ رَحْمَۃٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ یعنی یہ قرآن اہل ایمان کے لیے بصیرت اور ہدایت اور رحمت ہے اب اس آیت یعنی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ میں اہل ایمان کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اسکا ادب اور احترام یہ ہے کہ تم اس وقت بالکل خاموش رہو اور پوری توجہ کے ساتھ سنو تاکہ تم پر رحمت الٰہی کا نزول ہو ایسا نہ کرو جیسا کہ کفار قریش کرتے تھے کہ قرارت قرآن کے وقت شور مچاتے تھے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ

خاص کر نماز کی حالت میں مقتدی پر انصات (یعنی خاموش رہنا) فرض اور نہایت ضروری ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا و اذا قرأ فانصتوا۔ اور یہ حدیث مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے اور اسکے الفاظ یہ ہیں۔ اذا قمتم الی الصلاۃ فلیؤمکم احدکم و اذا قرأ الامام فانصتوا۔ (مسند احمد ص۴۱۵ ج ۴)

جز این نیست کہ امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اسکی اقتدار کی جائے پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب امام قراءت کرے تو تم بالکل خاموش رہو۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۰ ج ۲) (و تفسیر ابن جریر ص۱۱۲ ج ۹)

٭ ٭ ٭

٭ ٭ ٭

ابو موسیٰ اشعریؓ کی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد و اذا قرأ فانصتوا میں انصات کا حکم مقتدیوں ہی کو ہے اور حدیث میں جو انصتوا کا حکم آیا ہے وہ وہی حکم ہے جو قرآن کریم کے اس آیت میں آیا ہے۔ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا قرآن اور حدیث دونوں کے الفاظ ایک ہیں پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم بے شک بصیرت اور ہدایت ہے مگر اسکے دو طریقے ہیں اول یہ کہ تم خود اس قرآن کو پڑھو اور اسکے حقائق اور معانی میں غور و فکر کرو اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب اس قرآن کو کوئی دوسرا پڑھے تو تم اسکو کمال توجہ اور کمال ادب اور کمال احترام کے ساتھ خاموشی کے ساتھ سنو تا کہ تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ خاص کر نماز کی حالت میں جو کہ مناجات خداوندی کی حالت ہے اس وقت تو استماع اور انصات کا لزوم اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے پہلی آیت میں پہلے طریقہ کا ذکر تھا اور اس آیت یعنی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ میں دوسرے طریقہ کا ذکر ہے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی۔ (دیکھو[1] مغنی ابن قدامہ ص۶۰۵ ج ۱۔ اور فتاویٰ ابن تیمیہ ص۱۴۳ ج ۲) اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مغفل اور سعید بن

[1] قال ابن قدامه في المغني قال احمد اجمع الناس على ان هٰذه في الصلاة وقال احمدؒ في رواية ابي داؤد اجمع الناس على ان هذه الآية في الصلاة اهـ ص۶۰۵ ج ۱۔ اور حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ ص۱۴۳ ج ۲ میں لکھتے ہیں و قال تعالىٰ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ وقد استفاض عن السلف انها نزلت في القراءة في الصلاة وقال بعضهم في الخطبة و ذكر احمد بن حنبلؒ الاجماع على انها نزلت في ذلك و ذكر الاجماع على انه لا تجب القراءة على المأموم حال الجهر۔ انتهى۔

المسیب اور ابوالعالیہ اور زہری اور زید بن اسلم اور شعبی اور ابراہیم نخعی اور حسن بصری اور مجاہد اور ضحاک اور قتادہ اور سدی وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی تفصیل اور تخریج کے لیے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر درمنثور دیکھیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مسلمانو جب تمہارے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اسکو کان لگا کر پوری توجہ اور التفات سے سنو اور امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھو بالکل خاموش کھڑے رہو اور اپنے گوش سر اور گوش سِرّ یعنی گوش دل کو قرآن کے سننے کے لیے مخصوص کردو اور زبان سے خاموش رہو اس لیے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے امام کا کلام نہیں۔ امام تو محض قاری ہے یعنی کلام خداوندی کا پڑھنے والا ہے پس جب امام قرأت قرآن کرتا ہے تو درپردہ متکلم اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ امام بلا تشبیہ کے یوں سمجھو کہ نماز میں اللہ کا کلام۔ بجائے کوہ طور کے درخت کے امام کی زبان سے جلوہ افروز ہو رہا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کلامِ خداوندی جلوہ افروز ہو تو مجال دم زدنی نہیں کانوں سے سنو اور زبان سے خاموش رہو۔ کما قال تعالیٰ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ امید ہے کہ اس استماع اور انصات کی برکت سے تم پر اللہ کی خاص رحمت نازل ہوگی اور کلام خداوندی کے انوار و تجلیات کی وجہ سے تمکو ہدایت اور بصیرت بھی حاصل ہوگی اور نزغاتِ شیطانی سے بھی محفوظ رہوگے اور عقل اور فطرت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جب کلام خداوندی پڑھا جائے تو کوئی آواز اور سانس نہ نکلنے پائے کما قال تعالیٰ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔

من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرة	جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے خلاف فطرت کام کیا۔

(رواہ ابن ابی شیبۃ)

٭ ٭ ٭

کسی نے کیا خوب کہا۔

عجب است کہ بوجودت وجود من بماند ٭ تو بگفتن اندر آئی و مارا سخن بماند

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (سعدیؒ)

ہرچہ فرماید مطیع امر باش ٭ طوطیائے دیدہ کن از خاک باش

لہ یہ ترجمہ لام اختصاص کا ہے کیونکہ فاستمعوا لہ میں جو لہ آیا ہے وہ لام اختصاص کے لیے ہے یعنی اپنے استماع کو قرآن کے لیے ایسا مخصوص کردو کہ کسی دوسری جانب توجہ باقی نہ رہے منہ عفا عنہ

ؔ ؎ اس لفظ سے گزشتہ آیت وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ کی طرف اشارہ ہے تاکہ ماقبل سے مزید ربط ظاہر ہو جائے۔

او چہ می گوید سخن تو گوش باش ٭ تا بگوید او، مگو خاموش باش

استماع اور انصات میں فرق

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مقتدی کو دو حکم دیئے ہیں ایک استماع کا دوسرا انصات کا اس لیے ضروری ہے کہ استماع اور انصات کے فرق کو واضح کیا جائے تاکہ آیت کا صحیح مفہوم اور مدلول معلوم ہو سکے سو جاننا چاہیے کہ کلام عرب میں مطلق سُننے کو سماع کہتے ہیں خواہ وہ بالقصد والارادہ ہو یا بلا قصد اور بلا ارادہ کے ہو۔

استماع اور استماع اس سننے اور کان لگانے کو کہتے ہیں کہ جو بالقصد والارادہ ہو اور پوری توجہ کے ساتھ ہو اور جب استماع کا صلہ لام لایا جائے تو فائدہ اختصاص کا دیتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی (اے موسیٰ علیہ السلام اس وحی کو پوری توجہ کے ساتھ سنو جو تمہاری طرف بھیجی جارہی ہے) اور لما یوحیٰ میں جو لام اختصاص لایا گیا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اپنی توجہ اور التفات کو ہماری وحی اور ہمارے کلام کے سننے کے لیے مخصوص کردو کہ جب تک وحی کا نزول ہوتا رہے اُس وقت تک توجہ اور التفات کسی دوسری جانب مبذول نہ ہو۔

اسی طرح وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ۔ کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تک امام کلام خداوندی کی قراءت کرتا رہے تو مقتدی کو چاہیئے کہ پوری توجہ اور التفات کے ساتھ کلام خداوندی کو سُنے اور اپنی توجہ اور التفات کو قرآن کے سُننے کے لیے مخصوص کر دے۔

انصات اور انصات کے معنی سکوت اور خاموشی کے ہیں مگر انصات کے معنی مطلق سکوت اور خاموشی کے نہیں بلکہ کسی متکلم کے ادب اور احترام کی بنا پر خاموش رہنے کا نام انصات ہے خواہ وہ کلام سنائی دے یا نہ دے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی خلوت اور تنہائی میں خاموش بیٹھا ہے تو لغت میں اسکو سکوت اور صموت کہیں گے مگر انصات نہ کہیں گے۔ انصات لغت میں اس سکوت اور خاموشی کو کہتے ہیں کہ جو کسی متکلم کے کلام کے ادب اور احترام میں خاموشی اختیار کی جائے عام اس سے کہ متکلم کا کلام سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اقیموا الصفوف وحاذوا بالمناکب وانصتوا فان اجر المنصت الذی لایسمع کاجر المنصت الذی یسمع رواہ عبد الرزاق فی سلا۔

(فیض القدیر للمناوی ص ۶۵ ج ۲۔ والسراج المنیر ص ۲۶۶ ج ۱)

یعنی صفوں کو سیدھا کرو اور مونڈھوں کو برابر رکھو اور نماز میں خاموش رہو اگرچہ تم کو امام کی قراءت سنائی نہ دے اس لیے کہ جو منصت (خاموش) امام کی قراءت کو نہیں سنتا اس کا اجر اُس منصت (خاموش) کے برابر ہے کہ جو امام کی قراءت سُن رہا ہے) اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ انصات کے معنی مطلق

خاموش رہنے کے ہیں کہ خواہ امام کی قرارت سنائی دے یا نہ سنائی دے اس لیے فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ استماع خاص ہے اور انصات عام ہے اور اس آیت میں بوقت قرارت امام مقتدی کے لیے دو حکم مذکور ہیں ایک استماع کا یہ حکم جہری نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور دوسرا حکم انصات کا ہے جو جہری اور سری دونوں کو شامل ہے اور انصتوا کا مطلب یہ ہے کہ جب امام قرارت کرے تو خاموش کھڑے رہو خواہ امام کی قرارت سنائی دے یا نہ دے دونوں صورتوں میں انصات کا اجر برابر ہے اور بہر صورت انصات واجب ہے قرآن اور حدیث دونوں میں انصات کا حکم آیا ہے۔

اس لیے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی نہ جہری نماز میں قرارت کرے اور نہ سری نماز میں قرارت کرے فاستمعوا کا حکم جہری نماز سے متعلق ہے اور انصتوا کا حکم جہری اور سری دونوں نمازوں سے متعلق ہے (دیکھو احکام القرآن للجصاصؒ ص ۳۹ ج ۳)

جیسا کہ احادیث میں خطبہ کے لیے انصات کا حکم آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب خطیب خطبہ دے رہا ہو تو اس وقت انصات (خاموشی) چاہیئے خواہ خطیب کی آواز سنائی دیتی ہو یا نہ دیتی ہو تمام ائمہ مجتہدینؒ کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص خطیب کا خطبہ نہ سن رہا ہو اور خطیب سے دور ہو تو اس پر بھی انصات (خاموش) رہنا واجب یا مستحب ہے اور ہر قسم کا کلام حالت خطبہ میں ممنوع ہے معلوم ہوا کہ لفظ انصات۔ مسموع کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مسموع اور غیر مسموع دونوں کو عام ہے۔ غرض یہ کہ لفظ انصات باعتبار لغت کے جہر اور سر دونوں کو شامل ہے۔

حق جل شانہٗ نے آیت میں اول خاص جہری نماز کا حکم ذکر فرمایا فاستمعوا یعنی جب امام قرارت کرے تو سنو۔ اور اسکے بعد حکم عام ذکر فرمایا یعنی انصتوا فرمایا یعنی قرارتِ امام کے وقت خاموش رہو اور حکم عام ہے جو جہری اور سری دونوں کو شامل ہے تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خطبہ کی حالت میں سامعین اور حاضرین کو آہستہ آہستہ ذکر و تسبیح کی بھی اجازت نہیں اگرچہ حاضرین خطبہ کی آواز نہ سن رہے ہوں۔ پس جبکہ خطبہ کی حالت میں سراً کلام ممنوع ہے تو نماز میں سراً قرارت بدرجۂ اولےٰ ممنوع ہوگی معلوم ہوا کہ لفظ انصات عام ہے جہری اور سری دونوں کو شامل ہے۔

اور مالکیہؒ اور حنابلہؒ یہ کہتے ہیں کہ استماع اور انصات دونوں کے ایک معنی ہیں اور جملۂ ثانیہ یعنی وانصتوا جملہ اولےٰ یعنی فاستمعوا کی تاکید ہے اور استماع اور انصات کا حکم جہری نمازوں کے ساتھ مخصوص ہے استماع کے معنی سننے کے ہیں اور انصات کے معنی سکوت مع الاستماع کے ہیں اور استماع اور انصات کا مآل ایک ہے اور دونوں حکم جہری نماز کے ساتھ مخصوص ہیں۔ فقہاء حنفیہؒ کہتے ہیں کہ فاستمعوا کا حکم جہری نماز کے ساتھ مخصوص ہے اور انصتوا کا حکم جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ پس جب استماع اور انصات کے معنی الگ الگ ہوئے تو جملۂ وانصتوا تاسیس (یعنی جدید معنی کے لیے) ہوا اور تمام ائمۂ بلاغت کا اس پر اجماع ہے کہ تاسیس تاکید سے بہتر ہے اور تاسیس کو چھوڑ کر تاکید کو اختیار کرنا بالاجماع

مکروہ ہے۔
اور اسی وجہ سے کہ لفظ انصات بہ نسبت لفظ استماع کے عام ہے اور جہریہ اور سریہ دونوں کو شامل ہے سو جن احادیث میں مقتدی کے احکام بیان کیے گئے ہیں ان احادیث میں اذا قرأ فانصتوا۔ کا لفظ آیا ہے اور اذا قرأ فاستمعوا کا لفظ نہیں آیا تاکہ واذا قرأ فانصتوا کا حکم جہریہ اور سریہ دونوں نمازوں کو شامل ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ مقتدی پر ہر حال میں انصات یعنی خاموش رہنا واجب ہے خواہ امام کی قرارت اسکو سنائی دے یا نہ سنائی دے۔
بحمدہ تعالیٰ ہمارے اس بیان سے استماع اور انصات کا فرق خوب واضح ہوگیا۔
شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں الانصات باللسان والاستماع بالاذنین۔ (تفسیر درمنثور ص۱۵۶ ج ۳) مطلب یہ ہے کہ انصات کا تعلق زبان سے ہے اور استماع کا تعلق کانوں سے ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو کانوں سے سنو اور زبان سے خاموش رہو خواہ امام کی آواز تمہیں سنائی دے یا نہ سنائی دے قال تعالیٰ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا۔ اس آیت میں انصتوا کے معنی یہ ہیں کہ جب قرآن پڑھا جائے تو بالکل خاموش رہو اور کوئی حرف زبان سے نہ نکالو اس لیے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جہری اور سری دونوں نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قرارت ممنوع ہے اس لیے کہ سورۂ اعراف کی اس آیت سے واضح ہوگیا کہ مقتدی پر استماع اور انصات واجب اور لازم ہے اور اسکے خلاف ممنوع ہے اس لیے کہ امر بالشئی نہی عن ضدہ کو مقتضی ہے پس جب بحکم خداوندی مقتدی پر استماع اور انصات واجب ہوگیا تو لامحالہ مقتدی کے لیے امام کے پیچھے قرارت کرنا مطلقاً ممنوع اور منہی عنہ ہوگا۔ اور تاآخر یہ حکم قائم رہا اور اسکے بعد کوئی آیت اسکی ناسخ نازل نہیں ہوئی اور ذخیرۂ حدیث میں ایک حدیث بھی ایسی موجود نہیں کہ جس میں صراحتہً آپؐ نے مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم دیا ہو (بلکہ) جن لوگوں نے آپؐ کے پیچھے قرارت کی آپؐ نے ان سے بازپرس کی اور بطور عتاب یہ فرمایا۔ انی اراکم تقرؤن وراء امامکم اور ایک روایت میں ہے ھل تقرؤن وراء امامکم۔ اور ایک روایت میں ہے لعلکم تقرؤن ان سب کا مطلب یہ ہے کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے قرارت کرتے ہو جو منصب اقتدار کے منافی ہے مقتدی کا فرض تو یہ ہے کہ امام کی قرارت سنے اور خاموش رہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا ھل قرأ معی منکم احد آنفا کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ کچھ پڑھا ہے ساری جماعت میں سے صرف ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ میں نے پڑھا ہے آپ نے فرمایا مالی انازع القرآن میں بھی تو کہتا ہوں کہ میرے ساتھ نماز میں قرارت قرآن کے بارہ میں منازعت کی جاتی ہے اور منازعت کے معنی کشمکش اور جھگڑے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ نماز میں قرارت قرآن تو حق امام کا ہے۔ تم میرے پیچھے قرارت کر کے میرے

اس حق کو چھیننا چاہتے ہو لہٰذا مقتدی کو چاہیئے کہ قرارت خلف الامام کر کے امام کے ساتھ منازعت نہ کرے ابوہریرہؓ یا زہریؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے اس خطاب سراپا عتاب کے سننے کے بعد جہری نمازوں میں قرارت کرنے سے سب لوگ باز آ گئے فانتھی الناس عن القراءة فیما جھر فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالقراءة حین سمعوا ذلک من الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو جہری نماز کا واقعہ ہوا۔ کہ لوگ جہری نماز میں قرارت خلف الامام سے باز آ گئے۔

اسی طرح کا واقعہ ظہر کی نماز میں پیش آیا جو سری نماز ہے کہ ایک شخص نے ظہر کی نماز میں آپؐ کے پیچھے قرارت کی تو آپؐ نے نماز سے فارغ ہو کر بطور عتاب فرمایا۔ ایکم خالجنیھا کس نے مجھ کو خلجان میں ڈالدیا اور ایک روایت میں ہے لقد ظننت ان بعضکم خالجنیھا اس وجہ سے اس حدیث کو حدیث مخالجت کہتے ہیں جیسا کہ پہلی حدیث کو حدیث منازعت کہتے ہیں اور دونوں لفظوں سے مقتدی کو قرارت سے ممانعت مقصود ہے حدیث منازعت فجر کی نماز کا واقعہ ہے۔ اور حدیث مخالجت ظہر کی نماز کا واقعہ ہے معلوم ہوا کہ جہری اور سری دونوں ہی نمازوں میں مقتدی کے لیے قرارت خلف الامام ممنوع ہے۔

پس جن لوگوں نے آپ کے پیچھے جہری یا سری کسی نماز میں قرارت کی آپؐ نے اس قرارت کو منازعت اور مخالجت قرار دیا جو کراہت اور ممانعت کی صریح دلیل ہے پس ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ کسی مقتدی کی قرارت خلف الامام آپؐ کے حکم اور آپؐ کی اجازت سے ہرگز نہ تھی اور نہ آپ کو اس کی خبر تھی ورنہ آپؐ باز پرس نہ فرماتے اور مقتدی کے پڑھنے کو آپ منازعت اور مخالجت نہ قرار دیتے یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ نے آپؐ کی اس باز پرس کو نہی اور ممانعت سمجھا اسی بنا پر ابوہریرہؓ یا زہریؒ یہ فرماتے ہیں فانتھی الناس عن القراءة فیما جھر فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لیے کہ لفظ انتہاء (بمعنی باز آجانا) اسی موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں پہلے نہی اور ممانعت آچکی ہو جیسے خمر اور میسر کے بارہ میں فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ۔ کا لفظ آیا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ ماقبل کا کلام نہی اور ممانعت کے لیے تھا اس وجہ سے اس آیت کریمہ کو سن کر حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ انتھینا انتھینا ہم باز آ گئے آئندہ کبھی شراب نہ پئیں گے۔ اسی طرح فانتھی الناس عن القرأت کے معنی یہ ہوں گے کہ آپؐ کے اس خطاب سراپا عتاب کے بعد تمام صحابہؓ قرارت خلف الامام سے باز آ گئے اور آئندہ کے لیے عہد کر لیا کہ اب کبھی قرارت خلف الامام نہیں کریں گے۔

ذکر مذاہب فقہاء کرام دربارۂ قرارت خلف الامام

بحمدہٖ تعالیٰ سورۂ اعراف کی اس آیت سے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک خوب واضح ہو گیا کہ مقتدی کو امام کے

پیچھے جہری اور سری دونوں نمازوں میں قرات کرنا ممنوع ہے اور بقدر ضرورت اجمالاً ان احادیث کو بھی ذکر کر دیا گیا جن سے مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں دیگر ائمہ مجتہدین کے مذاہب بھی ذکر کر دیئے جائیں تاکہ مسئلہ کے تمام اطراف وجوانب اجمالی طور پر نظروں کے سامنے آجائیں۔ فاقول و باللہ التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق

مذہب امام شافعیؒ

امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں میں مقتدی پر امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض اور واجب ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یعنی جس نے نماز میں فاتحہ نہیں پڑھی اسکی نماز نہیں ہوئی اور اسی کو امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح میں اختیار فرمایا اور اس بارہ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جو جزء القراءۃ خلف الامام کے نام سے مشہور ہے۔

امام مالکؒ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب

امام مالکؒ اور امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ جہری نماز میں مقتدی کو امام کے پیچھے قرات کرنا قطعاً ممنوع ہے البتہ سری نماز میں قرات خلف الامام جائز یا مستحب ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول قدیم ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ جہری نماز میں قرات خلف الامام کے متعلق امام احمدؒ کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ جہری نماز میں قرات خلف الامام حرام ہے اور اس سے مقتدی کی نماز بھی باطل ہو جاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جہری نماز میں مقتدی کے لیے قرات خلف الامام ناجائز تو ہے مگر اس سے مقتدی کی نماز باطل نہیں ہوتی اور امام احمدؒ کا یہی قول مذہب حنبلی میں زیادہ مشہور ہے۔ (دیکھو فتاویٰ ابن تیمیہ[1] ص ۱۴۷ ج ۲) خاص کر حضرات غیر مقلدین ضرور دیکھیں۔

بعد ازاں حافظ ابن تیمیہؒ نے اس پر طویل کلام فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت اعراف اور احادیث نبویہ سے یہ ثابت ہے کہ جہری نماز میں مقتدی پر استماع اور انصات واجب ہے اور مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنا قطعاً ممنوع ہے پھر آخر میں فرماتے ہیں۔

وایضا فالمقصود بالجهر استماع ۔۔۔ جہری نماز میں جہراً قرات سے مقصود یہ

---

[1] اصل عبارت یہ ہے۔ والقرأۃ اذا سمع قرأۃ الامام ھل ھی محرمۃ او مکروھۃ و ھل تبطل الصلاۃ اذا قرأ علی قولین فی مذھب احمد وغیرہ (احدھما) ان القراءۃ حینئذٍ محرمۃ و اذا قرأ بطلت صلاتہ و ھذا احد الوجھین فی مذھب احمد (والثانی) ان الصلاۃ لا یبطل و ھذا قول الاکثرین و ھذا ھو المشھور من مذھب احمدؒ (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۴۷ ج ۲)

المأمومين و لهذا يؤمنون على قراءة الامام فى الجهر دون السر فاذا كانوا مشغولين عنه بالقراءة فقد امران يقرأ على قوم لا يستمعون لقراءته وهو بمنزلة من يحدث من لا يستمع لحديث و يخطب من لا يستمع لخطبته و هذا سفه تنزه عنه الشريعة و لهذا روى فى الحديث مثل الذى يتكلم والامام يخطب كمثل الحمار يحمل اسفارا فهكذا اذا كان يقرأ والامام يقرأ عليه (فتاوی ابن تیمیہ ص ۱۴۷ ج ۲)

ہے کہ مقتدی۔ امام کی قرارت کو سنیں اس وجہ سے مقتدی جہری نماز میں امام کے فاتحہ ختم ہونے پر آمین کہتے ہیں۔ سری نماز میں آمین نہیں کہتے۔ پس اگر مقتدی جہری نماز میں امام کی قرارت کو نہ سنیں بلکہ اپنی قرارت میں مشغول رہیں تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ نے جہری نماز میں ایسی قوم کے سامنے امام کو جہراً قرارت کا حکم دیا ہے جو اللہ کے کلام کو سننا نہیں چاہتے (اور بجائے اللہ کا کلام سننے کے اپنی قرارت میں مشغول ہیں) یہ تو بعینہ ایسا ہے کہ کوئی شخص ایسی قوم سے باتیں کرتا ہے جو اسکی بات کی طرف کان نہیں لگاتے یا کوئی شخص ایسے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھتا ہے جو اسکے خطبہ کی طرف کان لگانا نہیں چاہتے یہ تو سراسر سفاہت اور نادانی ہے جس سے شریعت منزہ ہے اور اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ اس شخص کی مثال جو کہ خطبہ کی حالت میں کلام کرتا ہو خطیب تو خطبہ دے رہا ہو اور یہ شخص اپنی باتوں میں مشغول ہو گدھے کی سی مثال ہے جو اپنی اوپر کتابوں کو لادے ہوئے ہے یہی مثال ہے اس شخص کی جو اپنے پڑھنے میں مشغول ہو درانحالیکہ امام جہراً اسکے سامنے قرارت کر رہا ہو (حافظ ابن تیمیہ کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا۔)

حاصل کلام یہ کہ اگر جہری نماز میں مقتدی امام کی قرارت کو نہ سنے اور خود اپنی قرارت میں مشغول رہے تو آخر اسکو یہ سوچنا چاہیئے کہ امام جو جہراً قرارت کر رہا ہے وہ کس کے سنانے کے لیے کر رہا ہے اور کیا معاذ اللہ خدا تعالیٰ نے ایسی قوم کے سامنے جہر کا حکم دیا ہے جو اسکا کلام سننا نہیں چاہتی۔

مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں کا حکم یکساں ہے مقتدی کے لیے کسی نماز میں بھی قرارت جائز نہیں امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے جو جہری اور سری نمازوں کے حکم میں تفریق کی وہ ان کا اجتہاد ہے باقی آیت قرآنیہ یعنی وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا۔ جہریہ اور سریہ دونوں کو شامل ہے جیسا کہ واضح ہو چکا ہے اور علیٰ ہذا احادیث میں بھی قرآن کی طرح ہی سب جگہ استماع اور انصات کا

عام حکم آیا ہے ارشاد نبوی میں کسی جگہ جہری اور سری کا فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ فرق واقعہ کا ہے کسی جگہ مقتدی کے پڑھنے کا واقعہ فجر کی نماز میں پیش آیا اور کسی جگہ ظہر میں پیش آیا اور سب جگہ آپؐ نے مقتدی کی قرارت پر باز پرس کی اور ناگواری کا اظہار فرمایا۔ کسی جگہ ناگواری کا اظہار منازعت کے لفظ سے فرمایا اور کسی جگہ مخالجت کے لفظ سے فرمایا ہر جگہ مطلقاً مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا ناگواری اور باز پرس کا سبب بنا جہر اور سر کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

اور اسی طرح کا ایک واقعہ عصر کی نماز میں پیش آیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے آپؐ کے پیچھے قرارت کی ایک شخص نے جو اس کے پاس تھا اس کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ جب وہ نماز پڑھ چکا تو اس نے کہا کہ تو نے مجھے کیوں ٹوکا تھا۔ اور مجھ کو اشارہ سے کیوں منع کیا تھا تو اس ٹوکنے اور روکنے والے نے پیچھے پڑھنے والے سے کہا۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم قدامك فكرهت ان تقرأ خلفه فسمعه النبي صلى الله عليه وسلم قال من كان له امام فان قراته له قرأة يعنی اس منع کرنے والے نے کہا۔

جبکہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم تیرے سامنے اور آگے امامت فرما رہے تھے پس میں نے مکروہ جانا کہ تو آنحضرت کے پیچھے کچھ پڑھے بس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکی یہ گفتگو سن لی یہ سن کر یہ فرمایا جس کے لیے امام ہو پس تحقیق امام کی قرارۃ اسکی قرارۃ ہے۔ (دیکھو موطا امام محمدؒ صـ ۹۸ وکتاب الآثار للامام محمدؒ)

مطلب یہ ہے کہ امام کی قرارت مقتدی کے لیے کافی ہے مقتدی کو علیحدہ قرارت کی ضرورت نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ۔ یعنی قرآن اللہ کی کتاب ہدایت کے لیے کافی ہے اسکے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

پس اس حدیث میں امام کے پیچھے پڑھنے کی کراہت اور ناگواری اور ناپسندیدگی کو آپؐ نے بعنوان کفایت ذکر فرمایا اور جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھنے والے کو منع کیا تھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق اور تائید فرمائی اور یہ واقعہ عصر کا ہے یعنی سری نماز کا ہے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مطلقاً مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا ناگوار اور ناپسند تھا۔

الغرض یہ واقعہ کبھی فجر کی نماز میں پیش آیا اور کبھی ظہر اور عصر میں پیش آیا اور ہر جگہ اور ہر موقعہ پر آپؐ نے کراہت اور ناگواری کا اظہار فرمایا اس لیے امام ابو حنیفہؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نہ جہری نماز میں قرارت خلف الامام ہے اور نہ سری میں۔

یہ جابر بن عبداللہؓ کی حدیث کا مضمون تھا جو بلاشبہ صحیح ہے اور اسی کے ہم معنی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ما اری الامام اذا قرأ الا کان کافیاً (رواہ الطبرانی و اسنادہ حسن) میں نہیں جانتا کہ جب امام قرارت کرے مگر یہ کہ وہ مقتدی کے لیے کافی اور وافی ہے۔

مذہب خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم

امام عبدالرزاق ؒ نے اپنی مصنف میں امام المغازی موسیٰ بن عقبہ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق ؓ اور عمر فاروق ؓ اور عثمان غنی ؓ امام کے پیچھے قرارت کرنے سے منع کیا کرتے تھے (عمدۃ القاری) حافظ عینی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ مرسل صحیح ہے اور عبدالرزاق ؒ کا سماع موسیٰ بن عقبہ ؒ سے ممکن ہے۔

فاروق اعظم ؓ کا ارشادِ گرامی

امام محمد ابن الحسن ؒ مؤطا صفحہ ۹۸ میں فرماتے ہیں۔ ان عمر بن الخطاب قال لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجرا۔

فاروق اعظم ؓ کا یہ ارشاد ہے کہ کاش اس شخص کے منہ میں پتھر ہوں جو امام کے پیچھے قرارت کرے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشادِ گرامی

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرۃ جس نے امام کے پیچھے قرارت کی وہ فطرت سے چوک گیا۔ یعنی قرارۃ خلف الامام خلاف فطرت فعل ہے۔

اب ہم اس بیان کو ختم کرتے ہیں۔ ہم نے صرف تحقیق پر اکتفا کیا اور روایات کی جرح و تعدیل سے کنارہ کشی کی اس لیے کہ اسکا محل کتب حدیث و فقہ ہیں۔ امید ہے کہ تشفی قلب کے لیے یہ تحریر کافی ہوگی۔

لطائف و معارف

امام نسائی ؒ نے اپنی سُنن میں اس عنوان سے ایک ترجمہ قائم کیا تاویل قولہ عزوجل وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ اخبرنا الجارود۔الی۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذاکبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا و اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا لک الحمد۔ امام نسائی کا عنوان باب میں آیت قرآنی کو نقل کرکے اسکے تحت اس حدیث کو ذکر کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث سے مقتدی ہی کا حکم بیان کرنا ہے اور حدیث کا آغاز ہی انما جعل الامام

لیثوتمہ بہ سے ہوا ہے معلوم ہوا کہ آیت قرانی وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا۔ سے مقتدی کا حکم بیان کرنا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر مطلقاً استماع اور انصات واجب اور لازم ہے مقتدی کو امام کے پیچھے اپنی قرارت جائز نہیں۔ اور یہ حکم عام ہے سورت کے ساتھ مقید نہیں۔

نکتہ آیت اعراف اور حدیث انصات میں ایک لطیف فرق ہے وہ یہ ہے کہ حدیث انصات میں مقصود فقط امامت اور اقتدار کے حکم کو بتلانا ہے۔ اور آیت اعراف میں اصل مقصود قرارت قرآن کے حکم کو بتلانا ہے اس لیے آیت اعراف میں دو حکم ذکر فرمائے ایک استماع کا اور ایک انصات کا اس لیے کہ قرارتِ قرآن کبھی جہراً ہوتی ہے اور کبھی سراً اس لیے جہری قرارت کے متعلق استماع کا حکم دیا گیا اور سری قرارت کے متعلق انصات کا حکم دیا گیا کہ اگر امام جہراً قرارت کر رہا ہو اور تم اسکی قرارت کو سُن رہے ہو تو اس وقت تو تمہارے لیے حکم یہ ہے کہ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ۔ یعنی امام کی قرارت کو پوری توجہ اور التفات سے سنو اور اگر امام سراً قرارت کر رہا ہو اور تمہیں اسکی قرارت سنائی نہ دے رہی ہو تو اس وقت تمہارے لیے اَنْصِتُوْا کا حکم ہے یعنی خاموش رہو غرض یہ کہ آیت میں قرارت قرآن کا حکم بیان کرنا مقصود ہے اس لیے اسکے متعلق دو حکم بیان فرمائے جہاں امام کی قرارت کا علم ہو وہاں حکم استماع کا ہے اور جہاں امام کی قرارت کا علم نہ ہو وہاں حکم انصات کا ہے۔

اور حدیث مذکور میں اصل مقصود امام اور مقتدی کا حکم بیان کرنا ہے اس لیے مقتدی کے متعلق صرف ایک حکم انصات یعنی سکوت کا ذکر فرمایا کہ مقتدی پر مقتدی ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں انصات یعنی سکوت واجب ہے اور اس میں امام کے جہر یا عدم جہر کو اور مقتدی کے استماع یا عدم استماع کو کوئی دخل نہیں اس لیے حدیث میں صرف ایک حکم یعنی انصات وسکوت پر اکتفا فرمایا استماع کا حکم ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ حدیث میں مقصود قرارت کا حکم بیان کرنا نہیں بلکہ فقط مقتدی کا فریضہ بتلانا مقصود ہے کہ مقتدی کا فرض یہ ہے کہ امام کے پیچھے بالکل خاموش کھڑا رہے اسی بنا پر جس قدر حدیثیں اقتدار کے احکام کے بارہ میں آئی ہیں۔ سب جگہ صرف فانصتوا ہی کا لفظ آیا ہے جو جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ اور ابتدا مشروعیتِ امامت سے لیکر وفاتِ نبوی تک کسی وقت بھی مقتدی پر قرارت فرض نہیں ہوئی بلکہ سنت یہ رہی کہ امام قرارت کرتا اور مقتدی سنتے اور خاموش رہتے۔ لیلۃ الاسراء میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب مسجد اقصٰی پہنچے تو حضرات انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین علیہم السلام آپؐ کی انتظار میں مسجد اقصٰی میں جمع تھے جبریل ؑ کے حکم سے آپ امامت کے لیے آگے بڑھے آپ نے امامت فرمائی اور قرارت قرآن کی اور انبیاء کرامؑ اور ملائکہ عظامؑ نے آپؐ کی اقتدار کی۔ سب نے آپ کی قرارت کو سُنا کسی ایک نبی یا فرشتہ نے آپکے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ شبِ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں اسکے بعد سے امامت اور اقتدار کے سلسلہ کا آغاز ہوا۔ ہمیشہ یہی طریقہ رہا کہ امام پڑھتا اور مقتدی سنتے یہاں تک کہ جب بعض لوگوں نے اتفاقاً محض اپنی رائے سے آپؐ کے پیچھے قرارت کر ڈالی تو اس پر سورۃ اعراف کی یہ آیت وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا

نازل ہوئی جس سے مقصود ہی قرات خلف الامام کی ممانعت تھی کہ مقتدی پر استماع اور انصات واجب ہے مقتدی کے لیے امام کے پیچھے قرات کرنا ہرگز جائز نہیں اکابر صحابہؓ میں سے کسی نے بھی آپ کے پیچھے کبھی قرات نہیں کی لیکن بعض غیر معروف اشخاص نے نہ معلوم کس بنا پر آپ کے پیچھے فاتحہ یا سورۃ کی قرات کی تو آپؐ نے نماز سے فارغ ہو کر ان سے باز پرس کی اور یہ فرمایا لعلکم تقرؤن خلف امامکم معلوم ہوا کہ یہ قرات نہ آپؐ کی اجازت اور حکم سے تھی اور نہ آپ کو اس کی خبر تھی اور قرات خلف الامام پر تنبیہ کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ جس میں مطلقاً قرات قرآن کے وقت استماع اور انصات کا حکم دیا گیا اور اس حکم کو مقید بسورت نہیں فرمایا۔ اور علیٰ ہذا مرض الوفات میں اسی طرح پیش آیا کہ آپؐ کے حکم سے ابوبکرؓ مسجد نبوی میں امامت کر رہے تھے اور صبح کی نماز پڑھا رہے تھے تو آنحضرتؐ نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی تو مسجد میں تشریف لے آئے۔ صدیق اکبرؓ پیچھے ہٹ گئے اور آنحضرتؐ امام ہو گئے (مسند احمد ص ۲۳۲ ج ۱) اور سنن دار قطنی ص ۱۵۳ میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سے قرات شروع کی جہاں ابوبکرؓ صدیق پہنچ چکے تھے اور ابوبکر صدیقؓ اس وقت سورت پڑھ رہے تھے۔

پس آنحضرتؐ نے اس اپنی آخری نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اور جتنی مقدار قرات اور سورۂ فاتحہ آپؐ سے اس نماز میں رہ گئی تھی آپؐ نے اس کا اعادہ نہیں فرمایا جس کی وجہ سوائے اسکے کچھ نہیں ہو سکتی کہ ابوبکر صدیقؓ اس نماز میں ابتدا سے امام تھے اور وہ سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تھے۔ انکی قرات سب کے لیے کافی ہو گئی۔

جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے من کان له امام فقراءة الامام له قراءة یعنی امام کی قرات حکماً مقتدی کی قرات ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں قرات کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی اور ایک حکمی۔ نماز میں امام کی قرات حقیقی ہے اور مقتدی کی قرات حکمی ہے۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب بالفرض اگر عام ہے اور امام اور مقتدی دونوں کو شامل ہے تو اس حدیث میں قرات فاتحہ بھی عام ہے خواہ حقیقۃً ہو یا حکماً پس جو مقتدی بحکم خداوندی امام کے پیچھے استماع اور انصات میں مشغول ہے وہی مقتدی حسب ارشاد نبوی حکماً قرات بھی کر رہا ہے من کان له امام فقراءة الامام له قراءة اور یہ مقتدی بحالت استماع وانصات۔ امام کے پیچھے فاتحۃ الکتاب کی بھی قرات کر رہا ہے اور اس کی یہ حکمی قرات زیر پردۂ استماع وانصات مستور ہے اور اسی طرح مقتدی بیک وقت حکم خداوندی استماع وانصات اور لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب پر عمل کر رہا ہے اور جو شخص امام کے پیچھے قرات کر رہا ہے وہ حکم خداوندی استماع وانصات کے بھی خلاف کر رہا ہے اور جس منازعت اور مخالجت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اسکا مرتکب ہو رہا ہے قرات خلف الامام

کرنے والا بیک وقت خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کر رہا ہے خوب سمجھ لو کہ وہ بجائے استماع و انصات کے امام کی منازعت اور مخالجت میں مشغول ہے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اگر آپ نے کسی وقت مقتدی کو قرارت کا حکم دیا ہوتا تو آپ کبھی بھی بازپرس نہ فرماتے۔

نکتۂ دیگر نماز میں قرارت قرآن سے مقصود یا تو احکام خداوندی کا سننا ہے یا مناجات خداوندی مقصود ہے اگر اول مقصود ہے تو امام حق تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ ہے کہ وہ احکام خداوندی کو پہنچاوے اور اگر مقصود مناجات اور استدعار نیاز ہے تو امام قوم کی طرف سے وکیل ہے کہ سب مقتدیوں کی طرف سے بارگاہ خداوندی میں استدعار نیاز پیش کر رہا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ خلافت اور وکالت کا فریضہ ایک ہی شخص ادا کر سکتا ہے اس لیے قرارت کا فریضہ ایک امام ہی ادا کرے گا اور مقتدی اسکی قرارت پر آمین کہیں گے باقی رہی آداب عبودیت سو وہ سب پر لازم ہونگے۔ مثلاً رکوع اور سجود اور تسبیح و تحمید یہ سب بارگاہِ خداوندی اور عبادت کے آداب ہیں یہ سب کو بجا لانے ہونگے اس میں وکالت اور نیابت جاری نہیں ہو سکتی اس لیے کہ ان آداب سے مقصود تعظیم خداوندی ہے اور تعظیم خداوندی سب پر لازم ہے سورۂ فاتحہ جو کہ ایک عریضۂ نیاز ہے جو صراط مستقیم کی ہدایت کے استدعار پر مشتمل ہے اور عرض مطلب میں تو توکیل جاری ہو سکتی ہے کیونکہ عریضہ نیاز سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مقصود اور مراد مخاطب کے سامنے پیش کر دیا جائے اور ایک جماعت کی طرف سے عرض مدعا کے لیے ایک شخص کافی ہے اور وہ امام ہے۔

نکتۂ دیگر نصوص شریعت میں غور و فکر سے یہ نظر آتا ہے کہ نماز جماعت درحقیقت ایک ہی نماز ہے جس کے ساتھ امام موصوف بالذات ہے اور مقتدی موصوف بالعرض ہیں جیسا کہ حدیث الامام ضامن اس پر شاہد ہے کہ امام کی نماز مقتدیوں کی نمازوں کو متضمن اور شامل ہے اسی وجہ سے اگر امام کی نماز فاسد ہو جائے تو مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور مقتدی کی نماز کے فاسد ہو جانے سے امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے رکوع و سجود میں مقتدیوں کے لیے امام سے تقدیم و تاخیر ممنوع ہے یہ تمام احکام اس امر کے شاہد ہیں کہ اصل مصلی امام ہے اور مقتدی۔ امام سے مستفیض اور مستفید ہیں۔ اصل عبادت یعنی نماز ایک ہے جسکے ساتھ امام موصوف بالذات ہے اور مقتدی موصوف بالعرض ہیں۔

اور قرآن اور احادیث میں جماعت کی نماز کو ایک ہی نماز قرار دیا گیا ہے۔ کما قال تعالےٰ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى اور حدیث میں ہے۔ اذا اتیتم الصلاۃ فلا تاتوھا و انتم تسعون۔ سب جگہ لفظ صلاۃ مفرد لایا گیا ہے معلوم ہوا کہ صلاۃ جماعت واحد ہے اور مقتدی اس شئ واحد پر حاضر ہونے والے ہیں۔

پس اگر ہر مقتدی نماز میں اپنی اپنی قرارت کرے تو صلاۃ جماعت صلاۃ واحدہ نہ رہے گی بلکہ صلوات

متعددہ فی مکان واحد کا مجموعہ ہوگی۔ یعنی چند آدمیوں نے ایک جگہ جمع ہو کر اپنی اپنی علیحدہ علیحدہ نماز ادا کی ہے۔ نماز جماعت اور تنہا نماز میں درحقیقت کوئی فرق نہ رہا۔ نماز جماعت کا حاصل محصول صرف اتنا رہا کہ چند لوگوں نے ایک جگہ جمع ہو کر اپنی اپنی نماز ادا کر لی جسکو ذوق سلیم قبول نہیں کرتا۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباسؓ سے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا۔ کی تفسیر اور شان نزول میں مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں چھپے ہوئے تھے یعنی پوشیدہ طور پر تبلیغ کرتے تھے تو جب آپؐ اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قرأت قرآن کرتے تو مشرکین قرآن کو سنکر قرآن کو اور نازل کرنے والے سب کو برا کہتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالٰی نے اپنے نبیؐ کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنی قرأت میں اتنا جہر نہ کیجئے کہ مشرکین سنکر اسکو برا کہیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھیئے کہ اپنے ساتھیوں کو بھی نہ سنا سکیں اسکے درمیان کا راستہ اختیار کیجئے یعنی اتنی آواز سے قرأت کریں کہ مقتدی سن سکیں معلوم ہوا کہ امام کا کام مقتدیوں کو سنانے کا ہے اور مقتدیوں کا کام امام کی قرأت سننے کا ہے نہ کہ خود پڑھنے کا۔

حدیث عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جواب

امام شافعیؒ کی سب سے قوی اور صحیح دلیل۔ حدیث عبادہؓ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب رواہ البخاری و مسلم۔ جو شخص نماز میں فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز نہیں ہوتی۔

جواب امام شافعیؒ کے اس استدلال کا امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں صراحۃً مقتدی کا کوئی ذکر نہیں محض کلمۂ من کے عموم سے استدلال ہے اور سورۂ اعراف کی یہ آیت۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا خاص مقتدی کے حق میں نازل ہوئی جن مقتدیوں نے آپؐ کے پیچھے لاعلمی اور غلط فہمی سے فاتحہ یا سورۃ پڑھ لی تھی انہیں کی زجر اور تنبیہ کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اور امام شافعیؒ کے نزدیک کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے تو خبر واحد کے عموم کی تخصیص کتاب اللہ کے خصوص کے ذریعہ بدرجہ اولٰی جائز ہوگی اور احادیث صحیحہ میں جو خاص مقتدی کے حق میں وارد ہوئیں ان میں سے ایک حدیث مشہور یہ ہے من کان له امام فقراءۃ الامام له قراءۃ یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قرأت ہی اس کی قرأت ہے مقتدی کو علیحدہ قرأت کی ضرورت نہیں اور یہ حدیث موطأ امام محمد میں دو سندوں سے مروی ہے ایک سند میں خود امام ابوحنیفہؒ اسکے راوی ہیں اور حافظ عینیؒ اور شیخ ابن ہمامؒ نے نہایت مفصل طریقہ سے اس حدیث کا شرط بخاری و مسلم پر صحیح ہونا ثابت کر دیا ہے جسکو عمدۃ القاری اور فتح القدیر میں دیکھ لیا جائے

پس معلوم ہوا کہ حدیث عبادہؓ مقتدی کے حق میں نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے۔ امام ابو داؤدؒ نے اپنی سُنن میں امام شافعیؒ کے استاذ سفیان بن عیینہؒ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں لمن یصلی وحدہٗ۔ یعنی یہ حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو۔ مقتدی کے حق میں نہیں اور علیٰ ہذا امام ترمذیؒ حضرت جابرؓ سے ناقل ہیں کہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اسکی نماز نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ (جو امام بخاری کے استاذ ہیں) یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مقتدی کے حق میں نہیں بلکہ اس شخص کے حق میں ہے جو خود نماز پڑھ رہا ہو یا دوسروں کو پڑھا رہا ہو) اور امام احمدؒ نے اپنے۔ اس قول پر حدیث جابرؓ سے استدلال کیا اور یہ فرمایا کہ دیکھو جابرؓ ایک مرد ہیں اصحاب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم میں سے انہوں نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا کہ اگر امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام قرارت کرے تو مقتدیوں کی نماز بغیر قرارت صحیح نہ ہوگی۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ اور تابعینؒ اور اہل حجاز میں امام مالکؒ اور اہل عراق میں سفیان ثوریؒ اور اہل شام میں اوزاعیؒ اور اہل مصر میں لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ان ائمہ دین میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ جب امام قرارت کررہا ہو اور مقتدی اسکے پیچھے قرارت نہ کرے تو اسکی نماز باطل ہے (دیکھو مغنی ابن قدامہ ص۶۰۶ ج ۱ حضرات اہل علم اس مقام کی تحقیق کے لیے فتاویٰ ابن تیمیہ از ص۱۴۱ ج ۲ تا ص۱۵۰ ج ۲ دیکھیں۔

معلوم ہوا کہ جہری نماز میں مقتدی پر قرارت خلف الامام کے وجوب کا صحابہؓ اور تابعین اور سلف الصالحین میں سے کوئی قائل نہیں اسی لیے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے قرارت خلف الامام کے بارہ میں تشدد کیا کہ مقتدی پر قرارت کو واجب قرار دیا حالانکہ سلف میں سے کوئی بھی اسکا قائل نہیں کہ مقتدی پر قرارت فرض ہے

اور حافظ ابن تیمیہؒ نے نہایت شد و مد سے جہری نماز میں قرارت خلف الامام کا ناجائز اور حرام ہونا دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے بیان کیا ہے خاص کر اس زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث پر لازم ہے فتاویٰ ابن تیمیہ کو ضرور دیکھیں کہ جو حنفیہ اور مالکیہ اور حنابلہ کی نمازوں کے باطل ہونے کا جہراً و سراً فتوی دیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب غایت درجہ قوی ہے جو آیات قرآنیہ اور ان احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے کہ جو خاص مقتدی کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرات اہل علم اور مدرسین شرح ہدایہ اور شرح بخاری کی مراجعت کریں اور اس ناچیز کی شرح مشکوٰۃ اور شرح بخاری کو دیکھیں انشاء اللہ ثم انشاء اللہ قلب کو سکون اور اطمینان ہو جائے گا اور ارباب ذوق پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ امام اعظمؒ کا مسلک عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔

خاتمۂ کلام

قول حق اور قراءت قرآن زبانِ متکلم کا فعل ہے اور سننا سامع کے کان کا فعل ہے اور خاموش رہنا یہ زبان سامع کا فعل ہے حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ تینوں مسئلے بیان فرمائے وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ۔ زبان متکلم کے متعلق ہے اور فَاسْتَمِعُوْا سامع کے کان کے متعلق ہے اور وَاَنْصِتُوْا زبان سامع کے متعلق ہے جیسا کہ عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

تو چو گوشی او زباں نے جنس تو ؛ گوش ہا را حق بفرمود اَنْصِتُوْا
انصتوا را گوش کن خاموش باش ؛ چو زبانِ حق نگشتی گوش باش
انصتوا بپذیر تا برجان تو ؛ آید از جاناں جزائے انصتوا

(ای لعلکم ترحمون)

یعنی رحمت خاصۂ خداوندی جزائے انصات واستماع است بر منازعت و مخالجت یا امام ایں نعمت رحمت میسر نیاید اذا فات الشرط فات المشروط لہذا حکم استماع وانصات را بدل وجان قبول باید کرد و از منازعت و مخالجت امام احتراز کلی باید واللہ اعلم۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام
ختم کن واللہ اعلم بالسلام

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ
اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو، دل میں گڑگڑاتا اور ڈرتا اور پکار سے
الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا
کم آواز بولنے میں، صبح اور شام کے وقتوں اور مت
تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ
رہ بے خبر۔ جو لوگ پاس ہیں تیرے رب کے
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ
بڑائی نہیں رکھتے اسکی بندگی سے اور یاد کرتے ہیں اسکی پاک ذات کو اور

يَسْجُدُونَ ﴿۲۰۶﴾ ع السجدة

اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

آداب ذکر خداوندی

قال اللہ تعالیٰ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا الی وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں قرآن کریم کے ادب اور احترام کا ذکر تھا جو سب سے بڑا ذکر ہے اور اللہ کا کلام ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کا ادب یہ ہے کہ کانوں سے بغور توجہ اسکو سنا جائے اور زبان سے سکوت اور خاموشی رکھی جائے اب ان آیات میں عام ذکر کرکے آداب کی تلقین فرماتے ہیں قرآن کریم کی تلاوت اور سماعت کے بعد ذکر الٰہی کا درجہ ہے اسکا ادب یہ ہے۔

(۱) آہستہ ہو بلند آواز سے نہ ہو (۲) اور تضرع اور زاری کے ساتھ ہو۔ (۳) اور خوف و خشیت کے ساتھ ہو (۴) اور صبح و شام کے وقت میں خاص طور پر اسکا اہتمام ہو یہ دو وقت عالم آخرت میں مقربین کے دیدار کے لیے ہیں کہ وہ روزانہ صبح و شام دیدار خداوندی سے مشرف ہوتے ہیں۔ (۵) اور کسی وقت یاد خداوندی سے غافل نہ ہو غفلت سے بڑھ کر کوئی خسارہ اور محرومی نہیں۔

یک لحظہ ز کوئے یار دوری
در مذہب عاشقاں حرام است

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے بندہ اپنے پروردگار کو دل میں یاد کرتا رہ زاری اور عاجزی سے اور خوف و ہراس سے جس سے تیری عبدیت اور بندگی اور خاکساری کا ظہور ہو اور بغیر آواز بلند کے ذکر کر خاص طور پر صبح و شام اسکو یاد کرتا رہ یہ دونوں وقت خاص قبولیت کے ہیں صبح کا وقت اشراق نور اور بزوغ شمس کا ہے اور شام کا وقت اُفول اور غروب کا ہے ان دو وقتوں میں اپنے پروردگار کو یاد رکھنا اور اللہ اکبر پڑھنا خاص شان رکھتا ہے اور اس درمیان میں بھی تو بالکلیہ غافلوں میں سے نہ ہو اپنے پروردگار سے غفلت ایک قسم کا تکبر اور ایک نوع کی نخوت ہے اور یہ تکبر اور نخوت اس درجہ بری چیز ہے کہ جس سے طالبان قرب خداوندی غایت درجہ اجتناب اور احتراز کرتے ہیں اس لیے کہ تحقیق ملاء اعلیٰ کے وہ فرشتے جو تیرے پروردگار کے نزدیک مقرب ہیں باوجود بارگاہ عزت و جلال میں مقرب ہونے کے اللہ کی عبادت اور بندگی سے تکبر نہیں کرتے اور لیل و نہار اسکی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں اور دن رات اسکی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور تھکتے نہیں اور خاص اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ ہی قرب خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ کما قال تعالیٰ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۔ اور حدیث میں ہے اقرب مایکون

العبد من ربہ وھو ساجد۔ چنانچہ اس آیت پر بھی سجدہ کرنا چاہیئے۔ ؎

شرفِ نفس بجود است وکرامت بسجود ٭ ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

ف یہ آیت سجدہ کی ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے۔

و ہذا آخر تفسیر سورۃ الاعراف و للّٰہ الحمد والمنۃ و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین و علینا معھم یا ارحم الرّحمٰن۔

الحمد للّٰہ آج بروز پنجشنبہ بوقت ۸ بجے دن کے ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ کو سورۂ اعراف کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی۔

وللّٰہ الحمد اولاً و آخراً و الحمد للّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا و مولانا محمد اشرف البریات و علیٰ اٰلہ و اصحابہ اولی الفضائل والدرجات

شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے بخشش کرنے والے مہربان کے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا۔ تو کہہ مالِ غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو آپس میں اور حکم میں چلو اللہ کے

وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اور اسکے رسول کے اگر ایمان رکھتے ہو۔ ایمان والے وہی ہیں کہ

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ

جب نام آوے اللہ کا، ڈر جاویں دل ان کے اور جب پڑھیے

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝۲

ان پر اسکے کلام زیادہ ہو جاتا ہے انکو ایمان اور اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳

جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز، اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ

وہی ہیں سچے ایمان والے۔ ان کو درجے ہیں اپنے رب

رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۴

پاس اور معافی اور روزی آبرو کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۂ انفال

قال تعالیٰ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ .... الیٰ .... وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

سورۃ انفال کل مدنی ہے جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی اسی وجہ سے اس سورت کو سورۂ بدر بھی کہتے ہیں اس میں پچھتر یا چھہتر یا ستتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

فائدہ انفال۔ نفل بالتحریک کی جمع ہے جس سے مراد مال غنیمت ہے۔ نفل دراصل بمعنی زیادت ہے اور نفل کو نفل اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اصل فرض سے زائد ہے اور غنیمت کو نفل اس لیے کہا گیا کہ وہ اللہ کی طرف سے تفضل اور عطیہ ہے مال غنیمت پہلی امتوں پر حلال نہ تھا اس امت پر بطور فضل و زیادت حلال کر دیا گیا اور غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو جہاد میں کافروں سے حاصل ہو اور فقہاء کی اصطلاح میں نفل کا اطلاق اس مال پر ہوتا ہے جو مسلمانوں کا امیر کسی غازی کو اس کافر مقتول کا گھوڑا یا ہتھیار دے دے جس کافر کو اس غازی نے قتل کیا ہے چونکہ یہ مال غازی کو اسکے اصل حصہ سے زائد ملتا ہے اس لیے اس زائد عطیہ کو نفل کہا جاتا ہے اور اس آیت میں سے انفال سے غنائم کے معنی مراد ہیں۔

(ربط) گزشتہ سورت میں انبیاء کرام کا اپنی اپنی قوموں اور امتوں کے مقابلہ میں غلبہ اور کامیابی کا ذکر تھا اب اس سورت میں زیادہ تر غزوۂ بدر کا بیان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض

تائید غیبی سے فتح ونصرت اور غلبہ عطا کیا ظاہری اسباب اور ظاہری ساز و سامان کے لحاظ سے صحابہ بالکل بے سر و سامان تھے حق تعالےٰ نے ان بے سر و سامانوں سے سرداران قریش کے غرور اور تکبر کو خاک میں ملا دیا۔ اور صحابہ کرامؓ کی ایک مٹھی بھر جماعت جو ملائکہ مقربین لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُونَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُونَ۔ کا نمونہ تھی مستکبرین کے لشکر جرار پر غالب آئی اور یہ کامرانی اور کامیابی تقوی اور توکل کی برکت تھی اس لیے اس سورت کو تقویٰ اور خوف اور خشیت اور توکل سے شروع فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا دارو مدار اخلاص اور تقویٰ اور توکل اور اطاعتِ خدا و رسول پر ہے۔

شانِ نزول

سورۂ انفال مدنی ہے ہجرت کے بعد ایام جنگ بدر میں نازل ہوئی جب مسلمانوں کو جنگ بدر میں بعنایت الٰہی فتح نصیب ہوئی اور کافروں کا بہت سا مال قبضہ میں آیا تو اس مال کی تقسیم میں لوگوں نے کچھ اختلاف کیا جوانوں کا گروہ یہ کہتا تھا کہ غنیمت کے زیادہ حقدار ہم ہیں کیونکہ ہم نے دشمنوں کو قتل کیا ہے اور ہم آگے بڑھ کر لڑے ہیں اور ہم نے انکو شکست دی ہے اور بوڑھے یہ کہتے تھے کہ ہم زیادہ حقدار ہیں اس لیے کہ ہم تمہاری پشت پناہی پر تھے۔ اور تم ہماری قوت سے لڑے ہو اگر خدا نخواستہ شکست ہوتی تو تم بھاگ کر ہمارے پاس آ کر دم لیتے نیز یہ کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ کسی کو بھی حق نہیں فتح محض اللہ کی مدد سے ہوئی اس فتح کو تم اپنی قوت بازو کا کرشمہ نہ سمجھو۔ اللہ اس مال کا مالک ہے اور رسول اس کا نائب ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں گے تقسیم کر دیں گے۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ مال سب کو برابر تقسیم کر دیا اور آئندہ کے لیے نصیحت کر دی گئی کہ جو پکے مسلمان ہیں انکو چاہیئے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں اور آپس میں صلح اور آشتی سے رہیں حرص اور طمع کو دل سے نکال دیں اور خدا کا رسولؐ جو حکم دے اس پر بلے چون و چرا عمل کریں اور نظر اللہ پر رکھیں مغفرت اور درجات عالیہ انہی لوگوں کو ملتے ہیں جن کی نظر صرف اللہ پر ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں (اسے نبی) یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم پوچھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تو آپؐ کے اصحاب اور احباب ہیں ان کا مطمح نظر تو فقط اجر اخروی ہونا چاہیئے تھا۔ مال غنیمت اگرچہ بلاشبہ حلال ہے مگر آپؐ کے محبان با اخلاص اور یاران با اختصاص کے مناسب نہ تھا کہ اس بارہ میں نزاع کرتے اور آپؐ سے اس کا حکم دریافت کرتے۔ اور حرف استحقاق زبان پر لاتے۔ آپؐ انکے جواب میں کہہ دیجیے کہ مال غنیمت جہاد اور جدّ و جہد کا اجر اور معاوضہ نہیں جہاد کا اجر آخرت میں ملے گا اور یہ تمام اموال غنیمت خالص اللہ کی ملک ہیں مشرکین کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہوئے ہیں تم پر بطور انعام تقسیم کیے جائیں گے نہ کہ بطور معاوضہ و استحقاق اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالےٰ کا خلیفہ اور نائب ہے۔

پس یہ تمام اموال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دست تصرف میں ہیں جسے چاہتا ہے بحکم خداوندی

لہ گذشتہ سورت کے خاتمہ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

دیتا اور تقسیم کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اموالِ غنیمت سب اللہ کا مال ہیں اور اسکا رسول اسکا نائب ہے وہ اپنے اختیار سے جس کو جتنا چاہے دے۔ تمہیں اسکے حکم پر چلنا چاہیئے اور آپس میں نزاع نہیں کرنا چاہیئے۔ پس اللہ سے ڈرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو کہ اسکی ملک میں بغیر اسکی اجازت کے تصرف کرو اور اپنے آپس کے معاملہ کو صاف اور درست کرو اور باہمی اختلاف کو یاری اور غمخواری سے بدل ڈالو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کچھ حد اعتدال سے آگے نکل گیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی اور انکا فیصلہ اپنے رسول کے سپرد فرمایا چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مال مسلمانوں پر درست طریقہ سے تقسیم کر دیا اور اختلاف کرنے والوں نے اپنے اختلاف کی اصلاح کر لی اور فرمانبرداری کرو خدا اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان والے ہو اس لیے کہ ایمان طاعت اور تقویٰ کو مقتضی ہے۔ اس آیت یعنی اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ میں حرفِ اِنْ شک کے لیے نہیں بلکہ جوش دلانے اور برانگیختہ کرنے کے لیے ہے کہ جب تم مؤمن ہو تو تقویٰ کی راہ اختیار کرو اور رسول کی اطاعت کرو جز این نیست کہ مؤمن کاملین جو ایمان کے مقتضیٰ پر چلتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں کہ جب انکے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کی عظمت اور ہیبت سے انکے دل لرز جاتے ہیں اور انکے دلوں پر اللہ کی عظمت اور ہیبت چھا جاتی ہے اور جب انکے سامنے ہمارے کلام کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ آیتیں انکے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور پہلی نازل ہوئی آیتوں کا ایمان جب اس آیت کے ایمان کے ساتھ مل جاتا ہے تو ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تلاوت کے انوار و برکات سے انکے باطن میں نورِ یقین زیادہ ہو جاتا ہے اور ظاہر میں طاعت اور اعمالِ صالحہ کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو اہلِ دل ہیں جب انکے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو انکے دل کا روزن اور زیادہ وسیع اور فراخ ہو جاتا ہے اور عالمِ غیب کا نور اس میں چمکنے لگتا ہے اور غیر اللہ سے نظر اٹھ جاتی ہے۔ اس لیے یہ لوگ صرف اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں اور انکو ماسویٰ اللہ کی پروا نہیں رہتی۔ ایسے ہیں کہ ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں یعنی آدابِ عبودیت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں اور جو روزی ہم نے انکو دی ہے اس میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسے ہی لوگ جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں سچے اور پکے مومن ہیں جنکے مومن ہونے میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہو سکتا ایسے لوگوں کے لیے انکے پروردگار کے پاس بڑے درجے اور مرتبے ہیں اور انکی تقصیرات کی بخشش ہے اور عمدہ روزی ہے جو محنت اور مشقت سے مبرا اور زوال اور حساب کے خوف سے خالی ہے۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ رزقِ کریم وہ ہے۔ جو مرزوق کو رازق کے مشاہدہ سے مانع نہ ہو۔

لہ ایمان کی زیادتی اور نقصان کی بحث تفسیر آل عمران زیر آیت اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا۔ میں گزر چکی ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کاملین کی پانچ صفتیں ذکر فرمائیں۔ (اول) اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت سے قلوب کا معمور ہونا۔ (دوم) تلاوت قرآن اور سماع کلام الٰہی سے ایمان میں زیادتی کا ہونا (سوم) اللہ پر توکل اور اعتماد (چہارم) آداب عبودیت کی بجا آوری (پنجم) قلب کا حرص اور طمع اور بخل سے پاک ہونا یہ پانچ خصلتیں ایمان کے عظیم شعبے ہیں جس میں یہ پانچ صفتیں جمع ہو جائیں اسکا ایمان ثابت اور محقق ہو گیا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ ایسے پکے اور سچے مومنوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایسے تین سو مومنوں کا تو تین لاکھ کافر بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے درست کام پر اور ایک

فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي

جماعت ایمان والی نہ راضی تھی۔ تجھ سے جھگڑتے تھے

الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى

درست بات میں واضح ہو چکے پیچھے گویا انکو ہانکتے ہیں موت کی

الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

طرف آنکھوں دیکھتے۔

ذکر انعامات خداوندی در واقعہ بدر بہ برکت ایمان و تقویٰ و توکل

قال تعالیٰ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ... الیٰ ...... وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ۔

(ربط) اس سورت میں عموماً غزوۂ بدر کی کامیابی کے واقعات کا ذکر ہے اور اس ضمن میں جو انعامات خداوندی مبذول ہوئے انکی تذکیر اور یاد دہانی مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ دیکھو تو سہی کہ باوجود بے سرو سامانی کے جنگ بدر میں کس طرح از اول تا آخر تائید غیبی تمہاری معین اور مددگار رہی یہ سب ایمان اور تقویٰ اور توکل اور اطاعتِ خدا و رسول کی برکت تھی۔ شروع سورت میں اجمالی طور پر غزوۂ بدر میں

مسلمانوں کی کامیابی کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں اس غیبی کامیابی کے کچھ واقعات ذکر کرتے ہیں تاکہ ان غیبی انعامات اور آسمانی نشانات کو یاد کرکے دل میں منعم حقیقی کی محبت اور عظمت کا جذبہ جوش میں آجائے اور اسباب ظاہری سے بالکلیہ نظر اٹھ جائے۔

شانِ نزول

چنانچہ پہلا واقعہ جو پیش آیا وہ یہ تھا کہ کفار قریش کا تجارتی قافلہ جس کا سردار ابو سفیان رضؓ تھا۔ شام سے مال تجارت لیکر مکہ واپس آرہا تھا آپکو اس قافلہ کی آمد کی خبر ملی تو آپؐ نے صحابہؓ سے اسکا ذکر کیا اور حال بیان کیا کہ اس قافلہ میں مال تو بہت ہے اور آدمی تھوڑے ہیں اے مسلمانو! تم اس قافلہ کی طرف خروج کرو شاید اللہ تعالیٰ تمکو یہ اموال عطا کرے آپؐ نے اسی قافلہ کے ارادے سے صحابہؓ کی ایک جمعیت کے ساتھ مدینہ سے خروج فرمایا۔ ابوسفیانؓ جب حجاز کے قریب پہنچا تو اس نے جاسوس چھوڑے کیونکہ غزوۂ بدر سے پہلے ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سرایا کا سلسلہ جاری ہوچکا تھا۔ کہ وہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہوتے تھے اسی خدشہ کی بنا پر ابوسفیانؓ نے مختلف طرف جاسوس روانہ کیے اور راستہ میں جو قافلہ ملتا اُس سے حال پوچھتا کہ مبادا مسلمان اسکے قافلہ پر حملہ کردیں۔ یہاں تک کہ اسکو کسی قافلہ کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تیرے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوگئے ہیں۔ ابوسفیانؓ نے اسی وقت ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دیکر مکہ کی طرف دوڑایا۔ اور یہ پیغام دیا کہ مکہ میں جاکر یہ اعلان کردے کہ اے قریش جلد از جلد تم اپنے قافلہ کے بچانے کے لیے نکلو جب اہل مکہ کو یہ خبر پہنچی تو ابوجہل ایک بڑا لشکر اپنے ساتھ لیکر قافلہ والوں کی مدد کے لیے روانہ ہوا مگر ابوسفیانؓ دوسرا راستہ اختیار کرکے قافلہ کو مسلمانوں کی زد سے بچا کر نکل گیا۔ لیکن ابوجہل لڑائی کے ارادہ سے مقام بدر پر آپہنچا ادھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت وادیٔ ذفران میں تشریف فرما تھے کہ جبریل امینؑ وحی لیکر آئے اور آپکو ابوجہل کے لشکر کے آنے کی ساری اطلاع دی۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ حال یہ ہے کہ ادھر سے تو قافلہ آتا ہے اور اُدھر سے لشکر۔ تم قافلہ سے مقابلہ پسند کرتے ہو۔ یا لشکر کفار سے مقاتلہ اور محاربہ پسند کرتے ہو یہ سنکر مسلمانوں میں کچھ اختلاف رائے ہوا۔ بعض نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اور بعض نے یہ کہا کہ ہم لڑائی کے ارادے سے نہیں نکلے تھے اور نہ اسکے لیے ہم نے کوئی تیاری کی بلکہ ہم تو قافلہ کے لوٹنے کے لیے نکلے تھے تو ہم کو قافلہ ہی کا تعاقب کرنا چاہیئے آپؐ اس بات سے رنجیدہ ہوئے تو اس وقت حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے اور حضرت مقدادؓ اور سعد بن معاذؓ نے اطاعت آمیز اور جاں نثارانہ تقریریں کیں اور دل و جان سے لڑائی پر آمادگی ظاہر کی اور سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپکے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ اللہ نے آپکو جو حکم دیا ہے ویسا ہی کیجیئے خدا کی قسم اگر آپ ہم کو دریا میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم دریا میں گھس پڑیں گے اور ایک آدمی بھی ہم میں سے پیچھے نہ رہے گا اور ہم دشمن کے مقابلہ سے ذرہ برابر ناخوش نہیں۔ ہم لڑائی کے وقت بڑے صابر اور ثابت قدم ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں ہم صادق اور

سچے ہیں کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے وہ بات دکھلائے جس سے آپکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ آپ اللہ کے نام اور اسکی برکت پر چلئے آپ یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ چلو اللہ کی برکت پر اور بشارت ہو تمکو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا ہے ایک ابوسفیانؓ کے قافلہ کا گروہ اور دوسرا ابوجہل کے لشکر کا گروہ مجھ سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ ان دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارے لیے مسخر ہو جائیگا اور تم اس پر غالب ہو گے مفصل قصہ کتب سیر میں مذکور ہے غرض یہ کہ بعض مسلمانوں کو بوجہ بے سرو سامانی کے اور بوجہ آسانی کے یہ خیال تھا کہ لڑائی نہ ہو اور قافلہ کا مالِ کثیر انکے ہاتھ آجاتے اور اللہ اور اسکے رسول کو یہ منظور تھا کہ کفر کا زور ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کی دھاک کافروں کے دل میں بیٹھ جائے کیونکہ اگر قافلہ پر حملہ کیا گیا تو صرف مال تو ہاتھ آجائے گا مگر کفر کی کمر نہیں ٹوٹے گی۔ اس لیے آپ نے ابوجہل کے مقابلہ کو ترجیح دی۔ آئندہ آیات میں اسی بات کا ذکر ہے۔

گزشتہ آیات میں تقسیم غنائم کے بارہ میں اختلاف اور نزاع پر تنبیہ فرمائی تھی اب ان آیات میں دوسرے اختلاف پر ملامت اور تنبیہ فرماتے ہیں جو ابتدا سفر میں پیش آیا اور چونکہ اس اختلاف کا منشا محض اسباب ظاہری پر نظر تھی اس لیے گزشتہ آیت وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ میں اس پر ایک لطیف تعریض بھی ہے کہ اے اصحاب رسولؐ تمہارا اسباب ظاہری پر نظر کر کے جہاد و قتال سے گریز کرنا اور قافلۂ تجارت کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھانا شانِ توکل کے شایان شان نہیں چنانچہ اس غزوہ میں جو من جانب اللہ مسلمانوں پر انعامات مبذول ہوئے انکو ذکر فرماتے ہیں۔

انعامِ اوّل

اسے نبی جس طرح لوگوں نے اس تقسیم انفال میں اختلاف کیا اور بعضوں کو یہ تقسیم طبعاً گراں گزری اور بعض اس سے ناخوش تھے مگر بوجہ مصالح کثیرہ خیر اسی میں تھی کہ اللہ کے رسول نے اللہ کے حکم سے تم میں یہ مال برابر تقسیم کر دیا اور تمہاری ناگواری کا لحاظ نہیں کیا۔ عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ اسی طرح جب تیرے پروردگار نے تجھ کو تیرے گھر سے یعنی تیری بستی سے حکمت اور مصلحت کے ساتھ بدر کی طرف نکالا تو مسلمانوں نے خروج کے بارے میں اختلاف کیا اور تحقیق اہل ایمان کی ایک جماعت بوجہ بے سرو سامانی اور پہلے سے تیاری نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ کے اس خروج کو طبعاً ناپسند کرتی تھی یعنی یہ کراہت اور ناگواری بوجہ مخالفت حکم نہ تھی۔ بلکہ بے سرو سامانی کے سبب سے وہ طبیعت کی کراہت تھی جو طبیعت بشریہ کے لوازم میں سے ہے اور یہ لوگ آپ سے امر حق کے بارہ میں جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ حق ظاہر ہو گیا کہ کافروں سے جہاد اور قتال اور انکی سرکوبی اور گردن کشی ہی بہتر ہے اور جب آپ

کی بشارت سے انکو یہ معلوم ہوگیا کہ ہر حال میں دشمن پر فتح پائیں گے تو پھر اس علم کے بعد جنگ سے گریز اور پہلوتہی کیسی اور ظاہری اسباب کی بنا پر خوف و ہراس کیسا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے باوجود علم اور یقین کے آپ سے مجادلہ اور اصرار میں اس قدر مبالغہ کیا کہ گویا کہ یہ لوگ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں اور گویا وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مگر بالآخر انجام اسی کا بہتر ہوا جسکو وہ ناپسند کرتے تھے اور اسی میں خیر ہوئی۔ لشکر کفار سے مقابلہ کا انجام یہ ہوا کہ اسلام غالب ہوا اور کفر مغلوب ہوا اور یہ بات قافلہ تجارت کے مقابلہ سے حاصل نہ ہوتی مال تو مل جاتا مگر کفر ذلیل اور خوار نہ ہوتا پس جس چیز کو تم ناپسند کرتے تھے اسی میں تمہاری خیر اور بھلائی ہوئی کہ بلا قصد اور بلا ارادہ اور بلا تیاری کے تم کو تمہارے دشمن سے بھڑا دیا اور پھر تمکو فتحیاب بھی کر دیا اسی طرح تمہارے خلاف منشار اور خلاف طبع۔ انفال کی تقسیم میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں خلاصہ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے بنی بدر کی غنیمتوں میں مسلمانوں کا اختلاف کرنا ایسا ہی خطا رہے جیسا کہ جنگ بدر کے لیے خروج کرنے میں مسلمانوں کا اختلاف خطا رہا تھا جو لوگ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کے مصداق ہوں ان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اپنی قلت تعداد اور قلت اسلحہ اور دشمنوں کی کثرت تعداد اور کثرت اسلحہ سے ڈر جائیں اور انکا یہ اختلاف اگرچہ بطور مشورہ تھا مگر اسقدر اصرار مناسب نہ تھا۔ اور ایسے پاکبازوں کے شایان شان نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انکی یہ دونوں غلطیاں معاف کیں۔ پہلی غلطی کا منشاء یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی قلت تعداد اور قلت اسلحہ اور دشمنوں کی کثرت تعداد اور کثرت اسلحہ کی بنا پر خائف تھے مگر چونکہ یہ خوف طبعی تھا اور ظاہر اسباب کی بنا پر تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے معاف کیا اور دوسری غلطی کا منشاء یہ تھا کہ وہ غنیمت کا مستحق اسی کو سمجھتے تھے کہ جو دشمن کو قتل کرے اللہ تعالیٰ نے انکی اس غلطی کا ازالہ فرمادیا کہ تم اس مال کے مستحق نہیں۔ فتح و نصرت محض اللہ کی غیبی مدد سے ہوئی ہے تمہاری طاقت اور زور سے یہ فتح نہیں ہوئی سو یہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور پیغمبر اس کے نائب ہیں۔ اس کے حکم کے مطابق تقسیم کردیں گے بہرحال تمہارا یہ سمجھنا کہ مال غنیمت کے ہم مستحق ہیں یہ تمہاری غلطی تھی جو اللہ تعالیٰ نے معاف کردی سچے اور پکے مؤمنین کی شان کے مناسب نہیں کہ انکے دل مال حلال (مال غنیمت) کی طرف مائل ہوں اور ظاہری اسباب پر نظر کر کے اپنی قلت سے اور کافروں کی کثرت سے ڈرنے لگیں یہ توکل کے منافی ہے۔

نکتہ

آیت مذکورہ بالا۔ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ میں جن بعض صحابہؓ کے مجادلہ اور اصرار کی طرف اشارہ ہے۔ سو وہ مجادلہ محبانہ اور خادمانہ اور نیازمندانہ تھا بطور ناز تھا۔ جو محبت سے پیدا ہوا تھا۔ معاذ اللہ مخالفانہ اور عاصیانہ نہ تھا۔ جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کا قوم لوط کے بارہ میں اللہ سے مجادلہ از راہ خلت و انبساط تھا کما قال تعالیٰ يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس فریق کو فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا کہ یہ مجادلہ ایمان کے منافی نہ تھا۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ
اور جس وقت وعدہ دیتا ہے اللہ تم کو ان دو جماعت میں سے ایک کہ تم

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ
کو ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ ملے تم کو

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ
اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹے پیچھا

الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ
کافروں کا۔ تا سچا کرے سچ کو، اور جھوٹا کرے جھوٹ کو اور اگرچہ نہ

كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝
راضی ہوں گنہگار۔

ذکر انعام دوم

قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ... الیٰ... وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۔

(ربط) ان آیات میں غزوۂ بدر کے متعلق دوسرے انعام کا ذکر فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ تم تو غیر ذی شوکت جماعت یعنی قافلۂ ابوسفیانؓ کے طلبگار ہو اور خدا تعالیٰ کو احقاقِ حق اور ابطالِ باطل مقصود ہے اور یہ بات ذی شوکت جماعت یعنی ابوجہل کے لشکرِ جرار کے مقابلہ اور جنگ سے حاصل ہوتی ہے۔ دین حق کا غلبہ اور باطل کی سرکوبی خونریز جنگ سے ہوتی ہے نہ کہ تجارتی قافلہ سے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو تم اس وقت کو کہ جب اللہ تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے یعنی ابوجہل کے لشکر اور ابوسفیانؓ کے قافلۂ تجارت میں سے ایک گروہ تمہارے لیے مسخر اور مقدر ہے۔ دو فریق میں سے ایک فریق ضرور تمہارے ہاتھ لگے گا یا قافلہ لوٹو گے۔ یا لشکرِ کفار کو قتل کرو گے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر ذی شوکت جماعت تمہارے ہاتھ لگے یعنی تم قافلہ کو لوٹنا چاہتے تھے جس کے پاس جنگی قوت و شوکت نہ تھی اور ابوجہل کی جماعت جو ہتھیار بند تھی اور کیل کانٹے سے لیس تھی تم اس سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے تھے اور اللہ یہ چاہتا تھا

کہ اپنی باتوں سے حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے تاکہ کافروں کی اس ذلت آمیز قتل سے دین اسلام کا حق ہونا اور کفر کا باطل ہونا ظاہر کر دے اگرچہ مجرموں کو یہ ناگوار گزرے اب تم کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس بات کو چاہو اختیار کرو بالآخر سب نے کفار سے لڑنے کو اختیار کیا اور ابوجہل کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت یہ چاہتی تھی کہ تجارتی قافلہ پہ حملہ ہو کہ کانٹا بھی نہ چبھے اور بہت سا مال ہاتھ آجائے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی ایک بے سر و سامان مٹھی بھر جماعت کفار کے لشکر جرار پر غالب آئے تاکہ خدا کے وعدوں کی سچائی اور اسلام کا معجزہ ظاہر ہو اور کفر ایسا ذلیل و خوار ہو کہ دنیا اسکی ذلت وخواری کا تماشہ دیکھے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا جو اس امت کا فرعون تھا اور ستر ہی قید ہوئے اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم

جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں مدد بھیجوں گا

بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ

تمہاری ہزار فرشتے جنگی پیچھے لگے آویں ۔ اور یہ تو دی اللہ نے

إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا

فقط خوشخبری اور تا چین پکڑیں دل تمہارے اور

النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ

مدد نہیں مگر اللہ سے ۔ اللہ زور آور ہے

حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

حکمت والا ۔

انعام سوم

قال اللہ تعالیٰ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ .... الی .... إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

یاد کرو تم اس وقت کو کہ جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے کہ اے اللہ! ہم کو اپنے دشمن پر فتح دے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اگر مومنوں کی یہ جماعت ہلاک ہو گئی تو کوئی تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا کیونکہ یہ امت آخری امت ہے اور یہ نبی آخری نبی ہے سو اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سن لی اور تمہاری دعا قبول کی۔ اور وعدہ فرمایا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو لگاتار یکے بعد دیگرے آنے والے ہوں گے۔ ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت آئے گی۔ چنانچہ اوّلاً ایک ہزار فرشتوں سے مدد کا وعدہ فرمایا پھر تین ہزار ہو گئے اور پھر پانچ ہزار ہو گئے اس آیت میں پہلی مرتبہ کے ہزار کا ذکر ہے اور آل عمران کی آیت میں دوسری بار اور تیسری بار کے تین ہزار اور پانچ ہزار کا ذکر ہے اس بات پر تو تمام مفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے کہ جنگِ بدر کے دن فرشتے مسلح ہو کر مسلمانوں کی امداد کے لیے نازل ہوئے جو بعض اوقات مسلمانوں کو دکھائی بھی دیئے مگر اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے جنگ بھی کی یا نہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کا نزول محض مسلمانوں کی شمار بڑھانے اور انکی تسلی کے لیے تھا۔ مگر یہ قول صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ فرشتوں نے جنگ بھی کی جیسا کہ ظاہر آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ اور کثیرہ سے ثابت ہے اور آنے والی آیت فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔ اس بارہ میں نص صریح ہے اور نہیں بنایا اللہ نے فرشتوں کی اس امداد کو مگر فتح کی خوشخبری کہ تم خوش ہو جاؤ کہ آسمانی امداد تمہارے ساتھ ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ اور قلت اور ذلت کا خوف تمہارے دلوں سے دور ہو جائے اور نہیں ہے فتح اور نصرت مگر صرف اللہ کی طرف سے فرشتوں کے نزول کو فتح و نصرت کی علت نہ جانو بلکہ اسکو من جانب اللہ محض بشارت جانو وہ بغیر فرشتوں کے بھی فتح اور نصرت دے سکتا ہے۔ بیشک اللہ ہی غالب ہے وہی اپنے دوستوں کو فتح اور غلبہ دیتا ہے۔ حکمت والا ہے۔ اپنی حکمت سے تھوڑی جماعت کو کثیر جماعت پر فتح دیدی لہذا تمکو چاہیئے کہ نظر اللہ پر رکھو نہ کہ فرشتوں پر۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ

جس وقت ڈال دی تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کو اور اتارا

عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ

تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے اور دور کرے

عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ

تم سے شیطان کی نجاست اور محکم کر دے تمہارے دل پر اور

يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⑪

ثابت کرے تمہارے قدم ۔

انعام چہارم

قال اللہ تعالیٰ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً .. الیٰ .. يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ

(ربط) ان آیات میں بھی ایک خاص انعام کا ذکر ہے وہ یہ کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے دل کچھ افسردہ ہو رہے تھے اور کیوں نہ ہوتے کافروں کی فوج مسلمانوں سے دو چند بلکہ سہ چند سے بھی زائد تھی ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دل مضبوط کرنے کے لیے خلاف عادت ان پر نیند طاری کر دی جس سے ان کا تکان دور ہو گیا اور دلوں سے سارا خوف و ہراس کافور ہوا عین جنگ کے وقت اونگھ اور نیند کا آنا ایک خارق عادت امر ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے معجزہ تھا اور صحابۂ کرام کے اعتبار سے کرامت تھی ۔ اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جنگ کے وقت اور خاص کر جب کہ دشمن کی کثرت ہو آدمی کو نیند نہیں آتی ۔ دل مضطرب رہتا ہے اہل بدر پر خدا تعالیٰ نے یہ احسان کیا کہ اُن پر عین حالت قتال میں اونگھ کو مسلط کر دیا جس سے اُن کو دشمن کا ذرا اندیشہ نہ رہا ۔ اور چونکہ نوم خفیف تھی اس لیے جب دشمن ان پر وار کرتا تھا تو فوراً متنبہ ہو جاتے تھے ۔ پس وہ اونگھ ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا ۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قتال کی حالت میں اونگھ کا آنا اللہ کی طرف سے امن ہے اور نماز میں شیطان کی طرف سے ہے اس آیت میں اسی انعام کا ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کو کہ جب اللہ تعالیٰ تمکو ہلکی نیند سے ڈھانک رہا تھا جو اسکی طرف سے تمکو چین اور امن دینے کے لیے طاری کی گئی جس طرح فرشتے تمہارے اطمینان کے لیے اتارے گئے اسی طرح تمہاری چین اور امن کے لیے ہلکی سی نیند تم پر طاری کر دی گئی اور ایسا ہی اونگھ کے طاری ہونے کا واقعہ جنگ اُحد میں پیش آیا کما قال تعالیٰ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۵ ج ۲)

غرض یہ کہ اونگھ کا واقعہ دوبار ہوا ایک بدر میں اور ایک احد میں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام یاد دلایا کہ دیکھو ہم نے کس طرح تم پر اونگھ ڈال دی جس کی وجہ سے تمہارا وہ تمام خوف جاتا رہا جو دشمن کی کثرت سے تم پر طاری تھا اور اسی میدان قتال میں اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ انعام کیا کہ وہ تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اسکے ذریعے تم کو حدث اصغر اور اکبر سے پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی اور ناپاکی کو دور کر دے اور تاکہ تمہارے دلوں پر صبر اور اطمینان کی گرہ لگا دے کہ خدا کی عنایت سے دل ایسے مضبوط ہو جائیں

کہ تزلزل اور اضطراب کا نام نہ رہے اس لیے کہ غیبی الطاف وعنایات دیکھ کر دل مضبوط ہو جاتا ہے اور تاکہ ظاہر میں اس بارش کے ذریعے اس ریگستان میں تمہارے قدم جماد ے کہ ریت میں دھنسنے نہ پائیں یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے پلئے استقلال اور قدم ثبات میں تزلزل نہ آنے پائے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

بدر میں مشرکین پہلے جا پہنچے تھے اور پانی پر قبضہ کر لیا تھا اور مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک ریت کے ٹیلے کے پاس اُترے جس میں پاؤں دھنستے تھے اور بعض ان میں سے بے وضو تھے اور بعض کو نہانے کی حاجت ہو گئی تھی جب مسلمانوں کو پیاس نے ستایا اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے عاجز ہوئے تو شیطان نے انکے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اگر تم حق پر ہوتے اور خدا کے مقبول ہوتے تو اس پریشانی میں نہ پھنستے خدا تعالےٰ نے ان کے اس وسوسہ کو مٹانے کے لیے بارانِ رحمت نازل کی جس سے وہاں کے تمام نالے بہہ نکلے مسلمانوں نے اس سے پانی پیا اور اپنی سواریوں کو پلایا۔ اور وضو اور غسل کیا اور اپنی مشکوں کو بھر لیا۔ اور اتنی بارش ہوئی کہ اس سے تمام ریت جم گیا اور پھسلن جاتی رہی اور مسلمانوں کے پاؤں اس جگہ پر جم گئے اور ان کے دل سے شیطانی وسوسہ دور ہوا۔ اور اس غیبی امداد سے انکو لطف خداوندی کا جلوہ دکھائی دیا اور یقین ہو گیا کہ ہم ضرور اپنے دشمنوں پر فتح پائیں گے۔ برخلاف[1] کافروں کے کہ جس زمین میں وہ تھے وہ نرم تھی بارش کی وجہ سے اس میں کیچڑ اور پھسلن ہو گئی اور کافروں کو چلنا دشوار ہو گیا الحاصل اللہ تعالےٰ نے اپنی رحمت سے اس ریتلے میدان میں آسمان سے پانی برسایا جس سے انہوں نے حدث اصغر اور اکبر سے پاکی حاصل کی یہ ظاہر کی تطہیر ہوئی اور انکے دل مضبوط ہو گئے۔ اور قدم جم گئے اور دل شیطان کے وسوسوں سے پاک ہوا۔ یہ باطن کی تطہیر ہوئی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب اہل ایمان پر کوئی خوف اور اضطراب طاری ہوتا ہے تو غیبی طور پر من جانب اللہ انکی مدد ہوتی ہے تاکہ انکے دل مطمئن ہو جائیں کبھی بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے اور کبھی ان پر نعاس (نیند) طاری ہوتی ہے اور نعاس اس نیند کو کہتے ہیں جو سر میں ہوتی ہے جس سے سر نیچے کو جھکنے لگتا ہے یہ ایک قسم کا غیر شعوری سجدہ ہے اور بدر کے روز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عریش (چھپر) میں تھے تو آنحضرت پر نعاس (اونگھ) کے مانند ایک خفیف نیند طاری ہو گئی تو آپؐ مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ابوبکرؓ تمکو بشارت ہو کہ جبریلؑ آئے اور انکے دانتوں پر غبار تھا پھر آپؐ عریش کے دروازے سے یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر چلے جائیں گے۔

---

[1] کما ذکرہ الامام الرازیؒ فی تفسیرہ ص ۵۲۴ ج ۴

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا

جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے سو

الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ

تم دل ثابت کرو مسلمانوں کے میں ڈال دونگا دل میں کافروں کے

كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا

دہشت۔ سو مارو اوپر گردنوں کے اور مارو ان کے

مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

پور پور۔

انعام پنجم

قال تعالیٰ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ ... الیٰ ... وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝

(ربط) یہ بھی اسی جنگ بدر کا ایک واقعہ ہے جو حق جل شانہٗ کے ایک خاص الخاص انعام پر مشتمل ہے حق تعالیٰ نے جنگ بدر میں فرشتوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے ہمراہ رہو اور الہام کے ذریعہ ان کے دلوں کو مضبوط اور قوی کرو جس طرح شیاطین کو دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی قدرت اور اختیار ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وسوسہ دفع کرنیکی اور قلب میں خیر کے الہام اور القاء کی قدرت عنایت فرمائی ہے جیسا کہ روح المعانی میں زجاجؒ سے منقول ہے اور فرشتہ جو نیک خیال دل میں القاء کرتا ہے اس کو لمۂ اور الہام کہتے ہیں۔ قال الزجاج کان باشیاء یلقونها فی قلوبهم تصح بها عزائمهم ویتاکد جدهم وللملك قوة القاء الخير فی القلب ويقال له الهام كما ان للشيطان قوة القاء الشر ويقال له وسوسة (روح المعانی صـ ۱۵۱ ج ۹)

چنانچہ فرماتے ہیں کہ یاد کرو اس وقت کو جب تیرا پروردگار ان فرشتوں کو جو مسلمانوں کی امداد کے لیے نازل ہوئے تھے۔ یہ حکم دے رہا تھا کہ تحقیق[۱] میں مسلمانوں کی اعانت اور امداد میں تمہارا ساتھی اور مددگار رہوں

[۱] دیکھو تفسیر کبیر صـ ۵۲۴ ج ۴

سو تم ایمان والوں کو مضبوط اور استوار کرو یعنی ان کے دلوں میں یہ القاء کرو کہ تم ضرور فتح پاؤ گے جس طرح شیطان آدمی کے دل میں بُرا خیال ڈالتا ہے اسی طرح فرشتے دل میں اچھا خیال ڈالتے ہیں اوّل کو وسوسہ کہتے ہیں اور دوسرے کو لمّہ اور الہام کہتے ہیں جس طرح شیطان کو وسوسہ ڈالنے کی قوت ہے اسی طرح فرشتوں کو الہام اور القاء کی قوت ہے سو اے فرشتو! تم اس طرح کے القاء اور الہام سے مسلمانوں کے دلوں کو قوت پہنچاؤ تاکہ وہ میدان میں ثابت قدم رہیں اور میں کافروں کے دل میں مسلمانوں کی دہشت ڈال دونگا جس سے ان کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ اندرونی طور پر ان کے دلوں میں مسلمانوں کے رعب کا القاء ہوگا۔ اور ظاہر میں ان فرشتوں کو دیکھ کر جو مسلمانوں کی امداد کے لیے نازل ہوئے ہیں خیرہ اور سراسیمہ ہو جائیں گے یہ اللہ کی نعمت تھی کہ کافروں کے دل میں مسلمانوں کا خوف ڈال دیا۔ آئندہ آیت میں فرشتوں کو ایک اور حکم دیا جاتا ہے کہ تم فقط مسلمانوں کی تثبیت اور تقویت پر اقتصار نہ کرو بلکہ ان کے ہمراہ ہو کر ان کے دشمنوں سے لڑو بھی پس تم ان کی گردنوں کے اوپر مارو تاکہ حق کے مقابلہ میں سر ہی نہ اُٹھا سکیں اور ان کی سب انگلیاں کاٹ ڈالو۔ یعنی ان کے ہاتھ بیکار کر دو کہ وہ تلوار نہ پکڑ سکیں حملہ تو کیا مدافعت کے بھی قابل نہ رہیں فرشتوں کو قتال کا حکم ہوا تو بنی آدم کی طرح فرشتوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ کافروں کے قتل اور ضرب کا کیا طریقہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل اور ضرب کا طریقہ بتایا کہ گردن کے بالائی حصہ پر مارو تاکہ سر قلم ہو جائے اور پوروں اور انگلیوں پر تاکہ تلوار اور ہتھیار نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال کیا جیساکہ ربیع بن انسؓ سے مروی ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں کے ہاتھ کے مقتول اور فرشتوں کے ہاتھ کے مقتول واضح طور پر پہچانے جاتے تھے۔ کسی کا سر گردن سے اڑا ہوا ہے اور کسی کے پوروں پر ضرب کے نشان ہیں جیسے آگ کے جلانے سے داغ اور نشان پڑ جاتا ہے اسی طرح مقتولین بدر کے ہاتھوں اور پوروں پر دیکھے گئے۔

فائدہ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ کافروں کے دل فرشتوں کے الہام کے قابل نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رعب ڈالنے کو اپنی طرف منسوب کیا اور فرشتوں کو مسلمانوں کے دل ثابت کرنے کا حکم دیا اور اس جنگ میں فرشتے ہاتھوں سے بھی لڑے ہیں۔ (موضح القرآن)

نکتہ چونکہ معرکہ بدر میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سراقہ ابن مالک مدلجی کی شکل میں متمثل ہو کر ابوجہل کے پاس آیا اور مشرکین کے حوصلے بڑھائے اور اس کو یہ اطمینان دلایا کہ میرا تمام قبیلہ تمہارے ساتھ ہے اور بعد ازاں ابلیس لعین شیاطین کا ایک بھاری لشکر لیکر مشرکین کی مدد کے لیے معرکہ بدر میں حاضر ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اہل ایمان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لیے فرشتوں کا لشکر نازل کیا اور ان کو حکم دیا کہ اپنے الہامات سے مسلمانوں کے دلوں کو قوت پہنچائیں اور ان کی مدد کریں اور ان کے ہمراہ ہو کر کافروں سے لڑیں ورنہ فی الحقیقت اللہ کو نہ فرشتوں کی احتیاج ہے اور نہ آدمیوں کی وہ ایک فرشتہ سے بھی بڑی سے بڑی بستی تباہ کر سکتا ہے۔ یہ سب من جانب اللہ اپنے رسولؐ کا اور اپنے صحابہؓ کا اعزاز و اکرام تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ

یہ اس واسطے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اسکے رسول کے اور جو کوئی

يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

مخالف ہو اللہ کا اور اس کے رسول کا تو اللہ کی مار سخت

الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ

ہے۔ یہ تو تم چکھ لو اور جان رکھو کہ منکروں

عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

کو ہے عذاب دوزخ کا۔

بیان حکمت در ہزیمت کفار

قال اللہ تعالیٰ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ ..الی... وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ

(ربط) ان آیات میں کافروں کی ذلت اور ہزیمت کا سبب ذکر فرماتے ہیں ان لوگوں نے اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کی اور اسکی اطاعت سے سرکشی کی جس کا دنیا میں کچھ مزا چکھا اور اصل سزا تو آخرت میں ملے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ اس طرح سے کافروں کا مقتول اور مخذول ہونا اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی مخالفت کرے گا تو بیشک اللہ اسکو سخت عذاب دینے والا ہے۔ اے مشرکو یہ قتل اور قید کا مزہ تو فی الحال دنیا میں چکھ لو اور جان رکھو کہ کافروں کے لیے آخرت میں اسکے علاوہ دوزخ کا عذاب ہے دنیاوی سزا سے عذاب اخروی ٹل نہیں سکتا۔ اس لیے کہ اصل عذاب تو آخرت کا ہے اور دنیوی عذاب اس عذاب کا ایک نمونہ ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے غرور اور انکے کفر اور عداوت کو بیان کیا کہ اتراتے ہوئے رسولؐ کے مقابلہ میں آئے اور پھر اہل ایمان کے استغاثہ اور فریاد کو بیان کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اللہ تعالیٰ نے ان عاجزی کرنے والے بندوں کو مغرورین اور متکبرین کے مقابلہ میں عزت دی اور تکبر اور غرور والوں کو ذلیل اور خوار کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے اور اخیر میں بتلا دیا کہ اصل ذلت و خواری قیامت کے دن ہوگی۔ اور موجودہ ذلت و خواری تو محض سر جھکانے کے لیے ہے تاکہ ہوش میں آجائیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ

اے ایمان والو! جب بھڑو تم کافروں سے

كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَنْ يُوَلِّهِمْ

میدان جنگ میں تو مت دو انکو پیٹھ اور جو کوئی اُن کو

يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ

پیٹھ دے اس دن مگر یہ (سوائے اسکے) کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا یا جا ملتا ہو فوج

فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ

میں سو وہ لے پھرا غضب اللہ کا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦﴾

اور کیا بُری جگہ جا ٹھہرا۔

بیان حرمت فرار از مقابلہ کفار

قال اللہ تعالیٰ یَاأَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ... الیٰ ... وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۔

(ربط) گزشتہ آیت میں ملائکہ کو تثبیتِ مومنین کا حکم تھا اب ان آیات میں مومنین کو ثبات وقرار کا حکم ہے یعنی مسلمانوں پر میدانِ جہاد میں ثابت قدم رہنا واجب ہے اور مقابلۂ کفار سے فرار حرام ہے بجز دو صورتوں کے ایک تو یہ کہ پسپائی سے کافروں کو دھوکہ دینا مقصود ہو تاکہ دشمن غافل ہو جائے پھر پلٹ کر دفعۃً اس پر حملہ کرے ظاہر میں بھاگتا ہو مگر درحقیقت مقصود حیلہ اور داؤ ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود اصلی بھاگنا نہ ہو بلکہ بے سروسامانی کی وجہ سے اپنی مرکزی جماعت میں پناہ لینا ہو تاکہ انکے ساتھ مل کر دشمنوں سے جہاد وقتال کرے تو ایسی پسپائی گناہ نہیں ہاں جبکہ پسپائی محض لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے کی نیت سے ہو تو وہ گناہ ہے اور اگر بھاگ کر لشکر اسلام میں آملنا مقصود ہو تو پھر گناہ نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! جب جہاد میں تم کافروں کے بڑے لشکر سے بھڑو۔ جو انبوہ کثیر ہونے کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ تمہاری طرف گھسٹا ہوا آرہا ہے تو تم انکے مقابلہ سے پشت نہ پھیرو میدانِ جنگ میں ایک کے بھاگنے سے

دوسروں کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے ہیں۔ اور جو اس دن پشت پھیرے سوائے اس صورت کے کہ وہ لڑائی کے لیے کنی کاٹتا ہو اور دشمن پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت اور مرکز کی طرف پناہ لیتا ہو تاکہ ان کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کرے اور اپنی جماعت کے ساتھ شریک ہو کر دشمنوں سے قتال کرے تو ان صورتوں کے علاوہ جو مسلمان کافروں کے مقابلہ سے پشت پھیریگا سو وہ اللہ کے غضب کو لیکر لوٹیگا اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ دوزخ بہت بری جگہ ہے ان دو صورتوں کے علاوہ دشمن کے مقابلہ سے بھاگنا حرام ہے اور یہ دو صورتیں جو جائز رکھی گئی ہیں انکی وجہ یہ ہے کہ یہ حقیقت میں بھاگنا نہیں بلکہ لڑائی کا ایک داؤ ہے ابتدا میں دہ چند کافروں سے مقابلہ واجب تھا بعد میں حق تعالٰی نے تخفیف فرما دی کہ دو چند سے مقابلہ واجب ہوا اور مسلمانوں کو اپنے دو چند سے بجز ان دو صورتوں کے پسپا ہونا حرام ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا

سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے مارا اور تو نے نہیں

رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ

پھینکی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی اور

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ اِنَّ

کیا چاہتا تھا ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان تحقیق

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ

اللہ ہے سنتا جانتا - یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ سست

كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱

کریگا تدبیر کافروں کی -

بیان علت بودن قدرت حق وسبب وواسطہ بودن قدرت خلق

قال اللہ تعالیٰ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ... الی ... وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں بھی حق تعالیٰ کی ایک غیبی امداد کا ذکر تھا اب ان آیات میں بھی اس کی ایک غیبی امداد کا ذکر ہے جس سے یہ بتلانا ہے کہ جنگِ بدر میں جو فتح ہوئی وہ دراصل قدرتِ خداوندی کا کرشمہ ہے جو خدا تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں سے ظاہر فرمایا ہے اصل علت قدرت حق ہے اور قدرت خلق محض سبب اور واسطہ کے درجہ میں ہے بعض لوگوں کی زبان سے یہ نکلا تھا کہ میں نے اس لڑائی میں فلاں کو مارا اور میں نے فلاں کو مارا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ بتلایا گیا کہ یہ سب اللہ کا فضل و کرم تھا ظاہر میں کفار اگرچہ تمہارے ہاتھ سے قتل ہوئے لیکن درحقیقت اور در پردہ دستِ قدرت کارفرما تھا۔ اور تمہارا ہاتھ اسکی قدرت اور مشیت کا محض ایک روپوش تھا۔ لہٰذا ناز کی ضرورت نہیں۔ نیاز کی ضرورت ہے روپوش پر نظر نہ کرو بلکہ اس روپوش کے اندر جو دستِ قدرت چھپا ہوا ہے اسکی طرف نظر کرو۔

شانِ نزول ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب جنگ بدر کی شدت ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ شَاہَتِ الوُجُوہ پڑھ کر ایک مشت خاک کافروں کی طرف پھینک دی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت سے خاک کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچ گئے جس سے کافر آنکھیں ملنے لگے۔ ادھر مسلمانوں نے ہلّہ بول دیا آخر کفار بھاگ پڑے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اپنی طرف منسوب فرمایا سوائے مسلمانو! تم نے ان کافروں کو نہیں مارا لیکن اللہ نے مارا یعنی جنگ بدر میں تمہارا اپنے اعداء کو باوجود انکی کثرت کے اور باوجود تمہاری قلت کے ستر کو قتل کرنا اور ستر کو قید کرنا یہ تمہاری حول اور قوت سے نہیں ہوا بلکہ اللہ کی غیبی نصرت اور مدد سے ہوا کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس فتح اور غلبہ کو اپنا کارنامہ سمجھے اور اس پر فخر کرے جو کچھ کیا وہ اللہ ہی نے کیا اگر وہ تمہاری مدد نہ کرتا اور تمہارے دلوں کو مضبوط نہ کرتا اور تمہارے پاؤں نہ جمائے رکھتا تو تم کسی ایک کو بھی قتل نہ کرسکتے تھے یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہارے ہاتھوں یہ کام کرایا۔

شعر

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کنم منت شناس از و کہ بخدمت بداشتت

اور اے نبی! جب آپ نے کافروں کی طرف خاک کی مٹھی پھینکی تھی تو وہ درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی تھی ولیکن در پردہ اللہ نے پھینکی تھی اور اسی نے اپنی قدرت سے ایک مشت خاک کے تمام ریزوں کو تمام کافروں کی آنکھوں میں پہنچا دیا اور انکو خیرہ اور سراسیمہ بنا دیا اور کوئی مشرک اس سے نہ بچ سکا یعنی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ ایک مشتِ خاک ایک مسلح لشکر کے ہر سپاہی کی آنکھ میں پہنچا دے اور پھر وہ مشتِ خاک اس لشکرِ جرار کی ہزیمت کا سبب بن جائے یہ صرف دستِ قدرت تھا جس نے ایک مشت خاک سے ایک لشکرِ جرار کی فوج کے منہ پھیر دیئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ تمہارے ہاتھوں سے اس لیے ظاہر فرمایا کہ اپنے بے سروسامان دوستوں کے ہاتھوں متکبر اور سرکشوں کو موت کے گھاٹ اتارے اور تاکہ اہل ایمان پر اپنی طرف سے خوب احسان کرے کہ نصرت اور غنیمت انکو عطا کرے بیشک اللہ مومنوں کی دعا کو سننے والا ہے اور ان کے اخلاص اور وفاداری کو بھی خوب جاننے والا ہے۔ یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ کافروں

کی تدبیر کو سست کرنے والا اور انکے مکر اور حیلہ کو باطل کرنے والا ہے چنانچہ اس وقت بھی کافروں کے سب منصوبے خاک میں مل گئے اور آئندہ کے لیے بھی انکی تدبیریں سست پڑ گئیں اور جن لوگوں کی زبان سے یہ نکلا تھا کہ میں نے فلاں کو مارا اور میں نے فلاں کو مارا اس سے اُنکے اِعجاب اور خود پسندی کا بھی خاتمہ ہو گیا اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ یہ سب کچھ خداوند ذوالجلال کے غیبی کرشمۂ عنایت سے ہوا نہ کہ ہماری حول اور قوت سے۔

نکتہ فعل قتل کا ظہور اگرچہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوا اور فعل رمی کا ظہور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے ہوا مگر باعتبار اثر اور نتیجہ کے بشری طاقت سے بالا اور برتر تھا اس لیے قتل اور رمی کو ظاہر کے اعتبار سے بندوں کی طرف منسوب فرمایا اور حقیقت اور اثر کے اعتبار سے بندوں سے اسکی نفی کی گئی اور خداوند ذوالجلال کی طرف اسکی نسبت کی گئی کہ یہ تاثیر محض فعل الٰہی تھی۔

ف بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر کی طرح جنگ حنین میں بھی آپؐ نے ایک مشت خاک لیکر دشمنوں کے لشکر کی طرف پھینکی اور شاہت الوجوہ فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے چہرے خراب ہوتے واللہ اعلم۔
(دیکھو تفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۹۵ ج ۲ و تفسیر ابن جریر صفحہ ۲۰۴ ج ۹ و صحیح مسلم صفحہ ۱۰۲ ج ۲ باب غزوۃ حنین)

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَ
اگر تم چاہو فیصلہ سو پہنچ چکا تم کو فیصلہ، اور

إِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِنْ
اگر باز آؤ تو تمہارا بھلا ہے۔ اور اگر پھر

تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ
کرو گے تو ہم بھی پھر کریں گے اور کام نہ آوے گا تمکو تمہارا جتھا

شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ
اگرچہ بہت ہوں، اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۹﴾
ایمان والوں کے۔

تحسیر و تعییر کفار و بیان سبب غلبۂ ابرار

قال اللہ تعالیٰ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ .. الیٰ .. وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں اہل ایمان کو بطور تذکیر نعم خطابات تھے اب ان آیات میں کفار کو بطور تذکیر نقم خطاب ہے یعنی بطور تعییر و تحسیر خطاب ہے جسکا قصہ یہ ہے کہ جب ابو جہل اور کفار قریش مکہ سے آپؐ کے مقابلہ کے لیے روانہ ہونے لگے تو حرم کا پردہ پکڑ کر یہ دعا کی کہ اے اللہ ہمارے اور محمد کے لشکر میں تیرے نزدیک جو باعتبار دین کے بہتر اور برتر ہو اسی کو فتح دے چنانچہ حق تعالیٰ نے انکی دعا کے مطابق مسلمانوں کو فتح دی اور یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۸۷ ج ۷)

سو اس آیت میں کفار کو عار اور حسرت دلانا مقصود ہے اور بطور تہکم اور استہزاء ان سے خطاب ہے کہ جس فتح کے تم طلبگار تھے دیکھ لو کہ تمہاری تمنا اور دعا کے مطابق وہ فتح تمہارے سامنے آگئی پس اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو خیریت اسی میں ہے کہ تم ایمان لے آؤ اور دیکھ لو کہ باوجودیکہ تمہاری جماعت بہت زیادہ تھی مگر اسکی کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اس لیے مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ خدا جس کے ساتھ ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے کافرو اگر تم فتح طلب کرتے تھے پس تمہارے سامنے وہ فتح آگئی جسکے تم طلبگار تھے یعنی اسی دین کی فتح ہوئی جو میرے نزدیک محبوب اور پسندیدہ تھا اور اگر تم آئندہ کے لیے کفر اور عناد سے باز آجاؤ تو وہ تمہارے لیے دین اور دنیا میں بہتر ہے اس جہان کے قتل سے اور اس جہان کے عذاب سے بچ جاؤ گے اور اگر تم دین اسلام کی عداوت میں پھر لوٹو گے تو ہم بھی تمہاری تذلیل و تحقیر کی طرف پھر لوٹیں گے اور تمہاری جماعت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی اگرچہ وہ کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو اور کیسے کام آسکتی ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اور خدا اور خدا کی نصرت اور اعانت جسکے ساتھ ہو اسکا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا

اے ایمان والو! حکم پر چلو اللہ کے اور اسکے رسولؐ کے اور

تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝۲۰ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

اس سے مت پھرو سن کر۔ اور ویسے مت ہو جنہوں نے

لہ تحسیر کے معنی حسرت دلانا اور تعییر کے معنی عار دلانا ہے۔

قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ

کہا کہ ہم نے سُنا اور وہ سُنتے نہیں بدتر سب جانوروں میں

عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَ

اللہ کے پاس وہی بہرے گونگے ہیں جو نہیں بوجھتے۔ اور

لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ

اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی تو انکو سُناتا اور جو انکو سنادے

لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

تو اُلٹے بھاگیں منہ پھیر کر۔ اے ایمان والو! مانو

اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ

حکم اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلاوے تمکو ایک کام پر جس میں

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَ

تمہاری زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ روک لیتا ہے آدمی سے اس کے دل کو اور یہ

اَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ

کہ اسی پاس تم جمع ہو گے۔ اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہ پڑے گا

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

تم میں سے ظالموں پر چُن کر۔ اور جان لو کہ اللہ کا

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ

عذاب سخت ہے۔ اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے

مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ

مغلوب پڑے ہوئے مُلک میں ڈرتے تھے کہ اُچک لیں تم کو

النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ

لوگ، پھر اس نے تمکو جائے دی اور زور دیا اپنی مدد سے اور روزی دی تمکو

الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

ستھری چیزیں شاید تم حق مانو۔ اے ایمان والو!

لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَ

چوری نہ کرو اللہ اور رسول سے یا چوری کرو آپس کی امانتوں

اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ

میں جان کر۔ اور جان لو کہ تمہارے مال اور

اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع

اولاد جو ہیں خراب کرنیوالے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ

اے ایمان والو! اگر ڈرتے رہو گے اللہ سے تو کردیگا تم

فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

میں فیصلہ اور اتاریگا تم سے سارے گناہ اور تمکو بخشے گا اور اللہ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

کا فضل بڑا ہے۔

ترغیب بر اطاعت و امانت و ترہیب از معصیت و خیانت و زجر دوستاں از مشابہت دشمناں

قال اللہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ .. الیٰ .. وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اب ان آیات میں اہل ایمان کو ہدایت فرماتے ہیں کہ حق جل شانہٗ کی معیت اور نصرت اور حمایت کا دارومدار اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت پر ہے اگر تم اللہ کی معیت اور اسکی نصرت کے طلبگار ہو تو اسکی دو شرطیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی دل و جان سے ایسی اطاعت کرو جس میں خیانت کا شائبہ نہ ہو اس لیے کہ خیانت اطاعتِ کاملہ میں مخل ہے۔ دوم یہ کہ اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپکو خدا کے دشمنوں اور اسکے باغیوں یعنی کافروں اور منافقوں کی مشابہت اور مماثلت سے محفوظ رکھیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ مَن تشبہ بقومٍ فھو منھم۔ (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں شمار ہو گا) کوئی بادشاہ اور فرمانروا یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اسکی وفاداری کا دعویٰ دار اسکے دشمنوں کا ہمرنگ اور ہم لباس اور ہم صورت بنے۔ اسی طرح دعویٰ تو ہو ایمان کا اور خدا اور رسول کی محبت کا اور صورت اور طرز معاشرت سارا کا سارا ہو دشمنانِ خدا و رسول کا سا۔ یہ درپردہ اجتماع ضدین ہے۔ جو حکماء اور عقلاء کی نظر میں احمقانہ دعویٰ ہے۔

اس لیے ان آیات میں (اولاً) حق تعالیٰ نے اطاعت کاملہ کا حکم دیا اور (ثانیاً) اعداء اسلام یعنی کفار اور منافقین سے تشبہ کی ممانعت فرمائی کما قال تعالیٰ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا۔ اور پھر اس کے ساتھ متشبہ بہ کی مذمت میں ان کو شر الدواب فرمایا تاکہ تشبہ بالکفار کی قباحت خوب ذہن نشین ہو جائے اور ثالثاً يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا الخ۔ میں یہ بتلایا کہ اطاعتِ خدا اور رسول حیات ابدی کا ذریعہ ہے۔ اور (رابعاً) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ۔ میں خیانت سے ممانعت کی اور مال اور اولاد کے فتنہ پر تنبیہ فرمائی اس لیے کہ اس سے اطاعت میں خلل پڑتا ہے اور (خامساً) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ۔ میں تقویٰ کے فوائد اور برکات کو بیان فرمایا اور یہ تمام مضامین آپس میں غایت درجہ متناسب اور متجاذب ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی معیت[1] چاہتے ہو تو تم اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی اور رسول کے حکم سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سن رہے ہو کہ وہ ہمارے رسول ہیں اور ان کی اطاعت ہماری اطاعت ہے اور ایمان کا مقتضیٰ ہی اطاعت ہے اور ان لوگوں کے مشابہ نہ ہو جو زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیرا حکم سُن لیا اور دل سے نہیں سنتے یعنی منافقوں کے مانند نہ بنو جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ فقط سر کے کانوں سے سُن لینا کافی نہیں اور یہ فقط مقتضائے ایمان کے خلاف نہیں بلکہ مقتضائے انسانیت کے بھی خلاف ہے اس لیے کہ تحقیق بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو حق کے سننے سے بہرے اور حق کے بولنے سے گونگے اور حق کے سمجھنے سے بے عقل ہیں نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ حق بات منہ سے

[1] گزشتہ آیت وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے منہ عفا اللہ عنہ

نکالتے ہیں اور نہ حق بات کے سمجھنے کی طرف عقل کو متوجہ کرتے ہیں ایسے لوگ بہائم سے بھی بدتر ہیں اس لیے کہ حیوانات تو عقل اور ادراک سے عاری ہیں انہیں کیا ہوا کہ عقل اور شعور کے ہوتے ہوئے نفس اور طبیعت کی طرف دوڑ پڑے اور اگر اللہ ان میں کوئی خیر اور بھلائی جانتا یعنی حق کی طلب اور قبول حق کی صلاحیت جانتا تو ضرور انکو حق سنا دیتا یعنی انکو سننے کی توفیق سے آیات قرآنی سے ہدایت حاصل کرتے اور حق کو سمجھ جاتے اور اگر بالفرض خدا تعالےٰ انکو ایسی حالت میں سنا دے جبکہ ان میں کچھ بھی خیر نہیں اور نہ حق کی طلب ہے بلکہ بجائے خیر کے انکے دل عناد اور حق کی نفرت سے لبریز ہیں ایسی حالت میں اگر خدا تعالےٰ انکو سُنا بھی دے تب بھی وہ روگردانی کریں گے اور اعراض کر کے الٹے پیر بھاگیں گے جن میں خیر کا کوئی مادہ ہی نہ ہو اور قبول حق کی صلاحیت اور استعداد ہی نہ ہو اور نہ حق کی طلب ہو اور نہ اسکی فکر اور تلاش ہو تو ایسے بدبخت سننے کے بعد بھی ہدایت پر نہیں آتے اور ظاہری کانوں سے سننے کے بعد بھی بے رخی برتتے ہیں کیونکہ خیر سے خالی ہونے کی وجہ سے یہ لوگ دائرۂ انسانیت سے نکل کر دائرۂ حیوانیت میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہاں تک محروم اور مردود لوگوں کا حال بیان ہوا اب آئندہ آیت میں اللہ تعالےٰ اپنے اہل قرب اور محبین کو متابعتِ رسول کی راہ سے اپنے قرب اور مشاہدہ کی دعوت دیتے ہیں لہذا تم کو چاہیئے کہ اس کی دعوت کو قبول کرو تاکہ تم کو حیات دائمی حاصل ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو تمہارا ایمان جب مکمل ہو گا کہ جب تمہارا دل زندہ ہو جائے لہذا اگر تم حیات روحانی اور حیات جاودانی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ اور اسکے رسول کی پکار کو قبول کرو جب اللہ کا رسول روحانی زندگی بخشنے کے لیے تمکو بلائے یعنی علوم حقہ اور ایمان اور اعمال صالحہ کی طرف بلائے جس سے دنیا میں تمکو روحانی زندگی ہو اور جنت میں حیات ابدی حاصل ہو غرض یہ کہ جس دین کی طرف آپؐ بلاتے ہیں وہ دل کو زندہ کرنے والا ہے اور دل کی زندگی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم اس نعمت عظمیٰ سے روگردانی کرو اور ساتھ ساتھ اس بات کو جان رکھو کہ اللہ تعالےٰ آدمی اور اسکے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے وہ مقلب القلوب ہے دلوں کو پلٹتا رہتا ہے یعنی زندگی کو غنیمت سمجھو اور استجابتِ رسولؐ میں دیر نہ کرو شاید تھوڑی دیر کے بعد دل کی یہ حالت نہ رہے دل آدمی کے قبضہ میں نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے وہ اسکو الٹا پلٹتا رہتا ہے۔ ابتداءً اللہ تعالےٰ کسی کے دل کو خیر سے نہیں روکتا اور نہ اس پر مہر کرتا ہے البتہ اگر بندہ کاہلی اور سُستی اور روگردانی کرنے لگے اور حد سے گذر جائے تو پھر اللہ تعالےٰ بھی اسکی سزا اور پاداشں میں اپنی توفیق اور ہدایت کو روک لیتا ہے یا کوئی حق پرستی کو چھوڑ کر ضد اور عناد پر اتر آئے تو پھر اللہ تعالےٰ اسکے دل پر مہر کر دیتا ہے اور اس پر قفل ڈال دیتا ہے جس سے دل کے اندر خیر پہنچنے کا راستہ بند ہو جاتا ہے (ہذا توضیح ما فی موضح القرآن) اور بچتے اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے کہ جسکا وبال تم میں سے فقط ان لوگوں پر نہ پڑے گا جنہوں نے خاص کر ظلم کا ارتکاب کیا ہے بلکہ اس کا وبال عام ہو گا ظالم اور غیر ظالم سب ہی اسکی زد میں آجائیں گے آیت میں فتنہ سے مداہنت فی الدین کا فتنہ مراد ہے کہ جب لوگ کھلم کھلا منکرات کا ارتکاب کرنے لگیں اور اہل علم باوجود قدرت کے مداہنت برتیں اور

نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں اور نہ دل سے اس سے نفرت کریں جو آخری درجہ ہے اور نہ ایسے لوگوں سے میل جول کو چھوڑیں تو ایسی صورت میں اگر من جانب اللہ کوئی عذاب آ یا تو وہ عام ہو گا جس میں اہل معاصی اور مرتکبین منکرات کی کوئی تخصیص نہ ہوگی بلکہ وہ عذاب مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔ کیونکہ منکرات اور معاصی اگر لوگوں میں شائع ہو جائیں تو انکی تغییر حسب قدرت سب پر واجب ہے اور جو باوجود قدرت کے سکوت کرے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی دل سے راضی ہے اور راضی حکم میں عامل کے ہے بلکہ بعض اوقات رضا بالمنکر۔ ارتکاب منکر سے زیادہ دین کے لیے مضر ہوتی ہے اس لیے اس فتنہ پر جو عقوبت اور مصیبت نازل ہوگی وہ سب کو عام ہوگی۔ اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے جو اسکی معصیت اور نافرمانی کو دیکھ کر باوجود قدرت کے اس پر سکوت کریگا اور اندر سے اسکا دل رنجیدہ نہ ہوگا تو اسکو بھی عذاب پہنچے گا۔

پس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ خود بھی خدا تعالیٰ و رسول ؐ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ اور جو اسکی نافرمانی کرے اسکو نصیحت اور فہمائش کرو۔ نہ مانیں تو کم از کم بیزاری اور نفرت کا اظہار کرو اور حضرت شاہ عبدالقادر ؒ نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے فتنہ اور فساد اور ایسے گناہ سے بالخصوص بچنا چاہیئے جسکا خراب اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے متعدی ہو کر دوسروں تک پہنچتا ہے پہلے فرمایا تھا کہ خدا اور رسول کے حکم ماننے میں کاہلی نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ دیر کرنے کی وجہ سے دل ہٹ جائے اور پھر اسکا کرنا اور مشکل ہو جائے اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ کاہلی کریں تو عام لوگ بالکل چھوڑ دیں گے تو رسم بد پھیلے گی اسکا وبال سب پر پڑے گا جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد بھاگ ہی جائیں پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ اپنے ضعف اور ناتوانی کی بنا پر حکم برداری میں کاہلی نہ کریں اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم شمار میں بہت تھوڑے سے تھے اور سرزمین مکہ میں ہجرت سے پہلے تم ضعیف اور ناتواں سمجھے جاتے تھے۔ ضعف کا یہ حال تھا کہ تم ڈرتے تھے کہ کافر تم کو کہیں اچک نہ لے جائیں پس اللہ نے تمکو مدینہ میں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت بخشی اور تمہارا ضعف مبدل بہ قوت ہوا اور تم کو اپنی کمزوری کی بنا پر جو یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ دشمنان اسلام ہمکو نوچ کھسوٹ کر نہ لیجائیں یہ خدشہ دور ہوا اور ہجرت کے بعد تمکو جہاد کا حکم ہوا اور پاکیزہ اور ستھری چیزوں سے تمہیں روزی دی اور مال غنیمت تمہارے لیے حلال کیا جو پہلی امتوں کے لیے حلال نہ تھا۔ تاکہ تم اسکی نعمتوں کا شکر مانو جتنا شکر کرو گے اسی قدر نعمتوں میں زیادتی ہوگی۔ آگے فرماتے ہیں کہ منعم کا حق اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کے حق میں کوئی خیانت نہ کی جائے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ تم خدا اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ اپنی آپس کی امانتوں میں خیانت کرو اور حالانکہ تم جانتے ہو کہ امانت کی حفاظت واجب ہے اور خیانت کرنے کا بڑا وبال ہے خیانت کے لغوی معنی نقص اور کمی کے ہیں۔ پس کسی کے حقوق میں کمی کرنا خیانت ہے اسی طرح اللہ کا دین امانت ہے اللہ کی

طرف اسکو ادا کرو اسکے فرائض بجالاؤ اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود پر قائم رہو۔

یہ آیت ابولبابہ انصاریؓ کے بارے میں نازل ہوئی یہود بنی قریظہ نے جب حضور پر نورؐ سے صلح کی درخواست کی تو اس بات میں یہود نے ابولبابہؓ سے مشورہ کیا اور پوچھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔ چونکہ انکے مال وعیال اس گڑھی میں انکے پاس تھے اس لیے بمقتضائے بشریت ابولبابہؓ نے انگلی سے حلق کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کر ڈالیں گے۔ ابولبابہؓ یہ اشارہ کر تو گزرے مگر فوراً تنبہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسولؐ کے ساتھ خیانت کی واپس آکر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا حتی کہ موت آجائے۔ یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کرے سات آٹھ دن یونہی بندھے رہے فاقہ سے غشی طاری ہوگئی آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی اس پر کہا کہ خدا کی قسم جب تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے میری رسی نہ کھولیں گے اس وقت تک میں اپنے آپکو نہ کھولوں گا۔ آپؐ تشریف لائے اور خود اپنے دست مبارک سے انکو کھولا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر در منثور ص ۱۷۸ ج ۳)

تحذیر از فتنۂ مال واولاد

ابولبابہ انصاریؓ نے جو یہود کی یہ خیر خواہی کی اور خدا و رسولؐ سے ایک قسم کی خیانت کی اسکی وجہ یہ تھی کہ ابولبابہؓ کے اہل وعیال اور ان کے اموال بنی قریظہ میں تھے انکے بچاؤ کے لیے ایسا کیا اس لیے آئندہ آیت میں متنبہ فرماتے ہیں کہ مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ یعنی تمہارے لیے آزمائش ہیں یہ اموال اور اولاد تم کو اس لیے دیئے گئے ہیں کہ تم اس عطار کا شکر ادا کرو اور اطاعت بجالاؤ۔ نہ اس لیے کہ تم بمقابلۂ اسلام انکی رعایت کرو اور اللہ اور اسکے رسولؐ سے خیانت کرو۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور اولاد بڑی آزمائش ہیں عاقل کو چاہیئے کہ ان چیزوں کی محبت میں پڑ کر اللہ اور اسکے رسولؐ سے خیانت نہ کرے اور یقین رکھو کہ اللہ کے یہاں بڑا ثواب ہے جسکے سامنے یہ تمام دنیوی منافع ہیچ ہیں لهذا مال اور اولاد کی خاطر ثواب اور آخرت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔

برکات تقوٰی

اے ایمان والو اگر تم اپنے ایمان کو فتنہ سے بچانا چاہتے ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو اور تقوٰی کو اپنا شعار بنالو تو اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے درمیان ایک فیصلہ کردے گا یعنی تمکو تمہارے دشمنوں پر ایسی فتح اور غلبہ دیگا کہ پھر تمہیں کافروں کی کسی رعایت کی ضرورت ہی نہ رہے گی اور فتنہ سے تم محفوظ ہو جاؤ گے۔

مطلب یہ ہے کہ فرقان سے فتح و نصرت مراد ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فرقان سے نور ہدایت مراد ہے یعنی تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دیگا جس سے تم ذوقًا و وجدانًا حق اور باطل میں فرق کر لیا کرو گے۔ اور اسکے علاوہ تقویٰ کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری برائیاں دور کر یگا اور تمکو بخش دیگا۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ وہم و گمان سے بڑھ کر دینا ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا کہ یہ فتح اتفاقی ہے، حضرتؐ سے مخفی کافروں پر احسان کریں۔ کہ ہمارے گھر بار اور اہل و عیال کو مکہ میں نہ ستاویں سو پہلی آیت میں خیانت کو منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جائے گا تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے" (موضح القرآن)

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ

اور جب فریب بنانے لگے کافر، کہ تجھ کو بٹھا دیں یا

یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ

مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی فریب کرتے تھے اور اللہ

اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

بھی فریب کرتا تھا اور اللہ کا فریب سب سے بہتر ہے۔

ذکر انعامِ خاص

قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا... الیٰ... وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں عام مومنین پر انعام کا ذکر تھا اب اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے خاص انعام کا ذکر فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ہجرت کے وقت دشمنوں کے نرغہ سے کس طرح آپؐ کو صحیح سالم نکالا چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کر دلسے بیچ اس وقت کو کہ جب کافر آپ کے ساتھ مکر و فریب کر رہے تھے اور آپؐ پر اپنا داؤ چلا رہے تھے تاکہ تجھ کو مضبوط باندھ کر قید کر لیں اور ایک گھر میں مقید کر کے اسکا دروازہ بند کر دیں اور صرف ایک روشندان کھلا رہنے دیں اس میں سے آپؐ کے کھانے کے لیے ڈال دیا کریں یہاں

تنگ کر آپکی موت آجائے یہ رائے ابوالبختری بن ہشام کی تھی یا آپکو مختلف تلواروں سے قتل کر دیں یہ رائے ابو جہل کی تھی۔ اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک جوان منتخب کر لیا جائے اور ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار دیدی جائے اور سب مل کر ایک ساتھ حملہ کریں اور ایک ہی وار میں آپ کا کام تمام کریں جب اس طرح آپکو قتل کر دیں گے تو آپ کا خون تمام قبائل قریش پر بٹ جائیگا اور بنی ہاشم تمام عرب سے لڑ نہیں سکیں گے ناچار دیت پر راضی ہو جائیں گے اور ہم اسکی دیت دیکر چھوٹ جائیں گے یا آپ کو مکہ سے نکال دیں یہ رائے ہشام بن عمرو کی تھی اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ اس شخص کو ایک اونٹ پر سوار کر کے مکہ سے نکال دو۔ جب وہ تم سے غائب ہو جائیگا تو وہ تمکو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور سرداران قریش دین حق کے مٹانے کی تدبیروں اور سازشوں میں سرگرداں تھے اور طرح طرح مکر و فریب کر رہے تھے اور مخفی طور پر اللہ تعالیٰ انکے مکر و فریب کے باطل کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو انکے مکر و فریب سے محفوظ رکھے اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کے آگے لوگوں کے سب منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں اس آیت میں واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے جسکا مختصر قصہ یہ ہے کہ جب انصار مسلمان ہو گئے اور انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کر لی تو کفار قریش کو یہ اندیشہ ہوا کہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شان بڑھ نہ جائے اور آپ کا دین سب دینوں پر غالب نہ آجائے اسکی روک تھام اور انسداد کی تدبیر کرنے کے لیے سرداران قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے تاکہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آپس میں مشورہ کریں اور مشورہ کے بعد جو بات طے پائے اس پر عمل کریں اس مجمع کے بڑے سردار عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ابو جہل اور ابو سفیان اور طعیمہ بن عدی اور نضر بن الحارث اور ابوالبختری بن ہشام اور حکیم بن حزام وغیرہم تھے۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ابلیس لعین بھی ایک مقدس شیخ کی صورت بنا کر ان میں آموجود ہوا لوگوں نے جب اسکو دیکھا تو اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اس نے کہا کہ میں نجد کا ایک شیخ ہوں میں نے تمہارے مجمع کا حال سنا تو میں بھی تمہارے پاس آگیا تاکہ عمدہ رائے سے تمہاری خیر خواہی کروں لوگوں نے کہا کہ اچھا آیئے بیٹھیے! غرض یہ کہ وہ شیخ لعین بھی انکے مجمع میں شامل ہو گیا۔ جب سب لوگوں سے رائے لی گئی تو ابوالبختری نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم محمدؐ کو پکڑ کر مضبوط باندھ لو اور ایک گھر میں مقید کر کے اسکا دروازہ بند کر دو اور ایک روشندان کھلا رہنے دو اسی میں اسکی طرف کھانا پانی ڈالدیا کرو اور اسکے بارے میں گردش زمانہ کے منتظر رہو یہاں تک کہ جس طرح اس سے پہلے اور شاعر مر گئے وہ بھی مر جائے جب ابلیس لعین نے یہ رائے سُنی تو چلّایا اور کہا کہ یہ تمہاری رائے غلط اور بُری ہے اگر تم نے اسکو قید کر لیا تو یہ ناممکن ہے کہ اسکی خبر دروازہ سے باہر نہ نکلے جب اس کے اصحاب اس بات کو سُنیں گے تو جنگ کر کے تمہارے ہاتھ سے چھڑا لیں گے یہ سُن کر لوگوں نے کہا کہ شیخ

نجدی سچ کہتا ہے پھر ہشام بن عمرو کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم اسکو ایک اونٹ پر سوار کر کے اپنے یہاں سے نکال دو جب وہ تم سے غائب ہو جائے گا تو وہ تمکو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور تم اسکے شر سے راحت میں ہو جاؤ گے۔ شیخ نجدی نے کہا کہ یہ رائے تو بہت نکمی ہے تم ایسے شخص کو جس نے تمہاری عقلوں پر جادو کر دیا اپنے غیروں کی طرف نکالتے ہو کیا تم نے اس کی فصاحت کلامی اور شیریں زبانی کو نہیں دیکھا اور اس بات پر نظر نہیں کی کہ اسکی باتیں لوگوں پر کیا اثر کرتی ہیں اگر تم نے ایسا کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ یہاں سے چلا جائیگا اور دوسری قوموں کو مائل کر کے انکو تم پر چڑھا لائیگا اور پھر تم کو تمہارے شہر سے نکال دے گا۔ جب لوگوں نے اسکا یہ قول سنا تو سب نے کہا کہ شیخ نجدی نے سچ کہا اسکے بعد ابوجہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک آدمی لیا جائے اور سب مل کر دفعۃً اسکو قتل کریں تاکہ اسکا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے اور ظاہر ہے کہ بنی ہاشم تمام قبائل عرب سے نہیں لڑ سکتے ضرور بالضرور دیت پر راضی ہو جائیں گے اور ہم دیت دیکر چھوٹ جائیں گے۔ اسکے سوا میری اور کوئی رائے نہیں شیخ نجدی نے جب ابوجہل کی یہ رائے سنی تو خوشی کے مارے اچھل پڑا اور کہا کہ بے شک رائے تو یہی ہے جو اس جوان نے دی ہے اس سے بہتر کوئی رائے نہیں غرض ابوجہل کے قول پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ اسی شب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں اور مجمع برخاست ہو گیا۔

نکتہ ابوجہل کی رائے کو سنکر ابلیس لعین کو خوشی اس امر کی ہوئی کہ میرا ایک شاگرد مکر و فریب کی اس منزل پر پہنچ گیا کہ جہاں میرا فکر نہ پہنچ سکا۔

مجمع برخاست ہونے کے بعد جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور تمام واقعہ کی آپؐ کو خبر دی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹا دیا اور فرمایا کہ میری چادر اوڑھ کر لیٹ جاؤ تمکو کوئی تکلیف نہ ہوگی اور آپؐ اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا ... تا ... فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۔ پڑھتے ہوئے گھر سے نکلے اور ایک مٹھی خاک اٹھا کر انکے سروں پر پھینک دی اللہ تعالٰے نے انکو اندھا کر دیا اور وہ آپکو نہ دیکھ سکے آپؐ سیدھے ابوبکرؓ کے گھر گئے اور پھر انکو ساتھ لیکر غار ثور میں جا چھپے۔

مشرکین تمام رات علیؓ کی رکھوالی کرتے رہے اور انکو یہ سمجھتے رہے کہ یہ محمدؐ ہے جب صبح ہوئی تو قتل کے ارادہ سے گھر میں گھس گئے جب انہوں نے علیؓ کو دیکھا اور آپؐ کو نہ دیکھا تو سخت متحیر ہوئے اور علیؓ سے بولے کہ تمہارا رفیق کہاں گیا علیؓ نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔

غرض یہ کہ حق تعالٰے نے اس طرح سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں سے بچایا اور دشمن خائب و خاسر واپس ہوئے پھر جنہوں نے آپؐ کے قتل کا مشورہ دیا تھا غزوۂ بدر میں وہی قتل کیے گئے۔ ابوجہل جس نے قتل کا مشورہ دیا تھا وہ بھی بدر کے دن مارا گیا۔ لعنۃ اللہ علیہ۔

اب ان آیات میں حق تعالٰے نے مسلمانوں کو بتلایا کہ جب خدا ساتھی ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا پس جس طرح خدا تعالٰے نے اپنے پیغمبرؐ کو مکہ میں دشمنوں سے بچایا اسی طرح وہ تمہارے اہل و عیال کی بھی مکہ میں حفاظت کر سکتا ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ
اور جب کوئی پڑھے اُن پر ہماری آیتیں کہیں ہم سُن چکے ، ہم
نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ
چاہیں تو کہہ لیں ایسا یہ کچھ نہیں مگر احوال ہیں پہلوں کے
الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ
اور جب کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہی دین
الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً
حق ہے تیرے پاس سے تو ہم پر برسا پتھر
مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾ وَمَا كَانَ
آسمان سے یا لا ہم پر دُکھ کی مار ۔ اور اللہ ہرگز
اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ
نہ عذاب کرتا اُنکو جب تک تو تھا ان میں اور اللہ نہ عذاب
مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا لَهُمْ
کرے گا اُن کو جب تک بخشواتے رہیں ۔ اور ان میں
أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ
کیا ہے کہ عذاب نہ کرے انکو اللہ ؟ اور وہ روکتے ہیں مسجد
الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا
حرام سے اور اسکے اختیار والے نہیں اسکے اختیار والے وہی ہیں جو
الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ وَمَا
پرہیزگار ہیں لیکن وہ اکثر خبر نہیں رکھتے ۔ اور ان کی

كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً

نماز کچھ نہ تھی کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانی اور تالیاں

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ

سو چکھو عذاب بدلہ اپنے کفر کا۔ جو لوگ

الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ

کافر ہیں خرچ کرتے ہیں اپنے مال کہ روکیں اللہ

سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ

کی راہ سے سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر آخر ہوگا اُن پر

حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ

پچھتاوا پھر آخر مغلوب ہونگے اور جو کافر رہیں گے دوزخ

جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ

کو ہانکے جاویں گے تا جُدا کرے اللہ ناپاک کو

الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ

پاک سے، اور رکھے ناپاک کو ایک پر ایک پھر

فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ

اسکو ڈھیر کرے سارا پھر ڈالے اسکو دوزخ میں وہی لوگ ہیں

الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾

نقصان پانے والے۔

ع ۹

تفصیل مکائد کفار در ابطال دین پروردگار

قال اللہ تعالیٰ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا ... الیٰ ... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں ذات نبوی کے متعلق کفار کے کید اور مکر کا حال بیان فرمایا اب آئندہ آیات میں دینِ محمدی کے بارے میں کفار کے کید و مکر کی قدرے تفصیل فرماتے ہیں کہ وہ دین اسلام کے مٹانے کے لیے کیا کیا حیلے اور بہانے تراشتے تھے اور کس طرح جان و مال سے اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں کفار کی عداوت اور دشمنی کا ذکر تھا اب ان آیات میں کفار قریش کے تمرّد اور عناد اور انکے متکبرانہ دعاوی اور احمقانہ عادتوں کا بیان ہے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ تک یہی مضمون چلا گیا ہے جس سے مقصود انکی مذمت و شناعت اور انکے استحقاق عقوبت کو بیان کرنا ہے یعنی یہ لوگ اپنے تمرد اور عناد اور عادات شنیعہ کی بنا پر اس قابل ہیں کہ انکو سخت عذاب دیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں اور جب انکے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو از راہ تکبر یہ کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے سُن لیا۔ ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا ہی قرآن کہہ سکتے ہیں۔ یہ قرآن ہے ہی کیا چیز صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جو ملک فارس اور حیرہ سے رستم اور اسفندیار کی داستانیں سُن آیا تھا جہاں بیٹھتا وہاں لوگوں کو یہ قصے سنایا کرتا اور یہ کہتا کہ جیسے قصے تم کو محمدؐ سناتا ہے ویسے قصے میں تم کو سناتا ہوں اسکا کلام ہے ہی کیا اگر میں چاہوں تو میں بھی ویسا ہی کلام بنا لوں مگر اسکا یہ کہنا صریح حق کو جھٹلانا تھا۔ کہاں رستم و اسفندیار کے قصے اور کہاں یہ قرآن پاک۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ رستم اور اسفندیار کے قصے جھوٹ اور مبالغے سے پُر ہیں اور قرآن پاک کا حرف حرف صداقت اور واقعیت اور موعظت و حکمت پر مبنی ہے پھر اس پر قرآن کی وہ فصاحت و بلاغت جس نے تمام عرب و عجم کو عاجز کر دیا اسکے علاوہ ہے پھر کہ جب قرآن بانگِ دُہل یہ اعلان کر رہا ہے کہ جس کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک اور شبہ ہے تو اسکے مثل لے آئے تو نضر بن حارث کو کسی نے منع کر دیا کہ وہ قرآن جیسا کلام نہ بنا لائے جب اس کا دعویٰ یہ تھا کہ لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ۔ اگر ہم چاہیں تو قرآن جیسا ہم بھی کہہ لیں تو سوال یہ ہے کہ پھر آپ نے چاہا کیوں نہیں۔ کسی نے کہا تھا کہ اگر میرا گھوڑا چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے۔ مگر وہ چلتا نہیں یہ متکبرین اور معاندین حروف سے تو قرآن کا مقابلہ نہ کر سکے البتہ سیوف (تلواروں) سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور ان کے تمرد اور عناد کی ایک بات اور سنو جبکہ اس بات کے جواب میں انہوں نے یہ کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن یا یہ دین صحیح اور درست ہے تیری ہی طرف سے اتارا گیا ہے تو ہم تو جب بھی اس قرآن کو نہیں مانیں گے تو تو عذاب میں دیر ست کر ہم پر آسمان سے پتھر برسا جس طرح تو نے اصحاب فیل پر برسائے تھے یا اور کسی طرح کا ہم پر دردناک عذاب لا یہ قول بھی نضر ہی نے کہا تھا جس سے مقصود

قرآن کے باطل ہونے پر اپنے یقین کا ظاہر کرنا تھا اور اسی نضر کے بارہ میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۔ اور دوسری جگہ یہ ہے۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ۔ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ عطاء کہتے ہیں کہ قرآن میں نضر کے بارے میں کچھ اوپر دس آیتیں نازل ہوئیں سو خدا تعالیٰ نے اسکی دعا قبول کی اور بدر کے دن گرفتار ہوا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صبراً (بھوکا پیاسا) رکھ کر اسکی گردن مارنے کا حکم دیا اور نضر کی طرح ابو جہل نے بھی اسی طرح کہا تھا وہ بھی بدر کے دن ذلت اور رسوائی کے ساتھ مارا گیا اور کنوئیں میں ڈال دیا گیا۔ امم سابقہ کے جاہلوں نے بھی یہی کہا تھا۔ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اسی طرح عرب کے متمردوں اور سرکشوں نے یہ کہا کہ اے اللہ اگر یہ دین حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا اور کوئی عذاب نازل کر اور یہ دعا ہی انکی عناد اور جہالت اور حماقت کی دلیل ہے اگر ذرا بھی عقل ہوتی تو یہ دعا کرتے اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فاهدنا له و وفقنا لاتباعه (یعنی اے اللہ اگر یہ دین حق ہے اور تیرے پاس سے آیا ہے تو ہم کو ہدایت دے اور اسکے اتباع اور پیروی کی توفیق دے۔)

حماقت بالائے حماقت

اول تو اپنی حماقت سے یہ احمقانہ دعا مانگی پھر جب خدا کی کسی حکمت اور مصلحت سے عذاب نازل نہ ہوا تو اپنی اس احمقانہ دعا سے اپنی حقانیت پر ناز کرنے لگے اور یہ نہ سمجھا کہ سُنّت الٰہی یہ ہے کہ جب تک پیغمبر قوم کے اندر موجود رہتا ہے اُس وقت تک قوم پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔ خاص کر جب کہ آپ رحمۃ للعالمین ان میں موجود ہیں سو اے نبی! اللہ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دیتا در آنحالیکہ آپ انکے درمیان موجود ہوں انکے درمیان آپ کا نفس وجود ان پر عذاب نازل ہونے سے مانع ہے اور نیز نزول عذاب سے ایک مانع اور بھی ہے کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں اور اللہ ایسی حالت میں عذاب نہیں دیتے کہ جب وہ استغفار بھی کرتے ہوں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بوجہ کفر اور تمرد اور عناد اسکے مستحق ہیں کہ ان پر عذاب مذکور نازل کیا جائے لیکن عذاب نازل کرنے سے دو چیزیں مانع ہیں ایک تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکے درمیان تشریف فرما ہونا اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ اس قوم پر عذاب نازل کرے جس میں نبی موجود ہو کیونکہ یہ امر نبی کے اعزاز و اکرام کے منافی ہے پہلی امتوں پر جو عذاب نازل ہوا تھا وہ بھی اسی وقت ہوا تھا کہ جب انہوں نے اپنے نبی کو درمیان سے نکال دیا تھا اور دوسری چیز جو

نزول عذاب سے مانع ہے وہ انکی استغفار ہے اور عذاب سے امن اور سلامتی کا باعث ہے مشرکین طواف وغیرہ کی حالت میں غفرانک غفرانک کہا کرتے پس جبکہ کافر کی استغفار دنیا میں نزول عذاب سے مانع ہو سکتی ہے تو مسلمان کی استغفار بدرجۂ اولیٰ نزول عذاب سے مانع ہو سکتی ہے۔ ترمذی میں ابو موسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے دو امانیں اتاری ہیں ایک میرا وجود اور دوسرے استغفار جب میں اُن میں سے اُٹھ جاؤنگا تو استغفار ان کے لیے قیامت تک چھوڑ جاؤں گا اور ان متمردین اور معاندین پر اگرچہ آپ کے وجود باجود کی وجہ سے اور استغفار کی وجہ سے فی الحال دنیا میں عذاب نازل نہیں ہوا لیکن مستحق عذاب کے ضرور ہیں کیونکہ عذاب کے اسباب اور مقتضیات سب ان میں موجود ہیں اس لیے کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ انکو عذاب نہ دے حالانکہ وہ اسکے مستحق ہیں اس لیے کہ وہ اہل ایمان کو مسجد حرام کی زیارت اور طواف سے روکتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم مسجد حرام کے متولی ہیں اور وہ اس لائق نہیں کہ مسجد حرام کے متولی بنیں یہ کفار نابکار مسجد کے متولی بننے کے لائق نہیں۔ مسجد حرام کے تولیت کے لائق اور سزاوار صرف پرہیزگار لوگ ہیں جو شرک اور معصیت سے پرہیز کرتے ہیں ولیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں کہ تولیت اُنکا حق نہیں۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ قریش اپنے آپکو اولادِ ابراہیمؑ سمجھ کر خانہ کعبہ کا مختار ٹھہراتے تھے اور مسلمانوں کو آنے نہ دیتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ اولادِ ابراہیمؑ میں سے جو پرہیزگار ہو تولیت اسی کا حق ہے اور ایسے بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ ناخوش ہوتے اسے نہ آنے دیا۔ (کذا فی موضح القرآن بایضاح) اور مسجد کی تولیت کا حق اس شخص کو ہے کہ جو مسجد کا حق ادا کرے اور اس میں صحیح طریقہ سے نماز پڑھے اور ان لوگوں کی نماز تو خانہ کعبہ کے پاس سوائے سیٹیاں بجانے کے اور تالیاں بجانے کے کچھ بھی نہیں ایسے لوگ خانہ کعبہ کے متولی کیسے ہو سکتے ہیں ایسے لوگ تو عذاب کے مستحق ہیں پس اے مدعیان تولیت تم اپنے کفر کے بدلہ میں عذاب کا مزہ چکھو دنیا میں قتل اور قید اور آخرت میں عذاب جہنم مطلب یہ ہے کہ قریش کا یہ دعویٰ کہ ہم مسجد حرام کی تولیت کے مستحق ہیں بالکل غلط ہے جو شخص خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرے اور بجائے ذکر اللہ کے سیٹیاں اور تالیاں بجائے اس شخص نے مسجد حرام کا احترام نہیں کیا بلکہ اسکے ساتھ تمسخر اور استہزاء کیا اور یہ صریح کفر ہونے کے علاوہ صریح جہالت اور حماقت بھی ہے۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح انکی یہ نماز کفر ہے اسی طرح انکے صدقات اور خیرات بھی کفر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مالوں کو اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں یعنی کفر کی اشاعت اور اسلام کی عداوت میں مال خرچ کرتے ہیں۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انکی عبادت بدنی کا ذکر فرمایا تھا۔ اس آیت میں انکی عبادت مالی کا ذکر فرمایا جیسا کہ جنگ بدر میں بارہ سرداروں نے ایک ایک دن لشکر کو کھانا کھلانا اپنے ذمہ لیا تھا روزانہ ایک شخص کی طرف سے دس اونٹ ذبح کیے جاتے تھے اور بعض کا قول یہ ہے کہ یہ آیت ابو سفیانؓ کے بارے میں ہے جس نے جنگ اُحد میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے دو ہزار آدمی جمع کیے اور ان کے لیے سامان حرب اور رسد مہیا کرنے میں مال کثیر صرف کیا اور جنگ بدر کے موقعہ پر ابوسفیان جو تجارتی قافلہ بچا کر نکال لے گیا تھا۔ اس مال کا نفع پچاس ہزار مثقال سونا تھا وہ بھی اسی لشکر پر خرچ کیا۔ اس بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی بہر تقدیر یہ آیت عام ہے اگرچہ سبب نزول خاص ہو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ یہ لوگ دین اسلام سے روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے ہیں سو آئندہ بھی یہ لوگ اسی طرح خرچ کرتے رہیں گے پھر نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ سارا خرچ ان پر حسرت اور افسوس ہو گا۔ کہ مال تو سارا خرچ ہو گیا اور مقصود حاصل نہ ہوا پھر آخر مسلمانوں کے مقابلہ میں مغلوب ہوں گے مطلب یہ ہے کہ کفار دین اسلام سے روکنے کے لیے کتنا ہی مال خرچ کر ڈالیں مگر نتیجہ یہی ہو گا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں ہاریں گے اور ان مالوں کے ضائع ہونے پر حسرت اور افسوس کریں گے جیسا کہ فتح مکہ کے دن اسکا ظہور ہوا کہ سارا جزیرۃ العرب مغلوب اور مقہور ہوا اور آٹھ سال میں جو اسلام کی دشمنی میں خرچ کیا تھا وہ ضائع اور بے کار گیا۔ یہ تو دنیا میں ہوا اور قیامت کو جو ندامت اور حسرت ہو گی وہ اسکے علاوہ ہے جس کا بیان آئندہ آیت میں ہے اور ان خرچ کرنے والوں میں سے جو لوگ اخیر دم تک کفر پر قائم رہے وہ جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے اس جگہ حق تعالیٰ نے بجائے ضمیر لانے کے اسم ظاہر یعنی وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ وہ خرچ کرنے والے سب دوزخی نہ تھے کیونکہ بعض ان میں سے اللہ کے علم میں اسلام لانے والے تھے۔ اور قیامت کے دن ان کافروں کو دوزخ کی طرف اس لیے ہنکایا جائے گا تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے۔ یعنی اہل شقاوت کو اہل سعادت سے الگ کر دے کہ ناپاکوں کو دوزخ کی طرف ہنکاتے اور پاکوں کو بہشت میں داخل کرے اور پھر ان ناپاکوں کو ایک دوسرے پر چڑھا کر اور تودہ اور ڈھیر بنا کر جہنم میں یکبارگی دھکہ دیدے اس طرح کافروں کے سردار اور ان کے پیرو ایک دوسرے کے سر پر پیر رکھے ہوئے بلا امتیاز یکبارگی ذلت اور خواری کے ساتھ جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے دیکھ لو ایسے ہی لوگ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والے ہیں جس کی کوئی تلافی نہیں۔ البتہ اگر مرنے سے پہلے اس دار دنیا میں اپنے خسارہ کی تلافی کرنا چاہیں تو اپنے کفر سے باز آجائیں۔ آئندہ آیت میں اسی تلافی کا ذکر ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ

تو کہہ دے کافروں کو اگر باز آویں تو معاف

لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ

ہو ان کو جو ہو چکا اور اگر پھر وہی کریں گے تو پڑ چکی

سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ

ہے راہ اگلوں کی۔ اور لڑتے رہو ان سے جب تک نہ

فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ

رہے فساد اور ہو جاوے حکم سب اللہ کا پھر اگر وہ باز آویں تو

اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا

اللہ ان کے کام دیکھتا ہے۔ اور اگر وہ نہ مانیں تو جان لو

اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

کہ اللہ ہے حمایتی تمہارا، کیا خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مددگار۔

احکام متعلقہ لقبول اسلام وعدم قبولِ اسلام

قال اللہ تعالیٰ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا ... الیٰ ... وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

(ربط) گزشتہ آیت میں کفار کے خسران اور نقصان کا بیان تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ خسارہ اور نقصان سے نکلنے کا راستہ سوائے اسکے کچھ نہیں کہ اپنے کفر اور عناد اور عداوت سے باز آجائیں اور اسلام میں داخل ہو جائیں تو گزشتہ کے تمام کفریات بخش دیئے جائیں گے۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں کفار کے اقوال کفریہ اور اعمال کفریہ کا بیان تھا اب ان آیاتِ بینات کے سُننے کے بعد کفار کی دو حالتیں ہیں یا تو اسلام قبول کریں گے یا اپنے کفر اور عناد پر قائم رہیں گے۔ آئندہ آیات میں ان دو حالتوں کے متعلق احکام بیان فرماتے ہیں اسے نبی آپ ان کافروں سے جو اسلام کی عداوت پر تلے ہوئے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ اپنے کفر و عداوت سے باز آجائیں سو جو پہلے ہو چکا ہے وہ معاف کر دیا جائیگا یعنی اسلام قبول کرنے سے کفر کی حالت میں خدا کے جو گناہ کیے ہیں وہ سب معاف ہو جائیں گے۔ اللہ اپنے حقوق کو معاف کر دے گا حقوق العباد معاف نہ ہونگے۔ ان کا مسئلہ علیحدہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ الاسلام یھدم ما کان قبلہ۔ یعنی اسلام سے پہلے کیے ہوئے گناہ اسلام لانے سے مٹ جاتے ہیں اور اگر پھر وہی کریں جو پہلے کرتے تھے تو پہلے لوگوں کی رسم گزر چکی ہے۔ یعنی خدا کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کے دشمنوں کو ہلاک

اور تباہ کرتا رہا ہے تو کیا یہ کافر بھی اسی انتظار اور امید میں ہیں اور اے مسلمانو! اگر یہ لوگ اپنے کفر اور عناد پر قائم رہیں تو تمہارے لیے حکم یہ ہے کہ تم ان سے جہاد و قتال کرو اور برابر ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ کافروں کے ہاتھ سے اسلام اور مسلمانوں پر کسی فتنہ اور فساد کا اندیشہ نہ رہے یعنی کفر کا غلبہ نہ رہے اور کافروں میں اتنا زور نہ رہے کہ وہ مسلمانوں کو اسلام سے روک سکیں یا کسی مسلمان کو مرتد بنا سکیں۔ فتنہ سے کفر کا غلبہ مراد ہے جب کفر کو غلبہ ہوتا ہے تو اسلام خطرہ میں پڑ جاتا ہے اور یہاں تک جہاد و قتال کرو کہ ہو جائے سب حکم اللہ کا یعنی علی الاعلان اللہ کا حکم جاری اور نافذ ہو اور کفر اس میں مزاحمت نہ کر سکے یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے اور صرف خدا کا حکم چلے اور دین حق تمام ادیان پر غالب آجائے۔ کما قال تعالیٰ هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ۔ اور جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو جہاد جاری رہے گا خواہ دفاعی ہو یا اقدامی پس اگر ظاہراً وہ اپنے کفر سے باز آجائیں اور کلمۂ اسلام کا پڑھیں تو تم ان کے ظاہری اسلام کو قبول کر لو اور ان کے دل اور نیت کا حال اللہ کے سپرد کرو تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے ان کے عمل کے موافق ان کو جزا دے گا اور اگر وہ قبول حق سے روگردانی کریں اور مسلمانوں کے مقابلہ پر جمے رہیں تو تم بھی ان کے مقابلہ اور مقاتلہ پر جمے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارا کارساز اور حافظ اور ناصر اور مددگار ہے اور کیا ہی خوب کارساز اور کیا ہی خوب مددگار ہے جس کا وہ کارساز اور مددگار ہو اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تم بے فکر ہو کر خدا کے دشمنوں سے جہاد و قتال کرتے رہو اور ہمت نہ ہارو۔ ہماری نصرت اور حمایت تمہارے ساتھ ہے جیسے تم جنگِ بدر میں دیکھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تمہاری حمایت اور نصرت فرمائی لہٰذا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کفار سے خوب جہاد کرو۔ اور ان کی کثرت و شوکت سے مرعوب نہ ہو اللہ تعالیٰ تم کو عزت اور غلبہ دیگا اور ان کو مغلوب کرے گا۔ اور ان کی دولت و مال کا تم کو مالک بنا دے گا۔ جس کی تقسیم کا طریقہ آئندہ آیت میں آتا ہے۔

الحمد للہ نویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی
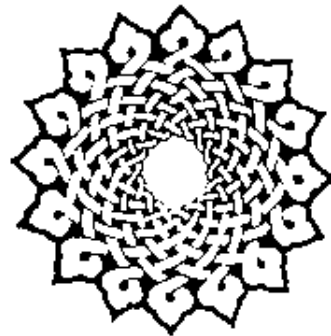
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ
اور جان رکھو کہ جو غنیمت لاؤ کچھ چیز سو اللہ کے واسطے

خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے اور قرابت والے کے اور یتیم کے اور

الْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ
محتاج کے اور مسافر کے اگر تم یقین لائے ہو اللہ پر

مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ
اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر جس دن فیصلہ ہوا جس دن بھڑیں دو فوجیں

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾
اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔

تقسیم غنائم

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔۔ الی ۔۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

(ربط) شروع سورت میں بھی انفال یعنی غنائم کا ذکر تھا کما قال تعالیٰ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اور گزشتہ آیت یعنی قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ میں بھی کفار سے قتال کا حکم تھا۔ اور وعدہ فتح و نصرت کا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قتال میں دشمن سے مال غنیمت بھی حاصل ہوگا۔ اس لیے اس آیت میں مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ جو مال کافروں سے لوٹ میں آئے اس کو کس طرح خرچ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ شرف بخشا کہ مال غنیمت کو ان کے لیے حلال کر دیا پہلی امتوں کے لیے مالِ غنیمت حلال نہ تھا بلکہ ان کے لیے یہ حکم تھا کہ مالِ غنیمت کو ایک میدان میں یکجا کر کر رکھ دیں آسمان سے ایک آگ آتی اور اس کو کھا جاتی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس اُمت کے لیے مال غنیمت حلال کر دیا پس اس آیت میں اس کی تقسیم کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ سو یہ آیت شروع سورت کی اس آیت قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کی من وجہٍ تفصیل ہے کیونکہ

دونوں آیتوں کا نزول اکثر علماء کے نزدیک غزوۂ بدر میں ہوا ہے اس لیے یہ آیت گزشتہ آیت قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کی قدرے تفصیل ہے کہ جو مال کافروں سے لُوٹ میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے اور رسول کے قرابت والوں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ اور باقی ماندہ چار خُمس بالاجماع مجاہدین پر تقسیم کیے جائیں گے امام اعظمؒ کے نزدیک سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ ملے گا اور امام شافعیؒ کے نزدیک سوار کو تین حصے ملیں گے اور بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ یہ آیت گذشتہ آیت قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کی ناسخ ہے کیونکہ اس آیت میں پورے مال غنیمت کو اللہ اور اس کے رسول کا قرار دیا ہے اور اس آیت یعنی وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ میں اس مال کے پانچ حصے قرار دیئے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت گزشتہ آیت کی تفصیل اور بیان ہے ناسخ نہیں غنائم کا جو حکم قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ میں مجمل تھا۔ اس آیت میں اس کی تفسیر اور تفصیل کردی گئی اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! جہاد و قتال کا حکم تو تم نے پہلے معلوم کرلیا اور اب مال غنیمت کا حکم جانو کہ تحقیق جو مال غنیمت تم کو کافروں پر غلبہ پانے کے بعد دشمن سے حاصل ہو اس کو کس طرح تقسیم کیا جائے سو جانو کہ جو چیز بھی تم نے کافروں سے جہاد میں غالب ہوکر حاصل کی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے بعد ازاں تحقیق اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے جس خدا نے تمہاری مدد کی اور دشمنوں پر غلبہ بخشا شکریہ میں اس کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا چاہیئے۔ اور پھر اس خمس کو اللہ کے خاص بندوں پر تقسیم کیا جائے مثلاً رسولؐ کے واسطے حصہ نکالا جائے کہ جن کی اتباع کی برکت اور طفیل سے یہ فتح نصیب ہوئی اور پھر رسولؐ کے قرابت والوں کے لیے حصہ ہے جو کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب ہیں جنہوں نے جاہلیت اور اسلام میں رسولِ خدا کی حمایت اور حفاظت کی اور ہر حال میں آپ کا ساتھ دیا ان کا بھی اس مال میں حق ہے اور مسلمانوں کے یتیموں کے لیے ہے اور ان فقیر محتاجوں کے لیے ہے جو مسلمان ہوں اور مسلمان مسافروں کے لیے ہے۔ اس لیے کہ یتامیٰ اور مساکین اور مسافرین ضعیفوں اور ناتوانوں کا گروہ ہے جن کی برکت سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا۔ اور حدیث میں ہے۔ هَلْ تُنْصَرُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ۔ اس لیے مال غنیمت میں ان کا بھی حق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے جس میں چار حصے تو بالاجماع مجاہدین اور مقاتلین پر تقسیم کیے جائیں اور پانچویں حصے کو چھ حصوں پر تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کا اور دوسرا حصہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا اور تیسرا حصہ رسول خدا کے قرابت والوں کا اور چوتھا حصہ یتیموں کا اور پانچواں حصہ فقراء اور مساکین کا اور چھٹا حصہ مسافروں کا۔

خلاصۂ کلام اے مسلمانو! اور خدا کے نام پر جہاد و قتال کرنے والو جس خدا نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا اور ان کا مال تم کو دلایا اس مال غنیمت میں سے سب سے پہلے اس

کے نام کا پانچواں حصہ نکال دو اور باقی چار حصے لیکر تم قناعت کرو۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس امداد غیبی پر جو ہم نے اپنے بندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فیصلہ کے دن اتاری یعنی جنگ بدر کے دن جس میں حق اور باطل کا فیصلہ ہوا یعنی جس دن دونوں فوجیں آپس میں بھڑی تھیں۔ پس اگر تم یہ یقین رکھتے ہو کہ یہ سارا مال غنیمت تم کو اسی کی تائید غیبی سے ملا ہے تو پھر اس کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا تم پر بھاری نہ ہونا چاہیئے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ چار خمس جو ہم کو دیئے جا رہے ہیں یہ بھی اس کا انعام ہے ہمارا حق نہیں پس اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو غنیمت کے چار خمس کو غنیمت سمجھو اور اس پر قناعت کرو اور اس سے زیادہ کی طمع نہ کرو۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس طرح اس نے بدر کے دن تین سو تیرہ درویشوں کو ایک ہزار کے مقابلہ میں غلبہ عطا کیا وہ آئندہ بھی تم کو غلبہ عطا کرنے پر قادر ہے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اس امت کے لیے مال غنیمت کو حلال کیا اور اس آیت میں اس کی تقسیم کا طریقہ اور اس کے مصارف کو بیان کیا بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتایا کہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے حق کو باطل سے جدا کیا اور اپنے دین کو غلبہ بخشا اور اپنے نبی اور اس کے یاران باوفا کی نصرت وحمایت کی اور اس دن کا نام یوم الفرقان رکھا آئندہ بھی اللہ سے ایسی ہی امید رکھو اور مال غنیمت میں سے خدا کے نام کا خمس نکالنے میں پس وپیش نہ کرو۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آئندہ اس سے زیادہ دینے پر بھی قادر ہے۔

لطائف و معارف

۱۔ جاننا چاہیئے کہ لفظ ما اَنَّمَا غَنِمْتُمْ میں عام ہے جو ہر چھوٹی بڑی چیز کو شامل ہے جس پر لفظ غنیمت کا صادق آجائے وہ اس میں داخل ہے اور اموال غنیمت دو طرح کے ہوتے ہیں ایک اموال منقولہ جیسے سونا اور چاندی اور سامان ضرورت جیسے غلہ اور کپڑا وغیرہ اور دوسرے اموال غیر منقولہ یعنی زمین اور جائیداد۔

اموال منقولہ میں جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس میں ایک خمس نکال کر باقی چار خمس غانمین پر تقسیم کر دیئے جائیں اسی پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اور اموال غیر منقولہ یعنی اراضی مفتوحہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے امام شافعیؒ کے نزدیک عقار یعنی زمین وجائداد بھی اسی حکم میں داخل ہے امام ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ تقسیم غنائم کا حکم اموال منقولہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور املاک غیر منقولہ یعنی زمین وجائداد جو کافروں کا ملک فتح کرنے سے حاصل ہو۔ مجاہدین پر اس کا تقسیم کرنا واجب نہیں اس میں امیر مملکت کو اختیار ہے کہ مصلحت اور

صوابدید کے مطابق عمل کرے خواہ اس زمین کو مجاہدین پر تقسیم کرے یا مصالح مسلمین کے لیے اس کو روک لے یا کافروں ہی کے پاس اُن زمینوں کو رہنے دے اور ان پر خراج مقرر کر دے جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی مفتوحہ زمینوں میں سے آدھی زمینیں تو مسلمانوں پر تقسیم کر دیں اور آدھی زمینیں مصالح سلطنت کے لیے روکیں اور یہود ہی کو مزارعت (بٹائی) پر دے دیں اور فاروق اعظمؓ نے بمشورۂ عثمانؓ و علیؓ و اکابر صحابہ عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کے ساتھ یہی عمل کیا کہ وہاں کی زمینیں ان کے مالکوں کے ہاتھ میں رہنے دیں اور ان زمینوں پر خراج مقرر کر دیا اور انکی ذوات پر جزیہ مقرر کر دیا حضرت بلالؓ یہ چاہتے تھے کہ عراق کی زمینیں غانمین پر تقسیم کر دی جائیں۔ فاروق اعظمؓ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر یہ زمینیں تم پر تقسیم کر دوں تو جو مسلمان تمہارے بعد آئیں گے ۔ ان کے لیے کوئی سرمایہ اور ذخیرہ باقی نہ رہے گا جس سے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں قوت حاصل کر سکیں۔ تمام صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ (انشاء اللہ اٹھائیسویں پارہ میں اسکی تفصیل آئیگی)

۲۔ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ کا ذکر تبرک اور تعظیم کے لیے ہے اس کو مال کی ضرورت نہیں ۔ کیونکہ وہ آسمان اور زمین کے تمام خزانوں کا مالک اور خالق ہے ۔ اللہ کے نام کا پانچواں حصہ انہی باقی پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا جائے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نام کا حصہ خانۂ کعبہ پر خرچ کیا جائے ۔

۳۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حصہ امام اعظمؒ کے نزدیک حضور پُرنور کے وصال کے بعد ساقط ہو گیا۔ اب اس حصہ کو بقیہ اصناف پر خرچ کرنا چاہیئے ۔ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک آپؐ کے حصے کو مسلمانوں کی عام ضرورت میں صرف کیا جائے اور قتادہؒ کا مذہب یہ ہے کہ وہ خلیفہ کا حق ہے ۔

۴۔ اور ذِوِی الْقُرْبٰی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار مراد ہیں بعض علماء کا قول ہے کہ جملہ قریش مراد ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ رشتہ دار مراد ہیں جن پر زکوٰۃ اور صدقہ حرام ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب مراد ہیں ۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کا حصہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بالاتفاق ثابت تھا مگر آپؐ کے وصال کے بعد اُن کے حصہ میں اختلاف ہے ۔ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ وہ بدستور اب بھی باقی ہے غنی اور نقیر سب کو دیا جائے ۔ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کا حصہ آپؐ کی زندگی تک محدود تھا آپؐ کے وصال کے بعد اُن کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اب خمس میں ان کا کوئی حق نہیں اور اب آپؐ کے وصال کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا حصہ اور آپؐ کے رشتہ داروں کا حصہ یہ دونوں حصے باقی اصناف ثلاثہ یعنی یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں پر تقسیم کیے جائیں گے ۔ اور اگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ضرورت مند ہوں گے تو وہ سب پر مقدم ہوں گے ۔

امام ابوبکر رازیؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ خلفاء اربعہ یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علی رضی اللہ عنہم

کا طریقہ یہی تھا کہ آپؐ کی وفات کے بعد خمس غنیمت کو تین قسموں یعنی یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر صرف کرتے تھے اور اسی طرح ابن عباسؓ سے مروی ہے (احکام القرآن صفحہ ۶۱-۶۳ ج ۳)
اور اسی طرح امام ابو یوسف رحمۃ نے کتاب الخراج صفحہ ۲۳ میں ذکر کیا ہے دیکھو کتاب الخراج صفحہ ۲۳)

۵۔ غنیمت اور فئ میں فرق

جو مال کافروں پر غلبہ اور قہر کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ غنیمت ہے اور جو مال بغیر جنگ و جدال اور قتل و قتال کے ہاتھ آئے جیسے جزیہ اور خراج اور دیگر محصولات جو کفار سے وصول کیے جائیں ان کو مال فئ کہتے ہیں۔ جس کے حکم کا بیان سورۂ حشر میں آئے گا۔ حق جل شانہٗ نے سورۂ حشر میں بنی نضیر کے اموال کو فئ کہا ہے اور وجہ اس کی یہ بتائی ہے۔ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ
اس بناء پر ابن اثیر جزریؒ نے نہایہ میں لکھا ہے کہ جو مال کافروں سے بغیر مقاتلہ اور جنگ کے حاصل ہو اس کو مال فئ کہتے ہیں اس معنی کر مال فئ اور مال غنیمت ایک دوسرے کی ضد اور مقابل ہیں۔ اور امام ابو بکر رازیؒ احکام القرآن صفحہ ۸۴ ج ۳ میں فرماتے ہیں کہ جو مال کافروں سے کفر کی بناء پر مسلمانوں کو حاصل ہو خواہ جہاد و قتال سے حاصل ہو یا بغیر جہاد و قتال کے حاصل ہو وہ سب ہمارے نزدیک مال فئ ہے دیکھو احکام القرآن صفحہ ۸۴ ج ۳۔ اس معنی کر مال فئ عام ہے اور مال غنیمت خاص ہے۔
صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں مؤلفۃ القلوب کو مال فئ سے کچھ عنایت فرمایا اور ظاہر ہے کہ غزوۂ حنین میں جو مال غنیمت آپؐ کو حاصل ہوا وہ مقاتلہ اور جنگ کے بعد حاصل ہوا روایات میں اس پر مال فئ کا اطلاق آیا ہے معلوم ہوا کہ فئ کا اطلاق عام ہے غنیمت پر بھی اس کا اطلاق آجاتا ہے۔

نیز غزوۂ خیبر میں جو قلعہ اور زمین آپؐ نے محفوظ رکھا اور اس کو غانمین پر تقسیم نہیں کیا۔ صحیح روایتوں میں اس پر فئ کا اطلاق آیا ہے فدک کی نصف زمین اور وادی القریٰ کی ایک تہائی زمین آپؐ کو صلح سے ملی تھی اس پر بھی فئ کا اطلاق آیا ہے۔ ان تمام روایات پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو مال یا جو زمین کسی وجہ سے بھی مسلمانوں کو کافروں سے ملے اس کو فئ کہتے ہیں جیسا کہ ابو بکر رازیؒ نے فرمایا اور صاحب ہدایہؒ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے اور مال فئ کے مصارف کو حق تعالےٰ نے سورۂ حشر میں مفصل بیان کیا ہے۔

كَمَا قَالَ تَعَالٰى۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔
اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى۔ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا

الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

انشاء اللہ تعالیٰ مالِ فئی کے مصارف کی تفصیل سورۂ حشر کی تفسیر میں آئے گی۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ

جس وقت تم تھے ورے کے ناکے پر اور وہ پرے کے

الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ

ناکے پر اور قافلہ نیچے اتر گیا تم سے اور اگر آپس میں تم

لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ

وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدے پر لیکن اللہ کو کر ڈالنا ایک

اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ

کام جو ہو چکا تھا تا مرے جو مرتا ہے سوجھ

بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ

کر اور جیوے جو جیتا ہے سوجھ کر اور اللہ

لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲ ۙ

سنتا ہے جانتا۔

انعامِ ششم

قال اللہ تعالیٰ۔ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا۔ الیٰ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

(ربط) ابتداء سورت سے غزوۂ بدر کے واقعات اور اس کے انعامات کا ذکر چلا آرہا ہے۔ منجملہ ان انعامات کے ایک انعام یہ ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے یاد کرو اس وقت کو جب

اے مسلمانو تم میدان جنگ کے نزدیک کے کنارہ پر تھے جو مدینہ منورہ سے قریب تھا اور کافر پرلے کنارہ پر تھے جو مدینہ سے بعید تھا۔ اور قریش کا قافلہ جس کے لیے مسلمان آئے تھے وہ نشیب میں تھا اور اگر تم اور مشرکین پہلے سے آپس میں لڑائی کا وعدہ کرلیتے اور پہلے سے لڑائی کا کوئی وقت ٹھہرا لیتے تو ضرور وعدہ کے پورا کرنے میں اختلاف کرتے۔ مسلمان تو اپنی قلت اور ان کی کثرت کے باعث ان سے مقابلہ کرنے سے ڈرتے اور کافر پہلے ہی تم سے مقابلہ کرنے سے ڈرتے تھے ان کے دل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اب تم کو اللہ تعالےٰ نے بلا ارادۂ جنگ ہی ایک دوسرے سے بھڑا دیا تم نکلے تھے تجارتی قافلہ کی تلاش میں اور وہ نکلے تھے اپنے قافلہ کی مدد میں، لڑنے کا ارادہ کسی فریق کا بھی نہ تھا۔ ولیکن اللہ کو ایک کام کرنا تھا جو اس کے علم میں ہو رکھا تھا۔ یعنی چونکہ اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ کفر کا زور ٹوٹے اور کافر ذلیل ہوں اور اسلام عزت پائے اس لیے اس نے تم کو بغیر وعدہ کے ایک دوسرے سے بھڑا دیا۔ تاکہ اس کے بعد جو ہلاک ہو وہ حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو، کیونکہ وہ آیت اور عبرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے اور جو زندہ رہے وہ بھی حجت قائم ہونے کے بعد زندہ ہے۔ یعنی باوجود بے سروسامانی کے اس نے اسلام کی فتح و نصرت کا مشاہدہ کرلیا ہے اور جان لو کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ مومن اور کافر سب کی باتوں کو سننے والا اور ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں "یعنی قریش اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ کی غارت کو، قافلہ بچ گیا۔ اور دو فوجیں ایک میدان کے دو کناروں پر آپڑیں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں یہ تدبیر اللہ کی تھی۔ اگر تم قصداً جاتے تو ایسا بروقت نہ پہنچتے اور اس فتح کے بعد کافروں پر صدق پیغمبرؐ کا کھل گیا جو مرا وہ بھی یقین جان کر مرا اور جو جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کر تاکہ اللہ کا الزام پورا ہو۔ انتہیٰ۔

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ موت اور حیات یعنی مرنے اور جینے سے کفر اور ایمان مراد ہے یعنی اب جو ایمان لائے یا جو کفر پر جما رہے تو کافر کا کفر اور مومن کا ایمان حق کے واضح ہونے کے بعد اور عبرت دیکھنے کے بعد ہوگا اور یہ معنی محمد بن اسحاقؒ سے منقول ہیں اور ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر نہایت جید ہے اور شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے بھی اس معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ "مراد از ہلاک اصرار بر کفر است و از حیات مسلمان شدن"۔ اھ

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ

جب اللہ نے وہ دکھلائے تیرے خواب میں تھوڑے اور اگر

أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ

وہ تجھ کو بہت دکھاتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں،

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۗ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

لیکن اللہ نے بچا لیا۔ اس کو معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں۔

انعام ہفتم

قال اللہ تعالیٰ۔ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ ... الیٰ ... اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

اے نبی آپ اللہ کا وہ احسان یاد کریں کہ جب اللہ نے تجھ کو تیرے خواب میں ان کافروں کو کم کر کے دکھایا واقعۂ بدر سے پہلے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ کافر بہت تھوڑے ہیں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر اپنے اصحاب کو دے دی جس سے ان کے دل بڑھ گئے اور حوصلے بلند ہو گئے اور لڑنے پر دلیر ہو گئے۔ اور اگر خدائے تعالیٰ ان کو زیادہ کر کے دکھلاتا تو تم بزدلی کرتے اور جنگ کے معاملہ میں ضرور آپس میں نزاع کرتے کہ لڑیں یا نہ لڑیں ولیکن اللہ نے تم کو اس بزدلی اور باہمی نزاع سے بچا لیا بے شک وہ جاننے والا ہے جو باتیں سینوں میں چھپی ہوئی ہیں۔ ہمت اور جرأت اور طبعی کمزوری اور سستی سب اس کے سامنے عیاں ہے شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کہ پیغمبر کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے وقت (تھوڑے نظر آئے) تاکہ جرأت سے لڑیں پیغمبر کا خواب غلط نہیں چونکہ ان میں آخر تک کفر پر قائم رہنے والے تھوڑے تھے اکثر وہ تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے اس لیے پیغمبر کو خواب میں کافر تھوڑے دکھائے گئے پس پیغمبر کا خواب حق ہے" (کذا فی موضح القرآن موضحا)

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا

اور جب تم کو دکھائی وہ فوج وقت ملاقات کے تمہاری آنکھوں میں تھوڑی

وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ

اور تم کو تھوڑا دکھایا اُن کی آنکھوں میں تاکر ڈالے اللہ ایک کام جو ہو

مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع

چکا تھا۔ اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی۔

انعام ہشتم

قال اللہ تعالٰی ۔ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِىْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا ... الیٰ ... وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

اور اے مسلمانو وہ وقت بھی یاد کرو کہ جب خدا نے عین موقعۂ جنگ پر تمہارے دشمن کو تمہاری نگاہوں میں تھوڑا دکھلایا تاکہ نبیؐ برحق نے جو خواب دیکھا تھا تم بیداری میں اس کی تصدیق کر لو اور تمہارا یقین اور تمہاری جرأت اور ہمت اور بڑھ جائے چنانچہ جب مسلمان اپنے دشمنوں سے لڑنے کے لیے مقابل ہوئے اور دونوں صفوں کا آمنا سامنا ہوا تو عبداللہ بن مسعودؓ اپنے پاس والے شخص سے کہنے لگے کہ شاید یہ کافر کل ستر ہوں گے اس نے کہا میرے خیال میں سو کے قریب ہوں گے حالانکہ وہ نو سو پچاس تھے اور اسی طرح تمہیں بھی دشمنوں کی آنکھوں میں تھوڑا کر کے دکھلایا تاکہ وہ تم سے لڑنے پر دلیر ہو جائیں ۔ ورنہ اگر اللہ تعالٰے مسلمانوں کو ان کی آنکھوں میں کثیر دکھلاتا تو وہ ڈر کر مقابلہ سے بھاگ جاتے اور کفر کے ستر سردار قتل نہ ہوتے اور یہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ تھوڑے سے آدمی نگاہ میں بہت معلوم ہوں یا بہت آدمی تھوڑے نظر آدیں یہ بات اللہ کے لیے دشوار نہیں۔ کیا اللہ تعالٰے جو اَحوَل (بھینگا) کو ایک کو دو کر کے دکھلانے پر قادر ہے کیا وہ کسی قوم کو کسی قوم کی نظر میں تھوڑا کر کے دکھلانے پر قادر نہیں۔ جس طرح دل اور عقل کی آنکھ کبھی خراب ہو جاتی ہے تو برائی اسی کو بھلائی نظر آتی ہے۔ صبر تلخ معلوم ہوتا ہے مگر عقل کی قوت ذائقہ اس کو شیریں سمجھتی ہے۔ جو شخص صفراوی بخار میں مبتلا ہو تو اس کو شربت بھی تلخ معلوم ہوتا ہے ان امور کو نہ کذب کہا جا سکتا ہے اور نہ جہالت بلکہ یہ سب قدرت خداوندی کے کرشمے ہیں۔

اَحوَل (بھینگا) بنانا اس کے اختیار میں ہے۔ جس کو جس درجہ کا بھینگا بنانا چاہے بنا سکتا ہے۔ مجوس کو ایک خدا کے دو خدا نظر آئے اور نصاریٰ کو ایک خدا کے تین خدا نظر آئے اسی طرح حق تعالٰے کا جنگ بدر میں کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دکھائی دینا خدائے قدیر کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ جو بطور خرقِ عادت اس لیے ظاہر کیا گیا تھا۔ تاکہ اللہ اس کام کو پورا کرے جو اس کے علم میں ہوا ہوایا تھا۔ اللہ نے اپنی قدرت سے یہ کرشمہ اس لیے ظاہر کیا تاکہ دین اسلام کی حقانیت اور صداقت اور کفر کا باطل ہونا ظاہر اور عیاں ہو جائے اور یہ جملہ گو لفظاً مکرر ہے مگر بلحاظ مقصود اور غرض مکرر نہیں کیونکہ پہلی آیت میں یہ جملہ مومنوں کے کافروں پر فتح اور غلبہ پانے کی علت میں بیان کیا گیا تھا اور یہاں ایک فریق کو دوسرے فریق کی آنکھوں میں تھوڑا دکھلانے کی علت میں لایا گیا ہے۔ اور اس قسم کے خوارق عادت اور کرشمہائے قدرت کا ظہور کوئی عجیب نہیں۔ اس لیے کہ اسباب مؤثر بالذات نہیں بلکہ مؤثر بالذات اللہ ہے جو مسبب الاسباب ہے۔

اور یاد رکھو کہ تمام کاموں کا مرجع اللہ ہی ہے۔ اسباب کی تاثیر اسی کے ہاتھ میں ہے پس وہ اگر اپنی قدرتِ کاملہ سے کسی وقت اپنے ہی پیدا کیے ہوئے اسباب کو توڑ پھوڑ کر کوئی کرشمہ ظاہر فرمائے تو وہ نہ قابلِ تعجب ہے اور نہ محلِ تردد ہے اسباب بالذات موثر نہیں بلکہ اسباب کی تاثیر اس کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے کیونکہ وہ مسبب الاسباب ہے خدا تعالیٰ کی قدرت سے ابتدار جنگ میں مسلمان کافروں کی نظروں میں تھوڑے سے دکھلائی دیئے اور واقع میں بھی مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی۔ لیکن جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی اور آسمان سے فرشتوں کا لشکر مسلمانوں کی مدد کے لیے پہنچا تو اس وقت مسلمان کفار کی نظر میں دگنے نظر آنے لگے جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے وَاُخْرٰی کَافِرَۃٌ یَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَیْھِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

ابتدار جنگ میں۔ ابوجہل مسلمانوں کی جماعت کو دیکھ کر بولا کہ محمدؐ اور اُن کے اصحاب کیا ہیں۔ ہمارے اونٹوں کا ایک لقمہ ہیں پھر کہا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہتھیاروں سے نہ لڑو بلکہ یوں ہی پکڑ کر ان کی مشکیں باندھ لو اور رسیوں میں باندھ کر کے لے چلو بعد ازاں جب لڑائی شروع ہوئی تو اس وقت حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کی نظر میں دگنا کر دیا۔ کما قال تعالیٰ یَرَوْنَھُمْ مِّثْلَیْھِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ۔ کفار یکایک یہ منظر دیکھ کر مبہوت اور شکستہ دل ہو گئے اور شکست کھا گئے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ

اے ایمان والو! جب بھڑو تم کسی فوج سے تو ثابت رہو اور

اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا

اللہ کو بہت یاد کرو شاید تم مراد پاؤ ۔ اور حکم مانو

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ

اللہ کا اور اس کے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو پھر نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی

رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

تمہاری باؤ اور ٹھہرے رہو اللہ ساتھ ہے ٹھہرنے والوں کے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ

اور مت ہو جیسے وہ لوگ کہ نکلے اپنے گھروں سے

بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

اتراتے اور لوگوں کو دکھاتے اور روکتے اللہ کی راہ

اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ

سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کرتے ہیں ۔ اور جس وقت سنوارنے

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ

لگا شیطان اُن کی نظر میں اُن کے اعمال اور بولا کوئی غالب نہ ہوگا تم پر

الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ

آج کے دن اور میں رفیق ہوں تمہارا پھر جب سامنے ہوئیں

الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ

دو فوجیں الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا میں تمہارے ساتھ

مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ

نہیں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں ڈرتا ہوں اللہ سے

وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ

اور اللہ کا عذاب سخت ہے ۔ جب کہنے لگے منافق لوگ اور

الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَ

جن کے دلوں میں آزار ہے یہ لوگ مغرور ہیں اپنے دین پر اور

مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ

جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر تو اللہ

عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٩﴾

زبردست ہے حکمت والا ۔

ذکر آداب جہاد و قتال

قال اللہ تعالیٰ ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا ... الیٰ ... فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ

ربط) اوپر سے بدر کے واقعات اور جہاد و قتال کے احکام کا ذکر چلا آرہا ہے اب ان آیات میں مسلمانوں کو جہاد کے ظاہری و باطنی آداب کی تعلیم دی جاتی ہے کہ جہاد و قتال کے وقت ان امور کو خاص طور پر ملحوظ رکھیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو جب تم اسباب پر ایمان رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ضعیف اور ناتواں اور بے سروسامان کو قوی اور ساز و سامان والے پر غلبہ عطا کرنے پر قادر ہے اور جنگ بدر میں تم اس کا مشاہدہ بھی کر چکے ہو لہٰذا تم کو کافروں کے مقابلہ میں ضعیف اور کمزور نہ بننا چاہیے بلکہ جب کافروں کی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو چند باتوں کا خیال رکھو اول تو یہ کہ تم ثابت قدم رہو اور ان کے مقابلہ پر جمے رہو اور فرار کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ اور دوم یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو جس کے لیے اس کے دشمنوں سے جہاد و قتال کر رہے ہو اس کی یاد سے غافل نہ ہو تاکہ تم فلاح پاؤ ثابت قدمی اور ذکر الٰہی سے فتح حاصل ہوتی ہے ذکر الٰہی کی تاثیر یہ ہے کہ اس سے ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہو جاتا ہے جس کی جہاد میں خاص طور پر ضرورت ہے۔ کما قال تعالیٰ۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور ذکر میں زبان اور دل دونوں جمع ہو جائیں تو بہتر ہے اور ذکر میں دعا بھی داخل ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے اصحاب طالوت کی یہ دعا ذکر کی ہے۔ رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ۔ اور سوم یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اطاعت کی برکت سے فتح نصیب ہوگی۔ چنانچہ صحابہ کرام کو باوجود بے سروسامانی کے فارس اور روم پر جو فتح نصیب ہوئی وہ اسی اطاعت کی برکت تھی اور چہارم یہ کہ آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی۔ جس سے تمہارا رعب ان کے دل سے نکل جائے گا چنانچہ جب جنگ اُحد میں مسلمانوں نے آپس میں نزاع کیا تو ان میں بزدلی آگئی اور دشمن کے مقابلہ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم آپس میں اختلاف کرو گے تو تم میں بزدلی آجائے گی اور تمہاری قوت کمزور پڑ جائے گی اور دشمنوں پر جو تمہاری دھاک بیٹھی ہوئی ہے وہ جاتی رہے گی اور پنجم یہ کہ تم تکالیف جنگ میں صبر اور تحمل سے کام لو بیشک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے اور وہ ان کا حافظ و ناصر ہے اور ششم یہ کہ تم ان لوگوں کے مانند نہ ہو جو اپنے گھروں سے اتراتے اور اکڑتے ہوئے اور اپنی شجاعت پر فخر کرتے ہوئے نکلے یعنی جس طرح کافر جنگ بدر میں غرور کرتے ہوئے آئے تھے اس طرح تم لڑائی کے وقت غرور نہ کیا کرو اور ہفتم یہ کہ تم ان لوگوں کے مشابہ بھی نہ ہو جو اپنے گھروں سے لوگوں کو دکھلانے کے لیے نکلے تاکہ لوگ ان کی شجاعت کی تعریف کریں جب تم خدا کے دشمنوں سے لڑنے نکلے ہو تو ان کے

تشبہ سے اپنے کو محفوظ رکھو اور یہ مغرور اور ریا کار لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں لوگوں کو دین الٰہی سے باز رکھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں قیامت کے دن اُن کو اُن کے اعمال کی سزا دے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب ابوسفیان مسلمانوں کی زد سے نکل گیا تو اُس نے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ تم لوگ اپنے قافلہ کی امداد کے لیے اپنے گھر سے نکلے تھے سو قافلہ مسلمانوں کی زد سے صحیح سالم بدر سے نکل گیا ہے لہٰذا اب تم واپس لوٹ جاؤ۔ ابوجہل بولا کہ ہم ضرور بدر جائیں گے آج کل وہاں میلے کے دن ہیں وہاں ہم تین روز رہیں گے اور اونٹوں کو ذبح کریں گے مسافروں کو کھانا کھلائیں گے۔ شرابیں پئیں گے ڈومنیاں ہمارے سر پر گائیں گی۔ اور اس سے پہلے ہم محمد اور ان کے یاروں کا کام تمام کر چکے ہوں گے۔ ہماری عظمت اور بڑائی کا ڈنکہ تمام عرب میں بج جائے گا۔ اور ہماری ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے گی۔ اس تکبر اور غرور کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بدر میں آئے تو انہوں نے شراب کے بجائے موت کے جام پیئے۔ اور ڈومنیوں کی بجائے عورتوں نے اُن پر نوحہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم اپنے گھروں سے کافروں کی طرح نہ نکلو، جو بڑائی مارتے اور ریا کاری کرتے ہوئے نکلتے ہیں تم تو اللہ کے دین کی حمایت اور نصرت کے لیے نکلو۔ اور خوب یاد رکھو کہ بڑائی اور خود بینی اور ریا کاری اور فخر و غرور اور نمائش اور نمود اسباب فتح و نصرت سے نہیں بلکہ تزئین شیطانی ہے پس اگر اس کو سمجھنا چاہتے ہو تو اس وقت کو یاد کرو کہ جب شیطان نے کافروں کی نظر میں ان کے اعمال کو خوش نما اور آراستہ کر کے دکھلایا اور اسبابِ قہر و ذلت کو اسباب فتح و نصرت کر کے دکھلایا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں ان کی قوت کو ان کی نظروں میں اس قدر نمایاں کیا کہ وہ بالکلیہ اس پر اعتماد کر بیٹھے اور اس قدر مبالغہ کیا کہ شیطان نے ان سے یہ کہا کہ آج آدمیوں میں سے تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا تمہارا لشکر بڑا آراستہ و پیراستہ ہے اور میں تمہارا پناہ دینے والا ہوں۔ جب قریش نے بدر کی روانگی کا قصد کیا تو ان کو بنی بکر بن کنانہ کی طرف سے اندیشہ ہوا کیونکہ قریش نے بنی کنانہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اور ان دونوں قبیلوں میں دشمنی اور جنگ کا سلسلہ قائم تھا۔ اور چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔ اس لیے قریش کو اندیشہ ہوا کہ مبادا بنی کنانہ راستہ میں آڑے نہ آئیں۔ ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ بنی کنانہ کے اندیشہ سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ کے لیے نکلنے میں پس و پیش کر رہے ہیں تو فوراً شیطان ان کی ہمت بڑھانے کے لیے بنی کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی صورت بنا کر اُن کے پاس آیا اور کہا کہ تم گھبراؤ نہیں بنی کنانہ کی طرف سے تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اس کا میں ذمہ دار ہوں اور تم میری پناہ میں ہو آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اس طرح شیطان نے ابوجہل وغیرہ کو اطمینان دلایا۔ قریش نے جب دیکھا کہ بنی کنانہ کا سردار اُن کے ساتھ ہے تو اُن کا اندیشہ جاتا رہا اور ان کی ہمت بڑھ گئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر جا ڈٹے۔ پس جب میدانِ بدر میں پہنچ گئے اور دونوں جماعتیں مسلمانوں کی اور کافروں کی آمنے سامنے ہوئیں اور شیطان کو جبریل اور

فرشتے آسمان سے اُترتے ہوئے نظر آئے تو شیطان الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور کہا میں تم سے بیزار اور بے تعلق ہوں بے شک میں اس چیز کو دیکھ رہا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے یعنی میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے مسلمانوں کی مدد کو آرہے ہیں، تحقیق میں اللہ سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں قیامت سے پہلے ہی نہ پکڑ لیا جاؤں اور اللہ کا عذاب سخت ہے باوجود مہلت کے بھی چھوٹا موٹا عذاب دنیا میں مجھے دے سکتا ہے اور دنیا میں مجھ کو جو مہلت دی گئی ہے، وہ عذاب اُخروی کے اعتبار سے ہے جو عذاب دنیوی کے لحاظ سے بہت ہی شدید ہے۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ ملعون نے جھوٹ بولا۔ اس کے دل میں خدا کا خوف نہ تھا۔ اس نے دیکھ لیا کہ قریش کا لشکر ہلاکت کے بھنور میں پھنس چکا ہے اور اس کی قدیم عادت ہے کہ وہ اپنے متبعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جاتا ہے۔ اسی عادت کے مطابق یہاں بھی کیا کَمَا قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ۔ یَعِدُھُمْ وَیُمَنِّیْھِمْ وَمَا یَعِدُھُمُ الشَّیْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا (نساء)

جب مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہونے لگی تو ابلیس لعین حارث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا، جب اس نے آسمان سے فرشتوں کو اترتے ہوئے دیکھا تو حارث کا ہاتھ جھٹک کر بھاگنے لگا۔ حارث بولا کہ اے سراقہ تو ہم کو ایسے حال میں چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ ابلیس نے اس کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا میرا تم سے کوئی تعلق نہیں میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتی۔ اور میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس کا بھاگنا تھا کہ کافروں نے شکست کھائی۔ بدر کے بھگوڑے جب مکہ پہنچے تو وہاں جا کر یہ کہا کہ ہم کو سراقہ نے شکست دلائی اور سراقہ کے پاس کہلا کر بھیجا کہ تو نے ہم کو شکست دلائی جب یہ خبر سراقہ کے پاس پہنچی تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تو اتنی بھی خبر نہیں کہ تم لڑائی کے ارادہ سے نکلے تھے ہاں جب تم شکست کھا کر واپس آئے اس وقت مجھ کو تمہاری لڑائی اور شکست کا حال معلوم ہوا قریش نے کہا کہ کیا تو فلانے فلانے روز ہمارے پاس نہیں آیا تھا اور کیا تو نے ہم سے یہ باتیں نہیں کی تھیں اس نے قسم کھائی کہ مجھے ان باتوں کی ذرا بھی خبر نہیں۔ تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا جو سراقہ کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور ابلیس کا یہ قصہ روایات کثیرہ سے ثابت ہے جس کو ابن کثیرؒ نے عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ اور ضحاکؒ اور سدیؒ اور محمد بن اسحاقؒ وغیرہم سے نقل کیا ہے (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۳۱۶ جلد ۲۔ اور تفسیر قرطبی ص۲۹ ج ۸)

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تزئین شیطانی کفار مکہ ہی میں منحصر نہیں بلکہ مدینہ کے منافقین بھی اس میں مبتلا ہیں اور ان کے دل میں جو نفاق کی بیماری ہے وہ اس تزئین شیطانی کا اثر ہے چونکہ بدر کی لڑائی میں مسلمان بہت کم تھے اور سامان جنگ بھی نہ تھا اس لیے منافق یہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے غرہ میں ڈال دیا تین سو آدمی ایک ہزار کافروں کے لشکر جرار سے لڑنے جا رہے ہیں ان لوگوں کی نظر اسباب ظاہری پر تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی یاد کرو اس وقت کو کہ جب مدینہ کے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شک اور کفر کا روگ تھا۔ جیسے اہل مکہ یہ کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے غرہ اور دھوکہ میں رکھا ہے۔ یعنی یہ مسلمان اپنے دین کی حقانیت پر اس قدر مغرور ہیں کہ تھوڑے سے

سے آدمی اپنے سے سہ چند سے لڑنے پر تیار ہیں یہ ان کے دین نے دھوکہ اور فریب دیا ہے کہ جو خدا کی راہ میں لڑے گا اس کو جنت میں ایسا اور ایسا ملے گا۔ خیر آخرت میں تو انہیں جیسا ملے گا ویسا ملے گا مگر دنیا میں تو یہ اپنی جان سے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرّہ اور غرور نہیں بلکہ توکل ہے، اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ وہم وگمان سے بڑھ کر اس کی مدد کرے گا کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے وہ اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو غلبہ دینے پر قادر ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے بے سروسامان دوستوں کو دشمنوں کے لشکرِ جرّار پر فتح دے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ

اور کبھی تو دیکھے! جس وقت جان لیتے ہیں کافروں کی فرشتے

يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

مارتے ہیں اُن کے منہ پر اور پیچھے اور چکھو عذاب

الْحَرِيْقِ ۝٥٠ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ

جلنے کا - یہ بدلہ ہے اسی کا جو تم نے بھیجا اپنے ہاتھوں اور اس

لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝٥١ لا كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ

واسطے کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔ جیسے دستور فرعون والوں کا اور

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ

جو ان سے پہلے تھے منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے سو پکڑا ان کو

اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٥٢

اللہ نے اُن کے گناہوں پر اللہ زور آور ہے سخت عذاب کرنے والا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى

یہ اس پر کہا کہ اللہ بدلنے والا نہیں نعمت کا جو دی تھی ایک

قَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ

قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں اپنے جیوں کی بات اور اللہ سنتا ہے

عَلِيۡمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ ۙ وَالَّذِيۡنَ مِنۡ

جانتا جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے

قَبۡلِهِمۡ ؕ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ

تھے ۔ جھٹلائیں باتیں اپنے رب کی پھر کھپا دیا ہم نے اُنکو ان کے گناہوں

وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۵۴﴾

پر اور ڈبو دیا فرعون والوں کو اور سارے ظالم تھے ۔

بیان ذِلّت کفّار درعالم برزخ

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَوۡ تَرٰۤى اِذۡ يَتَوَفَّى الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡمَلٰۤئِكَةُ ... الیٰ ... وَكُلٌّ كَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار کی دنیوی ذلت اور مغلوبیت اور رسوائی کا بیان تھا جو ان کو پہلی بار اپنی زندگی میں پیش آئی۔ اب ان آیات میں کفار کی برزخی ذلت اور رسوائی کا بیان ہے کہ موت کے وقت ان کی کیا حالت ہوتی ہے اور کس ذلت آمیز طریقہ سے اُن کی رُوح قبض کی جاتی ہے اور مرنے کے بعد عالم برزخ میں ان کو کیا عذاب دیا جاتا ہے۔ اور اس وقت اُن پر تزئین شیطانی کی ساری قلعی کھلی اور سمجھے کہ ہم دھوکہ میں مبتلا تھے خدا تعالےٰ نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ ہم نے خود اپنے آپ کو تباہ و برباد کیا اور آل فرعون کی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ نبی کی پیروی سے انحراف کا انجام یہ ہوتا ہے۔ اب ان آیات میں کفار کی برزخی ذلت اور اس کی علت کو بیان کرتے ہیں کہ اس برزخی ذلت کی علت بھی وہی مخالفتِ حق ہے جس کی وجہ سے دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی کاش آپ اس وقت کو دیکھتے کہ جب فرشتے کافروں کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ اور روح قبض کرتے وقت ان کے موہنوں پر اور ان کے سرینوں[1] پر آگ کے گرز مارتے جاتے ہیں۔

[1] مجاہدؒ اور سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ اَدۡبار سے انکی استاہ یعنی سرینیں مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ادبار سے ظہور مراد ہیں یعنی ان کی پشتوں پر مارتے ہیں (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۲۸ ج ۸) مگر راجح پہلا ہی قول ہے۔

اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ عذاب دوزخ کا مقدمہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی جان کنی کی کیفیت نہایت قابل عبرت ہے اگر آپ ان کی اس حالت کو دیکھیں تو بڑا ہی تعجب کریں۔

نکتہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے کافر کی روح نکالتے وقت اس کے منہ پر اس کی دُبُر پر یعنی سُرین پر آگ کے گرز مارتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ کافر کا منہ اور اس کی دُبُر دونوں ایک ہی حکم میں ہیں اس لیے کہ عطف کے لیے معطوف اور معطوف علیہ میں مناسبت ضروری ہے اور یہاں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح دُبُر سے حسّی اور ظاہری نجاست خارج ہوتی ہے اسی طرح کافروں کے منہ سے کلمات کفریہ نکلتے ہیں جو نجاست معنویہ ہیں اسی وجہ سے مشرکین کو نجس اور رجس کہا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ بلکہ زبان سے جو کلمہ معصیت کا نکلتا ہے وہ نجاست کا حکم رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے کے بعد وضو کو مستحب لکھا ہے۔ (دیکھو فتح القدیر شرح ھدایہ)۔

اب آگے اس عذاب ذلت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ قبض روح کے وقت وُجوہ اور اَدبار پر یہ ضرب شدید اس سبب سے ہے کہ تمہارے ہاتھوں نے جو کرتوت کیے ہیں یہ ان کی سزا ہے اور یہ ذلت اور مصیبت تو قبض روح کے وقت کی ہے اور قبر میں جانے کے بعد جو ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے اس کا تو کہنا ہی کیا اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کو بے جرم نہیں پکڑتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ دین حق اور نبی برحق کی عداوت اور تکذیب میں مشرکین عرب کا وہی طور وطریق ہے جو فرعونیوں کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا اور جیسے ان سے پہلے قوم عاد اور ثمود کا اپنے پیغمبروں کے ساتھ دستور تھا کہ اللہ کی نشانیوں کو نہ مانا اور نافرمانی کی کوئی پروا نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے قیامت سے پہلے ہی ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔ یہی حال کفار مقتولین بدر کا ہوا کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو نہ مانا اور دنیا ہی میں قتل اور قید کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا قوی ہے اور اپنے پیغمبر کے دشمنوں کو سخت عذاب دینے والا ہے کافر اس کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ عذاب جو اُن لوگوں پر ان کے جرائم کی پاداش میں نازل ہوا اسکا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو نعمت کسی قوم کو دے دیتا ہے وہ اس کو اس وقت تک نہیں بدلتا۔ جب تک وہ اپنے دل کے حالات کو نہ بدلیں۔ یعنی خدا تعالیٰ نے اہل مکہ کو یہ نعمت دی کہ ان کو بھوک سے کھانا دیا اور خوف سے امن میں رکھا اور ان کی ہدایت کے لیے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان میں بھیجا اور ان کو عقل اور فہم اور قبول حق کی استعداد عطا کی پس جب ان لوگوں نے خدا کی ان نعمتوں کی ناشکری کی اور اللہ کے رسول کو جھٹلایا تو اللہ نے ان سے ان نعمتوں کو چھین لیا قحط کی وجہ سے بھوک میں مبتلا

ہوئے مسلمانوں کی طرف سے ہردم خائف رہنے لگے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان میں سے نکل کر انصار میں چلے گئے اور یہ لوگ نور ہدایت سے محروم ہوگئے اور یہ امر ثابت ہے کہ اللہ ہر قول کو سننے والا اور ہر چھپی بات کو جاننے والا ہے اس پر نہ منافقوں کا نفاق چھپا ہوا ہے اور نہ ریاکاروں کا ریاء پس اس تغیر حالت اور زوال نعمت میں ان کی حالت وہی ہوئی جو فرعونیوں اور ان سے پہلے کافروں کی ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کیا۔ بعض کو خسف سے اور بعض کو مسخ سے اور بعض کو زلزلے سے بعض کو پتھر برسا کر اور بعض کو ہوا سے اور آل فرعون کو ہم نے بحر قلزم میں غرق کر دیا اور جو نعمتیں ان کو دے رکھی تھیں وہ سب ان سے چھین لیں۔ نہ وہ باغات رہے اور نہ وہ نہریں اور کھیتیاں رہیں اور وہ اگلے اور پچھلے سب ہی ظالم تھے۔ اللہ نے ان پر کوئی ظلم وستم نہیں کیا بلکہ ان کمبختوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا کہ خدا سے مقابلہ کی ٹھانی خدا اور اسکے رسول کا مقابلہ نہ کرتے تو خدا ان سے اپنی دی ہوئی نعمتیں نہ چھینتا چونکہ فرعونیوں اور اگلے کفار کی ہلاکت کے ذکر کرنے سے مقصود عبرت دلانا ہے دیکھ لو کہ جن لوگوں نے خدا اور اس کے رسول سے بغاوت کی کس طرح ہم نے اپنی دی ہوئی نعمتیں چھین لیں۔ اس لیے تاکید کے لیے اس مضمون کو مکرر لایا گیا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ

بدتر سب جانداروں میں اللہ کے ہاں وہ ہیں جو منکر ہوئے ،

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ اَلَّذِينَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ

پھر وہ نہیں مانتے - جن سے تو نے اقرار کیا ہے ان میں پھر

يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا

وہ توڑتے ہیں اپنا اقرار ہر بار اور ڈر نہیں

يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ

رکھتے - سو اگر کبھی تو پا دے ان کو لڑائی میں تو ایسی سزا

مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ

دے کر دیکھ کر بھاگیں ان کے پچھلے شاید وہ عبرت پکڑیں - اور اگر تجھ کو ڈر ہو

قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا

ایک قوم کی دغا کا تو جواب دے ان کو برابر کے برابر اللہ کو

يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

خوش نہیں آتے دغا باز - اور یہ نہ سمجھیں منکر لوگ کہ وہ بھاگ

سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾

نکلے - وہ تھکا نہ سکیں گے -

بیان احوال واحکام کفار اہل کتاب

قال اللہ تعالیٰ - اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ... الیٰ ... اِنَّھُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ٥

(ربط) شروع سورت سے یہاں تک کفار مشرکین کے احوال وقتال کا بیان تھا اب ان آیات میں کفار اہل کتاب یعنی یہود کے احوال وقتال کا بیان ہے کیونکہ ان آیات کا سبب نزول یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی اور اسلام کی دشمنی ہے یہود نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ ہم آپ کے دشمنوں (کفار مکہ) کو کوئی مدد نہ دیں گے مگر پھر ان کی غزوۂ احزاب میں مدد کی اور بھی چند بار ایسا ہی کیا اور ہر مرتبہ یہ کہہ دیتے کہ ہمیں عہد یاد نہیں رہا تھا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اسی عہد شکنی اور حق کی دشمنی کی وجہ سے ان کو بدترین حیوانات بتلایا اور حکم دیا کہ جب ان سے لڑائی ہو تو ان کو خوب قتل کرو اور ایسی عبرتناک ان کو تکلیف پہنچاؤ کہ دوسرے کافر بھی سُنکر ڈر جائیں اور تمہارے مقابلہ سے باز آجائیں اور ڈر جائیں کہ مبادا اگر ہم نے مقابلہ کیا تو ہماری بھی ایسی ہی گت بنے گی جو ان کی بنی ہے۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں تمام کافروں کے متعلق یہ فرمایا تھا کُلٌّ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ یہ سب ظالم تھے اب ان آیات میں سب سے بڑے ظالموں یعنی یہود بے بہبود کی ظالمانہ عادتوں کو بیان کرتے ہیں جس سے ان کا بدترین ظالم ہونا ثابت ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ظالم تو سارے ہی کافر ہیں مگر یہ یہود خباثت میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ ان میں خاص طور پر دو وصف پائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ یہ کفر پر مصر ہیں دوسرے یہ کہ یہ بدعہد ہیں۔ عہد کا خیال نہیں رکھتے ہر بار اپنے عہد کو توڑتے ہیں۔ لہٰذا آپ ان کو ایسی سخت سزا دیجئے کہ دوسرے کافر ان کا حال سُنکر ڈر جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق یہ لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں اس قدر غرق اور مست ہوئے کہ طبیعت اور فطرت

ہی متغیر اور تبدیل ہوگئی اور دائرۂ انسانیت سے نکل کر جنس حیوانات میں داخل ہو گئے حتی کہ بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک یہ کافر ہیں اگرچہ لوگوں کی نظر میں بڑے عاقل اور دانا ہیں پس یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ کافر جن سے آپ نے عہد کیا ہے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ بار بار عہد باندھتے ہیں۔ پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑتے رہتے ہیں۔ یہ آیت یہود بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور پرنورؐ سے عہد باندھا کہ ہم نہ آپؐ سے لڑیں گے اور نہ آپؐ کے مقابلہ میں دوسروں کو مدد دیں گے۔ مگر انہوں نے اس عہد کو توڑا اور بار بار اس کے خلاف کیا۔ جب آپؐ نے ان سے باز پرس کی تو انہوں نے کہا کہ ہم تو بھول گئے تھے اور ہم سے غلطی ہوگئی۔ ایسے بدعہد اور غدار اور مکار کیسے ایمان لاسکتے ہیں اور آئندہ بھی وہ عہد شکنی سے ڈرتے نہیں تو پھر ان کے بدترین حیوانات ہونے میں کیا شک ہے سو ایسے بدعہدوں اور دغابازوں کا علاج یہ ہے کہ اے نبی اگر آپ لڑائی میں ان پر قابو پاجائیں تو ان کے بیدریغ قتل سے ان لوگوں کو متفرق اور منتشر کردیں تو ان کے پیچھے تمہارے لیے دشمن ہیں شاید وہ پچھلے کافر ان کی سزا کو دیکھ کر نصیحت اور عبرت پکڑیں یعنی اگر یہ دغاباز اور غدار آپؐ کے مقابل میدان جنگ میں آجائیں تو ان میں اس قدر خونریزی کیجئے کہ ان کا قتل دوسروں کے لیے موجب عبرت بن جائے اور ان کا حال معلوم کرکے دوسرے کافر عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کرنے سے ڈریں یہ حکم تو ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے علانیہ عہد کو توڑا اور اگر ابھی تک علانیہ طور پر عہد تو نہیں توڑا مگر آپ کو کسی معاہد جماعت سے خیانت یعنی عہد شکنی کا اندیشہ ہو اور قرائن سے یہ محسوس ہو کہ یہ لوگ درپردہ کوئی شرارت کرنا چاہتے ہیں تو آپ ان کا عہد اُن کی طرف پھینک دیں یعنی ان کو اطلاع کردیں کہ اب ہم میں اور تم میں کوئی عہد نہیں رہا اسی طرح کہ وہ اور تم اس علم میں برابر ہوجائیں۔ یعنی ان کو بھی معلوم ہوجائے کہ اب عہد ختم ہوچکا ہے اور اس اطلاع سے تم اور وہ علم میں برابر ہوجائیں۔ محض اندیشہ اور خطرہ کی بنا پر بلا اطلاع دشمن پر حملہ کرنا ایک قسم کی خیانت ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا اور نہ ان کے اس عمل کو پسند کرتا ہے خیانت سے مراد وہی نقض عہد ہے

سنن ابی داؤد میں ہے کہ امیر معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان کوئی میعادی معاہدہ تھا میعاد کے اندر حضرت معاویہؓ نے اپنی فوجوں کو رومیوں کی سرحد کے قریب جمع کرنا شروع کیا تاکہ جب عہد کی میعاد ختم ہو تو فوراً حملہ کردیا جائے حضرت عمرو بن عنبسہؓ کا اس طرف گزر ہوا تو اس ماجرا کو دیکھ کر یہ فرمایا اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وفاء لاغدر (یعنی وفا چاہیئے عہد شکنی نہیں) اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو تو اس کی کوئی گرہ نہ کھولی جائے اور نہ باندھی جائے۔ یہاں تک کہ معاہدے کی مدت پوری ہوجائے یا برابری کی حالت میں ان کے عہد کو اُن کی طرف پھینک دیا جائے۔

حضرت معاویہؓ نے جب یہ سُنا تو بے لڑے اپنے ملک واپس آگئے۔

فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ برابری کی حالت میں عہد پھینکنا اس وقت ہے کہ جب قرائن اور علامات سے یہ معلوم ہو کہ وہ عہد شکنی کرنے والے ہیں لیکن اگر انھوں نے فی الحقیقت عہد شکنی کر دی ہے تو پھر عہد پھینکنے کی کوئی ضرورت نہیں ان کی بغیر اطلاع کے ان پر حملہ کرنا جائز ہے جیسا کہ قریش نے جب صلح حدیبیہ کو توڑا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اطلاع دیئے قریش پر حملہ کیا اور مکہ کو فتح کرلیا اور نبذِ عہد کا حکم جو اوپر مذکور ہوا تو اس سے بظاہر دشمن کو تیاری کا موقع مل جانے کا امکان ہے اس لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حکم سے کافر یہ گمان نہ کریں کہ جب ہم کو پہلے سے علم ہو جائے گا تو ہم بچ کر کہیں نکل جائیں گے خوب سمجھ لیں کہ وہ بلاشبہ خدا تعالیٰ کو اپنے پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ جہاں سے چاہے پکڑ سکتا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ

اور سرانجام کرو ان کی لڑائی کو جو پیدا کر سکو زور اور

رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

گھوڑے پالنے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے

وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ

دشمنوں پر، اور ایک اور لوگوں پر سوا اُن کے جن کو تم نہیں جانتے۔ اللہ ان کو جانتا ہے

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ

اور جو خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں پورا ملے گا تم کو

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٦٠﴾

اور تمہارا حق نہ رہے گا۔

سامانِ جنگ کی بھرپور تیاری کا حکم

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ.... الیٰ .... وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں کافروں کے قتل و قتال اور ان سے جنگ و جدال اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی عداوتوں کا اور خیانتوں کا اور بدعہدیوں کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں دشمنان اسلام سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے ساز و سامان کی تیاری اور سامان حرب کے مہیا کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ دشمنان اسلام کے مقابلہ کے لیے جس قدر مادی قوت اور طاقت تم مہیا کر سکو اس میں دقیقہ اٹھا نہ رکھو اور اتنی طاقت فراہم کرو کہ تمہارا رعب دشمن پر قائم ہو جائے۔ اور وہ تمہاری طاقت سے اتنا مرعوب اور خوفزدہ ہو جائے کہ وہ خود تمہارے ساتھ بدعہدی کر سکے اور نہ تمہارے کسی دشمن کی مدد کر سکے۔ اور جب کافروں کو تمہاری قوت اور طاقت کا علم ہو جائے گا تو وہ مرعوب ہو جائیں گے۔ اگرچہ تم ان کافروں کو نہ جانتے ہو اور نہ تمہیں ان کی عداوت کا علم ہو کما قال اللہ تعالیٰ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اس آیت میں ایسے ہی کافروں کی طرف اشارہ ہے ان لوگوں کو جب تمہاری طاقت کا علم ہوگا تو وہ نہ تم پر حملہ کرنے کی جرأت کریں گے اور نہ تمہارے دشمن کے ساتھ علانیہ تعلق قائم کرنے کی ہمت کریں گے۔

یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ فتح و ظفر سب من جانب اللہ ہے اور اللہ ہی کی مدد سے ہے اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اگرچہ فتح و ظفر در حقیقت اللہ ہی کی مدد سے ہے مگر تم بندے ہو اور عالم اسباب کے باشندے ہو اس لیے تم کو اسباب ظاہری کو نہ چھوڑنا چاہئے۔ دشمنان اسلام کی جنگ کے لیے اور کفر اور شرک کے فتنہ کے انسداد کے لیے ظاہری اسباب کو جمع کرو اور اتنا ساز و سامان کرو کہ تمہارا دشمن تمہاری طاقت سے مرعوب ہو جائے اور اس پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے باایں ہمہ بھروسہ اللہ پر رکھو۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مسلمانو کافروں کے مقابلہ کے لیے جو قوت اور طاقت اور زور تم سے بن پڑے وہ مہیا کرو اور گھوڑے باندھنے سے بھی مقابلہ کا سامان تیار کرو جس سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ جن کو تم جانتے ہو اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کو بھی ڈراؤ جن کو تم نہیں جانتے و لیکن اللہ ان کو جانتا ہے کہ تمہارے چھپے دشمن ہیں تمہاری کمزوری کے وقت ان کی عداوت ظاہر ہوگی لہٰذا تم کو ایسی طاقت اور قوت فراہم کرنی چاہئے کہ جس سے تمہارے ظاہری دشمن اور چھپے دشمن سب مرعوب اور خوف زدہ ہو جائیں ظاہری دشمن سے وہ کفار مراد ہیں جو اس وقت تم سے برسرپیکار ہیں اور باطنی دشمن سے وہ کفار مراد ہیں جو بظاہر اس وقت مسلمانوں سے برسرپیکار نہیں لیکن مسلمانوں کی عداوت کو دل میں چھپائے ہوئے ہیں اور تمہاری فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اور موقع کے منتظر ہیں۔ جب کبھی بھی کسی وقت مسلمانوں میں کمزوری دیکھیں گے اس وقت ان کی عداوت ظاہر ہوگی اس آیت میں ظاہری دشمنوں سے کفار مکہ اور یہود مدینہ مراد ہیں اور وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ سے کفار فارس اور روم مراد ہیں جن سے ابھی سابقہ نہیں پڑا لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ جب فارس اور روم سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوگا اس لیے ابھی سے حکم دے دیا گیا کہ ابھی سے تم اتنی قوت اور طاقت فراہم کر لو جو آئندہ چل کر ان دشمنوں کے مقابلہ میں بھی کام آسکے جن کی دشمنی کا تم کو علم نہیں

اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ وہ تمہارے چھپے دشمن ہیں تمہاری تاک میں اور موقع کے منتظر ہیں جیسے آج کل خاص کر مغربی ممالک جو دن رات اسلامی حکومتوں کا تختہ الٹنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے مکر اور فریب اور ان کی منافقانہ دوستی اور عیارانہ امداد سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اب آئندہ آیت میں مال جہاد کی ترغیب دیتے ہیں اور اے مسلمانو! جو چیز بھی تم خدا کی راہ میں یعنی سامانِ جہاد کی تیاری میں خرچ کرو گے تو وہ تم کو پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمہارے حق میں کمی نہ ہوگی اوّل تو دنیا ہی میں مال غنیمت اور مال فئی اور مال جزیہ اور مال خراج سے تمہارے خرچ کا اضعافاً مضاعفہ معاوضہ تم کو مل جائے گا جو تمہاری خرچ کی ہوئی رقم سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اور اگر کچھ کمی بھی رہی تو وہ آخرت میں پوری کردی جائے گی۔

لطائف ومعارف

۱۔ احادیث میں اگرچہ قوت کی تفسیر تیر اندازی سے کی گئی ہے مگر باعتبار عموم الفاظ اس سے مراد ہر قسم کا سامانِ حرب ہے اور یہ مطلب نہیں کہ قوت صرف تیر اندازی میں منحصر ہے بلکہ تلوار اور نیزہ اور سپر اور زرہ اور خود اور قلعے اور سامانِ رسد اور سامانِ حرب سب قوت میں داخل ہیں اس لیے کہ مقصود اصلی تو آیت کا یہ ہے کہ وہ سازوسامان اور آلاتِ حرب مہیا کرو جس کے ذریعے سے تم دشمن کی مدافعت کرسکو اور اس پر غالب آسکو عہد نبوی میں گھوڑوں کا باندھنا اہم سامان حرب تھا۔ اس لیے اس کی اہمیت اور شرافت کی بنا پر اس کو علیحدہ بیان فرمایا کتب احادیث اور تفاسیر میں تیر اندازی اور گھوڑوں کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں مذکور ہیں اور مشہور ہیں وہاں دیکھ لی جائیں اور سب سے مقصود سامانِ جنگ کی تیاری کا حکم دینا ہے۔ بہرحال اس آیت سے مقصود مسلمانوں کو یہ حکم دینا ہے کہ تم دشمنوں کے مقابلہ کے لیے سامانِ جنگ تیار کرو۔ جس قدر طاقت اور قوت تم فراہم کرسکتے ہو اس میں کسر نہ چھوڑو اور ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں سامانِ جنگ بدلتا رہا ہے پہلے زمانے میں تیر و تلوار تھے اور اس زمانے میں توپ اور بندوق ہیں۔ یہ سب سامانِ جہاد ہے اور اسی طرح آئندہ جو اسلحہ اور آلات حرب وضرب تیار ہوں گے انشاء اللہ وہ سب اس آیت کے عموم اور مفہوم میں داخل ہوں گے اور عین منشاءِ قرآنی ہوں گے لہٰذا اس آیت کی رُو سے مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحہ کی تیاری اور ان کے کارخانوں کا قائم کرنا فرض ہوگا۔ اس لیے کہ اس آیت میں قیامت تک کے لیے ہر مکان و زمان کے مناسب قوت و طاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کیے ہیں ہم پر بھی اسی قسم کے تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہوگا۔ تاکہ کفر اور شرک کا مقابلہ کرسکیں۔

کما قال تعالیٰ۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔ وَلَمَنِ انْتَصَرَ

بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۔ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۔

۲۔ غزوۂ احزاب میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر قریش مکہ کا مقابلہ کیا جو کسریٰ اور ایرانیوں کا طریقہ تھا کہ خندقیں کھود کر دشمن کا مقابلہ کرتے تھے ۵ھ میں جب تمام قبائل عرب نے ایک کمان ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا تو اس وقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے جنگ کا ایک جدید طریقہ اختیار کیا جو عرب میں رائج نہ تھا وہ یہ کہ مدینہ کے اطراف میں خندقیں کھود کر مشرکین عرب کا مقابلہ کیا جائے جنگ کا یہ طریقہ کسریٰ اور مجوس کا تھا جس کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اختیار فرمایا اور تمام صحابہؓ اس میں شریک رہے۔ پھر ۷ھ میں خیبر کا معرکہ پیش آیا جو یہود کا گڑھ تھا اور اس میں یہود کے بڑے بڑے مستحکم قلعے تھے جن کے فتح کرنے میں تقریباً ایک ماہ لگا۔ خیبر کے قلعوں میں ایک صعب نامی قلعہ تھا جب مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہو گیا اور اس کے تہہ خانوں کی تلاشی لی گئی تو ان میں سے بہت سا سامانِ جنگ اور ہتھیار مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور اس میں دبّابات اور منجنیقیں بھی مسلمانوں کے ہاتھوں آئیں۔ یہ رومی آلاتِ حرب تھے جو قلعہ کشائی کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ یہود کے خود ساختہ تھے یا رومیوں سے حاصل کیے تھے۔

دبّابہ (یعنی لکڑی کا ٹینک)

امام ابن اثیر جزریؒ نہایہ ص۱۰ ج۲ میں فرماتے ہیں کہ دبّابہ ایک آلہ ہے جو لکڑی اور چمڑے سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور وہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ چند آدمی اس میں بیٹھ سکیں اور دشمن کی قلعہ کی دیوار کے قریب لے جا کر اسے کھڑا کر دیں تاکہ اس میں بیٹھ کر قلعہ میں نقب لگا سکیں اور اس آلہ میں بیٹھنے والے ان تیروں سے محفوظ رہیں جو قلعہ کے اوپر سے پھینکے جا رہے ہیں۔ (دیکھو نہایہ ابن اثیر صفحہ ۱۰ جلد۲ و مجمع البحار ص۹۲ جلد۱)

نیز ابن اثیرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ میں ہے۔

كيف تصنعون بالحصون قال نتخذ دبّابات يدخل فيها الرجال ۔

(دیکھو نہایہ ص۱۰ ج۲ و مجمع البحار ص۳۹۴ ج۱)

حضرت عمرؓ نے ایک لشکر کو دشمن کے مقابلہ میں روانہ کرتے وقت لشکر سے دریافت کیا تم دشمن کے قلعوں کے ساتھ کیا کرو گے۔ اور ان کو کس طرح فتح کرو گے تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم دبّابے بنا لیں

---

[1] اصل عبارت اس طرح ہے۔ الدَّبَّابة آلة تتخذ من جلود وخشب يدخل فيها الرجال و يقربونها من الحصن المحاصر لينقبوه وتقيهم ما يرمون به من فوقهم۔ انتهى كذا فى النهاية ص۱۰ ج۲ وكذا فى مجمع البحار ص۳۹۴ ج۱۔ وكذا فى الدر النثير للحافظ السيوطى ص۱۰ ج۲۔

گے اور ہمارے جوان ان میں بیٹھ کر قلعہ میں نقب لگائیں گے یعنی اس طرح دشمن کے قلعوں کو مسخر کریں گے۔

دَبّابہ کی تعریف آپ نے سُن لی آج کل اصطلاح میں اس کا نام ٹینک ہے فرق اتنا ہے کہ پہلے زمانہ میں یہ آلۂ حرب لکڑی اور چمڑے سے تیار ہوتا تھا اور اس زمانہ میں فولاد سے تیار ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس سوال۔ کیف تصنعون بالحصون (تم دشمن کے مضبوط قلعوں کو کس طرح مسخر کروگے) کے جواب میں صحابہ کا یہ عرض کرنا نتخذ دبابات یدخل فیھا الرجال (ہم دبابے بنالیں گے اور اس میں بیٹھ کر دشمن کے قلعہ میں نقب لگائیں گے) یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دبّابہ کا بنانا اور اس کی صنعت اور اس کا استعمال اس زمانے میں رائج تھا اور مسلمان بھی ضرورت کے وقت دَبّابہ (اُس زمانے کے ٹینک) بنانے پر قادر تھے۔

مِنجنیق (اس زمانے کی مشین گن)

منجنیق پتھر پھینکنے کے آلہ کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے سنگباری کی جائے جس کو آج کل کی اصطلاح میں مشین گن کہتے ہیں، جَنَق سے مشتق ہے جس کے معنی رَمیٰ یعنی پھینکنے کے ہیں اور جو شخص اس آلہ کے ذریعے پتھر پھینکے اس کو جانق کہتے ہیں۔ روایات میں ہے کہ حجاج بن یوسف نے جب مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا تو اس نے خانہ کعبہ کے سامنے دو منجنیق نصب کیے اور دو جانق اس کے چلانے کے لیے مقرر کیے۔ (دیکھو نہایہ ابن اثیر ص۱۶۲ ج۱ اور الدر النثیر مؤلفہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ مطبوعہ برحاشیہ نہایہ اور دیکھو مجمع البحار ص۲۱۵ ج۱)

معلوم ہوا کہ اس زمانے میں منجنیق کا استعمال لڑائیوں میں معروف و مشہور تھا غزوۂ خیبر میں جب قلعہ صعب فتح ہوا اور اس میں سے کچھ دَبّابے اور کچھ منجنیقیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں جو رومیوں کے آلاتِ جنگ تھے اس قلعہ کے فتح کے بعد جب خیبر کے دوسرے دو قلعے وطیح اور سلالم کے فتح کرنے میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشواری پیش آئی تو اس وقت آپؐ نے یہ ارادہ فرمایا کہ ان لوگوں پر منجنیق کو نصب کیا جائے مگر اس کی نوبت نہیں آئی اور یہ دونوں قلعے بحمدہٖ تعالےٰ بغیر منجنیق کے نصب کیے ہوئے فتح ہوگئے۔ بہرحال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ان آلات کے استعمال کا ارادہ فرمانا جو غیر مسلموں کی ایجاد تھے یہی اس کی مشروعیت اور جواز کی دلیل ہے پھر جب ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد طائف کی طرف روانہ ہوئے اور بارہ ہزار صحابہؓ آپؐ کے ہم رکاب تھے اور وہاں پہنچ کر طائف کا محاصرہ کیا تقریباً بیس روز محاصرہ رہا جب فتح میں دشواری ہوئی تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسیؓ کے مشورے سے اُن پر منجنیق نصب کی اور یہ منجنیق سلمان فارسیؓ نے خود اپنے ہاتھ سے تیار کی اور ان کے قلعہ کو مسمار کرنے کے لیے اس کو بنایا اور یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کے سامنے ہوا۔ علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلی منجنیق تھی۔ جو دشمنوں کے مقابلہ میں نصب کی گئی اور دنیا میں سب سے پہلا شخص نمرود ہے جس نے منجنیق تیار کی اور ابراہیم علیہ السلام پر آگ پھینکنے کے لیے اس کو استعمال کیا۔ تفصیل کے لیے زرقانی شرح مواہب ص۳۱ ج۳ دیکھیں۔

غرض یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر و تلوار کے علاوہ جدید آلات حرب بھی استعمال کیے اور صحابہ کو ان کے بنانے کا حکم بھی دیا اور آپ کے بعد جب فاروق اعظمؓ کو شام اور عراق کی مہم پیش آئی تو آپ نے صحابہ کو قلعہ شکن دبابوں کے بنانے کا اور استعمال کرنے کا حکم دیا۔

پس حق جل شانہ نے اس آیت (وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ) میں ہر قسم کی قوت اور طاقت کے مہیا کرنے کا قطعی حکم دے دیا اس آیت کا عموم قیامت تک ظاہر ہونے والی قوتوں کو شامل ہے لہٰذا اب اگر کوئی اسلامی حکومت اس سے غفلت برتتی ہے تو یہ قصور اس کا ہے اسلام کا کوئی تصور نہیں۔

۳۔ اس آیت میں دو حکم دیئے گئے ہیں ایک قوت اور طاقت یعنی سامان جنگ کی تیاری کا سو یہ باتفاق فقہاء فرض کفایہ ہے اور دوسرا حکم رباط خیل کا ہے یعنی دشمن کے مقابلہ کے لیے گھوڑوں کے پالنے کا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ سرحدوں پر چھاؤنیوں کا قائم کرنا از حد ضروری ہے اور حق تعالیٰ جل شانہ کے اس ارشاد یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۔ میں مرابطہ سے سرحد کی نگرانی اور پاسبانی مراد ہے جو بحکم خداوندی فرض اور لازم ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى

اور اگر وہ جھکیں صلح کو تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ

اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ یُّرِیْدُوْۤا اَنْ

پر۔ بے شک وہی ہے سنتا جانتا ۔ اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ

یَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ

کو دغا دیں تو تجھ کو بس ہے اللہ۔ اس نے تجھ کو زور دیا

بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ

اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا ۔ اور ان کے دل میں الفت

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ

ڈالی۔ اگر تو خرچ کرتا جو سارے ملک میں ہے تمام نہ الفت دے سکتا

بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ

ان کے دل میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی اُن میں ۔ وہ زور آور ہے

حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ

حکمت والا ۔ اے نبی کفایت ہے تجھ کو اللہ اور جتنے تیرے ساتھ ہوئے

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾

ہیں مسلمان ۔

حسبِ ضرورت ومصلحت کفّار سے صُلح کی اجازت اور صُلح کے بعد مُسلمانوں کو توکّل کا حکم اور وعدۂ نصرت وحفاظت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا ۔۔ الی ۔۔۔ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۰

(ربط) گزشتہ آیت میں ارباب کفار کا بیان تھا یعنی اتنی قوّت اور طاقت فراہم کرو کہ دشمن مرعوب ہو جائے اب آگے یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر کسی وقت دشمن صلح کی طرف مائل اور تم سے صلح کی درخواست کرے تو حسبِ ضرورت ومصلحت ایک مدت معینہ کے لیے صلح کرنا جائز ہے مگر واجب نہیں اس لیے کہ اصل فریضہ کفار سے جہاد وقتال کرنا ہے البتہ حسبِ ضرورت ومصلحت کفار سے صلح کی اجازت ہے حکم نہیں۔

شریعت نے کافروں سے اصل حکم جہاد کا دیا ہے اور بوقت ضرورت حسب مصلحت کافروں سے صلح کی اجازت دی ہے کہ اگر تم کافروں سے صلح کرلو تو جائز ہے مگر واجب نہیں۔

قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لاینبغی موادعۃ اہل الشرک اذا کان بالمسلمین علیہم قوۃ لان فیہ ترک القتال المامور بہ او تاخیرہ وذٰلک مما لا ینبغی للامیران یفعلہ من	امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر مسلمانوں میں کافروں کے مقابلہ کی طاقت اور قوت ہو تو پھر ان سے صلح کرنا کسی طرح مناسب اور زیبا نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے کافروں سے جہاد اور قتال کا حکم دیا ہے پس اگر کفار سے صلح کی جائے تو

غیر حاجة قال الله تعالیٰ وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ و ان لم يكن بالمسلمين قوة عليهم فلا بأس بالموادعة لان الموادعة خير للمسلمين فى هذه الحالة و قد قال عزوجل وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا الآية و لان هذا من تدبير القتال فان على المقاتل ان يحفظ قوة نفسه اولا ثم يطلب العلو والغلبة اذا تمكن من ذالك (شرح سیر کبیر للامام السرخسی ص ۲ ج ۴)

فریضۂ جہاد کا ترک یا اس میں تاخیر لازم آئے گی۔ اور مسلمانوں کے امیر کے لیے یہ کسی طرح زیبا اور لائق نہیں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے بغیر ضرورت اور بغیر مجبوری کے صلح کرے اس لیے کہ حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے۔ اے مسلمانوں تم دشمنان اسلام کے جہاد و قتال میں کمزور اور سست نہ پڑو اور اس راہ میں جو تکلیف پہنچے اس سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو اور تم ہی غالب رہوگے۔ اگر تم سچے اور پکے مسلمان ہو۔ (اللہ کا حکم ختم ہوا) اور اگر مسلمانوں میں کافروں کے مقابلہ کی قوت نہ ہو تو پھر صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ ایسی حالت میں صلح کرنا ہی مسلمانوں کے لیے خیر اور مصلحت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر کافر صلح کی طرف مائل ہیں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ نیز ایسی حالت میں صلح کر لینا یہ در پردہ جہاد و قتال کی ایک تدبیر ہے اس لیے کہ مجاہد پر یہ فرض ہے کہ اولاً وہ اپنی قوت کو محفوظ کرے اور قوت حاصل ہو جانے کے بعد پھر دشمن اسلام پر غلبہ کی کوشش کرے جب کبھی اس کو یہ موقع ملے۔

امام ابوحنیفہؒ کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا اور یہی مضمون احکام القرآن ص ۶۹ ج ۲ و ص ۳۰ ج ۳ للامام ابی بکر الجصاصؒ میں مذکور ہے۔

فقہاء کرام نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ مسلمان فرمانروا کافروں سے ایک مدت معینہ کے لیے صلح کر سکتا ہے مگر جہاں تک ممکن ہو صلح کی مدت کم مقرر کرے اور دس سال سے زیادہ کا معاہدہ نہ کرے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حدیبیہ میں قریش سے دس سال کے لیے معاہدہ کیا اور اس سے زیادہ مدت کے لیے کبھی کسی سے کوئی معاہدہ نہیں کیا بہرحال ایک مدت معینہ کے لیے کافروں سے صلح جائز ہے اور اس مدت میں اگر کفار اپنے عہد کو توڑ ڈالیں تو وہ بجائے معاہدہ کے محارب سمجھے جائیں گے۔ بلا اطلاع کے ان پر چڑھائی اور فوج کشی جائز ہوگی۔ جیسے قریش نے صلح حدیبیہ کو توڑا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

بلا اعلان جنگ قریش پر حملے کے لیے روانہ ہوئے اور مکہ کو فتح کرلیا۔
اب آیت کی تفسیر دیکھیے۔ فرماتے ہیں اور اگر دشمنانِ اسلام تمہاری قوت اور طاقت سے مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکیں تو آپ کو بھی اجازت ہے کہ اگر مصلحت سمجھیں تو صلح کیطرف جھک جائیں۔ شاید وہ اس بہانہ سے اسلام میں داخل ہو جائیں اور تمہارے بھائی بن جائیں اور اس صلح پر بھروسہ نہ کیجئے بلکہ بھروسہ اللہ پر رکھئے کیونکہ اللہ ہی کافروں کے مکروفریب سے بچانے والا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کافروں کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اور ان کی بدنیتی کو خوب جانتا ہے کہ کس نیت سے یہ صلح کر رہے ہیں اور اگر آپ کو قرائن سے معلوم ہو کہ وہ اس صلح سے آپ کو دغا دینا چاہتے ہیں تو آپ حسب صوابدید اللہ پر بھروسہ کرکے کافروں کی صلح کی درخواست قبول کرلیجئے اور ان کے دھوکہ کی پرواہ نہ کیجئے پس تحقیق اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے دھوکہ سے بچانے کے لیے کافی ہے جس خدا نے پہلے آپ کی حفاظت اور کفایت کی وہی اب بھی محافظ اور کافی ہے کیونکہ اسی نے جنگ بدر میں بغیر قوت اور بغیر رباط خیل کے اور بغیر ظاہری اسباب کے اپنی خاص مدد سے آپ کو قوت دی فرشتوں سے آپ کی مدد کی اور ان مسلمانوں کے ذریعے آپ کو قوت دی جو خدا تعالیٰ کی اطاعت شعاری اور جاں نثاری میں فرشتوں کا نمونہ تھے۔
یعنی حقیقت میں تیرا مددگار اللہ ہے۔ اور ظاہری اسباب میں یہ مسلمان تیرے مددگار ہیں تو تجھے کسی کا کیا ڈر ہے۔ اس لیے اگرچہ یہ لوگ دغابازی اور عہدشکنی کا ارادہ کریں تو آپ اس کی فکر نہ کیجئے اللہ آپ کو کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس مٹھی بھر جماعت کو قائم مقام قوت اور رباط خیل کے بنا دیا۔ کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی اور زمانۂ جاہلیت کی حمیت اور عصبیت کو دلوں سے بالکل نکال دیا اور باہمی الفت کی قوت سازوسامان کی قوت سے کہیں بڑھ کر ہے اگر آپ ان تمام خزانوں کو بھی خرچ کر ڈالتے جو زمین کے اندر چھپے ہوئے ہیں تب بھی آپ انکے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت نہیں ڈال سکتے تھے ولیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی اور زمانۂ جاہلیت کی دیرینہ عداوتیں جو صدیوں سے چلی آرہی تھیں وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ نے یک لخت ان کے دلوں سے نکال دیں اور یہ سب آپؐ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور آپؐ کے اعوان و انصار بن گئے آپؐ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعتوں کو بدل دیا بیشک وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ یعنی بظاہر حال قبیلۂ اوس اور قبیلۂ خزرج میں اور دیگر قبائل میں صدہا سال کے عداوت کے بعد اتفاق کا پیدا ہونا ناممکن نظر آتا تھا مگر اللہ زبردست ہے وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ اس کی حکمت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ ان کی باہمی دشمنی کو ختم کرکے کفر کی دشمنی پر ان سب کو متفق کرے اے نبی اگر آپ حقیقت پر نظر کریں تو ایک اللہ آپ کے لیے کافی ہے اگرچہ کوئی بھی آپؐ کے ساتھ نہ ہو اور اگر ظاہر اسباب پر نظر کریں تو جو مسلمان تیرے پیرو ہیں وہ تیرے اور تیرے دین کی مدد کے لیے کافی ہیں۔ آپؐ کے اتباع کی برکت سے مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت کفار کے لشکر جرار کو شکست دے سکتی ہے جیسے بدر میں آپ نے دیکھ لیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ

اے نبی ! شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا اگر

يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ

ہوں تم میں بیس شخص ثابت غالب ہوں دو سو پر .

وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اور اگر ہوں تم میں سو شخص غالب ہوں ہزار کافروں

كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ

پر ، اس واسطے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے ۔ اب بوجھ ہلکا

اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ

کیا اللہ نے تم پر ، اور جانا کہ تم میں سستی ہے ۔ سو اگر ہوں

مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ

تم میں سو شخص ثابت ، غالب ہوں دو سو پر اور اگر

يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

ہوں تم میں ہزار شخص غالب ہوں دو ہزار پر ، اللہ کے حکم سے

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور اللہ ساتھ ہے ثابت رہنے والوں کے ۔

ترغیب و تشویق اہل ایمان بقتال کفار و قانون قرار و فرار

از میدانِ کارزار

قال اللہ تعالیٰ۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ... الیٰ ... وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں بوقت ضرورت حسب مصلحت کافروں سے صلح کی اجازت دی اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ کافروں سے صلح محض جائز اور مباح کے درجہ میں ہے اصلی حکم کافروں سے جہاد و قتال ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ اے نبی آپ اہل ایمان کو جہاد و قتال کا خوب شوق دلائیے۔ تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اس کا بول بالا ہو اور کفر ذلیل وخوار ہو۔ اور یہ بات جہاد سے حاصل ہوتی ہے۔ صلح سے حاصل نہیں ہوتی اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہیں۔ مبادا کافروں نے دھوکہ کی نیت سے صلح کی ہو اور اس حکم کے ساتھ ساتھ میدان جہاد و قتال سے قرار اور فرار کے متعلق ایک قانون اور ضابطہ بتلاتے ہیں کہ اس بارہ میں ابتداء میں یہ حکم تھا کہ اگر کفار مسلمانوں سے دس گنا ہوں تب بھی ان سے قتال کیا جائے مگر بعد میں یہ حکم اٹھا لیا گیا اور صرف دو گنے کافروں سے لڑنے کا حکم باقی رہ گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے نبی مسلمانوں کو کافروں سے جہاد و قتال پر اکسا اور اس پر برانگیختہ کر اس لیے کہ ایمان کا اصل اقتضاء دشمنان خدا سے جہاد و قتال ہے نہ کہ صلح۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ جہاد و قتال کے وقت کافروں کی کثرت کی پرواہ نہ کریں اور ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم میں سے بیس شخص صابر، ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں گے تو وہ ایک ہزار پر غالب آئیں گے۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ ثواب آخرت کو سمجھتے نہیں یعنی وہ اس لیے تم پر غالب نہیں آئیں گے کہ وہ آخرت کو نہیں سمجھتے ان کی نظر دنیاوی زندگی پر مقصور ہے اس لیے وہ اپنی جان کو خطرہ میں نہیں ڈالتے بخلاف اہل ایمان کے کہ وہ آخرت کے ایسے مشتاق ہیں جیسے پیاسا پانی کا مشتاق ہو۔ وہ آخرت کے شوق میں اپنی جان کو پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ اس لیے کافر تمہارے مقابلہ میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور یہ حکم یعنی اپنے سے دس گنے سے مقابلہ کا حکم اس وقت تھا کہ جب قوت ایمانی حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور اہل ایمان صبر اور استقامت اور تسلیم و تفویض کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور ان کی نظر عددی قلت وکثرت پر نہ تھی بلکہ صرف خدا پر تھی اللہ کو معلوم ہے کہ بعد میں چل کر ان اوصاف میں کمی آجائے گی۔ اس لیے یہ حکم اٹھا لیا گیا اور صرف دُگنے کافروں سے لڑنے کا حکم باقی رہ گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اب اللہ نے تم پر تخفیف کر دی اور اس نے معلوم کر لیا کہ اب تمہاری ہمت اور صبر وتحمل میں کچھ ضعف اور کمزوری آگئی ہے بس اگر تم میں سے سو آدمی صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں کے ایک ہزار ہوں گے تو وہ دو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اللہ کے حکم سے یعنی ایک گنا کے دو گنا پر غلبہ محض بحکم خداوندی ہے ولیکن مشروط بر صبر ہے اگر صبر کریں گے تو اپنے سے دوگونہ پر غالب آئیں گے اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ پچھلی آیت پہلی آیت کے لیے ناسخ ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ پہلا حکم عزیمت ہے اور دوسرا رخصت ہے جو پہلے حکم پر عمل کرے اس کا ثواب اور

اجر کامل اور اکمل ہے اور جو دوسرے حکم پر عمل کرے تو وہ بھی جائز اور درست ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ صبر اور یقین اور توکل کے مدارج مختلف ہیں جس درجہ کا صبر ہوگا اسی درجہ کی مدد من جانب اللہ اس کے ساتھ ہوگی۔ اگر تم صبر میں کامل ہوگئے تو تم میں سے ایک ایک دس دس پر غالب آئے گا۔ دس کا عدد۔ عدد کامل شمار ہوتا ہے۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ جو صبر میں کامل ہوگا وہ عدد کامل پر غالب آئے گا اور اگر تمہارا صبر کمزور ہوگا تو ایمان اور صبر کی برکت سے ایک ایک دو دو پر غالب آئے گا اور اگر صبر نہیں تو پھر کوئی وعدہ نہیں۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ
نہیں چاہیئے نبی کو کہ اس کے ہاں قیدی آویں جب تک نہ خون

فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ
کرے ملک میں۔ تم چاہتے ہو جنس دنیا کی اور اللہ

يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ
چاہتا ہے آخرت، اور اللہ زور آور ہے حکمت والا۔ اگر نہ ہوتی ایک

مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ
بات کہ لکھ چکا اللہ آگے سے تو تم کو پڑتا اس لینے میں بڑا

عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ
عذاب۔ سو کھاؤ جو غنیمت لاؤ حلال ستھری

وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٦٩﴾ يَا أَيُّهَا
اور ڈرتے رہو اللہ سے، اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔ اے

النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ
نبی کہہ دے اُن کو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی،

إِنْ يَعْلَمِ اللّٰهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا

اگر جانے گا اللہ تمہارے دل میں کچھ نیکی تو دے گا بہتر تم کو

مِّمَّآ أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ

اس سے جو تم سے چھن گیا اور تم کو بخشے گا اور اللہ ہے بخشنے

رَّحِيمٌ ﴿٧٠﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا

والا مہربان ۔ اور اگر چاہیں گے تجھ سے دغا کرنی، سو دغا کر چکے

اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ

ہیں پہلے اللہ سے پھر اس نے پکڑوا دیئے اور اللہ

عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾

سب جانتا ہے حکمت والا ۔

تلقین احکام دربارۂ اسیرانِ جنگ

قال اللہ تعالیٰ ۔ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۔۔ الیٰ ۔۔۔ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں جہاد و قتال کے مسائل اور احکام کا بیان تھا چونکہ جہاد و قتال میں بسا اوقات کفار قید ہو کر آتے ہیں اس لیے آئندہ آیات میں اسیرانِ جنگ اور خاص کر اسیرانِ بدر کے متعلق احکام بیان کرتے ہیں کیونکہ قیدیوں کے قتل اور فدیہ کا فیصلہ قتال سے فارغ ہونے کے بعد ہوتا ہے اس لیے اس سورت میں احکام قتال کو۔ قیدیوں کے احکام پر ختم فرمایا۔

شانِ نزول اور شانِ نزول ان آیات کا یہ ہے کہ جب جنگ بدر میں ستر کافر قید ہو کر آئے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ یارسول اللہ یہ لوگ آپ کے رشتہ دار اور ہم قوم ہیں۔ اور بھائی بند ہیں ان پر رحم کیا جائے اور فدیہ لے کر ان کی جان بخشی کر دی جائے۔ آج ہر ایک اپنی استطاعت کے موافق فدیہ دے کر جان بخشی

کراسکتا ہے شاید پھر کوئی دن آئے کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں۔ جس سے مسلمانوں کے عدد میں اور ان کی مدد میں زیادتی ہو جائے اور اس وقت فدیہ سے جو مال ملے گا اس سے کفار سے محاربہ اور جنگ میں قوت حاصل ہوگی اور فاروق اعظمؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ لوگ کافروں کے پیشوا اور سردار ہیں آپ ہم کو ان سب کی گردنیں مارنے کی اجازت دیجئے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بوجہ رحم دلی ابوبکرؓ کی رائے کو پسند کیا اور ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں فدیہ لینے پر عتاب آیا کہ نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ کافروں کو فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ جہاد سے مال حاصل کرنا مقصود نہیں بلکہ کافروں کی ضد اور انکا زور توڑنا مقصود ہے اور یہ بات قتل ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اور یہ ظالم اور متکبر رحم دلی کے لائق نہیں بلکہ سرکوبی اور گردن زدنی کے لائق ہیں بہتر یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے تاکہ کفر کی کمر ٹوٹ جائے۔

؎ نکوئی با بداں کردن چناں است — کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

چنانچہ فرماتے ہیں کہ کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور وہ اُن سے فدیہ لے جب تک زمین میں ان کی خوب خونریزی نہ کرلے یہاں تک کہ کفر کی جان نکل جائے۔ یا قریب المرگ ہو جائے دشمنان اسلام کی خونریزی ہی کفر کی ذلت اور اسلام کی عزت اور شوکت کا ذریعہ ہے اسی وجہ سے غزوۂ بدر میں فرشتوں کو یہ حکم دیا گیا۔ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔

پیغمبر کو حکم خداوندی یہ ہے کہ وہ اہل ایمان کو کافروں سے جہاد و قتال کا شوق دلائے اس کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ فقط کافروں کے قید کرنے پر اکتفا کرے یا اُن سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دے جہاد مقتضی ہے قتل کو اور فدیہ قتل سے مانع ہے۔ لہٰذا فدیہ لے کر ان کافروں کو چھوڑ دینا جہاد کی غرض و غایت کے منافی ہے اس لیے فدیہ لینے پر عتاب آیا اور سورۂ قتال میں جو مَنّ اور فداء کا اختیار دیا گیا ہے سو وہ بھی اِثخان کفار کے بعد دیا گیا ہے کما قال تعالےٰ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔ یعنی اے مسلمانو جب تم کافروں سے جنگ کرو تو ان کی گردنیں مارو اور مارتے رہو یہاں تک کہ جب انکا خون خوب بہا چکو کہ اب ان میں مسلمانوں سے لڑنے کی سکت باقی نہ رہے پھر ان کو قید کرو اور قید کرنے کے بعد یا تو ان پر احسان کرو کہ بلا معاوضہ لیے ہوئے ان کو چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو اور یہ حکم اس وقت تک ہے کہ جب تک لڑائی اپنے ہتھیار نہ ڈالے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک اعداء اللہ کی خوب خونریزی نہ ہو جائے اور لڑائی اسلام کے سامنے اپنے ہتھیار نہ ڈالدے اور حق کی ہیبت اور دبدبہ اور رعب قائم نہ ہو جائے اس وقت تک فدیہ لینا جائز نہیں ہاں جب کافروں کے اِثخان یعنی ان کی خوب

خونریزی کے بعد اسلام کی عظمت اور ہیبت اور شوکت اور دبدبہ قائم ہو جائے تب اگر فدیہ لے کر ان کی جان بخشی کر دی جائے تو جائز ہے لیکن اس سے پہلے جائز نہیں اول اثخان ہو جانا ضروری ہے اس کے بعد فدیہ اور احسان کی اجازت ہے اس سے پہلے نہیں۔

حاصل یہ کہ اے مسلمانو اثخان کے بعد یعنی خوب خونریزی کے بعد جب کفر خوب ذلیل اور خوار ہو جائے تو پھر تم کو مَنّ اور فداء کا اختیار ہے اس سے قبل نہیں اور موقعۂ بدر پر منشاء خداوندی یہ تھا کہ کافروں کی خوب خونریزی کی جائے حتیٰ کہ کفر کا دماغ پلپلا ہو جائے اور آئندہ کے لیے اس میں اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی سکت نہ رہے اس موقعہ پر مسلمانوں نے چونکہ اعداء اللہ کے اثخان (یعنی کافی خونریزی) سے قبل ہی فدیہ لے لیا اس لیے بارگاہ خداوندی سے عتاب آیا۔ (دیکھو احکام القرآن للامام الجصاص ص ۴۷ ج ۳)

خلاصہ کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ یہی تھا کہ کافروں کو قتل کیا جائے تاکہ کفر کی شوکت ٹوٹ جائے اس لیے گزشتہ آیت میں یہ فرمایا کہ نبی کے شایان شان نہیں کہ کافی خونریزی کے بغیر قیدیوں کو زندہ چھوڑ دے اب آئندہ آیت میں مسلمانوں پر عتاب ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو تم دنیا کا سامان چاہتے ہو جو ایک حقیر اور عارضی چیز ہے عنقریب زائل ہونے والی ہے اس لیے تم نے فدیہ لینے کی رائے دی اور اللہ تمہارے لیے آخرت کی مصلحت چاہتا ہے کہ دین اسلام غالب ہو اور کفر مغلوب ہو اور اللہ غالب ہے حکمت والا وہ تم کو کافروں پر غلبہ دینا چاہتا ہے۔ غلبہ کے بعد فتوحات سے تم کو اتنا مال مل جائے گا کہ جو اس زر فدیہ سے ہزاروں گنا زیادہ ہوگا اور عنقریب قیصر و کسریٰ کے خزائن تم کو ملیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو ابھی مل جاتے لیکن حکمت کی وجہ سے اس میں دیر ہو رہی ہے بہر حال تمہارا یہ فعل خدا تعالیٰ کو پسند نہیں آیا اور اگر اس بارہ میں اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ لکھا جا چکا ہوتا تو البتہ پہنچتا تم کو اس مال کے بارے میں جو تم نے کافروں سے فدیہ میں لیا۔ اور انہیں چھوڑ کر بڑا عذاب اس کتاب کے من اللہ یعنی اس نوشتۂ خداوندی کے بارے میں مفسرینؒ کا اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ سو اس سے۔

۱۔ یا تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ بغیر صریح ممانعت کے عذاب نازل نہیں کرتا۔

۲۔ یا یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نادانی اور اجتہادی خطا پر مواخذہ نہیں کرتا۔

۳۔ یا یہ مراد ہے کہ اللہ کے یہاں یہ امر طے شدہ ہے کہ کسی سے نادانستہ عمل پر مواخذہ نہیں کرتا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے مغفرت کا وعدہ فرما لیا ہے اور ان سے یہ کہہ دیا ہے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ کہ اے اہل بدر تم جو چاہے کرو تم جو غلطی کرو گے وہ معاف ہے۔

اس لیے کہ بدر کے میدان میں تم نے جو جاں نثاری اور جان بازی دکھلائی ہے اس کے صلہ میں

تمہاری سب خطائیں معاف ہیں۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کرلیا ہے کہ رسول کے ہوتے ہوئے کوئی عذاب نازل نہیں کرے گا کما قال تعالیٰ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ ان قیدیوں میں سے بہت سوں کی قسمت میں مسلمان ہونا ہے۔ سو اگر اس قسم کا کوئی نوشتہ اور حکم و فرمان اللہ کی طرف سے پہلے صادر نہ ہوچکا ہوتا تو اس فدیہ لینے سے تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا اور امام ابن جریر طبریؒ کا میلان اس طرف ہے کہ یہ تمام معانی لفظ کتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ کے تحت میں مندرج اور داخل ہیں کیونکہ لفظ عام ہے جو سب کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر اس قسم کے موانع نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم اور ثقیل تھی کہ سخت عذاب نازل ہوجانا چاہیئے تھا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض والتقدیر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمرؓ اور سعد بن معاذؓ کے کوئی نہ بچتا۔ جاننا چاہیئے کہ عذاب نازل نہیں ہوا بلکہ محض آپ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اور فقط آپ کو دکھلایا گیا تھا (جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے) تاکہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم قریب سے اس عذاب کو دیکھ لیں۔ اور لوگوں کو بتلا دیں کہ اگر تمہاری اس غلطی پر عذاب نازل ہوتا تو ایسا ہوتا مقصود محض عذاب کا دکھلانا تھا نہ کہ اس کا نازل کرنا اور اتارنا محبین کی تنبیہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا (دیکھو زرقانی شرح مواہب ص۴۴۲ ج ۱)

اور اس وقت آپ کے سامنے عذاب کا پیش کرنا اسی قسم کا تھا۔ جیسے نماز کسوف میں آپ کے سامنے جنت و جہنم آپ کے سامنے دیوار قبلہ میں متمثل کرکے پیش کی گئی تاکہ عذاب کا ایک نظارہ ہوجائے کہ وہ کیسا ہوتا ہے اور بس۔

تنبیہات

(۱) جاننا چاہیئے کہ ان خطابات میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم داخل نہیں۔ اس لیے کہ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا کا خطاب صرف ان لوگوں کو ہے جنہوں نے اپنے فائدہ کو مدنظر رکھ کر فدیہ لینے کا مشورہ دیا یا دیگر مصالح دینیہ کے ساتھ مالی مصلحت کو بھی ملحوظ رکھا اور جن لوگوں نے محض صلہ رحمی اور رحم دلی اور دیگر مصالح دینیہ کی بنا پر یہ مشورہ دیا وہ اس خطاب اور عتاب میں داخل نہیں اخفاء اور پردہ پوشی کے لیے خطاب عام آیا ورنہ مراد سب نہیں بلکہ صرف بعض مراد ہیں عتاب اس پر آیا کہ تم نے دنیا کے فانی سامان پر کیوں نظر کی حالانکہ مومن کی نظر صرف آخرت پر ہونی چاہیے اور مالی اور دنیوی فوائد پر نظر کرنا اگرچہ فی حد ذاتہ جائز ہے مگر صحابہؓ جیسے مقربین کی شان عالی اور منصب جلیل کے مناسب نہیں۔

اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو صدیق اکبرؓ کی رائے کو عمرؓ کی رائے پر ترجیح دی اس کا منشاء شفقت و رحمت کا غلبہ تھا نہ کہ مالی فائدہ اور اگر بالفرض والتقدیر کسی درجہ میں مالی فائدہ آپ کے پیش نظر بھی ہو تو وہ اپنے لیے نہ تھا بلکہ دوسروں کے فائدہ کے لیے تھا اور دوسروں کے مالی فائدہ کو ملحوظ رکھنا جود و کرم ہے جو عقلاً و شرعاً محمود ہے وہ محل عتاب نہیں۔

۲- جنگ بدر میں جب ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو کر آئے تو آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ بعض نے مشورہ دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور بعض نے کہا کہ ان سے کچھ مال لے کر چھوڑ دینا چاہیئے اس پر آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور جبریل امینؑ نے آکر عرض کیا کہ آپؐ کے رب نے اسیرانِ بدر کے بارے میں آپؐ کے صحابہؓ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ ان کو قتل کریں اور خواہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑیں مگر بایں شرط کہ آئندہ سال تمہارے بھی ستر آدمی شہید ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم ان سے فدیہ لے کر ایک گونہ قوت حاصل کریں اور سال آئندہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں شہادت کی عزت و کرامت سے سرفراز فرمائیں اور ہمارے ستر آدمی جنت میں داخل ہوں آپؐ نے بمشورۂ صحابہ کرامؓ اسیرانِ بدر سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا اس پر یہ آیاتِ عتاب نازل ہوئیں اب یہاں شبہ یہ ہے کہ جب من جانب اللہ قتل اور فدیہ دونوں کا اختیار دے دیا گیا تھا تو پھر فدیہ لینے پر کیوں عتاب نازل ہوا۔

جواب جواب اس کا یہ ہے کہ یہ اختیار فقط ظاہری اور صوری تھا لیکن معنوی اور حقیقی لحاظ سے اختبار (یعنی آزمائش) اور امتحان تھا کہ دیکھیں مسلمان اعداء اللہ کے قتل کو اختیار کرتے ہیں یا سامانِ دنیا کو اختیار کرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ مسلمان اپنی رائے سے کس طرف جھکتے ہیں۔ جیسے حق تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو دو صورتوں میں اختیار دیا کہ چاہے دنیا کو اختیار کریں اور چاہے آخرت کو اختیار کریں کما قال تعالیٰ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

بیانِ حلت فدیہ

فدیہ لینے پر جب عتاب نازل ہوا تو مسلمان ڈر گئے اور غنائمِ بدر سے (جن میں فدیۂ اساری بھی شامل تھا) ہاتھ کھینچ لیا۔ اور اس کے حلال ہونے میں شبہ ہو گیا اس پر آئندہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کی تسلی فرما دی گئی کہ وہ اللہ کی عطا ہے اس کو خوشی سے کھاؤ مال غنیمت فی حد ذاتہ حلال اور طیب ہے اس کے طریقِ حصول میں تم سے لغزش ہوئی وہ معاف کر دی گئی اور یہ فدیہ ہم نے تمہارے لیے مباح کر دیا پس جو مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے جس میں یہ فدیہ بھی شامل ہے اس کو پاک اور حلال سمجھ کر کھاؤ وہ حلال ہے اور بلا شبہ پاک ہے ہمارے عتاب سے اس میں جو کراہت آ گئی تھی وہ اب ہماری معافی اور اباحت سے زائل ہو گئی۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی

کر دی کہ یہ حرام نہیں بلکہ بلاشبہ حلال ہے لہٰذا اس کو خدا تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر کھاؤ اور آئندہ کے لیے احتیاط رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو اور مال کی حرص اور طمع سے بچتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے تمہاری اس خطا کو معاف کیا اور فدیہ کو تمہارے لیے حلال کر دیا یہ اس کی رحمت ہے۔ بعد ازاں بعض قیدی مسلمان ہو گئے اور زرِ فدیہ بھی ادا کر دیا مگر فدیہ کی ادائیگی ان پر گراں گزری جس سے وہ دل شکستہ ہوئے اس پر ان کی تسلی کے لیے آئندہ آیت نازل ہوئی۔ اے نبی آپ ان قیدیوں سے جو آپ کے ہاتھ میں ہیں اور مسلمان ہو گئے ہیں جن سے آپ نے فدیہ لے لیا ہے یہ کہہ دیجیے کہ تم اس پر افسوس نہ کرو اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان اور خلوص نیت کی کوئی بھلائی جانے گا یا دیکھے گا تو تم کو دنیا ہی میں اس مال سے بہتر دیدے گا۔ جو فدیہ میں تم سے لیا گیا ہے اور آخرت میں تمہارے تمام گناہ بخشدے گا۔ جو تم نے زمانۂ کفر و شرک میں کیے ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ اپنی رحمت اور مہربانی سے اس فدیہ کا نعم البدل تم کو عطا فرما دیں گے یہ آیت حضرت عباسؓ کے بارہ میں نازل ہوئی حضرت عباسؓ سے جب فدیہ مانگا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں تو بالکل غریب ہو گیا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں آپؐ نے فرمایا کہ وہ سونا کہاں ہے جو تم مکہ سے چلتے وقت رات کی تاریکی میں اپنی بیوی ام الفضلؓ کو دے کر آئے تھے۔ چونکہ یہ راز نہایت مخفی تھا تو عباسؓ سنکر نہایت متعجب ہوئے اور کہنے لگے اے بھتیجے تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا آپؐ نے فرمایا کہ مجھ کو میرے پروردگار نے بتلایا یہ سنکر حضرت عباسؓ کو یقین ہو گیا کہ آپؐ سچے نبی ہیں۔ فوراً اسلام لے آئے پھر ان دونوں بھتیجوں عقیلؓ اور نوفلؓ کو اسلام لانے کا حکم دیا اور وہ بھی اسی دم مسلمان ہو گئے پھر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر تم صدق دل سے ایمان لائے اور اپنے ایمان، زبان پر ثابت قدم رہے تو جو مال تم سے اب لیا گیا ہے اس سے بہتر اللہ تم کو دے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا۔ یہ اس کے علاوہ ہے۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو وعدے کیے تھے ایک تو یہ کہ جو مال مجھ سے لیا ہے اس سے بہتر مجھ کو دے گا سو اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا جو اس نے مجھ سے لیا تھا اس سے بہتر مجھ کو دے دیا۔ بیس اوقیہ سونے کے عوض اب میرے پاس بیس غلام ہیں جو سب تاجر ہیں اور اُن میں سے ادنیٰ غلام مجھے بیس ہزار درہم ادا کرتا ہے اور اللہ نے مجھے آبِ زمزم پلانے کی خدمت عطا کی جس کے بدلہ میں میں تمام اہلِ مکہ کے اموال کو پسند نہیں کرتا اور دوسرا وعدہ مغفرت کا ہے اس کی اپنے پروردگار سے اُمید لگائے ہوئے ہوں کہ وہ میرے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور خداوندِ کریم کے وعدہ میں خلاف نہیں ہوتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان قیدیوں کے دل میں کوئی شر یا شرارت کہ یہ قیدی شرارت سے مسلمان ہوئے ہیں اور آپ کے ساتھ خیانت اور دغا کرنا چاہتے ہیں تو آپؐ کوئی فکر نہ کیجیے۔ وہ اس سے پہلے بھی خدا اور رسول کے ساتھ خیانت اور دغا کر چکے ہیں اور اس کا انجام بھی دیکھ چکے ہیں پھر اگر اسلام کے ساتھ کوئی دغا کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے پکڑنے پر قدرت

دی یہاں تک کہ وہ جنگ بدر میں آپؐ کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ اور اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ تجھ کو ان پر غالب اور قادر کر دے جس طرح وہ پہلے قادر تھا۔ اسی طرح وہ آئندہ بھی قادر ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا ہے کوئی غدار اور خائن اس پر مخفی نہیں۔ اور بڑی حکمت والا ہے۔ اس کی حکمتوں کا ادراک کسی کی قدرت میں نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں

وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ

اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی اور وہ ایک دوسرے کے رفیق

بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم

ہیں۔ اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو اُن

مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ

کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک گھر نہ چھوڑ آویں اور اگر

اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ

تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے مدد کرنی مگر مقابلہ

قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

میں الیسوں کے جن میں اور تم میں عہد ہے۔ اور اللہ جو کرتے ہو

بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ

دیکھتا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ

اگر تم یوں نہ کرو گے تو دھوم مچے گی ملک میں اور بڑی خرابی ہو

كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

گی ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اللہ

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ

کی راہ میں اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی ہیں

الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾

تحقیق مسلمان ، ان کو بخشش ہے اور روزی عزت کی ۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

اور جو ایمان لائے پیچھے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے

مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ ۚ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ

تمہارے ساتھ ہوکر سو وہ تمہیں میں ہیں اور ناتے والے آپس میں حقدار زیادہ ہیں ایک

بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٧٥﴾

دوسرے کے اللہ کے حکم میں ۔ تحقیق اللہ ہر چیز سے خبردار ہے ۔

مراتب اہل اسلام فضائل مہاجرین عظامؓ و انصار کرامؓ و بیان احکام باعتبار ہجرت اسلام

قال اللہ تعالیٰ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۔

(ربط) گزشتہ رکوعات میں جہاد اور صلح کے احکام بیان کیے اور گزشتہ آیات میں قیدیوں کو

تسلی دی اب ان آیات میں مہاجرین اور انصار کے فضائل اور مسلمانوں کے باعتبار ہجرت و عدم ہجرت مراتب اور احکام بیان کرتے ہیں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کافروں سے مقابلہ اور مقاتلہ کی قدرت ہو تو جہاد فرض ہے اور اگر عاجز ہو تو ہجرت فرض ہے۔ گزشتہ رکوعات میں جہاد کے احکام مذکور تھے۔ اب جہاد کے بعد ان آیات میں ہجرت کے کچھ احکام ذکر کرتے ہیں کیونکہ ہجرت اور جہاد دونوں توأم (جڑواں بھائی) ہیں۔ اس لیے ان آیات میں ہجرت و نصرت کے اعتبار سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں جو مسلمان تھے ان کے اقسام اور احکام بیان کرتے ہیں سو اس زمانے کے مسلمان چار قسم کے تھے۔

قسم اوّل "مہاجرین اوّلین" جنہوں نے دین اسلام کی خاطر اپنا کنبہ اور وطن چھوڑا اور اسلام کی خاطر تمام تکلیفوں کو برداشت کیا۔

قسم دوم "انصار" جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور جان و مال سے ان کی مدد کی اور ان کے ساتھ ہو کر اعداء اسلام سے لڑے ان دونوں قسموں کا حکم یہ بیان فرمایا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ یعنی ایک دوسرے کے دوست اور وارث ہیں پہلا گروہ مہاجرین سابقین کا ہے۔ اور یہ دوسرا گروہ انصار سابقین کا ہے ان دونوں گروہوں میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مواخات یعنی بھائی چارہ قائم کر دیا اور اسی رشتہ مواخات کے اعتبار سے ایک کو دوسرے کا وارث بنا دیا اور ایک کی دوسرے پر نصرت واجب کی یہ دونوں فریق صلح اور جنگ میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ ان سب کی صلح اور جنگ ایک ہے ایک کا موافق سب کا موافق اور ایک کا مخالف سب کا مخالف ہے۔

قسم سوم وہ مسلمان جو ایمان تو لائے مگر ہجرت نہیں کی اور اپنے ہی ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط تھا یعنی دارالحرب میں رہے اور دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی جیسے بعضے لوگ مسلمان تو ہو گئے تھے مگر مدینہ کی طرف ہجرت نہ کی مکہ ہی میں کافروں کے ساتھ رہے ان کے متعلق دو حکم دیئے ایک تو یہ کہ یہ لوگ مسلمانوں کی حمایت اور وراثت میں شریک نہیں جب تک ہجرت نہ کریں۔ مطلب یہ ہے کہ مواخات کی بنا پر مہاجرین اور انصار کے درمیان جو توریث کا سلسلہ قائم کیا گیا ہے اس میں دارالحرب کے مسلمان شامل نہیں۔ یہ لوگ مہاجرین اور انصار کے وارث نہیں ہو سکتے اور نہ مال فیٔ میں ان کا کوئی حصہ اور حق ہے اور دوسرا حکم یہ دیا کہ اگر وہ تم سے کسی دینی امر میں مدد طلب کریں۔ تو تم اپنی مقدور کے موافق ان کی مدد کرو کیونکہ وہ اہل ایمان ہیں مگر اس قوم کے مقابلہ میں مدد نہ دو جن سے تمہارا کوئی عہد ہو چکا ہے تا بقاء عہد معاہدین کے مقابلہ میں دارالحرب کے مسلمانوں کی مدد نہیں کی جا سکتی۔ عہد کی پابندی واجب ہے ان کی وجہ سے معاہدین سے بدعہدی مت کرو۔

پھر حق تعالیٰ نے اس قسم سوم کے ذکر کے بعد قسم اوّل اور قسم دوم کے مسلمانوں کا دوبارہ ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۤئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ کہ ان لوگوں کے لیے آخرت میں مغفرت اور جنت میں عزت و کرامت کی روزی ہے۔ اس آیت میں ان دونوں قسموں کی مدح اور فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور پہلی بار جو ان دو قسموں کا ذکر فرمایا تھا وہاں باعتبار ولایت اور وراثت کے ان کا حکم بیان کرنا مقصود تھا۔ لہٰذا اس آیت میں تکرار نہیں۔ دوسری مرتبہ ذکر کرنے سے سابقین اولین کی خواہ وہ مہاجر ہوں یا انصار محض ان کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے اور منجانب اللہ ان کے سچے مؤمن ہونے کی شہادت دینا مقصود ہے۔ کما قال تعالیٰ اُولٰۤئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا۔ یہ لوگ ان لوگوں سے اکمل اور افضل ہیں جو ایمان لانے کے بعد دار الحرب میں مقیم رہے اور دار الاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے پہلی قسم اور دوسری قسم کے مسلمانوں میں باہمی دو چیزیں ثابت کیں ایک نصرت اور ایک وراثت اور اس تیسری قسم کے لیے صرف نصرت کو ثابت کیا اور میراث کی نفی فرمائی خوب سمجھ لو۔

قسم چہارم وہ مسلمان ہیں جو صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے اور پھر ہجرت کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ کے ساتھ جہاد بھی کیا ان کی نسبت یہ ارشاد ہے کہ یہ لوگ باعتبار احکام کے مہاجرین اوّلین کی برادری میں منسلک ہیں۔ اور یہ لوگ اگرچہ ہجرت کے تقدم و تأخر کی وجہ سے مرتبہ میں ان سے کم ہیں مگر دینی نصرت اور حمایت کے اعتبار سے سب کا حکم ایک ہے۔ یہ تمام تفصیل تفسیر کبیر ص۵۶۰ ج ۴ سے لی گئی ہے اہل علم اصل کی مراجعت کریں۔

بیان اقسامُ احکام باعتبار ہجرت و اسلام

بیان قسم اوّل و قسم دوم تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور خدا و رسول کی محبت میں اپنے وطن اور خویش و اقارب سے ہجرت کی اور جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد و قتال کیا اور غزوات و سرایا میں اپنے کافر اعزا اور اقارب سے اسلام کی خاطر مقابلہ اور مقاتلہ کیا یہ گروہ سابقین اسلام اور مہاجرین اوّلین کے لقب سے ملقب ہے جو سب سے افضل اور اکمل ہے اور دوسرا گروہ انصار کا ہے جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا۔ اور جان و مال سے ان کی مدد کی یہ جماعت انصار کے لقب سے ملقب ہے۔ جن کا درجہ مہاجرین اوّلین کے بعد ہے۔ حق کی نصرت و حمایت آسان ہے مگر حق کے پیچھے ایسا دیوانہ ہو جانا کہ اہل و عیال اور خویش و اقارب اور وطن عزیز نہ

کو چھوڑ کر ہجرت کر جائے یہ بہت مشکل ہے یہ دونوں قسم کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کے والی اور وارث ہیں۔ یعنی مہاجرین اور انصار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں اور ان کے قریبی رشتہ دار جو کافر ہیں وہ ان کے وارث نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار ہجرت اور نصرت کی وجہ سے نصرت وحمایت میں اور باہمی وراثت میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

قسم سوم اور مسلمانوں کی تیسری قسم وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان تو لائے ولیکن دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی ان کی میراث میں تمہارا کوئی حق نہیں یعنی اس گروہ کا مہاجرین سے میراث کا کوئی تعلق نہیں نہ یہ ان کے وارث اور نہ وہ ان کے وارث یہاں تک کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کریں جب وہ ہجرت کر آئیں گے تو وہ بھی اس حکم میں داخل ہو جائیں گے۔ ولیکن یہ مسلمان جنہوں نے دارالحرب سے ہجرت نہیں کی اگرچہ توارث میں تمہارے شریک نہیں لیکن اس قسم کے مسلمان اگر کافروں کے مقابلہ میں تم سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد واجب ہے یعنی اگر ان مسلمانوں کی جنہوں نے ہجرت نہیں کی کافروں سے لڑائی اور مقابلہ ہو اور وہ تم سے مدد کے طالب ہوں تو کافروں کے مقابلہ میں تم پر ان کی مدد واجب ہے کیونکہ وہ اہل ایمان ہیں مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں جن کے اور تمہارے درمیان صلح کا کوئی عہد اور پیمان ہو۔ یعنی جن سے عہد ہے ان سے عہد نہ توڑو ان کے ساتھ لڑائی کرنے سے عہد مانع ہے یعنی اگر دارالحرب کے مسلمان۔ آزاد مسلمانوں سے مدد کریں تو حتی المقدور ان کی مدد واجب ہے مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہے ان کے مقابلہ میں تا بقاء عہد۔ دارالحرب سے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جا سکتی اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ ایفاء عہد کرتے ہو یا عہد شکنی کرتے ہو حکم خداوندی کی مخالفت نہ کرو اور خوب سمجھ لو کہ جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں تمہارا ان میں سے کوئی نہیں اور کفار باوجود باہمی اختلاف کے مسلمانوں کی دشمنی اور عداوت میں سب ایک ہیں اس لیے نہ تم ان کے وارث ہو اور نہ وہ تمہارے وارث ہیں۔ اے مسلمانو! اگر تم ایسا نہیں کرو گے یعنی کافروں کو اپنا دشمن نہیں سمجھو گے اور ان سے قطع تعلق نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا۔ یعنی اگر مسلمان ایک دوسرے کو دوست نہیں سمجھیں گے اور باہم مدد نہیں کریں گے تو مسلمانوں کے کام خراب ہو جائیں گے اور کافر غالب آجائیں گے اور کفر کے غلبہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ اور فساد نہیں لہٰذا ضروری ہوا کہ تم کافروں سے الگ تھلگ رہو اور میراث کا قاعدہ اسلام کی بنیاد پر جاری رکھو۔ خدانخواستہ اگر تم کافروں کو اپنا دوست اور وارث بنانے لگے تو اسلام ختم ہو جائے گا۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی تیسری قسم کے احکام بیان کیے اب آئندہ آیات

میں قسم اوّل اور قسم دوم کے مسلمانوں کی مدح اور فضیلت بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جو ایمان لائے اور پھر وطن چھوڑا اور خدا کی راہ میں اپنوں اور بیگانوں کو چھوڑا سب سے بڑے یہ مہاجرین اولین کا گروہ ہوا جو مسلمانوں کی قسم اوّل تھی اور جن لوگوں نے خدا کے رسول اور اہل ایمان کو اور مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور جان و مال سے ان کی مدد کی یہ انصار کا گروہ ہوا جو مسلمانوں کی قسم دوم تھی یہ دونوں جماعتیں ہی سچے اور پکے ایماندار ہیں جن کے کامل الایمان ہونے میں ذرا بھی شک اور شبہ نہیں۔ مہاجرین اور انصار نے ہجرت اور نصرت اور جہاد سے ایمان کا حق ادا کردیا ان کے لیے آخرت میں مغفرت ہے۔ یعنی بطور دوام و استمرار ان کے لیے اللہ کی مغفرت ثابت ہے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر ان سے کوئی لغزش ہوگئی یا ہو جائے تو وہ سب معاف ہے، اور جنت میں ان کے لیے بڑی عزت کی روزی ہے یہ آیت اہل سنت والجماعت کے مذہب کی صحت پر اور شیعہ مذہب کی غلطی پر گواہ ہے کیونکہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کے صادق الایمان اور جنتی ہونے کی سند دے دی ہے اور یہی اہلسنّت کا مذہب ہے۔

ذکر قسم چہارم

اب آئندہ آیت میں مسلمانوں کی چوتھی قسم کا ذکر کرتے ہیں اور جو لوگ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے اور پھر انہوں نے ہجرت بھی کی اور تمہارے ساتھ شامل ہو کر جہاد بھی کیا یعنی ایمان بھی لائے اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا مگر یہ سب کام بعد میں کیے سو یہ لوگ اگرچہ فضیلت اور مرتبہ میں تمہارے برابر نہیں مگر تاہم ان کا شمار تمہارے ہی زمرہ میں سے ہے اور تمہارے ساتھ ملحق ہیں تم انکے وارث اور وہ تمہارے وارث۔ وراثت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ دونوں ایک ہی وقت میں ایمان لائے ہوں اور ایک ہی وقت میں اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور ایک ہی وقت میں دونوں نے ہجرت کی ہو۔

مرتبہ میں تو مہاجرین اولین ان بعد والوں سے بڑھے ہوئے ہیں مگر یہ بعد والے ان کے گروہ اور زمرہ میں شامل ہیں اور ان کے ساتھ ملحق ہیں اور مرتبہ میں اگرچہ کم ہیں مگر احکام میراث میں برابر ہیں کیونکہ مرتبہ کے فرق سے احکام میراث میں فرق نہیں پڑتا کیونکہ میراث کے لیے مرتبہ میں برابری کی شرط نہیں اور رشتہ دار کتاب اللہ کی رو سے آپس میں بعض. بعض کی میراث کے بہ نسبت غیر رشتہ داروں کے زیادہ حقدار ہیں یعنی قدیم مہاجرین کا کوئی رشتہ دار جو بعد میں مسلمان ہوا یا بعد میں ہجرت کرکے آیا تو بہ نسبت غیر رشتہ داروں کے وہ قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حقدار ہے اگرچہ وہ غیر رشتہ دار فضیلت اور مرتبہ میں اس سے زیادہ ہو میراث کے حکم میں مہاجرین اولین اور مہاجرین متاخرین سب برابر ہیں اس آیت سے وہ میراث جو بر بنائے ہجرت اور اخوت اسلامی تھی وہ منسوخ

ہوئی اب میراث صرف قرابت پر ہے مگر ایمان اور اسلام بہرحال شرط ہے مسلمان اور کافر میں وراثت جاری نہیں ہوتی تحقیق اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے کہ کون کس کا کس قدر حق دار ہے۔ اسی کے مطابق میراث کا حکم دیا جو سراسر حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔ حدیث میں ہے ان اللہ قد اعطیٰ کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث۔ ھذا آخر تفسیر سورۃ الانفال

و للہ الحمد والمنۃ

الحمدللہ، آج بروز چہارشنبہ بوقت اشراق۔ ۸ محرم الحرام ۱۳۸۷ ہجری کو سورۃ انفال کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

اے رب العالمین جو کچھ لکھا گیا وہ سب تیری ہی توفیق سے لکھا گیا اس کی قبولیت کی درخواست کرتا ہوں اور باقی قرآن کریم کی تفسیر کی تکمیل اور اس کی قبولیت کی بھی تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔

ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علیٰ کل شیئٍ قدیر۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم آمین یا رب العٰلمین۔

اٰیاتھا ۱۲۹ ۹ : سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ : ۱۱۳ رکوعاتھا ۱۶

سورۃ توبہ مدنی ہے اور اس میں ایک سو انتیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۃ توبہ

یہ بسم اللہ اس سورت کی تفسیر کے شروع اور آغاز کے لیے ہے نہ کہ سورۃ برأت کی تلاوت کے لیے۔ سورۃ توبہ بالاتفاق مدنی ہے فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس سورۃ میں ایک سو انتیس (۱۲۹) آیتیں اور بقول بعض ایک سو تیس (۱۳۰) آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سورت کا بیشتر حصہ تو مدینہ میں نازل ہوا مگر آیت مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ۔ یہ آیتیں ابوطالب کے بارہ میں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

اسماء سورت اس سورت کے بہت سے نام ہیں جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں برات اور توبہ۔ برات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ جل شانہٗ نے مشرکین

سے اپنی اور اپنے رسول کی براءت اور بیزاری کا اظہار اور اعلان فرمایا ہے اور توبہ اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے اس سورت میں تین نیک مسلمانوں کی توبہ قبول فرمانے کا ذکر فرمایا ہے یا یہ وجہ ہے کہ اس سورت میں توبہ کا ذکر بار بار آیا ہے۔

کما قال تعالیٰ۔ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ۔ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ۔ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ۔ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ۔ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ۔ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ۔ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ۔ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ۔

ربط اور مناسبت

(۱) اس سورت کا گزشتہ سورت سے ربط یہ ہے کہ گزشتہ سورت یعنی سورۃ انفال میں اکثر غزوۂ بدر اور کچھ غزوۂ بنی قریظہ کا ذکر تھا اور اخیر سورۃ میں کافروں سے عہد اور صلح کا ذکر تھا اور کافروں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے سامان جنگ کی تیاری کا حکم تھا کافروں سے صلح محض جائز اور مباح کے درجہ میں ہے اصل حکم ان کے حق میں جہاد و قتال ہے اور اگر جہاد نہ ہو تو کم از کم دشمنان اسلام سے براءت اور بیزاری تو بہر حال واجب اور لازم ہے اس لیے اس سورت میں بھی چند غزوات اور چند واقعات اور چند اعلانات کا ذکر ہے۔ آغاز سورت میں نقض عہد کرنیوالوں سے براءت اور بیزاری کا اعلان ہے اور قبائل عرب کے معاہدین اور ناقضین عہد کے متعلق کچھ احکام کا ذکر ہے اور ان سے جہاد و قتال کی ترغیب ہے اور پھر فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے واقعات کا ذکر ہے اور اس غزوہ میں شرکت نہ کرنے والوں پر عتاب اور ملامت ہے۔

غرض یہ کہ دونوں سورتوں میں جہاد و قتال کا ذکر ہے اس لیے دونوں سورتوں میں مناسبت ظاہر ہے۔

(۲) نیز سورۂ انفال کے اخیر میں مومنین کے باہمی موالات اور اخوت کا ذکر تھا۔ اور اس سورۃ کے شروع میں دشمنان اسلام سے تبری اور بیزاری کے فرمان اور اعلان کا ذکر ہے کہ یہ مشرکین بالکل نجس اور ناپاک ہیں ان کو اجازت نہیں کہ مسجد حرام کے قریب بھی آسکیں مبادا کفر اور شرک کی نجاست اور گندگی کی بو مسجد میں آجائے مطلب یہ ہوا کہ سورۂ انفال کے اخیر میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی اور دوست بنے رہیں۔ اور اس سورۃ کے شروع میں یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ کفار اور مشرکین سے بالکلیہ تعلق قطع کرلیں اور ان سے بری اور بیزار ہو جائیں۔ جب تک کفر اور کافرین سے تبری اور بیزاری نہ ہوگی اس وقت تک ایمان کامل نہ ہوگا جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں اس کا بیان گزر چکا ہے غرض یہ کہ ان دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں۔ اس لیے مناسبت ظاہر ہے گویا کہ سورۃ توبہ۔ سورۂ انفال کا تتمہ اور تکملہ ہے۔

ترک تسمیہ در ابتداءِ سورۂ براءت

اس سورت کے ابتداء میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی علماء نے چند وجوہ بیان کی ہیں۔

۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ سورۂ انفال مدینہ میں ابتداء ہجرت میں نازل ہوئی اور سورۂ توبہ اواخرِ ہجرت میں نازل ہوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک ہی زمانہ میں کئی کئی سورتوں اور آیتوں کا نزول ہوتا رہتا تھا آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو کاتب وحی کو بلا کر یہ فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھ دو اور ان آیات (جن کو سورۂ توبہ یا سورۂ براءت کہا جاتا ہے) کے متعلق آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں ان کو درج کیا جائے اسی میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ یہ سورت مستقل سورت ہے یا سورۂ انفال کا جزء ہے اور سورۂ توبہ کا مضمون سورۂ انفال سے ملتا جلتا تھا اس لیے میں نے یہ گمان کیا کہ سورۂ توبہ گذشتہ سورت یعنی سورۂ انفال کا جزء ہے اس بناء پر ہم نے (یعنی صحابہ نے) اس سورۃ کو سورۂ انفال کے ساتھ متصل رکھ دیا اور بیچ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور توبہ اور انفال دونوں کو سبع طوال میں رکھ دیا۔

(اخرجہ ابن ابی شیبۃ واحمد وابوداؤد والترمذی وحسنہ والحاکم وصححہ۔ تفسیر درمنثور ص۲۰۸ ج ۳)

واخرج النحاس فی ناسخہ عن عثمان رضی اللہ عنہ قال کانت الانفال وبراءۃ یدعیان فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القرینتین فلذالک جعلتھما فی السبع الطوال۔

(تفسیر درمنثور ص۲۰۸ ج ۳)

امام نحاس نے اپنی کتاب ناسخ والمنسوخ میں روایت کیا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۂ انفال اور سورہ توبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرینتین (یعنی دو ساتھنیں) کہلاتی تھیں۔ اس لیے میں نے دونوں سورتوں کو ملا کر سبع طوال میں رکھ دیا۔

شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ سورۃ براءت کے متعلق حضرتؐ نے بیان نہیں فرمایا کہ جدا سورت ہے یا اور سورت میں کی آیتیں ہیں۔ سورۃ کا نشان تھا "بسم اللہ" وہ نازل نہ ہوئی اس واسطے اس پر بسم اللہ نہیں اور کسی سورت میں داخل بھی نہیں۔ (موضح القرآن)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ مجھے یہ تحقیق نہیں ہوئی کہ سورۃ توبہ انفال کا ایک حصہ ہے یا مستقل سورت ہے اور دونوں سورتوں کا مضمون ملتا جلتا تھا۔ کیونکہ دونوں سورتیں دربارۂ قتال نازل ہوئیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ اس کو کس

سورت میں درج کیا جائے تاکہ حقیقت حال واضح ہو جاتی اس لیے میں نے سورۃ توبہ کو سورۃ انفال کے بعد رکھا۔ اور بیچ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور چونکہ اس سورت کا مضمون مستقل تھا۔ اس لیے اس کو انفال میں شامل بھی نہیں کیا بلکہ درمیان میں فاصلہ چھوڑ دیا تاکہ نہ پوری طرح استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جزء ہونا ظاہر ہو یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کا اس بارہ میں اختلاف تھا کہ آیا یہ دونوں علیحدہ علیحدہ دو سورتیں ہیں یا ایک ہی سورت ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں مل کر ایک سورت ہے۔ اور دونوں کے مجموعہ کی دو سو پانچ آیتیں ہیں اور اس طرح یہ دونوں مل کر سبع طوال میں سورۃ ہفتم شمار ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دو سورتیں ہیں اور ان دونوں سورتوں کے درمیان فاصلہ رکھنے اور بسم اللہ لکھنے سے ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہوگیا فاصلہ تو ان لوگوں کی رعایت سے چھوڑا گیا جو انفال اور توبہ کو دو سورتیں کہتے ہیں اور بسم اللہ ان لوگوں کی رعایت سے نہیں لکھی گئی جو یہ کہتے ہیں کہ دونوں مل کر ایک سورت ہیں۔ (دیکھو فتح الباری ص۲۲۵ ج ۸ سورۃ برأت)

۲۔ مستدرک حاکم میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تم نے برأت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی تو فرمایا کہ بسم اللہ امان کے لیے ہے اور اس سورت میں کافروں پر تلوار چلانے کا حکم ہے اس لیے بسم اللہ نہیں لکھی گئی تاکہ قہر الٰہی اور غضب خداوندی کے آثار ظاہر ہوں۔ (در منثور)

مگر یہ وجہ دراصل ترک بسم اللہ کی علت نہیں بلکہ ترک بسم اللہ کا ایک نکتہ ہے اور اس کی ایک حکمت ہے اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کا قرآن مصحف عثمانی کے مطابق تھا۔

۳۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ اس سورۃ کے شروع میں اس لیے نہیں لکھی گئی کہ جبریل امینؑ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لے کر نازل نہیں ہوئے عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو اس کو پہلی سورت سے فصل کرنے یعنی جدا کرنے کے لیے اس کے ساتھ بسم اللہ نازل ہوتی مگر سورۃ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس لیے صحابہؓ نے

۱؎ وقیل لانهم لما جمعوا القران شكوا هل هی والانفال واحدة او اثنتان ففصلوا بينهما بسطرٍ لا كتابة فيه ولم يكتبوا فيه البسملة روى ذالك ابن عباس رضؓ عن عثمان رضؓ وهو المعتمد اخرجه احمد والحاكم و بعض اصحاب السنن۔ فتح الباری ص۲۲۵ ج ۸۔ سورہ براءت۔

۲؎ قشیری گفتہ است کہ صحیح آنست کہ جبریل علیہ السلام تسمیہ نیاوردہ پس ہمچناں نوشتند و زیادتی نکردند تیسیر القاری شرح صحیح البخاری للشیخ نور الحق دہلوی ؒ۔

اپنی طرف سے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کی زیادتی نہ کی۔

اور یہی قول راجح اور مختار ہے کہ سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ اس لیے نہیں لکھی گئی کہ اور سورتوں کی طرح اس کے ساتھ بسم اللہ نازل نہیں ہوئی جب کوئی سورت نازل ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حکم دیتے مگر اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ تمام آیات اور سُوَر کی ترتیب توقیفی ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ فلاں سورت۔ فلاں سورت کے بعد ہے اس لیے یہ مستبعد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ نہ بتلایا ہو کہ سورۂ توبہ۔ سورۂ انفال کے بعد ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب سب منجانب اللہ اور منجانب الرسول ہے جس میں کسی کی رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں اور صحیح یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی خداوندی کی بنا پر سورۂ توبہ کا سورۂ انفال کے بعد لکھنے کا حکم دیا اور سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کا نہ لکھوانا یہ بھی وحی خداوندی تھا اور صحابۂ کرامؓ نے اسی کا اتباع کیا۔

دیکھو تفسیر کبیر[1] صفحہ ۵۸ ج ۴

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ نے جس ترتیب سے قرآن کریم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا تھا اسی ترتیب کے ساتھ بلا کم و کاست امت تک پہنچا دیا اور ذرہ برابر اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کیا۔ (اتقان)

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ حضرت ابن عباسؓ کی جو روایت پہلے گزر چکی ہے کہ ہم نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آپ نے سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی الی آخرہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی باہمی ترتیب توقیفی نہیں بلکہ اجتہادی ہے۔ جو صحابۂ کرامؓ کے اجتہاد سے وقوع میں آئی۔

جواب آیات قرآن کی ترتیب بالاجماع توقیفی ہے اس میں ذرہ برابر بھی کسی کا اختلاف

---

[1] قال القاضی یبعد ان یقال انہ علیہ السلام لم یبین کون ہذہ السورۃ تالیۃ لسورۃ الانفال لان القرآن مرتب من قبل اللہ تعالیٰ ومن قبل رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الوجہ الذی نقل ولو جوزنا فی بعض السور ان لا یکون ترتیبہا من اللہ علی سبیل الوحی لجوزنا مثلہ فی سائر السور وفی آیات السورۃ الواحدۃ وتجویزہ یطرق ما یقولہ الامامیۃ من تجویز الزیادۃ والنقصان فی القرآن وذالک یخرجہ من کونہ حجۃ بل الصحیح انہ علیہ السلام امر بوضع ہذہ السورۃ بعد سورۃ الانفال وحیا وانہ علیہ السلام حذف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من اول ہذہ السورۃ وحیا۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۵۸ ج ۴)

نہیں البتہ ترتیب سُور میں بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ صرف سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کی ترتیب اجتہادی ہے اور باقی تمام سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ کا میلان اسی قول کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ مگر جمہور علماء امت اس طرف گئے ہیں کہ جس طرح آیات کی ترتیب توقیفی ہے اسی طرح سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے آیتوں کی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک ہی میں قائم ہوگئی تھی۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ ہر سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں جبریل امینؑ کے ساتھ پورے قرآن کا دور کیا کرتے تھے جس میں ترتیب ہوتی تھی اور جس سال آپؐ کا وصال ہوا اُس سال دوبارہ دور کیا اور اسی ترتیب کے ساتھ صحابہؓ نے قرآن کریم کو حفظ کیا اور اسی ترتیب کے مطابق قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے جس طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا اسی طرح قرآن کو یاد رکھا اور جس ترتیب سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا اسی ترتیب کے ساتھ امت کو پہنچا دیا۔ نہ ذرہ برابر اس میں کوئی تقدیم و تاخیر کی اور نہ اپنی طرف سے کوئی ترتیب قائم کی۔

امام ابوبکر انباریؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو جبریل امینؑ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سورت اور آیت کے محل اور موقعہ سے واقف کرا دیتے۔ پس سورتوں کا باہمی اتصال ایسا ہی ہے جیسا کہ آیات اور حروف کا اور سب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جس کو آپؐ نے اللہ رب العزت سے نقل کیا ہے پس جس نے کسی سورت کو مقدم یا مؤخر کیا تو اس نے نظم قرآنی کو فاسد اور مختل کیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صنہ ج ۱)

اور حضرت عثمانؓ نے جو ابن عباسؓ کے سوال کا جواب دیا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس سورت کو جس جگہ لکھنے کا حکم دیا اسی جگہ لکھ دی گئی۔ اور اسی طرح سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کی ترتیب بھی توقیفی ہے جو صحابہؓ کے اتفاق سے لکھی گئی اور کسی ایک صحابی نے بھی سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کی ترتیب میں اختلاف نہیں کیا۔ خود حضرت عثمانؓ سے یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ یہ دونوں سورتیں (سورۃ انفال اور سورۃ توبہ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک میں قرینتین کے نام سے پکاری جاتی تھیں جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں سورتوں کا اقتران اور اتصال عہد نبوت میں معروف و مشہور اور زبان زدِ خلائق تھا۔ مگر چونکہ عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جُدا کرنے کے لیے بسم اللہ نازل ہوتی۔ بسم اللہ کا نازل ہونا یہ سورت کا نشان تھا۔ پس جب کہ سورۃ براءت کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہوئی تو عثمان غنیؓ کو یہ تردد ہوا کہ یہ مستقل سورت ہے یا پہلی سورت کا جزء اور اس کا تتمہ ہے۔ سو حضرت عثمانؓ کا یہ تردد اور یہ گمان مسئلہ ترتیب سے متعلق نہیں تھا بلکہ مسئلہ جزئیت سے متعلق ہے کہ سورۃ توبہ گزشتہ سورت کا جزء ہے

یا نہیں باقی سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی باہمی ترتیب میں ذرہ برابر کوئی شبہ نہ تھا لہٰذا سورۂ توبہ کو سورۂ انفال کے بعد رکھنا توقیفی بھی تھا اور وفاقی اور اجماعی بھی تھا جو تمام صحابہؓ کے اجماع اور اتفاق سے بلا کسی خلاف کے عمل میں آیا۔ اور علیٰ ہٰذا درمیان میں بسم اللہ نہ رکھنا یہ بھی امر توقیفی تھا اور وفاقی اور اجماعی بھی تھا جس کی اصل علت یہ تھی کہ جبریل امینؑ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لے کر نازل نہیں ہوئے اس لیے صحابۂ کرامؓ نے اس سورت کو بلا بسم اللہ کے لکھا اور اپنی طرف سے کوئی زیادتی نہیں کی یہ ناممکن ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تمام سورتوں کی ترتیب تو بتلا دیں مگر سورۂ انفال اور توبہ کی ترتیب نہ بتلائیں سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر رمضان میں جبریل امینؑ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے۔ جس میں سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کا دور بھی شامل ہے اور دور کے لیے ترتیب لازم ہے معلوم ہوا کہ ان دو سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی ترتیب بھی توقیفی ہے اور درمیان میں بسم اللہ کا نہ لکھنا یہ بھی توقیفی ہے اور حضرت عثمانؓ نے ابن عباسؓ کے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ درحقیقت ان دو سورتوں کے باہمی اتصال اور درمیان میں فصل چھوڑ دینے کی ایک حکمت اور نکتہ کا بیان ہے اصل علت توقیف نبوی ہے۔ اور ابن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ سے جو سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کے متعلق سوال کیا۔ سو وہ قرآن کریم کے جمع و ترتیب کے ایک عرصہ بعد کیا اس لیے حضرت عثمانؓ نے ابن عباسؓ کے اطمینان کے لیے ان دونوں سورتوں کے اقتران اور اتصال کی ایک حکمت بیان کر دی۔ عہد رسالت میں ان دو سورتوں کا قرینتین کے نام سے مشہور ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان دو سورتوں کا باہمی اتصال اور اقتران سب حضور پُر نورؐ کے حکم سے تھا اور تمام صحابہ میں معروف اور مشہور تھا۔ اسی لیے ترتیب قرآن کے وقت صحابۂ کرامؓ کو نہ کوئی تردد پیش آیا اور نہ ان میں کوئی اختلاف ہوا۔

شانِ نزول یہ سورت غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو منافقین قسم قسم کی جھوٹی خبریں اور افواہیں اڑانے لگے تاکہ مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پھیلے اور مشرکین نے ان عہدوں اور پیمانوں کو توڑنا شروع کیا جو انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کر رکھے تھے۔ مشرکین کا گمان اور خیال یہ تھا کہ مسلمان قیصر شام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اس لیے یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ مشرکین سے برأت اور بیزاری کا اعلان کر دیں اور ان کے عہدوں کو واپس کر دیں کما قال تعالےٰ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ تاکہ مسلمانوں کی طرف نقض عہد کی نسبت نہ ہو اور اس بارہ میں اس سورت کی شروع کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں۔

دیکھو تفسیر کبیر صـ۵۲۳ ج۴ و تفسیر ابی حیان صـ۵ ج۵ و تفسیر مظہری صـ۱۲۳ ج۴)

اور حکم ہوا کہ جن (۱) لوگوں کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عہد مُوَقّت اور میعادی ہو اور وہ

اپنے عہد پر قائم ہوں تو ان کے عہد کی مدت پوری کر دی جائے خواہ وہ کتنی ہی مدت ہو جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی عہد پر قائم رہو کما قال تعالیٰ فَأَتِمُّوٓا۟ إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ اور (۲) جن لوگوں نے نقضِ عہد کیا ان سے براءت اور بیزاری کا اعلان کر دیا جائے اور چار مہینے کی ان کو مہلت دے دی جائے کہ اس مدت میں جہاں چاہیں پھریں کوئی روک ٹوک نہیں۔ اگر اس مدت کے اندر اندر اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں تو بہتر ہے ورنہ اس مدت کے گزر جانے کے بعد جہاں پائے جائیں گے قتل کیے جائیں گے۔ اب راستے دو ہی ہیں یا تو اسلام لے آئیں یا قتل پہ تیار ہو جائیں اور خوب سمجھ لیں کہ تمہاری جنگی تیاری اور تدبیر تم کو خدا کی گرفت سے بچا نہیں سکتی۔

اور (۳) جن لوگوں سے آپ کا کوئی عہد ہی نہ تھا یا عہد مطلق تھا جس کی کوئی مدت مقرر نہ تھی ان کو بھی یہ اطلاع دے دی گئی کہ اب ہم آئندہ تم سے کوئی معاہدہ کرنا اور رکھنا نہیں چاہتے۔ کفر سے صلح اور عہد کا وقت ختم ہوا سب کی بدعہدی کا تجربہ ہو گیا۔ اس لیے ازراہ ترحم و کرم تم کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے اگر اسلام قبول کر لو تو تمہاری سعادت ہے ورنہ یا تو مرکز اسلام کو اپنے ناپاک وجود سے خالی کر دو ورنہ جہاں پائے جاؤ گے پکڑے جاؤ گے اور کوئی تدبیر تم کو خدا کی مشیت سے نہیں روک سکتی۔ من جانب اللہ ان سب کو چار مہینہ کی مہلت دے دی گئی کہ اپنے انجام کو سوچ لیں اور ان کو اختیار دے دیا گیا کہ چاہیں اسلام قبول کر لیں یا مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے تیار ہو لیں اس وسیع مدت میں اپنی نجات کا جو چاہیں بندوبست کر لیں۔ یہ چار مہینہ کی مہلت کافی مہلت ہے اور انتہائی شفقت ہے کل کو یہ نہ کہیں کہ ہم کو اچانک پکڑ لیا گیا اور مسلمانوں پر غدر اور عہد شکنی کی تہمت نہ لگائیں۔ نہیں نہیں نہیں۔ بلکہ پوری مہلت کے بعد تم کو پکڑا گیا۔ اور دشمن کو چار مہینہ کی کھلی چھٹی دے دینا یہ اسلام کی انتہائی مرحمت سخاوت اور مروت ہے دنیا کی کوئی متمدن اور رحم دل حکومت اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ سورۂ براءت کی ان آیات میں اس بدعہدی کی طرف اشارہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد ظہور میں آئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان مقام حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے حلیف ہو گئے اور بنو بکر قریش کے حلیف ہو گئے اور ان دونوں قبیلوں میں مدت سے عداوت چلی آ رہی تھی۔ اس لیے کچھ عرصہ بنو بکر نے خلاف معاہدہ بنو خزاعہ پہ شبخون مارا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ان کی مدد کی اس طرح عہد شکنی کی ابتداء ان لوگوں کی طرف سے ہوئی خزاعہ نے اس ظالمانہ عہد شکنی کی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دی کچھ عرصہ بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں بلا اطلاع قریش ۸ھ میں مکہ پر حملہ کر دیا اور نہایت آسانی کے ساتھ اس کو فتح کر لیا اس وقت قریش کے بہت سے قبائل تھے جو ہنوز اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے تو بعض تو وہ تھے جن سے آپ کا کوئی معاہدہ ہی نہ تھا اور بعض

سے مطلق عہد تھا جس کی کوئی مدت مقرر نہ تھی اور بعض سے عہدِ مُوَقّت تھا جس کی مدت مقرر تھی پھر ان میں سے بعض نے عہد شکنی کی اور بعض اپنے عہد پر قائم رہے۔ سو اس سورت کے شروع میں ان جماعتوں کے احکام کا بیان ہے فتح مکہ کے بعد حنین اور طائف فتح ہوئے پھر ۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا جب آپؐ تبوک سے واپس آئے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں اور زمانہ حج کا تھا اور آپؐ کو یہ معلوم ہوا کہ مشرکین اپنی عادت کے مطابق برہنہ طواف کریں گے اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف نہیں لے گئے اور ابوبکر صدیقؓ کو حاجیوں کا سالار بنا کر بھیج دیا تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ آپؐ نے حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ تم یہ آیت براءت لے کر جاؤ اور موسم حج میں ان کا اعلان کردو چنانچہ وہ روانہ ہوئے راستہ میں حضرت صدیقؓ سے جا ملے۔ صدیق اکبرؓ نے پوچھا کہ امیر بن کر آئے ہو یا مامور حضرت علیؓ نے جواب دیا مامور ہو کر آیا ہوں۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے بھیجنے میں مصلحت یہ تھی کہ عرب کا دستور تھا کہ نقض عہد کا پیغام کوئی عزیز و قریب ہی پہنچایا کرتا تھا اور صدیق اکبرؓ آپؐ کے خاندانی عزیز و قریب نہ تھے۔ اس لیے آپؐ نے اتمام حجت کی غرض سے حضرت علیؓ کو روانہ کیا حج کا خطبہ اور نماز صدیق اکبرؓ ہی نے پڑھائی صرف سورۂ براءت کی تیس یا چالیس آیتیں یعنی شروع سورت سے لے کر وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ تک موسم حج میں عید الاضحیٰ کے دن یعنی دسویں تاریخ ذی الحجہ کو حضرت علیؓ نے پڑھ کر کافروں کو سنا دیں اور ان آیات کے ساتھ یہ بھی اعلان کر دیں کہ سال آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے گا اور نہ کوئی برہنہ طواف کرنے پائے گا یہ اعلان زیادہ تر دسویں تاریخ ذی الحجہ کو منیٰ میں ہوا اور اس وقت تمام قبائل عرب وہاں موجود تھے۔ وہاں یہ اعلان کیا گیا تاکہ قریش مکہ اور دیگر قبائلِ عرب جو صلح حدیبیہ کے وقت موجود تھے وہ سب سُن لیں کہ اب کفار و مشرکین سے کوئی صلح اور عہد نہیں رہا۔ سابق میں جو عہد و پیمان تھے وہ سب ختم ہوئے اب تمام کافروں کو صرف چار مہینہ کی مہلت ہے چار ماہ گزرنے کے بعد دو ہی راہیں ہیں یا اسلام لے آئیں یا قتل کے لیے تیار ہو جائیں یا جزیرۃ العرب سے باہر نکل جائیں تاکہ اسلام کا قلب اور مرکز کفر اور شرک سے پاک ہو جائے غرض یہ کہ اس اعلان براءت سے مقصود یہ تھا کہ جزیرۃ العرب کفر اور شرک کی نجاست سے پاک ہو جائے۔ اور مرکز اسلام میں کفر و شرک کی نجاست باقی نہ رہے۔

ایک ضروری تنبیہ اس سورت میں چند غزوات اور چند واقعات کا ذکر ہے جو وہ بھی حکم میں غزوات کے ہیں۔ سب سے پہلے اعلان براءت کا ذکر ہے یہ آیتیں غزوۂ تبوک کے بعد شوال ۹ھ میں نازل ہوئیں بعد ازاں کچھ آیتیں صلح حدیبیہ کے معاہدہ سے متعلق معلوم ہوتی ہیں ان میں مفسرین کا اختلاف ہے جیسے اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ۔ اکثر

مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں کافروں کی اس عہد شکنی کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد کی تھی اس صورت میں ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوگا جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں دیگر قبائل عرب اور یہود کی عہد شکنیوں کی طرف اشارہ ہے جو غزوۂ احزاب میں ان کی طرف سے ظہور میں آئیں اور جنہوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اس لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سوائے قبیلۂ قریش کے دوسرے قبائل عرب سے بھی معاہدہ تھا جن میں بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے اور بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا سو اس سورت کی یہ آیتیں علاوہ قبیلۂ قریش کے دیگر قبائل عرب سے متعلق ہیں اس صورت میں ان آیات کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوگا اور اگر ظاہر نظم اور تبادر لفظی کے اعتبار سے یہ کہا جائے کہ ان آیات میں دارالندوہ ہی کے واقعات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ اس سے مقصود اُن کی جنایات قدیمہ اور عداوت پارینہ کی تذکیر اور یاد دہانی ہو تو اس اعتبار سے اگر ان آیات کا نزول فتح مکہ کے بعد بھی مانا جائے تب بھی درست ہے اس لیے اس سے مقصود محض تذکیر اور یاد دہانی ہے تاکہ اُن کی عداوت پارینہ کا استحضار ہو جائے اور مسلمان متنبہ ہو جائیں کہ ان کی اس عداوت کو ملحوظ رکھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں۔

بعد ازاں آیات متعلقہ بہ غزوۂ حنین ہیں ان کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوا پھر جو آیتیں غزوۂ تبوک کی ترغیب کے بارے میں ہیں وہ غزوۂ تبوک سے پہلے نازل ہوئیں اور جو آیتیں غزوۂ تبوک سے تخلف کی ملامت اور عتاب میں ہیں ان کا نزول غزوۂ تبوک کے بعد ہوا اور بعض آیات اثناء غزوۂ تبوک نازل ہوئیں اور بعض روایات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ توبہ پوری بعد تبوک نازل ہوئی سو اس سے مراد یہ ہے کہ اس سورت کا اکثر حصہ غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوا کیونکہ اس سورت کا بہت سا حصہ ان منافقین کے پردہ دری کے بارہ میں ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک سے غیر حاضری کے متعلق جھوٹے عذر تراشے تھے۔ نیز حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ یہ سورت ابتداء میں بہت بڑی تھی جس میں منافقین کے احوال نفاق کا تفصیل سے بیان تھا مگر اب بقدر ربع رہ گئی اور باقی منسوخ التلاوت ہوگئی پس ممکن ہے کہ وہ تین ربع دفعۃً نازل ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ

جواب ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول سے ان مشرکوں کو جن سے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ
تم کو عہد تھا۔ سو پھر لو اس ملک میں چار مہینے

وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى
اور جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور یہ کہ اللہ رسوا

الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ
کرتا ہے منکروں کو۔ اور سنا دینا ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول سے لوگوں

يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۵
کو دن بڑے حج کے کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے،

وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ
اور اس کا رسول سو اگر تم توبہ کرو تو تم کو بھلا ہے اور اگر نہ مانو تو

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ
جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور خوشخبری دے منکروں

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ
کو دکھ والی مار کی۔ مگر جن مشرکوں سے تم کو عہد تھا

الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْــًٔـا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا
پھر کچھ قصور نہ کیا تمہارے ساتھ اور مدد نہ کی

عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ
تمہارے مقابلے میں کسی کی سو ان سے پورا پہنچاؤ عہد ان کے وعدہ تک

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ
اللہ کو خوش آتے ہیں احتیاط والے۔ پھر جب گزر جاویں مہینے

الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ

پناہ کے، تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ اور

خُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ

پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک پر۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا

پھر اگر وہ توبہ کریں اور کھڑی رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو

سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ اَحَدٌ

ان کی راہ، اللہ ہے بخشتا مہربان۔ اور اگر کوئی

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ

مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے جب تک وہ سن لے

اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا

کلام اللہ کا، پھر پہنچا دے اس کو جہاں وہ نڈر ہو یہ اس واسطے کہ وہ لوگ

يَعْلَمُوْنَ ۝ ۶ ع

علم نہیں رکھتے۔

اعلان برأت

یعنی مشرکین عرب سے قطع تعلقات اور سابقہ معاہدات کے اختتام کا اعلانِ عام

قال اللہ تعالیٰ۔ بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ ... الیٰ ... ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

قبائلِ عرب اور یہودِ مدینہ کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل

ہوا کہ مشرکین عرب کے عہدوں سے برائت اور بیزاری کا اعلان کر دیں۔ مسلمانوں کا کافروں کے معاہدات کے بھروسہ پر زندہ رہنا ناممکن ہے چار مہینہ کی مہلت دے کر ان کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دیا جائے تاکہ جزیرۃ العرب خالص مسلمانوں کے لیے ہو جائے اور اسلام کے قلب اور مرکز میں کوئی اسلام کا دشمن باقی نہ رہے۔ نیز سال آئندہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارادہ حج بیت اللہ کا تھا اس لیے آپؐ نے یہ پسند نہ کیا کہ موسم حج میں کفار کے ساتھ آپؐ کا اختلاط یا اجتماع ہو اس لیے اعلان کرا دیا گیا کہ سال آئندہ کوئی کافر اور مشرک مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائے چنانچہ فرماتے ہیں یہ قطع تعلق اور بیزاری ہے خدا کی طرف سے اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکوں سے جن سے تم نے کوئی عہد کیا تھا مگر یہ مشرک اپنے عہد پر قائم نہ رہے اور بار بار نقض عہد کیا پس اعلان کر دو کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی عہد نہیں رہا اور یہ بھی اعلان کر دو کہ اے مشرکو تم چار مہینے اس ملک میں امن و امان کے ساتھ چل پھر لو یعنی تم کو چار مہینہ کی مہلت ہے چار ماہ تک جہاں چاہو پھرو اس مدت میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا تم کو اجازت ہے کہ اس مدت میں اپنے لیے کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ ڈھونڈ لو اس مہلت کی ابتداء حج اکبر کے دن یعنی عید کے دن سے ہے اور اس کا اختتام دس ربیع الاول پر ہوگا اور خوب جان لو کہ تم اللہ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے زمین کے جس گوشہ اور خطہ میں چلے جاؤ خدا کے قبضۂ قدرت سے نہیں نکل سکتے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالےٰ کافروں کو دنیا ہی میں رسوا کرنے والا ہے بظاہر آیت میں دنیا کی رسوائی مراد ہے۔ کما قال تعالےٰ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَقَالَ تعالےٰ في قوم عاد فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ٥ ان آیات میں دنیاوی ذلت اور رسوائی کی تصریح ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ کافروں کو باوجود کثرت کے دنیا میں ذلیل اور خوار کرے اور مسلمانوں کو باوجود قلت اور کمزوری کے مظفر و منصور بنائے۔

زجاج کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا یہ فرمانا وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ۔ کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔ یہ مسلمانوں کی فتح و نصرت کی ذمہ داری ہے کہ مسلمان ضرور فتحیاب اور کامران ہوں گے اور ان کے دشمن مغلوب اور ذلیل اور خوار ہوں گے۔

(تفسیر کبیر ص ۵۸۵ ج ۴)

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن یعنی بقرعید کے دن یہ اعلان عام ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری اور بیزار ہے یعنی اب اللہ اور اس کا رسول تمہاری

عصمت اور حفاظت کا ذمہ دار نہیں حج اکبر کے دن سے دسویں تاریخ ذی الحجہ کی مراد ہے کہ اس دن حج تمام ہوتا ہے اور رمی اور قربانی اور حلق اور طوافِ زیارت کرکے محرم حلال ہو جاتا ہے۔ "حج اکبر" شریعت میں ہر حج کو کہتے ہیں کیونکہ وہ عمرہ کے مقابل ہے جو حج اصغر کہلاتا ہے عوام الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ حج اکبر وہ حج ہے جو خاص جمعہ کے دن ہو اس کی کوئی اصلیت نہیں سوائے مشرکو! اگر تم کفر اور شرک اور بے وفائی سے توبہ کرلو تو وہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اور اگر ایمان لانے اور شرک سے توبہ کرنے سے منہ موڑو تو جان لو کہ تم اللہ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کرسکتے اور تمہاری قوت و طاقت تم کو خدا کے قہر سے بچا نہیں سکتی نہ تم کہیں بھاگ سکتے ہو اور نہ اس کا مقابلہ کرسکتے ہو یہ تو دنیا کی ذلت اور رسوائی ہوئی اور آخرت میں کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا تمک بر جراحت پاشیدن" کا مضمون ہے مگر وہ مشرکین اس برات اور بیزاری اور قطع تعلق کے حکم سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ عہد باندھا پھر انہوں نے ایفاء عہد میں تم سے کوئی کوتاہی نہیں کی یعنی بدعہدی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی سو ان لوگوں کے عہد کو ان کی مدت تک پورا کرو اور اللہ سے ڈرو اور نقض عہد نہ کرو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو اور تقویٰ میں عہد کا پورا کرنا بھی داخل ہے۔ یہ حکم قبیلہ کنانہ کی شاخ بنو ضمرہ سے متعلق ہے ان لوگوں نے اپنے عہد کو نہیں توڑا اور ان کے عہد کی میعاد کے نو مہینے باقی تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو کیونکہ جب انہوں نے اپنا عہد نہیں توڑا تو تم کیوں توڑو تم ایفاء عہد کے ان سے زیادہ سزاوار ہو بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے اور غادر اور غیر غادر کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا خلاف تقویٰ ہے۔ سُدّی سے منقول ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ نے کسی سے عہد نہیں کیا پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ حرمت والے مہینوں سے مراد وہی چار مہینے ہیں جن کی مہلت دی گئی تھی ان کو حرمت والے مہینے اس لیے کہا گیا کہ جب کفار کو یہ مہلت دے دی گئی تو ان کی جان و مال سے تعرض کرنا حرام ہوگیا۔ اور جہاں پاؤ وہاں قتل کرنے سے مراد یہ ہے کہ حل اور حرم میں جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ قتل کرو ان کے لیے ہر زمان اور مکان یکساں ہے نہ کوئی مکان ان کو پناہ دے سکتا ہے اور نہ کوئی وقت اور زمان ان کو بچا سکتا ہے اور ان کو پکڑو اور ان کو قید کرو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھو۔ یعنی ان کی راہیں بند کردو تاکہ شہروں اور بستیوں میں نہ پھیلیں سلف اور خلف کے نزدیک اس آیت کو آیۃ السیف کہتے ہیں جس میں کافروں کے قتال عام کا حکم دیا گیا ہے اور یہ آیت اس سے قبل ہر عہد کے لیے ناسخ ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کسی مشرک سے کوئی عہد اور ذمہ باقی نہیں رہا۔

پس اگر وہ اپنے شرک سے توبہ کرلیں جس نے ان مشرکوں کو مسلمانوں کی عداوت پر برانگیختہ کر رکھا ہے اور کفر و شرک سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یعنی شعائر اسلام بجا لائیں تو ان کی راہ چھوڑ دو کہ جہاں چاہیں چلیں پھریں بے شک اللہ تعالیٰ تائبین کی مغفرت کرنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے کہ توبہ سے کفر اور شرک کا جرم بھی معاف کر دیتا ہے اور اے نبیؐ اگر ان مشرکین سے جن سے تعرض کرنا چاہیے انہیں سے اگر کوئی ماہ حرام گزر جانے کے بعد آپؐ سے اللہ کا کلام سننے کے لیے اور اسلام کو سمجھنے کے لیے پناہ مانگے تو آپ اس کو پناہ دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے اور دین اسلام کی حقیقت کو سمجھ لے پھر وہ اگر ایمان نہ لائے تو اس کو اس کے امن کی جگہ یعنی اس کی قوم اور قبیلہ میں پہنچا دو اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو یہ رعایت ان کے ساتھ اس لیے ہے کہ وہ لوگ اللہ کے دین سے اس کے کلام سے بے خبر اور ناواقف ہیں اس لیے ان کو یہ مہلت دی گئی۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ

کیونکر ہووے مشرکوں کو عہد اللہ پاس

وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ

اور اس کے رسول پاس؛ مگر جن سے تم نے عہد کیا مسجد

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا

الحرام پاس۔ سو جب تک تم سے سیدھے رہیں تم ان سے سیدھے رہو

لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ

اللہ کو خوش آتے ہیں احتیاط والے۔ کیونکر صلح رہے اور اگر

يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ

وہ تم پر ہاتھ پاویں نہ لحاظ کریں تمہاری خویشی کا نہ عہد کا۔

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ

تم کو راضی کر دیتے ہیں اپنے منہ کی بات سے اور ان کے دل نہیں مانتے اور بہت

فٰسِقُوْنَ ۝٨ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا

ان میں بے حکم ہیں۔ بیچے انہوں نے حکم اللہ کے تھوڑی قیمت پر،

فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٩

پھر اٹکے اس کی راہ سے وہ لوگ، بُرے کام ہیں جو کر رہے ہیں۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ

نہ لحاظ کریں کسی مسلمان کے حق میں قرابت کا، نہ عہد کا اور وہی ہیں

هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝١٠ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

زیادتی پر۔ سو اگر توبہ کریں اور کھڑی رکھیں نماز،

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ

اور دیتے رہیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں حکم شرع میں، اور ہم کھولتے

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝١١ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

ہیں پتے ایک جاننے والے لوگوں کو اور اگر توڑیں اپنی قسمیں عہد

مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا

کیے پیچھے، اور عیب دیویں تمہارے دین میں تو لڑو کفر

اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝١٢

کے سرداروں سے ان کی قسمیں کچھ نہیں شاید وہ باز آئیں۔

اعلان برأت کی علّت اور حکمت

قال اللہ تعالیٰ۔ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ ... الٰی ... لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی براءت کا اعلان فرمایا۔ اب یہاں سے ان

کے عہد کے تمام اور ختم کر دینے کی علت اور حکمت بیان فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا عہد اور ان کی صلح قابل اعتبار نہیں صلح کے وقت ہی ان کے دل میں دغا ہوتی ہے جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے اور ان کی بار بار عہد شکنیوں کے تجربہ سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ لوگ وفا کرنے کے لیے عہد نہیں کرتے بلکہ توڑنے کے لیے کرتے ہیں کہ اس وقت عہد کر کے مہلت حاصل کر لیں پھر موقعہ پا کر عہد کو توڑیں۔ جن لوگوں نے اب تک عہد نہیں توڑا نیت ان کی بھی یہی ہے کہ جب موقعہ ملے گا تو ہم ضرور عہد توڑ ڈالیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عہدوں کو ختم کر دیا اور چار مہینہ کی ان کو مہلت دے دی کہ اس مدت میں دل کا حوصلہ نکال لیں اور پہلے ہی سے برأت کا اعلان کر دیا تاکہ مسلمانوں کے متعلق کسی بدعہدی اور دھوکہ کا شبہ ہی نہ رہے اور یہ معلوم ہو جائے کہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں کسی کی بدعہدی اور دغابازی کارگر نہیں ہوتی۔ ان آیات کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ آیتیں فتح مکہ سے قبل نازل ہوئیں یا فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئیں کیونکہ فتح مکہ کے بعد قریش اور خزاعہ وغیرہ میں کوئی کافر ہی باقی نہ رہا تھا جس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عہد ہوتا اور جن کی نسبت یہ حکم ہوتا کہ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ (جب تک یہ لوگ تمہارے لیے سیدھے رہیں اور اپنے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی سیدھے رہو)

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں سردارانِ قریش کے بارہ میں فتح مکہ سے قبل نازل ہوئیں اس لیے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ان آیات میں ائمۃ الکفر سے رؤسائے یہود مراد ہیں۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا اور انہی لوگوں نے جنگِ احزاب میں قریش مکہ اور ابوسفیان کی مدد کی تھی جیسا کہ حق جل شانہٗ نے سورۂ منافقون میں یہود کا یہ قول نقل کیا ہے۔ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ اور اس آیت میں لفظ اشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ بھی اسی کا قرینہ ہے کہ آیت میں ائمۃ الکفر سے رؤسائے یہود مراد ہوں کیونکہ آیات خداوندی کو تھوڑی سی قیمت پر فروخت کر دینا یہ یہود کی خاص صفت ہے۔ (دیکھو تفسیر نیسابوری مطبوعہ برحاشیہ تفسیر ابن جریر ص ۴۵ ج ۱۰ و تفسیر مظہری ص ۱۴۴ ج ۴)

چنانچہ فرماتے ہیں مشرکوں کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے قائم رہ سکتا ہے جن کی بدعہدی کا تم تجربہ کر چکے ہو اور خدا اور رسول کے ساتھ ان کی دشمنی کا تم مشاہدہ کر چکے ہو مطلب یہ ہے کہ جب مشرکین خود اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے اور بار بار عہد شکنی اور غدر کرتے رہتے ہیں تو اللہ اور اس کے رسول کے پاس ان کے لیے عہد اور امان کیونکر ہو سکتا ہے جب خود انہوں نے عہد شکنی کی تو اللہ اور اس کا رسول ان کے عہد کیوں قائم رکھے ایسوں سے برأت اور بیزاری کا اعلان عین مصلحت ہے۔ مگر وہ لوگ جن سے اے مسلمانو! تم نے مسجد حرام کے پاس عہد باندھا تھا پس جب تک وہ

اپنے عہد پر قائم رہیں اور کوئی عہد شکنی ان سے ظہور میں نہ آئے تو تم بھی اپنے عہد پر قائم رہو کیونکہ تم متقی اور پرہیزگار ہو اور وفاءِ عہد کے زیادہ حقدار ہو تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو جو اپنے عہد اور پیمان پر قائم رہتے ہیں، اور خدا کا خوف ان کو عہد شکنی سے مانع ہوتا ہے۔

ف اس آیت میں "المشرکین" سے ناقضین عہد مراد ہیں اس لیے کہ ان کو اِلَّا الَّذِیْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مشرکین سے وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے عہد کو توڑا اور برادت کا اصل نزول انہیں کے بارہ میں ہوا اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں اول روز سے ان کی نیت غدر اور بدعہدی کی ہے ان سے کوئی طمع اور امید وفاء کی نہ رکھو جس نے خود اپنے عہد کو پورا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسولؐ کو کیا پڑی ہے کہ وہ ان سے اپنا عہد پورا کرے اس لیے ان سے براءت اور بیزاری کا اعلان کر دیا اور اپنے معاملات اور تعلقات کو ان سے ختم کر دیا مگر ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا جن سے ابھی تک کوئی عہد شکنی ظہور میں نہیں آئی اور فرمایا کہ جب تک یہ لوگ اپنے عہد پر مستقیم رہیں تم بھی اپنے قول و قرار پر مستقیم رہو پھر آگے اسی مضمون کی تاکید فرماتے ہیں کہ ایسے غداروں سے نباہ کیسے ممکن ہے ایسوں سے کیونکر صلح قائم رہ سکتی ہے جن کے دل کی حالت یہ ہے کہ وہ اگر کسی وقت تم پر غالب آئیں تو تمہارے حق میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کریں گے اور نہ کسی عہد و پیمان کا پاس کریں گے اور موقعہ ملنے پر ایک مسلمان کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب اپنے کو کمزور پاتے ہیں تو تم سے بظاہر صلح کرتے ہیں اور زبانی باتوں سے تم کو راضی کرتے ہیں اور ان کے دل اس سے انکاری ہوتے ہیں۔ یعنی زبان سے عہد کرتے ہیں اور دل میں دغا رکھتے ہیں اور ان میں کے اکثر بدکار ہیں کہ کسی قول و قرار پر قائم نہیں رہتے نیز ان بدکاروں کا ایک حال یہ ہے کہ انہوں نے احکام الٰہیہ کے عوض میں تھوڑا سا مول لینا قبول کیا یعنی دنیاوی طمع کی بنا پر آیات الٰہیہ کو چھوڑ دیا اور دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دی پھر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا بیشک بہت ہی برے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت سرداران قریش کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے دنیاوی طمع کے بنا پر آیات قرآنیہ سے اعراض کیا اور لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے توریت کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر فروخت کر کے لوگوں کو دین اسلام کی متابعت سے روکا۔ اب آئندہ آیت میں کفار کی مزید غداری اور بدکاری کو بیان فرماتے ہیں۔ گزشتہ آیت میں یہ کہا تھا کہ لَا یَرْقُبُوْا فِیْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً یہ لوگ تمہارے بارہ میں کسی قرابت اور عہد کا لحاظ نہیں رکھتے اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ تمہاری کوئی تخصیص نہیں ان کی حالت تو یہ ہے کہ وہ کسی مسلمان کے بارہ میں بھی کسی قسم کی قرابت یا قسم اور عہد کا لحاظ نہیں رکھتے اور ایسے ہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں جن

کی شرارت اور زیادتی کی کوئی حد نہیں سو ایسوں کے عہد و پیمان پر کیا اعتماد اور اطمینان کیا جائے پھر اگر وہ اپنے شرک سے اور نقض عہد سے توبہ کرلیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اسلام لانے سے ان کے حقوق تمہارے برابر ہو جائیں گے اور ہم اپنے احکام کو اہل علم اور اہلِ فہم کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس آیت سے نماز اور زکوٰۃ کی سخت تاکید ظاہر ہو رہی ہے صاف صاف ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر کفر و شرک سے توبہ کے بعد نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے بھائی ہیں معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص زبان سے اسلام کا اقرار کرے مگر احکام اسلام کا التزام نہ کرے مثلاً نماز اور زکوٰۃ کو فریضۂ خداوندی نہ سمجھے تو وہ مسلمانوں کا بھائی نہیں اسی لیے صدیق اکبرؓ نے مانعین زکوٰۃ کے بارہ میں فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے قتال کروں گا یعنی اللہ نے نماز اور زکوٰۃ دونوں ہی کو فرض کیا ہے پس جس طرح نماز کی فرضیت کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار بھی کفر اور ارتداد ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ میں اطاعت خداوندی اور اطاعت رسول دونوں ہی کا حکم دیا ہے اسی طرح وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ میں نماز اور زکوٰۃ دونوں ہی کی بجا آوری کو فرض قرار دیا ہے پس جس طرح اطاعت خداوندی اور اطاعت رسول میں تفریق کفر ہے اسی طرح نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت میں بھی تفریق کفر اور ارتداد ہے (دیکھو تفسیر قرطبی ص۸۱ ج ۸)

البتہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ کو فرض سمجھے اور اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اور اس کوتاہی پر اپنے کو گنہگار اور قصوروار سمجھے تو ایسا شخص کافر اور مرتد نہیں بلکہ ایک گنہگار مسلمان ہے اور اگر یہ مشرک عہد کر لینے کے بعد اپنی قسموں اور عہدوں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں عیب نکالیں یعنی احکام شریعت پر نکتہ چینی اور طعنہ زنی کریں اور اس کی تحقیر کریں پس خوب سمجھ لو کہ اس قسم کے لوگ کفر کے پیشوا ہیں لہٰذا تم ان پیشوایانِ کفر سے خوب جہاد و قتال کرو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں شاید وہ اپنی ان شرارتوں سے باز آجائیں۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ دین اسلام پر طعن کرنا اور احکام شریعت میں عیب نکالنا صریح کفر ہے اور ایسے شخص کا قتل کرنا بالاجماع واجب ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص۸۲ ج ۸)

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ائمۃ الکفر سے سردارانِ قریش جیسے ابوسفیان اور سہیل بن عمرو وغیرہ مراد ہیں جنہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کر کے توڑا اور آپ کو مکہ سے نکالنے کی کوشش کی۔ مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ سورت فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئی اور اس درمیان میں ابوسفیان اور سہیل بن عمرو وغیرھم اسلام لے آئے اور یہ احکام مذکورہ تاریخ اعلان سے چار ماہ کے بعد ثابت اور جاری ہوں گے یعنی سنہ ۹ھ کی ماہ ذی الحجہ کی دس تاریخ سے شروع ہو کر دس ربیع الاول تک کی مدت گزرنے کے بعد جاری ہوں گے پس جو لوگ اس آیت کے نزول سے ایک سال قبل مشرف باسلام ہو چکے وہ ان آیات کا مصداق اور ان

احکام کا مخاطب کیسے ہو سکتے ہیں اور جو واقعہ پہلے گزر چکا ہے اس کے متعلق یہ کہنا فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ کیسے ہو سکتا ہے اس لیے بعض علماء اس طرف چلے گئے کہ صرف ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا ہے اور باقی آیات غزوۂ تبوک اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ الآیۃ یہ آیت فتح مکہ کی ترغیب کے بارہ میں نازل ہوئی اور نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ سے سردارانِ قریش مراد ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آئندہ آیت یعنی قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ الخ میں ائمۃ الکفر سے قتال کے جو پانچ فوائد ذکر کیے ہیں وہ فتح مکہ کے مناسب ہیں کیونکہ یہ تمام امور فتح کے وقت ظاہر ہوئے (دیکھو تفسیر کبیر ص ۵۹۶ ج ۴)

پس معلوم ہوا کہ یہ آیت نکث عہد کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے فتح مکہ کے لیے جہاد و قتال کی ترغیب کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ائمۃ الکفر سے رؤسا یہود مراد ہیں جنہوں نے آپ سے بدعہدی کی اور آپ کے خلاف مشرکین کی مدد کی اور منافقوں کی امداد سے آپ کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اور بار بار آپ کے قتل کے مشورے کیے اس لیے سورۂ براءت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس لیے مناسب یہ ہے کہ آیت میں ائمۃ الکفر سے رؤسا یہود مراد لیے جائیں یہ حسن بصری رحمہ اللہ کی رائے ہے (دیکھو تفسیر کبیر ص ۵۹۶ ج ۴ و زاد المسیر ص ۴۰۵ ج ۳ لابن الجوزی رحمہ اللہ) اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد بہت سی قومیں مسلمان ہو گئیں، اور بہتوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کر لیا کہ ہم آپ سے اور آپ کے حلیفوں سے جنگ نہ کریں گے اور بوقت ضرورت آپ کی مدد بھی کریں گے جب ہجرت کے نویں سال آپ شام کی طرف غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہو گئے تو پیچھے بہت سی قوموں نے بدعہدی کی اور منافقین نے بہت سی افواہیں اڑائیں۔ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد یہ سورت نازل ہوئی جس میں ان بدعہدوں اور عہد شکنیوں کی اور غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں کی اور غلط خبریں اڑانے والوں کی خوب سرزنش کی گئی۔

امام ابوبکر رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول سردارانِ قریش کے بارہ میں ماننا راوی کا وہم معلوم ہوتا ہے اس لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا نزول علاوہ قریش کے دیگر قبائل عرب کے بارہ میں مانا جائے جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ سے اخراج کے درپے تھے جیسا کہ یہود جنہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غدر کیا اور آپ کے دشمنوں کی مدد کی اور مدینہ منورہ سے آپ کو نکالنے کی سازشیں کیں۔ یہود بے بہبود دن رات اسی کوشش میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکل جائیں۔ (دیکھو احکام القرآن للامام الجصاص ص ۹۸ ج ۳)

اور شیخ سلیمان جمل رحمہ اللہ اور علامہ صاوی رحمہ اللہ نے حاشیۂ جلالین میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ یہ آیتیں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں اور ان احکام کے مخاطب علاوہ قریش کے دیگر قبائل عرب ہیں اس لیے کہ

علہ قال ابن عباس رضی اللہ عنہ ائمۃ الکفر زعماء قریش قال القرطبی هو بعيد لان الآية فی سورۃ براءۃ وحين نزلت كان الله قد استاصل شأفة قريش ولم يبق منهم الا مسلم او مسالم كذا فی البحر المحيط ص ۱۴ ج ۵ وتفسير القرطبی ص ۸۴ ج ۸ -

قریش نے جو عہد شکنی کی تھی اس کا معاملہ فتح مکہ سے ختم ہوگیا تھا لہٰذا ایک ختم شدہ معاہدہ کے متعلق یہ کہنا کہ اگر وہ عہد توڑ دیں تو تم ان سے قتال کرنا وغیرہ وغیرہ بالکل بے معنی ہے (دیکھو حاشیہ صاوی صفحہ ۱۲۰ ج ۲ و حاشیہ سلیمان جمل صفحہ ۲۱۶ ج ۲)

قول راجح اور صحیح اور راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں ائمۃ الکفر سے کوئی خاص جماعت مراد نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے پیشوایانِ کفر مراد ہیں اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ بلا تعیین تمام ائمۂ کفر اور بلا تخصیص تمام پیشوایانِ کفر اور ناقضینِ عہد سے جہاد و قتال واجب ہے۔ (دیکھو البحر المحیط[1] صفحہ ۱۴ ج ۵)

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا

کیوں نہ لڑو ایسے لوگوں سے کہ توڑیں اپنی قسمیں، اور فکر میں رہیں

بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ

کہ رسول کو نکال دیں اور انہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے۔

اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ

کیا اُن سے ڈرتے رہو؟ سو اللہ کا ڈر چاہیئے تم کو زیادہ اگر ایمان

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ

رکھتے ہو۔ لڑو اُن سے تا عذاب کرے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں

[1] قال ابن عطیة اصوب ما فی ھذا ان یقال انه لا یعنی بھا معین وانما رفع الامر بقتل ائمة الناکثین العھود من الکفرة الی یوم القیامة دون تعیین و اقتضت حال کفار العرب ومحاربی رسول اللہ صلے اللہ علیه وسلم ان یکون الاشارة الیھم اولا بقوله ائمة الکفر وھم حصلوا حینئذٍ تحت اللفظة اذ الذی یتولی قتال النبی صلے اللہ علیه وسلم والدفع فی صدر شریعته ھو امام کل من یکفر بذالك الشرع الی یوم القیامة ثم یأتی فی کل جیل من الکفار ائمة خاصة بجیل جیل انتھی۔ کذا فی البحر المحیط صفحہ ۱۴ ج ۵ اور شیخ نورالحق دہلوی بخاری کی فارسی شرح میں فرماتے ہیں۔ وصحیح آنست کہ مراد عام است شامل این ہا وغیر اینہا یعنی ہمہ اہل کفر۔ (تیسیر القاری صفحہ ۳۵۸ ج ۲)

وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ

اور رسوا کرے اور تم کو اُن پر غالب کرے اور ٹھنڈے کرے دل کتنے

قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ

مسلمان لوگوں کے ۔ اور نکالے اُن کے دل کی جلن اور اللہ توبہ دے

يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

گا جس کو چاہے گا اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

کیا جانتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کیے اللہ نے تم میں سے جو لوگ

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ

لڑے ہیں اور نہیں پکڑا انہوں نے سوا اللہ کے اور اس کے

لَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ

رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو بھیدی ۔ اور اللہ کو سب خبر ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

تمہارے کام کی ۔

ترغیب قتال از ناقضین عہد و وعدۂ فتح و نصرت

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ... الیٰ ... وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں ائمۃ الکفر سے قتال کا حکم تھا اب ان آیات میں مسلمان کو ناقضین عہد سے جہاد و قتال کی ترغیب دی جاتی ہے اور جہاد اور قتال کے فوائد کو بیان فرماتے ہیں جس میں ضمناً فتح اور نصرت کے وعدہ کی طرف اشارہ ہے۔ سب سے اول عجیب فائدہ یہ ہے کہ امم سابقہ پر کفر

اور تکذیب کی بناء پر اللہ نے جو عذاب نازل کیا وہ براہ راست خود نازل کیا کسی پر آسمان سے پتھر برسائے اور کسی کو دریا میں غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسایا وغیرہ وغیرہ اب اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور عداوت پر امم سابقہ کی طرح کوئی آسمانی عذاب نازل نہ ہو کر دفعۃً پوری قوم کا خاتمہ ہو جائے بلکہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ بجائے بلا واسطہ عذاب نازل کرنے کے اپنے مخلص اور وفاداروں کے واسطہ سے اس کو سزا دلوائے یعنی دوستوں کے ہاتھوں سے دشمنوں کو قتل کرائے یا قید کرائے اور دوم یہ کہ کھلم کھلا مجرمین اور مکذبین کو رسوا اور خوار کرے اور سوم یہ کہ دوستوں کو دشمنوں پر فتحیاب اور غالب اور مظفر و منصور کرے اور چہارم یہ کہ خدا کے وفاداروں اور جاں نثاروں کے دل ٹھنڈے ہوں اور پنجم یہ کہ مسلمانوں کے دل کا غیظ و غضب دور ہو اور ششم یہ کہ علی الاعلان حق کا غلبہ اور نصرت لوگوں پر نمایاں ہو جسے دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ حق کے مقابلہ کا یہ انجام ہوتا ہے اور جانیں کہ ابھی موقعہ ہے کہ حق کو قبول کرلیں اور اپنی شرارت سے تائب ہو جائیں توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور آسمانی عذاب نازل ہونے کے بعد سوچنے اور سمجھنے اور سنبھلنے کا موقعہ باقی نہیں رہتا اور ہفتم یہ کہ مؤمنین مخلصین کا امتحان ہو جائے کما قال تعالیٰ۔ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا مِنۡكُمۡ الیٰ آخر الآیۃ۔ اس آیت میں اسی حکمتِ امتحان کی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں (اے مسلمانو) کیا تم ان لوگوں سے جہاد و قتال اور جنگ و جدال نہ کرو گے جن سے جہاد و قتال کے اسباب اور دواعی بکثرت موجود ہیں اول تو یہ کہ ان لوگوں نے اپنے قسموں اور عہدوں کو توڑا نہ اللہ کے نام کا لحاظ کیا اور نہ اپنے عہد و پیمان کا پاس کیا گویا کہ ان کو نہ اللہ کی پرواہ ہے اور نہ مخلوق کی۔ اور دوم یہ کہ ان لوگوں نے مکہ یا مدینہ سے رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا جو طعن فی الدین سے کہیں زیادہ سخت ہے اس لیے کہ رسول کے نکال دینے کا ارادہ اس امر کی دلیل ہے کہ منبع ہدایت (ذات رسالت) کا بغض اور عناد ان کے دل میں راسخ ہے اور سوم یہ کہ نقض عہد کی ابتداء اور پہل انہی لوگوں نے کی ہے یعنی نقضِ عہد اور تم سے لڑائی کی ابتداء انہی لوگوں نے کی ہے بس ان لوگوں سے جہاد و قتال کریں گے یہ اسباب اور دواعی موجود ہیں اور مانع کوئی نہیں سوائے اس کے کہ تم ان کی قوت اور شوکت سے ڈرتے ہو پس کیا تم ان کی قوت اور شوکت سے ڈرتے ہو سو اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر در حقیقت تم یقین رکھتے ہو کہ احکم الحاکمین کے حکم کے ترک میں عذاب عظیم کا اندیشہ ہے تم کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی قوت اور قدرت پر نظر کرو اگر تم ایماندار ہو اے ایمان والو خدا کے دشمنوں سے جہاد و قتال کرو جس میں بہت سے فائدے اور حکمتیں ہیں اول یہ کہ اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا تاکہ تمہارا غلبہ اور فوقیت اور برتری ظاہر ہو اور لوگوں کو معلوم ہو کہ تمہارے ہاتھ دست قدرت کے مظہر ہیں اور دوم یہ کہ

اللہ تعالیٰ اُن کو تمہارے ہاتھوں سے رسوا کرے تم ان کو قید کرو اور غلام بناؤ اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے مقابلہ میں تم کو فتح و نصرت عطا فرمائے اور چہارم یہ کہ اللہ مؤمنوں کے سینوں کو شفا بخشے یعنی جب مسلمان اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے تو ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے اور پنجم یہ کہ مسلمانوں کے دلوں کے غصہ کو دور کرے یعنی کافروں کی ایذا رسانی سے جو دل رنجیدہ تھے وہ رنج دور ہو جائے اس لیے کہ انسان جب مقابلہ کی تاب نہ رکھتا ہو تو دشمن کی ایذا رسانی میں دل ہی دل میں گھٹتا ہے جب مسلمان کمزور تھے تو کافر ان کو بے انتہا تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے اس سے مؤمنوں کے دل میں ان کی طرف سے غصہ اور رنج بھرا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ کافروں سے لڑو جب تم اپنے دشمنوں پر غالب آؤ گے تو تمہارے دلوں کا غیظ و غضب جو بیماری کی طرح تم کو بے چین کیے ہوئے ہے سب جاتا رہے گا اور تمہارے دل شفا پا جائیں گے کیونکہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے کر آدمی کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اندر کی ساری گھٹن نکل جاتی ہے اسی طرح فتح اور غلبہ کے بعد تمام مسلمانوں کے دل ٹھنڈے ہوں گے اگرچہ وہ قتال اور معرکہ میں حاضر نہ ہوئے ہوں اور ششم یہ کہ ان کافروں میں سے اللہ جس پر چاہے گا توجہ اور عنایت فرمائے گا یعنی اس کو توبہ اور اسلام کی توفیق دے گا۔ جس کا تمہیں ابھی علم نہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بہت سے اہل مکہ اسلام لے آئے اور اچھے مسلمان ہو گئے۔ جیسے ابوسفیانؓ اور سہیل بن عمروؓ اور عکرمہؓ بن ابی جہل وغیرہ حالانکہ یہ لوگ پہلے ائمۂ کفر تھے اللہ نے ان پر احسان کیا کہ مسلمان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے یعنی جو لوگ ان کافروں میں سے ایمان لانے والے ہیں اس کو سب معلوم ہے اور یہ حکم جو اس نے تم کو دیا ہے اس میں حکمت ہے اور ہفتم یہ کہ اے مسلمانو کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے کہ نہ تم کو جہاد کا حکم دیا جائے گا اور نہ تمہارے ایمان اور اخلاص کی کوئی جانچ اور پڑتال ہو گی حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو الگ اور جدا نہیں کیا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور خدا اور رسول اور اہل ایمان کے سوا کسی کو اپنا دوست اور راز دار نہیں بنایا۔ یعنی جب تک اس صفت کے لوگ منافقوں سے جدا نہ ہو جائیں گے اس وقت تک تم کو جہاد سے کیسے بری اور سبکدوش کیا جا سکتا ہے جہاد ہی تو مؤمن اور منافق کے درمیان فرق ظاہر کرنے والا ہے مطلب یہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تم صرف ظاہری ایمان و اسلام کی بنا پر اللہ کے نزدیک مسلمان ہو جاؤ گے نہیں بلکہ تمہارا امتحان لیا جائے گا اور تم جانچے جاؤ گے اور امتحان کا بہترین ذریعہ جہاد ہے کہ جب انسان خدا اور رسول کے لیے اپنے اعزاء اور اقارب اور اپنی قوم اور اہل وطن سے جہاد کرتا ہے تو پورا امتحان ہو جاتا ہے اور اللہ ان باتوں سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو یعنی اللہ کو تمہارا ظاہر اور باطن سب معلوم ہے مگر امتحان اور آزمائش اس لیے ہے کہ مؤمنوں پر تمہارا حال ظاہر ہو جائے ورنہ اللہ کو تمہارے امتحان کی ضرورت نہیں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا

مشرکوں کا کام نہیں کہ آباد کریں

مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ

اللہ کی مسجدیں اور مانتے جاویں اپنے اوپر کفر کو وہ لوگ

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا

خراب گئے ان کے عمل اور آگ میں رہیں گے وہ ہمیشہ ۔ وہی

يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

آباد کرے مسجدیں اللہ کی جو یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا

اور کھڑی کی نماز اور دی زکوٰۃ اور نہ ڈرا سوا اللہ کے

اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

کسی سے سو امیدوار ہیں وہ لوگ کہ ہوویں ہدایت والوں میں

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

کیا تم نے ٹھہرایا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسانا

كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ

برابر اس کے جو یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور لڑا اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

کی راہ میں نہیں برابر اللہ کے پاس اور اللہ راہ نہیں

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَ

دیتا بے انصاف لوگوں کو جو یقین لائے اور گھر چھوڑ آئے اور

جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ

لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے

اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

ان کو بڑا درجہ ہے اللہ کے پاس اور وہی پہنچے مراد کو ۔

یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ

خوشخبری دیتا ہے ان کو پروردگار ان کا اپنی طرف سے مہربانی کی اور رضامندی کی اور باغوں کی

لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ

جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا ۔ رہا کریں اُن میں مدام ۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۲﴾

بے شک اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے ۔

مشرکینِ عرب کے فخر اور ناز کا جواب اور اعمالِ فاضلہ کا بیان

قال تعالیٰ ۔ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ

(ربط) سورت کا آغاز مشرکین کی برأت اور بیزاری سے فرمایا بعد ازاں ان کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ اسی قابل ہیں کہ ان سے برأت اور بیزاری اختیار کی جائے ان لوگوں کا خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی مرتبہ نہیں ۔ چونکہ یہ اعلان برأت ان کی اہانت اور تحقیر پر مبنی تھا اس لیے مشرکین مکہ نے اپنی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بڑے فخر اور ناز سے یہ کہا کہ ہم بہت سی خصال حمیدہ اور افعال پسندیدہ کے حامل ہیں ہم سے برأت اور بیزاری کی کوئی وجہ نہیں ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں اور انہیں پانی پلاتے اور مسجد حرام کی مرمت اور خدمت کرتے ہیں قریش اس قسم کے محاسن ذکر کرتے اور ان پر فخر کرتے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جس میں ان کے اس فخر اور ناز کا جواب دیا گیا اور بتلا

دیا گیا کہ تمہارے یہ تمام اعمال سب بے جان اور بے روح ہیں سب سے افضل عمل ایمان باللہ اور ہجرت فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے ایمان باللہ سے حق تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق قائم ہوتا ہے اور خدا کے لیے وطن اور خویش و اقارب سے ہجرت یہ خدا تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے اور جہاد فی سبیل اللہ سے اس کی وفاداری اور جانثاری کا تمغہ ملتا ہے۔ سقایۃ الحاج اور عمارۃ المسجد الحرام کا عمل اگرچہ اعمال صالحہ میں سے ہے مگر اس کی مقبولیت کی شرط خدا اور اس کے رسول پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانا اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور دل میں خوف خدا کو جگہ دینا ہے چونکہ قریش میں یہ صفات نہیں اس لیے ان کے یہ اعمال حبط اور کالعدم قرار دیئے گئے اور اگر بالفرض ان کے اعمال حبط اور کالعدم بھی نہ ہوں تو بھی وہ ایمان اور نماز اور زکوٰۃ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہو سکتے عمارۃ المسجد الحرام اور سقایۃ الحاج۔ ایمان اور ہجرت اور جہاد جیسے عمل کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور مساجد الٰہی کی تعمیر ان لوگوں کا کام نہیں کہ جو کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث ہوں۔ کفر اور شرک سے تو اچھے اعمال بھی حبط ہو جاتے ہیں لہٰذا کفر اور شرک کے ہوتے ہوئے تعمیر مسجد حرام اور مہمان نوازی وغیرہ وغیرہ کا ذکر سب بیکار ہے تمہارے یہ اعمال کفریہ و فخریہ ایمان باللہ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے لَا يَسْتَوُنَ عِنْدَ اللهِ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کے لیے لائق اور درست نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں حالانکہ وہ خود اپنی ذاتوں پر کفر اور شرک کے گواہ ہیں کفر اور شرک کے ساتھ عبادت خداوندی کا جمع ہونا محال ہے عبادت خدا کی پرستش کے لیے ہے اور شرک غیر خدا کی پرستش کے لیے ہے ایسے لوگوں نے اگر کفر اور شرک کرنے سے پہلے نیک عمل بھی کیے تھے تو کفر اور شرک سے ان کے تمام نیک اعمال اکارت گئے اور سب کے سب باطل اور ناپید ہو گئے یعنی ان کا مہمانوں کی ضیافت کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدوں کو آباد کرنا اور قیدیوں کو چھڑانا اس قسم کے سب اعمال جن پر یہ فخر کرتے ہیں کفر اور شرک کی وجہ سے سب اکارت گئے اور اسی کفر اور شرک کی وجہ سے یہ لوگ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ جز ایں نیست کہ مساجد الٰہی کو اپنی عبادت اور طاعت سے وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہیں ڈرا سو امید ہے کہ ایسے لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ کلمۂ عَسٰى و لَعَلَّ اظہار توقع کے لیے لایا جاتا ہے اس جگہ کلمۂ عسیٰ مشرکین کی طمع قطع کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کمالات علمیہ اور کمالات عملیہ کے جامع ہیں ان کی ہدایت بھی لعل اور عسیٰ کے درمیان دائر ہے یعنی ان کی ہدایت اور راہ یابی بھی متوقع ہے قطعی اور یقینی نہیں تو جو لوگ کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث ہیں ان کا تو حال بدمآل کا کیا ذکر نیز اشارہ اس طرف ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اعمال پر مغرور نہ ہونا چاہیئے جو شخص اپنے عمل

پر مغرور ہے وہ فیض ربانی سے دور ہے سے

مباش غرہ بعلم و عمل کہ شد ابلیس بدیں سبب ز در بارگاہِ عزت دور

کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام کی عمارت کی خدمت بجا لانے والے کو اس شخص کے برابر کر دیا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا جو تمام عبادتوں کی جڑ ہے۔ اور جس نے خدا کی راہ پر جہاد کیا اور اللہ کے کلمہ کو بلند کیا یہ دونوں فریق اللہ کے یہاں برابر نہیں اور اللہ منزل مقصود کی راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور کفر اور شرک کرکے خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر اور حاجیوں کے پانی پلانے کو ایمان اور جہاد کے برابر سمجھ لیا یہ غلط ہے ہرگز برابر نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور پھر خدا کے لیے اپنے گھر بار اور خویش اور اقارب سب کو چھوڑا اور پھر خدا کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں اپنے خویش و اقارب سے جنگ کی ایسے لوگ اللہ کے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں اور ایسے ہی لوگ دونوں جہان میں کامیاب ہیں خوشخبری دیتا ہے ان کو ان کا پروردگار اپنی خاص رحمت کی اور رضامندی کی اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لیے دائمی نعمت ہوگی جو کبھی منقطع نہ ہوگی وہ ہمیشہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے جس کے سامنے تمام دنیا ہیچ ہے اور خدا تعالٰے کی رضامندی اور خوشنودی جنت سے بھی بڑھ کر ہے ان آیات سے مہاجرین و مجاہدین کی فضیلت واضح اور لائح ہے کاش حضرات شیعہ بھی ان آیات کو پڑھیں اور اپنے دلوں کو صحابہ کرامؓ کی کدورت سے پاک کریں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ

اے ایمان والو! نہ پکڑو اپنے باپوں کو

وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ

اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو

عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ

ایمان سے - اور جو تم میں ان کی رفاقت کرے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ

سو وہی لوگ ہیں گنہگار ۔ تو کہہ اگر تمہارے باپ

وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ

اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری

وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا

اور مال جو کمائے ہیں اور سوداگری جس کے بند ہونے سے ڈرتے

وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

ہو اور حویلیاں جو پسند کرتے ہو تم کو عزیز ہیں اللہ سے اور اس کے رسول

وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ

سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں تو راہ دیکھو جب تک بھیجے اللہ

بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ ع

حکم اپنا اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو ۔

ع ۹

ممانعت و تہدید از ترجیح تعلقات دنیویہ بر تعلقات اخرویہ

قال اللہ تعالیٰ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ ... الیٰ ... وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ

(ربط) شروع سورت میں کفار سے براءت اور بیزاری کا ذکر تھا پھر گزشتہ آیات میں ایمان اور ہجرت اور جہاد کو افضل الاعمال قرار دیا جو براءت کا تتمہ ہے اس لیے کہ خدا اور رسول کے لیے خویش و اقارب اور اصول و فروع سے براءت اور بیزاری اور ان سے قطع تعلق کوئی آسان کام نہیں مگر بسا اوقات ان اعمال فاضلہ میں خویش و اقارب کے تعلقات اور وطن عزیز کی محبت خلل انداز ہوتی ہے اس لیے ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اخروی تعلقات کے مقابلہ میں دنیوی تعلقات کو ترجیح نہ دو دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینا ظلم اور فسق ہے لہذا

مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایمان اور اسلام کو دولت عظمیٰ سمجھیں اور اپنے اصول و فروع کو اور اپنے اعزا و اقارب اور احباب کو حتیٰ کہ اپنے باپ اور بھائیوں کو جنہوں نے کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے ہرگز دوست نہ بنائیں اگر اس کے خلاف کریں گے تو ظالم ہوں گے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اللہ سے تعلق کو مستحکم اور مضبوط کرو اور جو خدا سے تعلق قطع کر چکا ہے اس سے تم بھی قطع تعلق کر دو۔ اگرچہ وہ تمہارا کُلّ (باپ) ہو یا تمہارا جزء (بیٹا) ہو یا تمہارے باپ کا جزء ہو یعنی تمہارا بھائی ہو اس لیے تم اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں پسند کریں۔ یعنی جو لوگ کفر سے محبت رکھتے ہیں تم ان سے محبت نہ اختیار کرو اور تم میں سے جو انہیں دوست رکھے گا تو خوب سمجھ لو کہ کافروں کو دوست بنانے والے لوگ بڑے ہی ظالم ہیں کہ محبت اور دوستی کو بے محل رکھ دیا مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنا لیا۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارے قرابت دار اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت اور سوداگری جس کے بند ہو جانے کا تم کو ڈر ہے اور وہ عمدہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو۔ یہ تمام چیزیں تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں صرف کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنے قہر کا حکم نازل کرے اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو توفیق نہیں دیتا۔ مطلب یہ کہ اگر ان چیزوں کی محبت میں اپنے جانوں اور مالوں کو خدا کی راہ میں صرف کرنا نہیں چاہتے تو کافروں کے ساتھ تم بھی عذاب کے منتظر رہو اس صورت میں جو حال اُن کا ہوگا وہی تمہارا ہوگا۔ اور خوب سمجھ لو کہ دینوی مصالح کو اُخروی مصالح پر ترجیح دینے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے محروم ہو جاتا ہے یہ آیتیں اُن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جن کو ہجرت کے بارے میں تردد تھا اور یہ خیال کرتے تھے کہ اگر مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں گے تو اہل و عیال اور خویش و اقارب اور یہ مکانات جن میں آرام سے بسیرا کرتے ہیں یہ سب چھوٹ جائیں گے اور تجارت کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ایمان باللہ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے مقابلہ میں سب چیزیں ہیچ ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قول کو سامنے رکھو فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ یعنی اللہ رب العالمین کے سوا سب میرے دشمن ہیں ؎

آں کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند ۔۔۔ فرزند و عیال و خانماں راچہ کند

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی ۔۔۔ دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ

مدد کر چکا ہے تم کو اللہ بہت میدانوں میں اور دن

حُنَيۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡكُمۡ

حنین کے، جب اترا گئے تم اپنی بہتائیت پر پھر وہ کچھ کام نہ

شَيۡـًٔا وَّضَاقَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ

آئی تمہارے اور تنگ ہوگئی تم پر زمین ساتھ اپنی فراخی کے، پھر

وَلَّيۡتُمۡ مُّدۡبِرِيۡنَ ۞ ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى

ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر - پھر اُتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین

رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ

اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر، اور اُتاریں فوجیں جو تم نے

تَرَوۡهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ

نہیں دیکھیں اور مار دی کافروں کو - اور یہی سزا ہے

الۡكٰفِرِيۡنَ ۞ ثُمَّ يَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَلٰى

منکروں کی - پھر توبہ دے گا اللہ اس کے بعد جس کو

مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۞

چاہے - اور اللہ بخشتا ہے مہربان

ذکر قصۂ غزوۂ حنین و تذکیر انعامات و عنایات در سرایا و غزوات

قال تعالیٰ۔ لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىۡ مَوَاطِنَ كَثِيۡرَةٍ ۙ وَّيَوۡمَ حُنَيۡنٍ ... الی ... وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ

(ربط) شروع سورت میں برات کا ذکر تھا جس کے ضمن میں صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں غزوۂ حنین کا ذکر فرماتے ہیں، اور اپنی ان عنایات کو یاد دلاتے ہیں کہ جو اس نے دیگر مقامات مثل جنگ بدر اور فتح مکہ میں دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں پر مبذول فرمائیں

تاکہ اس کی عنایات کو یاد کر کے دل اس کے شکر پر برانگیختہ ہو جائیں اور اپنے منعم حقیقی کے بھروسہ پر بے خوف و ہراس دشمنان اسلام سے جہاد کریں اور سمجھیں کہ اصل مددگار وہی پروردگار ہے اور جانیں کہ یہ سارا ساز و سامان محض ایک ظاہری وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ اصل فتح و نصرت اللہ کی اعانت سے ہوتی ہے نہ کہ فوج اور ظاہری سامان کی کثرت سے کما قال تعالیٰ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِہٖ ۔

لہٰذا نظر اللہ پر رہنی چاہیئے نہ کہ ظاہری ساز و سامان پر۔ جنگ حنین میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی اور مشرکین کی تعداد چار ہزار تھی اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے بطور ناز یہ لفظ نکلا کہ آج ہماری تعداد بہت بڑی ہے ہم کسی سے مغلوب ہونے والے نہیں۔ بارگاہ خداوندی میں یہ ناز پسند نہ آیا کہ بجائے ہماری رحمت اور عنایت کے اپنی قوت اور کثرت پر کیوں نظر کی چنانچہ جب مقابلہ شروع ہوا تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اور سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مخصوص رفقاء کے بہت سے لوگ میدان جنگ سے منتشر ہوگئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو آوازدیں چنانچہ آواز سنتے ہی مسلمان دوڑ پڑے اور ناز سے تائب ہو کر نیاز کی طرف آئے اور اللہ کے رسول ؐ کے گرد جمع ہوگئے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی مدد پہنچی آسمان سے مدد کے لیے فرشتے نازل کیے اور اپنی رحمت سے مسلمانوں کی شکست کو فتح سے بدل دیا بے شمار کافر مارے گئے اور چھ ہزار بچے اور عورتیں قید ہو کر آئے اور بیس ہزار اونٹ اور چار ہزار اوقیہ چاندی اور چالیس ہزار سے زائد بکریاں لوٹ میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں جس سے سب پر واضح ہوگیا کہ لشکر عظیم میں سے بعض افراد کا بھی اپنی قوت اور کثرت پر نظر کرنا کس قدر ضرر رساں ہے۔

یک لحظہ نکوئے یار دوری   در مذہب عاشقاں حرام است

نکتہ مکہ مکرمہ اگرچہ قہراً فتح ہوا مگر وہاں سے ادب اور احترام کی بنا پر کوئی چیز غنیمت میں نہیں لی گئی حق جل شانہ نے غنائم حنین سے اس کی تکمیل فرمادی کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دل میں ایسا جوش و خروش پیدا فرما دیا کہ وہ اسلام کی دشمنی میں اپنے تمام اہل و عیال اور تمام اموال اور مویشیوں کو لے کر میدان میں آگئے جو بعد میں سب مسلمانوں کے لیے غنیمت بنے اللہ کے رسول ؐ نے انکے بچوں اور عورتوں کو تو واپس کردیا۔ اور اموال اور مویشیوں کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں (اے مسلمانو) تحقیق اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد کی اکثر و بیشتر مواضع میں تم کو دشمنوں پر غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی تمہاری مدد کی جس کا قصہ عجیب و غریب ہے۔ حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ فتح مکہ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی کہ کفار ہوازن و ثقیف لڑائی کے لیے مقام حنین میں جمع ہوئے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف متوجہ ہوئے دس ہزار مہاجرین و انصار، مدینہ منورہ سے آپ کے ساتھ تھے اور دو ہزار مکہ

کے نومسلم آپ کے ساتھ اور مل گئے اس طرح بارہ ہزار کی جمعیت لے کر ان کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے اور کفار کے لشکر کی تعداد چار ہزار تھی اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ لفظ نکلا۔ لَنْ نُّغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ آج ہم قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے یہ لفظ حق تعالیٰ کو پسند نہ آیا کہ اپنی کثرت پر نظر کی اور خدا تعالیٰ کی نصرت اور اعانت پر نظر نہ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے پہلی بار مسلمانوں کو شکست دی تاکہ متنبہ ہو جائیں کہ فتح کا دارومدار تمہاری قوت اور کثرت پر نہیں بلکہ اللہ کی تائید اور نصرت پر ہے چنانچہ مسلمانوں کو اپنی لغزش پر تنبیہ ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے تائید غیبی سے شکست کو فتح سے بدل دیا۔ غرض یہ کہ حق تعالیٰ نے جنگِ حنین میں عجیب طریقہ سے مدد کی جب کہ لشکر کی کثرت نے تم کو غرّہ میں ڈال دیا۔ اور تم اترا کر یہ کہنے لگے کہ آج ہم کفار سے مغلوب نہ ہوں گے تو تم شکست کھا گئے اور لشکر کی کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور باوجود کثرت کے دشمن کے حملہ کو نہ روک سکے اور کافروں کی تیراندازی سے سراسیمہ اور پریشان ہو کر تتر بتر ہو گئے اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم کافروں کے مقابلہ میں پشت پھیر کر بھاگے یہ نتیجہ تو اپنی طاقت اور کثرت پر نظر کرنے کا ہوا جو ابتداءً تم نے دیکھا پھر اس شکست کے بعد جب تم متنبہ ہو گئے تو تمہارا یہ اعجاب زائل ہو گیا اور بجائے اپنی کثرت کے تم نے خدا تعالیٰ کی نصرت اور اعانت پر نظر کی تو اس کا نتیجہ اسی وقت پردۂ غیب سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر اپنی خاص الخاص رحمت اور سکینت نازل فرمائی جس سے مسلمانوں کے دلوں کو تسکین ہوئی اور پریشانی کافور ہوئی اور سکون اور اطمینان نصیب ہوا اور اسی وقت تمہاری مدد کے لیے بہت سی فوجیں آسمان سے اتاریں جن کو تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے تھے مگر ان کے آثار اور انوار کو دل میں اور ظاہر میں محسوس کرتے تھے۔

ف صحیح قول یہ ہے کہ جنگ حنین میں فرشتوں کا لشکر نازل تو ہوا مگر اس لشکر نے جنگ بدر کی طرح قتال نہیں کیا صرف مسلمانوں کے دلوں کی تقویت اور تسکین کے لیے نازل ہوا۔

اے مسلمانو اس لشکر کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم کو فتح اور غلبہ عطا کیا۔ اور کافروں کو سزا دی۔ کہ وہ قتل اور گرفتار ہوئے اور کافروں کی دنیا میں یہی سزا ہے پھر اس سزا کے بعد اللہ جس پر چاہے گا توجہ عنایت فرمائے گا۔ یعنی اس کو اسلام کی توفیق بخشے گا چنانچہ ہوازن اور ثقیف کے بہت سے کافر تائب ہو کر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوتے۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے کل قیدی احسان رکھ کر چھوڑ دیئے اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے کہ توبہ کے بعد مؤاخذہ نہیں کرتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا

اے ایمان والو! مشرک جو ہیں سو پلید ہیں سو

يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ

نزدیک نہ آویں مسجد الحرام کے اس برس کے بعد۔ اور اگر

خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ

تم ڈرتے ہو فقر سے تو آگے غنی کرے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے

اِنْ شَاۗءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اگر چاہے۔ اللہ ہے سب جانتا حکمت والا۔

تتمۂ اعلانِ براءت وتسلیۂ اہلِ ایمان

قال اللہ تعالیٰ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔

(ربط) شروع سورت میں اعلان براءت کا ذکر تھا اب اسی اعلان کا ایک تتمہ ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ ایک سال کے اندر مشرکین حدود حرم سے باہر نکل جائیں تاکہ حرم کی پاک زمین مشرکین کے ناپاک وجود سے پاک ہو جائے کیونکہ مشرک نجس ہیں اس ایک سال گزر جانے کے بعد مشرکین کو حج اور خانہ کعبہ کے طواف کی اجازت نہیں۔ اعلان براءت میں چار ماہ کی مہلت دی تھی اور مسجد حرام کے داخلہ کے لیے ایک سال کی مہلت دی۔

اس حکم سے مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ جب حرم میں مشرکین کی آمد ورفت بند ہو جائے گی تو اس سے تجارت کو نقصان پہنچے گا اور باہر سے جو لوگ سامان تجارت لاتے تھے وہ نہیں آئیں گے اس لیے مسلمانوں کی تسلی کر دی گئی کہ تم گھبراؤ نہیں اللہ تم کو دوسرے طریقوں سے غنیٰ اور مالداری عطا کرے گا۔ دولت وثروت سب اسی کی مشیت پر موقوف ہے۔ فقر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اگر حرم میں مشرک تاجروں کی آمد ورفت موقوف ہو جائے تو عرب اور عجم سب اسلام کا باج گزار بن جائیگا اور سب جگہ مسلمانوں کا کاروبار جاری ہو جائیگا۔ اور کافروں سے اتنا جزیہ اور خراج مل جائیگا جو تجارتی منافع سے ہزاروں بلکہ لاکھوں گونہ زیادہ ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو۔ جز این نیست کہ مشرک لوگ ناپاک اور پلید ہیں جہاں تک

ممکن ہو اس گندگی اور پلیدی کے اختلاط سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ ایمان بلاشبہ عطر اور مشک ہے لیکن اگر گندگی اور نجاست کے ساتھ عطر کا اختلاط ہو جائے تو کچھ دیر کے بعد وہ عطر عطر نہ رہے گا۔ وہ بھی گندہ اور بدبودار ہو جائے گا۔ پس جب کہ کفار سرتاپا نجاست ہیں تو حکم دیا جاتا ہے کہ یہ ناپاک لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں یعنی حدود حرم میں داخل نہ ہوں یہ خطہ نہایت مطہر اور معطر ہے کفر اور شرک کی نجاستوں سے اس کی تطہیر واجب ہے نیز اس مبارک خطہ میں ہر وقت ملائکۃ اللہ کا نزول اور ورود ہوتا رہتا ہے۔ جن کو کفر اور شرک کی نجاست اور اس کی عفونت اور بدبو سے تکلیف ہوتی ہے نیز اس خطہ میں ہر وقت طواف کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ مشرکین کی حاضری سے اندیشہ ہے کہ ان کی باطنی نجاست اور اندرونی ظلمت کا اثر اہل ایمان کے انوار کو مکدر اور متغیر نہ کر دے صحبت اور اختلاط کا اثر ناقابل انکار ہے۔ جس طرح گلاب اور پیشاب کی طرف دیکھنے کے احکام اور آثار مختلف ہیں اسی طرح ابوبکرؓ و عمرؓ اور ابوجہل اور ابولہب کی طرف دیکھنے کے احکام اور آثار بھی مختلف ہیں۔

حکماء نے لکھا ہے کہ نجاست کی طرف نظر کرنا ضعف بصر کا سبب ہے اسی طرح یہ ناچیز کہتا ہے کہ کفر اور شرک کی نجاست کی طرف نظر کرنا ضعف بصیرت کا سبب ہے اور اسی پر تمام اولیاء و عارفین کا اجماع ہے اور کتاب و سنت کے نصوص میں جو کافر اور فاسق کی صحبت اور مجالست کی ممانعت آئی ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔

جمہور علماء اسلام اور ائمہ اربعہ یہ کہتے ہیں کہ آیت میں نجاست سے اعتقادی نجاست مراد ہے اور بعض صحابہ و تابعین سے یہ مروی ہے کہ نجاست سے نجاست حسیہ اور ظاہر یہ مراد ہے اور کفار اور مشرکین کلب اور خنزیر کی طرح نجس العین ہیں جو مشرک کو چھوے اس پر وضو لازم ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من صافح مشرکاً فلیتوضاء (اخرجہ ابوالشیخ وابن مردویہ)

جیسے حدیث میں مس ذکر سے وضو کا حکم آیا ہے اسی طرح مس کافر سے وضو کے حکم کو سمجھو۔

واخرج ابن مردویہ عن هشام بن عروة عن ابیه عن جده قال استقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم جبریل علیه السلام فناوله یده فابی ان یتناولها فقال یا جبریل ما منعك ان تاخذ بیدی قال	ہشام اپنے باپ عروۃ بن الزبیر سے اور عروۃ حضرت زبیرؓ سے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبریل امینؑ سے ملاقات ہو گئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ جبریل امین نے ہاتھ بڑھانے سے انکار کیا اور عذر یہ کیا کہ اسی راستہ میں

انك اخذت بيد يهودي فكرهت ان تمس يدي يدا قد مسها يد كافر فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بماء فتوضأ فناوله يده فتناولها۔ (تفسیر درمنثور، صفحہ ۲۲۷، ۳ج) اور دیکھو تفسیر روح المعانی صفحہ ۶۸)

آپ نے ایک یہودی سے ہاتھ ملایا ہے اس لیے میں نے ناپسند کیا کہ اس ہاتھ سے ہاتھ ملاؤں جو کافر کے ہاتھ کو مس کر چکا ہے آپ نے اسی وقت وضو کے لیے پانی منگایا اور وضو کر کے جبریل امین کی طرف ہاتھ بڑھایا جبریل امین نے فوراً مصافحہ کر لیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں ایک نجاست حسیہ اور جسمانیہ جیسے بول و براز اور گوبر بینگنی اور دوسری قسم نجاست معنویہ و روحانیہ جیسے کذب اور غیبت اور نمیمت کی نجاست جو عقل اور حس کے ذریعے سے نہیں معلوم ہو سکتی البتہ جب ملائکہ کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے اور ان کی مصاحبت کا اتفاق ہوتا ہے تب کفر اور شرک اور اخلاق ذمیمہ کی نجاست منکشف ہوتی ہے۔ فقہائے کرام نے کتب فقہ میں نجاست جسمانیہ کے احکام بیان کیے اور اولیاء و عارفین نے نجاست معنویہ و روحانیہ کے احکام بیان کیے۔ وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہر قسم کی نجاست سے اجتناب کرے اور اے اہل مکہ اگر تم کو کافروں کے داخلۂ حرم کی ممانعت سے محتاجی اور تنگدستی کا اندیشہ ہو تو تم کو اس اندیشہ کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی اور دولت مند کر دے گا۔ بیشک اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

اہل مکہ کی گذران معاش تجارت پر تھی۔ دوسرے ملکوں سے مشرکین۔ مکہ میں غلہ لاتے تھے۔ جب مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ مشرکین کو حدود حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے تو مسلمانوں کو یہ خوف ہوا کہ تجارت کے بند ہو جانے سے ہم تنگدست ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی فرما دی کہ تم تنگدستی سے نہ ڈرو اللہ تم کو دولت مند بنا دے گا۔ چنانچہ اہل جدہ اور اہل صنعاء اور اہل جرش سب مسلمان ہو گئے اور غلہ اور قسم قسم کا مال تجارت لانے لگے۔ اور اس کے علاوہ کافروں سے جو جزیہ اور خراج اور فیئ کا مال ملا وہ بھی غنا کا سبب بنا۔

مسئلہ جمہور علماء کے نزدیک کفار کا مسجد میں آنا ممنوع ہے۔ مگر امام اعظمؒ کے نزدیک بطور غلبہ اور تسلط یا بطور اعزاز و اکرام مشرک کا مسجد میں آنا جائز نہیں۔ البتہ مسلمان کا کوئی غلام یا خادم یا کوئی ذمی کسی مسلمان کی اجازت سے ادب اور احترام کے ساتھ مسجد میں کسی ضرورت کی وجہ سے آ جائے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ باقی کسی کافر اور مشرک کو بطور اعزاز و اکرام مسجد میں مدعو کرنا اور اس کافر سے مسجد کے منبر پر تقریر کرانا یہ بلا شبہ حرام ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ

لڑو ان لوگوں سے جو یقین نہیں رکھتے اللہ پر نہ پچھلے دن

الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا

پر نہ حرام جانیں جو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے

يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ

اور نہ قبول کریں دین سچا وہ جو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ

کتاب والے ہیں جب تک دیں جزیہ سب ایک ہاتھ سے

وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع

اور وہ بے قدر ہوں۔

قال اللہ تعالٰی۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ الٰی ... وَهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ رکوعات وآیات میں براءت اور فتح مکہ وحنین کا ذکر تھا جن میں یہ حکم تھا کہ مشرکین سے لڑو اور اُن کو ملک سے باہر نکال دو اور جزیرۃ العرب کو مشرکین کے وجود سے بالکل پاک کردو۔ تاکہ جزیرۃ العرب میں سوائے مسلمان کے کوئی باقی نہ رہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں ہوسکتے خلاصہ یہ کہ گزشتہ رکوعات اور آیات میں مشرکین سے جہاد وقتال کا بیان تھا اب ان آیات میں اہل کتاب (یہود ونصارٰی) سے جہاد وقتال کا حکم ہے کہ یہ بھی دین حق کے منکر ہیں اور اللہ کو اور آخرت کو جیسا چاہیے ویسا نہیں مانتے اور ان کا وجود اسلام کی ترقی اور اشاعت میں حائل ہے اس لیے مشرکین کی طرح ان سے جہاد وقتال ضروری ہے یہاں تک کہ یہ لوگ مسلمانوں کی ماتحت رعیت بن کر ذلت کے ساتھ رہنا اور جزیہ دینا قبول کریں تو پھر اسلامی حکومت میں رہ سکتے ہیں بشرطیکہ ادنٰی اور اعلٰی سب ذلیل ہوکر جزیہ دیا کریں۔ باقی

عرب کے مشرکوں سے جزیہ ہرگز قبول نہیں ۔ مشرکین عرب کے لیے صرف دو ہی راہیں ہیں اسلام یا سیف (تلوار) اسی سورت میں مشرکین عرب کے قتل کا حکم تو آیا ہے۔ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ لیکن مشرکین عرب کے لیے جزیہ کا حکم نہیں آیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۱۱۲ ج ۸)

اور یہ آیات درحقیقت غزوۂ تبوک کی تمہید ہیں جس میں اہل کتاب سے مقابلہ تھا جیسا کہ تفسیر درمنثور میں مجاہدؒ سے منقول ہے کہ ان آیات کا نزول غزوۂ تبوک کے بارہ میں ہوا۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کے جہاد و قتال سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالےٰ نے آپ کو اہل کتاب سے جہاد کا حکم دیا حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب سے جہاد و قتال کیا اور ان سے سوائے اسلام کے کسی اور چیز کو قبول نہیں کیا اس کے بعد اہل کتاب سے جہاد کا حکم دیا اور ان سے جزیہ بھی قبول فرمایا اور سب سے پہلے اہل نجران نے جزیہ دینا قبول کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں (اے مسلمانو) اُن لوگوں سے جنگ کرو کہ جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روزِ آخرت پر اور نہیں حرام جانتے ہیں اس چیز کو کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے یعنی جس کی حرمت کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اور نہ دین حق یعنی دین اسلام کو قبول کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جن کو کتاب توریت اور انجیل دی گئی ان سے قتال کرو مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اہل کتاب اور اہل علم ہیں انبیاء سابقینؑ کی بشارتوں اور وصیتوں سے باخبر ہیں حق ان پر واضح ہو چکا ہے یہ لوگ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں مگر عناد کی وجہ سے حق کو چھپاتے ہیں ان پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے اس لیے اے مسلمانو تم ان سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں درآنحالیکہ وہ ذلیل اور خوار ہوں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صغار (ذلت) سے مراد حکم اسلام کا التزام ہے یعنی اسلامی حکومت کی رعایا بن کر رہنا اور جزیہ دینا منظور کر لینا بھی صغار اور ذلت ہے اور عن ید (اپنے ہاتھ سے دینے) کے معنی یہ ہیں کہ بزور حکومت و طاقت ان سے لیا جائے جیسے آج کل ٹیکس لیا جاتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ وہ جزیہ بخوشی اور طیب خاطر بلا جبر و اکراہ ادا کریں۔ اور اگر جزیہ لینے میں جبر و اکراہ یعنی زبردستی کی نوبت آئے تو پھر عقد ذمہ باقی نہ رہے گا یا یہ معنی ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں کسی وکیل کی معرفت نہ بھیجیں

علہ اصل عبارت یہ ہے قال ابن الجوزی فی قولہ عن ید خمسۃ اقول۔ (احدھا) عن قھر وذل قالہ الزجاجؒ (والثانی) انہ النقد العاجل قالہ شریک وعثمان بن مقسم (والثالث) ان المعنی عن اعتراف للمسلمین بان ایدیھم فوق ایدیھم (والرابع) عن انعام علیھم بذلک لان قبول الجزیۃ انعام علیھم حکاھما الزجاج (والخامس) یؤدونھا بایدیھم ولا ینفذونھا مع رسلھم ذکرہ الماوردی (زاد المسیر صفحہ ۴۲۲ ج ۳)

یا یہ معنی ہیں کہ جزیہ ایک طرح کا انعام ہے کہ تم کو قتل نہیں کیا گیا اور زندہ چھوڑ دیا گیا ورنہ تم مستحق قتل کے تھے یا یہ معنی ہیں کہ نقد ادا کریں نہ کہ ادھار وغیرہ وغیرہ یہ تمام اقوال تفصیل کے ساتھ کتب تفسیر میں مذکور ہیں وہاں دیکھ لیے جائیں اور محدث ابن جوزیؒ نے اپنی تفسیر زاد المسیر ص۴۲ ج۳ میں اختصار کے ساتھ ان اقوال کو ذکر کیا ہے۔

جزیہ و خراج | جزیہ اس مال اور محصول کو کہتے ہیں جو کافروں کے نفوس اور ان کی ذوات پر لگایا جائے اور خراج اس محصول کو کہتے ہیں کہ جو کفار کی زمینوں پر لگایا جائے۔ یہ لفظ جزا سے مشتق ہے۔ یعنی جزیہ قتل کی جزاء اور اس کا بدلہ ہے کہ تم مستحق تو قتل کے تھے۔ لیکن تمہارے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ تمہاری جان بخشی کر دی گئی اور دار الاسلام میں تم کو امن کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی نہ تم کو قتل کیا گیا اور نہ تم کو غلام بنایا گیا جیسے دیت سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جزیہ سے قتل اور استرقاق ساقط ہو جاتا ہے (دیکھو روح المعانی[علہ] ص۷۲ ج۱۰) علاوہ ازیں اسلام نے تمہارے ساتھ دوسرا احسان یہ کیا کہ مسلمانوں کی طرح تمہارے جان و مال و عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لی تاکہ مسلمانوں کی طرح امن اور حفاظت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔

شریعت نے جان و مال کی حفاظت میں مسلم اور غیر مسلم سب کو برابر رکھا نیز اس امن کی زندگی سے غیر مسلموں کو یہ فائدہ ہوگا کہ مسلمانوں میں رہ کر اُن کو اسلام کے احکام اور محاسن کا علم ہوگا اور حق و باطل کا فرق ان پر واضح ہو سکے گا۔ پس اگر وہ دین حق کو قبول کرنا چاہیں گے تو قبول کر سکیں گے اور اسلامی حکومت وہ حکومت ہے کہ جس کا دستور اور قانون اسلام اور شریعت ہو اور قانون اسلام کو بالادستی اور برتری حاصل ہو۔

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ جزیہ قتل کی جزاء اور اس کا فدیہ ہے حفاظت جان اور امن کا بدلہ اور فدیہ نہیں اس لیے کہ جزیہ صرف آزاد عاقل مردوں پر واجب ہوتا ہے جو لڑنے اور جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں عورت اور بچے اور مجنون اور غلام اور راہب اور معذور پر جزیہ نہیں حالانکہ حفاظت ان کی بھی کی جاتی ہے۔ اور باوجود کفر کے ان پر کوئی جزیہ نہیں اسلام میں جزیہ صرف ان لوگوں سے لیا جاتا ہے جو مستحق قتل کے تھے معلوم ہوا کہ جزیہ قتل کا بدلہ اور اس کا فدیہ ہے نہ کہ امن اور حفاظت کا عوض اور بدل ہے چنانچہ فقہاء کرام لکھتے ہیں ھی لغۃً الجزاء لانہا جزت عن القتل کذا فی الدر المختار۔

مسئلہ | امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اور بت پرستوں سے جزیہ لینا جائز

علہ قال الاتقانی ان الجزیۃ لیست بدلا عن تقریر الکفر وانما ھی عوض عن القتل والاسترقاق الواجبین فجازت کاسقاط القصاص بعوض اوھی عقوبۃ علی الکفر کالاسترقاق۔ اھ (روح المعانی ص۷۲ ج۱۰)

ہے مگر خاص عرب کے بت پرستوں سے جزیہ قبول نہیں کیا جاسکتا مشرکین عرب کے لیے صرف دو راہیں ہیں قتل یا اسلام۔ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ سرزمین عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے اس لیے وہاں جزیہ لے کر بت پرستی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ عرب کے مشرکوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا وہ یا تو اسلام قبول کریں یا ملک چھوڑ دیں البتہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لینا جائز ہے قرآن کریم میں مشرکین عرب کے متعلق تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ آیا ہے یعنی ان کے حق میں قتل ہے یا اسلام۔ نیز عرب میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا ظہور ہوا اور دلائل نبوت اور براہین رسالت حد اعجاز کو پہنچ گئے اس لیے وہاں اللہ کی حجت پوری ہوگئی نیز عرب آپؐ کی قوم ہے آپؐ کی نسبت سے ان کو خاص عزت اور شرف حاصل ہوا لہٰذا آپؐ کی قوم پر جزیہ کی ذلت قائم نہیں کی جاسکتی۔

نیز سرزمین عرب مرکز اسلام ہے اور قلب اسلام ہے اس سرزمین میں کسی طرح بھی بت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔

نیز آپؐ کی زندگی میں تمام قبائل عرب مسلمان ہوچکے تھے پھر اگر بت پرستی ہوسکتی ہے تو صرف ارتداد سے ہوسکتی ہے اور مرتد با تفاق ائمہ دین جزیہ دے کر قتل سے نہیں بچ سکتا۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ

اور یہود نے کہا، عزیر بیٹا اللہ کا اور نصاریٰ

النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ

نے کہا مسیح بیٹا اللہ کا۔ یہ باتیں کہتے ہیں

بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اپنے منہ سے ریس کرنے لگے اگلے منکروں

مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰

کی بات کی، مار ڈالے ان کو اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ

ٹھہرائے ہیں اپنے عالم اور درویش خدا اللہ کو چھوڑ کر

اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا

اور مسیح بیٹا مریم کا، اور حکم یہی ہوا تھا کہ

لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ

بندگی کریں ایک صاحب کی کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، وہ پاک ہے

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ

ان کے شریک بنانے سے ۔ چاہیں کہ بجھا دیں روشنی اللہ کی اپنے منہ

بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ

سے، اور اللہ نہ رہے بن پوری کیے اپنی روشنی اور

كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

پڑے برا مانیں منکر ۔ اسی نے بھیجا اپنا رسول ہدایت دے کر

وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ

اور دین سچا تا اس کو اوپر کرے ہر دین سے اور پڑے برا

الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

مانیں مشرک ۔

اہلِ کتاب کے فضائح اور قبائح کا بیان

قال اللہ تعالیٰ۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ .... الیٰ .... وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں مشرکین کے قبائح کا بیان ہوا اب اہلِ کتاب کے قبائح اور فضائح اور ان کے عقائد باطلہ اور افعال شرکیہ کو بیان کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین کی طرح اہلِ کتاب بھی دینِ حق کے مطیع اور فرماںبردار نہیں اور ان کی طرح یہ بھی مستوجب قتل و قتال ہیں اس لیے اب آئندہ آیات میں اہلِ کتاب کے عقائد باطلہ اور ان کے کفریات قولیہ

نعلیہ اور جہالت عملیہ کی کسی قدر تفصیل کرتے ہیں تاکہ گزشتہ آیت میں جو اہل کتاب کے متعلق لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اور وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ فرمایا تھا اس کی کسی قدر تفصیل ہو جائے۔ اور معلوم ہو جائے کہ اہل کتاب کے متعلق جو قتال اور جزیہ کا حکم دیا گیا اس کی وجہ ان کے یہ اعمال کفریہ ہیں۔ اول یہود سے شروع فرمایا کہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے یہ عقیدہ یہود کے تمام فرقوں کا نہیں بلکہ اُن میں کے ایک خاص فرقہ کا ہے جو بقول بعض علماء مدینہ کے بعض یہود یعنی یہود بنی قریظہ تھے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ شام کے بعض یہودی بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے اس سرزنش اور توبیخ کا مخاطب یہی فرقہ ہے جیسا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سلام بن مشکم اور نعمان بن اوفی اور ابوانس اور شاس بن قیس نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا۔

کیف نتبعك وقد ترکت قبلتنا وانت لا تزعم ان عزیرا ابن اللہ. رواہ ابن اسحاق وابن جریر (تفسیر درمنثور ص ۲۲۹ ج ۳)	ہم کیسے آپؐ کی پیروی کریں درانحالیکہ آپؐ نے قبلہ (بیت المقدس) چھوڑ دیا اور آپؐ حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ (ابن اسحاق وابن جریر نے روایت کیا)

اور دیکھو تفسیر کبیر ص ۴۲۰ ج ۴

اس سے معلوم ہوا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود مدینہ میں رہتے تھے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عزیرؑ خدا کے بیٹے تھے اس آیت کا نزول اس خاص فرقہ کے بارے میں ہوا جن کا یہ عقیدہ تھا. ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ اس عقیدہ کی ایک جماعت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھی (دیکھو زاد المسیر ص ۴۲۴ ج ۳۔)

امام ابوبکر رازیؒ احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہود میں کا ایک خاص فرقہ اس کا قائل تھا کہ حضرت عزیرؑ خدا کے بیٹے ہیں تمام یہودی اس کے قائل نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہود کی ایک خاص جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جن میں سلام بن مشکم اور نعمان بن اوفی اور شاس بن قیس اور مالک بن صیف تھے ان لوگوں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عزیرؑ کے متعلق یہ کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اب اس فرقہ کا کوئی وجود نہیں اور ہمارے علم میں اب کوئی اس کا قائل نہیں واللہ اعلم دیکھو احکام القرآن[علہ] للامام الجصاص ص ۱۰۳ ج ۳)

علہ قولہ تعالیٰ وقالت الیہود عزیر ابن اللہ قیل ارادبہ فرقۃ من الیہود قالت ذٰلک والدلیل علی ذلک ان الیہود قد سمعت ذالک فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم تنکرہ والمراد فرقۃ منہم لاجمیعہم کقولک جاءنی بنو تمیم والمراد بعضہم قال ابن عباس قال ذالک جماعۃ من الیہود جاؤا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا ذٰلک وہم سلام بن مشکم و نعمان بن اوفی وشاس بن قیس ومالک بن الصیف فانزل اللہ تعالیٰ ہذہ الاٰیۃ ولیس فی الیہود من یقول ذٰلک الاٰن فیما نعلم وانما کانت فرقۃ منہم قالت ذٰلک فانقرضت (کذا فی احکام القرآن ص ۱۰۳ ج ۳)

غرض یہ کہ حق جل شانہٗ نے اس آیت میں اوّل یہود کے اس خاص فرقہ کا ذکر کیا جو حضرت عزیرؑ کو خدا تعالیٰ کا فرزند کہتے تھے بعد ازاں نصاریٰ کا حال بیان کیا جو حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ یہود اور نصاریٰ اس عقیدہ میں مشرکین کے ہم نوا ہیں جو ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں بتلاتے تھے۔

پھر یہود و نصاریٰ نے فقط حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کے خدا بنانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے احبار اور رہبان کو بھی خدا بنا لیا بایں صورت کہ ان کے احبار و رہبان جو فتویٰ دیتے وہ اس کو حکم الٰہی کے برابر مانتے اور ان کے احکام کو شریعت الٰہیہ کے احکام کا بدل سمجھتے احبار اور رہبان کو رب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے قول کو اپنا دین اور ایمان سمجھے کہ جو وہ کہیں مان لیں اور جس چیز سے منع کریں اسے چھوڑ دیں پس اس قسم کے جرائم کی بناء پر حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان لوگوں سے جہاد و قتال کرو یہاں تک کہ یہ لوگ ذلت و خواری کے ساتھ جزیہ دینا قبول کریں۔

(پہلا جرم) ان لوگوں کا یہ ہے کہ دین الٰہی کے مطیع اور فرمانبردار نہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے۔

(دوم) یہ کہ یہود نے حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ یہود اور نصاریٰ اگرچہ اللہ پر ایمان لانے کے مدعی ہیں مگر فقدان توحید کی وجہ سے وہ ایمان کالعدم قرار دیا گیا۔

(سوم) یہ کہ اپنے احبار و رہبان کو حلال و حرام کا مختارِ مطلق قرار دیا اور ان کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح واجب الاتباع سمجھا بجائے دین حق کے اتباع کے احبار و رہبان کے اتباع کو مدارِ نجات جانا اور نصاریٰ نے بہت سے محرمات کو محض پولس کے مباح کر دینے سے حلال مان لیا۔ حالانکہ توریت میں ان چیزوں کی حرمت صراحۃً موجود ہے اور آج کل کے نصاریٰ کا تو حال ہی نہ پوچھو ان لوگوں نے تو شراب اور زنا سب کو حلال کر لیا جو تمام شریعتوں میں حرام تھا۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے اپنے احبار و رہبان کو حق تشریع عطا کیا۔ اور ان کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح واجب الاطاعت سمجھا۔ اور ظاہر ہے کہ تشریع احکام اور تحلیل و تحریم صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا اور ائمۂ دین جو فتوی دیتے ہیں وہ کتاب و سنت سے استنباط کر کے دیتے ہیں ان کا اتباع درحقیقت خدا اور رسول کا اتباع ہے ائمۂ دین وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا کا مصداق ہیں اس لیے ان کا اتباع کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اہل کتاب بھی شرک میں مشرکین کے مشابہ ہیں اگرچہ شرک کا طریقہ مختلف ہے مشرکین بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور یہ لوگ حضرت مسیحؑ کی پرستش کرتے ہیں۔ شرک میں دونوں شریک ہیں بلکہ ایک اعتبار سے عابد مسیح۔ عابد صنم سے شرک میں بڑھ کر ہے اس لیے کہ عابد مسیح کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ معاذ اللہ۔ مسیح بن مریم میں حلول کر آیا ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرح مسیح بھی خالق عالم اور مدبر عالم ہے اور مشرکین کا اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ نہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۲۰ ج ۴)

تفسیر اور چونکہ اہل کتاب نے دین حق کو قبول نہیں کیا۔ اس لیے یہود نے تو یہ کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے یہ کہا کہ عیسےٰ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ اُن کی منہ کی باتیں ہیں۔ محض ان کی زبانوں سے نکلی ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت اور اصلیت ہے اور نہ کوئی سند ہے اور نہ کوئی دلیل ہے کما قال تعالےٰ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ۔ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ۔ وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔

ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام یہود اس کے قائل ہیں کہ حضرت عزیرؑ خدا کے بیٹے تھے۔ سو جاننا چاہیئے کہ ظاہری عموم مراد نہیں بلکہ ایک خاص فرقہ مراد ہے جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھا اور مدینہ میں رہتا تھا انہوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ بات کہی تھی جس پر یہ آیت اُتری اور یہود کو پڑھ کر سُنائی گئی مگر کسی نے اس آیت کو سُن کر انکار نہیں کیا اور نہ اس کی تکذیب کی حالانکہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بات میں تکذیب کرتے تھے اور آپؐ کے سخت دشمن تھے۔ اگر عہد نبوی میں یہود کا کوئی فرقہ اس کا قائل نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ یہود اس وقت قرآن کی تکذیب اور تغلیط کرتے یہ کیسے ممکن ہے کہ دشمن طعنہ چین کی طرف ایک غلط عقیدہ منسوب کیا جائے اور وہ سُن کر خاموش بیٹھا رہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہ کرے ہاں یہ ممکن ہے کہ بعد میں یہودیوں نے اس عقیدہ کو غلط سمجھ کر چھوڑ دیا ہو مگر قرآن میں اس عقیدہ کا درج ہونا اور ایک عرصہ دراز تک کسی یہودی کا اس پر اعتراض نہ کرنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ یہود متقدمین میں یہ عقیدہ رائج تھا گو فی الحال کوئی یہودی اس کا قائل نہ رہا ہو لہٰذا کسی کا قرآن کریم کی اس حکایت پر یہ اعتراض کرنا کہ یہودیوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں یہ اعتراض غلط ہے جس وقت قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اس وقت اس عقیدہ کے لوگ مدینہ میں موجود تھے جیساکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اور علی ہذا نصاریٰ کا یہ کہنا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ بھی نصاریٰ کے ایک گروہ کا قول ہے سب کا نہیں مگر عام طور پر نصاریٰ میں یہ عقیدہ رائج ہے اس لیے اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔

عقیدہ ابنیت کا آغاز کیسے ہوا

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے رفع الی السماء کے بعد اکیاسی سال تک عیسائی۔ دین حق پر قائم رہے بعد میں ان میں اور یہود میں لڑائی چھڑ گئی یہودیوں میں ایک شخص

جس کا نام بولس (پولوس) تھا بڑا شجاع تھا اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کی ایک جماعت کو قتل کیا اور چونکہ وہ عیسائیوں کا سخت دشمن تھا اس لیے اس نے انکے گمراہ کرنے کی ایک تدبیر نکالی وہ یہ کہ ایک روز یہودیوں سے یہ کہا کہ اگر بالفرض عیسےٰ (علیہ السلام) حق پر ہوں تو ہمارے کافر اور دوزخی ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور اگر عیسائی جنت میں گئے اور ہم دوزخ میں گئے تو ہم بڑے گھاٹے میں رہے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی حیلہ سے ان کو گمراہ کروں تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں جائیں۔ یہود کو یہ سمجھا کر اپنے اس گھوڑے پر سوار ہوا جس پر سوار ہوکر عیسائیوں سے جنگ کیا کرتا تھا۔ پھر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے سر پر مٹی ڈالی اور اپنے اس فعل سے ندامت اور توبہ ظاہر کرتا ہوا نصاریٰ کے مجمع میں آیا انہوں نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا میں تمہارا دشمن پولوس ہوں مجھ کو آسمان سے یہ ندا آئی ہے کہ تیری توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک تو نصرانی نہیں ہوگا اس لیے میں یہودیت سے تائب ہوکر تمہارے پاس آیا ہوں انہوں نے اس کو کلیسا میں داخل کر کے نصرانی بنا لیا اور اس کو ایک حجرے میں جگہ دے دی سال بھر تک وہ وہاں رہا اور اس عرصہ میں اس نے انجیل کی تعلیم حاصل کی ایک سال کے بعد اس نے کہا کہ مجھے آسمان سے یہ ندا دی گئی ہے کہ اللہ نے تیری توبہ قبول کی۔ نصاریٰ نے اس کے اس قول کی تصدیق کی اور ان کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی اور ان کی نظروں میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہوگیا۔ جب نصاریٰ میں اس کی شان بڑھ گئی تو بیت المقدس چلا گیا اور وہاں جاکر مخفی طور پر اپنی تعلیم کے لیے تین آدمیوں کو منتخب کیا۔ ایک کا نام نسطور دوسرے کا نام یعقوب اور تیسرے کا نام ملکان تھا ان تینوں کو اپنا شاگرد بنایا۔ نسطور کو یہ تعلیم دی کہ عیسےٰ اور مریم اور خدا یہ تین خدا ہیں اور یعقوب کو یہ سکھایا کہ عیسےٰ انسان نہیں تھا بلکہ وہ خدا کا بیٹا تھا اور ملکان کو یہ پڑھایا کہ عیسےٰ بعینہٖ اللہ ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جب یہ تعلیم ان کے دلوں میں گھر کر گئی تو اس نے ان میں سے ہر ایک کو خلوت میں بلایا اور کہا کہ تو میرا خاص اور معتمد رفیق ہے فلاں ملک میں چلا جا اور وہاں جاکر لوگوں کو یہ تعلیم دے اور انجیل کی طرف لوگوں کو بلا۔ پھر اس نے لوگوں کو بلا کر یہ کہا کہ میں نے خواب میں عیسےٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے وہ مجھ سے راضی ہوگئے ہیں اور اب میں عیسےٰ کے نام پر اپنی جان قربان کروں گا پھر وہ مذبح میں گیا اور اپنے آپ کو ذبح کر لیا پھر اس کے تینوں شاگرد ملک میں متفرق ہوگئے ایک روم میں پہنچا دوسرا بیت المقدس اور تیسرا کسی اور ملک میں اور ان میں سے ہر ایک نے لوگوں کو اس عقیدہ کی طرف بلایا جو پولوس نے اس کو تعلیم دی تھی۔ اور لوگوں نے ان کا اتباع کیا اس طرح عیسائیوں میں تین فرقے ہوگئے (تفسیر کبیر ص۳۱ ج۴)

اہل کتاب اس قول کے ذریعہ سے اگلے کافروں کے قول سے مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ان کا عقیدہ ابنیت یا الوہیت پرانے مشرکین کے عقیدہ کے مشابہ ہے جس طرح وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اسی طرح یہ عزیرؑ اور مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں خدا انہیں غارت کرے کہاں بھٹکے جا رہے ہیں

توحید کی روشنی کو چھوڑ کر شرک کی تاریکی کی طرف جا رہے ہیں۔

یہ تو ان کے اقوال کفریہ کا بیان تھا اب آگے ان کے افعال کفریہ ذکر کرتے ہیں. کہ ان اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا رکھا ہے کہ جو فتویٰ دیدیں اس کو حکم خداوندی کی طرح واجب العمل سمجھتے ہیں۔ اور ان کے قول کو اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں اگرچہ وہ توریت اور انجیل کے نصوص کے خلاف ہی کیوں نہ ہو تو ایسی بے چون وچرا اطاعت عبادت کے حکم میں ہے جو شرک ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں "عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہے جب معلوم ہوا کہ خود اپنی طرف سے کہا یا طمع سے کہا تو پھر سند نہیں" اور ان لوگوں نے مسیح بن مریم کو بھی رب بنایا حالانکہ تمام کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ میں یہی حکم دیا گیا ہے کہ صرف ایک معبود کی پرستش کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں نہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت ہے اور نہ کسی کی بے چون وچرا اطاعت واجب ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ بیٹی ہے یہ تو بیان تھا اتباع باطل اور دین حق سے انحراف کا۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ دین حق کے ابطال اور اس کی رد میں کس درجہ ساعی اور کوشاں ہیں۔ وہ یہ کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور ہدایت کو یعنی دین اسلام کو اپنے مونہوں سے پھونک مار مار کر بجھا دیں یعنی دین اسلام کا نور اور آفتاب ہدایت چمک اٹھا ہے یہ لوگ اپنے واہی تباہی اعتراضات سے دین اسلام میں طرح طرح کے عیب نکالتے ہیں کہ وہ پھیلنے نہ پائے گویا کہ یہ لوگ پھونکیں مار کر سورج کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کو اس کے سوا کچھ منظور نہیں کہ اپنے نور کو پوری طرح پھیلا دے اگرچہ کافروں کو بُرا معلوم ہو یعنی یہ کافر دین اسلام کے مٹانے کی لاکھ کوشش کریں بھلا کہیں ان کے مٹانے سے مٹ سکتا ہے اللہ اپنے نور کو تمام جہان میں پھیلا دے گا اور یہ کافر اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوں گے۔ چراغ ہو تو منہ کی پھونکوں سے بجھ بھی جائے بھلا کہیں آفتاب کا نور بھی پھونکوں سے بجھتا سنا ہے اور نور اسلام تو آفتاب کے نور سے لاکھوں درجہ بڑھ کر ہے وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اگرچہ مشرکین کو بُرا معلوم ہو اس آیت میں غلبۂ اسلام کی پیش گوئی ہے کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے گا۔ اور قیامت تک باقی رہے گا۔

لطائف ومعارف

اس آیت میں حق جل شانہٗ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ عطا کیا جائے اور یہی مضمون سورۃ فتح اور سورۃ صف میں بھی ذکر کیا گیا ہے[1] الفاظ میں معمولی فرق ہے مضمون تینوں جگہ کا ایک ہی ہے۔

اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ ظہور اور غلبہ سے کیا مراد ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک دلیل اور برہان کے اعتبار سے یعنی دین اسلام باعتبار دلیل اور برہان کے تمام دینوں پر غالب ہو مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کی حقانیت پر ایسے براہین اور دلائل قائم کیے جائیں جس سے دین اسلام کا حق ہونا اور دوسرے دینوں کا باطل ہونا واضح ہو جائے۔

اور غلبہ کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ باعتبار تیغ و سنان کے ہو یعنی دین حق کی شوکت اور سطوت کے سامنے دوسرے دین سرنگوں ہو جائیں۔ اور اسلام ہی کی حکومت ہو اور اسی کا قانون ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ آیت میں ظہور اور غلبہ سے دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے دلیل اور برہان کے اعتبار سے غلبہ تو اسلام کو ابتداء ہی سے حاصل تھا اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا البتہ دوسری قسم کا غلبہ اسلام کو بتدریج حاصل ہوا مکہ مکرمہ میں دین اسلام باعتبار قوت و شوکت کے کمزور رہا۔

ہجرت اور جہاد کے بعد بتدریج رفتہ رفتہ اسلام کی قوت اور شوکت میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ فتح مکہ سے حجاز اور نجد اور یمن کے تمام علاقہ پر اسلام کی حکومت قائم ہو گئی۔

اور آیات کے سیاق و سباق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود اسی دوسرے غلبہ کو بیان کرنا ہے اس لیے کہ آغاز سورت سے لے کر یہاں تک مشرکین سے براءت اور بیزاری اور ان سے جہاد و قتال کے احکام کا ذکر چلا آ رہا ہے اور پھر اسی سلسلہ میں فتح مکہ اور غزوہ حنین کا اور اہل کتاب سے جہاد اور جزیہ کا حکم بیان کیا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں اس غلبہ کا بیان کرنا مقصود ہے جو جہاد و قتال اور سیف و سنان سے حاصل ہو اور سورۃ فتح میں بھی فتح مکہ کا ذکر ہے اور سورۃ صف میں جہاد و قتال کا ذکر ہے اور بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ فتوحات اور غنائم کی بشارتوں کے بارے میں وارد ہوئیں یہ سب اس بات کی دلیل ہے کہ آیت میں اظہار دین سے وہ غلبہ مراد ہے جو سیف و سنان سے حاصل ہو کر حکم اسلام کا چلے اور کفار مقہور و مغلوب ہوں اور لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کو بصیغہ مضارع لانے میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظہور اور غلبہ بتدریج ہو گا کیونکہ صیغہ مضارع استمرار تجددی کے لیے آتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور پُرنور سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ بتدریج آپ کا دین تمام دینوں پر غالب آئے گا اور یہی آپ کی بعثت

---

[1] سورۃ فتح کے الفاظ یہ ہیں هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا اور سورۃ صف کے الفاظ یہ ہیں يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔

کا مقصد عظیم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو عظیم الشان بادشاہت اور بے مثال قوت و شوکت عطا کرے گا جس کے سامنے اس زمانے کی تمام قوتیں اور طاقتیں سرنگوں ہو جائیں گی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سعادت میں روئے زمین پر دو سلطنتیں تھیں ایک ایران کی اور دوسری روم کی ان دونوں بادشاہوں کی سطوت و جبروت نے تمام دنیا کو گھیر رکھا تھا۔ اور دوسرے مذاہب ان کی قوت کے سامنے مضمحل ہو رہے تھے۔ کسریٰ شاہِ ایران مذہباً مجوسی تھا اور قیصر روم مذہباً عیسائی تھا دنیا میں عیسائیت اور مجوسیت یہی دو مذہب سب سے طاقتور تھے جن کو کسریٰ اور قیصر کی سرپرستی حاصل تھی اور انہیں کا دین تمام ادیان پر غالب تھا۔ اور دیگر ادیان بمصداق الناس علیٰ دین ملوکہم مغلوب تھے۔ ملک عرب میں بت پرستی کا زور تھا اور کچھ قدر قلیل عیسائی اور یہود بھی تھے ان حالات میں اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ بشارت دی گئی کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب ہو کر رہے گا اب ظاہر ہے کہ اس غلبہ کی کوئی صورت سوائے اس کے نہیں ہو سکتی کہ روم اور ایران کی سلطنتیں درہم برہم ہو جائیں اور ان کی جگہ اسلام کی پُرشوکت حکومت قائم ہو جائے کہ حکم اور قانون اسلام کا چلے۔

غلبۂ دین کی اس پیش گوئی کے ظہور کا آغاز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے ہوا کہ حجاز اور نجد اور یمن میں اسلام کو قوت و شوکت حاصل ہوئی اور دین اسلام کو بت پرستی پر غلبہ حاصل ہو گیا یہ ظہور دین اور غلبۂ دین کی ایک منزل طے ہوئی تھی کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس عالم سے تشریف لے گئے اور وعدہ کی تکمیل ہنوز باقی تھی سو اس وعدہ کی تکمیل آپؐ کے خلفاء کے ہاتھوں پر ہوئی جو آپؐ کے لیے بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے تھے چنانچہ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ اور پیش گوئی خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں پر پوری ہوئی انہیں کے زمانے میں انہیں کے جہاد و قتال سے اور انہیں کی جدوجہد سے دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتیں روم اور ایران زیر و زبر ہوئیں اور ان دونوں سلطنتوں پر اسلام کا فاتحانہ قبضہ ہوا جب یہ دونوں سلطنتیں برباد ہوئیں اس وقت دنیا کے موجودہ اور مشہور ترین ادیان مجوسیت اور نصرانیت بھی مغلوب و مقہور ہوئے اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ خلفاء ثلاثہ کے ہاتھوں پر پورا ہوا اس میں شک نہیں کہ اللہ کا یہ وعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا کہ آپؐ کا دین تمام دینوں پر غالب آئے گا۔ مگر قرآن کریم میں اس کی مدت متعین نہیں تھی کہ یہ وعدہ کب تک پورا ہو گا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی نبی کے خلفاء کے ہاتھوں پر پورا ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یعنی جو وعدے اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے آپ کے دین کے متعلق کیے ہیں وہ سب کے سب آپؐ کے سامنے پورے نہ ہوں گے بعضے وعدے تو آپؐ کو آپ کی زندگی میں دکھلا دیئے جائیں گے اور بعض وعدے آپ کی وفات کے بعد پورے ہوں گے چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے جو فتح شام کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ حضرت یوشع بن نونؑ کے

زمانے میں پورا ہوا جو حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ اسی طرح سمجھو کہ حق جل شانہٗ نے جو اپنے نبی سے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ میں ظہور دین اور غلبۂ اسلام کا وعدہ فرمایا تھا اس کی تکمیل اس پر موقوف تھی کہ قیصر و کسریٰ کی سلطنت کا تختہ الٹا جائے ہنوز یہ وعدہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا تھا کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے۔ اور اپنے جانشینوں کو ہدایت فرما گئے کہ ان دو قلعوں کو فتح کرو اور ان پر اسلام کا پرچم لہراؤ آپؐ اس عالم سے تشریف لے گئے اور آپؐ کے حسب الارشاد یہ امر مہتم بالشان خلفاء ثلاثہ کے بابرکت ہاتھوں سے آپ کے حکم کے مطابق انجام کو پہنچا۔ اس لیے یہ سب کچھ آپ ہی کا کام محسوب ہوگا اور خلفاء نے جو کچھ کیا وہ آپ ہی کے دست و پا ہونے کی حیثیت سے کیا اور آپ ہی کے حکم سے کیا۔

پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ بعثت نبوی کا یہ مقصد اور خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں پر پورا ہوا تو ثابت ہوگیا کہ یہ تینوں حضرات آپؐ کے نائب وصادق اور خلیفۂ برحق تھے جن کے ہاتھوں پر مقصدِ بعثت کی تکمیل ہوئی اور یہی خلافت خاصہ اور خلافت راشدہ ہے۔ یہ جو کچھ لکھا گیا یہ تمام تر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کے کلام کا خلاصہ ہے جو ازالۃ الخفاء میں قلم حقائق رقم سے ظہور میں آیا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ علے مرالليالی والایام

تتمۂ کلام حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب سلطنت قیصر مغلوب ہوئی تو گویا تمام ولایات فرنگ مغلوب ہوگئیں اس لیے کہ ولایات فرنگستان یعنی ریاستہائے انگلستان سب قیصر روم کے ماتحت تھیں اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں سلطنت کسریٰ کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ سنہ میں کسریٰ مارا گیا اور مغرب کی جانب میں اسلامی سلطنت کی حدود اندلس اور قیروان اور بحر محیط تک پہنچی اور مشرق میں بلادِ چین تک پہنچی اور مشارق اور مغارب سے مدینہ میں خراج آنے لگا اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کیا۔ اور اپنا وعدہ پورا فرمایا۔

شیعوں کی حیرانگی شیعہ اس آیت کی تفسیر میں بہت حیران اور سرگرداں ہیں کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ اظہار دین سے سیف وسنان کا غلبہ مراد نہیں بلکہ حجت اور برہان کا غلبہ مراد ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد مبارک میں پوری ہوگئی۔ فتح مکہ سے مشرکین عرب پر غلبہ ہوگیا اور نجران کے عیسائیوں نے جزیہ دینا قبول کیا اس سے نصرانیت پر غلبہ ظاہر ہوا اور خیبر فتح ہونے سے یہودیت پر غلبہ ظاہر ہوا غرض یہ کہ تمام دینوں پر غلبہ کا ظہور آپؐ ہی کی زندگی میں ہوگیا۔ اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ یہ پیش گوئی امام مہدی کے وقت میں پوری ہوگی۔ تمام روئے زمین پر اسلام پھیل جائے گا۔

جواب اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ یہ تینوں باتیں غلط ہیں قول اول کا غلط ہونا تو پہلے ہی بدلائل واضح ہو چکا ہے کہ آیت میں صرف حجت اور برہان کا غلبہ مراد نہیں بلکہ

عام معنی مراد ہیں جو ہر قسم کے غلبہ کو شامل ہیں۔

(قول دوم) یعنی یہ کہنا کہ یہ پیشین گوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد مبارک میں پوری ہوگئی صحیح نہیں۔ مشرکین پر تو غلبہ بے شک آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ہو چکا تھا لیکن مجوسیت اور نصرانیت اور یہودیت پر غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ چند نصرانیوں اور چند یہودیوں کے مغلوب ہو جانے سے مجوسیوں اور نصرانیوں کی سلطنت پر کوئی اثر نہیں پڑا لہٰذا نجران کے نصاریٰ کی مغلوبیت اس آیت کا مصداق نہیں ہوسکتی اس آیت میں تو یہ ہے کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے گا اور یہ وعدہ اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا کہ جب تک نصاریٰ اور مجوس کی سلطنتیں مغلوب اور زیر وزبر نہ ہوں۔

(قول سوم) یعنی یہ کہنا کہ یہ پیش گوئی امام مہدی کے زمانے میں پوری ہوگی یہ بھی بچند وجہ مردود ہے اول یہ کہ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ اللہ کا یہ وعدہ باوجود چودہ صدی گزر جانے کے ابھی تک پورا نہیں ہوا۔ اور آپؐ کی بعثت کا مقصد ہنوز پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ جب کسی فعل کا کوئی مقصد بیان کیا جائے تو یقیناً وہ مقصد اس فعل کے متصل ہی شروع ہو جانا چاہیے اور اگر کچھ فاصلہ بھی ہو تو قلیل ہو اگر کوئی طبیب یہ کہے کہ میں نے فلاں دوا اس لیے دی ہے کہ اس سے مواد فاسدہ کا تنقیہ ہو جائے تو اس دوا کے پینے کے بعد ہی اسہال شروع ہو جانا چاہیے اگر اس قریبی زمانے میں اسہال نہ ہوا بلکہ دوا پینے کے دس بیس برس بعد ہوا تو کون کہے گا کہ وہ طبیب اپنے قول میں کامیاب رہا۔ اسی طرح یہاں سمجھو کہ ظہور دین اور غلبۂ دین کا سلسلہ تو آپؐ ہی کی زندگی سے شروع ہو گیا تھا۔ اور وہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا یہاں تک کہ اس کی تکمیل خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں پر ہوئی۔

دوسری خرابی اس قول میں یہ ہے کہ آیت سے مقصود مسلمانوں کو خوشخبری اور تسلی دینا ہے کہ تم گھبراؤ نہیں۔ عنقریب تمہارے دشمنوں کا غلبہ ختم ہو جائے گا اور تمہارا خوف دور ہو جائیگا۔ اور تمہارا دین تمام دینوں پر غالب آجائیگا پس اگر یہ پیش گوئی صحابہ کرام کے زمانے میں پوری نہیں ہوئی تو ایسی پیش گوئی سے کیا فائدہ کہ قرن کے قرن اور صدی پر صدی گزرتی چلی جائے اور وعدہ کے پورا ہونے کے کوئی آثار نظر نہ آئیں۔

اہل سنّت اور اہل بدعت

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل سنّت اور اہل بدعت کے درمیان حَکَم اور قول فیصل ہے وہ یہ کہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین ہدایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا آپؐ نے وہی دین اور وہی ہدایت بعینہٖ بلا کم وکاست صحابہ کو پہنچا دی اور صحابہ کرامؓ نے اس سے وہی بات سمجھی جو آں حضرتؐ کی مراد تھی اور پھر صحابہ نے وہی ہدایت تابعین کو پہنچائی اور تابعین نے تبع تابعین کو وعلیٰ ہذا القیاس۔ یہی مذہب اہل سنّت کا ہے پس اب جو فرقہ یہ کہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دین تو پہنچایا لیکن وہ اس کی مراد کو نہ سمجھے یا جو

فرقہ یہ کہتا ہے کہ صحابہ سمجھے تو سہی مگر سمجھنے کے بعد حرص و ہوا کے اسیر ہوئے اور ہمیشہ حق چھپاتے رہے یہ دونوں فرقے بلاشک بدعتی ہیں اول فرقہ معتزلہ کا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ حدیث میں جو انکم سترون ربکم آیا ہے اس سے علم یقینی کے معنی مراد ہیں نہ کہ رویت حقیقی صحابہ دقتِ معنی اور غموض مفہوم کی وجہ سے بات کو نہ سمجھ سکے۔

اور دوسرا فرقہ شیعوں کا ہے ـــــــ جو یہ کہتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق صریح حکم دیا تھا مگر صحابہ نے نفسانی اغراض کی بنا پر اس کا اخفاء کیا اور گنہگار ہوئے سو از روئے تحقیق یہ دونوں فرقے بلاشبہ بدعتی ہیں کیونکہ آیت مذکورہ سے مراد خداوندی یہ ہے کہ اللہ کا دین ضرور بالضرور ظاہر ہو کر رہے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی اللہ کی مراد کو درہم برہم کر سکے اور جو درہم برہم ہونے کا قائل ہو وہ کاذب اور مفتری ہے۔

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

ابطالِ تقیہ[1]

۱۔ نیز آیت مذکورہ یعنی هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ صاف اسبات پر دلالت کرتی ہے کہ بعثت نبوی سے مقصود خداوندی یہ ہے کہ دین حق کو تمام دینوں پر غالب اور ظاہر کر دے اور ظاہر ہے کہ جب اللہ کا ارادہ اظہار کا ہوگا تو پھر کون چھپا سکے گا تو اس سے تقیہ کی گردن ہی ٹوٹ گئی اس لیے کہ تقیہ دین کے چھپانے کو کہتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ وہ بے خوف و نڈر ہو کر اللہ کے احکام اور اس کے پیغام بندوں کو پہنچائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انبیاء کے حق میں فرماتے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ یعنی انبیاء کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ اللہ کے پیغام پہنچاتے ہیں اور صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے۔

۳۔ اور نبی کریم کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ اور چونکہ علی الاعلان اور صاف طور پر حکم خداوندی کے پہنچانے میں دشمنوں کی طرف سے مضرت کا اندیشہ تھا تو فرمایا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی آپؐ لوگوں سے ڈر کر حق کو نہ چھپائیں ہم آپ کی عصمت اور حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

۴۔ چنانچہ سورۂ حجر میں ارشاد فرماتے ہیں فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔

---

[1] یہ تمام مضمون ہدیۃ الشیعہ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ سے ماخوذ ہے۔

یعنی آپ لوگوں کو دین کی بات کھول کر صاف صاف سنا دیں اور مشرکین کی پرواہ نہ کریں معاذ اللہ اگر انبیاء تقیہ کرنے لگتے اور منہ پر مہر سکوت لگا کر بیٹھ جاتے تو حق کیسے ظاہر ہوتا اور تمام قرآن کریم اسبات سے بھرا پڑا ہے کہ انبیاء کرام نے دشمنوں کی قوت و شوکت اور اپنی بے کسی اور بے بسی کا لحاظ کر کے کبھی بھی اظہار حق اور اعلان حق میں دریغ نہیں کیا اور کبھی بھی دشمنوں سے ڈر کر تقیہ نہیں کیا۔

۵۔ حضرات انبیاء کرامؑ اور ان کے اصحابؓ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اظہار کلمۂ حق میں ۔۔۔ دشمنانِ دین سے جو ہوشربا مصائب پہنچیں ان پر صبر کیا اور تقیہ نہیں کیا اگر تقیہ کرتے تو ان مصائب سے محفوظ رہتے۔

۶۔ حق جل شانہٗ مومنین کی شان میں فرماتے ہیں یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔ یعنی اللہ کے محب اور محبوب بندے خدا کی راہ میں جہاد و قتال کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

اب اہل تقیہ بتلائیں کہ کیا اُن میں یہ وصف موجود ہے ان میں یہ وصف کہاں سے آیا بُزدل ہیں ملامت سے ڈرتے ہیں سوائے خدا کے سب سے ڈرتے ہیں اہل تقیہ کو لوگوں کے درمیان رسوائی کا خوف ہر وقت دامنگیر رہتا ہے اور تبلیغ احکام میں مداہنت کرتے ہیں معلوم نہیں کہ خدا کو کیا منہ دکھاویں گے۔

اور کشف الغمہ میں امام رضاؒ سے منقول ہے لا ایمان لمن لا تقیة لہ فقیل یا ابن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الی متی قال الی وقت یوم معلوم وھو خروج قائمنا فمن ترك التقیة قبل خروج قائمنا فلیس منا اور جامع الاخبار میں ہے قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم تارك التقیة کتارك الصلوٰۃ۔

الغرض شیعوں کے نزدیک بغیر تقیہ کے ایمان ناتمام رہتا ہے اور تارک تقیہ بمنزلہ تارک صلوٰۃ کے ہے تو حضرات شیعہ بتلائیں کہ پھر دین کا اظہار اور اعلان اور دعوت اور تبلیغ کی کیا صورت ہے۔

۷۔ نیز کافروں سے خوف کی صورت میں ہجرت واجب ہے آیاتِ قرآنیہ اس بات کے بیان سے بھری پڑی ہیں کہ جہاں اظہارِ حق اور دین پر عمل ممکن نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کر جائیں اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ (یعنی میری زمین وسیع ہے کہیں چلے جاؤ اور جا کر میری عبادت کرو)۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا شیعوں کے نزدیک حضرت علیؓ پر ہجرت واجب تھی کہ کافروں اور منافقوں کو چھوڑ کر کہیں چلے جاتے۔ ساری عمر تقیہ ہی میں گزاری اور ہجرت نہ کی۔

۸۔ اگر آدمی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت نہ ہو تو اُن سے ترک تعلق واجب ہے اور ان کی مجالس میں شرکت حرام ہے کما قال تعالےٰ وَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

۹۔ حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔

صبر کی ضرورت حق گوئی اور اعلان حق میں ہوتی ہے تقیہ میں صبر کی ضرورت نہیں خاص کر جس مذہب میں حق دبا لینے کی تاکید ہو وہاں حق گوئی پر صبر کی نصیحت بیکار ہے۔

۱۰۔ نیز حضرات شیعہ سورۂ آلِ عمران کی اس آیت کو بھی پڑھیں۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ۔

یعنی بہت سے نبی ہوئے جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے دشمنان دین سے جہاد و قتال کیا سو اس راہ میں ان کو جو تکلیفیں پیش آئیں ان کے سبب نہ کچھ ڈھیلے ہوئے اور نہ سُست ہوئے اور نہ کفار سے کچھ دبے اور نہ اُن کے سامنے کچھ جھکے۔ اور اظہار حق اور اعلاء کلمۃ اللہ پر ڈٹے رہے اور اس راہ میں جو تکلیفیں پیش آئیں اُن پر صبر کرتے رہے اور اللہ تعالےٰ صابرین کو محبوب رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اظہار حق کے سبب تکلیفوں پر صبر کرنے سے اللہ کا محبوب بنتا ہے تقیہ کر کے حق کو چھپانے سے اللہ کا محبوب نہیں بنتا۔ ہم خاکپائے غلامان اہل بیت کا عقیدہ یہ ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کبھی تقیہ نہیں فرمایا ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا وہ اسد اللہ الغالب تھے کوہِ شجاعت تھے صاحب کرامت تھے سرکز کرامات و ولایت تھے انہیں تقیہ کی کیا ضرورت تھی تقیہ تو کمزور اور خوف زدہ آدمی کیا کرتا ہے معلوم ہوا کہ حضرت امیر نے تمام زندگی جو خلفائے ثلاثہ کے ساتھ معاملہ رکھا وہ عین حقیقت اور عین مودت تھا معاذ اللہ محض ظاہر داری نہ تھی بفرض محال اگر خلفائے ثلاثہ کا کچھ ڈر تھا تو وہ ان کی زندگی تک تھا۔ اور جب ابوبکرؓ و عمرؓ دنیا سے چلے گئے اور ان کا نام و نشان بھی نہ رہا۔ تو پھر کس چیز کا ڈر تھا کہ جو برسرِ منبر اپنے زمانہ خلافت میں ابوبکرؓ و عمرؓ کی فضیلت اور منقبت کو بیان فرماتے تھے۔ مثل مشہور ہے کہ مرے شیر سے تو گیدڑ بھی نہیں ڈرتے۔ پس اگر شیر خدا مری ہوئی روباہ سے ڈرنے لگیں تو قیامت آ گئی۔

نیز اگر حضرت امیرؓ نے ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ تقیہ کیا تو امیر معاویہؓ کے ساتھ تقیہ کیوں نہ کر لیا۔ اگر حضرت معاویہؓ کے ساتھ تقیہ کر لیتے تو بہت سے بہت یہ ہوتا کہ قاتلین عثمانؓ مارے جاتے تو وہ کون سے آپ کے عزیز و اقارب تھے جن کا آپ کو اس قدر پاس و لحاظ تھا۔ حضرت سید الشہداءؓ نے تو اپنے اہل و عیال اور لختِ جگر کو اس دین کی بابت قتل کرا دیا اور اپنے آپ بھی جاں بحق ہوئے اور زن و فرزند اور ننگ و ناموس کا کچھ بھی لحاظ نہ فرمایا سید الشہداءؓ نے یہ سب کچھ گوارا کیا مگر یزید کے مقابلہ میں تقیہ کو گوارا

نہیں فرمایا۔

حضرت امیرؓ اگر قاتلانِ عثمانؓ کو امیر معاویہؓ کے حوالے کر دیتے تو خلافت تو بنی رہتی۔ اور باغی اور مفسد لوگ سب ہی آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہو جاتے۔ اور دین کی ترقی ہوتی اور بایں ہمہ کچھ ہی سہی آخر قاتلان حضرت عثمانؓ ظالم تھے اور مظلوم نہ تھے اور ہمراہیان امام الشہداءؓ کے برابر بے گناہ بھی نہ تھے۔

اس لیے تمام اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرف تقیہ کی نسبت یہ سب شیعوں کی تہمت ہے سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ ہم غلامانِ اہلِ بیت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ بلاشبہ شیرِ خدا تھے اور خدا کے محب اور محبوب تھے یہ ناممکن ہے کہ وہ کفار اور منافقین کے سامنے دب کر رہیں۔ اور انکی خوشامد کرتے رہیں اور خوشامد میں اپنی بیٹی (ام کلثومؓ) بھی ایک کافر اور منافق (عمرؓ) کو دے دیں یہ سب ناممکن اور محال ہے۔ ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ

اے ایمان والو! بہت عالم اور درویش

وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ

اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہیں

الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ

سونا اور روپا اور خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ

اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى

میں سو ان کو خوشخبری سنا دکھ والی مار کی۔ جس دن آگ

عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ

دہکا دیں گے اس پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور

جُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ

کروٹیں اور پیٹھیں، یہ ہے جو تم گاڑتے تھے اپنے واسطے

فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿۳۵﴾

اب چکھو مزہ اپنے گاڑنے کا۔

احبار اور رہبان کی حرص اور طمع کا بیان

قال اللہ تعالیٰ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ... الیٰ... فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ٥

(ربط) اوپر یہ بیان فرمایا کہ عوام النّاس نے احبار اور رہبان کو اپنا رب بنالیا ہے اب یہ بتلاتے ہیں کہ ان احبار ورہبان کی حرص اور طمع کا یہ حال ہے کہ وہ لوگوں سے روپیہ لے کر احکام شرعیہ اور اخبار الٰہیہ کو بدل ڈالتے ہیں۔ اور اس مضمون کا مخاطب مومنین کو اس لیے بنایا کہ متنبہ ہو جائیں اور ایسے علماء اور مشائخ سے پرہیز کریں جو دنیا کی حرص اور طمع میں گرفتار ہیں ایسے گرفتاران آز وہوا کی تو تعظیم و تکریم بھی جائز نہیں چہ جائیکہ ان کو رب بنالیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو جب کہ تم کو دین حق کے ظہور کا اور تمام ادیان پر اس کے غالب ہونے کا یقین ہے تو اپنے دین پر قائم رہو اور ان احبار اور رہبان کی مخالفت کی پروا نہ کرو اس لیے کہ تحقیق یہود ونصاریٰ کے بہت سے علماء اور مشائخ البتہ کھا جاتے ہیں لوگوں کے مال ناجائز طریقے سے یعنی رشوت لے کر احکام شریعت میں تحریف کرتے ہیں اور ان کی مرضی کے مطابق مسائل بتلا دیتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں یعنی دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور جو لوگ حرص اور طمع کے بنا پر سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ یعنی زکوٰۃ نہیں دیتے اور اس کے حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے پس اے نبی ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دیدیجئے جس دن ان سونے اور چاندی کے خزانوں کو آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر ان جلتے ہوئے دراہم و دنانیر سے ان کی پیشانیوں پر اور ان کی کروٹوں پر اور ان کی پیٹھوں پر داغ دیا جائے گا کیونکہ فقیروں کو دیکھ کر اول ان کی پیشانیوں پر بل پڑتے تھے اور پھر ان سے پہلوتہی کرتے تھے۔ اور پھر ان سے پشت پھیر لیتے تھے۔ اور داغ دیتے وقت ان سے یہ کہا جائے گا کہ یہ وہی خزانہ ہے جو تم نے اپنے نفع اور فائدہ کے لیے جمع کر رکھا تھا۔ اور خدا تعالیٰ کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے آج تمہارے لیے باعث ضرر بنا۔ پس چکھو وبال اس کا جو تم ذخیرہ کر رکھتے تھے پس جو حرص اور طمع میں ایسے لوگوں کا اتباع

کرے گا وہ عذاب میں بھی ان کا تابع ہوگا۔ جمہور صحابہ وتابعین کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں جس وعید کا ذکر ہے وہ اس شخص سے متعلق ہے کہ جو مال جمع کرے اور اس کی زکوٰۃ اور اس کے حقوق واجبہ کو ادا نہ کرے اور جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ کنز نہیں اور اس کے جمع کرنے پر کسی قسم کی وعید نہیں خواہ اربہا ارب ہی کیوں نہ ہو۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو تشویش ہوئی حضرت عمرؓ نے حاضر خدمت نبوی ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ آیت مسلمانوں پر بہت شاق گزری آپؐ نے فرمایا کہ اللہ نے زکوٰۃ کو اسی لیے فرض کیا کہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کر دے اور میراث کو اس لیے فرض کیا کہ وہ تمہارے پس ماندوں کے کام آئے عمرؓ یہ جواب سُنکر ازحد مسرور ہوئے اور فرط مسرت میں تکبیر کہی۔ اخرجہ ابن ابی شیبۃ فی مسندہ وابوداؤد وابو یعلی وابن ابی حاتم والحاکم وصححہ وابن مردویہ والبیہقی عن ابن عباسؓ مرفوعاً (دیکھو تفسیر درمنثور ص۲۳۲ ج ۳)

اور ابوذر غفاریؓ جیسے عابد و زاہد صحابہ قوت لایموت سے زیادہ مطلقاً مال کے جمع کرنے کو حرام بتلاتے تھے اب ان جیسا زہد اور تقویٰ اور توکل کس کو نصیب۔ جو اس کا تصور بھی کر سکے۔

شریعت کا حکم یہ ہے کہ مال فی حد ذاتہ کوئی بُری چیز نہیں بلکہ بہت سی نیکیوں کا ذریعہ ہے خواہ وہ اربہا ارب کیوں نہ ہو شریعت نے نہ ذاتی ملکیت کو ممنوع قرار دیا ہے اور نہ اس کی کوئی حد مقرر کی ہے البتہ اس میں حقوق واجب کیے ہیں حقوق واجبہ کے ادا کرنے کے بعد مال و دولت کی مضرت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی منفعت باقی رہ جاتی ہے یہ عام حکم ہے جو عوام کے لیے ہے اور خواص کا حکم یہ ہے کہ قوت لایموت کے علاوہ کسی درہم و دینار کو ان کے گھر میں رات گزارنے کی بھی اجازت نہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور خلفائے راشدینؓ نے کبھی اپنے لیے کوئی مال جمع نہیں کیا۔ اور نہ مال جمع کرنے کو پسند کیا۔ اور نہ مال جمع کرنے کے لیے کوئی حکم امتناعی جاری کیا۔ خوب سمجھ لو اللہ تعالےٰ اور نبی کریمؐ نے اور خلفائے راشدینؓ نے مالداروں کو زکوٰۃ دینے کا تو حکم دیا مگر یہ حکم کبھی نہیں دیا کہ مالدار اپنی دولت سب پر برابر تقسیم کر دیں۔

مسئلہ اس آیت سے اور دیگر احادیث سے امام ابوحنیفہؒ نے استدلال کیا کہ سونے اور چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے تفصیل کے لیے کتب فقہ کو دیکھیں۔

اِنَّ	عِدَّةَ	الشُّهُوۡرِ	عِنۡدَ اللّٰهِ	اثۡنَا	عَشَرَ
	مہینوں کی گنتی	اللہ	پاس	بارہ	مہینے ہیں
شَهۡرًا	فِىۡ	كِتٰبِ	اللّٰهِ	يَوۡمَ	خَلَقَ
	اللہ کے حکم	میں	جس	دن	پیدا کیے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ

آسمان و زمین ان میں چار ہیں ادب کے،

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ

یہی ہے سیدھا دین، سو ان میں ظلم نہ کرو اپنے اوپر،

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ

اور لڑو مشرکوں سے ہر حال جیسے وہ لڑتے ہیں تم سے ہر حال،

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٦﴾ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ

اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے۔ یہ جو مہینہ ہٹا دینا ہے۔

زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ

سو بڑھائی بات ہے کفر کے عہد میں گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر،

عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ

حلال کر لیتے ہیں اسکو ایک برس اور ادب کا گنتے ہیں ایک برس کہ پوری کرلیں گنتی جو اللہ نے

اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ

رکھی ادب کی، پھر حلال کرتے ہیں جو منع کیا اللہ نے بھلے دکھائے ہیں ان کو برے کام،

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾

اور اللہ راہ نہیں دیتا منکر قوم کو۔

عود بذکر بعض جہالات مشرکین عرب

قال اللہ تعالیٰ ۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ ... الی ... وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں اہل کتاب سے قتال کا حکم دیا اور پھر ان سے جہاد و قتال کے وجوہ بیان

کیے اور کلام کو ان کی حرص اور طمع کے بیان پر ختم کیا کہ اس حرص اور طمع نے اُن کے دین اور دنیا کو خراب کیا۔ اب پھر مشرکین عرب کی بعض جہالتوں کو بیان کرتے ہیں۔ تحقیق مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں جو قمری ہیں کتاب الٰہی یعنی لوح محفوظ یا حکم خداوندی میں اسی طرح لکھا جاچکا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اُن بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ادب اور احترام کے ہیں تین مہینے متصل ہیں ذی قعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب جو اکیلا ہے۔ عرب میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے وقت سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں چار مہینے اشہرِ حُرم خاص ادب اور احترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے۔ یعنی ذی قعدہ اور ذوالحجہ اور محرم اور رجب اور ان چار مہینوں میں قتل و قتال اور جنگ وجدال سب حرام سمجھا جاتا تھا۔ اور قتل و غارت کا بازار بالکل بند ہو جاتا تھا۔ لوگ ان مہینوں میں امن و امان کے ساتھ سفر کرتے کوئی کسی سے تعرض نہ کرتا حتیٰ کہ کوئی اپنے دشمن کو اور اپنے باپ کے قاتل کو بھی نہ چھیڑتا لیکن اس کے ساتھ ایک عجیب بدعت ایجاد کر رکھی تھی کہ جب کسی زور آور قبیلہ کو ماہ محرم میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو ایک سردار یہ اعلان کر دیتا کہ امسال ہم نے محرم کو اشہر حُرُم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو ماہ حرام قرار دے دیا ہے پھر اگلے سال یہ کہہ دیا کہ قدیم دستور کے مطابق محرم حرام اور صفر حلال رہے گا اس طرح عرب کبھی مہینوں کو آگے پیچھے کر لیا کرتے تھے۔ اس طرح سے عرب سال بھر میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے لیکن اُن کی تعیین میں حسبِ خواہش ردو بدل کرتے رہتے تھے۔ چار مہینوں کی تحریم کے تو قائل تھے مگر تخصیص اور تعیین کے قائل نہ تھے حسبِ ضرورت جس مہینہ کو چاہتے حلال اور جس کو چاہتے حرام کر لیتے ان آیتوں میں حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کی اس جہالت کا رد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ادب اور احترام کے مقرر اور معین ہیں ان میں کوئی تغیر اور تبدل جائز نہیں۔ یہی دین مستقیم ہے یعنی بارہ مہینوں میں سے چار مہینوں کو بلا کسی تغیر و تبدل کے اور کسی تقدیم و تاخیر کے اشہر حُرُم قرار دینا یہی صحیح دین ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے وقت سے چلا آرہا ہے اور جاہلیت کی یہ رسم کہ جس مہینہ کو چاہا حلال بنالیا اور جس کو چاہا حرام بنالیا یہ سب بے دینی اور گمراہی ہے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ دین کے معنی حساب کے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہی حساب صحیح اور درست ہے۔ پس اے مسلمانو! تم ان چار مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ یعنی دین قیم کا اتباع کرو اور جاہلیت کے طریقہ پر مت چلو اور محرم کو صفر اور صفر کو محرم نہ بناؤ۔ اللہ کے حکم کو بدلنا یہی ظلم ہے۔ یہ چار مہینے محترم ہیں۔ ان کے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو اللہ نے ان چار مہینوں کو خاص بزرگی عطا کی ہے ان مہینوں میں گناہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ حدود حرم اور حالت احرام میں گناہ کرنا اور بہت ہی زیادہ سخت ہے۔ لہٰذا ان چار مہینوں میں کسی سے ناحق قتال نہ کرو یہ حرمت والے مہینے ہیں اور البتہ قتالِ حق کی

ہر وقت اور ہر زمانے میں اجازت ہے لہٰذا تم سب مل کر ان مشرکین سے لڑو ان حرمت والے مہینوں میں بھی اور ان کے سوا اور مہینوں میں بھی جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں یعنی دشمنوں سے لڑنے پر سب متفق رہو۔ اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو جیسا کہ وہ سب مل کر متفقہ طور پر تم سے قتال کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کافروں سے جہاد و قتال حق ہے اُن سے جہاد کرنے کے لیے کسی مہینہ کی قید نہیں لہٰذا تم کافروں سے حرمت والے مہینوں میں اور اس کے سوا دوسرے مہینوں میں بھی جہاد و قتال کرو جیسے وہ تم سے بلا کسی قید اور بلا کسی تعیین کے لڑتے ہیں۔ ان چار مہینوں میں ناحق قتال کی ممانعت ہے اور کافروں سے جہاد و قتال حق ہے اس کی ممانعت نہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ "اس آیت سے یہ نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا ہے۔ (جیسا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ ماہ ذیقعدۃ الحرام میں فرمایا جو چالیس دن تک جاری رہا اور غزوۂ تبوک جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ ماہ رجب الحرام میں واقع ہوا) اور آپس میں ظلم کرنا (یعنی معصیت) ہمیشہ گناہ ہے اور ان مہینوں میں اور زیادہ ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اگر کوئی کافر ان مہینوں کا ادب کرے تو ہم بھی اس سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں" (موضح القرآن)

اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ تحریر فرماتے ہیں مترجم گوید۔ در دین حضرت ابراہیم علیہ السلام مقرر بود کہ در محرم و رجب و ذی قعدہ و ذی الحجہ با یک دیگر جنگ نکنند و اہل جاہلیت ایں حکم را تحریف کردہ گاہے صفر را محرم می ساختند و محرم را صفر و علیٰ ہذا القیاس و ایں را نسیئ می گفتند خدائے تعالیٰ اصل ایں حکم را باقی داشت بایں وجہ کہ جنگ ناحق ہیچگاہ درست نیست و دریں ماہہا حرمت آں مغلظ می شود و جنگ با کافراں ہمہ وقت درست است و نفی تحریف ایشاں فرمود و قولہ تعالیٰ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ۔ یعنی پس ستم نکنید دراں چہار ماہ بر خویشتن یعنی بقتال ناحق" انتہیٰ کلامہ۔

مطلب یہ ہے کہ ملت ابراہیمی میں یہ چار مہینے ادب اور احترام کے تھے اللہ تعالیٰ نے اصل حکم کو یعنی ان کی حرمت کو برقرار رکھا۔ اور مشرکین عرب نے جو اس میں تحریف کی تھی اس کی نفی فرما دی۔

اور جان لو کہ اللہ کی نصرت اور حفاظت خدا سے ڈرنے والوں کے ساتھ ہے اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ جاہلیت کی رسم سے پرہیز کرو آگے جاہلیت کی رسم اور اس کی قباحت اور مضرت کو بیان کرتے ہیں۔

جز ایں نیست کہ مہینوں میں آگے پیچھے کرنا یہ کفر میں زیادتی ہے اس لیے کہ خدا کی حلال کردہ شئ کو حرام ٹھہرانا اور اس کی حرام کردہ چیز کو حلال ٹھہرانا یہ دوسرا کفر ہے جس کی وجہ سے پہلے کفر میں اور زیادتی ہوگئی اور یہ تحریم و تحلیل کفر بر کفر اور معصیت بالائے معصیت بن گئی (دیکھو احکام[1] القرآن للامام الجصاص ص ۱۱۲ ج ۳)

---

[1] اور ایسا ہی تفسیر البحر المحیط ص ۴۰ ج ۵ میں ہے قال ابو حیان و اخبر ان النسیئ زیادۃ فی الکفر ای جنایۃ مع کفرھم لان الکافر اذا احدث معصیۃ ازداد کفرا قال تعالیٰ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ کما ان المؤمن اذا احدث طاعۃ ازداد ایمانا قال تعالیٰ فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ انتہیٰ۔

اس رسم بد کے ذریعے گمراہ کیا جاتا ہے ان لوگوں کو جو کافر ہیں اس طور پر کہ نفسانی اغراض کی بنا پر ایک سال ایک مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور پھر دوسرے سال اسی مہینہ کو حرام ٹھہرا لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اشہرِ حُرُم میں سے بوقت ضرورت جس مہینہ کو چاہا حلال کر لیا۔ اور جس کو چاہا حرام ٹھہرا لیا یہی نسیئی ہے جس سے ان کے کفر سابق میں زیادتی ہوتی ہے ان کی غرض یہ ہے کہ بلا تخصیص و تعیین ان مہینوں کی گنتی کو پورا کر لیں۔ جن کو اللہ نے محترم بنایا ہے پھر اپنی ضرورت اور مصلحت کی بنا پر اس تدبیر سے اس مہینہ کو حلال بنا لیں جس کو اللہ نے حرام کیا ہے ان کے بُرے اعمال ان کی نظروں میں مزین کر دیئے گئے ہیں اور اللہ ایسے کافروں کو توفیق نہیں دیتا کہ جو احکام خداوندی میں تحریف کرتے ہوں اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتے ہوں وہ خدا کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

نکتہ جس طرح مشرکین عرب حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتے تھے۔ اور قبیلہ کے سردار کو اس تحلیل و تحریم کا اختیار تھا اسی طرح یہود اور نصاریٰ نے تحلیل و تحریم کی باگ اپنے احبار اور رہبان کے ہاتھ میں دے دی تھی اس لیے دونوں جماعتوں کی مشابہت بیان کرنے کے لیے یہ رسم یہاں بیان کی گئی کہ جس طرح مشرکین عرب نے اپنے سردار کے کہنے سے ملت ابراہیمی کے حکم میں تحریف کی اور اس میں تغیر و تبدل کیا اور باوجود اس کے اپنے آپ کو ملتِ ابراہیمی کا متبع سمجھتے ہیں اسی طرح یہود و نصاریٰ۔ تحلیل و تحریم میں اپنے احبار اور رہبان کا اتباع کرتے ہیں اور باوجود اس کے اپنے کو شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کا متبع سمجھتے ہیں۔

یہاں تک برأت کا مضمون ختم ہوا جس کا تعلق مشرکین عرب سے تھا اب آئندہ غزوۂ تبوک کا مضمون شروع ہوتا ہے جس کا تعلق اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے ہے۔

مسئلہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان چار مہینوں میں اب جہاد و قتال جائز ہے یا گناہ ہے بعض علماء تابعین اس طرف گئے ہیں کہ ان چار مہینوں میں اب بھی لڑائی حرام ہے کما قال تعالیٰ۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ یعنی ان چار مہینوں میں کفار سے ابتداء بالقتال کرنا ممنوع ہے لیکن اگر ابتداء کافروں کی طرف سے ہو تو پھر بطور مدافعت اور انتقام ان سے جہاد کرنا ممنوع نہیں بلکہ واجب ہے۔ کما قال تعالیٰ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ۔ وقال تعالیٰ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ۔

اور یہ قول عطاء بن ابی رباح ؒ سے منقول ہے اور جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ حرمت آیت سیف سے اور دیگر آیات قتال سے منسوخ ہو چکی ہے۔ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ اور قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً سے تقریباً ستر آیتیں منسوخ ہوئیں جن میں کفار سے قتال کی ممانعت مذکور تھی۔ اور احادیث بھی اسی کی مؤید ہیں اس لیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ ماہ ذیقعدة

الحرام میں کیا اور وہ محاصرہ چالیس دن تک رہا اور غزوۂ تبوک جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ ماہ رجب الحرام میں واقع ہوا۔

مسئلہ شریعت میں قمری حساب کا اعتبار ہے اور قمری حساب سے سال کے بارہ مہینے ہیں تمام عبادات روزہ حج اور زکوٰۃ سب میں قمری حساب کا اعتبار ہے احکام شرعیہ کا دار و مدار قمری حساب پر ہے لہٰذا مسلمانوں پر قمری حساب کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے۔ اگر سب مسلمان قمری حساب کو چھوڑ کر شمسی حساب یا اور کوئی حساب اپنے لیے ٹھہرائیں جس سے قمری حساب ضائع ہو جائے تو سب مسلمان گنہگار ہوں گے شمسی حساب کا استعمال حسب ضرورت جائز ہے۔ مگر قمری حساب کو ضائع کر دینا یہ گناہ ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ

اے ایمان والو! کیا ہوا ہے تم کو؟ جب کہیے کوچ کرو اللہ کی

سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ

راہ میں ڈھے جاتے ہو زمین پر۔ کیا ریجھ گئے دنیا کی زندگی

الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

پر آخرت چھوڑ کر؟ سو کچھ نہیں دنیا کا برتنا

فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ

آخرت کے حساب میں مگر تھوڑا۔ اگر نہ نکلو گے تم کو دے گا

عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ۬ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا

دکھ کی مار، اور بدل لاوے گا اور لوگ تمہارے سوا اور کچھ

تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

نہ بگاڑو گے اس کا، اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ

اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

کافروں نے دوجان سے جب دونوں تھے غار میں

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ

جب کہنے لگا اپنے رفیق کو تو غم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ

پھر اللہ نے اتاری اپنی طرف سے تسکین اُس پر اور مدد کو اس کی بھیجیں وہ

لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

فوجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور نیچے ڈالی بات کافروں کی

السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے۔ اللہ زبردست ہے

حَكِيْمٌ ۝۴۰ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا

حکمت والا نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو

بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ

اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے۔ یہ

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱

بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے۔

قصۂ غزوۂ تبوک اور مسلمانوں کو جہاد و قتال کی تاکید اور منافقوں کو تہدید شدید

قال اللہ تعالیٰ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ ۔۔۔ الیٰ ۔۔ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔

ربط) شروع سورت میں مشرکین عرب سے براءت اور اُن سے جہاد و قتال کا ذکر تھا اسی سلسلہ

فتح مکہ اور غزوۂ حنین کا ذکر کیا۔ بعد ازاں آیۂ کریمہ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ الآیہ میں اہل کتاب سے جہاد و قتال کا حکم دیا اب ان آیات میں غزوۂ تبوک کا بیان ہے جو ایک نصرانی بادشاہ یعنی قیصر روم کے مقابلہ میں پیش آیا۔ قیصر روم کے مقابلہ میں جہاد و قتال کی ترغیب کے لیے ان آیات کا نزول ہوا اور ان لوگوں پر عتاب ہوا جنہوں نے اس غزوہ میں شرکت سے تخلف کیا۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فتح مکہ اور غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ کو یہ خبر ملی کہ روم کا نصرانی بادشاہ مسلمانوں پر حملہ کی غرض سے مقام تبوک میں فوج جمع کر رہا ہے جو اسی کی حدود میں واقع تھا۔

آپؐ نے یہ ارادہ فرمایا کہ قبل اس کے کہ وہ حملہ آور ہو آپؐ خود تبوک پہنچ کر اس کا مقابلہ کریں اس لیے آپؐ نے ہجرت کے نویں سال مسلمانوں میں اس کا اعلان کر دیا تاکہ سب جہاد کے لیے تیار ہو جائیں اس سال مدینہ منورہ کے لوگ خشک سالی کی وجہ سے تنگ حالی میں مبتلا تھے اور سفر لمبا تھا اور سخت گرمی کا زمانہ تھا اور سامانِ جہاد کی قلت تھی اور اُدھر مقابلہ پر قیصر روم کا لشکر جرار تھا جس کی طاقت اور کثرت کی کوئی حد نہ تھی۔ اس حالت کو دیکھ کر بعض مخلصین کی بھی ہمتیں پست ہوئیں اور جانے میں کچھ تامل کرنے لگے اور منافقین تو اس اعلان سے دہل گئے کہ یہ بے سروسامان مسلمان آدھی دنیا کے عظیم فرمانروا کی قوت و طاقت کا کہاں مقابلہ کر سکیں گے۔ اس لیے منافقین تو چلنے سے حیلے اور بہانے کرنے لگے اور عذر و معذرت کر کے آپؐ سے اجازت چاہنے لگے اور قسمیں کھانے لگے کہ ہمیں یہ عذر ہے اور بعض مسلمانوں کو گرمی کی شدت اور سفر کی درازی اور بے سروسامانی کی وجہ سے طبعی طور پر کچھ تردد ہوا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں اوّل مسلمانوں کو اس طبعی کاہلی اور پست ہمتی پر ملامت اور تنبیہ کی گئی اور غزوہ اور جہاد کی ترغیب دی گئی اور ترک جہاد پر ترہیب کی گئی اور کاہلی کرنے والوں پر تہدیدی عتاب اور وعیدی خطاب نازل ہوا اور اُن کو یہ بتلا دیا گیا کہ اگر تم اس وقت رسولِ خدا کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ اور اس کے رسولؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ جس خدا نے اس سے پہلے ایک سخت وقت میں اپنے رسولؐ کی مدد کی ہے جب کہ اس کے ساتھ سوائے ایک فردِ واحد یعنی ابو بکرؓ کے کوئی بھی نہ تھا۔ اسی طرح وہ آئندہ بھی مدد کرے گا۔ اس کی مدد فوج و لشکر پر موقوف نہیں یہ سُنکر مسلمان تو دل و جان سے تیار ہو گئے اور منافقین نے نہ جانے کے لیے حیلے بہانے بنانے شروع کیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان رکوعات میں منافقین کے جھوٹے حیلوں اور بہانوں کا پردہ فاش کیا۔ اسی وجہ سے اس کو غزوۂ فاضحہ بھی کہتے ہیں جس میں منافقین کی خوب فضیحت اور رسوائی ہوئی اور ان کے نفاق کا پردہ چاک ہوا اور منشاء خداوندی بھی یہی تھا کہ منافقین کا نفاق سب پر ظاہر ہو جائے اب اس سورت میں زیادہ تر روئے سخن منافقین کی طرف ہے۔ صرف اخیر میں بعض مؤمنین مخلصین کی سُستی اور کاہلی کے دو واقعوں کا اور ان کی توبہ کا ذکر ہے جو اخیر سورت میں آئے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو تم کو کیا ہو گیا تمہارا تو ایمان ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد و قتال اور وہ بھی نبیؐ کی معیت میں ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ دنیا ئے دوں کے تمام فوائد اور منافع اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اور یہ بھی تمہارا ایمان ہے کہ دشمنوں کی کثرت اور تمہاری قلت سے وعدۂ خداوندی پر کچھ اثر نہیں پڑتا تو پھر اس ایمان کے بعد یہ سستی و کاہلی کہاں سے آئی۔ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں دین کے دشمنوں سے جہاد و قتال کے لیے نکلو تو تم زمین کی طرف گرے جا رہے ہو یعنی تم کو جہاد میں اپنے گھروں سے نکلنا اور اپنی زمینوں اور باغوں کو چھوڑنا ناگوار ہوا تو گویا کہ تم بوجھل ہو کر زمین یعنی پستی کی طرف گرے جاتے ہو۔ اِثقال کا طبعی میلان سِفل (پستی) کی طرف ہوتا ہے۔

یہاں سے غزوۂ تبوک کا بیان شروع ہے چونکہ غزوۂ تبوک سخت گرمی کے موسم میں تھا اور ادھر باغات کے پھل توڑنے کا وقت قریب آگیا تھا۔ اور دور کا سفر تھا اس لیے مسلمانوں کو اس غزوہ میں نکلنا دشوار گزرا اور گراں ہوا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں پر عتاب فرمایا اور یہ تثاقل (گرانی) سب سے واقع نہیں ہوا تھا۔ لیکن بعض کے فعل کو کل کی طرف نسبت کر دیا گیا کیا تم آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی چند روزہ زندگی پر راضی ہو گئے سو دنیاوی زندگانی کا نفع آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر بہت تھوڑا بلکہ ہیچ ہے کیونکہ دنیا کی نعمتیں اور لذتیں فانی اور زائل ہو جانے والی ہیں۔ اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں اور عاقل اور دانا بڑی چیز کو چھوٹی چیز کی خاطر نہیں چھوڑتا اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔ اور اپنے دین اور رسولؐ کی مدد کے لیے تمہارے بدلے دوسرے لوگ لا موجود کرے گا اور تم خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے خدا بے نیاز ہے اور اس کا رسولؐ اس کی پناہ میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس میں یہ تغیر و تبدل بھی داخل ہے اگر تم اس کے رسول کی مدد نہ کرو گے تو اس کا کیا نقصان ہے اپنا ہی ثواب کھوؤ گے۔ پس تحقیق اللہ اس کی اس وقت مدد کر چکا ہے جبکہ کافروں نے اس کو مکہ سے نکالا تھا۔ ایسے حال میں کہ وہ رسولؐ دو میں کا دوسرا تھا۔ یعنی جبکہ وہ صرف دو میں سے دوسرا[1] شخص تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت غار میں صرف ایک آپؐ تھے اور ایک ابو بکرؓ تھے اور ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا شخص آپؐ کے ساتھ نہ تھا اس وقت اللہ نے آپؐ کی مدد کی جب وہ دونوں غار ثور میں چھپے ہوئے تھے ہجرت کے وقت

---

[1] قال الآلوسی۔ قولہ ثانی اثنین حال من ضمیرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ای احد اثنین من غیر اعتبار کونہ صلی اللہ علیہ وسلم ثانیاً فان معنی قولھم ثالث ثلاثۃ ورابع اربعۃ ونحو ذالک احد ھذہ الاعداد مطلقا لا الثالث والرابع خاصۃ الخ (روح المعانی ص۸۶ ج۱۰) وقال ابن الجوزی فی زاد المسیر ص۴۳۹ ج۳ تقول العرب ھو ثانی اثنین ای احد الاثنین وثالث ثلاثۃ ای احد الثلاثۃ قال الزجاج آھ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ابوبکرؓ تھے اور دونوں غار ثور میں جاکر چھپے تو اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دو میں کے دوسرے تھے۔

مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ ہمارا پیغمبر تمہاری مدد کا محتاج نہیں ہے اللہ تعالے نے اس کی مدد اس وقت کی جب اس کے ساتھ کل ایک ہی آدمی تھا پس جس خدا نے ایسے وقت میں مدد کی کہ جب سوائے ایک شخص کے کوئی آپؐ کے ہمراہ نہ تھا وہ اب بھی مدد کرسکتا ہے۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ غار ثور میں جاکر چھپے تو کافر سراغ لگاتے لگاتے عین غار کے منہ پر جا کھڑے ہوئے۔ ابوبکر صدیقؓ یہ ماجرا دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ اگر کافر اپنے پاؤں کی طرف نظر کریں گے تو ہم کو دیکھ لیں گے تو اس وقت آپ اپنے ساتھی ابوبکرؓ کی تسلی کے لیے یہ کہنے لگے تو غم نہ کر بیشک اللہ ہمیشہ[علے] ہمیشہ کے لیے ہمارے ساتھ ہے وہ کبھی ہم سے جدا نہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ خدائے کریم جس کے ساتھ ہو اسے کیا ضرر پہنچ سکتا ہے بلکہ جس کے ساتھ خداوند کریم ہو اسکے دشمنوں کی خیر نہیں۔

حدیث میں ہے کہ جب ابوبکر صدیقؓ نے غار ثور میں آپؐ سے یہ عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ اگر ان کافروں میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف دیکھا تو وہ اپنے قدموں کے نیچے ہم کو دیکھ لے گا۔ آپؐ نے فرمایا اے ابوبکرؓ تیرا ان دو شخصوں کی نسبت کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔

اس آیت سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال توکل ثابت ہوتا ہے کہ ایسی پریشانی کی حالت میں آپؐ کو نہ کسی قسم کا اضطراب تھا اور نہ دشمنوں کا کچھ خوف تھا۔ یہ سمجھ رہے تھے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور اپنے یار غار کو تسلی دے رہے تھے کہ تو کسی قسم کا اندیشہ نہ کر جب کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو کوئی ہمارا کیا کرسکتا ہے۔ پس اللہ تعالے نے اپنے پیغمبر پر اپنی خاص تسکین نازل کی یعنی اللہ تعالے نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سکون اور اطمینان کی ایک خاص کیفیت نازل کی جس سے ایسا سکون اور اطمینان ہوا کہ دُور دُور بھی کہیں خوف وہراس اور پریشانی اور اضطراب کا نام ونشان نہ رہا اور ابوبکرؓ تو آپؐ کے پہلو ہی میں تھے اس سکینت اور طمانینت کے نزول سے ابوبکرؓ کی تمام پریشانی دُور ہوگئی سکینت کا نزول اگرچہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب مقدس پر ہوا مگر اس سکینت کے نازل کرنے سے مقصود ابوبکرؓ کی تسلی اور تسکین تھی اس لیے اس سکینت کے انوار وبرکات نے ابوبکرؓ کے رنج وغم کو دور کردیا اور بعدازاں خود حضور پُر نورؐ نے بھی اپنے یار غار کو تسلی دے دی اور سکینت اور طمانینت کا مژدہ جانفزا سنا دیا جس کو سنکر ابوبکرؓ اور بھی مطمئن ہوگئے۔

علے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا چونکہ جملہ اسمیہ ہے جو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اس لیے ترجمہ میں لفظ ہمیشہ ہمیشہ کا بڑھادیا گیا۔ منہ عفا اللہ عنہ

جمہور علماء تفسیر کا مسلک یہ ہے کہ علیہ کے ضمیر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔
اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ علیہ کی ضمیر صاحبہ یعنی ابوبکرؓ کی طرف راجع ہے کیونکہ اس آیت میں صاحبہ کا ذکر سب سے زیادہ قریب میں واقع ہے اور بہتر یہ ہے کہ ضمیر قریب کی طرف راجع ہو نیز سکینت کا نزول خوف اور حزن کے دور کرنے کے لیے تھا اور حزن اور خوف ابوبکرؓ ہی کو تھا نہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آپؐ تو سکینت کے نزول ہونے سے پہلے ہی ساکن القلب اور مطمئن تھے اور ابوبکرؓ کو تسلی دے رہے تھے آپؐ پر سکینت نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر آپؐ خود خائف ہوتے تو ابوبکرؓ کو تسلی کیسے دے سکتے تھے ایک خوف والا دوسرے خوف والے کو کیا تسلی دے۔ معلوم ہوا کہ اس سکینت کا نزول ابوبکرؓ کے قلب پر ہوا تھا اور اسی قول کو امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اختیار فرمایا ہے۔
(دیکھو تفسیر کبیر ص ۶۴۵ ج ۴)

بہر حال اگر سکینت کا نزول بلا واسطہ ابوبکرؓ کے قلب پر ہوا تو بات واضح ہے اور اگر سکینت کا نزول بلا واسطہ قلب نبوی پر ہوا تو لا محالہ اس کا عکس ابوبکرؓ کے قلب پر پڑا اور آپؐ کی ذات بابرکات اس انعکاس کا واسطہ بنی عجب نہیں کہ اس سکینت کے انوار و تجلیات اسقدر عظیم ہوں کہ سوائے رسول عظیم کے قلب کے کوئی اور قلب بلا واسطہ ان کا تحمل نہ کر سکے اس لیے سکینت کے انوار و برکات ابوبکرؓ کے قلب پر آپؐ کے واسطہ سے پہنچے تاکہ ابوبکرؓ کا قلب ان انوار و تجلیات کا تحمل کر سکے ایسا نہ ہو کہ کوہِ طور کی طرح تجلی خداوندی سے ریزہ ریزہ ہو جائے واللہ اعلم وعلمہٗ اتم و احکم۔

اور علاوہ سکینت و طمانینت کے اللہ نے اپنے پیغمبر کی بدر اور حنین کی طرح فرشتوں کے ان لشکروں سے مدد کی جن کو تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا یعنی اللہ نے بلا سبب ظاہری کے آپؐ کی مدد فرمائی اوّل تو سکینت اور طمانینت کو نازل کیا اور پھر آپؐ کی حفاظت کے لیے فرشتوں کی فوج نازل کی اس طرح غیبی اسباب کے ذریعہ آپؐ کی تائید اور تقویت کا سامان کیا جس کا ایک کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ مکڑی کا جالا جسے اَوۡهَنَ الۡبُيُوۡتِ کہا گیا وہی آپؐ کے حفاظت کے لیے مستحکم قلعہ سے بڑھ کر حفاظت کا ذریعہ بن گیا اس طرح حق تعالیٰ نے کافروں کی بات کو نیچا کر دیا یعنی وہ اپنے ارادہ میں ناکامیاب رہے اللہ نے ان کی ساری تدبیر کو خاک میں ملا دیا اور آپؐ کو بخیر و عافیت مدینہ منورہ پہنچا دیا اور اللہ کی بات وہی اونچی ہے یعنی کلمۂ اسلام بلند اور بالا ہے اور قیامت تک بالا ہی رہے گا اور اللہ غالب اور عزت والا ہے جس کو چاہے اور جس طرح چاہے عزت اور غلبہ عطا فرمائے اور حکمت والا ہے۔
کبھی اسباب کے پردہ میں مدد کرتا ہے اور کبھی بلا اسباب کے مدد فرماتا ہے اے مسلمانو! نکلو جہاد کے لیے ہلکے پھلکے اور بھاری بوجھل یعنی دونوں حالتوں میں جہاد کے لیے نکلو ہلکے ہونے کی حالت میں نشاط اور انبساط کا اجر ملے گا اور بوجھل ہونے کی حالت میں مشقت کا اجر ملے گا خفاف اور ثقال کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ خفاف اور ثقال سے سوار اور پیادے یا

تندرست اور بیمار یا جوان اور بوڑھے یا محتاج اور مالدار یا نہتے اور ہتھیار والے یا بے عیال اور عیالدار مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر حالت میں جہاد کے لیے نکلو نفیر عام کے وقت کوئی عذر نہ کرو اگر تم سے اور کچھ نہ ہو سکے گا تو مجاہدین کے مال و متاع ہی کی حفاظت کرو گے غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر خفیف اور ثقیل کو نکلنے کا حکم دیا ہے۔ بے عیال ہلکے پھلکے ہیں اور عیالدار بوجھل جوان ہلکے پھلکے ہیں اور بوڑھے بوجھل سوار ہلکے پھلکے ہیں اور پیدل بوجھل وغیرہ وغیرہ اور اپنے مالوں اور جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کرو جان سے جہاد یہ ہے کہ خود جہاد میں شریک ہو اور مال سے جہاد کرنا یہ ہے کہ دوسرے مجاہدین کی مدد کرے اور اپنے روپیہ سے ان کے لیے سامان حرب مہیا کردے۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو کہ جہاد کرنے کا کیا ثواب ہے اور نہ کرنے کا کیا عذاب ہے اس حکم سننے کے بعد جتنے سچے مسلمان تھے سب بے عذر جہاد کے لیے آمادہ ہوگئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیس ہزار فوج جمع ہوگئی اور آپ نے تبوک کی جانب کوچ فرمایا۔

لطائف و معارف

اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی جو فضیلت نکلتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے واقعۂ غار میں ان کی جاں نثاری قابل صد آفرین ہے یارِ غار کی مثل جو دنیا میں مشہور ہے وہ یہیں سے چلی ہے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابوبکرؓ مجھے صرف غار کی فضیلت دے دیں اور مجھ سے تمام عمر کی عبادت اور نیکیاں لے لیں تو میں اس پر راضی ہوں۔

امت مرحومہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار صرف حضرت صدیقؓ تھے حتیٰ کہ مخالفین بھی اس کے مقر اور معترف ہیں پس یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو حضرت صدیقؓ کی شانِ عظمت کو واضح کر رہی ہے اور اگر عند اللہ آپ کو شرف قبولیت حاصل نہ ہوتا تو آپ کی اس فضیلت کو خصوصیت اور خاص شان کے ساتھ قرآن کریم میں ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں سب کو معلوم ہے کہ جس شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی جگہ پر سلایا اور خود ابوبکرؓ کی رفاقت میں غار ثور کی طرف روانہ ہوئے بلاشبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ جاں نثاری قابلِ تحسین و صد آفرین ہے۔

مگر حق جل شانہٗ نے اس آیت میں سفرِ ہجرت اور ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت کا بیان کیا ہے اور حضرت علیؓ کے سُلانے کا واقعہ ذکر نہیں فرمایا اور قرآن کریم میں جو تشخیص و تعیین کے ساتھ اور صراحت و وضاحت کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت اور فضیلت کو بیان کیا ہے اس طرح کسی اور کی فضیلت کا بیان نہیں کیا پس جو شخص اس آیت کو پڑھے گا اس کو صدیق اکبرؓ کے سرتاجِ اہل ایمان اور سالارِ

قائلہ اہل عرفان ہونے میں کوئی شک نہیں رہ سکتا اس آیت سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جو فضائل ثابت ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی طرف سے اپنے قتل کا اندیشہ ہوا اور بحکم خداوندی آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو ابوبکر صدیقؓ کو اپنے ساتھ لیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوبکرؓ کے ایمان و اخلاص اور ان کی صدق مودت پر کامل وثوق تھا ورنہ ایسے خطرہ کے وقت میں ہرگز ان کو ساتھ نہ لیتے کیونکہ اس صورت میں آپؐ کو یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں یہ میرے دشمنوں کو میرے حال پر آگاہ نہ کردے یا کہیں آپ ہی مجھ کو قتل نہ کردے معاذ اللہ۔ معاذ اللہ۔ رسولؐ خدا کم عقل تو نہ تھے کہ دوست اور دشمن، مخلص اور منافق کو نہ پہچانتے ہوں اور حسب ارشاد باری فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم منافق کو اس کے چہرے اور اس کی بات سے پہچان لیتے تھے کہ یہ شخص منافق ہے پس اگر بفرض محال شیعوں کے زعم کے مطابق ابوبکرؓ منافق تھے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر باوجود نور نبوت اور کمال فراست کے ان کا نفاق کیسے مخفی رہا اور اگر بفرض محال حضور پر نورؐ پر مخفی رہا تو خداوند علام الغیوب پر کیسے مخفی رہا کہ اس نے اپنے پیغمبر کو سفر ہجرت میں ایک منافق کے ہمراہ لے جانے کا حکم دیا۔ شیعوں کے زعم کے مطابق تو خدا کو چاہیے تھا کہ بذریعہ وحی آپؐ کو منع کر دیتے کہ اس منافق کو ساتھ نہ لے جائیں بجائے ممانعت کے اس کی مدح اور منقبت میں آیتیں نازل ہوئیں۔

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسن بصریؒ اور سفیان بن عیینہؒ سے منقول ہے کہ اس آیت میں حق تعالے جل وعلا نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرنے پر تمام عالم کو عتاب فرمایا مگر صرف ابوبکرؓ کو اس عتاب سے مستثنیٰ کیا اور صرف مستثنیٰ ہی نہیں کیا بلکہ ایسے آڑے اور نازک وقت میں رسولؐ خدا کی رفاقت اور مصاحبت اور معیت کو بطور مدح ذکر فرمایا۔

۳۔ ثانی اثنین خدا تعالے نے ابوبکرؓ کو اس آیت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ثانی فرمایا اور ظاہر ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ثانی وہی شخص ہو سکتا ہے جو حضور پر نورؐ کے بعد سب سے افضل اور برتر ہو چنانچہ کمالات علمیہ اور عملیہ میں بلاشبہ ابوبکرؓ حضور پر نورؐ کے ثانی تھے جس کو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور قرآن و حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صدیقؓ نبیؐ کا ثانی ہوتا ہے مقام نبوت و رسالت کے بعد مقام صدیقیت ہے۔

خدا تعالے نے جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا اور آپؐ نے ابوبکرؓ پر اسلام پیش کیا تو ابوبکرؓ نے بلا تردد اسلام کو قبول کیا اور اپنے احباب خاص یعنی طلحہؓ اور زبیرؓ اور عثمان بن عفانؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہؓ پر اسلام پیش کیا یہ سب لوگ ابوبکرؓ کے ہاتھ پر

ایمان لائے تو دعوت تبلیغ میں ابوبکرؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ثانی ہوئے اور امامت میں بھی آپؐ کے ثانی ہوئے اور ساری عمر آپؐ کے وزیر و مشیر رہے اور وفات کے بعد حضور پر نورؐ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ غرض یہ کہ از اول تا آخر ابوبکرؓ آپؐ کے ثانی رہے اور آخرت میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ آپؐ کے ثانی ہوں گے۔

احادیث صحیحہ میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب ابوبکرؓ کو غم ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کے لیے یہ فرمایا۔

ما ظنك باثنين الله ثالثهما۔ تیرا ان دو شخصوں کی نسبت کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔

اس سے بھی ابوبکر صدیقؓ کی کمال فضیلت ثابت ہوتی ہے اس پر بعض متعصب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے تیسرے اور چوتھے ہونے سے کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ یعنی کوئی تین شخص ایسے نہیں کہ جب وہ سرگوشی کرتے ہوں تو ان کا چوتھا اللہ نہ ہو اور نہ پانچ ایسے ہیں جن کا اللہ چھٹا نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ حکم ہر مؤمن اور کافر کے لیے عام ہے پس جب اللہ کا کسی کے لیے چوتھا یا چھٹا ہونا موجب فضیلت نہیں تو نبی کا ثانی اثنین ہونا کیسے موجب فضیلت ہو سکتا ہے جواب یہ ہے کہ اعتراض ناسمجھی پر مبنی ہے کیونکہ آیت مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ میں اللہ کا چوتھا یا چھٹا ہونا بلحاظ علم اور تدبیر اور احاطۂ قدرت کے ہے کہ وہ عالم الغیب ہے سب کے سرائر اور ضمائر پر مطلع ہے اس کو حق تعالےٰ نے موقع تعظیم میں ذکر نہیں کیا بخلاف آیت زیر تفسیر کے کہ اس میں خدا تعالےٰ نے ابوبکرؓ کا ثانی اثنین ہونا معرض تعظیم میں ذکر کیا ہے اور اس صفت کو ابوبکرؓ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ایسے نازک موقعہ پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ لینا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپؐ کو یہ یقین کامل تھا کہ ابوبکرؓ کا باطن ان کے ظاہر کے مطابق ہے۔

۴- اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ حق جل شانہ نے اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ کے لفظ سے ابوبکر صدیقؓ کا یار غار ہونا ظاہر کر دیا اور یار غار کی مثل یہیں سے چلی ہے جو شخص یاری اور غمگساری کا حق ادا کر دے اور اس کی محبت اور اخلاص انتہا کو پہنچ جائے تو ایسے محب مخلص کو محاورہ میں "یار غار" کہتے ہیں۔

۵- لِصَاحِبِهِ خدا تعالےٰ نے اس آیت میں ابوبکرؓ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب (ساتھی) قرار دیا یعنی ابوبکرؓ آں حضرت کے صاحب خاص اور مصاحب با اختصاص تھے اور تمام شیعوں اور سنیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں صاحبہ سے ابوبکرؓ

مراد ہیں۔

اور عربی زبان میں صاحب اور صحابی کے ایک ہی معنی ہیں پس یہ آیت ابوبکرؓ کی صحابیت پر نص قاطع ہے یہ رتبہ صرف ابوبکرؓ کو ملا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحابیت کو قرآن میں بیان کیا اسی وجہ سے علماء نے تصریح کی ہے کہ جو ابوبکرؓ کی صحابیت کا منکر ہے وہ قرآن کی اس آیت کا منکر ہے اور قرآن کا منکر کافر ہے۔ اور علیٰ ہذا جن صحابہ کا صحابی ہونا احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے ان کی صحابیت کا انکار بھی کفر ہے البتہ جن صحابہ کا صحابی ہونا خبر واحد سے ثابت ہے ان کی صحابیت کا منکر کافر نہیں کہلائے گا بلکہ گمراہ اور بدعتی کہلائے گا۔

ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ایک شخص سورۃ توبہ کی تلاوت کرتا ہوا جب اس آیت پر پہنچا یعنی اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ پر پہنچا تو ابوبکرؓ سُن کر رو پڑے اور یہ فرمایا کہ خدا کی قسم یہ صاحب میں ہی ہوں (تفسیر ابن جریر ص۹۶ ج ۱۰)

۶۔ لَا تَحْزَنْ جب مشرکین مکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے تو غار کے اندر سے ابوبکرؓ کی نظر ان پر پڑی رونے لگے اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ اگر میں مارا جاؤں تو فقط ایک شخص ہلاک ہوگا لیکن نصیب دشمنان اگر آپؐ مارے گئے تو ساری اُمت ہلاک ہو جائے گی اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کی تسلی کے لیے یہ ارشاد فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ اے ابوبکرؓ تم غمگین نہ ہو تسلی رکھو اور یقین جانو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ (روض الانف ص۴ ج ۲)

خدا تعالیٰ نے نبی کی زبانی ابوبکرؓ کو فرمایا لاتحزن یعنی غم نہ کر یہ نہی کا صیغہ ہے جو دوام اور تکرار پر دلالت کرتا ہے معلوم ہوا کہ اس واقعہ کے بعد ابوبکرؓ پر کسی قسم کا خوف اور غم نہیں نہ موت سے پہلے اور نہ موت کے وقت اور نہ موت کے بعد پس ثابت ہوا کہ ابوبکرؓ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (یعنی قیامت کے دن نہ ان پر کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

معاذ اللہ۔ معاذ اللہ اگر ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہوتے تو جب کفار کے منہ پر پہنچے تھے اس وقت ان کو چلاتے اور یہ کہنے سے کون روکتا تھا کہ محمدؐ جس کو تم ڈھونڈتے پھرتے ہو یہ اس غار میں میرے پاس بیٹھا ہے اور اُن کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ اور ان کی بیٹی اسماءؓ کو جو کھانا لے کر غار پر آتے جاتے تھے ان کو اس امر سے کون مانع تھا کہ وہ کفار سے کہہ دیتے کہ محمد کی جگہ ہم کو معلوم ہے آؤ ہم تم کو وہاں لے چلیں۔ خدا ایسے تعصب سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے آمین۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہٗ ہدیۃ الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ لاتحزن جس کا مطلب یہ ہے کہ تو غمگین نہ ہو یہ لفظ ابوبکرؓ کے عاشق صادق

اور مؤمن مخلص ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ ان کو غمگین ہونے کی کیا ضرورت تھی بلکہ موافق عقیدۂ شیعہ معاذ اللہ اگر ابوبکرؓ دشمن رسولؐ تھے تو یہ نہایت خوشی کا محل تھا کہ رسول اللہ خوب قابو میں آئے ہوئے ہیں اسی وقت پکار کر دشمنوں کو بلا لیتا تھا تاکہ نعوذ باللہ وہ اپنا کام کر لیتے دشمنوں کے لیے اس سے بہتر اور کون سا موقع تھا مگر کہیں انصاف کی آنکھیں اگر مول ملیں تو ہم حضرات شیعہ کے لیے مول لے لیں اور ان کو دے دیں تاکہ وہ کچھ تو پاس رفاقت خلیفۂ اوّل کریں سہ

جو پاس مہر و محبت یہاں کہیں ملتا تو مول لیتے ہم اپنے مہرباں کے لیے

غار میں تنہائی تھی ابوبکرؓ کو اس تنہائی میں مار ڈالنے کا بہت اچھا موقع تھا وہاں کون پوچھتا تھا۔ مار کر کہیں چل دیتے اور ابوبکرؓ کے فرزند ارجمند یعنی عبداللہ بن ابی بکرؓ غار ثور پر جاسوسی کے لیے مقرر تھے انہیں کے ذریعہ دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے یا اسماء بنت ابی بکرؓ جو غار پر کھانا لے کر آیا کرتی تھیں ان کے ذریعہ دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے اگر خاندان صدیقؓ کو کچھ بھی عداوت ہوتی تو یہ رازداری اور جاں نثاری کے معاملے نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض یہ کہ ابوبکرؓ کا رنجیدہ اور غمگین ہونا اور دشمنوں کو دیکھ کر رونا یہ سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عشق اور محبت میں تھا اگر ابوبکرؓ کو اپنی جان کا ڈر ہوتا تو بجائے حُزن کے خوف کا لفظ مستعمل ہوتا اس لیے کہ عربی زبان میں حزن کا لفظ رنج و غم کی جگہ یا محبوب کے فراق یا تمنا کے فوت ہو جانے کے محل میں استعمال کرتے ہیں اور جہاں جان پر بنتی ہو اور ڈر کا مقام ہو وہاں خوف کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السّلام جب کوہِ طور پر گئے اور پیغمبری لی تو خدا تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السّلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈالو۔ ڈالا تو اژدہا بن گیا موسیٰ علیہ السّلام اس سے ڈر کر ایسے بھاگے کر پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا اس وقت خداوند کریم نے یہ فرمایا۔

يٰمُوسٰى لَا تَخَفْ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ — اے موسیٰ! ڈرومت میرے پاس رسول ڈرا نہیں کرتے۔

اس جگہ موسیٰ علیہ السّلام کو اپنی جان کا ڈر ہوا اس لیے اللہ تعالےٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ فرمایا لاتخف ڈرومت اور یوں نہیں فرمایا۔ لاتحزن یعنی رنجیدہ اور غمگین نہ ہو۔ اور اسی طرح موسیٰ علیہ السّلام نے جب ایک قبطی کو مار ڈالا اور ان کو ڈر ہوا کہ فرعون کے لوگ مجھ کو مار ڈالیں گے تو موسیٰ علیہ السّلام وہاں سے ڈر کر بھاگے اس موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یعنی موسیٰ علیہ السّلام وہاں سے ڈرتے ہوئے نکلے اور بیسیوں جگہ کلام اللہ میں خوف کا لفظ موجود ہے اور یہی معنی ہیں اور جہاں غم کا مقام ہے وہاں حزن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں نے جب حضرت یعقوب علیہ السّلام سے کہا کہ اندیشہ ہے کہ تم یوسف کے غم میں کہیں مر نہ جاؤ تو حضرت یعقوب علیہ السّلام نے فرمایا اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّىْ وَحُزْنِىْٓ اِلَى اللّٰهِ۔

یعنی میں اپنی پریشانی اور رنج وغم کا شکوہ اللہ سے کرتا ہوں۔ اس مقام پر حزن کا لفظ استعمال فرمایا خوف کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

نیز قرآن کریم کی بہت سی آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حزن کے اور معنی ہیں اور خوف کے اور معنی ہیں۔ کما قال تعالٰی تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا۔ یعنی جب پکے مسلمان مرتے ہیں تو رحمت کے فرشتے ان پر اترتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہ تم ڈرو اور نہ تم غمگین ہو لیں اگر حزن اور خوف کے ایک ہی معنی ہوئے تو مکرر کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

صحیح یہ ہے کہ غم اور چیز ہے اور خوف اور چیز ہے خوف اسے کہتے ہیں کہ کچھ آگے کا اندیشہ ہو اور غم یہ ہے کہ بالفعل دل کی تمنا ہاتھ سے نکل جائے۔ نیز غم خوشی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور خوف اطمینان کے مقابلہ میں مثلاً کسی کا عزیز قریب مر جائے تو اس پر جو حالت پیش آتی ہے اس کو غم کہتے ہیں خوف کوئی نہیں کہتا اور اگر کسی کا لڑکا دیوار پر چڑھ جائے اور وہاں سے اندیشہ گر کر مر جانے کا ہو تو اس اندیشہ کو البتہ خوف کہنے لگے لیکن کوئی نادان بھی اس کو غم نہ کہے گا۔ البتہ غم عین مصیبت کے وقت جو حالت ہوتی ہے اسے کہتے ہیں اور خوف مصیبت کی آمد آمد کی کیفیت کا نام ہے اور اگر بہ پاس خاطر شیعہ لاتحزن کو بھی ہم بمعنی لاتخف ہی سمجھیں تب بھی ہمارا چنداں نقصان نہیں اس لیے کہ اس صورت میں یہ معنی ہونگے لے ابوبکرؓ مت ڈر اور ظاہر ہے کہ ابوبکرؓ جو خوفناک ہوں گے اور ان کو جو اپنی جان کا کھٹکا ہو گا تو اسی سبب سے ہو گا کہ کفار کو ان کے ساتھ دشمنی ہو گی اور وہ دشمنی بھی بوجہ اسلام و ایمان ہو گی ورنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کی کیا ضرورت تھی اور پھر وہ بھی اس قدر کہ خدا تعالٰے ہمارے ساتھ ہے۔

۷۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا | رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لاتحزن کے بعد ابوبکرؓ کو یہ تسلی دی کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا تم مایوس اور غمگین نہ ہو تحقیق اللہ تعالٰے ہمارے دونوں کے ساتھ ہے یعنی خدا تعالٰے کی عنایات ہمارے ساتھ ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا تعالٰے تو مسلمانوں کی طرف داری اور حمایت کرتا ہے نہ کہ کافروں اور منافقوں کی کما قال تعالٰے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور اس قسم کے کلمات سے کلام اللہ بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ خدا تعالٰے نے اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے ضمن میں اس بات پر متنبہ کر دیا کہ کفار ابوبکر صدیقؓ سے بھی دشمنی رکھتے تھے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ان کی تسلی کرتے اور خدا کیوں ان کے ساتھ ہوتا اور نہیں تو اتنا بھی بہت ہے کہ خدا ان کے ساتھ اسی طرح سے ہے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اس لیے کہ حق تعالٰے نے ایک ہی لفظ یعنی معنا بصیغہ جمع سے دونوں کی مددگاری کو بیان فرمایا ہے اور دو لفظ نہ فرمائے۔ یعنی اِنَّ اللّٰهَ مَعِيَ وَمَعَكَ نہ فرمایا جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا میرے ساتھ بھی ہے۔ تو اس سے

اور بھی واضح ہو گیا کہ جس طرح خدا تعالیٰ رسول اللہ کے ساتھ تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ تھا۔

نیز اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا جملہ اسمیہ ہونے کی وجہ سے دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کی معیت اور نصرت اور حمایت ہمیشہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گی۔ اور اللہ کبھی ان سے جُدا نہ ہوگا اور اگر بالفرض یہ جملہ ہمیشگی پر دلالت نہ بھی کرے تو اتنی بات تو شیعوں کو بھی تسلیم کرنی ہی پڑے گی کہ اس وقتِ خاص میں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ دونوں خدا کی ہمراہی اور ہمدمی میں شریک تھے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ خداوند ذوالجلال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کبھی علیحدہ اور جدا ہو اور ان کی ہمراہی اور طرفداری چھوڑ دے سو اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تو دائمی ہے لہٰذا اس صورت میں ابوبکرؓ کا حصہ بھی دائمی ہوگا کیونکہ دونوں حصے رسلے ملے ہیں بٹے ہوئے نہیں ایک مع کا لفظ دونوں کے لیے معاً استعمال فرمایا ہے ہر ایک کے لیے جدا جدا مع کا لفظ استعمال نہیں فرمایا یعنی معی و معک نہیں فرمایا نیز اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی معیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ کی نفس ذات کے ساتھ ہے کسی شرط پر موقوف نہیں اس لیے کہ اگر لاتحزن کے بعد اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ فرماتے تو یہ گمان ہوتا کہ اللہ کی معیت اور ہمراہی ایمان کے ساتھ مشروط ہے جب ایمان گیا تو ہمراہی بھی ساتھ گئی اور درصورتیکہ ہمراہی بلا کسی شرط کے ہو تو وہ دائمی ہوگی اور اس میں زوال کا احتمال نہ ہوگا الحاصل چونکہ اللہ تعالیٰ نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرمایا ہے اور اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وغیرہ جو کسی وصف پر دلالت کرے نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی معیت اور ہمراہی ابوبکرؓ کی ذات اور جان کے ساتھ ہے کسی وصف کے ساتھ نہیں کیونکہ ضمائر باجماع ائمہ نحو نفس ذات پر دلالت کرتی ہیں کسی وصف پر دلالت نہیں کرتیں۔

حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے کلام معرفت القیام کا خلاصہ ختم ہوا تفصیل اگر درکار ہے تو اصل ہدیۃ الشیعہ کی مراجعت کریں۔

نکتہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب غارِ ثور میں کفار کے آنے سے پریشانی ہوئی تو آنحضرتؐ نے انکو تسلی کیلئے یہ فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا. مَعَنَا میں ضمیر جمع لائے اور صدیق اکبرؓ کو بھی اس معیت میں شریک فرمایا اور موسیٰؑ کے اصحاب کو جب فرعون اور اسکے لشکر کے آجانے سے پریشانی ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ لفظ معی کو بصیغہ مفرد فرمایا یعنی اللہ میرے ساتھ ہے اور معنا صیغہ جمع کا نہ فرمایا جس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ ہم سب کے ساتھ ہے غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے معیت خداوندی کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا اور قوم کو اس دولت میں شریک نہ کیا وجہ فرق کی یہ ہے کہ صدیق اکبرؓ کو اپنی کوئی پریشانی نہ تھی۔ پریشانی فقط حضورؐ کی تھی کہ مبادا کوئی دشمن آپ کو

دیکھ لے اور حضرت صدیقؓ دولت توکل سے مالا مال تھے ان کی تسلی کے لیے یہی کلام مناسب تھا جو حضور پرنورؐ نے استعمال فرمایا اور معیت الٰہیہ میں ان کو شریک کیا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ تھے وہ نہ تو حضرت صدیقؓ کے برابر متوکل تھے اور نہ یارِ غار کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عاشقِ زار اور جاں نثار تھے ان کو تو اپنی جان کا خطرہ تھا پھر خطرہ ہی نہیں بلکہ اس کا جزم اور یقین تھا کما قال تعالیٰ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۔ جس میں اِنَّ اور لام تاکید اور جملہ اسمیہ تین موکدات موجود ہیں یعنی بس ہم تو یقیناً پکڑے گئے حالانکہ بارہا اس کا مشاہدہ کر چکے تھے کہ فرعون کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی کس طرح مدد فرمائی اور اس وقت بھی خدا کے حکم سے اور اس کے وعدۂ نصرت سُن کر چلے تھے ان تمام امور کے ہوتے اتنی پریشانی کہ اپنے پکڑے جانے کا یقین اور جزم کر بیٹھے جو اُن کے غیر متوکل اور غیر کامل الیقین ہونے کی دلیل ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دھمکا کر فرمایا۔ كَلَّا ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا جس تاکید سے انہوں نے اپنے پکڑے جانے کو ظاہر کیا تھا اس کا جواب بھی تاکید کے ساتھ دیا گیا اور لفظ معی کو مفرد لائے اور باوجود خبر ہونے کے اس کو مقدم کیا تاکہ فائدہ حصر کا حاصل ہو اس لیے کہ تقدیم ما حقہ التاخیر مفیدِ حصر ہوتی ہے مطلب یہ تھا کہ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور تم لوگ بوجہ ضعیف الیقین ہونے کے معیت حق سے محروم ہو ہر ایک کا کلام اپنے اپنے موقعہ پر نہایت بلیغ ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخاطب صدیق اکبرؓ جیسے ہوتے تو وہ بھی وہی فرماتے جو حضور پرنورؐ نے فرمایا اور اگر حضورؐ کے مخاطب وہ لوگ ہوتے جو حضرت موسیٰؑ کے تھے تو حضورؐ بھی وہی فرماتے جو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا بلاغت کے معنی مقتضائے حال کی رعایت کے ہیں۔

حکیم الامت تھانویؒ کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا دیکھو وعظ الرفع والوضع ص۴۵ نمبر ۳۲ از سلسلۂ تبلیغ۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کی معیت۔ معیت ربانیہ تھی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ کی معیت معیتِ الٰہیہ تھی۔ جس کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسم اللہ کے ساتھ ذکر فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے اسی آیت میں حق جل شانہٗ کی معیت کو اسم اعظم (یعنی لفظ اللہ) کے ساتھ ذکر فرمایا جو تمام صفات کمال کو جامع ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی معیت کو اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا یہ نکتہ عارف کامل شیخ ابن لبانؒ کی کلام کی تشریح ہے جس کو علامہ قسطلانیؒ نے مواہب لدنیہ میں ذکر کیا ہے۔

۸۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سکینت سے طمانینت مراد ہے اور شیخ الاسلام ہرویؒ فرماتے

ہیں کہ سکینت ایک خاص کیفیت اور حالت کا نام ہے جو تین چیزوں کی جامع ہوتی ہے۔ نور[1] اور قوت[2] اور روح[3]۔ نور سے قلب روشن اور منور ہو جاتا ہے دلائل ایمان اور حقائق ایقان اس پر منکشف ہو جاتے ہیں حق اور باطل۔ ہدایت اور ضلالت۔ شک اور یقین کا فرق اس پر واضح ہو جاتا ہے۔
قوت سے قلب میں عزم اور استقلال پیدا ہوتا ہے حق جل وعلا کی اطاعت و بندگی کے وقت اس کو خاص نشاط حاصل ہونے لگتا ہے اور اسی قوت کی وجہ سے قلب مؤمن نفس کے تمام دواعی اور مقتضیات کے مقابلہ میں غالب اور کامیاب رہتا ہے۔
اور روح سے قلب میں حیات اور زندگی پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے قلب خواب غفلت سے بیدار ہو کر خدا کی راہ میں چست اور چالاک ہو جاتا ہے۔
بخاری اور مسلم میں ہے کہ غزوۂ خندق میں عبداللہ بن رواحہؓ کا یہ رجز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر تھا۔

اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے
فانزلن سکینۃ علینا

پس تو اپنی خاص تسکین اور طمانینت ہم پر نازل فرما جس سے ہماری پریشانی اور اضطراب دور ہو۔ تفصیل کے لیے مدارج السالکین ص ۲۷۲ ج ۲۔ کی مراجعت کریں۔
مشہور قول یہ ہے کہ فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلَیۡہِ میں علیہ کی ضمیر مجرور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور ابن عباسؓ سے یہ مروی ہے کہ علیہ کی ضمیر صاحب کی طرف یعنی ابوبکرؓ کی طرف راجع ہے اس لیے کہ لفظ صاحبہ قریب میں واقع ہے اور ضمیر کا قریب کی طرف راجع کرنا زیادہ بہتر ہے نیز فَاَنۡزَلَ کی فا بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ لا تحزن پر تفریع ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب ابوبکر صدیقؓ حزیں و غمگین ہوئے تو اللہ نے ان کے حزن و غم کو دور کرنے کے لیے ان پر سکینت و طمانینت نازل کی۔ (دیکھو روح المعانی ص ۹۸ ج ۱۰ اور زرقانی شرح مواہب ص ۳۳۶ ج ۱)
مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنی سکینت ابوبکر صدیقؓ پر نازل کی کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سکینت الٰہی ہمیشہ رہتی تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہی منقول ہے کہ علیہ کی ضمیر صاحبہ یعنی ابوبکر صدیقؓ کی طرف راجع ہے (دیکھو زاد المسیر ص ۴۴۰ ج ۳ لابن الجوزیؒ) اور امام رازیؒ نے بھی تفسیر کبیر ص ۲۵۱ ج ۴ میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ علیہ کی ضمیر ابوبکر صدیقؓ کی طرف راجع ہو۔
علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک عَلَیۡہِ کی ضمیر مجرور ابوبکرؓ کی طرف راجع ہے اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پہلے ہی سے سکون اور اطمینان حاصل تھا۔ اور بعض علماء کے نزدیک علیہ کی ضمیر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف راجع ہے اور ابوبکر صدیقؓ بہ تبعیت اس میں

داخل ہیں اور مصحف حفصہ رضی اللہ عنہا میں فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِمَا۔ بصیغہ تثنیہ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت و طمانینت دونوں پر نازل کی اب بحمدہٖ تعالیٰ کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ (دیکھو روض الانف ص۲۶ ج۲)

اور امام ابن انباریؒ یہ فرماتے ہیں کہ عَلَیْہِ کی ضمیر اگرچہ مفرد ہے مگر قائم مقام تثنیہ کے ہے بیک وقت دونوں کی طرف راجع ہے جیسا کہ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ میں یرضوہ کی ضمیر منصوب اگرچہ لفظاً مفرد ہے مگر معنیً تثنیہ ہے اللہ اور رسول دونوں کی طرف راجع ہے اسی طرح فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ کی تقدیر کلام یہ ہے۔ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِمَا (دیکھو زاد المسیر ابن الجوزی ص۴۴۱ ج۳)

۹- وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا اور قوت دی اللہ نے آپؐ کو ایسے لشکروں سے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے غار ثور پر فرشتوں کا پہرہ لگا دیا جس کی وجہ سے مشرکین کے دلوں پر ایسا رعب چھایا کہ غار کے اندر جھانکنے کی ہمت نہ ہوئی جیسے اصحاب کہف کے غار پر من جانب اللہ ایک رعب ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص اس غار کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا۔ کما قال تعالیٰ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْھِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْھُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْھُمْ رُعْبًا۔

چنانچہ معجم طبرانی میں اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ جب قریش آپؐ کو تلاش کرتے کرتے غار تک پہنچے تو ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ شخص جو بالکل غار کے سامنے کھڑا ہے ہم کو ضرور دیکھ لے گا۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں فرشتے ہم کو اپنے پروں سے چھپائے ہوئے ہیں۔ اتنے ہی میں وہ شخص غار کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ سے فرمایا اگر یہ شخص ہم کو دیکھتا ہوتا تو ہمارے سامنے بیٹھ کر پیشاب نہ کرتا۔ (فتح الباری ص۱۸۱ ج۷، اور روح المعانی ص۹۵ ج۱۰)

اور بعض علماء تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ وَاَیَّدَہٗ کی ضمیر بھی ابوبکرؓ ہی کی طرف راجع ہے جس کی تائید انس بن مالکؓ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ کہا۔

یا ابابکر اِنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْکَ وَاَیَّدَکَ الخ (روح المعانی ص۹۵ ج۱۰)	اے ابوبکرؓ اللہ نے تجھ پر سکینت وطمانینت نازل کی اور تجھ کو قوت اور مدد پہنچائی۔

۱۰- وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝

اور اللہ نے کافروں کی بات کو نیچا کیا اور ان کی تدبیر اور منصوبہ کو ناکام کیا اور آپؐ کی حفاظت

علہ کان فی الغار صرفت الملائکۃ وجوہ الکفار وابصارھم عن رؤیتہ قالہ الزجاج (زاد المسیر ص۴۴۱ ج۳)

کے لیے غار پر فرشتوں کا پہرہ لگا دیا اور غار کے کنارہ سے دشمنوں کو بے نیلِ مرام واپس کر دیا۔ اور خیر و عافیت سے مدینہ منورہ پہنچا دیا اور تمام راستے قدم قدم پر تائید غیبی کے کرشمے ظاہر ہوتے رہے جیسا کہ احادیث میں ان کا ذکر ہے یہاں تک کہ سید الابرار اور آپ کے یارِ غار اور محب جاں نثار اللہ کی حفاظت میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

تتمۂ کلام بعض شیعہ لاچار ہو کر یہ کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس واقعہ سے ابوبکرؓ کی فی الجملہ فضیلت ثابت ہوتی ہے مگر ان کی یہ فضیلت علیؓ کی فضیلت سے بڑھی ہوئی نہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شبِ ہجرت علیؓ کو یہ حکم دیا کہ تم میری جگہ میرے بستر پر سو رہو اور ظاہر ہے کہ ایسے خطرہ کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹنا اور اپنی جان کو رسولؐ خدا کے فدیہ کے لیے حاضر کر دینا مشکل کام ہے کیونکہ علیؓ کو یہ یقیناً معلوم تھا کہ کفار رسولؐ خدا کے قتل کی فکر میں لگے ہوئے ہیں پس علیؓ کا یہ عمل ابوبکرؓ کے عمل سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہے۔

جواب حضرت علیؓ کا ایسے خطرناک وقت میں آپؐ کے بستر پر سو جانا بیشک موجب فضیلت ہے لیکن ایسے خطرناک وقت میں ابوبکرؓ کی رفاقت اس سے کہیں بڑھ کر فضیلت ہے اس لیے کہ کفار بہ نسبت علیؓ کے ابوبکرؓ پر زیادہ دانت پیستے تھے کفار کو معلوم تھا کہ ابوبکرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر و مشیر ہے اور جان و مال سے آپؐ کا حامی اور معین اور مددگار ہے۔ اور دعوت و تبلیغ میں آپؐ کے ساتھ پیش پیش ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی تبلیغ سے طلحہؓ اور عثمان اور زبیرؓ جیسے اکابر اسلام میں داخل ہوئے بخلاف علیؓ کے کہ وہ اس وقت نوعمر تھے اور ابھی تک ان سے نہ کوئی دعوت و تبلیغ ظاہر ہوئی اور نہ کوئی جانی اور مالی جہاد اس وجہ سے کفار حضرت علیؓ کے زیادہ دشمن نہ تھے یہی وجہ تھی کہ جب کفار نے صبح کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بستر پر علیؓ کو دیکھا تو فوراً واپس ہو گئے۔ اور علیؓ سے کچھ تعرض نہ کیا وجہ جس کی یہ ہے کہ حضرت علیؓ کم عمر تھے کم عمری کی وجہ سے کفار کی مزاحمت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے کفار کو ان سے زیادہ دشمنی نہ تھی۔ کفار کو اصل پرخاش ابوبکرؓ سے تھی پس حضرت علیؓ کو جو کچھ پریشانی رہی وہ صرف ایک رات رہی صبح کو اٹھتے ہی وہ پریشانی ختم ہوئی اور حضرت علیؓ کو اپنی جان کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا بخلاف ابوبکرؓ کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کی وجہ سے تین روز تک غار ثور میں بھی اور اس کے بعد بھی جب تک مدینہ نہیں پہنچے برابر خطرہ میں رہے اور با ایں ہمہ انہوں نے رسولِ خدا کا ساتھ نہ چھوڑا جس سے ابوبکرؓ کی علیؓ پر فضیلت ثابت ہوئی۔

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ منطق الطیر میں فرماتے ہیں ؎

خواجۂ اوّل کہ اوّل یارِ اوست ثانیَ اثنین اذ ہما فی الغار اوست
صدرِ دیں صدیق اکبر قطبِ حق در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق

ہر چہ حق از بارگاہ کبریا ریخت در صدرِ شریف مصطفےٰ
او ہمہ در سینۂ صدیق ریخت لاجرم تا بود از و تحقیق ریخت
چوں تو کردی ثانی اثنینش قبول ثانی اثنین او بود بعد از رسول

خاتمۂ کلام برنصیحت معرفت التیام

یہ رکوع غزوۂ تبوک کے بارہ میں نازل ہوا جس کا آغاز اس عنوان سے ہوا۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ۔ اس کے بعد قصہ کی تفصیل فرمائی۔ قصہ کا آغاز جہاد میں سستی کرنے والوں پر ملامت سے ہوا جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ملامت کی، جنہوں نے دنیا پر قناعت کی اور آخرت کے کام میں سستی کی اور خطاب سراپا عتاب کا آغاز۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے عنوان سے ہوا کہ ایمان کا مقتضیٰ یہ نہیں کہ بمقابلۂ آخرت دنیاوی زندگی پر راضی ہو جائے پوری دنیا کا سازو سامان آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ اور دنیاوی زندگی کی رغبت کو اِثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ سے تعبیر فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ دنیا کی رغبت پستی ہے اور آخرت کی رغبت بلندی ہے شروع کلام سے اس بات پر متنبہ کر دیا کہ تمام خرابیوں کی جڑ دنیا پر قناعت کر لینا اور آخرت کو بھول جانا ہے۔
اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ذٰلِكَ۔ آمین۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِیْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا
اگر کچھ مال ہوتا نزدیک اور سفر ہلکا تو تیرے
لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَیْهِمُ
ساتھ چلتے ، لیکن دور نظر آئی ان کو
الشُّقَّةُ ؕ وَ سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا
طرف ۔ اور اب قسمیں کھاویں گے اللہ کی کہ ہم مقدور رکھتے
لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ یُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ
تو نکلتے تمہارے ساتھ وبال میں ڈالتے ہیں اپنی جان

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ

اور اللہ جانتا ہے وہ جھوٹے ہیں ۔ اللہ بخشے تجھ کو

لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ

کیوں رخصت دی تونے ان کو جب تک معلوم ہوتے تجھ پر جنہوں نے

صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ

سچ کہا اور جانتا تو جھوٹوں کو ۔ نہیں رخصت مانگتے

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ

تجھ سے جو لوگ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر اس

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

سے کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے ۔ اور اللہ خوب

بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا

جانتا ہے ڈر والوں کو ۔ رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو نہیں یقین

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ

رکھتے اللہ پر اور پچھلے دن پر اور شک میں پڑے

قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ

ہیں دل اُن کے، سو اپنے شک ہی میں بھٹکتے ہیں ۔ اور اگر

اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ

چاہتے نکلنا تو تیار کرتے کچھ اسباب اس کا اور لیکن خوش

اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ

نہ ہوا اللہ کو ان کا اٹھنا سو بوجھل کر دیا ان کو اور حکم ہوا کہ بیٹھو ساتھ

الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا

بیٹھنے والوں کے۔ اگر نکلتے تم میں کچھ نہ بڑھاتے تمہارا مگر

خَبَالًا وَّ لَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ

خرابی اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر بگاڑ کروانے کی تلاش

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور تم میں بعضے ایسے ہیں جاسوس ہیں ان کے، اور اللہ خوب جانتا ہے بے انصافوں کو۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ

کرتے رہے ہیں تلاش بگاڑ کی آگے سے اور الٹتے رہے ہیں تیرے

الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ

کام جب تک آپہنچا سچا وعدہ اور غالب ہوا حکم اللہ کا

وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور وہ ناخوش ہی رہے۔

بیان احوال و اقوال منافقین متخلّفین

قال اللہ تعالیٰ۔ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا ... الیٰ ... وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں اس غزوہ کے متعلق مؤمنین کو خطاب تھا۔ اب آگے منافقین کے احوال و اقوال کا بیان ہے کہ وہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ جانے سے حیلے اور بہانے ڈھونڈتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ کسی طرح جہاد میں جانا نہ پڑے آخیر سورت تک زیادہ تر منافقین ہی کے اقوال کا ذکر ہے کہ باوجود عذر نہ ہونے کے نفاق کے سبب غزوہ میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے اور اس درمیان میں کسی مناسبت کی بنا پر دوسرے مضامین کا بھی ذکر آگیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں

اگر ہوتی وہ چیز جس کی طرف آپ نے اُن کو بلایا ہے نفع قریب الحصول یعنی سہل الحصول غنیمت ہوتی۔

اور درمیانہ سفر ہوتا یعنی آسان اور ہلکا سفر ہوتا تو یہ منافقین ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے ولیکن دور نظر آئی ان کو راستہ کی مسافت مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ مال پر حریص ہیں اور آرام طلب ہیں چونکہ سفر تبوک لمبا سفر تھا اور اس میں مال غنیمت ملنے کی بھی امید نہ تھی۔ اس لیے منافقین نے اس غزوہ میں آپ کا ساتھ نہیں دیا اور اب وہ مسلمانوں کے آگے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم سے بن پڑتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ یعنی جھوٹے حیلے بہانے بنائیں گے اور خدا کی جھوٹی قسمیں کھائیں گے وہ اپنے نفاق اور جھوٹی قسموں سے اپنی جانوں کو خود ہی ہلاک کر رہے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو مستحق عتاب بنا رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی قسموں اور اپنے عذروں میں جھوٹے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہونے لگے تو بعض منافقین نے جھوٹے عذر تراش کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہمراہ نہ جانے کی اجازت حاصل کرلی آپ نے ان کو اجازت دے دی حق جل شانہ کو آپ کا یہ اجازت دینا پسند نہ آیا اس لیے آئندہ آیت میں اس اجازت کا غیر مناسب ہونا بیان فرماتے ہیں۔ (اے نبی) اللہ تعالے نے آپ کو معاف کردیا۔ آپ نے ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دے دی مناسب یہ تھا کہ آپ ان کو اجازت دینے میں عجلت نہ فرماتے یہاں تک کہ وہ لوگ تجھ پر ظاہر ہو جاتے کہ جو دعوائے ایمان اور اپنے عذر میں سچے ہیں اور تاکہ آپ جھوٹ بولنے والوں کو جان لیتے مطلب یہ ہے کہ ان کو اجازت دینا مناسب نہ تھا ان کا اجازت چاہنا نفاق پر مبنی تھا۔ آپ نے ان کو اجازت دینے میں ذرا جلدی کی۔ اس عجلت کی بناء پر اللہ تعالے نے اپنے نبیؐ کو عتاب فرمایا اور کمال عنایت سے قصور بیان کرنے سے پہلے معافی کو ظاہر کر دیا اور درحقیقت یہ خطاب۔ خطابِ ملاطفت ہے نہ کہ خطاب عتاب ہے اور اگر خطاب عتاب بھی ہے تو اس سے مقصود منافقین کی تہدید ہے قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ خدا تعالے نے اس سے پہلے اپنے نبی کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ آپ ان کو اجازت نہ دیں اور جس بات میں آپ پر وحی نہیں کی گئی ہو اس میں آپ ترک اور فعل دونوں کے مختار ہیں پس آپ سے کسی گناہ کا تو صدور نہیں ہوا البتہ ایک خلاف اولیٰ امر ظہور میں آیا جس پر حق تعالے نے بطور تلطف و عنایت عَفَا اللّٰہُ عَنکَ سے آپ کو متنبہ کیا جس سے مقصود آپ کی عظمت شان کو ظاہر کرنا ہے۔ بسا اوقات اس قسم کے الفاظ مخاطب کے ساتھ لطف و عنایت ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جیسے اَصْلَحَكَ اللّٰهُ وَاَعَزَّكَ اللّٰهُ وَعَفَاكَ اللّٰهُ اور لفظ عفو کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ گناہ یا خطا کے معاف کرنے کے لیے مستعمل ہو بلکہ بعض اوقات عدم وجود کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عفا اللہ عنکم عن صدقۃ الخیل والرقیق۔ یعنی اللہ تعالے نے تمہارے لیے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کردی معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالے کی طرف

سے ان چیزوں پر کوئی مطالبہ نہیں جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان اور یقین رکھتے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کے بارے میں آپ سے اجازت نہیں طلب کرتے کہ وہ جہاد میں شریک نہ ہوں کیونکہ خدا کی راہ میں جہاد و قتال ان کی دلی تمنا اور آرزو ہے ان کا جان و مال تو ہر وقت جہاد کے لیے حاضر ہے۔ وہ جہاد میں شریک نہ ہونے کے لیے کیسے اجازت طلب کر سکتے ہیں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جاننے والا ہے۔ ہر متقی کو بقدر اس کے تقویٰ کے اجر عطا کرتا ہے جز ایں نیست کہ آپ سے جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت صرف وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور حیات اُخرویہ کی کوئی تمنا دل میں نہیں رکھتے جس کے حصول کے لیے جہاد کریں اور ان کے دل اسلام کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں پس وہ اپنے شک میں سرگرداں اور حیران پھرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے نبی! جو لوگ جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں وہ منافق ہیں۔ شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ مسلمان غالب آئیں گے اس لیے کبھی مسلمانوں کی طرف جھکتے ہیں اور کبھی کافروں کی طرف اور جو مؤمنین مخلصین ہیں وہ تو جہاد کے عاشق ہیں ان کا حال تو یہ ہے سے

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور ان منافقین کا جہاد میں نہ جانے کے لیے اجازت طلب کرنا سب جھوٹ اور نفاق ہے۔ اگر یہ منافقین تمہارے ساتھ جہاد میں جانے کا ارادہ کرتے تو ضرور اس کے لیے کوئی سامان تیار کرتے ولیکن انہوں نے کوئی تیاری نہیں کی وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ ہی نے ان کا اس سفر میں اٹھنا اور تمہارے ساتھ جانا پسند نہیں کیا پس ان کو حرکت کرنے سے روک دیا اور ان پر ایسی سستی اور کاہلی غالب کر دی کہ حرکت ہی نہ کر سکیں اور تکوینی طور پر ان سے یہ کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھے رہو۔ یعنی جس طرح عورتیں اور بچے اور اپاہج گھر میں بیٹھے رہتے ہیں اسی طرح تم بھی گھر میں بیٹھے رہو۔ اور جہاد کے لیے نہ نکلو۔ اور اے مسلمانو! ان کے نہ جانے ہی میں خیر ہوئی اگر وہ تم میں شامل ہو کر جہاد کے لیے نکلتے تو سوائے فتنہ اور فساد کے کوئی شے زیادہ نہ کرتے یعنی دشمن کے مقابلہ میں نامردی دکھاتے اور تمہارے درمیان فتنہ فساد پھیلانے کے لیے دوڑے دوڑے پھرتے یعنی تم میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے یا تم کو رومیوں کے مقابلہ سے ڈراتے مثلاً یہ کہتے کہ تمہارے مقابلہ پر اس قدر کثیر التعداد لشکر جمع ہوا ہے تم میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں اور تم میں بعض ان کے جاسوس بھی ہیں تمہاری خبریں ان کو پہنچاتے ہیں۔ اور فتنہ و فساد میں ماہر ہیں یا یہ مطلب ہے اور تم میں بعضے ایسے بھی ہیں جو ان کی باتوں کو اپنی کمزوری کی وجہ سے صحیح سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے یعنی منافقوں کو اور ان کی فتنہ پردازیوں کو خوب جانتا ہے۔

اور ان کی فتنہ پردازی کوئی نئی چیز نہیں۔ البتہ تحقیق ان لوگوں نے اے نبی! اس سے پہلے بھی فساد ڈالنے اور تیرے کاموں کو بگاڑنے اور خراب کرنے کی تدبیریں کی ہیں۔ جیسا کہ احد میں فساد ڈالا تھا اور مسلمانوں کی مدد چھوڑ دی تھی یہاں تک کہ اللہ کا حق وعدہ سامنے آگیا اور اللہ کا حکم غالب آیا اور مسلمانوں کو فتح و نصرت نصیب ہوئی اور دین اسلام سربلند ہوا اور وہ اسلام کی فتح و نصرت کو پسند نہیں کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کو شکست دلانے کی تدبیریں کرتے رہے یہاں تک کہ خدا نے تم کو فتح دی اور وہ اس سے ناخوش تھے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ

اور بعضے ان میں کہتے ہیں مجھ کو رخصت دے اور گمراہی میں نہ ڈال

اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ

سنتا ہے وہ تو گمراہی میں پڑے ہیں، اور دوزخ گھیر رہی ہے

بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

منکروں کو۔

(ربط) گزشتہ آیات میں عام منافقین کے احوال واقوال کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں خاص خاص منافقین کے خاص خاص اقوال واحوال کا ذکر کرتے ہیں اس آیت میں جس منافق کے قول کا ذکر ہے اس کا نام جد بن قیس تھا جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ غزوۂ روم کے لیے نکل تو اس نے کہا یا رسول اللہ میری تمام قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کی محبت میں مشہور ہوں۔ اور روم کی عورتوں کا حسن مشہور ہے میں عورت کی شکل دیکھ کر صبر نہیں کر سکتا پس آپؐ مجھ کو لیجا کر فتنہ میں نہ ڈالیے میں اپنے مال سے آپؐ کی مدد کر سکتا ہوں آپؐ نے نہایت خشمگین ہو کر فرمایا اچھا تجھے اجازت ہے اس کے بارہ میں حق تعالےٰ نے یہ آیت اتاری اور ان منافقوں میں سے ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتا ہے کہ مجھ کو گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دے دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے آگاہ ہو جاؤ کہ یہ لوگ تو پہلے ہی سے فتنہ میں گر چکے ہیں نفاق سے بڑھ کر کیا فتنہ ہوگا۔ زنانِ روم کا فتنہ تو بعد میں پیش آئے گا یہ اس سے پہلے ہی فتنہ میں گر چکے ہیں اور جہنم کا فتنہ اس کے علاوہ ہے اور تحقیق جہنم کا فروں کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ لوگ دوزخ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے اور اسباب جہنم میں سے آپؐ پر حسد اور آپؐ کی عداوت ہے آئندہ آیت میں اس کا بیان ہے۔

نکتہ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكٰفِرِينَ جملہ اسمیہ ہے جو متعدد تاکید کے ساتھ مقرون ہے اشارہ اس طرف ہے کہ جہنم کا کافروں کو محیط ہونا امر قطعی اور یقینی ہے جس کا سبب وہی فتنۂ نفاق اور فتنۂ شہوات ہے کہ جس کے اسباب ان کو گھیرے ہوئے ہیں اور بالکافرین میں اشارہ اسی طرف ہے کہ علت اس کی کفر اور حرکات کفریہ ہیں جو ان کو احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ نفاق اور کفر کے احاطہ سے ان کا نکلنا بہت مشکل ہے اس لیے آئندہ آیات میں پھر ان کے نفاق کا حال بیان کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اخلاص اور توکل کی ہدایت اور نصیحت فرماتے ہیں۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ

اگر تجھ کو پہنچے کچھ خوبی وہ بری لگے ان کو، اور اگر پہنچے سختی،

مُصِيبَةٌ يَّقُولُوا قَدْ اَخَذْنَا اَمْرَنَا مِنْ

کہیں ہم نے سنبھال لیا تھا اپنا کام آگے ہی

قَبْلُ وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ

اور پھر کر جاویں خوشیاں کرتے۔ تو کہہ ہم کو

يُّصِيبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَ

نہ پہنچے گا، مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہم کو وہی ہے صاحب ہمارا اور

عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ

اللہ ہی پر چاہیے بھروسہ کریں مسلمان۔ تو کہہ تم کیا

تَرَبَّصُونَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ

چیتو گے (سوچو گے) ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک۔ اور ہم

نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ

امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ کچھ عذاب،

مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ

اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سو منتظر رہو ہم بھی تمہارے

مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾

ساتھ منتظر ہیں۔

منافقین کے حسد اور انکی باطنی عداوت کا ذکر

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ .... الیٰ .... اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۔

(ربط) اس آیت میں منافقین کے حسد اور ان کی ایک باطنی خباثت اور اندرونی عداوت کا ذکر ہے جو سارے فتنوں کی جڑ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اگر آپ کو کسی لڑائی میں کوئی بھلائی مثلاً فتح یا غنیمت پہنچے تو حسد اور عداوت کی وجہ سے ان کو بُری معلوم ہوتی ہے اور اگر کسی لڑائی میں آپ کو کوئی مصیبت پہنچے مثلاً شکست یا زخم وغیرہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا انتظام کر لیا تھا یعنی ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ اس لڑائی میں نہیں گئے اور یہ کہتے ہوئے خوش وخرم اپنی مجلسوں سے اپنے گھر واپس ہو جاتے ہیں اے نبی آپ ان منافقوں سے کہہ دیجئے کہ تم ہماری مصیبت سے کیا خوش ہوتے ہو ہمیں یقین ہے کہ ہم کو ہرگز نہیں پہنچے گی۔ مگر وہ چیز جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے وہی ہمارا کارساز ہے اور ہمارا آقا اور مولیٰ ہے اور ہم اس کے بندے ہیں "بندہ را با مصلحت بینی چہ کار" اس کی طرف سے جو فتح و نصرت یا ہزیمت و نکبت آئے اسی میں ہمارے لیے خیر ہے اور اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہمارے حق میں سوائے اس کے اور کس بات کا انتظار کرتے ہو کہ ہم کو دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور ملے یعنی لڑائی میں ہمارا انجام یہی ہو سکتا ہے کہ ہم یا تو فتح اور غنیمت حاصل کریں یا شہادت اور اجر حاصل کریں۔ دونوں صورتوں میں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہم کو ضرور حاصل ہو گی پس تم ہمارے حق میں سوائے اس کے اور کس بات کے منتظر ہو سکتے ہو اور ہم بھی تمہارے حق میں دو باتوں میں سے ایک بات کے یا تو یہ کہ اللہ تعالیٰ تم پر براہ راست اپنے پاس سے کوئی عذاب نازل کرے جیسے کڑک اور زلزلہ اور طوفان وغیرہ تاکہ تم اس عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جاؤ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے۔ یعنی ہمارے ہاتھوں سے تم کو قتل کرائے اور ذلیل و خوار کرے مطلب یہ ہے کہ ہم بھی تمہارے لیے ان دو برائیوں میں سے ایک برائی کے منتظر ہیں یا تو خود خدا تمہیں کسی سماوی آفت اور

غیبی مصیبت سے ہلاک کرے یا ہمارے ہاتھوں کے ذریعے تم کو عذاب اور مصیبت پہنچائے۔ پس تم ہمارے انجام کے منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ تمہارے انجام کے منتظر ہیں اور وہ وقت دور نہیں کہ جب انجام تمہارے سامنے آجائے گا۔

یہ توجد بن قیس کے حسد اور عداوت اور فتنۂ زنانِ روم کا جواب ہوا اب آئندہ آیت میں اس کی اسباب کا جواب ہے کہ میں اپنے مال سے آپؐ کی مدد کو حاضر ہوں۔ اور آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ تم فاسق اور منافق ہو اور بدون صدق اور اخلاص کے کوئی عمل اس کی بارگاہ میں قبول نہیں۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ

تو کہہ، مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز

يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

قبول نہ ہوگا تم سے۔ تحقیق تم ہوئے ہو لوگ بے حکم۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ

اور موقوف نہیں ہوا قبول ہونا ان کے خرچ کا مگر اسی

اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ

پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور نہیں آتے

الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا

نماز کو مگر جی ہارے اور خرچ نہیں کرتے مگر برے

وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ

دل سے۔ سو تو تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد

اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي

سے۔ یہی چاہتا ہے اللہ کہ ان کو عذاب کرے ان چیزوں

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

سے دنیا کے جیتے اور نکلے ان کی جان جب تک وہ کافر ہی رہیں۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی، کہ وہ بیشک تم میں ہیں، اور وہ تم میں نہیں

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً

و لیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں۔ اگر پاویں کہیں بچاؤ،

اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ

یا کوئی گڑھے یا سر گھسانے کو جگہ، تو اُلٹے بھاگیں اسی طرف

يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

رسیاں تڑاتے۔

بیان غیر مقبول بودن صدقات و نفقات منافقین

قال تعالیٰ۔ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ۔۔ الیٰ۔۔۔ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں جدّ بن قیس کے اس قول کا یعنی لَا تَفْتِنِّیْ کا جواب تھا جس میں اس نے رومی عورتوں کے فتنہ کا بہانہ بنا کر غزوہ میں جانے سے معذوری ظاہر کی تھی اب اس آیت میں اس کے دوسرے قول کا جواب ہے جو اس نے یہ کہا تھا کہ میں بذاتِ خود تو جہاد میں نہیں جا سکتا لیکن روپیہ پیسہ سے اعانت کرسکتا ہوں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے یہاں اس کا خرچ مقبول نہیں قبول کے لیے ایمان اور اخلاص شرط ہے جو ان میں مفقود ہے جن لوگوں کے دلوں میں ایمان نہ ہو اللہ کے یہاں ان کی عبادت قبول نہیں اے نبی آپ منافقین سے اور خاص کر جدّ بن قیس سے جو یہ کہتا ہے کہ میں مال سے آپ کی مدد کرسکتا ہوں ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تم خوشی سے راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرو یا ناگواری اور ناخوشی سے تمہاری طرف سے کوئی خیرات ہرگز ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ تحقیق تم لوگ حد سے زیادہ نافرمان ہو۔

اور اسلام کے دائرہ سے بالکلیہ باہر ہو اور ادب سے بالکل بے بہرہ ہو ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ محض اپنی نمود اور شہرت کے لیے زبان سے امداد کا ذکر کرتے ہو ایسی امداد کی اسلام کو ضرورت نہیں اور ان کے خیرات کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو نہیں مانا اور خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں لائے اور جس طرح کافر ظاہر میں زندہ اور معنیً مردہ ہیں اسی طرح کافر کا عمل اگرچہ ظاہر میں خوبصورت ہے مگر درحقیقت مردہ اور بے جان ہے اور وہ نہیں حاضر ہوتے مسجد میں نماز کے لیے مگر کاہلی کے ساتھ اور نہیں خرچ کرتے وہ راہ خدا میں مگر با دلِ ناخواستہ اس لیے کہ ثواب و عقاب پر ان کا ایمان نہیں بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ خدا اور رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، ایسے لوگوں کی خیرات اللہ کے یہاں مقبول ہے اور جو کافر اور منافق ہیں ان کا کوئی عمل قبول نہیں۔ جب تک خدا اور رسولؐ سے تعلق نہ قائم کریں گے اس وقت تک کوئی عمل ان کا قابل قبول نہیں اور خدا اور اس کے رسولؐ کے ساتھ تعلق ایمان کے ساتھ قائم ہوتا ہے پس جب یہ ایسے مردود اور مطرود ہیں تو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے۔ یعنی آپؐ ان کے مال و دولت اور اولاد کی کثرت کو دیکھ کر تعجب نہ کریں کہ یہ کیوں ہے۔ اور یہ خیال نہ کریں کہ اللہ ان سے راضی ہے کیونکہ یہ سب استدراج ہے ظاہر میں انعام ہے اور درپردہ وبال ہے۔ پس اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے باعث ان کو دنیاوی زندگی میں مبتلائے عذاب رکھے۔ ہر وقت مال و دولت کی محبت میں سرگرداں رہیں اور اس کے حصول کے لیے طرح طرح کی مشقتیں اور محنت سے سخت مصیبتیں اور ذلتیں اٹھاتے رہیں غرض یہ کہ جب تک زندہ رہیں تو دنیا کے بکھیڑوں میں پھنسے رہیں اور مرنے کے وقت ان کی جانیں ان کے بدن سے کفر کی حالت میں نکلیں۔ تاکہ عذاب دنیا کے بعد وہ عذاب آخرت میں پھنس جائیں اور یہ منافق تمہارے آگے اللہ کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ تحقیق وہ تم ہی میں سے ہیں یعنی مسلمان ہیں اور حالانکہ وہ تم میں سے نہیں بلکہ وہ پکے کافر ہیں ولیکن وہ ڈرپوک لوگ ہیں ڈر کے مارے اپنے کفر کو پوشیدہ رکھتے ہیں اس لیے وہ اپنے نفاق کو چھپانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اُن کو ڈر یہ ہے کہ اگر وہ اپنے اندرونی کفر کو ظاہر کریں تو مشرکین کی طرح وہ بھی قتل اور قید کیے جائیں اگر یہ لوگ پائیں کوئی جائے پناہ یا غار اور تہہ خانے یا کوئی سر گھسانے کی جگہ تو تیزی کے ساتھ اس طرف بھاگ جائیں اور تمہیں چھوڑ جائیں مگر بیچارے مجبور ہیں کہ کہاں جائیں کوئی جگہ ان کو ایسی نظر نہیں آتی جہاں جا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالیں مطلب یہ ہے کہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی مسلمان ہیں اور تمہاری جماعت میں شامل ہیں۔ لیکن وہ نفس الامر میں تمہاری جماعت میں شامل نہیں ان کا قسم کھانا ڈر کی وجہ سے ہے آج اگر ان کو کوئی جائے پناہ غار یا تہہ خانہ مل جائے تو تم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں ان کا تم سے ملنا جلنا ناخوشی اور ناگواری کے ساتھ ہے نہ کہ محبت کی راہ سے یہ تو اپنی غرض

اور ضرورت سے ملتے ہیں ان کو اسلام کی روز افزوں عزت و رفعت سخت ناگوار ہے ان کو مسلمانوں سے اس قدر بغض اور نفرت ہے کہ ان کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتے یہ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی غار یا تہ خانہ یا سر چھپانے کی جگہ مل جائے تو وہاں چل دیں اور مسلمان کی صورت بھی نہ دیکھیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ

اور بعضے ان میں ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں زکوٰۃ بانٹنے میں۔

فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا

سو اگر ان کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ ملے، تب ہی

إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا

وہ ناخوش ہو جاویں۔ اور کیا خوب تھا؟ اگر وہ راضی ہوتے

آتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ ۙ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ

جو دیا ان کو اللہ اور اس کے رسول نے اور کہتے بس ہے ہم کو اللہ

سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۙ إِنَّا

دے رہے گا ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول

إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُونَ ﴿٥٩﴾

ہم کو اللہ ہی چاہیئے۔

تقسیم صدقات و غنائم پر بعض منافقین کا طعن اور اس کا جواب

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ... الیٰ ... إِنَّا إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُونَ ۔

(ربط) ان آیات میں تقسیم صدقات کے بارے میں منافقین کے ایک طعن کا ذکر کرتے ہیں۔ جس کا منشاء صرف حرص اور طمع تھا بعض منافقین نے تقسیم صدقات کے بارے میں آپ پر

ناانصافی کا الزام لگایا۔ اللہ تعالے نے اس کا جواب دیا کہ ان لوگوں کا یہ طعن محض حرص اور طمع پر مبنی ہے کہ اگر ان لوگوں کو ان کی خواہش اور حرص کے مطابق دیدیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کرتے اس لیے آئندہ آیت میں صدقات کے مصارف بیان فرمائیں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون صدقہ دینے کے قابل ہیں اور کون نہیں اور ان منافقین میں کی ایک نوع وہ ہے جو آپ پر تقسیم صدقات کے بارے میں ناانصافی کا عیب لگاتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ معاذ اللہ آپ تقسیم صدقات میں عدل و انصاف کا لحاظ نہیں رکھتے۔ بخاری وغیرہ کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طعن کرنے والا ذوالخویصرہ تمیمی تھا جو خارجیوں کا رأس الرئیس اور اصل اصول تھا اور بعض نے اس کا شان نزول اور لوگوں کو بتلایا ہے پس خوب سمجھ لو کہ ان کا یہ طعن خود غرضی کی راہ سے ہے سو ان صدقات میں سے اگر ان کو ان کے حسب منشاء دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں۔ اور پھر آپ کی تقسیم پر ان کو کوئی اعتراض نہیں رہتا اور اگر ان صدقات میں سے ان کو ان کی خواہش کے موافق نہ دیا جائے تو فوراً ہی بگڑ بیٹھتے ہیں اور زبان طعن دراز کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ اس حرف گیری کا منشاء صرف خود غرضی ہے جو خود اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے اور اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے خیرات اور صدقات نافلہ اور مال غنیمت میں ان کو دیا اور یہ کہتے کہ ہمیں کافی ہے اللہ کا فضل قریب ہے کہ آئندہ اللہ ہم کو اپنے فضل و کرم سے اور اس کا رسول اپنے لطف و عنایات سے عطا کرے گا تحقیق ہم دل و جان سے اللہ کی طرف راغب ہیں اور اس کے فضل و کرم کے امیدوار ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ
زکات جو ہے سو حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا

وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ
اور اس کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پرچانا ہے اور

فِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
گردن چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کی راہ میں۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ
اور راہ کے مسافر کو ٹھہرا دیا ہے اللہ کا

وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا ۔

بیان مصارف صدقات

قال تعالیٰ ۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ .... الیٰ .... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿﴾

(ربط) منافقین حرص اور طمع کی بناء پر یہ چاہتے تھے کہ ہم جس وقت آپ سے جتنا مال مانگیں اتنا ہی مال آپ ہم کو دے دیا کریں۔ اسی لیے وہ آپ کی عادلانہ تقسیم پر طعن کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی جس میں صدقات کے مصارف بیان فرمائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ صدقہ دینے کے قابل نہیں اور یہ بتلادیا کہ اللہ کے نبی کی تقسیم حکم خداوندی کے مطابق ہے جس میں ذرہ برابر خیانت کا احتمال نہیں کیونکہ زکوٰۃ اور صدقات نبیؐ پر اور اس کے اہل و عیال پر اور اس کے خاندان پر بلکہ اس کے آزاد کردہ غلاموں پر بھی حرام ہے ایسی حالت میں خود غرضی کا تو کوئی امکان ہی نہیں حضور پُر نورؐ کے پاس جو زکوٰۃ اور صدقات کا مال آتا ہے وہ حسبِ حکم خداوندی فقراء و مساکین پر خرچ کر دیتے ہیں تم جیسے حریص مالدار اس کے مستحق نہیں۔ منافقین کے قبائح اور فضائح کے درمیان مصارف صدقات کا بیان اس لیے فرمایا تاکہ منافقین کی طمع منقطع ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں صدقات وخیرات یعنی زکوٰۃ صرف فقیروں اور مسکینوں کا حق ہے اور ان لوگوں کا حق ہے جو اس کے وصول کرنے پر تعینات ہیں۔ یعنی جو صدقات کی تحصیل کا کام کرتے ہیں۔ ان کو اس مال میں سے بطریق عُمالہ یعنی بطریقہ صلۂ کارگزاری کچھ دیا جائے اگرچہ وہ غنی ہوں لیکن نہ بطریق زکوٰۃ و صدقہ اور بطریق عمالہ میں بھی یہ شرط ہے کہ بقدر کفاف اور بقدر ضرورت دیا جائے گویا کہ شریعت نے عاملین کو جو دینے کا حکم دیا ہے وہ درحقیقت ان کا سفر خرچ ہے نہ کہ زکوٰۃ اور صدقہ۔ جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آئے گی اور یہ صدقات ان لوگوں کے لیے ہیں جن کی تالیف قلب کی جائے اس سے وہ ضعیف الایمان مسلمان مراد ہیں جو ابھی اسلام پر پختہ نہیں اور افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے اُن کے اسلام سے پھر جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے لوگوں کی تالیفِ قلب اور دلجوئی کے لیے اس مال میں سے ان کی مدد کی جائے اس حصہ کے متعلق جمہور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ یہ پہلے تھا اور اب ساقط ہو گیا کیونکہ اللہ نے اسلام کو غنی کر دیا۔ لہٰذا اب مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اس پر تمام صحابہؓ کا اجماع اور اتفاق ہو گیا۔ (دیکھو روح المعانی ص ۱۰۹ ج ۱۰)

مطلب یہ ہے کہ اب تالیف قلب کی بنا پر زکوٰۃ دینا جائز نہیں یہ حکم پہلے تھا اور اب منسوخ ہو گیا۔ اب زکوٰۃ صرف حاجت اور ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔

اور نیز ان صدقات کو غلاموں کی گردن چھڑانے میں صرف کیا جائے یعنی وہ لونڈی اور غلام جنہوں نے اپنے آقاؤں سے یہ معاملہ کرلیا ہے کہ ہم کما کر اتنی رقم ادا کریں تو ہم کو آزاد کردیا جائے۔ اصطلاح شریعت میں ایسے غلاموں کو مکاتب کہتے ہیں۔ سو مال زکوٰۃ سے ان مکاتبین کی امداد جائز ہے۔ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ یہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مال سے لونڈی اور غلام کو خرید کر آزاد کرنا بھی جائز ہے اور یہ صدقات قرضداروں کے قرضہ ادا کرنے کے لیے بھی ہیں۔ غارمین سے وہ قرضدار مراد ہیں جن کے پاس اتنا اثاثہ نہیں کہ جس سے وہ قرضہ ادا کرسکیں بشرطیکہ وہ قرضہ انہوں نے جائز ضرورت کے لیے لیا ہو۔ معصیت اور فسق اور فجور جیسے شراب خوری اور فضول خرچی کے لیے نہ لیا ہو حدیث میں ہے کہ جس نے معصیت کے کاموں کے لیے قرض لیا ہو اس کو صدقات میں سے کچھ نہ دیا جائے اور نیز یہ صدقات اللہ کی راہ میں صرف کیے جائیں اللہ کی راہ سے جہاد مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غازی فقیروں اور حاجتمند مجاہدوں کی اس مال سے مدد کی جائے تاکہ وہ اس مال سے سفر جہاد کرسکیں اور سامان جہاد ہتھیار وغیرہ خرید سکیں اور نیز یہ صدقات بے سروسامان مسافروں کی امداد میں خرچ کیے جائیں جو اپنے گھر سے خرچ منگانے پر قادر نہیں اور نہ قرض لینے پر قادر ہیں تو ایسے بے سروسامان مسافروں کو زکوٰۃ و صدقات میں سے اتنی رقم دے دینی جائز ہے کہ جس سے وہ اپنے گھر پہنچ سکیں۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے لہٰذا اللہ کے نبی نے اللہ کے حکم کے مطابق جس طرح صدقات کو تقسیم کردیا اس میں کسی کے لیے اعتراض کی گنجائش نہیں اور اللہ بندوں کی حاجتوں اور مصلحتوں کو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اس کو مناسب اور نامناسب کا علم ہے صدقات کے متعلق اس نے جو حکم دیا وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہے ؎

حق تعالیٰ چوں در حکمت کشاد   ہر کسے را آنچہ می بائیست داد

نیست واقع اندراں قسمت غلط   بندہ را خواہی رضا خواہی سخط

چونکہ منافقین نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے خود صدقات کی تقسیم کا طریقہ مقرر کردیا۔ اور اس کے مصارف متعین فرما کر ان کی فہرست نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی کہ آپؐ اس کے مطابق تقسیم کریں تاکہ کوئی حریص اور خود غرض آپؐ کی تقسیم پر اعتراض نہ کرسکے اللہ تعالیٰ نے صدقات کی تقسیم کو کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ بذات خود اس کے مصارف متعین کردیئے جو آٹھ ہیں انکے سوا کسی اور مصرف میں ان کا صرف کرنا جائز نہیں اب ہم ان آٹھ مصرفوں کو جدا جدا تفصیل وار بیان کرتے ہیں۔

تفصیل مصارف صدقات

۱۔ اَلْفُقَرَآءِ ۲۔ اَلْمَسَاکِیْنِ ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقراء اور مساکین۔ یہ دونوں محتاجین کی دو علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں ان کی تفسیر میں علماء سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس بقدر ضرورت و کفایت نہ ہو غرض یہ کہ سخت افلاس اور بدحالی کا نام فقر ہے چنانچہ سخت مصیبت کو عربی زبان میں فاقرہ کہتے ہیں اور فقیر اصل میں فقار سے مشتق ہے۔ جس کے معنی کمر کی ہڈی کے ہیں۔ فقیر کو فقیر اس لیے کہتے ہیں کہ سخت افلاس نے اس کی فقار (کمر) توڑ دی ہے۔

اور مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس مال میں سے کوئی ادنیٰ سی چیز موجود ہو مگر اس کی ضرورت کے لیے قطعاً کافی نہ ہو یہ لفظ سکون سے مشتق ہے چونکہ اس کے پاس سکونِ قلب کا ذریعہ موجود نہیں اس لیے اس کو مسکین کہتے ہیں یا یہ وجہ ہے کہ بے سروسامانی کی وجہ سے ساکن ہے متحرک نہیں۔ بہرحال احتیاج فقیر میں بھی پائی جاتی ہے اور مسکین میں بھی مگر جمہور علماء کے نزدیک فقیر محتاجی میں سب سے بڑھ کر ہے اور مسکین محتاجی میں فقیر سے کم درجہ میں ہے اس لیے حق جل شانہ نے مصارف صدقات میں سب سے پہلے فقراء کا ذکر فرمایا کیونکہ فقراء بہ نسبت دیگر اصناف کے محتاج تر ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک معاملہ برعکس ہے امام اعظمؒ کے نزدیک مسکین فقیر سے زیادہ بدتر ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فقیر وہ ہے کہ جس کے پاس مقدار نصاب مال نہ ہو اور مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو کما قال تعالیٰ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس سوائے مٹی کے کچھ نہ ہو۔

۳۔ عَامِلِیْنَ مصارف صدقات کی تیسری قسم عاملین ہے۔ عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات کے کام پر تعینات ہوں اُن کو بھی اس مال سے بقدر ضرورت و کفایت دے دیا جائے اگرچہ وہ غنی ہوں۔ جاننا چاہیے کہ عاملین کو جو کچھ دیا جائے گا وہ بطریق زکوٰۃ نہیں بلکہ بطریق عُمالہ ہے اور پھر یہ عُمالہ بھی بقدر کفاف اور بقدر ضرورت و کفایت ہے یعنی ضرورت اور کفایت کے مطابق ان کو دیا جائے۔ جس کی مقدار کوئی معین نہیں۔ اس لیے اس کو اُجرت اور معاوضہ نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں قولہ تعالیٰ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا وھم السعاۃ لجبایۃ الصدقۃ

یعطون منھا بقدر اجور امثالھم ولیس ما یاخذونہ بزکوٰۃ (زاد المسیر ص۴۵۷ ج ۳)
غرض یہ کہ عامل اور محصل کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ درحقیقت اس کی آمد و رفت کا خرچ ہے زکوٰۃ اور صدقہ نہیں کیونکہ زکوٰۃ میں شرط یہ ہے[1] کہ وہ کسی عمل کے عوض اور مقابلہ میں نہ ہو بلکہ زکوٰۃ کی حقیقت ہی تملیک المال بغیر عوض ہے (دیکھو بنایہ شرح ہدایہ ص۱۵۱ ج ۱ و کنز الدقائق ص۵۵) حضرات اہل علم تفصیل کے لیے بدائع الصنائع ص۴۷ ج ۲ دیکھیں۔

قرآن و حدیث سے یہ امر بداہۃً معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ و صدقات دراصل حق فقراء کا ہے مگر چونکہ عاملین صدقات نے تحصیل صدقات میں فقراء کی خدمت انجام دی ہے اس لیے عاملین[2] کو حکماً فقراء کے زمرہ میں شمار کر کے یا ان کا خادم ہونے کی حیثیت سے صدقات میں سے بطور عمالہ اور بطور صلۂ خدمت فقط بقدر ضرورت و کفایت کچھ دے دینے کی اجازت دے دی گئی کیونکہ زکوٰۃ اصل حق فقراء کا ہے عامل کو فقراء کی طرف سے بطور حق الخدمت دے دیا گیا نہ بطور زکوٰۃ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عاملین کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بطور عُمالہ ہے نہ کہ بطور صدقہ و زکوٰۃ کیونکہ یہ امر سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ غنی کو صدقہ اور زکوٰۃ کا مال حلال نہیں اور عاملین کے لیے صدقات میں سے لینا جائز ہے اگرچہ وہ غنی ہوں پس معلوم ہوا کہ عاملین کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ان کی دینی خدمت کا صلہ اور انعام ہے نہ کہ اُجرت اور معاوضہ اور پھر یہ عُمالہ اور صِلہ بھی بقدر کفاف و ضرورت ہے لہٰذا اس عمالہ اور صلہ کو یہ سمجھنا کہ یہ عاملین صدقات کا مشاہرہ اور ان کی تنخواہ تھی اور پھر اس پر یہ قیاس کرنا کہ اسی طرح مدرسہ کے مدرسین اور ملازمین کی تنخواہیں بھی زکوٰۃ کے روپیہ سے دینا جائز ہے قطعاً (بالکل) غلط ہے مدرسین اور ملازمین کو جو مشاہرہ ملے گا وہ ان کے عمل کا عوض اور اس کی اجرت ہوگی اور زکوٰۃ میں یہ شرط ہے کہ تملیک بلا عوض ہو اور خدمت کا معاوضہ اجارہ ہے نہ کہ صدقہ۔

اور عہد رسالت اور زمانۂ خلافت راشدہ میں قاضیوں اور مفتیوں کو جو وظیفے دیئے جاتے تھے وہ مالِ غنیمت کے خمس اور جزیہ اور خراج کی آمدنی سے دیئے جاتے تھے اور زکوٰۃ اور صدقات کی مد سے کبھی بھی قاضیوں اور مفتیوں کو تنخواہیں نہیں دی گئیں اور آج کل مدارس اسلامیہ میں جو زکوٰۃ کی رقم آتی ہے وہ صرف نادار طلبہ کے وظائف میں خرچ کی جاتی ہے اور ان کو اس کا مالک بنا دیا جاتا ہے اس رقم میں سے نہ مدرسین اور ملازمین کو تنخواہ دی جاتی ہے اور نہ مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں صرف ہوتی ہے اس لیے کہ زکوٰۃ میں فقراء کو مالک بنانا شرط ہے بغیر تملیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

---

[1] حافظ عینی شرح ہدایہ ص۲۵۵ ج ۱ میں فرماتے ہیں والزکوٰۃ لا یجوز ان تدفع عوضا عن شیئ۔ اھ
[2] کما فی التفسیر المظھری ص۲۳۳ ج ۴ لانھم وکلاء للفقراء فی اخذ الصدقات وتقسیمھا مشغولون بامورھم فیجب علیھم مؤنتھم نھم نفقاء حکما اھ

۴۔ مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوْبُ مؤلفۃ القلوب سے وہ نومسلم مراد ہیں کہ جنہوں نے اسلام کو قبول کر لیا مگر ہنوز ان کا اسلام کمزور ہے اور غریب اور نادار ہیں اندیشہ ہے کہ پھسل نہ جائیں اس لیے ان کو صدقات میں سے دیا جائے۔ تاکہ اسلام پر قائم اور ثابت رہیں اکثر علماء کے نزدیک آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مد باقی نہیں رہا صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا کہ اب زکوٰۃ اور صدقات میں سے مؤلفۃ القلوب کا سہم ساقط ہوگیا۔ تفسیر قرطبی ص۱۸۱ ج۸، اور دیکھو زاد المسیر ص۴۵۷ ج۳۔[1]

البتہ مؤلفۃ القلوب میں سے جو لوگ حاجتمند اور غریب ہوں تو فقراء میں ہونے کی وجہ سے اب بھی ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عاملین صدقات کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقر اور حاجتمندی شرط ہے اس لیے مؤلفۃ القلوب کو اسی شرط کے ساتھ دیا جا سکتا ہے کہ وہ فقراء اور حاجتمند ہوں جیسے رقاب اور غارمین اور ابن السبیل کو اسی شرط کے ساتھ زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ وہ حاجتمند ہوں اور کسی حدیث[2] سے یہ ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ اور صدقات میں سے کچھ دیا ہو جن روایتوں میں صفوان بن امیہ وغیرہ کو دینے کا ذکر آیا ہے۔ سو وہ مال غنیمت کے خمس سے دیا گیا ہے نہ کہ مالِ زکوٰۃ سے (دیکھو تفسیر مظہری صفحہ ۲۳۶ ج۴)

۵۔ وَفِي الرِّقَابِ رقاب سے مکاتبین مراد ہیں اور مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں کہ جس نے اپنے آقا سے یہ وعدہ کیا ہو کہ اتنا معاوضہ ادا کرنے پر آزاد ہو جاؤں گا۔ سو ایسے غلاموں کو بھی صدقہ دیا جائے تاکہ وہ بدل کتابت ادا کر کے اپنی گردنوں کو غلامی کے پھندے سے نکال لیں یا کسی مسلمان قیدی کو دیا جائے کہ وہ اس مال سے اپنا فدیہ دے کر رہائی حاصل کرے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ گردنوں کے چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ کے روپے سے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں مگر راجح پہلا ہی قول ہے۔

۶۔ وَالْغَارِمِيْنَ غارمین سے وہ مفلس قرضدار مراد ہیں جنہوں نے جائز ضرورت کے لیے قرض لیا تھا۔ مگر بعد میں ادا نہ کر سکے ایسے قرضداروں کی زکوٰۃ و صدقات کے پیسہ سے امداد کرنی چاہیے۔ مگر جس نے معصیت کے کاموں کے لیے قرض لیا ہو۔ اس کو صدقات میں سے کچھ نہ دیا جائے اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ قرضدار کو زکوٰۃ دینا بہ نسبت فقیر کے زیادہ

---

[1] امام قرطبیؒ فرماتے ہیں اجتمعت الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین فی خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ علی سقوط سہمہم تفسیر قرطبی ص۱۸۱ ج ۲۔

[2] لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعطاءہ من الزکوٰۃ کافرا من المؤلفۃ (تفسیر مظہری ص۲۳۶ ج۴)

بہتر ہے۔

۷۔ فی سبیل اللہ

فی سبیل اللہ سے بے سرو سامان مجاہدین کی اعانت کرنا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ غازی فقیروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے تاکہ وہ اس مال سے ہتھیار و سامان جہاد خرید کر سکیں اور جہاد کے لیے سفر کر سکیں جو مجاہد غنی ہو اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی اور بعض فقہاء یہ کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے دین کے طالب علم مراد ہیں جو خالص دین کی تعلیم میں مشغول ہوں اور ان کے پاس کوئی ذریعۂ معاش نہ ہو تو ایسے حاجت مند طالب علموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ خالص دینی تعلیم کی قید اس لیے لگائی کہ جو خالص دنیوی تعلیم کا طالب ہو وہ تو ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح بھی فی سبیل اللہ کا مصداق نہیں ہو سکتا البتہ جو دینی اور دنیوی مخلوط تعلیم کا طالب ہو وہ بھی صحیح طور پر فی سبیل اللہ کا مصداق نہیں اور تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ فاسق و فاجر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

۸۔ ابن السبیل

ابن السبیل سے وہ مسافر مراد ہے جس کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو اور وہ اپنے گھر سے خرچ منگانے پر بھی قادر نہ ہو اور نہ قرض لینے پر قادر ہو تو ایسے مسافر کو بقدر سفر خرچ زکوٰۃ دے دینا جائز ہے جس سے وہ اپنے گھر پہنچ جائے۔

مسئلۂ تملیک

فقہاء کرام کے نزدیک تمام مصارف زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے یعنی جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو پورا مالک بنا دیا جائے کہ وہ جو چاہے اس میں تصرف کرے بغیر تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اس لیے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کی حقیقت ہی تملیک ہے۔ یعنی اپنے مال کا ایک حصہ اپنی ملک سے بالکلیہ نکال کر فقراء اور مساکین کو بلا کسی عوض اور بلا کسی فائدہ اور منفعت کے محض اللہ کے لیے مالک بنا دینے کا نام صدقہ اور زکوٰۃ ہے۔

قرآن کریم میں جابجا اِیۡتَآءِ زکوٰۃ کا حکم مذکور ہے اور ایتاء کے معنی لغۃً و شرعاً اعطاء کے ہیں اور اعطاء کے معنی یہ ہیں کہ کسی شئ کو اپنی ملک سے نکال کر کسی کو اس طرح عطا کر دینا کہ وہ اس کا مالک اور مختار بن جائے یعنی لینے والا اس پر قابض بھی ہو جائے کہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کر سکے اس لیے کہ تملیک جب ہی مکمل ہو گی کہ جب تفویض و تسلیم بھی اس کے ساتھ مقرون ہو جب تک مالک وہ مال اپنی ملک سے اور اپنے قبضہ سے نکال کر فقیر کے حوالہ اور سپرد نہ کرے گا تملیک تمام نہ ہو گی۔ قرآن کریم میں ادائیگی مہر کے لیے لفظ ایتاء استعمال ہوا ہے کما قال تعالیٰ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً اور ظاہر ہے کہ مہر کی ادائیگی جب ہی ہو گی کہ جب مہر کی رقم پر عورت کا مالکانہ قبضہ ہو جائے جب تک کسی چیز کو اپنے قبضہ سے نکال کر دوسرے کے قبضہ میں نہ دیدے اس کو عطیہ نہیں کہا جا سکتا۔

صدقہ ہو یا ہبہ ہو یا عطیہ ہو بغیر تملیک و تسلیم کے عقلاً و نقلاً بے معنی ہے اگر کوئی شخص کسی کو اپنے گھر دعوت دے اور ایوانِ نعمت کا دسترخوان اس کے سامنے بچھا دے تو یہ اباحت اور ضیافت کہلائے گی۔ تملیک نہیں کہلائے گی اس لیے کہ دعوت اور ضیافت کے معنی محض اجازت کے ہیں کہ جتنا چاہیں تناول فرمائیں مگر یہ تملیک نہیں اس لیے کہ مہمان کو اس میں تصرف کا اختیار نہیں کہ جس کو چاہے دسترخوان سے کھانا اٹھا کر ہبہ کر دے یہی وجہ ہے کہ محض دعوت و ضیافت سے بالاجماع زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور اگر کھانا پکا کر کسی شخص کو دے دیا جائے کہ وہ اس کھانے کو اپنے گھر لے جائے اور جس کو چاہے کھلائے تو تملیک ہے۔

غرض یہ کہ زکوٰۃ کے لیے تملیک شرط ہے یہی وجہ ہے کہ تمام ائمۂ دین کا اس پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ کے روپے سے مسجد اور مدرسہ اور خانقاہ اور مسافر خانہ کی تعمیر درست نہیں اور علیٰ ہذا زکوٰۃ کے روپیہ سے کسی مردہ کی تجہیز و تکفین اور اقبار و تدفین جائز نہیں اس لیے کہ ان تمام صورتوں میں کسی فقیر و مسکین کی تملیک متحقق نہیں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں ظاہر ہے کہ تملیک نہیں اور کفن اور دفن سے مردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہو جاتا اور اگر کسی کو چند روزہ استعمال کے لیے کوئی چیز دے دی جائے تو وہ عاریت کہلائے گی۔ ہبہ اور عطیہ شمار نہ ہوگی اس لیے کہ اس میں تملیک نہیں اور زکوٰۃ اور صدقہ کا درجہ تو تملیک میں ہبہ اور عطیہ سے بھی بڑھ کر ہے تو صدقہ میں بدرجۂ اولیٰ تملیک ضروری ہوگی غرض یہ کہ صدقہ اور زکوٰۃ کے لیے یہ ضروری ہے کہ حکم خداوندی کے مطابق کسی مسلمان فقیر کو بلا کسی عوض اور بلا کسی فائدہ اور منفعت کے مالِ زکوٰۃ کا اس طرح مالک بنا دیا جائے کہ اس مال سے مالک بنانے والے کی منفعت بالکلیہ منقطع ہو جائے۔

یہ دو قیدیں اس لیے لگائی گئیں کہ اگر کسی کو کسی خدمت کے معاوضہ میں مال دیا گیا تو عقلاً و شرعاً یہ زکوٰۃ اور صدقہ نہیں کہلائے گی۔ بلکہ اُجرت اور تنخواہ کہلائے گی اس لیے کہ صدقہ اس تملیک کو کہتے ہیں جو بلا کسی عوض اور بلا کسی فائدہ اور منفعت کے محض اللہ کے لیے ہو اور اگر کسی خدمت کے معاوضہ میں کچھ دیا جائے تو وہ اگرچہ تملیک ہے مگر وہ تملیک بالعوض ہے تملیک بلا عوض نہیں اس لیے وہ صدقہ نہیں کہلائے گی بلکہ اُجرت اور تنخواہ کہلائے گی۔

اور دوسری قید یعنی تملیک اس طرح ہو کہ اس مال سے مالک بنانے والے کی منفعت بالکلیہ منقطع ہو جائے اس کا ثمرہ یہ ہے کہ اپنی اصول و فروع یعنی باپ دادا نانا نانی وغیرہ اور بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسہ نواسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ اصول و فروع کو زکوٰۃ دینے میں زکوٰۃ دینے والے کی اس مال سے منفعت بالکلیہ منقطع نہیں ہوتی بلکہ من وجہ باقی رہتی ہے بلکہ ایک حیثیت سے اپنے پاس ہی رہتی ہے عرف میں ماں باپ اور اولاد ایک ہی سمجھے جاتے ہیں۔

حدیث میں ہے انت وما لك لابيك تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے اور

قرآن کریم میں ہے وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ اور اللہ نے آپ کو محتاج پایا۔ پس خدیجہؓ کے مال سے آپ کو غنی کردیا۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور ائمۂ دین کے نزدیک میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ منافع زوجین مشترک ہیں۔ ایک دوسرے کی ملک سے منتفع ہوتا ہے حتیٰ کہ حدیث میں اپنے دیئے ہوئے صدقہ کو خریدنے کی بھی ممانعت آئی ہے کیونکہ ایسی صورت میں بائع ضرور صدقہ دینے والے کی رعایت کرے گا اور بہ نسبت اوروں کے اس کو کم قیمت میں دے گا تو ایسی صورت میں فی الجملہ اپنے صدقہ سے نفع اٹھانا ہوگا اور اسی فائدہ اور منفعت کے لحاظ سے شریعت نے باپ کی بیٹے کے لیے اور شوہر کی بیوی کے لیے شہادت معتبر نہیں مانی۔

مسئلۂ تملیک کے متعلق ہم نے یہ مختصر سا لکھ دیا ہے تاکہ مسلمان اپنی زکوٰۃ میں احتیاط برتیں اور جو لوگ زکوٰۃ میں تملیک کے قائل نہیں ان کو زکوٰۃ دینے سے پرہیز کریں تفصیل کے لیے کتب فقہ کی مراجعت کریں اور اس وقت جو مختصر کلام ہدیۂ ناظرین کیا وہ تمام تر امام علاء الدین کاسانیؒ کے کلام کی توضیح و تشریح ہے۔ حضرات اہل علم بدائع الصنائع صـ۳۹ ج ۲ کی مراجعت کریں۔

اسرار و حِکم

نکتۂ اولیٰ

مصارف صدقات کی آٹھ قسموں میں سے اوّل کی چار قسموں کو لام کے ذریعے بیان کیا یعنی لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ فرمایا اور اخیر کی چار قسموں کو یعنی وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ الخ کو لفظ فِی کے ذریعے بیان کیا گیا وجہ اس کی یہ ہے کہ اوّل کی چار قسمیں ذاتی طور پر مستحق ہیں اور اسی ذاتی استحقاق کے بیان کرنے کے لیے کلمۂ لام لایا گیا۔ اور اخیر کی چار قسمیں لفظ فِی کے ذریعہ سے بیان کی گئیں وجہ اس کی یہ ہے کہ لفظ فِیْ سببیت اور علیت بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے عُذِّبَ فلانٌ فِي سرقة۔ یعنی فلاں کو چوری کے سبب سے سزا ملی۔ پس آیت میں لفظ فی سے اشارہ اس طرف ہے کہ ان اخیر کی چار قسموں کو ذاتی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ ان مصلحتوں اور ضرورتوں کے سبب سے ان کو زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی کہ اپنی گردن کو غلامی سے چھڑالیں اور قرض سے سُبکدوشی حاصل کریں اور جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنے سفر کو پورا کرسکیں۔ ان اسباب اور وجوہ کی بناء پر ان لوگوں کو صدقات دینے کی اجازت دی گئی اس لیے ان

اخیر کی چار قسموں میں لفظ فی تعلیل اور سببیت کے بیان کے لیے لایا گیا اور اوّل کے چار اقسام میں لفظ لام ذاتی استحقاق بیان کرنے کے لیے لایا گیا۔ دیکھو حاشیہ صاوی صفحہ ۱۵۴ ج ۲ اور دیکھو روح البیان صفحہ ۴۵۳ ج ۳۔

یا یوں کہو کہ ان اخیر کے چار قسموں میں لفظ فی اس لیے استعمال کیا گیا کہ یہ چار قسمیں فقراء اور مساکین سے بڑھ کر مستحق ہیں اس لیے کہ لفظ فی کلام عرب میں ظرفیت اور محلیت کے بیان کرنے کے لیے آتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ صدقہ اور زکوٰۃ کا اصل محل اور اصل ظرف مکاتبین اور غارمین اور مجاہدین اور بے سروسامان مسافرین ہیں ان لوگوں کو اپنے صدقات کا خالص طور پر محل اور ظرف بناؤ۔ کیونکہ یہ لوگ بہ نسبت فقراء و مساکین کے زیادہ ضرورت مند اور زیادہ تکلیف میں ہیں الحاجتی تکلیف نہیں جتنا کہ غلامی اور دوسرے کے قرض میں ہے لہٰذا یہ آخری چار بہ نسبت پہلے چار کے زیادہ مستحق ہیں اور غلام اور مقروض کی گلو خلاصی زیادہ موجب فضیلت ہے اور پھر ان چار قسموں میں مجاہدین اور مسافرین کی امداد تو بہت ہی اہم ہے اس لیے وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ میں لفظ فی کو اسی ترقی اور مبالغہ کے بیان کرنے کے لیے مکرر لایا گیا کہ غازی اور مسافر سب سے زیادہ مستحق اعانت ہیں (دیکھو بنایہ شرح ہدایہ صفحہ ۱۲۵۰ ج ۱ و تفسیر کشاف علیہ و روح المعانی صفحہ ۱۱۳ ج ۱۰)

نکتۂ دوم زکوٰۃ و صدقات کے اصل مصرف فقراء ہیں جن کا اس آیت کے شروع میں ذکر فرمایا اور باقی سب فقراء ہی کی انواع و اقسام ہیں حاجتوں کی قسمیں

علیہ قال الصاوی انما اضیف الصدقات الی الاصناف الاربعۃ الاول باللام والی الاربعۃ الاخیرۃ بفی الظرفیۃ اشارۃ الی ان الاربعۃ الاول یملکونہا ویتصرفون فیہا کیف شاؤا بخلاف الاربعۃ الاخیرۃ فیفید بما اذا صرفت فی مصارفہا فاذا لم یحصل نزعت منہم۔ انتہی کلامہ صفحہ ۱۵۴ ج ۲۔ فالعدول عن اللام للدلالۃ علی ان استحقاق الاربعۃ الاخیرۃ لیس لذواتہم ای لکونہم مکاتبا ومدیونا ومجاہدا ومسافرا حتی یتصرفوا فی الصدقۃ کیف شاؤا کالاربعۃ الاول بل بجہۃ استحقاقہم کفک الرقبۃ من الرق وتخلیص الذمۃ من مطالبۃ من لہ الحق والاحتیاج الی ما یتمکن بہ من الجہاد وقطع المسافۃ ووجہ الدلالۃ ان فی قد تستعمل لبیان السبب کما یقال عذب فلان فی سرقۃ لقمۃ ای بسببہا۔ کذا فی روح البیان صفحہ ۴۵۳ ج ۳۔

علیہ۲ قال الزمخشری۔ فان قلت لم عدل عن اللام الی فی فی الاربعۃ الاخیرۃ قلت للایذان بانہم ارسخ استحقاق التصدق علیہم ممن سبق ذکرہ لان فی للوعاء (والظرفیۃ المنبئۃ عن الاحاطۃ) فنبہ علی انہم احقاء بان توضع فیہم الصدقات ویجعلوا مظنۃ لہا ومصبا وذالک لما فی فک الرقاب من الکتابۃ او الرق او الاسر وفی فک الغارمین من الغرم من التخلیص والانقاذ ولجمع الغازی الفقیر او المنقطع عن الحج بین الفقر والعبادۃ وکذالک ابن السبیل جامع بین الفقر والغربۃ عن الاہل والمال وتکریر فی فی قولہ تعالیٰ وفی سبیل اللہ وابن السبیل فیہ فضل ترجیح لہذین علی الرقاب والغارمین۔

مختلف ہیں اس لیے حاجتمند بھی مختلف قسم کے ہوئے اور مطلق فقر اور احتیاج سب میں قدر مشترک ہے۔
اور فقراء کی اعلیٰ قسم مسکین ہے پس وَالْمَسٰكِيْنِ سے لے کر آخر تک تمام معطوفات عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہیں۔ جو سب کے سب فقراء کے تحت مندرج ہیں۔ رقاب اور غارمین اور فی سبیل اللہ اور ابن السبیل کو علیحدہ علیحدہ اس لیے بیان کیا تاکہ حاجتوں اور ضرورتوں کا اجمالی علم ہوجائے اور اہل دولت متنبہ ہوجائیں کہ اپنی زکوٰۃ و صدقات کے خرچ کرتے وقت ان ضرورتوں اور اس قسم کے حاجتمندوں کا خاص طور پر لحاظ رکھیں ورنہ حاجتیں بے شمار ہیں ان آٹھ اور سات میں منحصر نہیں قرآن کریم میں جا بجا صدقات کے مصرف میں صرف فقراء کا ذکر کیا ہے کہ صدقات کے اصل مصرف فقراء ہیں کما قال تعالیٰ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ وَقَالَ تعالیٰ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ۔ وَقَالَ تَعَالٰى لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔

اور معاذ بن جبلؓ کی حدیث میں ہے ان اللہ افترض علیہم صدقة توخذ من اغنیاءھم فترد علی فقراءھم۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ فرض کیا ہے کہ ان کے اغنیاء سے صدقہ لیا جائے اور ان کے فقراء میں اس کو لوٹا دیا جائے۔ اس حدیث میں فقراء کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔

اور کہیں کہیں مسکین کا ذکر فرمایا۔ فَاِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا پس جس طرح یتیم واسیر دونوں مسکین ہی کی ایک قسم ایں۔ اسی طرح مساکین بھی فقراء کی ایک قسم ہیں۔ معلوم ہوا کہ آیت میں جس قدر اصناف اور اقسام کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب فقراء ہی کی اقسام ہیں اس لیے امام ابوحنیفہؒ اور جمہور آئمہ دین کے نزدیک مصارف صدقات کے تمام انواع و اقسام میں فقر اور احتیاج شرط ہے بغیر فقر کے کسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ زکوٰۃ صرف مسلمان فقیر کو دی جاسکتی ہے غیر مسلم فقیر کو بالاجماع زکوٰۃ دینا جائز نہیں زکوٰۃ کا حکم صرف مسلمان فقیروں ہی کی اعانت کے لیے نازل ہوا ہے اور غیر مسلم فقیر کی اعانت جزیہ اور خراج کی آمدنی سے کی جائے۔ جیسا کہ کتب فقہ میں بالتفصیل مذکور ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ زکوٰۃ کا اصل مصرف فقراء ہیں اور باقی اصنافِ سبعہ۔ سب فقراء ہی کی انواع و اقسام ہیں سوائے عاملین کے ہر جگہ فقر اور حاجتمندی شرط ہے اور عاملین اگرچہ غنی ہوں ان کو اس مال سے دینا اس لیے جائز ہوا کہ وہ حکماً فقراء کے قائم مقام قرار دیئے گئے۔ صدقات دراصل حق فقراء کا ہے اور وہی اس کے اصل مصرف ہیں۔ عاملین کو جو کچھ دیا جارہا ہے وہ درحقیقت فقراء کی طرف سے بطور صلہ اور تبرع

ان کو دیا جا رہا ہے۔ نہ کہ بطور زکوٰۃ و صدقہ (دیکھو تفسیر مظہری[1] ص ۲۳۹ ج ۴)

اور فقراء ان سات قسموں میں منحصر نہیں حق تعالیٰ نے ان اقسام کا ذکر ان ضرورتوں کی اہمیت بتلانے کے لیے فرمایا کہ یہ ضرورتیں بہ نسبت اور ضرورتوں کے اہم اور مقدم ہیں۔ (دیکھو تفسیر مظہری[2] ص ۲۳۹ ج ۴)

بحمد اللہ اس تفصیل سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ زکوٰۃ اور صدقات کی حقیقت کسی مسلمان فقیر اور مسکین کو محض اللہ کی خوشنودی کے لیے بلا کسی عوض کے مالک بنا دینا ہے۔ زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے جس کا درجہ نماز کے بعد ہے جو کسی عمل کا عوض اور اس کی اُجرت نہیں اور علت اس کی فقر اور مسکنت ہے بشرطیکہ وہ فقیر اور مسکین مسلمان ہو غیر مسلم فقیر کو زکوٰۃ دینا بالاجماع جائز نہیں لہٰذا کسی ادارہ کے مہتمم یا ناظم یا ملازم کو زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دینا جائز نہیں کیونکہ یہ تنخواہ اسکے عمل اور کارکردگی کا معاوضہ ہوگیا اور خالص لوجہ اللہ نہیں رہا عاملین صدقات کے بارے میں جو حکم آیا ہے اس پر ناظمین اور مدرسین کا قیاس ہرگز درست نہیں۔ اس لیے کہ عاملین شرعی طور پر فقراء اور مساکین کے وکیل اور ان کے قائم مقام ہیں۔ عاملین نے محض فقراء مسلمین کے فقر اور مسکنت کی خاطر روپیہ جمع کیا ہے اس کے علاوہ عاملین کا اور کوئی مقصد نہیں بخلاف کسی دینی ادارہ اور مدرسہ کے اور کسی یتیم خانہ کے کہ اس کا مقصد کوئی خاص علمی یا صنعتی تربیت ہوتا ہے۔ محض فقراء مسلمین کی محض مسلمان فقیر ہونے کی حیثیت سے اس کی ذاتی اعانت اس کا مقصد نہیں ہوتا اس لیے کسی مدرسہ اور ادارہ کا مہتمم یا ناظم یا ملازم فقراء مسلمین کا وکیل اور قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ شریعت نے محض فقراء مسلمین کی ضرورت اور مصلحت اور ان کی اعانت کے لیے عاملین کو فقراء مسلمین کا وکیل اور قائم مقام قرار دیا ہے جس کا تقرر بادشاہِ اسلام کے حکم سے ہوتا ہے اس لیے آج کل اسلامی مدارس یا اسلامی انجمنوں کے ناظمین اور محصلین چندہ فقراء مسلمین کے وکیل قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ اور نہ

---

[1] ولا تنحصر الفقراء فی ھذا الاصناف وانما ذکر اللہ تعالیٰ ھٰذہ الاصناف اھتماما بھا فان لھذہ الاصناف مزیۃ علی غیرھم من الفقراء فالمراد من الآیۃ واللہ اعلم ان المصرف ھم الفقراء لکن الاولی ان یلتمس لاعطاء الزکوٰۃ سببا یترجح بہ المعطیٰ لہ علیٰ غیرہٖ من الفقراء فالمسکین الذی لا یسئل الناس اولی من السائلین لکونہ افقر والمسافر الفقیر افقر واشد حاجۃ من المقیم والغازی والحاج والمکاتب والمؤلف للاسلام احری للاعطاء من غیرھم لان فی اعطاءھم اعانۃ علی الحج الذی ھو احد ارکان الاسلام والجھاد الذی ھو ذروۃ سنامہ ولا دلالۃ فی الآیۃ علی ان اسباب المزیۃ منحصرۃ فی ھذہ الامور بل للمزیۃ اسباب غیرھا ایضا وانما ذکرھا ھذہ الامور تمثیلا فان منھا القرابۃ فان الصدقۃ علی القریب اعظم اجرا الخ۔ (تفسیر مظہری ص ۲۴۱ ج ۴)

[2] قال القاضی ثناء اللہ قلت الاصناف السبعۃ انواع للفقراء والمصرف ھم الفقراء ولا یجوز دفع الزکوٰۃ الیٰ ھٰؤلاءِ الاصناف الا بشرط الفقر الا العاملین فانہ یجوز اعطاءھم وان کانوا اغنیاء فان المعطی لھم فی الحقیقۃ ھم الفقراء وھم یاخذون ما یجب لھم مؤنتھم علیھم اجرۃ عملھم لھم (تفسیر مظہری ص ۲۳۹ ج ۴)۔

ان کو زکوٰۃ کی رقم میں سے تنخواہ دی جا سکتی ہے۔ البتہ اسلامی مدرسہ اور ادارہ کا مہتمم زکوٰۃ کی رقم سے ان طالب علموں کو وظیفہ دے سکتا ہے جو خالص علم دین حاصل کرتے ہیں اور فقیر اور مسکین ہوں اور صحیح العقیدہ مسلمان ہوں اس لیے کہ شریعت کے اصول مسلمہ میں سے یہ ہے کہ زکوٰۃ مسلمان فقیر کا حق ہے غیر مسلم کا زکوٰۃ میں کوئی حق نہیں اور مثلاً جو اشتراکیت اور کمیونزم کا قائل ہو یا منکر حدیث ہو یا آزاد منش ہو وہ قطعاً مسلمان نہیں اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ اے مسلمانو! خوب سمجھ لو زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے اس کے حکم سے تم زکوٰۃ دیتے ہو اس کے حکم پر چلو جو اس ناچیز نے تم کو بتلا دیا اپنی عبادت کو ضائع نہ کرو۔

وما علینا الا البلاغ

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ

اور بعضے ان میں بدگوئی کرتے ہیں نبی کی اور کہتے ہیں

هُوَ اُذُنٌ ۚ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

یہ شخص کان ہے۔ تو کہہ کان ہے تمہارے بھلے کو یقین لاتا ہے اللہ پر

وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ

اور یقین کرتا ہے بات مسلمانوں کی اور مہر ہے ایمان

اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۚ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ

والوں کے حق میں تم میں سے۔ اور جو لوگ بدگوئی کرتے ہیں اللہ کے

اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ

رسول کی، ان کو دکھ کی مار ہے۔ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی

لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ

تمہارے آگے کہ تم کو راضی کریں اور اللہ کو اور اس کے رسول کو بہت ضرور ہے

يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ

راضی کرنا، اگر وہ ایمان رکھتے ہیں۔ وہ جان نہیں چکے کہ جو کوئی

مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ

مقابلہ کرے اللہ اور اس کے رسول سے تو اس کو ہے دوزخ کی آگ

خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ

پڑا رہے اس میں، یہی ہے بڑی رسوائی۔ ڈرا کرتے

الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ

ہیں منافق کہ نازل نہ ہو ان پر کوئی سورت کہ جتا دے

بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ

ان کو جو ان کے دلوں میں ہے. تو کہہ ٹھٹھے کرتے رہو اللہ کھولنے والا

مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا

ہے جس چیز کا تم کو ڈر ہے. اور جو تو ان سے پوچھے تو کہیں ہم تو بول چال

نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ

کرتے تھے اور کھیل۔ تو کہہ کیا اللہ سے اور اس کے کلام سے اور اس کے

كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ

رسول سے ٹھٹھے کرتے تھے! بہانے مت بناؤ تم کافر ہوگئے ایمان

اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ

لاکر، اگر ہم معاف کریں گے تم میں بعضوں کو

مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا

البتہ مار بھی دیں گے بعضوں کو اس پر کہ وہ

مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ ع

گنہگار تھے۔

ذکر نوع دیگر از حرکات شنیعہ منافقین

قال تعالیٰ ۔ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

(ربط) ان آیات میں بھی منافقین کی جہالتوں اور خباثتوں کا اور ان کی حرکات شنیعہ کا ذکر ہے جو دور سے چلا آرہا ہے۔ درمیان میں تبعاً صدقات کا ذکر آگیا تھا۔ اب پھر منافقین کی قبائح اور فضائح کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کی خباثتوں کو بیان کرتے ہیں حق جل شانہٗ نے ان آیات میں منافقین کی جن قباحتوں کا ذکر کیا ان میں سے اوّل تو یہ ہے کہ وہ ادب سے کورے ہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں خلافِ ادب اور تحقیر آمیز الفاظ زبان سے نکالتے ہیں مثلاً یہ کہ آپؐ تو کانوں کے کچے ہیں۔ جو سنتے ہیں اس کا یقین کر لیتے ہیں۔ دوم یہ کہ یہ لوگ اپنی مجلسوں میں دین اسلام اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں۔ سوم یہ کہ جب اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی کے آپؐ کو ان کے استہزاء اور تمسخر سے آگاہ کر دیتا ہے اور آپؐ اُن سے باز پرس کرتے ہیں۔ تو وہ اس کی سب سروپا تاویلیں کرتے ہیں چنانچہ پہلی آیت وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ میں ان کے گستاخانہ الفاظ کا ذکر ہے۔ اور يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ میں اُن کی جھوٹی قسموں کا ذکر ہے اور لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ میں ان کی تاویلوں اور جھوٹے بہانوں کا ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان منافقین میں سے کچھ لوگ وہ ہیں کہ جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ محض ایک کان ہے۔ یعنی وہ محض سننے والا کان ہے جو بات اس سے کہی جاتی ہے اُسے سُن لیتا ہے اور اس کا یقین کر لیتا ہے۔ جھوٹ اور سچ میں فرق نہیں کرتا کہنے والوں کے دھوکہ میں آجاتا ہے بعض منافق اپنے مجمع میں بیٹھ کر آپؐ کی بُرائیاں کرتے۔ دوسرا منافق کہتا ایسا مت کہو کہیں آپؐ کو اس کی خبر نہ ہو جائے۔ تو اس پر یہ کہہ دیتے کہ اگر آپؐ کو معلوم بھی ہو جائے تو کچھ پرواہ نہیں وہ کان کے بڑے کچے ہیں جیسا اُن سے کہہ دیا جاتا ہے یقین کر لیتے ہیں ہماری شکایت کی جاتی ہے اس کا بھی یقین کر لیں گے اس آیت میں اُن کے اس بے ہودہ مقولہ کا جواب دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم اور بردباری اور چشم پوشی سے دھوکہ لگا اس لیے آپؐ کا نام کان رکھا اے نبی آپ اُن کے جواب میں کہہ دیجئے کہ تم خود دھوکہ میں ہو اللہ کے نبی کو دھوکہ نہیں لگا آپ بے شک کان ہیں مگر وہ تمہارے فائدے اور بھلائی کے کان ہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ آپؐ خیر کے کان ہیں شر کے کان نہیں حق اور باطل اور خیر اور شر کا فرق آپؐ پر مخفی نہیں۔ نور نبوت سے سچ اور جھوٹ کو پہچان لیتے ہیں مگر تغافل اور بردباری اور چشم پوشی کی بناء پر سُنکر خاموش ہو جاتے ہیں اور کریمانہ اخلاق کی بناء پر صراحۃً تکذیب نہیں کرتے اور علانیہ

طور پر ان کو رسوا نہیں کرتے نبی کی یہ خو تمہارے حق میں بہتر ہے ورنہ تم اول ہی سے پکڑ لیے جاتے ان بے وقوفوں نے آپ کی چشم پوشی اور مسامحت سے یہ سمجھا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے جھوٹ کو سمجھا نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہاری باتوں کو سن لینا اور اس پر سکوت فرما لینا اس کی دلیل نہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری باتوں کا یقین آ جاتا ہے یقین تو آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی باتوں پر ہے اور پھر اللہ کے بعد مؤمنین صادقین کی باتوں پر ہے جو سرتاپا صدق اور اخلاص ہیں تم نادانوں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی اور چشم پوشی کا مطلب غلط سمجھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خاموشی میں تمہارا ہی نفع ہے کہ دار و گیر اور قتل و غارت سے بچے ہوئے ہو بہرحال حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تو گوش حق نیوش ہیں سچے اور جھوٹے کو خوب پہچانتے ہیں آپؐ اُذن خیر ہیں اُذن شر نہیں آپؐ کی شان تو یہ ہے کہ یقین کرتے ہیں آپؐ اللہ کی باتوں پر یہ اللہ کی طرف سے آپؐ پر جو وحی آتی ہے آپؐ اس کو سنتے ہیں اور اس پر یقین کرتے ہیں اور دوسرے درجہ میں مؤمنین مخلصین کی بات سن کر اس کا یقین کرتے ہیں کیونکہ ان کا صدق اور اخلاص آپؐ کو معلوم ہے اس لیے آپؐ ان کی خبر کی تصدیق کرتے ہیں۔

اور تم میں سے جو خالص ایماندار ہیں ان کے لیے آپ مجسّم رحمت ہیں کہ آپؐ کی ہدایت اور فیض صحبت سے دنیا کی آلائشوں سے پاک و صاف ہو کر خدا کے مقرب بنے اور تم بدبخت اس رحمت اور نعمت سے محروم ہو یہ قصور تمہارا ہے اس کا نہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ سے وہ منافقین مراد ہیں جنہوں نے ایمان کو ظاہر کیا اور ان کے حق میں رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باوجود اس علم کے کہ یہ منافق ہیں آپؐ نے ان کے ظاہری اسلام کو قبول کیا اور ان کے نفاق سے چشم پوشی کی اور ان کی پردہ دری نہیں فرمائی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری حقیقت کو سمجھ کر حسنِ اخلاق اور حلم اور بردباری کی بناء پر تمہاری باتیں سن لیتے ہیں اور دیدہ دانستہ چشم پوشی کر جاتے ہیں اور تم اپنی حماقت سے یہ سمجھتے ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتِ حال کو سمجھے نہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تم نہیں سمجھے بہرحال آپؐ کی یہ خاموشی اور چشم پوشی اور نرمی اور اغماض اور مسامحت تمہارے لیے ایک قسم کی رحمت ہے کہ باوجود علم کے آپؐ نے تم کو برملا رسوا نہیں کیا اور تمہارا پردہ فاش نہیں کیا اور اس میں ایک رحمت یہ بھی ہے کہ شاید آپؐ کی یہ مسامحت کسی وقت ان کے حق میں ذریعۂ ہدایت بن جائے اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے پس تم کو چاہیئے کہ آپؐ کی ایذا رسانی سے پرہیز کرو نہ آپؐ کے صدقات پر طعن کرو اور نہ آپؐ کو ہُوَ اُذُنٌ کہو یہ سب باتیں آپؐ کے لیے موجب ایذا ہیں۔

حلفِ کاذب

منافقین اپنی خلوتوں میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین پر طعن کرتے اور پھر جب وہ بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتی تو آکر حلف کرتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی اپنے قول سے مکر جاتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو! یہ منافق تمہارے آگے اللہ کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی تاکہ تم کو راضی کریں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ سزاوار ہیں کہ اس کو راضی کریں اگر یہ لوگ واقع میں سچے ایماندار ہیں جیسا کہ کہتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں ان کو اتنی عقل نہیں کہ یہ دغا اور فریب اللہ اور اس کے رسول کے یہاں کام نہیں دیتی اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ اپنے نبی کو بذریعہ وحی کے مطلع کر دیتا ہے۔

نکتۂ اوّل یُرْضُوْہُ کی ضمیر مفرد اللہ کی طرف راجع ہے چونکہ رسولؐ کی رضا اسی میں ہے۔ جس میں اللہ کی رضا ہے اس لیے ضمیر تثنیہ کی بجائے ضمیر واحد لائی گئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا۔ علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔

نکتۂ دیگر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں دو شانیں تھیں ایک شانِ سلطنت اور دوسری شانِ نبوت اور محبوبیتِ حق۔ پس منافقین اپنی جھوٹی قسموں سے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو بحیثیت شانِ سلطنت راضی کرنا چاہتے تھے۔ بحیثیت شانِ نبوت و رسالت آپؐ کو راضی کرنے کی فکر نہ تھی اور اس حیثیت سے آپؐ کو راضی کرنا عین حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور بعثت کا اصل مقصد شانِ نبوت و رسالت تھی شانِ سلطنت مقصود نہ تھی۔ بلکہ شانِ نبوت کے تابع تھی کہ احکام خداوندی کے اجراء میں سہولت ہو۔ منافقین حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بحیثیت سلطنت راضی رکھنا چاہتے تھے تاکہ ان کے جان و مال محفوظ رہیں اور ان کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ نہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ غرض سلطنت کی حیثیت سے متعلق ہے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت اور مظہر حق ہونے کی حیثیت سے راضی کرنے کی ان کو کوئی فکر اور پروا نہ تھی حالانکہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا نائبِ حق ہونے کی حیثیت سے مطلوب ہے اور اس آیت میں اسی کا ذکر ہے اور جس حیثیت سے تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا چاہتے ہو وہ مطلوب نہیں اور جس حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا مطلوب ہے اس حیثیت سے تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنا نہیں چاہتے اور نہ تمہیں اس کی پروا ہے۔ ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی مگر وہ صرف اس حیثیت سے تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بھتیجے

تھے یا بعض کفار کو آپ سے اس لیے محبت تھی کہ آپ بڑے عاقل کامل یا بڑے سخی اور مہمان نواز تھے اور اب بھی بعض مصنفین یورپ آپ کی عقل اور فہم و فراست کی اور ہمت اور شجاعت کی اور آپ کے قانون شریعت کی بڑی تعریف کرتے ہیں مگر ان تمام حیثیتوں سے آپ کی محبت اور رضا شرعاً نجات کے لیے کافی نہیں بلکہ نجات کے لیے یہ ضروری ہے کہ نبی اور رسول اور نائب حق ہونے کی حیثیت سے آپ سے محبت کی جائے اور اسی حیثیت سے آپ کو راضی کیا جائے۔ انتہٰی کلامہٗ ماخوذ از رضاء الحق صفحہ ۲۰ و صفحہ ۱۲ ج ۲۲ وعظ ششم و ہفتم از سلسلۂ البلاغ۔

کیا ان منافقوں نے یہ نہیں جانا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا پس تحقیق اس کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ تیار ہے وہ ہمیشہ اسی آگ میں رہے گا کبھی اس سے باہر نہ نکل سکے گا یہی ہمیشہ دوزخ میں رہنا بڑی رسوائی ہے لیکن منافقین اس رسوائی کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ تو صرف دنیاوی ذلت اور رسوائی کی پرواہ کرتے ہیں۔ چنانچہ منافقین اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر قرآن کی کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کے دلوں کی بات سے مسلمانوں کو آگاہ کر دے جس سے یہ لوگ دنیا میں رسوا ہوں یعنی ان کو ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ کہیں خدا ہمارے بارہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ایسی سورت نہ نازل کر دے جس سے مؤمنوں پر ہمارے اندرونی حالات کھول دیئے جائیں اور دنیا میں رسوا ہوں اے نبیؐ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اس ڈر کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ تم نفاق کو چھوڑ دیتے لیکن معاملہ برعکس ہے کہ نفاق کو تو کیا چھوڑتے دین کے ساتھ تمسخر اور استہزاء میں لگے ہوئے ہو۔ اچھا دین کے ساتھ دل کھول کر ٹھٹھا کرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے جس چیز کے ظاہر کرنے سے تم ڈر رہے ہو یعنی تمہارے دل کی وہ تمام باتیں جو تم دل میں چھپائے ہوئے ہو اندر سے نکال کر باہر سب کے سامنے رکھ دے گا تاکہ جس رسوائی سے ڈرتے ہو وہ نظروں کے سامنے آجائے اور اس ڈر سے بچنے کے لیے یہ سوچے ہوئے ہیں کہ اگر آپ ان سے اس استہزاء اور تمسخر کے متعلق باز پرس کریں اور پوچھیں کہ تم نے یہ کیا کیا اور کیا کہا تو البتہ بات بنانے کے لیے یہ کہیں گے کہ ہم تو مسافروں کی طرح راستہ کاٹنے کے لیے آپس میں ایسی باتیں اور دل لگی کر رہے تھے یعنی جب آپ نے ان سے بلا کر باز پرس کی کہ تم کس لیے دین پر طعن کرتے ہو تو قسم کھا کر کہنے لگے کہ یہ ہمارا دلی اعتقاد نہ تھا محض خوش وقتی اور دل لگی کے طور پر محض زبان سے ایسی باتیں کر رہے تھے تاکہ باتوں میں آسانی سے راستہ کٹ جائے۔ طعن زنی اور عیب جوئی ہمارا مقصود نہ تھا آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کیا اللہ اور اس کے احکام اور اس کے رسول کے ساتھ تمسخر کرتے تھے کیا تمسخر اور ہنسی اور دل لگی کے لیے تم کو اللہ اور رسولؐ ہی ملے تھے۔ بہانے مت بناؤ تمہارے دل کفر اور نفاق سے لبریز ہیں۔ تحقیق تم نے دعوائے ایمان کے بعد یہ صریح کفر کیا ہے۔ کیونکہ دین کے ساتھ استہزاء اور تمسخر اگرچہ وہ محض زبانی ہو وہ بھی کفر ہے مطلب یہ ہے کہ اے

منافقو! اب زیادہ بہانے نہ کرو۔ اب تک تو ظاہر میں تم مسلمان تھے مگر اس استہزاء اور تمسخر کے بعد وہ تمہارا ظاہری اسلام بھی جاتا رہا اور اس استہزاء و تمسخر سے تم نے اپنا اندرونی کفر ظاہر کر دیا لہٰذا ایسے جھوٹے عذر تراشنے اور حیلے حوالوں سے کوئی فائدہ نہیں جرم کی سزا مل کر رہے گی ہاں اگر تم میں سے ایک فریق کا قصور معاف کر دیں گے۔ جو صدق دل سے توبہ کر لیں گے تو دوسرے فریق کو عذاب دیں گے۔ جنھوں نے کفر اور نفاق اور استہزاء اور تمسخر سے توبہ نہیں کی اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے کچھ تو زبان سے تمسخر کرتے تھے اور کچھ دل سے اس پر راضی تھے معاف کرنے سے مراد توبہ کی توفیق دینا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ان میں جو لوگ صدق دل سے تائب ہو جائیں گے۔ ان کو معاف کر دیں گے مگر جو لوگ صدق دل سے توبہ نہیں کریں گے بلکہ بدستور اپنے جرم پر قائم رہیں گے ان کو ضرور سزا دیں گے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ

منافق مرد اور عورتیں سب کی ایک چال

بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ

ہے، سکھادیں بات بری اور چھڑادیں

عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ

بھلی سے، اور بند رکھیں اپنی مٹھی۔

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ

بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو تحقیق منافق وہی ہیں

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ

بے حکم۔ وعدہ دیا اللہ نے منافق مرد اور عورتوں کو

وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ

اور منکروں کو، دوزخ کی آگ پڑے رہیں اس میں۔ وہی بس ہے ان کو

وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ

اور اللہ نے ان کو پھٹکارا۔ اور ان کو ہے عذاب برقرار۔ جس طرح

مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ

تم سے اگلے زیادہ تھے زور میں، اور بہت رکھتے

اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ

مال اور اولاد، پھر برت گئے اپنا حصّہ، پھر تم نے

بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ

برت لیا اپنا حصّہ، جیسے برت گئے تم سے اگلے اپنے حصّہ

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

اور تم نے قدم ڈالے جیسے انھوں نے قدم ڈالے تھے۔ وہ لوگ مٹ گئے

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ؀

ان کے کیے دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ پڑے ہیں زیاں میں۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ

کیا پہنچا نہیں ان کو احوال اگلوں کا قوم نوح کا اور

عَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ

عاد کا اور ثمود کا، اور قوم ابراہیم کا اور مدین والوں کا

وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ

اور اُلٹی بستیوں کا پہنچے اُن پاس ان کے رسول صاف حکم لے کر پھر

اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا، لیکن وہ اپنے پر آپ

يَظْلِمُوْنَ ؀

ظلم کرتے تھے۔

منافقین اور منافقات کا اعمال و صفات میں تشابہ اور تماثل مع بیان وعید و تہدید

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ...الیٰ... وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں منافقین کے اعمال فاسدہ اور افعال خبیثہ کو بیان کیا اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ تمام منافقین اور منافقات ان قبائح اور فضائح میں مرد اور عورت سب ایک دوسرے کے مماثل اور متشابہ ہیں اور اسلام کی عداوت میں سب ایک ہیں۔ مرد اور عورت سب کا ایک ہی مذہب ہے جو بُری خصلتیں ان کے مردوں میں ہیں وہی ان کی عورتوں میں بھی ہیں جس طرح مرد خبیث ہیں اسی طرح عورتیں بھی خبیث ہیں۔ سب کے دل ملتے جلتے ہیں پھر ان منافقوں کو متنبہ کرنے کے لیے گزشتہ امتوں کے کافروں کے حالات یاد دلاتے ہیں کہ دیکھو وہ مال و دولت اور قوت وطاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھے مگر جب انہوں نے ہمارے احکام سے سرکشی کی اور ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی تو انہیں اس کا کیا نتیجہ ملا تمہیں معلوم نہیں کہ قوم عاد اور ثمود کا اور ان بستیوں کا جب الٹ گئیں اس سرکشی اور نافرمانی کی بدولت کیا انجام ہوا ذرا سوچو اور عبرت پکڑو آخر تم خدائی قہر سے اس قدر بے فکر کیوں بیٹھے ہو۔

ربط دیگر گزشتہ آیات میں ان منافقین کا ذکر تھا۔ جن کا نفاق غزوۂ تبوک سے متعلق تھا اب ان آیات میں عام منافقین کے حال کا بیان ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت بد باطنی اور اخلاق ذمیمہ میں سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں گویا کہ مرد اور عورت سب ایک ہی شئ کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں منافق مرد اور منافق عورتیں بعض بعض کا جزء ہیں یعنی سب ہم جنس ہیں اور نفاق اور بد باطنی میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور سب کی مت ایک ہے مرد اور عورت سب اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور مخالفت پر طبعی طور پر متفق ہیں ان منافقین اور منافقات کا حال یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کو بُری بات کا حکم دیتے ہیں یعنی کفر اور شرک اور مخالفتِ اسلام کی تلقین کرتے ہیں اور معقول اور پسندیدہ کام سے منع کرتے ہیں یعنی ایمان و اسلام اور اتباع رسولؐ سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور راہِ خدا میں خرچ کرنے سے اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں عاجز اور محتاجوں کی مدد سے اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں وہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ بھی ان کو بھول گیا یعنی ان لوگوں نے اللہ کے حکم کو فراموش کیا اللہ نے ان کو اپنے فضل و رحمت سے فراموش اور نظر انداز کر دیا۔

تحقیق جنس منافقین خواہ وہ مرد ہوں یا عورت فاسق کامل یہی لوگ ہیں ہر ایک گناہگار اور ہر کافر فاسق ہے مگر منافقوں کا فسق سب سے بڑھ کر ہے یہ لوگ اگرچہ خدا کو فراموش کر چکے ہیں مگر خدا تعالیٰ ان کے قہر اور انتقام سے فراموش اور خاموش نہیں وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے مرد ہوں یا عورت دوزخ کی آگ کا وہ ہمیشہ اسی آگ میں رہیں گے وہ ان کو کافی ہے یعنی ان کے کفر و نفاق کے کافی سزا ہے اور مزید برآں اللہ نے ان پر خاص لعنت کی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے جو کبھی ان سے جدا نہ ہوگا۔ اے منافقو! کفر اور نفاق اور حق کی عداوت میں تمہاری حالت ان لوگوں کے مانند ہے جو تم سے پہلے تھے جیسے وہ رسول کی نافرمانی کرکے دوزخی ہوئے ویسے ہی تم بھی رسول کی نافرمانی کرکے دوزخی بنے وہ پچھلے لوگ بدنی قوت اور مال اولاد میں تم سے بہت زیادہ تھے سو انہوں نے اپنے دنیوی حصہ یعنی مال و اولاد سے فائدہ اٹھایا یعنی دنیاوی لذتوں اور شہوتوں میں مبتلا رہے اور آخرت کی کچھ پروا نہ کی پس اب ان کے بعد تم نے بھی اپنے دنیاوی حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگ دنیا سے فائدہ اٹھا گئے تھے تم اس بارہ میں بالکل ان کے مانند ہو اور ان کے نقش قدم پر ہو اور تم بھی بُری باتوں میں اسی طرح گھس گئے ہو جس طرح وہ گھسے تھے یعنی جس طرح انہوں نے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا تھا ویسا ہی تم نے بھی کیا ایسے ہی کافروں اور منافقوں کے اعمال حسنہ دنیا اور آخرت میں نیست اور نابود اور تباہ اور برباد ہوئے جن کے اعمال خیر پر بھی دنیا و آخرت میں کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا۔ اور ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں خسارہ اور نقصان میں ہیں جب کھیتی کاٹنے کا وقت آیا تو ساری کھیتی جل کر تباہ ہوگئی یہی حال ان لوگوں کا ہے ان لوگوں کو چاہیے کہ پچھلوں کے حال اور مآل کا خیال کریں کیا ان منافقوں اور کافروں کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گذرے ہیں اور عذاب و وبال آنے سے پہلے دنیاوی لذتوں میں غرق تھے اور آخرت سے بے فکر تھے۔ ان کو چاہیے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں مثلاً قوم نوح علیہ السلام جو طوفان میں غرق ہوئی اور قوم عاد جو آندھی سے ہلاک ہوئی اور قوم ثمود جو زلزلہ سے ہلاک ہوئی اور قوم ابراہیم علیہ السلام جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوئی اور نمرود مردود مچھر کے ڈنگ مارنے سے ہلاک ہوا اور اہل مدین جو شعیب علیہ السلام کی قوم تھی وہ یوم ظلہ کے عذاب سے ہلاک ہوئے اور الٹی ہوئی بستیوں والے یعنی قوم لوطؑ کی بستیاں وہ بھی ہلاک ہوئے ان سب کے پاس ان کے رسول اور پیغمبر اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل اور صاف صاف نشانیاں لے کر آئے اور عذاب خداوندی سے ان کو ڈرایا مگر ان ظالموں نے ایک نہ سنی بالآخر تباہ اور برباد ہوئے سو اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے اور بلا جرم کے ان پر عذاب نازل کر دے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ ان کی عقوبت میں جلدی نہیں کی پیغمبر بھیج کر ان پر اپنی حجت پوری کر دی جب کسی طرح ہمارے پیغمبروں کی تکذیب اور ان کے استہزاء اور تمسخر سے باز نہ آئے تب ان پر عذاب اتارا ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں

کیا خود انہی لوگوں نے تمرد اور سرکشی کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا پس اس زمانہ کے کفار اور منافقین کو بھی ان سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ انبیاء کرام کی تکذیب کا انجام ایسا ہوتا ہے تم بھی ویسے ہی کرتوت کر رہے ہو تم بھی اسی انجام بد کے مستحق ہو۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ

اور ایمان والے مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں،

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

سکھاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بری بات سے

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ

اور کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور

يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ

حکم میں چلتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے وہ لوگ ان پر رحم

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

کرے گا اللہ، البتہ اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ وعدہ دیا اللہ نے ایمان والے

وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

مردوں اور عورتوں کو باغ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں

فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ

ان میں اور مکان ستھرے، رہنے کے باغوں میں ۔ اور رضامندی

مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ ع

اللہ کی، سب سے بڑی ۔ یہی ہے بڑی مراد ملنی ۔

مدحِ اہلِ ایمان مع بشارت غفران رضوان

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ... الیٰ... ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

(ربط) گزشتہ آیات میں منافقین کے فضائح اور قبائح اوصاف قبیحہ اور اعمال شنیعہ کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہ سب کے سب اِن قبائح اور فضائح میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں۔ اب بطور مقابلہ مؤمنین کے صفاتِ خیر اور اعمالِ فاضلہ کو بیان کرتے ہیں کہ ہمارے اطاعت شعار اور مخلص اور وفادار بندوں کا یہ حال ہے جو منافقوں کے حال کے برعکس ہے جس طرح منافقین اور منافقات رذائل میں ایک دوسرے کے مشابہ تھے اسی طرح مؤمنین اور مؤمنات فضائل میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں۔

اور اس کے بعد ان سے جو رحمت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا ذکر کیا اور یہ بتلایا کہ ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر جو نعمت ان کو ملے گی وہ یہ ہوگی کہ ان محبین مخلصین کو دائمی رضا کا پروانہ ملے گا۔ اللّٰھم اجعلنا منھم آمین برحمتك یا ارحم الرّاحمین یا ذاالجلال والاکرام اور خلفاء راشدین کا اوصاف مذکورہ کے ساتھ موصوف ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہے لہٰذا وہ اس بشارت کے اوّلین مستحق اور سزاوار ہیں غرض یہ کہ اوپر کی آیتوں میں منافقین کے فضائح اور قبائح کا ذکر تھا۔ اب ان آیتوں میں اہلِ ایمان کے مدائح کا بیان ہے جیسا کہ قاعدہ ہے وبضدھا تتبین الاشیاء ضد کے ذکر کرنے سے اصل شئ کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور کارساز ہیں اور صفات فاضلہ میں ایک دوسرے کے مماثل اور مشابہ ہیں زبان سے حکم کرتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور فعل ان کا یہ ہے کہ نماز کو ٹھیک طرح سے پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور حال ان کا یہ ہے کہ دل وجان سے وہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہیں۔ ایسے لوگوں پر جن میں یہ صفات جمع ہوں ان پر اللہ ضرور اپنی خاص رحمت فرمائے گا۔ جس سے ان کی نفسانیت۔ مغلوب اور روحانیت اور نورانیت غالب رہے گی۔ تحقیق اللہ غالب ہے جو چاہے کرے حکمت والا ہے۔ ہر چیز کو اس کے محل پر رکھتا ہے وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے ایسے باغوں کا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے اور وعدہ کیا ہے ان سے پاکیزہ گھروں اور نفیس مکانوں کا عدن کے باغوں میں عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ عدن وسط جنت کا نام ہے یعنی جنت کے درمیانی حصہ کو عدن کہتے ہیں۔ جو سب سے اعلیٰ اور برتر ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عدن کے معنی اقامت کے ہیں اور یہ لفظ کسی

خاص مقام کا نام نہیں بلکہ جنت کی صفت ہے اور کل جنت عدن ہے یعنی ہمیشگی کی جگہ ہے اور ان سب نعمتوں کے علاوہ اللہ کی طرف سے خوشنودی سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے جنت اسی وجہ سے جنت اور نعمت ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی کا ذریعہ ہے یہ یعنی خدا کی رضا مندی ہی بڑی کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں تمام سعادتوں اور تمام کرامتوں کا مبدأ اور منتہا بھی رضائے خداوندی ہے۔ صحیحین وغیرہ میں ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالیٰ اہل جنت کو ندا دے گا کہ اے جنتیو! وہ عرض کریں گے لبیک ربنا و سعدیك والخیر فی یدیك ہم حاضر ہیں پھر فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہو گئے وہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار ہم راضی کیوں نہ ہوں تو نے ہم کو وہ کچھ عنایت فرمایا جو آپ نے اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا میں تم کو اس سے بھی افضل اور بہتر نہ عطا کروں عرض کریں گے کہ اس سے افضل اور بہتر کون سی چیز ہے فرمائے گا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں اب اس کے بعد کبھی تم سے ناخوش اور ناراض نہ ہوں گا۔

نکتہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا کی رضا مندی سے افضل کوئی نعمت نہیں رضاء خداوندی کا درجہ بہشت سے بھی بڑھ کر ہے اور صحابہ کرام ؓ کے متعلق دنیا ہی میں اعلان کر دیا گیا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور کرامت ہوگی کہ مرنے سے پہلے ہی صحابہ کرام ؓ نے اپنے لیے رضاء خداوندی کا مژدہ جانفزا سن لیا اور قرآن میں تصریح ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ اللہ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ؓ فاسق نہ تھے۔ بلکہ صحابہ سے ناراض ہونے والا فاسق ہے۔

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَ

اے نبی! لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور

اغْلُظْ عَلَیْھِمْ ؕ وَمَاْوٰىھُمْ جَھَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۳﴾

تند خوئی کر ان پر اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ پہنچے۔

کفار اور منافقین سے جہاد اور سختی کا حکم

قال اللہ تعالیٰ۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ .... الیٰ .... وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں جب کفار اور منافقین کی برائیاں اور ان کے ناشائستہ افعال کا ذکر

ہو چکا تو اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے جہاد کیجئے اور ان کے ساتھ شدت اور غلظت یعنی سختی سے پیش آئیے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت نہ کیجئے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق نہایت وسیع تھا اس لیے آپ منافقوں کے ساتھ لطف اور نرمی کے ساتھ پیش آتے اب اسکی ممانعت کر دی گئی اور بتلا دیا گیا کہ اعداء اللہ کے ساتھ شدت اور غلظت یہی خلق عظیم ہے۔ جہاد کے معنی کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے کے لیے اپنی انتہائی طاقت اور کوشش خرچ کرنے کے ہیں خواہ یہ کوشش سیف وسنان سے ہو یا زبان اور حجت اور برہان سے ہو جہاد اصل معنی کے لحاظ سے عام ہے جو دونوں صورتوں کو شامل ہے اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو کفار سے جہاد کا حکم آیا ہے۔ اس سے جہاد بالسیف والسنان مراد ہے اور منافقین سے جو جہاد کا حکم آیا ہے اس سے زبان اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے اس لیے کہ منافقین اپنے آپ کو بظاہر مسلمان بتاتے تھے اور دوسری قومیں بھی ظاہر کے لحاظ سے انہیں مسلمان سمجھتی تھیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے قتل سے اعراض فرمایا اور کھلے کافروں جیسا ان کے ساتھ معاملہ نہیں کیا اس لیے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کفار کے ساتھ تلوار سے جہاد کرنا مراد ہے اور منافقین کے ساتھ زبان اور قلم اور حجت اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے اور یہ حکم اس وقت تک ہے کہ جب تک نفاق پوشیدہ رہے اور جب نفاق ظاہر اور عیاں ہو جائے تو پھر منافقین سے بھی جہاد بالسیف ہو سکتا ہے۔ چونکہ منافقین بظاہر مسلمان تھے اس لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نرمی برتتے تھے تبوک کے موقعہ پر جب منافقین کا نفاق آشکارا ہو گیا تو حکم آیا کہ ان کے ساتھ سختی کی جائے۔ لہذا ان منافقین کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے اور مسلمانوں جیسا معاملہ کرنے کا حکم اس وقت تھا جب تک ان کا نفاق پوشیدہ تھا اور جب ان کا نفاق قطعی اور بدیہی طور پر آشکارا اور عیاں ہو گیا تو اب ان کے ساتھ نرمی کی ضرورت نہیں لہذا حکم دیا جاتا ہے کہ اے نبی کافروں سے تیغ وسنان کے ساتھ اور منافقوں سے زبان کے ساتھ یعنی حجت اور برہان کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سختی کرو نرمی کو ترک کرو یہ نابکار دنیا میں اسی کے مستحق ہیں اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ جس کو شقاوت اور بدبختی کے اسباب ہر طرف سے محیط ہیں۔ اس کے لیے برا ہی ٹھکانہ مناسب ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ۚ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی ہم نے نہیں کہا۔ اور بیشک کہا ہے لفظ

الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا

کفر کا اور منکر ہو گئے ہیں مسلمان ہو کر اور فکر کیا تھا جو

لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ

نہ ملا۔ اور یہ سب کرتے ہیں بدلا اس کا کہ دولت مند کر دیا انکو اللہ

رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ

نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر توبہ کریں تو بھلا ہے ان کے

وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي

حق میں اور اگر نہ مانیں گے تو مارے گا ان کو اللہ دکھ کی مار دنیا

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ

میں اور آخرت میں اور نہیں ان کا روئے زمین میں

وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ

کوئی حمایتی نہ مددگار۔ اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے

اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ

اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم خیرات کریں اور ہم ہو رہیں نیکی

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ

والوں میں۔ پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے اس میں بخل کیا

وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا

اور پھر گئے ٹلا کر۔ پھر اس کا اثر رکھا نفاق

فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا

ان کے دل میں جس دن تک اس سے ملیں گے اس پر کہ

اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾ اَلَمْ

خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ دیا اور اس پر کہ بولتے تھے جھوٹ ۔ جان

يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَ

نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے اُن کا بھید اور مشورہ اور

اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ

یہ کہ اللہ جاننے والا ہے ہر چھپے کا ۔ وہ جو طعن کرتے ہیں

الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ

دل کھول کر خیرات کرنے والے مسلمانوں کو اور ان

الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ

پر جو نہیں رکھتے مگر اپنی محنت کا، پھر اُن پر ٹھٹھے

مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾

کرتے ہیں ۔ اللہ نے اُن سے ٹھٹھا کیا ہے اور ان کو دکھ کی مار ہے

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ

تو ان کے حق میں بخشش مانگ یا نہ مانگ ۔ اگر ان کے

تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

واسطے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے انکو اللہ

لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَ

یہ اس پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے

اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾ ع فَرِحَ

اور اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو ۔ خوش ہوئے

الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا

پیچھاڑی ڈالے گئے (پیچھے رہنے والے) بیٹھ کر جدا رسول اللہ سے اور برا لگا

اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ

کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ

اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ

میں اور بولے مت کوچ کرو گرمی میں تو کہہ دوزخ کی آگ

اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا

اور سخت گرم ہے۔ اگر ان کو سمجھ ہوتی۔ سو ہنس لیویں

قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

تھوڑا اور روویں بہت سا۔ بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ

سو اگر پھر لے جاوے تجھ کو اللہ کسی فرقے کی طرف اُن میں سے

لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ

پھر یہ رخصت چاہیں تجھ سے نکلنے کو تو تُو کہہ ہرگز نہ نکلو گے

تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ

میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ کسی دشمن سے تم کو پسند آیا بیٹھ

اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا

رہنا پہلی بار، سو بیٹھے رہو

مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

ساتھ پیچھاڑی والوں کے۔

تفصیل جرائم منافقین

قال اللہ تعالے۔ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا ..... الیٰ ..... فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَ الْخَالِفِیْنَ ہ

(ربط) گزشتہ آیت میں منافقین سے جہاد کا حکم دیا تھا اب آئندہ آیات میں منافقین کے نفاق اور کفر کی چند باتیں ذکر کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ منافقین کی یہ باتیں ایسی ہیں جن سے ان کا نفاق آشکارا اور ظاہر ہو چکا ہے اس لیے ان کے ساتھ شدت اور غلظت یعنی سختی کی شدید ضرورت ہے اور وہ اسی کے مستحق ہیں ؎

نکوئی با بداں کردن چنانست کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

ان کے ساتھ نرمی کا رویہ نہ رکھنا چاہیے اس لیے آئندہ آیات میں منافقین کے چند جرائم کا ذکر کرتے ہیں جو ان سے جہاد اور غلظت کو مقتضی ہیں اس سلسلہ میں حق تعالے نے ان کا ایک جرم تو حلف کاذب ذکر کیا۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰے یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا۔ الخ یعنی کفر کی باتیں کرتے ہیں اور پھر مکر جاتے ہیں اور قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔

(دوم) احسان فراموشی کَمَا قَالَ تَعَالٰے وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

(سوم) بدعہدی جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ وَمِنْھُمْ مَّنْ عٰھَدَ اللّٰہَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِہٖ لَنَصَّدَّقَنَّ۔ الخ

(چہارم) مؤمنین مخلصین کے صدقات و خیرات پر طعنہ زنی جو مسلمان زیادہ لاتا اس کو یہ کہتے کہ یہ نام و نمود کے لیے لایا ہے اور جو کم لاتا اس کو یہ کہتے کہ خدا کو اس کے صدقہ کی کیا ضرورت تھی۔ محض انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے جیسا کہ اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ میں اسی کا ذکر ہے۔

(پنجم) منافقین کا غزوۂ تبوک میں خود بھی شریک نہ ہونا اور دوسروں کو بھی شرکت سے منع کرنا کہ گرمی شدت کی پڑ رہی ہے ایسی حالت میں گھر سے باہر نہ جاؤ کَمَا قَالَ تَعَالٰے فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِھِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ الخ پس اس قسم کے جرائم کا مقتضی یہ ہے کہ اس قسم کے مجرمین سے کسی قسم کی نرمی نہ کی جائے۔ چنانچہ جرائم کی تفصیل فرماتے ہیں۔

جرم اوّل۔ حلف کاذب

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک سے واپس آرہے تھے تو بارہ منافق آپ کے

قتل کے ارادہ سے اپنے چہرے چھپا کر ایک گھاٹی پر کھڑے ہوگئے تاکہ آپؐ کو اس پہاڑی سے گرا دیں حضرت حذیفہؓ اور حضرت عمارؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ انھوں نے ان کو مار کر پیچھے ہٹایا۔ چہرے چھپے ہوئے تھے اور رات کی تاریکی تھی اس لیے پہچانے نہیں گئے پھر آپؐ کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا آپؐ نے منزل پر پہنچ کر ان کو بلایا اور پوچھا کہ تم نے ایسا ایسا مشورہ کیا تھا اور ایسا ایسا ارادہ کیا تھا سب نے قسمیں کھالیں کہ ہم نے آپؐ کی شان میں کوئی کلمہ نہیں کہا اور نہ ہم نے کوئی فاسد ارادہ کیا ان بارہ منافقوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی منافقین اللہ کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے وہ بات نہیں کہی جو آپ تک پہنچائی گئی اور حالانکہ انہوں نے یقیناً کفر کی بات کہی ہے انہوں نے اپنے کفر کو ظاہر کیا اپنے اسلام کے ظاہر کرنے کے بعد اور قصد کیا انہوں نے اس چیز کا جس کو وہ حاصل نہ کر سکے یعنی ارادہ یہ کیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں مگر کامیاب نہ ہوئے یہاں تک منافقین کے جرم اول یعنی جھوٹی قسموں کا بیان ہوا اب آئندہ آیت میں ان کے دوسرے جرم احسان فراموشی کا ذکر کرتے ہیں۔

جرم دوم احسان فراموشی

اور نہیں انتقام لیا ان منافقوں نے مگر اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے اپنی دعا سے ان کو مال دار بنا دیا۔ اہل مدینہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے محتاج اور تنگدست تھے جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک یہاں آیا تو اس کی برکت سے خدا تعالیٰ نے ان کی کھیتی باڑی میں اور باغوں کی پیداوار میں برکت دی اور ادھر مال غنیمت ان کے پاس آنے لگا جس سے وہ مالدار ہوگئے ان کو چاہیئے تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس احسان کے مشکور ہوتے مگر منافقوں نے بجائے شکر گزاری کے آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا یہ کینہ اور عداوت اسی وجہ سے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان کو مال دار بنا دیا جس سے ان کی احسان فراموشی اور بدبختی عیاں ہے۔ پس اگر یہ منافق اپنے نفاق سے توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہو اور اگر وہ توبہ سے روگردانی کریں اور اپنے کفر اور نفاق پر جمے رہیں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ دنیا میں قتل کیے جائیں گے اور ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اور زمین میں ان کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا۔ اور نہ کوئی مددگار جو ان کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچالے بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ جُلاس نامی ایک شخص یہ آیتیں سُن کر صدق دل سے تائب ہوگیا اور آئندہ زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی اور امت کے مخلصین میں

اس کا شمار ہوا۔

جرم سوم - بدعہدی

ثعلبہ بن حاطب نامی ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کشائش رزق کی درخواست کی آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

ویحک یا ثعلبۃ قلیل تؤدی شکرہ خیر من کثیر لا تطیقہ۔	افسوس اے ثعلبہ (کس فکر میں ہے) تھوڑا مال جس پر خدا کا شکر کرے اس کثیر مال سے بہت بہتر ہے جس کے تو حقوق ادا نہ کر سکے۔

اس نے پھر بھی درخواست کی اس پر آپؐ نے فرمایا۔

اما ترضی ان تکون مثل نبی اللہ لو شئت ان تسیر معی الجبال ذھبا لسارت۔	اے ثعلبہ کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تو فقر اور درویشی میں اللہ کے نبی کے طریقہ پر چلے میں اگر چاہوں تو یہ پہاڑ سونے کے بن کر میرے ساتھ چلنے لگیں۔

ثعلبہ نے کہا خدا کی قسم میں آپؐ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں مالدار ہوگیا تو اس کے حقوق ادا کروں گا آپؐ نے اس کے لیے دعا فرمادی خدا تعالے نے اس کی بکریوں میں اس قدر برکت دی کہ وہ کیڑوں کی طرح بڑھنے لگیں اور اس کے پاس اتنا ریوڑ ہوگیا کہ وہ مدینہ میں نہ سما سکا ناچار مدینہ چھوڑ کر باہر کسی گاؤں میں جا بسا اور رفتہ رفتہ جمعہ اور جماعت کے لیے بھی آنا چھوڑ دیا کچھ دنوں کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے محصل بھیجا تو از راہ غرور کہنے لگا کہ زکوٰۃ اور جزیہ میں کیا فرق ہے اور زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کردیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا یا ویح ثعلبۃ افسوس اے ثعلبہ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (تفسیر قرطبی صفحہ ۲۰۹/۸)

پھر بعد میں جب اس کے عزیز و اقارب نے اس پر طعن و تشنیع کی تو وہ زکوٰۃ لیکر حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس کی زکوٰۃ منظور نہیں کی۔ اس شخص نے بہت واویلا کیا اور بدنامی کے خوف سے سر پر خاک بھی ڈالی مگر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زکوٰۃ قبول نہیں کی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضؓ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار فرمایا پھر حضرت عمرؓ اور پھر ان کے بعد حضرت عثمان رضؓ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی دونوں نے انکار فرمادیا ہر ایک نے یہی کہا کہ جو چیز آں حضرتؐ نے

قبول نہیں کی ہم اُس کو قبول نہیں کر سکتے آخر اسی حالتِ نفاق پر حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں مر گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے ہم کو اپنے فضل سے مال دیا تو ہم ضرور صدقہ اور خیرات کریں گے اور زکوٰۃ نکالیں گے اور صدقہ اور زکوٰۃ دے کر ضرور نیک بختوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو مال دے دیا تو انہوں نے اس پر بخل کیا اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اور عہد و پیمان سے منہ پھیر لیا در آنحالیکہ وہ ٹلانے والے تھے۔ پس خدا تعالیٰ سے صریح وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے قیامت تک کے لیے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا کہ جس دن وہ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ یعنی قیامت تک ان کو توبہ سے محروم کر دیا جب اللہ سے ملیں گے اس وقت بھی منافق ہوں گے اور ان کو یہ سزا اس وجہ سے ملی کہ انہوں نے خدا سے وعدہ خلافی کی اور اس لیے کہ خدا سے جھوٹ بولتے رہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی اور جھوٹ سے آدمی کے دل میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے حدیث میں جھوٹ اور وعدہ خلافی کو نفاق کی خصلتوں میں شمار فرمایا ہے کیا ان منافقوں نے یہ نہیں جانا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے پوشیدہ اسرار کو اور ان کی کانا پھوسی کو جو اسلام کی مخالفت میں کرتے رہتے ہیں، خوب جانتا ہے اس پر ان کی کوئی کارروائی مخفی نہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے۔ تمہارے مشورے اس پر پوشیدہ نہیں۔

جرم چہارم: اہلِ ایمان کے صدقات پر طعنہ زنی

ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ اور خیرات کی ترغیب دی تو بعض صحابہ تو بہت سا مال لے کر حاضر ہوئے تو منافقین نے کہا کہ یہ تو ریا کار ہے اپنے نام اور شہرت کی خاطر لے کر آیا ہے اور بعض غریب و نادار مسلمان جو محنت و مزدوری کیا کرتے تھے وہ بہت تھوڑا لے کر حاضر ہوئے ایک صحابی ایک صاع کھجور کا لے کر حاضر ہوئے اس پر منافقین نے یہ طعن کیا کہ بھلا خدا اور رسولؐ کو ایک صاع کی کیا ضرورت ہے۔ غرض یہ کہ ان کی زبان طعن سے نہ تھوڑا لانے والا بچا اور نہ زیادہ لانے والا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان منافقوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ان مسلمانوں پر بھی طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر صدقات وخیرات کرتے ہیں اور ان غریب مسلمانوں پر بھی طعن کرتے جو سوائے اپنی محنت اور مشقت کے کچھ نہیں پاتے پھر ایسے غریبوں اور ناداروں کا خاص طور پر مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ ان غریب مسلمانوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں اللہ قیامت کے دن ان سے ٹھٹھا کرے گا۔ تمسخر کا بدلہ تمسخر سے ملے گا اور اس کے علاوہ ان کے لیے آخرت میں دردناک

عذاب ہے جو ان کے لیے قطعی طور پر تجویز ہو چکا ہے لہٰذا آپ ان مسخرہ پن کرنے والے منافقین کے لیے دعاء مغفرت کریں یا نہ کریں ان کے حق میں بالکل بیکار اور بے فائدہ ہے آپ اگر ان کے لیے ستر مرتبہ بھی خدا سے مغفرت مانگیں گے تب بھی ہرگز اللہ انکو نہیں بخشے گا ستر کا عدد تحدید اور تعیین کے لیے نہیں بلکہ محض مبالغہ اور کثرت کے لیے ہے مطلب یہ کہ ان کے لیے معافی مانگنا فضول ہے مانگو یا نہ مانگو کسی طرح نہیں بخشے جائیں گے خواہ تم ان کے لیے کتنی ہی بار معافی مانگو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایسا کفر کیا کہ تمسخر کی حد تک پہنچ گئے جس سے مغفرت کی صلاحیت اور اہلیت ہی ختم ہو گئی اللہ اور اس کے رسول ؐ کے ساتھ تمسخر دلیل اس امر کی ہے کہ دل پر مہر لگ چکی ہے اور اللہ نہیں راہ دکھاتا ایسے فاسقوں کو جو اپنے کفر میں متمرد اور سرکش ہو گئے ہوں۔

جُرم پنجم۔ تخلّف از غزوۂ تبوک

ان منافقوں کا ایک جرم یہ ہے کہ برائی اور عیب کے کام سے خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس برائی کی دعوت اور ترغیب دیتے ہیں ایسوں کو نبیؐ کے استغفار سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جو لوگ ان منافقین میں سے اپنے اصرار کی وجہ سے پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف اپنے گھر بیٹھے رہنے سے بہت خوش ہوئے یعنی جن منافقوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھوٹے عذروں کی بناء پر جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف مرضی اپنے گھر بیٹھے رہنے سے خوش ہوئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خلاف کے معنی مخالف کے نہیں بلکہ خَلف بمعنی بعد کے ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد آپؐ کے پیچھے اپنے گھر بیٹھے رہنے پر خوش ہوئے اور اپنے جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرنے کو مکروہ سمجھا۔ خود بھی آرام طلب بنے اور دوسروں کو بھی کہنے لگے کہ گرمی میں جہاد کے لیے نہ نکلو نہ خود گئے اور دوسروں کو بھی روکنا چاہا۔ اے نبی آپؐ اُن سے کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ سخت گرم ہے۔ کاش کہ یہ منافق سمجھتے ہوتے کہ رسول اللہ کی مخالفت میں کتنی سخت آگ میں جلنا پڑے گا۔ سو یہ منافق جو اس وقت جہاد سے پیچھے رہنے پر خوش ہو رہے ہیں۔ دنیا میں تھوڑے دنوں ہنس لیں اور اس کے بدلے آخرت میں بہت سا روئیں یہ امر بمعنی خبر ہے اور صیغۂ امر اس لیے لایا گیا تا کہ دلالت کرے کہ قیامت کے دن بہت سا رونا لازم ہوگا ابدالآباد تک روتے ہی رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا ہنسنا چند روزہ ہے اس کے بعد رونا ہی رونا ہے یہ ان کا آخرت میں رونا بطور بدلہ کے ہوگا جو دنیا میں کماتے تھے۔ دنیا میں کفر اور معصیت کر کے ہنستے اور خوش ہوتے تھے۔ آخرت میں اس کے بدلہ ابدالآباد تک رونا پڑے گا جب ان کا حال

معلوم ہوگیا تو اگر خدا تعالیٰ آپ کو اس سفر سے صحیح سالم ان میں سے کسی جماعت کی طرف مدینہ واپس لائے پھر یہ لوگ بطور خوشامد و دفع الزام سابق کسی دوسرے غزوہ میں آپ کے ساتھ نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم میرے ساتھ کبھی ہرگز نہیں نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر ہرگز کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑو گے یعنی اگر آپ غزوۂ تبوک سے صحیح سالم مدینہ واپس آجائیں اور پھر دوسرے غزوہ کی تیاری کریں اور جو منافق اس غزوہ میں آپ کے ساتھ نہیں نکلے وہ اس غزوہ میں آپ کے ساتھ نکلنے کی اجازت مانگیں تو اُن کو اجازت نہ دینا اور یہ کہہ دینا کہ تحقیق تم پہلی بار اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش رہے سو اب دوسری بار بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں پہلی بار کی طرح اس مرتبہ بھی بچوں اور عورتوں اور ناتواں بوڑھوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے منافقین کی ازلی شقاوت کی خبر دی اور آئندہ کے لیے ان لوگوں کو جہاد میں ساتھ لے جانے سے منع کیا۔ اور گزشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ ان لوگوں کے لیے استغفار بے کار ہے یہ ازلی بدبخت ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی مغفرت کی جائے اب آئندہ آیت میں صراحۃً ان کی نماز جنازہ پڑھنے کی اور ان کے لیے مغفرت کی ممانعت فرماتے ہیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو عبداللہ بن ابی منافق کی نماز پڑھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بدرجۂ کمال شفقت و رحمت کا غلبہ تھا جیسا کہ انبیاء کرامؑ کی شان ہے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے متعلق یہ فرمایا وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اس لیے آپؐ نے یہ جان کر کہ ان کے حق میں استغفار بے سود ہے ہدایت خلق کی حرص اور طمع میں کمال شفقت و رحمت کی بنا پر استغفار کی جانب کو ترجیح دی کہ شاید آپؐ کی یہ استغفار دوسروں کے حق میں ہدایت کا ذریعہ بن جائے چنانچہ آپ کا یہ تلطف دیکھ کر اور بہت سے یہودی مسلمان ہو گئے۔

بہرحال آپؐ پر شفقت و رحمت کا غلبہ تھا اس کے ظاہری اسلام کی بناء پر آپ نے اس منافق کی نماز جنازہ پڑھا دی اور پیراہن مبارک بھی عطا کر دیا۔ اس پر آئندہ آیت یعنی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ الخ نازل ہوئی جس میں صراحۃً ممانعت ہوگئی اور بتلا دیا گیا کہ نبی کی نماز جنازہ اور نبی کا پیراہن بغیر ایمان کے ذریعہ نجات کا نہیں ہو سکتا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا

اور نماز نہ پڑھ ان میں کسی پر جو مر جاوے کبھی اور نہ

تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ

کھڑا ہو اس کی قبر پر - وہ منکر ہوئے اللہ سے اور

رَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

اس کے رسول سے اور مرے ہیں بے حکم -

منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ... الی ... وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ

(ربط) اوپر کی آیت میں منافقین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت کی گئی تھی اب اس آیت میں ان کے جنازے کی نماز پڑھنے سے آپؐ کو منع کیا گیا۔

شانِ نزول اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب عبداللہ بن اُبَیّ منافق مرگیا تو آپؐ اس کے مسلمان بیٹے کی خاطر اس کے جنازے کی نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ جس طرح آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی زندگی میں اس کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے مسلمان بیٹے کے اصرار پر آپؐ نے اس کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ منافق تھا آپؐ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ الخ آپؐ نے ارشاد فرمایا اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے یعنی ممانعت نہیں کی میں ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کروں گا بعد ازاں آپؐ نے اس کے ظاہری اسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی نماز جنازہ پڑھی کیونکہ منافقین ظاہر میں کلمۂ اسلام کا پڑھتے تھے اور نماز روزہ بھی کرتے تھے اس لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ظاہراً معاملہ مسلمانوں کا سا کرتے تھے اور جن آیتوں میں مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت آئی ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو صریح کافر اور مشرک تھے۔ ان کے لیے استغفار کی ممانعت سے یہ لازم نہیں آتا کہ منافقین کے لیے بھی استغفار ممنوع ہو۔ اس لیے کہ منافقین بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور بظاہر شعائر اسلام بجا لاتے تھے۔ اس لیے وہ اس ممانعت کے مفہوم میں داخل نہیں غرض یہ کہ آپؐ نے اس کے ظاہری اسلام کی بنا پر اس کی نماز جنازہ پڑھائی اس پر حضرت عمرؓ کی تائید اور موافقت میں یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا الخ اس کے بعد آپؐ نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی اس

آیت کے ذریعے یہ بتلا دیا گیا کہ اب ان کا حکم مسلمانوں جیسا نہیں رہا اس لیے ان میں جو کوئی مر جائے آپ کبھی اس کی نماز نہ پڑھیں چنانچہ فرماتے ہیں اور ان منافقوں میں سے جو مر جائے تو آپ ان میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں یعنی یہ حکم ابدی ہے کبھی منسوخ نہ ہوگا اس لیے کہ نماز جنازہ ایک قسم کی شفاعت ہے اور کافر اور منافق کے لیے شفاعت نہیں اور نماز تو درکنار کسی کافر اور منافق کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہوں یعنی اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں شرکت نہ کریں کیونکہ اس میں کافر کا اکرام ہے۔ تحقیق یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہوئے اور نافرمانی اور سرکشی کی حالت میں مرے ان کی قبر اللہ کے غضب اور قہر کا محل ہے اس لیے مؤمن کے لیے جائز نہیں کہ ایسی جگہ ایک منٹ کو بھی کھڑا ہو جہاں اللہ کا غضب اور قہر نازل ہو رہا ہو اس آیت کے نزول کے بعد منافق کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہوگیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپؐ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا

اور تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے - اللہ یہی

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا

چاہتا ہے کہ عذاب کرے ان کو ان چیزوں سے دنیا میں

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۸۵

اور نکلے ان کی جان جب تک کافر ہی رہیں۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا

اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت کہ یقین لاؤ اللہ پر، اور لڑائی کرو

مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَ

اس کے رسول کے ساتھ (ہوکر) رخصت مانگتے ہیں مقدور والے ان کے اور

قَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۸۶ رَضُوْا بِاَنْ

کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دے، رہ جاویں ساتھ بیٹھنے والوں کے۔ خوش آیا کہ

يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ

رہ جاویں ساتھ پیچھلی عورتوں کے اور مہر ہوئی ان کے دل پر، سو ان کو

لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بوجھ نہیں - لیکن رسول اور جو ایمان لائے ہیں ساتھ

مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ

اس کے لڑے ہیں اپنے مال اور جان سے۔ اور انہی کو

لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ

ہیں خوبیاں، اور وہی پہنچے مراد کو - تیار رکھے

اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ہیں اللہ نے ان کے واسطے باغ، بہتی ہیں نیچے اُن کے نہریں، رہا

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

کریں اُن میں، یہی ہے بڑی مراد ملنی -

کفّار اور منافقین کا ایک شبہ اور اس کا ازالہ

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ .... الی .... ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار اور منافقین کا مبغوض عند اللہ ہونا بتلایا اب اس بارہ میں ایک شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں وہ یہ کہ ان کے پاس جو کچھ مال اور اولاد ہے وہ ان کے محبوب ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ان کے مبغوض ہونے کی علامت ہے اور ان کو جو مال و دولت دیا گیا ہے وہ ان کے حق میں ذریعۂ عذاب ہے سو اے مسلمانو تمہیں ان کے مال و دولت سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیے مال کو اگر خدا تعالیٰ کی اطاعت اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذریعہ بنایا جائے تو وہ نعمت ہے اور اگر اس کو معصیت کا ذریعہ بنایا جائے تو وہ مال و دولت عذاب اور مصیبت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور تعجب میں نہ ڈالیں آپ کو ان منافقین کے مال اور اولاد کہ باوجود مغضوب خداوندی ہونے کے ان کو یہ نعمتیں کیسے عطا ہوئیں سو خوب سمجھ لو کہ ان کو مال و اولاد کے عطا کرنے سے انعام اور اکرام مقصود نہیں بلکہ جزاایں نیست کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان مجرمین کو ان کے مال و اولاد کے سبب سے دنیا میں عذاب دے۔ کہ دنیا میں تحصیل مال اور اس کی حفاظت کے رنج و تعب میں رہیں۔ اور اولاد کی تربیت میں اور ان کے لیے سامانِ راحت مہیا کرنے میں ہر وقت محنت اور مشقت کھینچتے رہیں اور جب مریں تو ان کی روح میں نہایت حسرت کے ساتھ اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ یعنی کفر ہی پر اس جہان سے خالی ہاتھ جائیں اور مال و اولاد یہاں چھوڑ جائیں اور حسرتیں اور ندامتیں ساتھ لے جائیں۔

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کافروں کو مال و اولاد میں ترقی دے رکھی ہے یہ اس لیے نہیں کہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہیں بلکہ اللہ کا مقصود ان کے مال و اولاد بڑھانے سے یہ ہے کہ وہ اس کے سبب ہمیشہ دنیوی عذاب بھگتے رہیں اور جب مریں تو کفر پر حسرتیں لے کر مریں کیونکہ مال و اولاد ہی انسان کی گمراہی کا ذریعہ ہیں۔ باقی خداوند تعالیٰ کے نزدیک مقبول و محبوب ہونے کا ذریعہ صرف اس کی اطاعت ہے۔ بارگاہ خداوندی میں عزت ایمان اور اطاعت سے ملتی ہے نہ کہ مال و دولت سے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؂

در اول چو خواہی کنی مال جمع	بسے رنج برخویشتن باید گماشت
پس از بہر آں تا بماند بجائے	شب و روز می بایدت پاس داشت
وزیں جملہ آں حال مشکل تراست	کہ آخر بحسرت ببایدگذاشت

فائدہ یہ آیت اس سے چار رکوع پہلے بھی گذر چکی ہے مگر چونکہ ایک عظیم شبہ کے ازالہ پر مشتمل ہے اس لیے بغرض تاکید اس کو دوبارہ ذکر کیا گیا اس لیے کہ عام طبیعتوں میں حرص کا مادہ غالب ہے۔ اس لیے مال و دولت کو دیکھ کر نظریں چکاچوند ہو جاتی ہیں سو بتلا دیا کہ اگر مال و دولت خدا تعالیٰ کی اطاعت کا ذریعہ بنیں تو نعمت ہیں اور اگر اس کی معصیت کا ذریعہ بنیں تو عذاب اور مصیبت ہیں اور یہ اموال و اولاد ان منافقین کے حق میں ذریعۂ عذاب اس وجہ سے بنا کہ ان کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی سورت اس مضمون کی نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر دل و جان سے ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے صاحب دولت و ثروت ہیں تو وہ آپ سے جہاد سے پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہم کو یہیں چھوڑ جائیے۔ یعنی اپنے ساتھ لشکر میں نہ لے چلیں تاکہ رہیں ہم گھر بیٹھنے والوں کے ساتھ ان لوگوں پر راحت طلبی اس قدر غالب ہے کہ وہ اس بات پر خوش ہیں کہ خانہ نشین

عورتوں کے ساتھ رہیں اور مردوں کے ساتھ جہاد میں نہ جائیں۔
خوالف کے معنی پیچھے رہنے والی عورتوں کے ہیں۔ چونکہ مردوں کے پیچھے اپنے گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں اس لیے عورتوں کو خوالف کہتے ہیں۔ اور ان کے دلوں پر کفر اور نفاق کی مہر لگا دی گئی ہے۔ پس اس لیے وہ جہاد کے انوار و برکات اور اس کی سعادت کو نہیں سمجھتے لیکن رسول خدا اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ شامل ہو کر ایمان لائے ان لوگوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔ یعنی اگر ان منافقوں نے جہاد نہیں کیا۔ اور پیچھے رہ گئے تو کیا نقصان ہوا۔ ان سے بہتر لوگوں نے جہاد کیا اور ایسوں ہی کے لیے دنیا اور آخرت میں خوبیاں ہیں اور یہی لوگ آخرت میں مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے درختوں اور مکانات کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان ہی باغوں میں رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے اور ان نادانوں نے گھر میں بیٹھے رہنے کو کامیابی سمجھ رکھا ہے۔

فائدہ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی کسی سے مکر اور زیب اور نفاق دیکھے تو اس سے قطع تعلق کر دے اور اس کی معاونت اور مجالست اور مصاحبت سے بھی احتراز کرے ایسے لوگوں کو جہاد میں ساتھ نہ لے جائے اور اگر مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھے اور نہ ان کی قبر پر جا کر کھڑا ہو۔

لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَيۡهِمۡ اَجۡمَعِيۡنَ۔

وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ لِيُؤۡذَنَ لَهُمۡ

اور آئے بہانے کرتے گنوار تا رخصت ملے ان کو

وَقَعَدَ الَّذِيۡنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ‌ ؕ سَيُصِيۡبُ

اور بیٹھ رہے جو جھوٹے ہوئے اللہ سے اور رسول سے۔ اب پہنچے گی

الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۹۰﴾

ان پر، جو منکر ہیں ان میں دکھ کی مار۔

منافقینِ اعراب کے اعذارِ کاذبہ کا ذکر

قال اللہ تعالیٰ۔ وَجَآءَ الۡمُعَذِّرُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ .... الیٰ .... عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ٥

(ربط) اوپر کی آیتوں میں شہر مدینہ کے منافقوں کے احوال بیان کیے اب اس آیت میں منافقین اور ان کے اعذار کاذبہ کا حال بیان ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور آئے جنگ تبوک کی روانگی کے وقت دیہاتیوں میں سے عذر کرنے والے جنہوں نے قلت مال اور کثرت عیال کا ذکر کیا تاکہ ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ مُعَذِّرُوْنَ کی اصل معتذرون ہے جو اعتذار سے مشتق ہے اور اعتذار کا استعمال عذر کاذب اور عذر صادق دونوں میں صحیح ہے اس بنا پر مفسرین میں اختلاف ہے کہ آیا یہ عذر کرنیوالے دیہاتی اپنے عذر میں سچے تھے یا جھوٹے تھے بعض کہتے ہیں کہ سچے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ جھوٹے تھے بہرحال انکا عذر سچا ہو یا جھوٹا مطلب یہ ہے کہ ان دیہاتیوں نے جہاد میں جانے سے عذر کیا اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہنے کی اجازت مانگی اور ان دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو عذر کرنے بھی نہ آئے اور انہوں نے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کر کے خدا اور رسول سے جھوٹ بولا تھا۔ یہ بلا اجازت مانگے ہی اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور بالکل ہی چھپ کر گھروں میں بیٹھے رہے اور عذر کرنے کے لیے بھی آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے ان میں سے جو آخر تک کفر پر قائم رہے ان کو آخرت میں دردناک عذاب پہنچے گا اور جو توبہ کر لیں گے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ تو ایسے تھے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پیچھے رہنے کی اجازت مانگی آپ نے ان کو اجازت دے دی اور بعضے تو اس قدر بے باک نکلے کہ اپنے گھروں ہی میں بیٹھے رہے اور عذر کرنے بھی نہ آئے اور ظاہرداری کا بھی خیال نہ کیا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى

ضعیفوں پر تکلیف نہیں نہ مریضوں پر، نہ اُن پر

الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا

جن کو پیدا نہیں جو خرچ کریں جب دل

نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ

سے صاف ہوں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ نہیں نیکی والوں پر

مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩١﴾

الزام کی راہ۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ

اور نہ ان پر، کہ جب تیرے پاس آئے تا اُن کو سواری

قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّ

دے تُو نے کہا مجھ کو پیدا نہیں جو تم کو سواری دوں، الٹے پھرے اور

اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا

ان کی آنکھوں سے بہتے ہیں آنسو اس غم سے، کہ ان کو پیدا نہیں جو

يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

خرچ کریں۔ راہ الزام کی ان پر ہے جو رخصت مانگتے ہیں

وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ

تجھ سے اور مالدار ہیں۔ خوش لگا انہیں کہ رہ جاویں ساتھ پیچھلی عورتوں کے

وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور مہر کی اللہ نے ان کے دل پر، سو وہ نہیں جانتے ۔

مؤمنین صادقین کے اعذارِ صادقہ کا ذکر

قال اللہ تعالیٰ۔ لَیْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

(ربط) اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو حقیقت میں معذور نہیں تھے مگر باوجود قدرت کے نفاق کی وجہ سے جہاد میں جانا نہیں چاہتے اور جھوٹے جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں۔ ایسوں کے عذر خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔ اب ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو درحقیقت معذور ہیں۔ اور ضعیف اور بوڑھے اور بیمار اور ناتواں ہیں اور ان کے عذر سچے اور واقعی ہیں ایسے لوگوں کے عذر اللہ کے نزدیک مقبول ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ جہاد سے پیچھے رہ جانے میں ناتوانوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ نہیں کہ جس سے سامانِ جہاد مہیا کر سکیں ایسے لوگ اگر

جہاد میں نہ جائیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اوپر کی آیتوں میں خدا تعالٰے نے جھوٹے عذر کر کے جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی مذمت فرمائی تھی۔ اب اس آیت میں واقعی اہلِ عذر کا بیان فرمایا کہ وہ جہاد کی شرکت سے مستثنیٰ ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کمزور اور ناتواں یعنی بوڑھے اور بچے اور عورتیں اور نحیف اور لاغر لوگ جو جہاد کی مشقت کو برداشت نہیں کر سکتے۔

(۲) مریض بیمار اور معذور اس میں اندھے اور لولے اور لنگڑے بھی داخل ہیں۔

(۳) غریب و نادار جن کے پاس نہ سواری ہے نہ ہتھیار اور نہ اس قدر روپیہ ہے جس سے جہاد کا سامان مہیا کر سکیں ایسے لوگوں پر جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ لوگ دل و جان سے اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ اور مخلص ہوں معذوری کی وجہ سے اگر جہاد میں شرکت نہ کر سکیں تو مجاہدین کے اہل و عیال کی حفاظت کریں ایسے نیکوں پر الزام کی کوئی راہ نہیں۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا جو خیر خواہ ہو اور معذوری کی وجہ سے کوئی خدمت انجام نہ دے سکے اس پر کوئی ملامت اور عتاب نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے یعنی اگر نیکوں سے نادانستہ کوئی لغزش ہو جائے تو اللہ تعالٰے اس کو معاف کر دے گا۔ اور جہاد سے پیچھے رہ جانے میں ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ اور الزام نہیں کہ جب وہ آپ کے پاس آئے۔ اور آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کو سواری دیں تو آپ نے ان کو یہ جواب دیا کہ میں اپنے پاس سواری نہیں پاتا جس پر تم کو سوار کر دوں تو وہ اس وقت نہایت افسردگی کی حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس غم میں کہ وہ جہاد میں خرچ کرنے کو اپنے پاس کچھ نہیں پاتے اس قسم کے لوگ اگر جہاد میں نہ جا سکیں تو ان پر کوئی عتاب اور ملامت نہیں۔ یہ سات آدمی تھے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے کہ جب آپ غزوۂ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ ہمارے لیے بھی سواری کا کچھ انتظام کر دیجئے تاکہ ہم بھی آپؐ کے ساتھ جہاد میں چلیں آپؐ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تم کو سوار کر دوں اس پر وہ غم کے مارے روتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوئے یہ سات آدمی تھے جو اس رونے کی وجہ سے بکائین کے نام سے مشہور ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

سالم بن عمیرؓ۔ علبۃؓ بن زید۔ ابولیلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب۔ عمروؓ بن حمام بن جموح۔ عبداللہؓ بن مغفل۔ عرباضؓ بن ساریہ۔ ہرمیؓ بن عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہم یہ ساتوں آدمی جو روتے ہوئے واپس ہوئے انصار میں سے تھے (روح المعانی)

جز ایں نیست کہ الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو آپ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ حالانکہ وہ دولتمند ہیں اور زاد راہ اور سواری ان کے پاس موجود ہے۔ انہوں نے اس

بات کو پسند کیا کہ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہیں۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے بس وہ نہیں جانتے کہ ہم نے اپنا کیا نقصان کیا اور ہمارا انجام کیا ہوگا۔ ایسے بے عقل ہے کہ اپنا نفع نقصان بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ آمين يارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

کہ آج بتاریخ ۱۴ رجب الحرام یوم پنجشنبہ ۱۳۸۷ھ بوقت چاشت جامعہ اشرفیہ لاہور میں دسویں پارے کی تفسیر سے فراغت ہوئی وَلِلّٰہِ الْحَمْد کہ یک ثلث قرآن مجید کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ لے خدا وندِ ذو الجلال تو اپنے فضل و رحمت سے اس خدمت کو قبول فرما اور باقی تفسیر کی تکمیل اور اتمام کی توفیق عطا فرما۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۝ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلَیْنَا مَعَهُمْ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۝
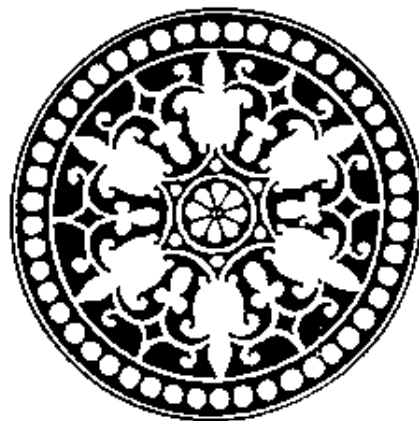
يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ
بہانے لاویں گے تمہارے پاس جب پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تو کہہ،

لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ
ہم نہ مانیں گے تمہاری بات ہم کو بتا چکا ہے اللہ

مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ
تمہارے احوال اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارے کام اور اس کا رسول

تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ
پھر جاؤ گے طرف اس جاننے والے چھپے اور کھلے کے سو وہ بتا دے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا
تم کو جو کر رہے تھے ۔ اب قسمیں کھاویں گے اللہ کی تمہارے پاس

انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ
جب پھر کر جاؤ گے اُن کی طرف تا ان سے درگذر کرو۔ سو درگذر کرو ان سے

اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا
وہ لوگ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، بدلہ ان کی کمائی

يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ
کا ۔ قسمیں کھاویں گے تمہارے پاس کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ

تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ
سو اگر تم راضی ہو گئے ان سے تو اللہ راضی نہیں بے حکم

الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾
لوگوں سے۔

خبر دادن از اعذار کاذبہ اہل نفاق

کہ بعد از واپسی جنگ پیش مسلماناں آرند و حکم دادن اہل اخلاص را کہ زیں چنیں پلیداں رو بگردانند

از منافق عذر رد آمد نہ خوب — زانکہ در لب بود آں نے در قلوب

قال اللہ تعالیٰ۔ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ٥

(ربط) اوپر ان منافقین کا ذکر تھا جنہوں نے غزوۂ تبوک کی روانگی کے وقت طرح طرح کے عذر اور حیلے بہانے تراشے تھے اب ان آیات میں ان منافقین کے متعلق خبر دی جاتی ہے جو اس غزوہ سے واپس آنے کے بعد تمہارے پاس آکر اپنے نہ جانے کے عذر بیان کریں گے. یہ آیتیں غزوۂ تبوک کی واپسی سے پہلے نازل ہوئیں جن میں یہ خبر دے دی گئی کہ یہ لوگ آپؐ کی واپسی کے بعد آپؐ کے پاس آکر آپکے ساتھ نہ جانے کے عذر بیان کریں گے اور قسمیں کھائیں گے مگر اے نبیؐ آپ ان سے صاف کہہ دیجئے کہ اب کوئی عذر نہ کرو۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری اندرونی کیفیت سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے ہم تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کریں گے اور نہ تمہاری کوئی بات سنیں گے اور اگر تم اپنے سچے ہونے پر اصرار کرتے ہو تو خیر اب اس قصہ کو چھوڑ دو آئندہ تمہارا طرزِ عمل دیکھا جائے گا کہ کیا کرتے ہو ظاہر کے مطابق تم سے معاملہ کیا جائے گا اور باطن کا حال عالم الغیب والشہادۃ کے حوالہ کیا جائے گا. ان آیات میں حق تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور اہل ایمان کو حکم دیا کہ تم ان کا عذر قبول نہ کرنا اور نہ ان کے حلف کو سچا سمجھنا بلکہ ان کو گندہ اور ناپاک سمجھ کر اعراض کرنا اور منہ پھیر لینا یہ لوگ خبیث اور گندے اور ناپاک باطن ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے یہ لوگ قابل التفات نہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے مسلمانوں کو ان کے جھوٹ کی خبر دے دی تاکہ وقت پر خوب فضیحت اور رسوا ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں[1] یہ نادان منافق تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے. جب تم غزوۃ تبوک سے ان کی طرف مدینہ واپس آؤ گے. اے نبیؐ آپ کہہ دیجئے کہ تم حیلے بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے. تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری باتوں اور حالات سے ہم کو خبر دے دی ہے اور آئندہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے کاموں کو دیکھے گا۔ اور اس کے مطابق تمہارے ساتھ معاملہ کرے گا. پھر تم قیامت کے دن عالم الغیب والشہادۃ کی طرف لوٹائے جاؤ گے سو وہ تم کو آگاہ کر دے گا۔ جو کچھ تم کرتے تھے یعنی تمہارے نفاق کو ظاہر کر دے گا۔ جس سے تم سب کے سامنے رسوا ہو گے. (مسلمانو!) عنقریب وہ تمہارے سامنے خدا کی قسمیں کھائیں گے جب تم سفر سے ان کی طرف واپس آؤ گے. کہ ہم مجبور اور معذور تھے۔ تاکہ تم ان سے اعراض کر دو یعنی ان پر غصہ اور ملامت نہ کرو یہ لوگ ناپاک اور گندے ہیں ان کو سرزنش بے کار ہے پس اے مسلمانو! تم ان کی خواہش کے مطابق ان سے اعراض

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ یعتذرون کی ضمیر ھم لایعلمون کی طرف راجع ہے جس پر گزشتہ پارہ ختم ہوا۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

کرو۔ اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو تحقیق یہ لوگ پلید ہیں ان کے پاک ہونے کی امید نہیں تہدید اور ملامت ان کے حق میں مفید نہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے تا کہ ان کو بدلہ ملے اس کفر اور نفاق کا جو کماتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ملامت اور سرزنش سے مقصود اصلاح ہے اور ان گندوں کی اصلاح کی کوئی امید نہیں نیز یہ منافق تمہارے سامنے اس لیے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اور وہ تمہارے تعرض اور مؤاخذہ سے بے خوف ہو جائیں۔ ان کی قسم مسلمانوں کی خوشنودی کے لیے ہے اللہ کی خوشنودی کے لیے نہیں سو اے مسلمانو! اگر بالفرض والتقدیر تم ان جھوٹ بولنے والے منافقوں سے ظاہر کے اعتبار سے راضی بھی ہو جاؤ تو ان کو کیا فائدہ ہوگا تحقیق اللہ تعالیٰ بدکاروں سے راضی نہیں ہوتا۔ یعنی خدا کے غصہ اور ناراضی کے ساتھ مسلمانوں کا ظاہری طور پر ان سے راضی ہو جانا ان کے حق میں مفید نہیں اس آیت سے مقصود مسلمانوں کو ممانعت کرنا ہے کہ ان سے راضی نہ ہوں اور ان کے جھوٹے عذروں سے ان کے فریب میں نہ آجائیں۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں "جس شخص کا حال معلوم ہو کہ منافق ہے اس کی طرف سے تغافل روا ہے۔ لیکن دوستی اور محبت اور یگانگت روا نہیں" اھ

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا

گنوار سخت منکر ہیں اور منافق اور اسی لائق کہ

يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى

نہ سیکھیں قاعدے، جو نازل کیے اللہ نے اپنے

رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ

رسول پر اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ اور بعضے گنوار وہ

مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ

ہیں کہ ٹھہراتے ہیں اپنا خرچ کرنا چٹی اور تاکتے ہیں تم پر

الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

زمانے کی گردشیں۔ انہیں پر آوے گردش بُری، اور اللہ سب سنتا

عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

ہے جانتا۔ اور بعضے گنوار وہ ہیں کہ ایمان لاتے ہیں اللہ اور پچھلے

الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَ
دن پر اور ٹھہراتے ہیں اپنا خرچ کرنا نزدیک ہونا اللہ سے اور
صَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ
دعا لینی رسول کی۔ سنتا ہے وہ اُن کے حق میں نزدیکی ہے داخل کریگا انکو
اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾
اللہ اپنی مہر میں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مذمّتِ منافقین اعراب اور مدحِ مخلصین اعراب

قال اللہ تعالیٰ۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(ربط) یہاں تک مدینہ کے منافقین اور مؤمنین مخلصین کے احوال بیان ہوئے اب ان آیات میں اعراب (اہل دیہات) کا کچھ حال بیان کرتے ہیں کہ ان میں بھی کئی طرح کے آدمی ہیں کفار اور منافقین اور مخلصین ان میں جو منافق ہیں ان کی مذمت فرماتے ہیں اور جو ان میں سے مخلصین ہیں ان کی مدح فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ سب اعراب یکساں نہیں۔ بعض ان میں سے سخت منافق ہیں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے ہیں اور مسلمانوں پر مصیبت آنے کی خواہش میں رہتے ہیں اور بعضے ان میں سے سچے ایماندار ہیں اور وہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُسے باعثِ ثواب سمجھتے ہیں اور ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور ترقی کے آرزومند رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ظاہر فرمائے گا چنانچہ فرماتے ہیں ان منافقین میں جو دیہاتی ہیں وہ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں یعنی عرب کے دیہاتیوں کا کفر اور نفاق شہر مدینہ کے منافقوں کے کفر اور نفاق سے بڑھا ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ رسولِ خدا سے اور علماء سے اور عقلاء سے دور رہتے ہیں اور ان کو قرآن و سنن اور مواعظ کے سننے کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ مجلسِ علم سے دوری اور اہلِ علم کی صحبت سے محرومی کی وجہ سے جہالت میں غرق ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل اور بھی سخت ہوگئے۔ اور یہ سخت دل وحشی اسی لائق ہیں کہ شریعت کی حدود کو نہ جانیں کہ جو خدا نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ اسی لیے یہ لوگ جھوٹی قسم کی قباحت کو بھی نہیں جانتے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ان جھوٹوں کو مہلت دینا

حکمت پر مبنی ہے اور اسی لاعلمی اور جہالت کی بنا پر دیہاتی منافقوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جو مال وہ خدا کی راہ میں کبھی خرچ کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں. کیونکہ اس خرچ پر ان کو ثواب کی امید نہیں محض دکھلاوے کے لیے کچھ خیرات کر دیتے ہیں اور اے مسلمانو! وہ تمہارے بارے میں زمانے کے گردشوں کے منتظر ہیں کہ مسلمانوں کی عزت و وجاہت کا خاتمہ ہو تاکہ نفاق سے چھٹکارا پائیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہی پر بُری گردش ہوگی کہ اسلام کا عروج ہوگا۔ جس سے ان کے رنج و غم میں اور زیادتی ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان کے اقوال کو سننے والا اور ان کی بدباطنی کا جاننے والا ہے۔ اور ان کے برعکس دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور جس چیز کو وہ خرچ کرتے ہیں اور اس کو خدا کے قرب اور رضا کا ذریعہ اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں. آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم خیرات دینے والوں کے لیے خیر و برکت کی دعا کیا کرتے تھے. چنانچہ جب ابو اوفیٰ آپ کے پاس صدقہ لے کر آئے تو آپ نے یوں دعا فرمائی. اللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ آلِ ابی اوفیٰ (یعنی اے اللہ تو آلِ ابی اوفی پر اپنی رحمت فرما) آگاہ ہو جاؤ کہ بیشک وہ خیرات ان کے لیے خدا کی قربت کا ذریعہ ہے البتہ خدا تعالیٰ ان کو اپنی خاص رحمت میں داخل کرے گا. جو ہر طرف سے ان کے ظاہر و باطن کو محیط ہوگی بے شک اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بخشنے والا اور ان پر مہربان ہے۔

یہ آیت قبائل مُزینہ اور اسلم اور غفار اور جہینہ کے بارہ میں نازل ہوئی جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھتے تھے اور ثواب کی نیت سے راہِ خدا میں خیرات کرتے تھے معلوم ہوا کہ جو شخص صحیح ایمان اور اخلاص اور صدقِ نیت سے صدقہ اور خیرات کرے گا۔ وہ بلاشبہ خدا کے قرب ہونے کا ذریعہ بنے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس کا موجب قربت ہونا عسیٰ اور لعل کے ساتھ ظاہر نہیں کیا بلکہ اَلَا حرف تنبیہ اور اِنَّ حرف تاکید کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسا مخلصانہ صدقہ بالیقین اللہ کے قرب اور رضا کا ذریعہ ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

اور جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور جو ان کے

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

پیچھے آئے نیکی سے، اللہ راضی اُن سے

وَرَضُوا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا

اور وہ راضی اس سے اور رکھے ہوئے ہیں واسطے ان کے باغ نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ

بہتی ہیں نہریں رہا کریں ان میں ہمیشہ، یہی ہے

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

بڑی مراد ملنی۔

ذکر اعیان مؤمنین وفضائل سابقین اولین

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ .... الیٰ .... ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

(ربط) اوپر کی آیت میں مؤمنین اعراب کا ذکر تھا جو متوسط درجہ کے مؤمن تھے اب اس آیت میں اعیان مؤمنین یعنی چیدہ اور پسندیدہ مسلمانوں کا ذکر ہے جن کو ایمان کا اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا یعنی سابقین اولین اور مہاجرین وانصار کے فضائل ومراتب کا ذکر ہے جن کو سبقت اور اولیت کا شرف حاصل ہوا اور یہ طبقہ امت کے تمام طبقوں سے افضل ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور مہاجرین اور انصار میں سے قبول اسلام اور ہجرت اور نصرت میں سب امت سے سبقت کرنے والے اور سب سے اول رہنے والے اور جن لوگوں نے ان کے بعد ایمان اور اخلاص کے ساتھ ان سابقین اولین کی پیروی کی اور ان کے نقش قدم پر چلے تو ان سب سے اللہ راضی ہوا کہ ان کی طاعت اور خدمت کو، ہجرت اور نصرت کو اور ان کی متابعت کو قبول کیا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے کہ وہ خدا سے دین و دنیا کی نعمتیں پاکر خوش ہوئے۔ اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے درختوں اور مکانات کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔ یہی بڑی ہے کامیابی کہ اللہ ان سے راضی ہوا۔

لطائف ومعارف

(۱) سابقین اولین کی تفسیر میں علماء تابعین کے مختلف اقوال آئے ہیں ایک جماعت کی

رائے یہ ہے کہ سابقین اوّلین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی بیت المقدس کی طرف بھی اور کعبہ کی طرف بھی یعنی قبلہ بیت المقدس کے منسوخ ہونے سے پہلے جو لوگ ایمان لائے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ مراد ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہوئے امام فخرالدین رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس جگہ سابقین اوّلین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہجرت اور نصرت میں سابق اور اوّل ہیں کیونکہ سابقین اوّلین کا لفظ مجمل ہے جس میں یہ نہیں فرمایا کہ کس چیز میں سابق اور اوّل ہیں پھر ان کو مہاجرین اور انصار کے ساتھ موصوف فرمایا معلوم ہوا کہ صفت ہجرت اور صفت نصرت میں سبقت اور اوّلیت مراد ہے۔

۲۔ اور وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ سے وہ لوگ مراد ہیں جو سابقین اوّلین کے بعد آئے اور ان کے نقش قدم پر چلے خواہ وہ صحابہؓ ہوں یا تابعینؒ ہوں یا تبع تابعینؒ یا ان سے بھی بعد۔ غرض یہ کہ کہ اَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ سے تمام وہ لوگ مراد ہیں جو مہاجرین اور انصار کی پیروی کریں۔ خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں۔ وہ سب جنت کے مستحق ہیں اور خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش پس یہ آیت قیامت تک جملہ مسلمانوں کو شامل ہے جو صحابہؓ کے طریقہ پر ہوں اور اقوال و افعال میں ان کے پیرو ہوں بغیر صحابہؓ کے اتباع اور پیروی کے خدا کی رضا اور جنت نہیں مل سکتی اور اہل سنّت والجماعت کا یہی طریقہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سنّت اور جماعت صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ اس لیے ان کو اہل سنّت والجماعت کہا جاتا ہے۔

۳۔ اس آیت سے صحابہؓ کا مؤمن کامل ہونا معلوم ہوا اس لیے کہ اللہ تعالٰے کافر اور منافق سے راضی نہیں ہوتا۔ کما قال تعالٰے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ نہ کافر تھے اور نہ فاسق۔ الغرض اس آیت میں اللہ تعالٰی نے مہاجرین اور انصار کی مدح فرمائی اور انہیں جنّت کی خوشخبری دی اور ان کو اپنی خوشنودی کا پروانہ عطا کیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا یہ وہ عظیم فائز المرامی ہے کہ اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا اس آیت نے منکرین صحابہؓ کیلئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، اس آیت نے تمام مہاجرین اور انصار کا ایمان ثابت کر کے فرقہ امامیہ کے عقیدہ کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اس لیے کہ آیت میں جس قدر وعدے ہیں وہ سبقت ہجرت پر اور نصرت پر موقوف ہیں ایمان اور اعمال صالحہ کا ذکر نہیں۔

۴۔ اس آیت میں حق جل شانہ نے صحابہ کرامؓ کے لیے بلا کسی شرط کے اپنی رضا اور مغفرت اور جنّت کا وعدہ فرمایا بخلاف تابعین کے یعنی بعد میں آنے والوں کے لیے یہ قید لگادی گئی کہ بشرطیکہ وہ مہاجرین اور انصار کا اتباع کریں اور اعمال اور افعال میں ان کے طریقہ پر چلیں۔

(ازالۃ الخفاء)

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ وَ

اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں ۔ اور

مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا

بعضے مدینے والے اڑ رہے ہیں نفاق پر ، تو

تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ

ان کو نہیں جانتا ۔ ہم کو معلوم ہیں ۔ ان کو ہم عذاب کریں گے دوبار

ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝۱۰۱

پھر پھیرے جاویں گے بڑے عذاب میں ۔

زعماء منافقین کا ذکر

قال تعالیٰ ۔ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ... الیٰ ... عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝

(ربط) اوپر کی آیت میں اعیان مؤمنین ۔ یعنی مؤمنین کاملین کا ذکر تھا اب اس آیت میں زعماء منافقین کا ذکر ہے جو مدینہ میں اور مدینہ کے آس پاس رہتے تھے اور سرتاپا نفاق میں غرق تھے اور فن نفاق میں ایسے ماہر و حاذق اور پختہ تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود کمال فراست کے ان کے نفاق پر مطلع نہ ہوسکے چنانچہ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ کے بعد جو لفظ لَا تَعْلَمُهُمْ بڑھایا گیا وہ اسی طرف اشارہ ہے اعیان مؤمنین کے ذکر کے بعد اعیان منافقین کا ذکر نہایت مناسب ہے جس طرح مہاجرین اور انصار کو ہجرت اور نصرت میں سبقت اور اولیت کا شرف حاصل تھا اسی طرح ان منافقین کو اسلام کی عداوت میں پیش پیش ہونے کا نشان ملا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مسلمانو! تمہارے آس پاس کے دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ منافق ہیں یعنی مدینہ کے گرد جو اعراب آباد ہیں ان میں سے بعض منافق ہیں اور مدینہ کے باشندوں میں سے بھی بعض منافق ہیں جو نفاق پر اڑے ہوئے اور جمے ہوئے ہیں لفظ مَرَدُوْا میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ شیطان کے مانند متمرد اور سرکش ہیں یہ لوگ اپنے نفاق سے توبہ کرنے والے نہیں اور یہ نفاق میں اتنے ماہر اور پختہ ہیں کہ آپ بھی باوجود کمال فراست کے ان کو نہیں جانتے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال فراست سے منافقوں کو ان کے انداز گفتگو سے معلوم کر لیا کرتے تھے مگر یہ منافق ایسے چال باز تھے کہ ان کا نفاق آں حضرتؐ پر بھی مخفی رہا جب تک خدا تعالیٰ

نے آپ کو نہ بتلایا اس لیے فرمایا کہ آپ ان کے نفاق کو نہیں جانتے ہم ان کے نفاق کو خوب جانتے ہیں کیونکہ دلوں کے بھید ہم پر مخفی نہیں ہم ان کو دُھرا عذاب دیں گے ایک بار جان کندنی کے وقت کہ فرشتے جان نکالتے وقت ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر آگ کے چابک ماریں گے اور ایک مرتبہ قبر میں پھر قبر کے بعد وہ آخرت میں بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ایک بار دنیا میں فضیحت کر کے اور دوسری بار قبر میں عذاب دے کر جیسا کہ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کی ایک روایت[1] میں ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا اخرج فانک منافق یعنی تو منافق ہے مسجد سے نکل جا یہ فضیحت اور رسوائی بھی ایک قسم کا عذاب تھا یا مرتین کا مطلب یہ ہے کہ دنیا ہی میں بار بار عذاب اور مصیبت میں مبتلا ہونے کے ہیں اور عذاب آخرت یعنی درک اسفل وہ اس دنیا سے گذرنے کے بعد ہوگا اور مرتین کا لفظ فقط دو کا عدد بیان کرنے کے لیے نہیں بلکہ تعدد اور تکثر کے بیان کے لیے ہے جیسے ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ میں تعدد اور تکثر کے معنی مراد ہیں۔

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا

اور بعضے ما نے اپنا گناہ ملایا ایک

عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ

کام نیک اور دوسرا بد۔ شاید اللہ معاف کرے

عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ

ان کو۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ لے ان کے مال میں سے

صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ

زکوٰۃ کہ ان کو پاک کرے اس سے اور تربیت اور دعا دے ان کو

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

البتہ تیری دعا ان کو آسودگی ہے اور اللہ سب سنتا ہے جانتا

[1] دیکھو روح المعانی ص ۱۲ ج ۱۱۔

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ

کیا جان نہیں چکے کہ اللہ آپ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے

وَ یَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۰۴﴾

اور لیتا ہے زکوٰتیں اور اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

وَ قُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَ رَسُوۡلُهٗ وَ

اور کہہ کہ عمل کیے جاؤ، پھر آگے دیکھے گا اللہ کام تمہارا اور رسول اور مسلمان اور

الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ وَ سَتُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ

پیچھے پھیرے جاؤ گے اس چھپے اور کھلے کے واقف پاس، پھر وہ

فَیُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ اٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ

جتاوے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور بعضے اور لوگ ہیں کہ ان

لِاَمۡرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمۡ وَ اِمَّا یَتُوۡبُ عَلَیۡهِمۡ ؕ وَ

کا کام ڈھیل میں ہے حکم پر اللہ کے، یا انکو عذاب کرے یا انکو معاف کرے۔ اور

اللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَكِیۡمٌ ﴿۱۰۶﴾

اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

مومنین متخلفین کی دو ضعیف الہمت جماعتوں کا ذکر

قال تعالیٰ۔ وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِهِمۡ.... الیٰ .... وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌ حَكِیۡمٌ ہ

(ربط) یہاں تک ان لوگوں کا حال بیان ہوا جو غزوۂ تبوک میں بوجہ نفاق کے شریک نہ ہوئے یہ منافقین متمردین کا گروہ تھا۔ اب ان آیات میں ان کے بالمقابل ان مومنین کا ذکر ہے جو کہ منافق تو قطعاً نہ تھے مگر ضعیف الہمت تھے بمقتضائے بشریت سستی اور کاہلی کے سبب غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے مگر اپنی اس غیر حاضری پر غایت درجہ متأسف اور نادم ہوئے

اور منافقین کی طرح بہانے نہیں تراشے ان لوگوں کو حق تعالیٰ نے معافی کی امید دلائی اور مسلمانوں کی یہ ضعیف الہمت جماعت جو محض کاہلی اور سستی اور غفلت کی بناء پر غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئی تھی دو قسموں پر منقسم ہو گئی۔

قسم اول وہ لوگ تھے کہ جب انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ تبوک سے واپسی کو سنا تو شرم اور ندامت کے مارے ان لوگوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے اسی طرح بندھے رہیں گے اور یہیں ختم ہو جائیں گے۔ سبحان اللہ مبارک معصیتے کہ بعذر آرد

قسم دوم وہ تھی کہ جنہوں نے نہ کوئی عذر تراشا اور نہ اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے بندھوایا بلکہ جب آپؐ تشریف لائے تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سچ سچ عرض کر دیا کہ قصور وار ہیں اور شرمسار ہیں جو حکم دیں اس کے لیے تیار ہیں۔

(پہلی آیت) یعنی وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ الخ میں پہلی قسم کی جماعت کا بیان ہے۔ ان لوگوں کا حال دیکھ کر آپؐ نے فرمایا۔ واللہ جب تک خدا مجھے ان کے کھولنے کا حکم نہیں دے گا میں ان کو نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ یہ آیتیں وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ۔تا۔فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ نازل ہوئیں۔

تب آپؐ نے ان لوگوں کو کھولا اور قبول توبہ کی بشارت دی کھلنے کے بعد یہ لوگ تعمیل توبہ کے طور پر کچھ مال لے کر حاضر خدمت ہوئے کہ اس مال کو خدا کی راہ میں تصدق کریں جو کسی درجہ میں جہاد سے پیچھے رہنے کا سبب بنا تو اللہ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے صدقہ قبول کرنے اور ان کے لیے دعائے خیر کرنے کا حکم ہوا یہ صدقہ واقع میں صدقہ تھا صدق دل سے لے کر آئے تھے قبول ہوا۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہ دس آدمی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ تھے اور بعض کہتے ہیں کہ پانچ تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تین تھے اور تمام روایتیں اس پر متفق ہیں کہ ابو لبابہ بن عبد المنذرؓ اسی گروہ میں تھے۔ (دیکھو روح المعانی صلا ج ۱۱)

(اور دوسری آیت) یعنی وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ۔ الخ میں قسم دوم کا بیان ہے یعنی ان کا معاملہ ابھی تک التوا میں ہے چند روز خدا کے حکم کا انتظار کرو جیسا چاہے ان کے حق میں حکم دے معاف کرے یا عذاب دے۔

پہلی قسم کے لوگوں نے بلا توقف توبہ کی ان کی توبہ بلا توقف قبول ہوئی۔ اور یہ دوسری قسم کے لوگ توقف کی حالت میں تھے اس لیے ان کے بارہ میں تاخیر ہوئی اور حکم الٰہی کے نزول کا انتظار کرنا پڑا ان کے حکم میں پچاس دن کی تاخیر ہوئی اور پچاس دن تک ان لوگوں سے سلام و کلام کی ممانعت ہو گئی۔

یہ تین شخص تھے جن کے بارہ میں یہ آیت یعنی وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ نازل ہوئی جن تین کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی وہ یہ تھے کعب بن مالکؓ اور ہلال بن امیہؓ اور مرارۃ بن ربیعؓ یہ لوگ توبہ کے بارہ میں حیران اور پریشان تھے کہ کیا عذر کریں کچھ ہو نہ کہیں۔ دم بخود تھے اور اپنی غفلت اور کاہلی پر پشیمان تھے اور اندر ہی اندر گھٹ رہے تھے۔ کہ ہم سے کیا ہو گیا اس لیے ان لوگوں نے اپنے آپ کو پہلے لوگوں کی طرح مسجد کے ستونوں سے نہیں باندھا اس لیے ان کی توبہ کے نازل ہونے میں پچاس دن کی تاخیر ہوئی اور ان تینوں کا فیصلہ کچھ مدت کے لیے تادیباً ملتوی رکھا گیا یہاں تک کہ اس مدت میں توبہ اور معذرت کی تکمیل میں جو منزلیں باقی تھیں وہ پوری ہو گئیں اور ابتداء میں جو توقف کی حالت تھی وہ ختم ہوئی اور ندامت و شرمساری اور گریہ وزاری حد کمال کو پہنچ گئی تب یہ آیت یعنی لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الخ نازل ہوئی۔ جس کا ذکر بعد میں آئے گا اور ان کی توبہ قبول ہوئی اور پستی سے نکل کر آسمان مرتبت پر پہنچ گئے ان تین آدمیوں کی قبول توبہ کا قصہ آئندہ آیت وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا میں آئیگا۔

ذکر قسم اول

قَالَ تَعَالٰى . وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ الآیۃ

ان آیات میں مومنین متخلفین کی قسم اول کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا یعنی جو منافق نہیں اور منافقوں کی طرح جھوٹے عذر پیش نہیں کیے بلکہ صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں نہ جا سکے ہم سے قصور ہوا انہوں نے ملا جلا کام کیا ایک نیک عمل اور دوسرا بُرا عمل بُرے عمل سے مراد ان کا غزوۂ تبوک سے باوجود نفیر عام کے پیچھے رہنا مراد ہے اور نیک عمل سے مراد ان کے دیگر اعمال صالحہ ہیں جیسے قیام بشرائع اسلام اور دیگر غزوات میں جو پہلے ہو چکے ہیں ان میں شرکت کرنا یہ ان کے نیک عمل تھے غرض یہ کہ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سستی اور کاہلی کی بناء پر جہاد سے تخلف کیا۔ ان کے پاس اعمال صالحہ بھی تھے جن کو ان لوگوں نے اعمال سیئہ کے ساتھ ملایا پر اپنے قصور کا اعتراف کیا امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالٰی ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ تعالٰی بخشنے والا مہربان ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا اور قبول توبہ کی بشارت ان کو سنائی جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ہماری توبہ قبول ہوئی تو یہ لوگ اپنا مال لے کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مالوں ہی نے ہم کو غزوہ میں جانے سے روکا تھا اب ہم اپنی توبہ کے قبول ہونے کے شکریہ میں۔ اپنا یہ مال راہ خدا میں بطور صدقہ پیش کرتے ہیں کہ آپؐ ان کو قبول فرمائیے اور

ہمارے لیے خدا سے مغفرت مانگیے اس پر یہ اگلی آیت نازل ہوئی۔ آپ ان کے مالوں میں سے جو صدقہ اور خیرات یہ لے کر آئے ہیں کچھ لے لیجئے تاکہ آپ اس صدقہ وخیرات کے سبب سے ان کو گناہ کی نجاست سے پاک وصاف کردیں یا مال کی محبت سے ان کے ظاہر و باطن کو پاک وصاف کر دیں۔ اور ان کو بابرکت بنادیں کہ مقصرین کی منزل سے نکل کر کاملین کے درجہ پر پہنچ جائیں اور آپ ان کے حق میں دعاء خیر بھی کیجئے تحقیق بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے آپ کی دعا کی برکت سے ان کو سکینت وطمانینت حاصل ہوگی اور ان کے دلوں کا اضطراب دور ہوگا اور اللہ سننے والا ہے تیری دعا کو اور ان کی توبہ اور ندامت کو جاننے والا ہے کہ وہ اس کے اہل اور مستحق ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے ان کا تہائی مال قبول فرمایا اور دو تہائی واپس فرما دیا کیونکہ خدا نے یہ فرمایا کہ ان کے مالوں میں سے کچھ لے لیجئے اور یہ نہیں فرمایا کہ صدقہ میں ان کا کل مال لے لیجئے کیا لوگوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جو ہے وہ توبہ قبول کرتا ہے اور جو لوگ صدق دل سے خدا کی راہ میں خیرات وصدقات لے کر آتے ہیں ان کو لے لیتا ہے یعنی ان کے صدقات کو قبول کرلیتا ہے لہذا اس قانون کو یاد رکھیں کہ اگر آئندہ کوئی خطا سرزد ہوجائے تو توبہ کریں اور حسب توفیق خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات کریں اور منافقین کو بھی چاہیے کہ ان مخلصین صادقین کی طرح صدق دل سے توبہ کریں اور راہ خدا میں صدقہ دیں اور کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ جو ہے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے توبہ قبول کرنے کے بعد مہربانی فرماتا ہے اور یہ ترغیب تھی اب آگے ترہیب ہے آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ جو چاہے عمل کرو اللہ اور اس کا رسول اور مؤمنین تمہارے عمل کو دیکھیں گے اور اس کے مطابق تم سے معاملہ کریں گے اور قیامت کے دن تم عالم الغیب والشہادۃ یعنی پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ پس خبر دے گا وہ تمہیں تمہارے اعمال کی اور ان کے مطابق تم کو جزا دے گا۔

ذکرِ قسم دوم

قال تعالیٰ۔ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ الآیہ

ان آیات میں مؤمنین متخلفین کی قسم دوم کا ذکر ہے یہ تین آدمی تھے کعب بن مالک رضؓ اور ہلال بن امیہؓ اور مرارۃ بن ربیع رضؓ ان تینوں آدمیوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے تو نہیں باندھا تھا مگر آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے گناہ کا اقرار کیا آپ نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان ان سے بات نہ کرے اور نہ ان کے پاس بیٹھے۔ ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کے حکم پر موقوف رکھا گیا ہے یعنی جن کا معاملہ اللہ کے حکم کے انتظار میں التواء میں رکھا گیا ہے یا تو

اللہ ان کو سزا دے یا ان پر مہربانی فرمائے کہ اُن کی خطا کو معاف کرے اور ان کی توبہ کو قبول کرے یعنی ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جاہے ان کو جہاد سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے سزا دے یا ان کو اپنی رحمت سے معاف کرے اللہ جاننے والا ہے نیتوں کو حکمت والا ہے ہر ایک کے ساتھ اس کی نیت کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا

اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر

وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا

اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور تھانگ (گھات کی جگہ)

لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ

اس شخص کی جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور رسول سے، آگے کا۔ اور اب قسمیں

اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

کھاویں گے کہ ہم نے بھلائی ہی چاہی تھی اور اللہ گواہ ہے کہ وہ

لَكٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ

جھوٹے ہیں۔ تو نہ کھڑا ہو اس میں کبھی جس مسجد کی بنیاد دھری

عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ

پرہیزگاری پر پہلے دن سے وہ لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اس میں

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

اس میں وہ مرد ہیں جن کو خوشی ہے پاک رہنے کی۔ اور اللہ چاہتا

الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى

ہے ستھرائی والوں کو۔ بھلا جس نے بنیاد دھری اپنی عمارت کی پرہیزگاری پر

مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

اللہ سے اور رضامندی پر وہ بہتر؟ یا جس نے نیو رکھی اپنی عمارت کی

عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ

کنارہ پر ایک کھائی کے جو ڈھیتا ہے، پھر اس کو لے کر ڈھے پڑا دوزخ کی

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ

آگ میں اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو ۔ ہمیشہ رہے گا

بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ

اس عمارت سے جو بنائی تھی شبہ ان کے دل میں مگر جب ٹکڑے ہو

قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

جاویں ان کے دل۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

ذِکرِ مسجدِ ضرار و مسجدِ تقویٰ

قال اللہ تعالیٰ۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا ... الیٰ ... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔

(ربط) اوپر سے مسلسل منافقین کا ذکر چلا آرہا ہے اب ان آیات میں منافقین کی ایک خاص خباثت کا ذکر ہے وہ یہ کہ انہوں نے مسجد قباء کے مقابلہ اور ضد میں ایک مسجد بنائی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسجد کے نام سے منافقین کا ایک دفتر اور ایک اڈہ قائم ہو جائے۔ جس میں جمع ہو کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشورے کیا کریں نام اس کا مسجد ہو اور حقیقت اس کی منافقین کی ایک انجمن ہو جس کا قصہ یہ ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تو اول مدینہ سے باہر قباء میں فروکش ہوئے چند روز وہاں قیام کر کے مدینہ میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی کی تعمیر کی۔ قباء والوں نے بھی ایک مسجد تیار کر لی جو مسجد قباء کے نام سے مشہور ہوئی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہفتہ کے روز وہاں جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے منافقین نے چاہا کہ ہم بھی اہل قباء کی ضد پر ایک مسجد بنائیں اور اس میں جمع ہو کر اسلام کی ضرر رسانی کے مشورے کیا کریں اور بعض سادہ دل مسلمان بھی

قریب ہونے کی وجہ سے اس مسجد میں نماز پڑھنے آجایا کریں گے اس طرح سے مسلمانوں کے کچھ آدمی ٹوٹ کر ادھر آجائیں گے۔

اس ناپاک تجویز کا اصل محرک حضرت حنظلہؓ صحابی کا باپ ابو عامر راہب خزرجی تھا۔ جو ہجرت سے پہلے نصرانی بن گیا تھا اور راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی مدینہ کے آس پاس کے لوگ اس کے زہد اور درویشی کے بڑے معتقد ہوگئے تھے اور اس کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور اس کو اپنا رئیس اور سردار کہنے لگے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آفتاب رسالت کے سامنے اس کی ریاست کا چراغ مردہ بالکل گل ہوگیا اس لیے اس کو اپنی ریاست کے زائل ہونے کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص عداوت اور حسد پیدا ہوگیا بہت ہاتھ پیر مارے مگر کچھ نہ ہوسکا جنگ بدر میں جب اسلام کو غلبہ نصیب ہوا تو یہی ابو عامر قریش کو اُکسا کر اُحد میں آپؐ کے مقابلہ میں لایا اور خود بھی ساتھ آیا اس کے بعد بھی برابر سازشیں کرتا رہا اور جو جماعت بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اٹھی ابو عامر نے اس کا ساتھ دیا اس نے یہ عہد کیا تھا کہ جو قوم بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ لڑے گی اس کے ساتھ ہوکر میں بھی لڑوں گا بالآخر جب جنگ حنین میں ہوازن کو شکست ہوئی تو وہ بھاگ کر شام چلا گیا اور وہاں سے مدینہ کے منافقوں کو یہ پیغام بھیجا کہ جہاں تک ہو سکے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ کے لیے قوت اور ہتھیار جمع کرو اور میرے لیے ایک مسجد بناؤ میں عنقریب قیصر روم کے پاس جاتا ہوں اور اس کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ کرتا ہوں اور وہاں سے ایک لشکر جرار اپنے ساتھ لاؤں گا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور ان کے اصحابؓ کو مدینہ سے نکال دوں گا اس کے اشارہ سے منافقوں نے مسجد قبا کے مقابلہ میں مسجد بنائی تاکہ مسجد قبا کے نمازی ٹوٹ کر اس میں آنے لگیں اور یہ لوگ اس میں جمع ہوکر اپنے کفر اور نفاق کے متعلق مشورے کیا کریں چنانچہ ان لوگوں نے یہ مسجد بنائی اور ابو عامر کے منتظر رہے کہ وہ آئے اور اس مسجد میں ٹھہرے۔

یہ مسجد اس وقت بنائی گئی جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک کے لیے روانہ ہونیکا عزم فرما رہے تھے منافقوں نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے لوگوں کے لیے بارش وغیرہ میں آرام کی غرض سے یہ مسجد بنائی ہے تاکہ نمازیوں کو اور خاص کر بیماروں اور ناتوانوں کو سہولت رہے اس لیے ہماری یہ درخواست ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ وہاں جاکر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لیے موجب برکت و سعادت ہوگا اور بالفاظ دیگر سادہ دل مسلمانوں کو جال میں پھنسانے کا موقعہ مل جائے گا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پابرکاب تھے آپؐ نے یہ فرمایا کہ اب تو میں جا رہا ہوں انشاء اللہ واپسی کے بعد ایسا ہو سکے گا۔ چنانچہ آپؐ تبوک سے واپس ہوکر مدینہ کے قریب پہنچے تو جبرئیل امینؑ یہ آیات لے کر نازل ہوئے جن میں آپؐ کو منافقین کے ناپاک اغراض پر مطلع کر دیا گیا اور آپؐ کو وہاں نماز پڑھنے بلکہ کھڑے ہونے کی بھی ممانعت کر دی گئی اور بتلا دیا

گیا کہ اس مسجد کی اصل غرض ضرار ہے یعنی مسلمانوں کو ضرر پہنچانا ہے اسی وجہ سے یہ "مسجد ضرار" کے نام سے مشہور ہوئی اور بتلا دیا کہ مسجد قباء وہی مسجد تقویٰ ہے جو اس لائق ہے کہ آپ اس میں جا کر کھڑے ہوں آپ نے اسی وقت مالک بن دخشم ؓ اور معن بن عدی ؓ کو حکم دیا کہ اس مکان کو جس کا نام مکر و فریب کی راہ سے مسجد رکھا گیا ہے جا کر جلا دیں اور خاک کر دیں اور پیوند زمین بنا دیں چنانچہ فوراً حکم نبوی کی تعمیل ہوئی اور اس عمارت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور انہی منافقین علہ میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ایک مسجد بنائی اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لیے اور کفر کرنے کے لیے کہ اس میں بیٹھ کر اسلام کے خلاف مشورے کیا کریں گے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے کیونکہ جب دوسری مسجد بنے گی لامحالہ نمازیوں کی جماعت منتشر اور متفرق ہو جائے گی اور اس شخص کے لیے کمین گاہ اور جائے پناہ بنانے کے لیے جو اس مسجد کے بنانے سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کر چکا ہے اس سے مراد ابو عامر راہب ہے جو جنگ اُحد اور جنگ حنین میں مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑ چکا ہے منافقین نے یہ مسجد دشمن اسلام ابو عامر راہب کو پناہ دینے کے لیے بنائی تھی کہ جب وہ آیا کرے تو یہاں قیام کیا کرے منافقوں نے یہ مسجد مسلمانوں کو ضرر پہنچانے اور مسجد قباء کے اجاڑنے کے لیے بنائی تھی اس لیے یہ مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہوئی اس وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جو مسجد مسلمانوں کی مسجد کے مقابلہ میں بنائی جائے جیسے قادیانیوں اور شیعوں کی مسجدیں تو ایسی مسجدیں مسجد ضرار کے حکم میں ہیں اور اے نبی! جب آپ ان منافقین سے پوچھیں گے کہ تم نے بلا ضرورت یہ مسجد کیوں بنائی تو وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے اس کے بنانے میں سوائے بھلائی اور نیکی کے کوئی ارادہ نہیں کہ ضعیفوں اور عاجزوں کو دور جانے کی تکلیف اٹھانی نہ پڑے محض آسائش اور گنجائش کے لیے یہ مسجد بنائی ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ اپنی قسم میں جھوٹے ہیں آپ اس مسجد میں کبھی جا کر کھڑے بھی نہ ہوں چہ جائیکہ اس میں نماز پڑھیں۔ البتہ وہ مسجد کہ جس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر رکھی گئی بہت لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اور اس میں نماز پڑھیں اس سے مراد مسجد قباء ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر شنبہ کے روز سوار یا پیادہ مسجد قباء تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس مسجد میں ایسے مرد ہیں کہ وہ خوب پاک صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں اس مسجد کے نمازی طہارت کا بہت اہتمام رکھتے ہیں۔ ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں اور برابر طہارت ہی پر رہتے ہیں اور کبھی ناپاک نہیں سوتے اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک صاف رہنے والوں کو جو اپنے ظاہر و باطن کی طہارت اور پاکی میں لگے رہتے ہیں۔ پس جب دونوں مسجدوں کا حال

علہ اشارہ اس طرف ہے کہ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا کا عطف ماقبل پر ہے اور یہ مبتدا ہے جس کی خبر منہم محذوف ہے۔ (روح المعانی ص۱۶ ج ۱۱)

معلوم ہو گیا تو کیا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسی کھائی کے کنارہ پر رکھی ہو جو گرنے والی ہو پھر وہ اس کو لے کر آتش دوزخ کے گڑھے میں جا گرے مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں عمارتیں برابر نہیں مسجد قبار کی بنیاد تقوی اور اخلاص پر ہے اور مسجد ضرار کی بنیاد نفاق اور مکر پر ہے اور ایسی عمارت ناپائیداری اور انہدام بد کے لحاظ سے ایسی ہے جیسے کوئی عمارت پانی کی کمزور کھائی کے کنارہ پر بنائی جائے کہ جب پانی کے ذرا تھپیڑ لگے تو ساری عمارت ایکدم سے گر پڑے اور اس کے رہنے والے سب کے سب تباہ اور برباد ہوں اسی طرح مسجد ضرار کی بنیاد جہنم کے کنارہ پر ہے وہ ان کو اپنے ساتھ لے کر جہنم میں گر پڑے گی اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں بتاتا کہ جس سے وہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں یا کم از کم گرنے سے تو محفوظ ہو جائیں ہمیشہ رہے گی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں حسرت یا غیظ قلب یا قلق اور اضطراب کا سبب کیونکہ جس غرض سے وہ مسجد بنائی تھی وہ پوری نہ ہوئی اور قلعی کھل گئی اور آپ نے اس کے گرانے کا حکم دیا جو ان کو غایت درجہ ناگوار گذرا اور ان کی حسرت اور پشیمانی کا سبب بنا اور ان کے غیظ قلب اور قلق اور اضطراب میں مزید اضافہ ہوا جب تک زندہ رہیں گے یہ حسرت اور قلق اور اضطراب ان کے دلوں میں رہے گا مگر یہ کہ ان کے دل پارہ پارہ ہو جائیں یعنی مر جائیں یا قتل ہو جائیں اس وقت یہ ارمان ختم ہو جائیں گے مطلب یہ ہے کہ مرتے دم تک یہ حسرت اور یہ قلق ان کے دلوں میں قائم رہے گا جب ان کی جان نکلے گی تب یہ حسرت بھی ختم ہو گی اور اللہ جاننے والا ہے کہ انہوں نے کس نیت سے عمارت بنائی تھی۔ حکمت والا ہے مسجد ضرار کے انہدام کا جو حکم دیا وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہے اس سے منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہوا۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ

اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان

وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ

اور مال اس قیمت پر کہ ان کو بہشت ہے لڑتے ہیں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ

اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ

وعدہ ہو چکا اُس کے ذمہ پر سچا توریت اور انجیل اور قرآن

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ

میں اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ سو خوشیاں کرو اس معاملت

الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾

پر جو تم نے کی ہے اس سے اور یہی ہے بڑی مراد ملنی۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ

توبہ کرنے والے، بندگی کرنے والے شکر کرنے والے بے تعلق رہنے والے رکوع کرنیوالے

السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

سجدہ کرنے والے حکم کرنے والے نیک بات کا اور منع کرنے والے بُری بات

وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

سے اور تھامنے والے حدیں باندھی اللہ کی۔ اور خوشخبری سُنا ایمان والوں کو۔

فضائل مجاہدین و بشارت مؤمنین کاملین و ترغیب بر تجارت آخرت

قال اللہ تعالیٰ۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ... الیٰ... وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(ربط) اوپر کی آیتوں میں ان منافقین کے فضائح اور قبائح کا بیان تھا۔ جنہوں نے جہاد سے کنارہ کشی کی تھی۔ اب ان آیات میں مجاہدین کے فضائل اور ان کی صفات فاضلہ کو بیان کرتے ہیں۔ جنہوں نے راہ خداوندی میں اپنی جانبازی اور سرفروشی کے جوہر دکھائے جس سے مقصود جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ تم نے منافقین کا حال سن لیا۔ اور اس کے بعد مؤمنین مقصرین کا بھی حال معلوم کر لیا جن کی توبہ قبول ہوئی اب سنو کہ مؤمنین صادقین اور مجین مخلصین کیسے ہوتے ہیں انکی صفات یہ ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ایسے مؤمنین کو بشارت سنا دیں اور مبارک باد دے دیں اور بتلا دیں کہ جہاد فی سبیل اللہ

سے بڑھ کر کوئی سودمند تجارت نہیں کما قال تعالیٰ یَآیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ تُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ۔

تحقیق خرید لیا ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو کہ جان سے جہاد کریں اور مال کو راہ خدا میں خرچ کریں اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے اور چونکہ اہل ایمان اپنی جانیں اور اپنے مال بمعاوضہ جنت خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں اس لیے وہ خدا کی راہ میں قتال کرتے ہیں پھر کبھی تو دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور کبھی ان کے ہاتھوں سے قتل کیے جاتے ہیں تاکہ اپنی جانیں خدا کے سپرد کر کے ان کی قیمت یعنی جنت حاصل کر سکیں۔ اللہ نے اس خرید و فروخت پر جو جنت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اللہ پر لازم ہے اور پکا اور سچا وعدہ ہے۔ جس میں زرثمن کے مارے جانے کا کوئی خطرہ نہیں خدا تعالیٰ نے پختہ دستاویز لکھ دی ہے۔ توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں جنت کا یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی کتابوں میں لکھ دیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مجاہدین کے لیے جنت کا قبالہ رجسٹری شدہ ہے اور خدا تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے پس اے اہل ایمان تم خوش رہو اپنی اس خرید و فروخت پر جو تم نے خدا تعالیٰ سے کی ہے اور یقین رکھو کہ اگر تم نے اپنی جان و مال خدا کے سپرد کر دی تو تم کو اس کی قیمت جنت ضرور ملے گی مطلب یہ ہے کہ تم کو اس خرید و فروخت پر خوشی منانی چاہیئے کہ ایک عیب دار اور فانی چیز دے کر ایک بے عیب اور باقی رہنے والی چیز تم نے حاصل کر لی اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے تاجران آخرت کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ سے ضرور یہ معاملہ کر لیں۔ مبادا وقت نہ نکل جائے سب کو معلوم ہے کہ جان و مال سرمایۂ طغیان وغرور ہے ان دو ناقص اور معیوب چیزوں کے بدلہ میں جنت کا سودا کر لینا جو سراسر خیر اور بے عیب ہے انتہائی کامیابی ہے ؎

امید کہ از فضلت مردود نگہ دم من چون شد بہمہ عیبی لطف تو خریدارم

چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے مسجد میں لوگوں کو سنائی تو ایک مرد انصاریؓ چادر کھینچتا ہوا کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ بے شک یہ بڑے نفع کا سودا ہے ہم اس بیع کا اقالہ نہ کریں گے۔ یعنی اس بیع کو کبھی فسخ نہ کریں گے یعنی اس سے بہتر کون سا موقعہ ہوگا کہ رب العزت ہم سے ایک ناقص اور معیوب چیز لے کر ہم کو اپنے فضل سے ایسی چیز دے دے جو ہمارے وہم و گمان سے بھی بڑھ کر ہو ؎

آں بیع راکہ روز اوّل باتو کردیم اصلاً دریں حدیث اقالت نمی رود

اس شعر میں عہد الست کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی درپردہ اسی قسم کی ایک بیع تھی۔

یہاں تک تو ان مومنین کی صفت جہاد و قتال کا ذکر تھا جنہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کیا اب ان کی دیگر صفات فاضلہ کو بیان کرتے ہیں کہ ان مومنین میں خدا کی راہ میں جانبازی اور سر فروشی کی صفت کے علاوہ یہ صفات جمیلہ بھی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ مسلمان جن سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے ہیں اور روزہ رکھنے والے ہیں۔ یا یہ معنی ہیں کہ اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے ہیں جس میں علم دین کے لیے سفر کرنا بھی شامل ہے اور رکوع اور سجدہ کرنے والے ہیں اور لوگوں کو اچھی بات کی ہدایت کرنے والے اور بری بات سے روکنے والے ہیں اچھی بات وہ ہے جس کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے اور بری بات وہ ہے جس کے کرنے کی شریعت نے ممانعت کی ہے اور احکام الٰہی اور حدود شریعت کی حفاظت کرنے والے ہیں کہ شریعت کی حدود سے باہر نہیں جاتے اور اے نبیؐ! ان مومنوں کو جو ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہوں جنت کی خوشخبری سنا دیجئے تاکہ بشارت سنکر خوش ہوں اور شاداں و فرحاں جنت کی طرف اور دوڑیں۔ اور یہ کوشش کریں کہ اُڑ کر جنت میں پہنچ جائیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا

نہیں پہنچتا نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش مانگیں

لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا

مشرکوں کی اور اگرچہ وہ ہوں ناتے والے جب

تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ

کھل چکا اُن پر کہ وہ ہیں دوزخ والے۔ اور بخشش

اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا

مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے سو نہ تھا مگر وعدہ کے سبب کہ

إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ

وعدہ کرچکا تھا اس سے پھر جب اس پر کھلا کہ وہ دشمن ہے اللہ کا اس سے بیزار ہوا۔

اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ

ابراہیم بڑا نرم دل تھا تحمل والا۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ گمراہ کرے

قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ

کسی قوم کو جب ان کو راہ پر لا چکا، جب تک کھول نہ دے ان پر۔ جس سے

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ

ان کو بچنا۔ اللہ سب چیز سے واقف ہے۔ اللہ جو ہے اس کی سلطنت ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

آسمان و زمین میں۔ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اور تم کو کوئی نہیں

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اللہ کے سوا حمایتی نہ مددگار۔

مشرکین اور کفار کیلئے دعاء مغفرت کی ممانعت

قال اللہ تعالیٰ۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ...الیٰ...مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۔

(ربط) شروع سورت میں کفار اور مشرکین سے براءت اور بیزاری کا ذکر تھا۔ بعد ازاں منافقین کے ذمائم اور مجاہدین کے فضائل بیان کیے اب اسی تبری اور بیزاری کی تاکید کے لیے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جس طرح زندگی میں کفار اور مشرکین سے براءت اور بیزاری ایمان کے لوازم میں سے ہے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد بھی ان سے تبری اور بیزاری ایمان کے لوازم میں سے ہے کہ مرنے کے بعد نہ کافر کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور نہ اسکی قبر پر کھڑا ہونا جائز ہے اور نہ اس کے لیے دعاء مغفرت جائز ہے اگرچہ وہ مسلمانوں کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں زندہ کافروں سے براءت اور بیزاری کا حکم تھا اب ان آیات میں مُردہ کافروں سے براءت اور بیزاری کا حکم ہے اہل ایمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں اور کافروں کے لیے ان کے مرنے کے بعد دعاء مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار

ہی کیوں نہ ہوں۔

ربط دیگر گزشتہ آیت میں مومنین کو بشارت دینے کا حکم تھا اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین بشارت کے تو کیا مستحق ہوتے ان کے لیے تو مرنے کے بعد دعاء مغفرت بھی جائز نہیں مسلمان اگرچہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو مرنے کے بعد اس کے لیے استغفار جائز ہے مگر کافر اور مشرک کے لیے مرنے کے بعد استغفار جائز نہیں کفر اور شرک کسی حال میں قابل مغفرت نہیں کافر اور مشرک کے لیے استغفار جائز ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کفر اور شرک کی مغفرت کردی جائے اور یہ ناممکن اور محال ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ چنانچہ فرماتے ہیں نبی کے لیے اور اہل ایمان کے لیے یہ لائق نہیں کہ مشرکوں کے لیے مغفرت طلب کریں۔ اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر یہ ظاہر ہوگیا کہ یہ مشرک دوزخ والے ہیں کفر کا ٹھکانہ ہی دوزخ ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ یہ آیت آپ کے چچا ابو طالب کے بارہ میں نازل ہوئی جب وہ کفر اور شرک پر مرگئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعا مانگی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے ایک ضعیف حدیث نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین زندہ کیے گئے اور وہ آپ پر ایمان لائے اور پھر انتقال کر گئے اور علماء کی ایک جماعت نے اس بارہ میں سکوت کیا ہے اور سکوت ہی اولیٰ اور اسلم معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال وعلمہ اتم واحکم۔

اور اگر کسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے شبہ ہو کہ انہوں نے اپنے مشرک باپ کے لیے دعاء مغفرت کی تھی سو اس کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مشرک باپ کے لیے دعاء مغفرت کرنا محض ایک وعدہ کی بناء پر تھا جو انہوں نے اپنے باپ سے کر لیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے حال میں بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا سَلٰمٌ عَلَیْکَ سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ (اے باپ تم پر سلام ہو میں تمہارے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگوں گا) سو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ دعا مانگنا باپ کی زندگی میں تھا اور ایک وعدہ کی بناء پر تھا۔ کیونکہ ان کو یہ طمع تھی کہ شاید میرا باپ اسلام لے آئے زندہ مشرک کے لیے دعاء مغفرت کے معنی دعاء ہدایت کے ہیں کہ اللہ اس کو ہدایت دے اس امید اور طمع پر باپ سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا پھر جب ابراہیمؑ کو ظاہر ہوگیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے یعنی کفر پر مرا اور ایمان کی توفیق نہ پائی یا بذریعہ وحی کے معلوم ہوگیا کہ آزر ایمان نہ لائے گا تو ابراہیمؑ اس سے بیزار ہوگئے اور دعائے مغفرت موقوف کردی۔ کیونکہ مرنے سے ایمان اور ہدایت کا وقت ختم ہوا مطلب یہ ہے کہ ابراہیمؑ کا اپنے مشرک باپ کے لیے دعاء مغفرت کرنا اس وعدہ کے پورا کرنے کے لیے تھا جو وہ کر چکے تھے پھر

جب ان کو بذریعہ وحی کے یا ان کے کفر کے حالات پر مرنے سے ان کا ناری ہونا معلوم ہو گیا تو انہوں نے اس کے لیے دعا کرنی چھوڑ دی اور فوراً ان سے بیزار ہو گئے۔ تحقیق ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور بردبار تھے باپ نے تو ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی دی لَاَرْجُمَنَّکَ میں ضرور سنگسار کروں گا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ میں تیرے واسطے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا۔ غرض یہ کہ بعض مسلمانوں نے جب اپنے مشرک اموات کے لیے استغفار شروع کی تو اسکی ممانعت کیلیے یہ آیت یعنی مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل ہوئی تو ان مسلمانوں کو ڈر ہوا کہ کہیں ہم پر مؤاخذہ نہ ہو تو اس پر تسلی کیلیے اگلی آیت نازل ہوئی جس میں یہ بتلا دیا گیا کہ جو لوگ ممانعت سے پہلے مشرکین کیلیے استغفار کر چکے ہیں ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں لیکن اب نزول حکم کے بعد ایسا کرنا گمراہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر ہدایت دینے پیچھے گمراہی کا حکم لگائے تاوقتیکہ وہ ان پر اس چیز کو واضح نہ کر دے جس سے وہ بچیں۔ جن مسلمانوں نے اپنے مشرک رشتہ داروں کے لیے استغفار کی تھی ان کو یہ خیال ہوا کہ ہم گمراہ ہو گئے خدا تعالٰے نے یہ آیت نازل فرما کر ان کے وہم کو دور کر دیا اور بتلا دیا کہ تم گمراہ نہیں اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد بغیر اس کے کہ ان پر وہ چیز ظاہر کرے جس سے وہ بچیں ان پر گمراہی کا حکم نہیں لگاتا۔ اللہ تعالٰے نے تم کو ایمان دیا اور ہدایت دی اور ابھی تک یہ حکم نہیں دیا تھا کہ مشرکوں کے لیے استغفار نہ کرو تو ہم تم کو اس فعل پر کیسے گمراہ قرار دے سکتے ہیں جو تم نہی سے پہلے کر چکے ہو۔ بے شک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یعنی تمہارے دلوں میں جو خطرہ گذرا ہے وہ اسے معلوم ہے۔ تحقیق اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمینوں کی وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اس مالک الملکوت کے احکام پر چلو جس کی سلطنت تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اور اس کے دشمنوں سے بری اور بیزار رہو ان کی زندگی میں بھی اور ان کے مرنے کے بعد بھی اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی یار و مددگار ہے جو تم کو اس کے قہر سے بچا سکے ممانعت سے پہلے جو کر چکے وہ معاف ہے البتہ نہی اور ممانعت کے بعد اگر تم نے حکم کی خلاف ورزی کی تو کوئی بچانے والا نہیں اگر خدا تعالٰے سے تعلق رکھنا چاہتے ہو تو اس کے دشمنوں سے تعلق نہ رکھو۔

ﷺ ﷺ ﷺ

لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ

اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر

الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

جو ساتھ رہے، نبی کے مشکل کی گھڑی میں، بعد اس کے کہ

كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ

قریب ہوئے کہ دل پھر جاویں بعضوں کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر

إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ

وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنیوالا - اور ان تین شخص پر

خُلِّفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

جن کو پیچھے رکھا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہوئی ان پر زمین ساتھ اس کے کہ

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ

کشادہ ہے اور تنگ ہوئی اُن پر اپنی جان اور اٹکلے (گمان کرنے لگے) کہ کوئی پناہ

اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ

نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف - پھر مہربان ہوا ان پر کہ وہ پھر آویں - اللہ ہی ہے

التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۱۸﴾

مہربان رحم والا -

ذکرِ توجہات وعنایات خداوندی بر مجاہدین غزوۂ تبوک و

ذکرِ قبولیت توبہ آں سہ کس کہ فیصلہ اوشاں ملتوی داشتہ بود

قال اللہ تعالیٰ۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥

(ربط، چونکہ مسلمانوں کو غزوۂ تبوک میں بڑی محنت اور مشقت اٹھانی پڑی کیونکہ گرمی کی شدت تھی اور سفر بہت دراز تھا اور ساز وسامان بھی نہ تھا اور اگر کچھ تھا بھی تو وہ برائے نام تھا اس لیے ایسی حالت میں اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت و بنا بر ضعف طبیعت کچھ خیالات اور وسوسے آئیں تو وہ اگرچہ گناہ اور قابل مؤاخذہ نہیں مگر مقربین اور محبین مخلصین کے شایانِ شان نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے محبین مخلصین کو اس قسم کے خطرات کی معافی کا تمغہ عطا فرمایا اور بتلا دیا کہ جن مخلصین نے ایسے مشکل وقت میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور از اول

تا آخر آپؐ کے ہمرکاب رہے ان پر ہماری خاص الخاص توجہات اور عنایات نازل ہوئیں اور ان کی سابق لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کیا۔

اور چونکہ ان توجہات وعنایات کا نزول سب آپؐ ہی کی اتباع اور پیروی اور معیت اور ہمرکابی کے سبب تھا اس لیے سب سے پہلے بطور تمہید کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا اور بعد میں مہاجرین وانصار کا ذکر فرمایا جو سید الابرارؐ کے جاں نثار تھے اور عجب نہیں کہ اس مقام پر لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ میں عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ کی طرف اشارہ ہو کر آپؐ نے جو ان منافقوں کو پیچھے رہنے کی اجازت دی وہ مناسب نہ تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اس کو معاف کیا۔ اور پھر بالاجمال بعض مہاجرین وانصار کے خطرات قلبیہ کی معافی کا ذکر فرمایا۔ اور بعد ازاں خاص طور پر ان تین اشخاص کی توبہ کی قبولیت کا ذکر فرمایا جن کا معاملہ کچھ مدت کے لیے تادیباً ملتوی رکھا گیا تھا اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان کی ساتھ سلام وکلام کرنے کی ممانعت کردی تھی اسی حالت میں ان پر پچاس دن گذر گئے یہاں تک کہ غایت پریشانی میں زمین ان پر تاریک ہوگئی اور زندگی تلخ ہوگئی تب یہ آیت یعنی وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا نازل ہوئی جس میں ان تین شخصوں کو قبول توبہ کی بشارت دی گئی۔ اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین ام سلمہؓ کے پاس تھے اور آخیر شب تھی آپؐ نے ان سے ذکر کیا کہ کعبؓ وغیرہ کی خطا معاف ہوئی کعبؓ کہتے ہیں کہ اس روز میری خوشی کا حال بیان میں نہیں آسکتا۔ جس شخص نے آکر مجھے یہ بشارت سنائی، میں نے اپنے کپڑے اتار کر اس کو دے دیئے پھر میں مسجد فجر کی نماز کے لیے حاضر ہوا تو صحابہؓ مجھے مبارکباد دینے لگے اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو آپؐ نے لطف اور مہربانی سے کلام فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت اور عنایات کے ساتھ متوجہ ہوا پیغمبرؐ پر اللہ تعالیٰ کی توجہات اور عنایات نبی کریمؐ پر بے شمار ہیں اس نے اپنی رحمت سے آپؐ کے ماتقدم وما تاخر کو معاف کیا اور اس غزوہ میں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو تخلف یعنی پیچھے رہنے کی اجازت دے دی تھی اس کو بھی معاف فرما دیا جیسا کہ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ کی تفسیر میں گذرا۔ اور مہاجرین اور انصار پر بھی خاص توجہ اور مہربانی فرمائی جنہوں نے سختی کی گھڑی میں یعنی مشکل وقت میں آپؐ کا ساتھ دیا یعنی خدا تعالیٰ نے ان مہاجرین و انصار کو ایسے مشکل وقت میں سفر جہاد میں آپؐ کی معیت ورفاقت پر ثابت قدم رکھا اور تزلزل سے ان کو محفوظ رکھا بعد اس کے کہ قریب تھا کہ مسلمانوں کے ایک فریق کے دل سفر کی سختی اور مشقت کی وجہ سے ڈگمگا جائیں اور اپنی جگہ سے ہل جائیں یعنی جادۂ استقامت سے کچھ ہٹ جائیں۔ اس وقت ان کے دل میں یہ خطرے گذر رہے تھے کہ ایسی سختی کے وقت میں جہاد میں نہ نکلو اور اپنے گھر بیٹھے رہو اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کی دستگیری کی کہ ان کو ایسے خطرات

پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور ہمت ہارنے سے ان کو بچا لیا بلکہ ایسی توفیق بخشی کہ ہمتیں اور ارادے اور بلند ہو گئے اور مقتضائے بشریت جو پیچھے رہ جانے کے خیالات دل میں آئے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معاف کر دیئے۔ تنگی اور پریشانی کے حالات میں ساتھ دینا کمالِ اخلاص اور غایت محبت کی دلیل ہے۔

بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ می گردد صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردد

ایسے مشکل وقت میں جہاں ہر طرف سے مشقتوں اور صعوبتوں کا ہجوم ہو ضعف بشری کی بناء پر دل میں وساوس کا آجانا اگرچہ گناہ نہیں مگر محبین صادقین کے شایانِ شان نہیں قانون محبت کے لحاظ سے ان پر گرفت ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے خیالات اور خطرات سے درگزر فرمایا بلکہ اس تنگدستی اور سختی کے وقت میں ساتھ دینے کی وجہ سے ان کی تمام لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دیا جیسا کہ اہلِ بدر کے بارہ میں فرمایا تھا۔ اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ بدر پہلا غزوہ تھا اور تبوک آخری غزوہ تھا جو عسرت اور شدت میں غزوۂ بدر سے کہیں زیادہ تھا اس لیے اس آخری غزوہ میں شریک ہونے والے حق تعالیٰ کی خاص الخاص عنایات اور توجہات کے مورد بنے چنانچہ فرماتے ہیں پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ ان مہاجرین وانصار پر اپنی رحمت اور عنایت سے متوجہ ہوا۔ یعنی رحمت پر رحمت اور مہربانی پر مہربانی فرمائی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوا اور پھر مہربان ہوا مہربانی پر مہربانی کی کہ آئندہ کے لیے دلوں کو اس قسم کے خطرات سے محفوظ کر دیا اور ممکن ہے کہ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ کی ضمیر۔ عام مہاجرین اور انصار کی طرف راجع نہ ہو بلکہ صرف فَرِيقٍ مِّنْهُمْ کی طرف راجع ہو۔ جو قریب میں واقع ہے اور مطلب یہ ہو کہ جس گروہ کے دل میں کچھ تزلزل آچلا تھا اور وہ جہاد میں ہمت ہارنے کو تھے ان پر اللہ نے توجہ فرمائی یعنی ان کو سنبھال لیا۔ اور اپنی توفیق سے ان کی دستگیری کی کہ جب ان کے دل میں اس قسم کے خطرات آئے تو فوراً نادم ہوئے اور بالآخر تائب ہو کر آپ کے ساتھ ہوئے۔ بیشک وہ ان پر نہایت شفیق اور مہربان ہے کہ گرتے ہوؤں کو سنبھال لیا اور نیز اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی کہ موقوف اور ملتوی رکھے گئے تھے۔ یعنی جن کا معاملہ نزولِ وحی کے انتظار میں موقوف اور ملتوی رکھا گیا تھا ان کی بھی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی یہاں تک کہ اس التواء کی وجہ سے ان کی بے چینی اور اضطراب کی یہ حالت ہوئی کہ ان تین شخصوں پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہو گئیں۔ یعنی انتظار کی شدت اور غم کی وحشت سے ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کے غصے سے کہیں پناہ نہیں مگر اسی کی رحمت اور مغفرت کی طرف جب وہ پریشانی اور پشیمانی کی اس منزل پر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کی توبہ قبول کی۔ بعد ازاں دوبارہ ان پر اپنی مہربانی کی اور اپنی رحمت سے ان پر متوجہ ہوا تاکہ آئندہ

بھی اسی طرح اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرتے رہا کریں۔ اور سمجھ لیں کہ فقط یہی توبہ قبول نہیں ہوئی بلکہ جب کبھی بھی خدائے تعالیٰ کی طرف اس طرح رجوع کریں گے تو خدا تعالےٰ بھی اپنی خاص رحمت سے ہماری طرف متوجہ ہوں گے مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں آئندہ بھی ایسا ہی معاملہ ہوگا بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ جو شخص ان تائبین کے طریقہ پر چلے گا اللہ اس کی توبہ بھی قبول فرمائیں گے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے، اور رہو

مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۹﴾

ساتھ سچوں کے۔

صادقین کی معیت اور صحبت کا حکم

قال اللہ تعالےٰ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۰

(ربط) چونکہ کعب بن مالکؓ وغیرہ کی معافی محض پرہیزگاری اور سچ بولنے کی وجہ سے ہوئی اس لیے عام مسلمانوں کو تقوےٰ اور پرہیزگاری اور صادقین کی معیت اور صحبت کا حکم دیا جاتا ہے کہ صادقین کی معیت اور صحبت اختیار کرو اور منافقین کی صحبت سے پرہیز کرو اس لیے کہ نبوت کے بعد درجہ صدق کا ہے۔ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ اِلٰی آخرہٖ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اللہ کے غصہ سے ڈرو اور اس کی معصیت اور نافرمانی سے بچو اور تقویٰ کی حفاظت کے لیے سچوں کے ساتھ رہو راستبازوں کی معیت اور صحبت تقویٰ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔

فائدہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد تقویٰ ضروری ہے اور پھر صادقین اور صالحین کی معیت یعنی صحبت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اِتَّقُوا اللّٰهَ کے بعد وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا حکم دیا جو وجوب اور لزوم کے لیے ہے کوئی کمال بدون کامل کی صحبت کے حاصل نہیں ہوسکتا محض مطالعہ کتب کافی نہیں جب تک کسی عالم کی صحبت اور خدمت میں رہ کر علم حاصل نہ کیا جائے صحابیت کی حقیقت ہی شرف صحبت ہے روافض اس کے منکر

ہوئے خوانفس ہوگئے۔

صحبت اور مرافقت کا اثر تمام عقلاء کے نزدیک مسلم ہے طبیعت میں سرقہ (چوری) کا مادہ موجود ہے ایک ساتھی کی طبیعت دوسرے ساتھی کے اخلاق اور عادات کو چراتی ہے اسی وجہ سے اللہ تعالٰی نے ظالموں اور فاسقوں سے دوستی اور ان کے پاس بیٹھنے سے منع کیا ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ تاکہ ہمنشین کے ظلم اور فسق کے جراثیم اس تک متعدی نہ ہوں۔ مجذوم خواہ جسمانی ہو یا روحانی شرعاً وطبعاً اس سے اجتناب ضروری ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں۔

گلِ خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویزے تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ

نہ چاہیے مدینے والوں کو اور جو ان کے گرد گنوار

الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا

ہیں کہ رہ جاویں رسول اللہ کے ساتھ سے، اور نہ یہ کہ

بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ

اپنی جان کو چاہیں زیادہ اس کی جان سے۔ یہ اس واسطے کہ نہیں پہنچتی ان کو پیاس

وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا

اور نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہ

يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ

پاؤں پھیرتے ہیں کہیں جس سے خفا ہوں کافر، اور نہ چھینتے ہیں دشمن

عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

سے کچھ چیز مگر لکھا جاتا ہے ان پر اس سے نیک عمل تحقیق اللہ

لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً
نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا ۔ اور نہ خرچ کرتے ہیں کچھ خرچ

صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ
چھوٹا یا بڑا ، اور نہ کاٹتے ہیں کوئی میدان مگر لکھتے

لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾
ہیں ان کے واسطے کہ بدلہ دے ان کو اللہ بہتر کام کا جو کرتے تھے ۔

ملامت متخلفین بضمن فضیلت مجاہدین

قال تعالیٰ ۔ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا ... الیٰ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

(ربط) ان آیات میں متخلفین پر عتاب عام فرمایا ہے کہ جن اہل مدینہ اور اعراب نے اس غزوہ میں آرام طلبی کی بناء پر رسول ؐ کا ساتھ نہیں دیا اور اُن خیرات و برکات سے محروم رہے کہ جو آپ ؐ کے رفقاء سفر کو نصیب ہوئیں اور آئندہ کے لیے نصیحت کی کہ مسلمانوں کو یہ سزا وار نہیں کہ جب کوئی موقعہ جاں نثاری کا آئے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی راحت اور حفاظت کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مقدم سمجھیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں رہنے والوں کے لیے اور دیہاتیوں کے لیے جو اُن کے ارد گرد رہتے ہیں یہ روا نہ تھا کہ وہ رسول ؐ کے ہمراہ جہاد میں جانے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ روا تھا کہ اپنی جانوں کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں کہ اپنی جان کی تو فکر کریں اور رسولِ خدا تکلیفیں اٹھائیں اور ان کو آپ ؐ کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ آئے اپنے لیے تو عیش و آرام پسند کریں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کی شدت اور مشقت میں چھوڑ دیں ۔ اور یہ یعنی جہاد میں آپ ؐ کے ساتھ جانا اس لیے بھی ضروری تھا کہ علاوہ ادائے حق محبت کے اگر یہ لوگ جہاد میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تو ان کو اجر عظیم ملتا ۔ کیونکہ جو لوگ سفر جہاد میں آپ ؐ کے ساتھ رہتے ہیں ان کو راہ خدا میں یعنی جہاد میں جو پیاس اور رنج و محنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے اور جو قدم وہ دشمن کی زمین پر رکھتے ہیں ۔ جس سے کافر غیظ اور طیش میں آتے ہیں اور جو چیز وہ دشمن سے چھینتے ہیں اور اس کو تکلیف پہنچاتے ہیں یعنی ان کو گرفتار کرتے ہیں یا قتل کرتے ہیں یا شکست دیتے ہیں یا ان سے مال

غنیمت حاصل کرتے ہیں۔ ان سب پر ان کے لیے نیک عمل کا ثواب لکھا جاتا ہے باوجودیکہ ان میں بعض افعال غیر اختیاری ہیں۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ اس درجہ عظیم ہے کہ اس کے ضمن میں افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ سب ہی پر ثواب لکھا جاتا ہے حتیٰ کہ جہاد کے گھوڑے کے کودنے اور ہنہنانے اور لید کرنے پر بھی اجر ملتا ہے اور اس وعدے میں تخلف کا احتمال نہیں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔

مطلب یہ ہے کہ مجاہدین کو ان کے ہر عمل پر اجر ملتا ہے کسی حالت میں ان کا ثواب ضائع نہیں جاتا۔ پس ایسی حالت میں جہاد سے جان چرانا اور رسولؐ کا ساتھ چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ تھا اور جو خرچ وہ راہ خدا یعنی جہاد میں کرتے ہیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت اور جو میدان وہ سفر جہاد میں جاتے اور لوٹتے وقت قطع کرتے ہیں وہ سب اُن کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ دے۔ یعنی ان کے نفقات اور آثارِ قدم اس لیے لکھے جاتے ہیں کہ اللہ ان کو ان کے تمام اعمال کا بہترین بدلہ دے گا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ

اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ سارے کوچ میں نکلیں۔ سو کیوں نہ نکلے

مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا

ہر فرقہ میں سے ان کے ایک حصہ تا سمجھ پیدا کریں

فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ

دین میں اور تا خبر پہنچا دیں اپنی قوم کو جب پھر آ دیں ان کی طرف،

لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾

شاید وہ بچتے رہیں۔

فرض کفایہ بودن جہاد و فرض کفایہ بودن تحصیل علم دین

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۔۔۔الی۔۔۔۔ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝

(ربط) گزشتہ رکوعات میں جہاد سے تخلف پر جو ملامت کی گئی اس سے بعض مسلمانوں کو

یہ شبہ ہوا کہ ہر جہاد میں مسلمانوں پر نفیر یعنی خروج فرض عین ہے اس لیے اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ ہر جہاد میں جانا فرض عین نہیں بلکہ فرض علی الکفایہ ہے اور یہ بتلاتے ہیں کہ جس طرح جہاد فرض علی الکفایہ ہے اسی طرح تَفَقُّہ فی الدین یعنی تحصیل علم دین بھی فرض کفایہ ہے جب کوئی لشکر جہاد کے لیے روانہ ہو اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر میں مقیم ہوں تو ایک جماعت کا آنحضرتؐ کے پاس موجود رہنا ضروری ہے تاکہ وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں رہ کر تَفَقُّہ فی الدین حاصل کریں یعنی دین سیکھیں تاکہ مجاہدین کا لشکر جب جہاد سے واپس آئے تو اس عرصہ میں جو دین سیکھا ہے اس سے ان کو آگاہ کریں. چنانچہ فرماتے ہیں اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے کوئی لشکر روانہ کریں اور خود مدینے میں مقیم رہیں تو مسلمانوں کے لیے یہ روا نہیں کہ سب کے سب ایک دم سے جہاد کے لیے نکل جائیں سب کا ایک دم سے جہاد میں نکل جانا مناسب نہیں ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہر بڑی جماعت میں سے کچھ آدمی تو جہاد کے لیے نکل جائیں اور کچھ آدمی دین سیکھنے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہر جائیں اور آں حضرتؐ کی خدمت میں رہ کر دین سیکھیں تاکہ یہ باقی ماندہ لوگ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر دین میں سمجھ حاصل کریں اور فقہ سیکھیں اور تاکہ ڈرائیں یہ فقہاء اپنی قوم کو جو جہاد میں گئی ہے. جب وہ قوم سفر جہاد سے ان کی طرف واپس آئے شاید وہ لوگ بُری باتوں سے بچتے رہیں اور احتیاط برتیں اور جس چیز سے اُن کو ڈرایا گیا ہے اس سے حذر کریں.

اس آیت کی تفسیر میں زیادہ مشہور دو قول ہیں ایک قول تو وہ ہے جس کے مطابق آیت کی تفسیر کی گئی اس قول پر آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ مناسب نہیں کہ سب کے سب ہی جہاد میں نکل کھڑے ہوں اور رسول خداؐ کی صحبت میں کوئی بھی نہ رہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ کچھ لوگ جہاد میں جائیں اور کچھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ کر دین کے مسائل سیکھیں اور دین میں سمجھ پیدا کریں. پھر جب مجاہدین جہاد سے ان کے پاس لوٹ کر واپس آئیں تو وہ ان مجاہدین کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں اور خدا کی معصیت سے ڈرائیں تاکہ وہ ان احکام سے واقف ہو کر (جو اُن کے پیچھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے ہیں) اللہ کی نافرمانی سے ڈریں. امام قرطبیؒ اور جلال الدین سیوطیؒ اور علامہ آلوسیؒ نے اسی قول کو اختیار فرمایا.

اس قول کی بنا پر طائفۃ نافرہ سے وہ جماعت مراد ہے جو جہاد کے لیے نکلی اور لِیَتَفَقَّهُوْا اور لِیُنْذِرُوْا کی ضمیریں ان باقی ماندہ لوگوں کی طرف راجع ہیں جو جہاد کے لیے نہیں نکلے بلکہ تحصیل علم کے لیے آپؐ کی خدمت بابرکت میں ٹھہرے رہے اور اِذَا رَجَعُوْا کی ضمیر طائفۃ نافرہ کی طرف راجع ہے.
یعنی اس جماعت کی طرف راجع ہے جو جہاد میں جا کر اب واپس آئی ہے.
(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۹۴ ج ۸. روح المعانی ص ۴۳-۴۴ ج ۱۱. صادی حاشیہ جلالین ص ۱۷۵ ج ۲)

دوسرا قول یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سب لوگ طلب علم کے لیے اپنے گھروں سے نہ نکل جائیں بلکہ تھوڑے سے لوگ جایا کریں اور وہ علم حاصل کر کے اپنی قوم کو فائدہ پہنچائیں یعنی ان کو تعلیم دین اور وعظ و تلقین کریں۔

پہلے قول کی بناء پر آیت ہذا احکام جہاد کا بقیہ اور تتمہ تھی اور اس قول کی بناء پر آیت بقیہ احکام جہاد نہیں بلکہ ایک مستقل حکم ہے جس سے مقصود طلبِ علم دین کے لیے گھر سے نکلنے کی مشروعیت بیان کرنا ہے اور اس حکم کو احکامِ جہاد کے ساتھ متصل ذکر کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ سفر دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک سفر جہاد کے لیئے اور ایک سفر طلب علم دین کے لیے دونوں میں خروج فی سبیل اللہ ہے اور دونوں کی غرض احیاء دین اور اعلاءِ دین ہے۔ ایک میں سیف و سنان سے دوسرے میں زبان اور قلم اور برہان سے اس قول کی بنا پر فَلَوْلَا نَفَرَ میں طلب علم کے لیے نفیر اور خروج مراد ہے اور لِيَتَفَقَّهُوا اور لِيُنْذِرُوا کی ضمیریں اسی طائفہ نافرہ کی طرف راجع ہوں گی جس نے طلب علم دین کے لیے نفیر اور خروج کیا ہے۔ (دیکھو روح المعانی ص ۴۴ ج ۱۱)

اور مطلب یہ ہے کہ تحصیلِ علم دین کے لیے ہر بڑے قبیلہ میں سے کچھ آدمیوں کو ضرور نکلنا چاہیئے۔ کیونکہ علم دین کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اگر کوئی بھی حاصل نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے۔

اور فقہ سے مراد احکام شریعت کا علم ہے جس میں عقائد اور اعمال ظاہرہ اور اعمال باطنہ سب داخل ہیں سب ہی کا جاننا فرض ہے اوّل ایمان یہ علم عقائد ہوا۔ دوّم علم اسلام۔ یہ علم فقہ ہوا۔ سوّم علم احسان یہ علم تصوف ہوا اور دین ان تینوں کے مجموعہ کا نام ہے اور علم صرف و نحو اور علم لغت و اصول کا جاننا بالذات فرض نہیں بلکہ واجب بالغیر اور فرض بالغیر ہے اس لیے کہ فرض اور واجب کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

جاننا چاہیئے کہ فقاہت فی الدین کا درجہ مطلق علم سے بالاتر ہے علم کے معنی جاننے کے ہیں اور فقاہت کے معنی لغت میں فہم اور سمجھ کے ہیں۔ فقیہ لغت اور شریعت کے اعتبار سے اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو شریعت کے حقائق اور دقائق کو اور اس کے ظہر اور بطن کو سمجھا ہوا ہو محض الفاظ یاد کر لینے کا نام فقاہت نہیں۔ جن لوگوں نے خداداد حافظہ سے کتاب و سنت کے الفاظ یاد کیے اور امت تک ان کو بلاکم و کاست پہنچایا وہ حُفّاظِ قرآن اور حفاظِ حدیث کا گروہ ہے جزاھم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیراً۔ آمین۔

اور جن لوگوں نے خداداد عقل سلیم اور فہم مستقیم سے کتاب و سنّت کے معانی اور شریعت کے حقائق اور دقائق اور اس کے اصول و فروع امت کو سمجھائے تاکہ امت اُن احکام پر عمل کر سکے ان کو فقہاؔ کہتے ہیں خواہ فقہاء ظاہر کے ہوں یا باطن کے اصل مقصود اطاعتِ خدا و رسولؐ ہے اور اطاعت کا اصل دار و مدار معانی پر ہے محض الفاظ یاد کر لینے سے فریضۂ اطاعت ادا نہیں ہو سکتا۔ اصل عالم وہ ہے جو شریعت کے معانی اور مقاصد کو سمجھتا ہو کما قال تعالٰی وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا

يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعَالِمُوْنَ۔

شریعت کی حفاظت امت پر فرض ہے حضرات محدثینؒ نے الفاظ شریعت کی حفاظت کی اور حضرات فقہاءؒ نے معانی شریعت کی حفاظت کی دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے مقبول گروہ ہیں جس طرح انبیاء کرامؑ میں درجات اور مراتب کا فرق ہے۔ کما قال تعالیٰ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ اسی طرح وارثین انبیاء یعنی علماء میں بھی درجات اور مراتب کا فرق ہے۔

حضرات محدثینؒ اور حضرات فقہاءؒ میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ لفظ اور معنی میں درجہ اور مراتب کا فرق ہے۔ حافظِ قرآن الفاظ قرآن کا حافظ ہے اور ایک مفسر قرآن۔ معانی قرآن کا عالم اور فاہم ہے۔

بہرحال اس آیت سے طلب علم دین اور تفقہ فی الدین کی کمال فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالموں پر بے علموں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا فرض ہے اور بے علموں پر عالموں کی تقلید فرض ہے ناقص پر کامل کی تقلید عقلاً فرض ہے جو شخص درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو اس پر کسی مجتہد کامل کی تقلید فرض ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ

اے ایمان والو لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں

الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

سے، اور چاہیئے ان پر معلوم ہو تمہارے بیچ میں سختی اور جانو کہ

اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے۔

ترتیب جہاد و قتال

قال تعالیٰ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ۔۔۔ الیٰ۔۔۔ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔

(ربط) نصف پارۂ دہم سے یہاں تک غزوۂ تبوک سے متخلفین کے شنائع اور قبائح کا بیان تھا کہ ان لوگوں نے جہاد سے تخلف کیا پھر گزشتہ آیات میں احکام جہاد کی طرف رجوع فرمایا اور جہاد و قتال کے

فضائل بیان کیے اب اس آیت میں جہاد وقتال کی ترتیب بیان کرتے ہیں کہ جہاد وقتال کس طرح ہونا چاہیئے وہ ترتیب یہ ہے کہ اوّل اُن کفار سے ہونا چاہیئے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں اور پھر جو اُن قریب رہنے والوں کے قریب ہوں اس طرح حلقۂ جہاد کو وسیع کرنا چاہیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوّل مشرکین عرب سے قتال کیا اور پھر بنی قریظہ اور بنی نضیر اور خیبر کے اہل کتاب سے جہاد کیا۔ جو مدینہ کے ارد گرد رہتے تھے اور پھر جب اُن سے فارغ ہوئے تو شام کا قصد کیا۔ غزوۂ موتہ اور غزوۂ تبوک یہ سب شام ہی کی طرف اقدام تھا۔ پھر خلفائے راشدین نے بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا اوّل شام کو فتح کیا پھر عراق کو پھر مصر کو چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو! اوّل ان کفار سے جہاد وقتال کرو جو تمہارے آس پاس رہتے ہیں۔ جیسے بنو قریظہ اور بنی نضیر اور مشرکین عرب قریبی دشمن کو ختم کرنا سب سے مقدم ہے ورنہ حقیقت کے لحاظ سے تمام کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ کما قال تعالیٰ اِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا۔ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ۔ وغیر ذالک من الآیات۔

غرض یہ کہ تمام کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں اس لیے تمام کافروں سے جہاد وقتال کا حکم آیا۔ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً اور اس آیت میں یہ حکم دیا کہ قریبی کافروں سے جہاد وقتال کو مقدم سمجھیں۔ اور چاہیئے کہ وہ کافر تمہارے اندر سختی کو محسوس کریں۔ یعنی جہاد وقتال کے وقت بھی شدت سے ان کا مقابلہ کرو اور زمانۂ صلح میں بھی ان سے ڈھیلا پن نہ برتو۔ یہ کافر جس کو ڈھیلا دیکھتے ہیں اس کو ڈھیلا مارتے ہیں اور خوب یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ یعنی اللہ کی حفاظت اور نصرت اور اعانت اور معیت پرہیزگاروں کے ساتھ ہے جب تک تم تقویٰ پر قائم رہو گے خدا کی نصرت اور اعانت تمہارے ساتھ رہے گی۔

نکتہ حضرات صوفیہؒ فرماتے ہیں کہ مؤمن کا قریبی دشمن اس کا نفس امارہ ہے۔ جو کفرانِ نعمت میں سب سے آگے ہے اور تمام دشمنوں میں سب سے زیادہ یہی قریب ہے اس لیے نفس امارہ سے جہاد وقتال جہادِ اکبر ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے المهاجر من هجر ما نهى الله عنه والمجاهد من جاهد نفسه۔ یعنی اصل مہاجر وہ ہے جو معصیت سے ہجرت کر کے طاعت کی طرف آجائے اور اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے (قریبی دشمن) نفس سے جہاد کرے

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ

اور جب نازل ہوئی ایک سورت تو بعضے اُن میں کہتے ہیں

أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ

کس کو تم میں زیادہ کیا اس سورت نے ایمان؟ سو جو لوگ

آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ

یقین رکھتے ہیں، ان کو زیادہ کیا ایمان، اور وہ

يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۱۲۴﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

خوشی وقتی کرتے ہیں۔ اور جن کے دل میں آزار ہے،

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۱۲۵﴾

سو اُن کو بڑھائی گندگی پر گندگی اور وہ مرے جب تک کافر رہے

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ

یہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے میں آتے ہیں ہر برس ایک بار یا

مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۶﴾

دو بار، پھر توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ

اور جب نازل ہوئی ایک سورۃ، دیکھنے لگے ایک دوسرے

إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ

کی طرف۔ کہ کوئی بھی دیکھتا ہے تم کو پھر

انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ

چلے گئے۔ پھیر دیئے ہیں اللہ نے دل ان کے اس واسطے کہ وہ لوگ

لَّا يَفْقَهُونَ ﴿۱۲۷﴾

ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے۔

ذکر تمسخر منافقین وتنفر شاں از آیات قرآن معہ وعید وتہدید

قال اللہ تعالیٰ۔ وَإِذَا مَآ أُنزِلَتۡ سُورَةٞ فَمِنۡهُم مَّن يَقُولُ ۔۔۔ الیٰ ۔۔۔ بِأَنَّهُمۡ قَوۡمٞ لَّا يَفۡقَهُونَ ۝

(ربط) اوپر کے رکوعات اور آیات میں منافقین کے ذمائم کا ذکر ہوا منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اس کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور تمسخر دلیل ہے غایت تنفر کی اور غایت تنفر دلیل ہے غایت کفر کی۔ دین حق کے ساتھ تمسخر کفر کا آخری درجہ ہے اس آیت میں ان لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ کفر ہی پر ان کی موت آئے گی۔ اسلام کے ساتھ تمسخر کرنا یہی علامت اس بات کی ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔

(ربط دیگر) پہلی آیت میں کفار سے قتال کا حکم تھا اب اس آیت میں اس کا سبب بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ یہ لوگ آیاتِ خداوندی کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں ایسوں سے تو جہاد وقتال بلاشبہ فرض اور واجب ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب قرآن کی کوئی جدید سورت نازل ہوتی ہے جس میں منافقین کے نفاق اور عناد کا ذکر ہوتا ہے تو بعض منافقین بطور استہزاء اور تمسخر بعض غریب مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ بتلاؤ کہ تم میں سے اس سورت نے کس کا ایمان زیادہ کیا اور کس کے ایقان وعرفان میں اضافہ ہوا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان دار ہیں اور پہلے سے ایمان اور تقویٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اس سورت نے ان کے ایمان میں اور زیادتی کر دی اس سورت کے نازل ہونے سے ان کا یقین اور بڑھ گیا کیونکہ قرآن کے دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ کو سُن کر ان کے سابق ایقان اور عرفان میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور قرآن جن چیزوں کی خبر دیتا ہے اس کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو جاتا ہے اس طرح سے ان کا ایمان استدلالی ایمان شہودی بن جاتا ہے اور شک اور شبہ کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ اس سورت کے نازل ہونے سے غایت درجہ خوش ہوتے ہیں۔ کہ اس سورت کا نزول ان کے ایقان وعرفان کی زیادتی کا سبب بنا اور جو حال پہلے تھا اب اس سے بھی بہتر اور برتر ہو گیا اور جن لوگوں کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے اور ان کے دل مکر اور حیلہ کی گندگی سے بھرے ہوئے ہیں تو یہ جدید سورت ان کی سابقہ پلیدی اور گندگی پر ایک اور نئی گندگی اور پلیدی کا اضافہ کر دیتی ہے۔ گزشتہ بغض وعناد کے ساتھ ایک جدید بغض اور عناد کا اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے حتیٰ کہ کفر اور نفاق کا ملکہ ان میں راسخ اور پختہ ہو جاتا ہے اور پھر کفر ہی کی حالت میں ان کی جان نکلتی ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز کے ساتھ نازل

ہوتی ہے اور دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے اس کے نزول سے اہل ایمان کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور دلائل و براہین کی روشنی میں ان پر حق واضح اور روشن ہوجاتا ہے اور دین اسلام کے بارہ میں انہیں شرح صدر ہوجاتا ہے اور منافقین کے غیظ اور عناد میں اضافہ ہوجاتا ہے اگر یہ منافقین عناد اور حسد سے ہٹ کر بنظر انصاف آیات قرآنیہ میں غور و فکر کرتے تو ان کی بھی آنکھیں کھل جاتیں مگر عناد کی یہ کیفیت دن بدن ان میں مستحکم ہوتی گئی یہاں تک کہ کفر ہی کی حالت میں وہ مرگئے۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا یہ منافق اسبات کو نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک دوبار آزمائے جاتے ہیں۔ یعنی ہر سال میں ایک دوبار ضرور رسوا ہوتے ہیں اور ان کا نفاق اور جھوٹ مسلمانوں پر ظاہر ہوجاتا ہے پھر بھی اپنے جھوٹ اور نفاق اور بدعہدی سے توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں کہ سمجھیں کہ یہ رسوائی ہماری تنبیہ کے لیے رونما ہوئی ہے۔

اور منافقین کا یہ حال جو گزشتہ آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ مجلس نبوت سے باہر کا حال تھا اب اندرون مجلس نبوت ان کی فضیحت کا حال سنو وہ یہ کہ جب کبھی کوئی ایسی سورت نازل ہوتی ہے جس میں ان کے نفاق اور فضائح اور قبائح کا ذکر ہو اور وہ خود بھی اُس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں تو اس وقت ان منافقین کا عجیب حال ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ اس وقت ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں اور اشارہ سے پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے تمہیں کوئی دیکھتا تو نہیں یعنی اگر کوئی مسلمان نہیں دیکھتا تو مجلس سے کھسک جاؤ اور اگر کوئی مسلمان تم کو دیکھتا ہے تو تھوڑی دیر اور صبر کرو۔ جب مسلمان غافل ہو جائیں گے تب اُٹھ کر چل دیں گے۔ پھر جب دیکھتے ہیں کہ ان کو کوئی مسلمان نہیں دیکھ رہا ہے تو آپؐ کی مجلس سے پھر جاتے ہیں یعنی اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ ہی نے ان کے دلوں کو اسلام سے پھیر دیا ہے اس لیے وہ آپ کی مجلس سے پھر جاتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ بے سمجھ ہیں۔ حق اور باطل اور نفع اور ضرر کو سمجھتے نہیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ

آیا ہے تم پاس رسول تم میں کا بھاری ہوئی ہے اس پر جو تم تکلیف پاؤ

مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

تلاش رکھتا ہے تمہاری ایمان والوں پر

رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ

شفقت رکھتا مہربان۔ پھر اگر وہ پھر جاویں تو تو کہہ بس ہے

اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ

مجھ کو اللہ کافی ہے کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے۔ اسی پر میں نے بھروسا کیا اور وہی

رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

ہے صاحب بڑے تخت کا۔

ذکر کمال شفقت و رافت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

برحال امت و اتمام حجت بر اہل شقاوت

قال اللہ تعالیٰ۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ... الی .... وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ

(ربط) یہ اس سورت کی آخری آیت ہے جس میں حق تعالیٰ نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی کمالِ شفقت و رأفت کو بیان کیا۔ اور بتلا دیا کہ ایسے عظیم الشان اور شفیق و مہربان رسولؐ کی آمد سے تم پر اللہ کی حجت پوری ہوگئی اور جہاد جیسے حکم سے جو نفس پر شاق اور گراں ہوتا ہے اس سے گھبرانا نہیں چاہیئے اس لیے کہ جس طرح طبیب حاذق اور مشفق و مہربان کسی وقت مریض کو تلخ دوا کے استعمال کا حکم دیتا ہے اور مہربان باپ اولاد کو بغرض تادیب و تربیت بعض ناگوارِ خاطر چیزوں کا حکم دیتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا رسولؐ برحق بعض اوقات تم کو ایسے امور کا حکم دیتا ہے جو نفس پر گراں ہوتے ہیں اور عقلِ سلیم کے مطابق ہوتے ہیں۔ انسان کا فائدہ ان پر عمل کرنے میں ہے اور ان کی خلاف ورزی میں اس کی ہلاکت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے اخیر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ اور آپؐ کا امت پر شفیق اور مہربان ہونا بیان کیا تاکہ خاتمۂ کلام اسبات پر دلالت کرے کہ ایسے شفیق اور مہربان رسولؐ کی دعوت و تبلیغ کے بعد حجت پوری ہو چکی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنی ضد اور عناد پر قائم رہیں تو آپؐ اللہ پر توکل کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو کافی ہے اور ان کے شر سے محافظ اور نگہبان ہے ان معاندین کی ذرہ برابر پرواہ نہ کیجئے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

(یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں منافقین کے عناد اور تکبر کا ذکر تھا کہ وہ آں حضرتؐ کے اتباع کو اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے۔ اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ وہ رسولؐ تمہارا غایت درجہ ہمدرد

اور تم پر شفیق اور مہربان ہے ایسے شفیق اور مہربان سے ضد اور عناد کا معاملہ کرنا سراسر خلاف عقل اور خلاف فطرت ہے۔ تم کو چاہیئے کہ اس کے ظلِّ عاطفت میں داخل ہو جاؤ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے شفیق اور مہربان سے عداوت رکھو۔ اور اس کی بات کا مذاق اڑاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! تحقیق آیا ہے تمہارے پاس ہماری طرف سے ایک پیغمبر جو تمہاری ہی جنس سے جس سے بوجہ جنسیت کے استفادہ اور استفاضہ آسان ہے۔ ع "بوئے جنسیت کند جذب صفات"

مطلب یہ ہے کہ اے بنی آدم تمہارے پاس تمہاری جنس سے ایک رسولؐ آیا ہے جس طرح تم انسان ہو وہ بھی انسان ہے اور یہ تم پر اللہ کا احسان ہے اگر وہ تمہارے پاس کسی جن یا فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا تو تم بوجہ عدم جنسیت اس سے مانوس نہ ہوتے اور وہ رسولؐ علاوہ تمہارے ہم جنس ہونے کے اس درجہ تمہارا ہمدرد اور خیر خواہ ہے کہ اس پر تمہاری تکلیف شاق اور گراں ہے۔ اور ایک صفت اس رسولؐ کی یہ ہے کہ وہ تمہاری بھلائی اور ہدایت پر غایت درجہ حریص ہے یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے۔ اور خاص کر اہل ایمان پر تو حد درجہ کا شفیق مہربان ہے ایسے شفیق اور مہربان رسولؐ کے اتباع سے انصراف اور انحراف تو کمال ابلہی ہے۔ پس اگر اس رأفت و رحمت کے مشاہدہ کے بعد بھی آپؐ کے اتباع سے روگردانی کریں اور اپنی دیرینہ عداوت پر قائم رہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ کافی ہے وہ تمہارے شر سے کفایت کرے گا۔ اور مجھے تم پر غالب کرے گا وہ میرا کافی معین اور مددگار ہے مجھے تمہاری عداوت کی کوئی پرواہ نہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو نفع اور ضرر کا مالک ہو میں اسی کی ذات پاک پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ میں نے اپنا سب کام اسی کے سپرد کر دیا ہے اور وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ اور عرش عظیم تمام کائنات کو محیط ہے پس جو عرش عظیم کے مالک پر بھروسہ کرے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا ہے

اندر خواہ یاری کہ یاری دہ اوست | بدو التجا کن کہ اینہا از وست
کسے را کہ او آورد در پناہ | چہ غم دارد از فتنۂ کینہ خواہ،

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

آج بروز شنبہ پنجم شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ بوقت اذانِ عصر سورۃ توبہ کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی بِنِعْمَتِہٖ تتم الصّالحات رب تقبّل توبتی و اغسل حوبتی واجب دعوتی واکتب لی براءۃً من النّار انّک انت التوّاب الرّحیم آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمّد و علیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سُورۂ یُونس

اٰیَاتُھَا ۱۰۹ ۱۰ : سُوْرَۃُ یُوْنُسَ مَکِّیَّۃٌ : ۵۱ رُکُوْعَاتُھَا ۱۱

اس سورت میں چونکہ یونس علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس لیے یہ سورت صحابہؓ میں سُورۂ یُونس کے نام سے مشہور ہوئی اور اکثر سورتیں اپنے بعض اجزاء کے لحاظ سے موسوم ہیں اسی طرح یہ سورت بھی اپنے بعض اجزاء کے لحاظ سے موسوم ہوئی۔ اور یہ سورت مکّی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکّے میں نازل ہوئی سوائے تین آیتوں کے جن کی ابتداء فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ سے ہوتی ہے وہ مدنی ہیں جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اس سورت میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

(ربط) سورۂ توبہ میں مشرکین سے براءت اور منافقین کی فضیحت کا بیان ہوا یہ دونوں گروہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و رسالت اور نزول وحی کے منکر تھے اور توحید کے بھی قائل نہ تھے اس لیے اس سُورت میں زیادہ تر توحید و رسالت اور قیامت کا اثبات فرمایا اور اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے متعلق اور خدا تعالےٰ کی وحدانیت اور قیامت کے متعلق جو منکرین کے شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا کیونکہ منافقین اور مشرکین کتب الٰہیہ کی تکذیب میں اور انکار وحی میں ایک دوسرے کے شریک تھے اور شکوک و شبہات میں ایک دوسرے کے ہم خیال تھے۔ اس لیے سب کا ردّ فرمایا اور چونکہ سورۂ توبہ کے آخر میں یہ ذکر تھا کہ قرآن حکیم کی جب کوئی سورت نازل ہوتی تھی تو منافقین اس کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے تھے اور کفار مکّہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و رسالت پر تعجب کرتے تھے اور اپنے تعجب کو مختلف پیرایوں میں ظاہر کرتے تھے چنانچہ ان میں کے بعض یہ کہتے تھے کہ کیا اللہ کو سوائے ابوطالب کے یتیم کے اور کوئی شخص نبی بنانے کے لیے نہیں ملا تھا۔ اس لیے اس سورت کا آغاز کتاب حکیم کے ذکر سے کیا گیا جس کے ساتھ منافقین تمسخر کرتے تھے اور بعد ازاں اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ سے مشرکین مکّہ کے استعجاب کا جواب دیا گویا کہ یہ آیت یعنی اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ سورۂ توبہ کی آخری آیت لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ کے ہم معنی

ہے کہ تم ایسے مرد کامل کی جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو اس کی نبوّت و رسالت پر تعجب کرتے ہو ایسے مرد کامل کی تکذیب اور اس کے ساتھ تمسخر اور اس سے تنفر کمالِ ابلہی کی دلیل ہے پھر سورۂ توبہ کی آخر آیت لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔ میں حق تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت اور قدرت کاملہ کو بیان فرمایا تھا اس لیے اس سورت کے شروع میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و رسالت کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ کو بیان فرمایا چنانچہ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ الخ سے تکوین عالم اور عرش اور فرش کے پیدائش کا ذکر فرمایا جس سے خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ و باہرہ ظاہر اور نمایاں ہے اور پھر جزاء و سزا کا ذکر فرمایا اس طرح یہ مضامین ثلاثہ یکے بعد دیگرے آخر سورت تک چلے گئے۔

جو سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر احکام کا بیان ہے جیسے نکاح و طلاق اور میراث اور قصاص اور جہاد اور حلال و حرام اور جو سورتیں ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر اصولِ دین توحید اور رسالت اور قیامت کا بیان ہے اور کفار اور مشرکین کے مختلف فرقوں کا ردّ ہے اور یہ سورت بھی مکی ہے اس لیے اس سورت میں بھی اصولِ دین کا بیان ہے۔

آغازِ سورت میں وحی اور بعثت نبوی کے متعلق جو کفار مکہ کو تعجب تھا اس کا جواب دیا اس کے بعد تکوینِ عالم کا مسئلہ ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس عالم کا خالق قادر اور مالک قاہر ہے جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اس نے مخلوق کو اپنے احکام سے آگاہ کرنے کے لیے پیغمبر بھیجے اور ان کو مورد وحی و الہام بنایا تاکہ وہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کے احکام سے آگاہ کریں اور یہ بتلائیں کہ قیامت قائم ہوگی اور تمام اعمال پر جزاء و سزا ملے گی۔ ان میں سے کوئی بات بھی قابلِ تعجب نہیں۔

(ربط دیگر) سورۂ براءت میں زیادہ تر منافقین کے احوال و اقوال کا ذکر تھا اور اس سورت میں زیادہ تر کفار اور مشرکین کے احوال و اقوال کا بیان ہے اور منکرین نبوّت کے شبہات کے جوابات ہیں اسی وجہ سے سورت کا آغاز منکرین نبوت کے ایک شبہ سے ہوا کہ ان کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک خاص مرد کو اپنی نبوت اور وحی کے ساتھ کیوں مخصوص کیا۔

(ربط دیگر) کہ یہ سورت مکی ہے اہلِ مکہ کی نصیحت کے لیے نازل کی گئی جس میں قوم یونس کا قصہ بیان کیا کہ وہ بروقت ایمان لے آئے تو اس ایمان نے ان کو نفع دیا ان کی طرح تم بھی اگر ایمان لے آؤ گے تو تم کو بھی نفع ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا ہے مہربان

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اَكَانَ لِلنَّاسِ

یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی - کیا لوگوں کو تعجب ہوا

عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ

کہ حکم بھیجا ہم نے ایک مرد کو ان میں سے کہ ڈر سنا لوگوں

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ

کو اور خوشخبری دے جو کوئی یقین لاوے کہ اُن کو ہے پایہ سچا اپنے رب

رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾

کے ہاں۔ کہنے لگے منکر، بیشک یہ جادوگر ہے صریح -

اظہارِ عظمتِ قرآن واثباتِ رسالتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال اللہ تعالیٰ۔ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ.... الی .... لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۔

(ربط) گزشتہ سورت کی آخری آیتوں میں دو باتوں کا ذکر تھا۔ اوّل نزول وحی کے وقت مضامین قرآن پر ہنسنا اور ازراہِ حقارت ایک کا دوسرے کی طرف آنکھوں سے اشارہ کرنا جس سے ان کا مقصود وحی کے ساتھ استہزاء کرنا ہوتا تھا۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ میں اسی امر کا ذکر تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ان لوگوں کو آپ کی نبوت و رسالت پر تعجب تھا کہ یہ شخص ہم جیسا ایک بشر اور انسان ہے یہ کیسے نبی ہو سکتا ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ میں اس کا جواب دیا گیا۔ یہ شخص اگرچہ تمہاری ہی جنس سے ہے مگر فضائل وکمالات کے اعتبار سے سب سے افضل اور اکمل ہے۔

پس اس سورت کے آغاز میں بھی انہی دو باتوں کو بیان کرتے ہیں اوّل قرآن کی عظمت اور جلالت شان کو بیان کرتے ہیں کہ وہ سراپا نور حکمت ہے اور چشمۂ ہدایت ہے اور اسکے

دلائل و براہین نہایت قوی ہیں دوم نبی کریمؐ کی عظمت و جلالت قدر بیان کرتے ہیں کہ وہ کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ ایک عجیب مردِ کامل ہے جس کو خدا تعالیٰ نے نبیؐ بناکر بھیجا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں الٓرٰ اس قسم کے الفاظ کو جو بعض سورتوں کے شروع میں آتے ہیں۔ حروف مُقَطَّعَہْ کہتے ہیں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس قسم کے حروف کتاب خداوندی کے رموز ہیں جن کی مراد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اس لیے ان کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی مسلمان کو چاہیئے کہ ان الفاظ کو کلامِ خداوندی سمجھے اور ان کے معنیٰ اور تاویل کی فکر میں نہ پڑے بلکہ ان کی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ اَعْلَمُ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہ سورت آیتیں ہیں پُرحکمت کتاب کی جو سراپا نور اور حکمت اور منبع ہدایت و موعظت اور نسخۂ شفاء ہے یا حکیم کے معنیٰ محکم اور مضبوط کے ہیں کہ اُس کی ہر بات پکی ہے ہر قسم کے عیب اور خلل سے پاک ہے جس میں غلطی اور خطاء کا امکان نہیں اس کے الفاظ تحریف و تبدیل سے محفوظ ہیں اور اس کے علوم و معارف عقل اور حکمت کے مطابق ہیں اور اس کے احکام نسخ سے محفوظ ہیں۔ اس لیے کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے اس کے بعد کوئی دوسری ناسخ کتاب آنے والی نہیں اور اس کے تمام اخبار اور قصص ٹھیک اور واقع کے مطابق ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ یہ آیتیں ایک باحکمت اور محکم اور مضبوط کتاب کی ہیں جس سے تم کو تنفر ہے اور جب اس کتاب حکیم کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو تم اس کی سراپا حکمت و موعظت باتوں کا تمسخر کرتے ہو اور جس مردِ کامل اور مردِ حکیم پر یہ کتاب حکیم نازل ہو رہی ہے اس کی نبوت و رسالت پر تم تعجب کرتے ہو حالانکہ یہ کتاب مستطاب اس مردِ کامل کی نبوت اور رسالت کی روشن دلیل ہے کیا لوگوں کے لیے یہ بات باعثِ تعجب ہوئی کہ ہم نے لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کے لیے انہیں میں سے ایک مردِ کامل کی طرف وحی بھیجی جس کے حسب اور نسب اور امانت و دیانت سے یہ لوگ بخوبی واقف ہیں اور اس وحی کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے ڈراتے اور جو لوگ ایمان لے آتے ہیں ان کو خوشخبری سنائیے کہ ان کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں پایۂ صدق یعنی بہت بلند مرتبہ ہے اور کیسی سعادت اور فلاح ازل میں ان کے لیے لکھی جاچکی ہے اور بشارت و نذارت کوئی امر تعجب نہیں بلکہ لوگوں کو حیوانات کی طرح مہمل چھوڑ دینا کہ انسان ہو کر شترِ بے مہار کی طرح پھرا کرے جہاں چاہے منہ مارے اور جس مادہ سے چاہے جفتی کرے (جیسا کہ یورپ میں ہو رہا ہے) یہ امر سراسر خلافِ حکمت اور لائقِ تعجب ہے اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی بشارت

اور نذارت سے انسان کی تکمیل اور اصلاح ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندہ اور مرد کامل پر لوگوں کی ہدایت اور ان کی بشارت و نذارت کا مضمون بذریعہ وحی نازل فرمائے تو کوئی تعجب کی وجہ نہیں مگر یہ کافر تعجب سے گزر کر طعن و تشنیع تک پہنچ گئے اور آپؐ کے معجزات کو دیکھ کر کافر یہ کہنے لگے کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے وحی قرآن کی تاثیر بلیغ کو دیکھ کر قرآن کو جادو بتلایا اور یہ بالکل غلط ہے ایسی سراپا حکمت و موعظت کتاب کا جادو ہونا اور ایسے صاحب کرامات و معجزات کا جادوگر ہونا ناممکن اور محال ہے آپؐ تو خدا کے رسولؐ ہیں خدا کی صفات و کمالات کو بیان کرتے ہیں جیسا کہ آئندہ آیت إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ الخ میں آتا ہے اور یہ معجزات آپؐ کی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین ہیں کفار عرب اللہ کے رسولؐ کو جادوگر بتلاتے تھے اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ در اصل ان کا متکبر اور مغرور نفس جو صفاتِ فرعونیہ کا حامل ہے اصل جادوگر وہ ہے جس نے تمہاری عقل کو مسحور کر دیا ہے فرعون کی طرح علو اور استکبار کا طالب ہے خدا کے برگزیدہ بندہ کے سامنے تواضع اور انکسار کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ بشر کے لیے نبوت ممکن نہیں یہ لوگ اپنی جہالت سے بلا دلیل بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے آں حضرتؐ کو رسول بنا کر بھیجا تو اہلِ عرب نے اس کو ایک تعجب انگیز امر سمجھا اور کہا کہ اللہ کی شان اس سے بالا اور برتر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے انسان کو رسول بنا کر بھیجے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بشر اور تمہارے ہم جنس انسان پر وحی کا نازل ہونا قابل تعجب نہیں اور نہ یتیم اور فقیر ہونے کے اعتبار سے قابلِ تعجب ہے۔ اس لیے کہ نبوت کے لیے مالدار ہونا شرط نہیں بلکہ مکارمِ اخلاق اور محاسن اعمال کے اعتبار سے چیدہ اور برگزیدہ ہونا شرط ہے اور یہ صفت آپؐ میں علیٰ وجہ الکمال موجود ہے آپؐ کی ذات بابرکات مکارم اخلاق اور محاسن کا منبع اور سرچشمہ ہے اور انبیاء سابقینؑ کی طرح آپؐ بھی خدا کی طرف سے بشیر و نذیر بن کر آئے ہیں اور تمام انبیاء سابقینؑ جنس بشر سے تھے۔ فرشتہ نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ نبوت کے لیے فرشتہ ہونا ضروری نہیں اور فقیری اور درویشی نبوت و رسالت میں قادح نہیں آپؐ سے پہلے بھی جنس بشر سے بہت سے نبی گزر چکے ہیں جن پر اللہ کی وحی نازل ہوتی رہی اس لیے نبوت اور وحی کوئی عجیب چیز نہیں جب کبھی خدا کی طرف سے کوئی نبی آیا تو ان کے ہم جنس معاندین نے اس وقت بھی تعجب سے یہی کہا جو اس وقت کے معاندین کہہ رہے ہیں۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا۔ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا۔ الی۔ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ اور جس طرح گزشتہ قرون کے لوگ۔

اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا کہتے تھے اس طرح کفار قریش کو رسول بشری پر تعجب ہوا اور اس کی نبوت کا انکار کیا اور جس طرح ان کے ہم جنس معاندین نے انبیاء سابقین کے معجزات دیکھ کر انبیاءؑ کو جادو گر بتلایا اسی طرح اس زمانہ کے معاندین اور کفار مکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ اور ان کا یہ قول بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے اس لیے کہ جو شخص مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اور حکمت نظریہ اور حکمت عملیہ کے حقائق اور معارف بیان کرتا ہو اور حلال و حرام کی تفصیل کرتا ہو وہ کہاں سے جادو گر ہو سکتا ہے اور کتاب حکیم جو اس پر نازل ہو رہی ہے وہ کہاں سے جادو ہو سکتی ہے اس لیے کہ سحر تو محض ایک ملمع کاری ہوتی ہے اور یہ کتاب حکیم تو حکمت نظریہ اور حکمت عملیہ کی ہدایت اور رہنمائی کرتی ہے۔

قدم صدق کی تفسیر

قدم صدق کے معنی میں اہل تفسیر کے کئی قول ہیں ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مقام صدق ہے جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ اور ایک روایت ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ اس سے مراد سعادت ازلیہ ہے اور زجاجؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد درجہ عالیہ ہے اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ مراد ہے اور زید بن اسلمؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مراد ہے اور قدم کی اضافت صدق کی طرف۔ موصوف کی صفت کی طرف ہے چونکہ وہ مرتبہ عالیہ اور سعادت ازلیہ صدق و اخلاص کے بدولت ملے گا یا اس کا وقوع حق اور صدق یعنی قطعی اور یقینی ہے اس لیے قدم کو صدق کی طرف مضاف کر دیا گیا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ

تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ

سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ

دن میں، پھر قائم ہوا عرش پر تدبیر کرتا کام کی۔

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

کوئی سفارش نہ کر سکے مگر جو پہلے اس کا حکم ہو۔ وہ اللہ ہے رب

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③

تمہارا سو اس کو پوجو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

ذکر تکوین عالم برائے اثبات ربوبیت ربِّ اکرم

قال اللہ تعالٰی۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ ... الٰی ... اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

(ربط) اوپر قرآن کریم کی عظمت اور نبوت و رسالت کی حقانیت کا ذکر تھا اب ان آیات میں تکوین عالم کو بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے اللہ کی معرفت اور اس کی ربوبیت کا علم حاصل ہو جو بعثت کا اولین مقصد ہے ان آیات میں اللہ تعالٰی نے یہ بیان کیا کہ تمہارا پروردگار اور تمہارا معبود وہ ذات بابرکات ہے جس نے چھ دن میں عرش سے لیکر فرش تک تمام کائنات کو پیدا کیا اور یہ تمام کارخانہ اسی کی تدبیر اور حکمت سے چل رہا ہے اسی پروردگار عالم نے تمہاری ہدایت اور تربیت کے لیے ایک مرد کامل کو مبعوث کیا ہے اور اس مرد کامل پر جو کتاب بذریعہ وحی نازل ہو رہی ہے وہ سحر نہیں بلکہ کیمیائے سعادت اور نسخۂ ہدایت ہے جس سے مقصود تمہاری اصلاح اور تربیت ہے پس اگر تمہارا پروردگار تمہاری تربیت اور ہدایت کے لیے کسی برگزیدہ بندہ پر وحی کے ذریعے کوئی کتاب نازل کرے تو کیوں تعجب کرتے ہو۔

اس کتاب کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے پروردگار کے احکام پر عمل کریں۔ جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور یقین رکھیں کہ ایک دن ان اعمال پر جزاء و سزا بھی ضرور ملنی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق تمہارا مربّی اور مدبر اور وہ اللہ ہے جس نے محض اپنی قدرت سے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا ہے اگر وہ چاہتا تو ایک لمحہ میں بنا دیتا اس نے کسی حکمت سے جتنی دیر چھ دن میں لگتی ہے اتنی دیر میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا جن سے بڑھ کر دنیا کا کوئی جسم طویل و عریض نہیں تم اگر ایک معمولی مکان بنانا چاہو تو مہینے اور سال خرچ ہو جاتے ہیں اور آسمان اور زمین کو پیدا کرنا یہ اس کے کمال قدرت کی روشن دلیل ہے اور تمام عقلاء کی عقلیں اس اقتدار عظیم کو دیکھ کر حیران اور انگشت بدنداں ہیں اور کیوں نہ ہو ایسا اقتدار عظیم اندازۂ فہم اور ادراک بشری سے کہیں بالا اور برتر ہے پس اگر ملیک مقتدر نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے تمہاری جنس میں سے ایک رسول تمہاری طرف بھیجدیا تو کیوں تعجب کرتے ہو اور آسمان سے زمین پر نزول وحی کا کیوں انکار کرتے ہو پھر آسمان اور زمین کی پیدائش سے بڑھ کر عجیب امر یہ ہے کہ وہ احکم الحاکمین اپنی شان کے مطابق عرش پر قائم ہوا۔ یعنی جلوہ فرما ہوا جو سب مخلوقات میں سب سے بڑا ہے اور اتنا بڑا ہے کہ آسمان اور زمین بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں اور اللہ تعالٰی کا عرش پر قائم ہونا اس بنا پر نہیں کہ وہ کسی عرش یا فرش کا محتاج ہے اس لیے کہ وہ کون و مکان اور زمین و زمان کے پیدا کرنے سے پہلے تھا۔ اسی طرح وہ مکان و زمان کے پیدا

کرنے کے بعد بھی اسی شان سے موجود ہے معاذ اللہ عرش اللہ تعالیٰ کا مکان اور اس کی نشست گاہ نہیں کیونکہ جس چیز کے لیے مکان اور جہت ہو وہ متناہی اور محدود ہوتی ہے اور جو محدود ہے وہ مخلوق ہے اور اللہ پاک خالق ہے مخلوق نہیں۔ غرض حق جل شانہٗ کے عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور عرش اس کا مکان ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بلا شبہ اور تمثیل کے یوں سمجھو کہ عرش عظیم بمنزلہ سریر سلطنت اور تختِ شاہی کے ہے جس پر ربِ کریم اپنی شان کے مطابق بلا تمکن اور استقرار کے جلوہ فرما ہے اور عرشِ عظیم معاذ اللہ اس کا مکان نہیں بلکہ اس کی شان احکم الحاکمینی کی جلوہ گاہ ہے جہاں سے احکام خداوندی کا صدور ہوتا ہے۔ اور کائنات کے ہر امر کی بلا شرکتِ غیرے وہ تدبیر کرتا ہے کسی سفارش کرنے والے کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے سفارش کا کوئی حرف اپنی زبان سے نکال سکے۔ پس جو ذات اس خلق اور تقدیر اور تدبیر اور عظمت اور حکمت کے ساتھ موصوف ہے وہی اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے اور تم کو معلوم ہے کہ ان صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔ پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے یا اپنے دل میں فکر نہیں کرتے کہ عبادت اسی ذات کا حق ہے جو اس قدرت اور حکمت اور عظمت کے ساتھ موصوف ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم اس کے دلائل وحدانیت میں غور نہیں کرتے کہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق و تکوین میں اور اس کی تدبیر اور تصرف میں مستقل ہے وہ کسی کے اذن کا محتاج نہیں۔ معلوم ہوا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکین کا یہ زعم کہ بُت خدا کے یہاں ہماری شفاعت کریں گے یہ ان کا خیال خام ہے۔

لطائف و معارف

۱۔ حق جل شانہٗ نے ان آیات میں عالم علوی اور عالم سفلی کی تخلیق و تکوین کو بیان کیا تاکہ تم کو صانع عالم کی معرفت حاصل ہو اس لیے کہ آسمان و زمین کا اجسام عظیمہ ہونا اور بے شمار اجزاء سے ان کا مرکب ہونا اور مختلف صفات اور مختلف حالات اور مختلف کیفیات کے ساتھ ان کا موصوف ہونا اور قسم قسم کے تغیرات اور انقلابات ان میں واقع ہونا یہ سب اس امر کی دلیل ہے کہ اجرام علویہ و اجسام سفلیہ کی یہ حرکات و سکنات خود ان کے اختیار میں نہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مادہ اس کے ذراتِ بسیطہ کی حرکت قدیمہ ان تغیرات اور تنوعات کی علت ہے اس لیے کہ باتفاق فلاسفۂ جدید و قدیم مادہ میں نہ کوئی ادراک اور شعور ہے اور نہ کسی قسم کا ارادہ اور اختیار ہے۔ مادہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی جسم کو حرکت دے سکے یا کسی کوکب اور سیارہ کی حرکت کی جہت اور سمت کو بدل سکے۔ یا اس کی روشنی میں کوئی کمی اور زیادتی کر سکے یا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھر سکے پس جس مادہ کی مجبوری اور لاچارگی اور درماندگی کا یہ حال ہے کہ اپنی ذات سے وہ اندھا اور گونگا اور بہرا

اور ایا ہیچ سب کچھ ہے وہ ان اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ کے تغیرات اور انتقالات کی علت کیسے ہو سکتا ہے معلوم ہوا کہ یہ کون و مکان اور زمین و آسمان کسی قادر حکیم اور صناع علیم کی صنعت کا کرشمہ ہیں۔ اور سب اس کی تدبیر محکم کے تابع ہیں کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہے۔ مادۂ عالم کے ذرّات بسیط ملکر کتنی ہی کانفرنسیں کریں اور کتنی ہی کمیٹیاں بنائیں اور زمین آسمان کے قلابے بھی ملائیں مگر یہ دریافت کرنے سے عاجز اور درماندہ ہیں کہ یہ کارخانہ عالم کس طرح چل رہا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام کائنات اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن بھی ہیں اور حادث بھی ہیں۔ عدم کے بعد وجود میں آئی ہیں اور ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کا امکان ہے کہ یہ ذات یا یہ صفت معدوم ہو جائے یا اس میں کوئی تغیر اور تبدل ہو جائے اور عقلاً یہ امر بدیہی ہے کہ کوئی ممکن اور حادث بغیر واجب قدیم کے سہارے کے قائم نہیں رہ سکتا۔ پس یہ تمام ممکنات خداوند حیّ و قیوم کے سہارے قائم ہیں خوب سمجھ لو کہ کائنات عالم کا امکان ذاتی اور امکان صفاتی اور حدوث ذاتی اور حدوث صفاتی ان میں سے ہر ایک وجود صانع کی دلیل قطعی ہے اس اجمال کی تفصیل کے لیے امام رازیؒ کی تفسیر کبیر دیکھیں۔ جزاہ اللہ تعالٰی عن الاسلام والمسلمین خیرا آمین۔

۲۔ اللہ تعالٰی نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں اس لیے پیدا کیا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالٰی کے علم میں ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے اور تاکہ وقتاً فوقتاً اللہ کی قدرت کے کرشمے ظاہر ہوں اور كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کا جلوہ نظر آئے۔

اللہ تعالٰی قادر ہے کہ انسان کو ایک لمحہ میں پیدا کر دے مگر اس نے انسان کی پیدائش کے لیے مدت مقرر کر دی ہے۔ جن میں اس کی حکمتیں ہیں جن کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں اسی طرح آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کرنے کو سمجھو اہل ظاہر اور حشویہ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ساری دنیا کا انتظام کر رہا ہے۔

(دیکھو تفسیر وحیدی صفحہ ۲۰۷)

اہل حق یہ کہتے ہیں کہ کتاب و سنت میں حق جل شانہ کے لیے جو صفات و افعال ثابت کیے گئے ہیں۔ ہم ان پر بلا تشبیہ و تمثیل کے اور بلا جمود اور بلا تعطیل کے ایمان لاتے ہیں اور حسب ارشاد باری تعالٰی لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اور لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ۔ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کو نہ کوئی مکان گھیرے ہوئے ہے۔ اور نہ کوئی زمانہ اس پر گزرتا ہے اور نہ اس کے لیے کوئی حد ہے اور نہ نہایت اور نہ اس کے لیے کوئی جہت اور سمت ہے اس کی ذات با برکت۔ مخلوقات کی مشابہت اور مماثلت سے پاک اور منزہ ہے اس بنا پر اہل حق یہ کہتے ہیں کہ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ سے معاذ اللہ یہ مراد نہیں کہ خداوند ذوالجلال۔ بادشاہوں کی طرح تخت سلطنت پر بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کلام خداوند ذوالجلال

ذوالاکرام کی حکمرانی سے کنایہ[1] ہے چونکہ سلاطین عالم عرش (تخت) پر بیٹھ کر حکمرانی کرتے ہیں اس لیے سمجھانے کے لیے اللہ کی حکومت اور حکمرانی کو اِسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ سے تعبیر کر دیا گیا اہل عرب اپنے محاورات میں بولتے ہیں۔ فلان اِسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ یعنی فلاں اپنے عرش (یعنی سریر سلطنت) پر متمکن ہو گیا اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں کو سلطنت حاصل ہو گئی اسی طرح اس آیت میں سمجھو کہ اِسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ سے تمکن اور استقرار اور بیٹھنے کے معنی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آسمان اور زمین کو اور کائنات عالم کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد سریر سلطنت پر قائم ہوا اور مخلوقات پر حکمرانی کرنے لگا کیونکہ حکمرانی کے لیے محکوم چاہیئے۔ اس لیے اس اَحْكَمُ الْحَاكِمِيْن نے اپنی قدرت ازلیہ سے اوّل محکوم کو پیدا کیا۔ اور پھر حکمرانی اور تدبیر کرنے لگا۔ اس کی حاکمیت اور مالکیت اور رازقیت وغیرہ وغیرہ قدیم اور ازلی ہے مخلوقات کو اس لیے پیدا کیا کہ اس کی صفات کمالیہ کا ظہور ہو ؎

جود محتاج گدایاں چوں گدا
آب می گوید کہ ای طالب بیا

غرض یہ کہ اِسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ سے ظاہری اور حسی معنی یعنی تخت پر بیٹھنا مراد نہیں بلکہ حکمرانی اور تدبیر سے کنایہ ہے۔ اور چونکہ عرش آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اس لیے حکمرانی سے کنایہ کے لیے استوار کے ساتھ علی العرش کا لفظ ذکر کیا۔ امام ابو الحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ استواء سے اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص فعل مراد ہے جو اس نے عرش میں کیا۔ اور صوفیائے کرامؒ یہ فرماتے ہیں کہ استوار سے اللہ تعالےٰ کی کوئی خاص تجلی مراد ہے اور امام ابو بکر بن فورکؒ کہتے ہیں کہ استوار سے علو اور رفعت کے معنی مراد ہیں اور امام بخاریؒ نے بھی اسی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ باقی اس آیت کی مفصل تفسیر سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے۔ وہاں دوبارہ دیکھ لی جائے۔ لفظ ثُمَّ کلام عرب میں متعدد معنی کے لیے آتا ہے (اوّل) تراخی رتبہ بیان کرنے کے لیے جیسے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ یعنی استقامت کا مرتبہ رَبُّنَا اللّٰه کہنے سے کہیں بڑھ کر ہے (دوم) بمعنی قبل جیسے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ معناہ قبل ذالك اِسْتَوٰی عَلَى الْعَرْشِ کیونکہ حق تعالےٰ کا یہ قول وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ اس پر دلالت کرتا ہے کہ عرش کا وجود آسمان و زمین کی پیدائش سے مقدم ہے۔ (سوم) بمعنی واؤ۔ جیسے ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ومعناہ وَمَعَ ذٰلِكَ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (چہارم) بمعنی ابتداء و استیناف جیسے اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ۔ معناہ نَحْنُ نُتْبِعُهُمْ ۔ (پنجم) بمعنی تعجب جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۃ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۔ معناہ تعجبوا منھم كَيْفَ يَكْفُرُوْنَ بِرَبِّهِمْ اور آیت ہذا یعنی ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی

---

[1] یہ قفال مروزیؒ کا قول ہے جس کا امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے اور سورۃ اعراف میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

الْعَرْشِ، میں لفظ ثُمَّ تفخیم شان کے لیے ہے یعنی عرش کا مرتبہ آسمان و زمین سے بڑھ کر ہے پس لفظ ثُمَّ اس جگہ تراخی رتبہ کے لیے ہے نہ کہ تراخی وقت کے لیے۔

(۵) اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ تمام کائنات عالم قادر مختار اور صانع کردگار کی صنعت ہیں فلاسفہ اور دھریین کہتے ہیں کہ یہ سب اقتضاء طبیعت ہے۔

جواب یہ ہے کہ اگر طبیعت کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ طبیعت سے جوشئی حاصل اور موجود ہوتی ہے وہ بقدر حاجت اور بقدر ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بقدر طاقت اور قوت ہوتی ہے۔ آگ جس چیز کو جلاتی ہے وہ اپنی قوت اور طاقت کے بمقدار جلاتی ہے نہ کہ بمقدار ضرورت و حاجت۔ عاقل اور دانا کا کام ہے کہ آگ کو بقدر ضرورت استعمال کرے۔

پانی اپنی طاقت اور قوت کے بمقدار بہے گا اور بہائے گا اور حکیم اور دانا پانی کو بقدر ضرورت اور بقدر حاجت استعمال کرے گا۔

عمارت کی بلندی پانی اور قلعی اور چونہ کی طبیعت پر موقوف نہیں بلکہ معمار کے اختیار اور اس کے تصرف پر موقوف ہے اور اس کی مصلحت کے تابع ہے اسی طرح سمجھو کہ اس سرائے فانی کی تمام عمارت اس کے بنانے والے کی قدرت اور اختیار اور اس کی حکمت اور مصلحت کے تابع ہے اس میں آسمان و زمین کی طبیعت اور مزاج کو دخل نہیں۔

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَؤُا

اسی کی طرف پھر جانا تم سب کو وعدہ ہے اللہ کا سچا۔ وہی بناتا ہے پہلے

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

پھر اس کو دہرائے گا تا بدلہ دے ان کو جو یقین لائے تھے اور

الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ

کیے تھے کام نیک انصاف سے۔ اور جو منکر ہوئے ان کو پینا ہے

مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝۴

کھولتا پانی۔ اور دکھ کی مار اس پر کہ منکر ہوتے تھے۔

حقیقتِ معاد و ذکر جزائے اعمال

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ۔ اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ جَمِیْعًا .... الیٰ .... بِمَا کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ ہ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں مَبدأ اور توحید کا ذکر تھا اب معاد اور جزاء اعمال کو ذکر کرتے ہیں جو اصول دین میں سے ایک عظیم اصل ہے۔ (یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیت میں فاعل حقیقی کی صفات کو بیان کیا اب یہ بتلاتے ہیں کہ تمہارا مرجع اور مآل اسی فاعل حقیقی کی طرف ہے جس نے تم کو ابتداءً پیدا کیا۔ پس کیا تم اس کے دلائل وحدانیت اور براہین ربوبیت میں غور نہیں کرتے۔ اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے نہ کہ کسی اور کی طرف۔ یہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا ہے اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا محال اور ناممکن ہے سو یہ تم کو مغالطہ لگا ہے بیشک وہی خدا مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر مرنے کے بعد بھی وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس دوسری زندگی کے لیے کچھ توشہ تیار کر لو یہ خدا تعالیٰ نے امکان اور ثبوتِ حشر کی دلیل بیان فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ جس خدا نے پہلی بار بغیر نمونہ اور مثال مخلوق کو پیدا کیا وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔ اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ لہٰذا اے منکرو! قیامت کے بارے میں کوئی شک نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور قیامت قائم کرنے سے خدا تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے۔ اللہ ان کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے۔ بسبب اس کے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کرتے تھے اندرونی عقائد فاسدہ کی سزا میں ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور ظاہری اعمال فاسدہ کی بنا پر ان کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔

تحقیق مسئلۂ معاد یعنی ایمان بالبعث بعد الموت

مرنے کے بعد زندہ ہونا یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جو صرف مذہبِ اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام کتب سماویہ بعث بعد الموت اور جزاء اعمال پر متفق ہیں البتہ اس کے وقوع کی کیفیت میں کچھ اختلاف ہے ہر مذہب میں حشر و نشر کی علیحدہ علیحدہ صورت بیان کی گئی مذہب اسلام یہ کہتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد ایک بار دوبارہ جسمانی طور پر زندہ ہو کر خاک سے اٹھے گا اور اپنے اعمال کے مطابق

جزا پائے گا فلاسفہ اور دہریہ تو سرے ہی سے معاد کے قائل نہیں اور ملاحدہ اور نیچریہ جس کے عقائد کی بنیاد عموماً فلسفہ اور طبیعات کے اصول پر ہے وہ ظاہراً تو معاد کا اقرار کرتے ہیں مگر جسمانی معاد کے قائل نہیں۔ روحانی معاد کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جزاء وسزا روحانی طور پر واقع ہوگی جسم مبعوث نہ ہوگا قرآن کریم نے معاد جسمانی کو اس کثرت اور صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس میں نہ انکار کی گنجائش ہے اور نہ تاویل کی گنجائش ہے۔

اکثر اہلِ عرب معاد جسمانی کو محال سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ گلی سڑی ہڈیوں کا دوبارہ زندہ ہونا ناممکن اور محال ہے۔ حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں معاد اور حشر ونشر کے امکان کو مختلف مثالوں کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔

مثال اوّل جس طرح مردہ زمین بارش سے زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح مردہ انسان بھی دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

مثال دوم جس طرح ایک قطرہ منی سے ایک سمیع وبصیر انسان کا پیدا ہونا ممکن ہے اسی طرح انسان کے متفرق اور منتشر ذرات کو جمع کرکے دوبارہ اس کو پہلی ہیئت پر پیدا کرنا بھی ممکن ہے۔

مثال سوم جو خُدا انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

مثال چہارم جو خدا زمین وآسمان کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ سات بالشت کے انسان پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں۔

مثال پنجم نیند موت کی بہن ہے پس جو خدا سُلانے کے بعد بیدار کر سکتا ہے وہ موت کے بعد بھی دوبارہ زندگی عطا کر سکتا ہے۔

(تفصیل کے لیے امام رازیؒ کی تفسیر کبیر از صفحہ ۵۴۸ ج ۴ تا صفحہ ۵۵۴ ج ۴ دیکھئے)

قفال مروزیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص احوال عالم میں غور کرے گا۔ وہ بالبداہت جان لے گا کہ یہ دنیا لوگوں کے امتحان اور آزمائش کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اور دنیا کے خالق نے لوگوں کو آزاد اور مطلق العنان نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس دنیا کو ان کے لیے دار العمل بنایا ہے پس ضروری ہے کہ خالق کی جانب سے امر بھی ہو اور نہی بھی ہو اور پھر اس دار العمل کے گزر جانے کے بعد ایک دار الجزاء بھی ہو جس میں نیکوکاروں کو ثواب اور بدکاروں کو عذاب ملے تاکہ اچھے اور بُرے میں امتیاز ہو جائے نیک اور بد میں فرق اور امتیاز عقلاً ضروری ہے پس اس دنیا کے احوال مبداء اور معاد دونوں کی صحت کے لیے دلائل اور براہین ہیں۔

(غرائب القرآن ص۵۶ ج ۱۱)

شُبہات وجوابات

فلاسفہ اور دہریہ اور مادہ پرست جو معاد جسمانی کو محال سمجھتے ہیں اور گلی سڑی ہڈیوں سے پھر

دوبارہ جسم انسانی کا زندہ ہونا ناممکن جانتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ انسان صرف مادہ کا نام نہیں بلکہ مادہ مع صورت انسان کہلاتا ہے۔ جب موت آنے سے صورت باطل ہو جاتی ہے اور اجزائے مادہ باقی رہ جاتے ہیں اور ہر جز اپنے اصلی مرکز کی طرف رجوع کرتا ہے تو اگر اس مادۂ معینہ میں دوبارہ حیات پیدا کی جائے تو وہ پہلی صورت نہ ہوگی۔ بلکہ ایک نئی صورت ہوگی۔ اور ایک نیا شخص ہوگا سو جزاء و سزا ایک نئے شخص پر عائد ہوگی نہ کہ پہلے شخص پر۔

علاوہ ازیں منکرین معاد یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ جب ایک انسان دوسرے انسان کو کھا جائے تو وہ غذا ہو کر کھانے والے کا جزو بدن ہو جاتا ہے تو بعثت کے وقت دو روحیں ایک انسان کے جسم سے کس طرح متعلق ہو سکتی ہیں۔

جواب

انسان کے جسم میں دو قسم کے اجزاء پائے جاتے ہیں ایک اجزاء اصلیہ جو انسان کی پیدائش سے اخیر تک اس کے جسم میں موجود رہتے ہیں دوم اجزائے فضلیہ یعنی وہ اجزاء جو بذریعہ غذا جزو بدن بنتے رہتے ہیں اور یہ کھایا ہوا حیوان اس کے اجزاء اصلیہ میں داخل نہیں پس اس کو اپنے اجزاء اصلیہ کے ساتھ اور اس کو اس کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ جُدا جُدا اٹھائیں گے اور دوبارہ انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر دیا جائے گا جس سے دوبارہ زندگی حاصل ہو جائے گی اور رنج اور خوشی کا احساس صرف روح اور اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوگا اور انسان دراصل روح اور اجزاء اصلیہ کا نام ہے اور انہی اجزاء اصلیہ کو پشت آدمؑ سے نکال کر عہدِ الست لیا گیا ہے اور یہی اجزاء اصلیہ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک پشت بہ پشت منتقل ہوتے آرہے ہیں اور قیامت کے دن انہی اجزاء اصلیہ کا اعادہ ہوگا اور روح کو ان کے متعلق کر دیا جائے گا۔ تو ان میں از سرِ نو حیات عود کر آئے گی اور انسان اصلی اور پہلی صورت پر عود کر آئے گا اور انسانی زندگی میں جو تغیر پیش آتے ہیں وہ اجزائے فضلیہ پر وارد ہوتے ہیں اجزاء اصلیہ اپنی حالت پر محفوظ رہتے ہیں اور موت سے اجزاء فضلیہ کی ترکیب زائل ہو جاتی ہے اور اجزاء اصلیہ بدستور محفوظ رہتے ہیں وہ کسی صورت میں زائل نہیں ہوتے اور ابتداء پیدائش سے لے کر مرنے تک جو تغیر و تبدل کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس کا تعلق صرف ہیکل انسانی کے ساتھ ہے جو اجزاء فضلیہ کا مجموعہ ہے۔

زمانہ حال کے محققین نے خوردبین کے ذریعے مشاہدہ کیا ہے کہ ایک قطرہ پانی میں کئی لاکھ حیوانات موجود ہوتے ہیں پس جب کہ ان مادہ پرستوں کے نزدیک قطرۂ آب میں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں اجرام صغیرہ تمام حیوانی لوازم کے ساتھ موجود ہو سکتے ہیں تو پھر پشت آدمؑ سے ذریت کا نکالنا کیوں بعید از عقل سمجھتے ہیں اور امام رازیؒ و عارف شعرانیؒ وغیرہم نے اس بات کی

تصریح کی ہے کہ ہم اجزاء اصلیہ سے وہ مراد لے سکتے ہیں جو آیت وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ الخ میں بموجب تفسیر نبوی مذکور ہوئے ہیں اور جن کو ذریت آدمؑ کہا گیا ہے۔

بہر حال بعث بعد الموت کا عقیدہ نہ عقل کے منافی ہے اور نہ علوم جدیدہ کے فلاسفر نے اگرچہ حشر اجسام کے محال ہونے کا دعویٰ تو کر دیا مگر آج تک اس کے محال ہونے پر کوئی عقلی دلیل نہیں پیش کر سکے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ

وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک اور چاند کو اُجالا اور

قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ

ٹھہرائیں اس کی منزلیں تو پہچانو گنتی برسوں کی اور حساب،

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ

نہیں بنایا اللہ نے یہ سب مگر تدبیر سے۔ کھولتا ہے پتے ایک لوگوں پر

یَّعْلَمُوْنَ ۝۵ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ

جن کو سمجھ ہے۔ البتہ بدلنے میں رات اور دن کے

وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ

اور جو بنایا اللہ نے آسمان و زمین میں پتے ہیں ایک

لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝۶

لوگوں کو جو ڈر رکھتے ہیں۔

ذکر دلائل قدرت مقرون بتذکیر نعمت

قال اللہ تعالیٰ۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً ... الیٰ ... لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ۝

(ربط) اوپر توحید کا ذکر تھا اب مزید دلائل قدرت کو بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ان عجائب

قدرت میں ذرا غور کرے گا تو سمجھ جائے گا کہ اس کارخانہ عالم کا کوئی صانع اور کاریگر ضرور ہے جس کی قدرت و حکمت کا اندازہ حیطۂ عقل سے باہر ہے اور یہ آیت درحقیقت گزشتہ آیت کی تفصیل ہے جس میں تخلیق سمٰوٰت والارض کا ذکر فرمایا تھا۔ مزید اتمام حجت کے لیے ان دلائل کو بیان فرمایا۔ اور یہ امور علاوہ دلائل قدرت کے اس کی بے مثال نعمتیں بھی ہیں۔ جن میں غور کرنے سے صانع کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کی محبت بھی حاصل ہوتی ہے اور دل اس صانع کی عظمت اور جلال سے پُر ہو جاتا ہے کیونکہ شمس و قمر کی روشنی اس کی عظیم نعمت بھی ہے اور اس کی عظیم قدرت کی دلیل بھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں وہ اللہ وہی ہے جس کی الوہیت اور ربوبیت اور قدرت کے دلائل تم سُن چکے ہو۔ مزید برآں یہ کہ جس نے سورج کو جگمگاتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن اور اجالا بنایا اور چاند کی چال کے لیے منزلیں مقرر کیں کَمَا قَالَ تَعَالٰی۔ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ تاکہ تم ان اجرام کے ذریعے برسوں کا شمار اور مہینوں اور دنوں اور ساعات کا حساب معلوم کرو۔ یعنی تاکہ تم کو ماہ و سال کا گزرنا معلوم ہو کیونکہ شریعت میں ماہ و سال کا مدار قمری حساب پر ہے نہ کہ شمسی حساب پر۔ غرض یہ کہ شمس و قمر کا یہ تفاوت اس کی قدرت کی نشانی ہے حالانکہ ان اجرام سماویہ کا اصل مادہ ایک ہے اور نفس مادہ ان خصوصیات اور امتیازات کو مقتضی نہیں اس لیے کہ مادہ میں نہ ادراک شعور ہے اور نہ اس میں ارادہ اور اختیار ہے اور نہ اس میں تدبیر اور تصرف ہے پس معلوم ہوا کہ ان خصوصیات کا فاعل مادہ نہیں بلکہ ان کا فاعل وہ ذات اقدس ہے جو کمال علم اور کمال قدرت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے نہیں پیدا کیا اللہ نے ان سب چیزوں کو مگر حکمت اور مصلحت کے لیے یعنی اللہ تعالٰی نے ان چیزوں کو عبث اور بیکار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ان کے پیدا کرنے سے مقصود اپنی قدرت اور وحدانیت کے دلائل کا اظہار ہے اللہ تعالٰی یہ دلائل قدرت جاننے والوں کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے تاکہ اہل علم ان سے اللہ کی وحدانیت پر استدلال کریں تحقیق رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور ظلمت اور نور کی کمی و زیادتی میں اور ان قسم قسم کی چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں البتہ نشانیاں ہیں جو موجود صانع اور اس کی وحدانیت اور کمال علم اور کمال قدرت اور کمال حکمت پر دلالت کرتی ہیں اس گروہ کے لیے جو بُرے انجام سے اور حشر کی رسوائی سے ڈرتے ہیں جن کو آخرت کا اندیشہ اور ڈر لگا ہوا ہے وہی ہماری نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور جو لوگ دنیاوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہیں وہ ہماری آیتوں سے غافل ہیں جس کا ذکر آئندہ آیت میں آرہا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ شمس و قمر اور لیل و نہار کے احوال اثبات مبدا و معاد پر دال ہیں جو شخص اس عجیب و غریب نظام عالم پر نظر ڈالے گا وہ ایک قادر حکیم کی ہستی کا سراغ لگائے گا اور سمجھ جائے گا کہ یہ عجیب و غریب اختلافات اور قسم قسم کے تغیرات کسی بے شعور مادہ کے رہین منت نہیں اور نہ یہ حکیمانہ نظام کسی

بخت و اتفاق کا نتیجہ ہے اور ان اختلافات اور تغیرات میں خدا کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو برے انجام سے ڈرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو عقل اور قدرت اس لیے عطا کی ہیں کہ عقل سے حق اور باطل کا فرق پہچانیں اور خداداد طاقت سے اعمال خیر بجا لائیں اور سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جانوروں کی طرح بے قید نہیں بنایا ہے یہ دنیا دار العمل ہے اس دار العمل سے گذرنے کے بعد ایک دار الجزاء کا آنا ضروری ہے تاکہ خیر و شر پر جزاء و سزا مرتب ہوسکے۔ اور آج کل سائنس دان جو سحر سے خدا تعالیٰ کے قائل نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا کا کارخانہ اور اس کے تمام کام مادۂ قدیمہ اور اس کے ذرات بسیط کی حرکت قدیمہ اور موجودات کی باہمی کششوں اور طبعی خواص سے چل رہا ہے اس کے علاوہ اس کے لیے کسی مدبر اور متصرف کی ضرورت نہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب مادہ میں کوئی شعور اور ادراک نہیں اور اس میں کسی قسم کی قدرت اور ارادہ نہیں ہے تو مادہ کو اور اس کے ذرات بسیط کو اپنے وجود کا بھی علم نہیں اور نہ ان کو اپنی حرکت کا علم۔ مادہ کے ذرات بسیط کی تمام حرکت اضطراری ہے۔ اختیاری نہیں تو اس جاہل اور گونگے اور بہرے اور اندھے اور اپاہج مادہ سے یہ عجیب و غریب عالم کس طرح وجود میں آگیا۔ جس کو دیکھ کر حکماء اور عقلاء حیران اور سرگرداں ہیں ان سائنس دانوں کا گمان یہ ہے کہ تمام تنوعات اور تطورات مادہ کے ذراتِ بسیط کی حرکت سے حاصل ہوتے ہیں جو خاص خاص قوانین فطرت کے مطابق جاری ہے معلوم نہیں کہ وہ کون سے قوانین فطرت ہیں جن کے ماتحت مادہ کے ذراتِ بسیط کی حرکت جاری ہے اور ان فلاسفۂ عظام کو ان قوانین فطرت کا علم کہاں سے ہوا اور کس طرح ہوا ذرا کچھ بتلائیں اور سمجھائیں تو سہی۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا
جو اُمید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور راضی ہوئے

بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ
دنیا کی زندگی پر، اور اسی پر چین پکڑا اور جو ہماری

عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ﴿٧﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا
قدرتوں سے خبر نہیں رکھتے۔ ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ بدلہ

كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
اس کا جو کماتے تھے۔ جو لوگ یقین لائے اور کیے کام نیک،

يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ

راہ دے گا ان کو رب ان کا ان کے ایمان سے۔ بہتی ہیں ان کے نیچے

فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ

نہریں باغوں میں آرام کے۔ اُن کی دعا اس جگہ یہ کہ پاک ذات تیری یا اللہ

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ

اور ملاقات ان کی، سلام۔ اور تمام ان کی دعا اس پر کہ سب خوبی

لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾

اللہ کو جو صاحب سارے جہان کا۔

بیان حال و مآل منکرین معاد و بیان نعیم اہلِ رشاد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ ... الٰی ... اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

(ربط) اوپر کی آیتوں میں مبداء اور معاد کا ذکر تھا اب ان آیات میں معاد کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا حال و مآل بیان ہوتا ہے جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں ان کی تہدید ہے اور ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے اخروی نتائج کا بیان ہے اور یہ بتلاتے ہیں کہ جو لوگ آخرت کے منکر ہیں اور حیاتِ فانیہ پر راضی اور مطمئن ہوگئے ہیں اور اس کو اپنا مقصود اور مطمح نظر سمجھ بیٹھے اور اس قدر غافل ہیں کہ دلائل قدرت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے وہ شقی اور بدبخت ہیں اور جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں اور اس کے لیے تیاری کرتے ہیں وہ سعید اور خوش نصیب ہیں ان کا عمل ان کے سامنے نور بن کے چلے گا اور جس درجہ کا ایمان ہوگا اسی درجہ کا نور ہوگا۔ ان آیات میں اولاً منکرین آخرت کا حال اور مآل بیان کیا اور پھر مصدقین آخرت کا حال اور مآل بیان کیا تاکہ خوب فرق واضح ہو جائے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ قیامت کے دن ہمارے سامنے پیش ہونے کی امید نہیں رکھتے۔ یعنی آخرت اور جزاء کے منکر ہیں اور دنیاوی زندگی پر خوش ہیں اور اس پر ان کو اطمینان قلب ہے۔ یعنی اس میں ان کا جی لگا ہوا ہے۔ اور آخرت کی طلب سے خالی ہے دنیا ہی کو منتہائے مقصود سمجھے ہوئے ہیں جس کے مقابلے میں ان کو کسی چیز کی پرواہ نہیں اور

وہ لوگ جو دنیاوی لذتوں میں اس قدر غرق ہیں کہ ہماری قدرت کی نشانیوں سے بالکل غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے۔ ظاہر میں تو آگ ہوگی ہی اور باطن میں بھی آگ ہوگی وہ یہ کہ وہاں پہنچ کر اپنی تمام مرغوب اور محبوب چیزوں سے محروم ہو جائیں گے یہ آتش فراق اور آتش حیرت اندر ہی اندر سوزاں ہوگی اور یہ آتشِ دوزخ بدلہ اور سزا ہوگی اس عمل کی جو دنیا میں کماتے تھے۔ یعنی یہ آتش دوزخ ان کے کفر اور شرک کی سزا ہوگی۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو لوگ اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائے اور جنت کے لیے انہوں نے نیک کام کیے ان کا پروردگار ان کے ایمان کے سبب ان کو جنت کی راہ دکھائے گا ان کے مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ لوگ نعمت اور عیش و عشرت کے باغوں میں ہوں گے اور نعمت کے باغوں میں ان کا عجب حال ہوگا اور وہاں ان کا قول یہ ہوگا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ اے اللہ تو پاک ہے وعدہ خلافی سے اور تمام نقائص سے یعنی جنت میں پہنچنے کے بعد ان کا شغل تسبیح و تقدیس ہوگا اور اسی میں ان کو لذت آئے گی کوئی لغو اور بیہودہ بات ان کی زبان سے نہیں نکلے گی۔ اور باہمی ملاقات کے وقت ان کی دعائے خیر سلام ہوگی۔ یعنی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو دعا سلام ہوگی۔ نیز فرشتے بھی ان کو سلام کریں گے اور سلامتی کی بشارت دیں گے اور ان کا اخیر قول یہ ہوگا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا یعنی ان کے کلام کی ابتدا تسبیح سے ہوگی۔ اور اس کا اختتام تحمید پر ہوگا یعنی اخیر میں اللہ کی حمد و شکر کریں گے۔ کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے یہ نعمتیں عطا کیں۔ حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو تسبیح و تحمید کا اہتمام ہوگا۔ اور سانس کی طرح ان کی زبان سے تسبیح و تحمید جاری ہوگی۔ اور تحمید و تسبیح سے بڑھ کر اہل جنت کو کوئی چیز لذیذ معلوم نہ ہوگی

قطعہ

ذوقِ نامش عاشق مشتاق را — از بہشت جاودانی خوشتر است
گرچہ در فردوس نعمتہائے است — وصل او از ہرچہ دانی خوشتر است

زجاجؒ کہتے ہیں کہ اہل جنت کے کلام کا آغاز تسبیح و تعظیم سے ہوگا اور اس کا اختتام خدا کے شکر اور ثناء پر ہوگا۔

(تفسیر کبیر صفحہ ۵۶۵ ج ۴)

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ

اور اگر شتاب دے اللہ لوگوں کو برائی جیسے شتاب مانگتے ہیں بھلائی،

لَقُضِیَ اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ

تو پوری کر چکے ان کی عمر۔ سو ہم چھوڑ رکھتے ہیں جن کو امید نہیں

لِقَآءَنَا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

ہماری ملاقات کی، اپنی شرارت میں بھٹکتے

منکرین نبوّت کے شبہ کا جواب

قَالَ اللہُ تعالیٰ۔ وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ... الیٰ... فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ؕ

(ربط) اس سورت کا آغاز منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات سے ہوا ہے چنانچہ منکرین نبوت کے ایک شبہ کا جواب شروع سورت میں ہو چکا ہے اب ان آیات میں ان کے ایک اور شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ کفار اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے سچے نبی ہیں تو ان کی مخالفت کرنے پر عذاب کیوں نہیں آتا اور ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برستے۔ اور ہم ہلاک کیوں نہیں کر دیئے جاتے لہٰذا حق سبحانہٗ ان کے اس شبہ کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ منکرین اور مخالفین پر فوراً عذاب نازل کرنا ہماری حکمت اور رحمت کے خلاف ہے۔ ہم جیسا لوگوں پر رحمت اور نعمت نازل کرنے میں جلدی کرتے ہیں اگر ایسے ہی ان کے ہلاک کرنے میں جلدی کریں تو کام ہی تمام ہو جائے اللہ کی حکمت اور رحمت یہی ہے کہ ان کے ہلاک کرنے میں جلدی نہ کی جائے ویسے خدا تعالیٰ کو ان کے پکڑنے پر ہر وقت قدرت ہے۔ وہ حلیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ شاید سنبھل جائیں۔ اور حق کو قبول کر لیں یہ اس کا فضل ہے کہ وہ شر کی دعا جلدی قبول نہیں کرتا نیز اس سے اہل ایمان کو ادب سکھانا ہے کہ شر کے مانگنے میں جلدی نہ کریں۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر کفار مکہ کے استعجاب کو دفع فرمایا۔ اب ان آیات میں ان کے دوسرے تعجب کو دفع کرتے ہیں وہ اس بات پر تعجب کرتے تھے کہ باوجود ہماری مخالفت کے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ جواب یہ ہے کہ وہ حلیم و کریم ہے فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔

نہ گردن کشاں را بگیرد بفور   نہ عذر آوراں را براند بجور

وربط دیگر اگزشتہ آیات یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا الخ میں ان کی غفلت اور جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ نزول عذاب کے بارے میں عجلت کے خواہاں ہیں جیسا کہ

سورہ ص میں ہے وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر برائی پہنچانے اور سختی کرنے میں جلدی کرتا ـ اور نادانوں کی خواہش کے مطابق ان کی بددعا قبول کرنے میں اور ان کی بداعمالیوں کی سزا میں جلدی کرتا ـ جیسا کہ یہ لوگ دنیاوی فوائد کے حاصل کرنے میں اور دعائے خیر کے قبول ہونے میں جلدی کرتے ہیں تو البتہ کبھی کی ان کی موت آچکی ہوتی اور سب مرچکے ہوتے اور ان کا نام ونشان بھی نہ رہتا لیکن ہمارا حلم اور ہماری حکمت جلد بازی کی مقتضی نہیں ـ پس اس لیے کہ ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے سامنے پیش ہونے کی نہ اُمید ہے اور نہ ڈر ہے. ان کو ان کے حال پر بلا عذاب کے ان کی سرکشی اور بے راہی میں چھوڑ دیتے ہیں. کہ بھٹکتے پھریں تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائے یعنی ایسے سرکشوں کو مہلت دینا اور نہ پکڑنا بطور استدراج کے ہے کہ اللہ کی حجت ان پر پوری ہوجائے اور عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس حلم اور بردباری کو دیکھ کر شرمائیں اور سنبھل جائیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حلم اور اپنے لطف و کرم سے ان نادانوں کی بددعا قبول کرنے میں جلدی نہیں کرتا اور جو لوگ بعث اور جزا و سزا کے منکر ہیں وہ عذاب نہ ہونے سے یہ نہ سمجھیں کہ وہ حق پر ہیں بلکہ یہ سمجھیں کہ یہ مہلت ان کے حق میں استدراج اور خذلان ہے اور ایک قسم کی رحمت بھی ہے کہ فوراً نہیں پکڑ لیا۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ

اور جب پہنچے انسان کو تکلیف، ہم کو پکارے پڑا ہوا

اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ

یا بیٹھا یا کھڑا، پھر جب ہم نے کھول دی اس سے

ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ

وہ تکلیف چلا گیا. گویا کبھی نہ پکارا تھا ہم کو کسی تکلیف پہنچنے

مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا

پر، اسی طرح بن پایا ہے بے لحاظ لوگوں کو جو کچھ

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

کر رہے ہیں۔

انسان کی طبعی کمزوری اور اس کی ناسپاسی اور احسان فراموشی

قال اللہ تعالیٰ ۔ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا ... الی ... مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ :

(ربط) حق تعالیٰ نے کفار پر نبی کریمؐ کی مخالفت کی وجہ سے کبھی کچھ تکلیفیں نازل کیں تاکہ متنبہ ہو جائیں اور سنبھل جائیں مگر ان کا حال یہ ہوا کہ جب مصیبت نے ان کو آپکڑا تو اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ اور اپنے بتوں کو بھول گئے بلکہ ان کو چھوڑ بیٹھے۔ مصیبت کے ایک تازیانے نے سمجھا دیا کہ شرک سراسر باطل ہے پھر خدا تعالیٰ نے جب ان کی تکلیف دور کر دی تو پھر خدا کو بالکل بھول گئے۔

اس آیت سے مقصود انسان کی بے صبری اور اس کے جزع وفزع کا حال بیان کرنا ہے کہ انسان بڑا ہی بے صبرا اور بڑا ہی ناشکرا ہے ذرا سی مصیبت میں گھبرا جاتا ہے اور ذرا سی راحت و نعمت میں اِترانے لگتا ہے اور منعم حقیقی کو بھول جاتا ہے۔

یہ آیت اگرچہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی مگر جس حالت کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے وہ اہل کفر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بہت سے مسلمان بھی اس میں مبتلا ہیں سو جاننا چاہیے کہ حالتِ ضرّاء میں صبر اور رضا بالقضاء لازم ہے اور حالتِ سرّاء میں حمد و شکر اور ثناء لازم ہے ہر حالت کے احکام الگ الگ ہیں۔

(ربط دیگر) یہ کہ گزشتہ آیت میں کفار کی بے باکی اور سرکشی کو بیان کیا تھا کہ یہ بیباک خدا تعالیٰ کی معصیت کر کے سوال کرتے ہیں کہ خدا اپنے مجرموں کو فوراً کیوں نہیں پکڑتا اب اس آیت میں یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان اپنی بے باکی سے خود عذاب طلب کرتا ہے اور زبان سے برائی مانگتا ہے مگر اتنا کمزور اور بودا ہے کہ جہاں ذرا تکلیف پہنچی گھبرا کر ہمیں پکارنا شروع کر دیا۔ ذرا ایک مصیبت آئی تو غرور کا سارا نشہ کافور ہوا۔

(ربط دیگر) یہ کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا معاملہ اور برتاؤ انسان کے ساتھ بیان کیا۔ اب اس آیت میں بتلاتے ہیں کہ انسان کا معاملہ اور برتاؤ ہمارے ساتھ کیسا ہے نیز یہ بتلانا ہے کہ ان کا استعجالِ عذاب یعنی نزولِ عذاب کی طلب، طلب کاذب تھی ذرا سی تکلیف پہنچی تو اسی وقت بارگاہ خداوندی میں عجز و زاری شروع کر دی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور انسان کا عجب حال یہ ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو کروٹ پر لیٹا ہوا یا بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا یعنی جس حالت میں بھی ہو اس تکلیف کے دور کرنے کے لیے ہم کو پکارتا ہے اور جب تک اس کی تکلیف دور نہیں ہوتی برابر ہم کو پکارتا رہتا ہے۔ پس جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ بدستور اپنے پہلے طریق کفر اور غفلت پر چل دیتا ہے گویا کہ اس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ

تکلیف اور رنج کے وقت کچھ دل نرم ہو جاتا ہے اور ہماری طرف جھک جاتا ہے اور جب تکلیف دور ہو جاتی ہے تو اپنی اسی قدیم شقاوت اور غفلت کی طرف لوٹ جاتا ہے اور جس تکلیف اور مصیبت کے وقت ہم کو پکارتا ہے وہ بھی بھول جاتا ہے۔ اسی طرح آراستہ کر دیئے گئے ہیں۔ حد سے گزرنے والوں کے لیے ان کے اعمال جو لوگ حد سے نکل گئے ان کو اپنے بُرے اعمال اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ مقصودِ آیت یہ ہے کہ کافر انسان نزولِ بلا کے وقت بے صبرا ہے اور حصولِ نعمت کے وقت ناشکرا ہے۔ تکلیف کے وقت اُسے خدا یاد آتا ہے اور راحت کے وقت خدا کو بھول جاتا ہے اور یہ اس کی بے ایمانی کی دلیل ہے اور مومن کامل وہ ہے جو کسی وقت خدا کو نہ بھولے۔ بلا اور مصیبت میں صابر رہے اور راحت و نعمت میں شاکر رہے ایک حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے بندے تو مجھے اپنی راحت میں یاد رکھ میں تجھے تیری مصیبت میں یاد رکھوں گا۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ

اور ہم کھپا چکے ہیں وہ سنگتیں تم سے پہلے جب ظالم ہو گئے اور

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ

لائے تھے اُن پاس رسول ان کے کھلی نشانیاں اور ہرگز نہ تھے ایمان لانے والے یوں ہی

نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ

سزا دیتے ہیں ہم قوم گنہگار کو۔ پھر تم کو ہم نے نائب کیا

فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

زمین میں اُن کے بعد کہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو۔

ذکر ہلاک مجرمین سابقین برائے عبرت مجرمین حاضرین

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ .... الیٰ .... لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۰

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار و مشرکین کا مستحق عذاب ہونا بیان کیا اب ان آیات میں کفارِ سابقین کا نافرمانی کے جرم میں ہلاک ہونا ذکر کرتے ہیں تاکہ حاضرین اور موجودین اور آں حضرت صلے اللہ علیہ

وسلم کے معاصرین ان سابقین کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تکذیب اور مخالفت سے باز آجائیں اور سمجھ لیں کہ اللہ کی یہ قدیم سنت ہے کہ جو لوگ انبیاء و مرسلین کے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد ان کی تکذیب پر کمربستہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے انکو آسمانی عذاب سے ہلاک کر ڈالا مگر ایک زمانہ کے بعد ہلاک کیا فوراً نہیں ہلاک کیا۔ اللہ تعالیٰ حلیم ہے پکڑنے پر جلدی نہیں کرتا اس لیے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حلم سے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے اہل مکہ ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کیا جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر اور شرک کیا اور انبیاءؑ کی تکذیب کی اور ان کی آیات بینات اور حجج واضحات کا انکار کیا اور ہم نے محض ان کے ظلم پر نہیں پکڑا بلکہ بعد اس کے کہ ان کے پاس ان کے رسول اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لے کر آئے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہوگئی اور غایت عناد کی وجہ سے وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے جس طرح ہم نے ان کو ہلاک کیا اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو سزا دیا کرتے ہیں پھر ان کے ہلاک اور برباد کرنے کے بعد زمین میں تم کو ان کا جانشین کیا اور ان کے بجائے تم کو آباد کیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔ ایمان لاتے ہو یا تکذیب کرتے ہو۔ تمہارے اعمال کے موافق ہم معاملہ کریں گے۔ عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان پچھلوں سے عبرت پکڑے اور بلاء اور قہر کے نازل ہونے سے پہلے اپنی حالت کو درست کرلے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ

اور جب پڑھیے اُن پاس آیتیں ہماری صاف، کہتے ہیں جن کو اُمید نہیں

لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ

ہم سے ملاقات کی، لے آ کوئی اور قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال، تو کہہ میرا کام نہیں

لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا

کہ اس کو بدل لوں اپنی طرف سے۔ میں تابع ہوں اسی کا جو

مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ

حکم آوے میری طرف۔ میں ڈرتا ہوں اگر بے حکمی کروں اپنے رب کی، بڑے

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ قُلْ لَّوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ

دن کی مار سے۔ تو کہہ اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا یہ تمہارے پاس اور

لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ

نہ وہ تم کو خبر کرتا اس کی، کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

کیا پھر تم نہیں بوجھتے۔ پھر کون ظالم اس سے؟ جو بنادے اللہ پر جھوٹ

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

یا جھٹلا دے اس کی آیتیں۔ بیشک بھلا نہیں ہوتا گنہ گاروں کا۔

کفّارِ عرب کی ایک ہرزہ سرائی کا جواب باصواب

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ... الیٰ... لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ۔

(ربط) اس آیت میں منکرین نبوت کے ایک تیسرے شبہ کو ذکر کرکے اس کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہ آپ جب کافروں کو آیاتِ قرآنی پڑھ کر سناتے تو اس کا اعجاز ان کے دل پر اثر کرتا اور اس کی پند و نصیحت کو پسند کرتے۔ لیکن جب شرک اور ان کی بت پرستی اور ان کی جاہلانہ رسموں کی مذمت کا ذکر آتا تو ناک منہ چڑھا کر رسول خدا سے درخواست کرتے کہ ان کو قرآن سے نکال دیجئے اور اس کے بدلے میں دوسرے مضامین بنا دیجئے جن میں بت پرستی کی مذمت اور شرک کی برائیاں نہ ہوں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے

تعنت اور عناد کی خبر دی اور ان کی اس ہرزہ سرائی اور بیہودہ بات کو ذکر کرکے اس کا جواب دیا گیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے میرا کلام نہیں۔ نبیؐ کو یہ اختیار نہیں کہ اللہ کے کلام اور اس کی وحی میں کوئی تغیر اور تبدل یا کوئی ترمیم کرسکے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ ممکن ہے ان کی یہ فرمائش بطور تمسخر اور استہزاء ہو اور ممکن ہے کہ بطریق تجربہ اور امتحان ہو کہ اگر آپ اسی کلام میں کوئی تبدیلی کردیں تو ہم جان لیں کہ آپؐ اس دعوے میں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے جھوٹے ہیں بلکہ یہ کلام آپ کا ہے آپ لوگوں کی فرمائش سے اس میں تغیر و تبدل کرسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ جواب میں یہ کہہ دیں کہ کلام میرا ساختہ و پرداختہ نہیں کہ میں اس میں کسی قسم کا کوئی ردو بدل یا ترمیم کرسکوں بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے جس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ (انتہیٰ کلامہٗ) نیز تم کو میری عادت مستمرہ صدق و امانت معلوم ہے میں نے کبھی

جھوٹ نہیں بولا اور نہ کبھی کسی امانت میں خیانت کی۔ پس میں اللہ تعالےٰ کی امانت میں کیسے تصرّف کر سکتا ہوں۔ امانت میں تغیّر و تبدّل ظلم ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور جب ان مشرکوں پر ہماری صاف اور واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ صاف اور واضح آیتوں سے مراد یہ ہے کہ ان کی حقانیت اور ان کا صدق اور ان کا اعجاز صاف ظاہر ہے تو جو لوگ ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے یا نہیں ڈرتے تو آیات توحید اور آیاتِ وعید کو سُن کر ہمارے رسولؐ سے یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لا یعنی ایسی کتاب لا جس میں حشر و نشر اور ثواب و عذاب کا ذکر اور ہمارے بتوں کی مذمت نہ ہو۔ اس قرآن کے مضامین کو بدل دے یعنی عذاب کی آیت کی جگہ رحمت کی آیت لکھ دو۔ مطلب یہ تھا کہ اس قرآن سے وعدہ اور وعید اور حلال و حرام اور شرک اور بت پرستی کی مذمت اور حشر و نشر کے مضامین نکال دو غرض یہ کہ اس قرآن کو ہماری خواہش کے موافق بنا دو۔ خدا تعالےٰ نے ان کے اس سوال کے جواب میں اپنے رسولؐ کو حکم دیا کہ آپؐ ان ضدی اور کج فہم لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میرے لیے یہ روا نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تغیّر و تبدل کر ڈالوں یہ اللہ کی وحی ہے۔ میں اس میں کوئی تصرّف نہیں کر سکتا۔ میں صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی منجانب اللہ میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے بلا کمی اور زیادتی اور بلا ترمیم و تنسیخ میں وحی کا اتباع کرتا ہوں اور اگر بالفرض والتقدیر خدانخواستہ میں وحی کا اتباع نہ کروں اور قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی کر کے خدا کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے خوفناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ نیز اے نبیؐ! آپؐ ان مشرکوں سے جو آپؐ سے قرآن کی تبدیلی کی درخواست کرتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اس قرآن کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا اور نہ خدا تعالےٰ تم کو میرے ذریعے اس کے مضامین سے آگاہ اور خبردار کرتا یعنی خدا چاہتا تو اس قرآن کو نازل نہ کرتا اور نہ مجھے تم پر پڑھنے کا حکم دیتا اور نہ تم کو میرے واسطے سے ان مضامین سے اطلاع دیتا یہ سب کچھ اس کی طرف سے ہے۔ میں اس کے حکم کا تابع ہوں پس تمہارا مجھے اس کے بدلنے کی درخواست کرنا فضول ہے۔ پس تحقیق اس سے پہلے میں تم میں ایک بڑی عمر تک رہ چکا ہوں یعنی نبوت سے پہلے چالیس برس کی عمر تمہارے ہی ساتھ گزری تم میرے حالات سے بخوبی واقف ہو کہ میں نے کسی سے نہ پڑھا لکھا اور نہ کمال حاصل کیا اور نہ کسی استاد کے پاس جا کر بیٹھا اور میرا چال چلن بھی تمہیں خوب معلوم ہے اور اس عرصۂ دراز میں تم نے میرا تجربہ کر لیا۔ کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کسی کی امانت میں خیانت کی پھر دفعۃً جو قرآن تمہارے سامنے پیش کیا جو عجیب و غریب علوم اور معارف اور اخبار ماضیہ اور آداب اور حِکَم اور مکارمِ اخلاق اور محاسن اعمال پر مشتمل ہے اور ایسا فصیح و بلیغ ہے کہ جس کی فصاحت و بلاغت نے جملہ فصحاء اور بلغاء کو عاجز کر دیا اور باوجود بار بار تحدی کے کوئی شخص اس کے مقابلہ میں ایک آیت بھی بنا کر نہ لا سکا۔ کیا پس تم سمجھتے نہیں یعنی میرا اُمّی (ناخواندہ) ہونا اور ایک بڑی عمر تک تمہارے درمیان رہنا اور اس عرصۂ دراز میں کبھی وحی اور الہام کا نام بھی نہ لینا پھر یکبارگی ایک معجز کتاب کو

تمہارے پاس لانا جس کے معارضہ سے تم عاجز ہو اور ایک آیت بھی اس کے مثل بنا کر نہیں لا سکتے حالانکہ تم فصاحت و بلاغت میں شہرۂ آفاق ہو۔ اور میں اُمی ہوں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میں دعویٰ نبوت اور رسالت اور دعوائے وحی میں صادق اور امین ہوں اور یہ قرآن میرا کلام نہیں۔ اللہ کا کلام ہے کیا تم ایسی موٹی بات کو نہیں سمجھتے۔ میرے ذاتی کلام اور قرآن میں فرق عیاں اور نمایاں ہے۔ قرآن معجزہ ہے اور میرا کلام معجزہ نہیں پس جب تم نے چالیس برس تک میرا تجربہ کر لیا کہ میں نے کسی دنیوی معاملہ میں جھوٹ نہیں بولا۔ تو چالیس برس کے بعد یک لخت خدا پر کیسے بہتان باندھ سکتا ہوں لہذا پس بتلاؤ کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا مطلب یہ ہے کہ میں تو اللہ تعالیٰ پر افترا نہیں کرتا البتہ مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور جو لوگ خدا کے لیے بیٹی اور بیٹا ٹھہراتے ہیں وہ سب خدا پر بہتان باندھتے ہیں اور خدا پر جھوٹ باندھنے والے سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اسی طرح جو شخص خدا کی آیتوں کو جھٹلائے اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم نہیں بلاشبہ جرم کرنے والے کامیاب نہ ہوں گے بلکہ عذاب ابدی میں گرفتار ہوں گے۔

فائدہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ظالموں میں مدعیانِ نبوت بھی داخل ہیں۔ جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی اور سجاح وغیرہ وغیرہ جن لوگوں نے اس زمانہ میں ان کو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ان پر روز روشن کی طرح دونوں کے خصائل و افعال میں فرق واضح ہو گیا۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَ

اور پوجتے ہیں اللہ سے نیچے جو چیز نہ برا کرے ان کا اور نہ بھلا، اور

يَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ

کہتے ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔ تو کہہ تم اللہ کو جتاتے

اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ

ہو جو اس کو معلوم نہیں کہیں آسمانوں میں نہ زمین میں وہ

سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٨﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا

پاک ہے اور بہت دور ہے اس سے جو شریک کرتے ہیں اور لوگ جو ہیں سو ایک

اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
ہی اُمت ہیں پیچھے جُدا جُدا ہوئے۔ اور اگر نہ ایک بات آ گے ہو چکتی
مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾
تیرے رب کی تو فیصلہ ہو جاتا ان میں جس بات میں پھوٹ رہے ہیں۔

ابطال شرک اور مشرکین کے ایک شبہ کا ازالہ

قال اللہ تعالیٰ۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ... الی ... فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ٥

(ربط) ان آیات میں بھی مشرکین کی جہالت اور گمراہی کا بیان ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور بے اصل ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، اگر اس چیز کا کوئی وجود ہوتا تو ضرور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہ ہو نیز اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہوگی کہ ایسی چیز کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں کہ اگر یہ ان کی عبادت کریں تو وہ ان کو کوئی نفع نہ پہنچا ئیں۔ اور اگر ان کی عبادت چھوڑ دیں تو وہ ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں اور اخیر آیت میں یہ بتلایا کہ بت پرستی ابتداء میں نہ تھی بلکہ بعد میں حادث ہوئی جس پر کوئی دلیل نہیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ یہ مشرک اللہ کے سوا ایسی حقیر چیز کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ ضرر دیتی ہے اور نہ نفع دیتی ہے یعنی اگر یہ اس کی پرستش چھوڑ دیں تو ان کو کوئی ضرر نہیں اور اگر تمام اوقات اس کی عبادت میں صرف کریں تو کوئی نفع نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ بت جن کا عاجز یا لاچار ہونا ان کے سامنے ہے اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اس لیے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں یہ ان کا خیال خام ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اے نبی! آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جس کا اللہ کو علم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ یعنی گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو بتلاتے ہو کہ اس کا شریک موجود ہے اگر کوئی اللہ کا شریک ہوتا تو اللہ کو اس کا ضرور علم ہوتا۔ مقصود یہ ہے کہ تم جھوٹے ہو وہ پاک ہے اور بلند و برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اس کا نہ کوئی ہمسر ہے اور نہ اس کی کوئی ضد ہے اور شروع میں آدمؑ کے وقت سب لوگ ایک ہی امت تھے۔ اور سب توحید اور دین اسلام پر تھے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام موحد تھے اور ان کی تمام اولاد ان کے طریقہ پر موحد تھی پھر ایک زمانہ کے بعد لوگ مختلف ہو گئے بعض توحید پر قائم رہے اور بعض اپنی کج راہی کی بنا پر

توحید سے منحرف ہوئے اور شرک اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔
مطلب یہ ہے کہ توحید اور دین اسلام قدیم ہے ہمیشہ سے چلا آتا ہے ابتداء میں تمام لوگ دین حق پر تھے۔ ایک عرصہ کے بعد لوگوں نے دین حق میں اختلاف کیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے نبیوں کو بھیجا۔ کما قال تعالیٰ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ انبیاء علیہم السلام نے دین حق اور توحید کی دعوت دی اور شرک سے ڈرایا غرض یہ کہ کسی ملت میں شرک کو جائز نہیں کہا گیا۔ انبیاء شرک سے منع کرنے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے یہ حکم ازلی جاری نہ ہو چکا ہوتا کہ یہ دنیا دار العمل ہے دار جزا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتے۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اور وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ہر امت کے لیے ایک میعاد مقرر ہے تو جس چیز کے درمیان یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں تو اس کا قطعی فیصلہ بھی اسی دنیا میں ہو چکا ہوتا یعنی دنیا میں ہی مشرکین اور مکذبین کو ہلاک کر دیتے اور اہل حق کو بچا لیتے۔ اور عذاب کے ذریعے حق اور باطل میں امتیاز ہو جاتا مگر اس نے اپنی حکمت سے فیصلہ کے لیے قیامت کا دن مقرر کیا ہے اس لیے کافروں پر دنیا میں عذاب نازل نہیں ہوتا۔ جس کو اپنی نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ہم سے اور ہمارے دین سے راضی اور خوش ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا
اور کہتے ہیں کیوں نہ اتری اس پر ایک نشانی اس کے رب سے سو تو کہہ

الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾
کہ چھپی بات اللہ ہی جانے، سو راہ دیکھو، میں تمہارے ساتھ ہوں راہ دیکھتا۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ
اور جب چکھا دیں ہم لوگوں کو مزہ اپنی مہر کا بعد ایک تکلیف کے جو ان کو

اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ
لگی تھی، اسی وقت بنانے لگیں حیلے ہماری قدرتوں میں تو کہہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا

رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾
ہے حیلہ ہمارے بھیجے ہوئے لکھتے ہیں حیلے بنانے تمہارے۔

رسالتِ محمدیہ کے متعلق مشرکین کے ایک معاندانہ سوال کا جواب

قال اللہ تعالیٰ۔ وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ... الیٰ ... يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝

(ربط) اس آیت میں منکرین نبوت کے چوتھے شبہ کو ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ مشرکین مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ جب تک آپ ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ نہ دکھائیں گے اس وقت تک ہم آپ کی نبوت کو نہ مانیں گے حالانکہ قرآن خود ایک معجزہ تھا جسے وہ دیکھ چکے تھے تو اب اس کے بعد یہ کہنا کہ فلاں قسم کا معجزہ دکھلاؤ گے۔ تو ایمان لائیں گے۔ یہ خود اس کے معاند اور ضدی ہونے کی دلیل ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیا حاصل جواب یہ ہے کہ میری نبوت کے دلائل اور براہین کا تم بار بار مشاہدہ کر چکے ہو اور میری صداقت کا نشان دیکھ چکے ہو۔ تمہاری فرمائش کے مطابق نشان دکھانا ضروری نہیں اور نہ مفید ہے اور نہ مصلحت ہے یہ دنیا دار العمل اور دار الامتحان ہے۔ مجرموں کو مہلت دینا ضروری ہے تم جیسے معاندین کا جواب صرف اتنا ہے کہ نتیجہ کا انتظار کرو کہ تمہاری اس تکذیب کا کیا نتیجہ تمہارے سامنے آتا ہے (یہ فرمانا کہ نتیجہ کا انتظار کرو یہ بھی ایک دلیل تھی) باقی معجزہ کا ظاہر کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہی جانے کہ کب ظاہر کرے۔ یہ غیب کی بات ہے مجھے اس کا علم نہیں اور کفار مکہ یہ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی جیسی ہم چاہتے ہیں کیوں نہیں نازل کی گئی۔ سو آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ تمہارا یہ سوال معاندانہ ہے تم میری صداقت کے بہت سے نشان دیکھ چکے ہو۔ باقی ایسا نشان جسے دیکھ کر لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں اس عالم شہادت میں نہیں دکھلایا جا سکتا۔ یہ امر مصلحت کے خلاف ہے باقی رہا یہ امر کہ آئندہ کیا ہو گا۔ سو کہہ دیجئے کہ غیب کی خبر صرف اللہ ہی کو ہے بس تم انتظار کرو تحقیق میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ یعنی عنقریب دیکھ لو گے کہ خدائے تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کیا فیصلہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ حق کو باطل پر غلبہ دے گا۔ میری صداقت اور میرے دین کی حقانیت تم پر ظاہر ہو جائے گی۔ شاہ عبد القادر موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ اگر کہیں کہ ہم کہاں سے جانیں کہ تمہاری بات سچ ہے فرمایا آگے دیکھو حق تعالیٰ اس دین کو روشن کرے گا اور مخالف ذلیل ہوں گے۔ اور برباد ہو جائیں گے۔ سو ویسا ہی ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے حالانکہ اصل فیصلہ کا دن دنیا میں نہیں ہے" انتہی۔ آگے یہ بیان کرتے ہیں کہ ان مشرکوں کی عادت یہ ہے کہ جب اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے ہیں تو مجبور ہو کر حق کی طرف جھکتے ہیں اور جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اپنی سابقہ شرارت کی طرف لوٹ

جانتے ہیں یہ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے اور جب ہم ان لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں بعد اس مصیبت اور تکلیف کے جو ان کو پہنچی ہے تو فوراً ہی ہماری قدرت کی نشانیوں میں حیلے بہانے شروع کر دیتے ہیں۔ کفار مکہ پر اللہ تعالیٰ نے قحط مسلط کیا جس میں وہ سات برس متواتر مبتلا رہے یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرنے لگے اور انہوں نے مرداروں کی ہڈیاں پیس کر کھائیں تو گھبرا کر حضور پر نورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ اگر یہ عذاب ہم سے اٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے ان کا قحط دور کر دیا۔ بلا کا دور ہونا تھا کہ پھر وہی شرارتیں کرنے لگے۔ بجائے اس کے کہ آپؐ کی دعا سے سات سال قحط کے دور ہونے کو خدا کی قدرت اور نعمت کا کرشمہ اور آپؐ کی نبوت وصداقت کا نشان جان کر ایمان لاتے۔ اپنی سابقہ سرکشی اور عناد کی طرف رجوع کر کے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے لگے بلکہ اس انعام الٰہی کی نسبت کواکب اور نجوم کی طرف کرنے لگے کہ یہ بارش فلاں ستارہ اور فلاں برج کی تاثیر سے ہوئی ہے۔ اے نبیؐ آپ ان مکاروں سے کہہ دیجئے کہ اللہ حیلہ اور تدبیر میں تم سے زیادہ جلدی کرنے والا ہے۔ تمہارے حیلہ اور بہانے کی خدا کی تدبیر کے سامنے کیا حقیقت ہے اور تحقیق ہمارے فرشتے یعنی کراماً کاتبین تمہارے مکر اور حیلے لکھتے رہتے ہیں تاکہ قیامت کے دن تم کو اس کی پوری سزا ملے جب تمہاری تدبیر ہمارے فرشتوں پر پوشیدہ نہیں تو ہم پر کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے مکر سے اللہ تعالیٰ کا استدراج اور امہال مراد ہے کہ مجرم کی باگ ڈھیلی چھوڑتا ہے یہاں تک کہ مجرم نشۂ غفلت میں چور ہو کر یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ کوئی عذاب نہیں آئے گا اور اس کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت ہے پس جب کفر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو غفلت اور بے خبری میں اس کو پکڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ کے مکر سے مہلت دینا اور غفلت اور بے خبری کی حالت میں یکایک پکڑ لینا مراد ہے لہٰذا عاقل کو چاہیئے کہ خدا کے حلم اور بردباری سے مغرور نہ ہو۔ معلوم نہیں کہ کب پکڑ لے۔ اب آگے دریائی سفر کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِؕ حَتّٰٓى اِذَا

وہی تم کو پھراتا ہے جنگل اور دریا میں، یہاں تک کہ جب

كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ

تم ہوئے کشتی میں اور لے کر چلیں لوگوں کو اچھی باد

طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ

سے ۔ اور خوش ہوئے اس سے آئی ان پر باد جھونکے کی

وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

اور آئی اُن پر لہر ہر جگہ سے، اور انہوں نے جان لیا کہ وہ

اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَئِنْ

گھر گئے، پکارنے لگے اللہ کو نِرے ہو کر اس کی بندگی میں۔ اگر تو

اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ

بچاوے ہم کو اس سے، تو بیشک ہم رہیں شکر گزار۔ پھر جب

اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ

بچا دیا ان کو اللہ نے اسی وقت شرارت کرنے لگے زمین میں ناحق کی!

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ

سُنو لوگو! تمہاری شرارت ہے تمہیں پر برت لو دنیا کے جیتے

الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر ہمارے پاس ہے تم کو پھرنا پھر ہم جتا دیں گے جو کچھ کہ تم کرتے تھے۔

بیان توحید مقرون بہ وعید

قال اللہ تعالیٰ۔ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ... الیٰ... فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

(ربط) اوپر توحید کا بیان تھا۔ اب پھر توحید کا مضمون بیان ہوتا ہے جو زجر اور وعید کو بھی متضمن ہے اور اثبات صانع کی دلیل بھی ہے اور یہ آیت درحقیقت گزشتہ آیت وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا کی تفسیر اور تشریح ہے جس میں ضراء کے بعد رحمت پہنچنے کی اور پھر رحمت اور نعمت ملنے کے بعد ان کے مکر فی الآیات کی مثال بیان کی گئی ہے کیونکہ مثال سے شے کی حقیقت اور کیفیت واضح ہو جاتی ہے۔

حکایت امام جعفر صادقؒ سے کسی نے سوال کیا کہ میرے لیے اثبات صانع کی کوئی دلیل

ذکر کیجئے تو فرمایا کر بتلا تو کیا پیشہ کرتا ہے اس نے کہا میں بحری تجارت کرتا ہوں۔ کشتیوں پر سامان لادتا ہوں اور لے جاتا ہوں۔ فرمایا کبھی ایسی صورت بھی پیش آئی ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی ہو اور تو ایک تختہ پر بیٹھا رہ گیا ہو اور ہر طرف سے تیز ہوائیں آرہی ہوں۔ اس نے کہا ہاں ایک مرتبہ ایسا بھی پیش آیا ہے تو امام جعفرؒ نے کہا اس وقت تو نے کیا کیا۔ اس نے کہا کہ گریہ وزاری کی اور دعا مانگی تو امام جعفرؒ نے فرمایا۔ بس تیرا خدا وہ ہے جس سے تو اس وقت دعا مانگ رہا تھا۔ (دیکھو تفسیر کبیر صفحہ ۵۷۶ ج ۴)

غرض یہ کہ گزشتہ آیات کی طرح آئندہ آیات میں بھی توحید کا مضمون مع الزام اور مع زجر و وعید کے بیان ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ وہ اللہ وہی ہے جو تم کو خشکی اور تری یعنی جنگل اور دریا میں پیدل اور سواریوں پر پھراتا ہے یعنی تم پیدل اور سواریوں پر خشکی میں اور کشتیوں اور جہازوں میں سوار ہو کر سمندروں میں پھرتے ہو تا کہ اپنی معاش پیدا کرو تم کو چاہیئے کہ اللہ کے اس احسان کا شکر ادا کرو۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں اپنی سواریوں کو یعنی تم کو لے کر موافق ہوا کے ساتھ روانہ ہوتی ہیں اور وہ کشتیوں کے سوار اس ہوا سے خوش ہوتے ہیں اور اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ گویا مقصد حاصل ہو گیا۔ ناگہاں اس حالت میں دفعۃً ان پر ایک تند و تیز ہوا آتی ہے اور ہر طرف سے موج ان پر چڑھ آتی ہے اور دریا کے تلاطم سے کشتی ڈانواں ڈول ہونے لگتی ہے اور گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم بلاؤں میں گھر گئے۔ یعنی اب کوئی دم میں کشتی ڈوبی اور وہ ہلاک ہوئے تو اس وقت اللہ کو اپنے اوپر سے بلا دفع کرنے کو پکارنے لگتے ہیں۔ در آنحالیکہ وہ خالص اللہ کی عبادت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس وقت اس میں کوئی آمیزش شرک کی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ کی رحمت سے نعمت میں رہے تو مست رہے اور جب خدا کی رحمت مُبدّل بہ زحمت ہو گئی تو اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگے۔ اس لیے کہ جانتے ہیں کہ مصیبت سے بچانے والا صرف اللہ ہے اس لیے ایسے وقت میں صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور بتوں کو بھول جاتے ہیں اور اس وقت یہ کہتے ہیں اے اللہ اگر تو نے ہم کو اس ڈوبنے کی مصیبت سے بچالیا تو ہم تیرے شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ تیری توحید پر قائم رہیں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور غرق کی مصیبت سے ان کو نجات دی تو فوراً ہی زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں اور حسب سابق کفر و شرک کرنے لگے۔ اور جو عہد انہوں نے مصیبت کے وقت اللہ سے کیا تھا اسے بھلا دیا حق تو یہ تھا کہ جب اللہ نے ان کی دعا قبول کی تو فعل شاکرین کا کرتے مگر بجائے اس کے فعل مشرکین کرنے لگے۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہے تمہاری یہ سرکشی دنیاوی زندگی کا چند روزہ فائدہ ہے آخرت میں تمہارے کچھ کام نہ آئے گی پھر اس چند روزہ زندگی کے بعد تم سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے سو اس وقت ہم تم کو تمہارے اعمال سے خبردار کریں گے۔ اور ان کے مناسب تم کو جزا دیں گے۔ اس تمام بحری سفر کی مثال کا خلاصۂ مطلب وہ ہے جو حضرت شاہ عبدالقادرؒ

فرماتے ہیں کہ "سختی کے وقت آدمی کی نظر اسباب سے اُٹھ کر صرف اللہ پر رہتی ہے جہاں سخت گھڑی گزری اور کام بن گیا۔ پھر خدا کو بھول کر اسباب پر آجاتا ہے۔ ڈرتا نہیں کہ خدا پھر ویسی ہی تکلیف اور سختی کا سبب کھڑا کر دے اسی کے ہاتھ میں سب اسباب کی باگ ہے"۔ انتہی کلامہ
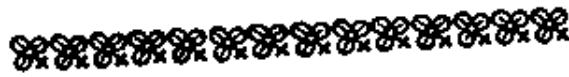
إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

دنیا کا جینا وہی کہاوت ہے جیسے ہم نے پانی اُتارا آسمان سے

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَ

پھر ایک رل نکلا اس سے سبزہ زمین کا جو کھاویں آدمی اور

الْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ

جانور ۔ یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے چمک، اور

ازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰهَآ

سنگار پر آئی اور اٹکلے (گمان کرنے لگے) زمین والے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگی پہنچا

اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ

اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو، پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر، گویا کل کو یہاں

تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

نہ تھی بستی ۔ اسی طرح ہم کھولتے ہیں پتے ان لوگوں پاس جنکو

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ

دھیان ہے ۔ اور اللہ بُلاتا ہے سلامتی کے گھر کو۔ اور دکھاتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ

جس کو چاہے راہ سیدھی ۔ جنہوں نے

أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ

کی بھلائی ، اُن کو ہے بھلائی اور بڑھتی اور نہ چڑھے گی ان کے منہ پر

قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا

سیاہی اور نہ رسوائی ۔ وہ ہیں جنت والے وہ اس ہیں رہا

خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَاۗءُ سَيِّئَةٍۢ

کریں گے ۔ اور جنہوں نے کمائیں برائیاں بدلہ برائی کا

بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

اس کے برابر، اور ان پر چڑھے گی رسوائی ۔ کوئی نہیں ان کو اللہ سے بچانے

عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ

والا ۔ جیسے ڈھانک دیا ہے ان کے منہ پر ایک اندھیرا ٹکڑا

الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

رات کا ۔ وہ ہیں آگ والے وہ اس میں

خٰلِدُوْنَ ۝

رہا کریں گے ۔

دنیا کا فنا اور زوال اور اُسکی ناپائیداری کی مثال اور ذکر جزائے اعمال

قال اللہ تعالیٰ ۔ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ... الیٰ ... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں لوگوں کی سرکشی کا بیان تھا جس کا سبب دنیا کی ظاہری زیبائش و عیش و عشرت تھا جس کی وجہ سے یہ لوگ دنیاوی زندگانی کے نشہ میں سرشار ہیں اب اس آیت میں دنیا کی ناپائیدار زندگی کی ایک لطیف مثال بیان کرتے ہیں جس میں غور کرنے سے دنیا کی بے ثباتی اور عمر کی ناپائیداری دل پہ نقش ہو جاتی ہے اور بغی اور فساد فی الارض کا جو منشا اور اصل سبب

تھا (یعنی دنیاوی عیش و عشرت) اس کی حقیقت واضح ہو جانے سے مزاج اعتدال پر آجائے گا۔

دنیا کی چند روزہ زندگی کو پانی اور مٹی سے تشبیہ دی یعنی جس طرح پانی زمین پر برستا ہے اور اس سے کھیتی پیدا ہوتی ہے اور کسان اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ اب کھیتی تیار ہوگئی ہے اور اب ہم اس سے کھائیں گے کہ ناگہاں اس پر کوئی آسمانی آفت آجاتی ہے کہیں اولے پڑ جاتے ہیں کہیں آگ لگ جاتی ہے اور وہ کھیتی نیست و نابود ہو جاتی ہے اور کسان کی اُمیدیں حسرت سے بدل جاتی ہیں۔ اور سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا اسی طرح انسان کا حال ہے کہ نطفہ مثل پانی کے ہے اور رحم مثل زمین کے ہے۔ نطفہ کے رحم میں جانے سے آدمی پیدا ہوتا ہے۔ اور بڑھتا ہے اور طرح طرح کی آرزوئیں اور خواہشیں اپنے دل میں رکھتا ہے کہ ناگہاں موت کا پیغام آجاتا ہے اور سب حسرتیں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ایسی ناپائیدار چیز کے لیے تم جاودانی عیش کو کیوں چھوڑ دیتے ہو اور نبیؐ کا اتباع کیوں نہیں کرتے کہ تم کو عیش جاودانی ملے۔ اور حسرتوں سے محفوظ ہو جاؤ۔

اور اس مثال میں ان لوگوں کا جواب بھی ہے جو حشر و نشر کے منکر ہیں اور دنیا کے زوال کی مثال بیان کرنے کے بعد جنت کی رغبت دلائی اور دار السلام کی دعوت دی جو کہ تمام بلاؤں اور آفتوں اور کدورتوں سے سالم ہے اور بتلایا کہ یہ گھر سعداء کا ٹھکانہ ہے۔ اور اس کے بعد اشقیاء کا حال اور ان کا انجام اور ان کا ٹھکانہ بیان کیا اور بتلا دیا کہ دار آخرت دار دنیا سے کہیں بہتر ہے لہٰذا اس کی فکر کرو۔ فانی اور مکدّر کے عاشق نہ بنو ان آیات میں مجرمین کے چار حال بیان کیے۔

(۱) جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا۔ (۲) تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (۳) مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ (۴) كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا

تاکہ اس حال و مآل کو معلوم کر کے دنیا کے دیوانے ہوش میں آجائیں اور اس ذلت سے بچنے کی فکر کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں جز ایں نیست کہ دنیاوی زندگی کی مثال فنا و زوال اور چند روزہ فائدہ اور ناپائیداری میں ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی کی وجہ سے مختلف قسم کا گنجان سبزہ اُگا جس میں سے بعض کو چوپائے کھاتے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی پیداوار خوب ہوئی اور خوب خوشنما تیار ہوئی۔ یہاں تک کہ جب زمین نے اپنے بناؤ سنگار کو حاصل کر لیا۔ اور خوب آراستہ اور پُر رونق ہوگئی اور دیکھنے والوں کو خوشنما معلوم ہونے لگی۔ اور اس کے مالکوں نے جان لیا کہ ہم اس کھیتی کے کاٹنے اور سمیٹنے پر پوری طرح قادر ہیں تو اس وقت یکایک اس زراعت کی ہلاکت اور بربادی کے متعلق رات میں یا دن میں ہمارا حکم آپہنچا یعنی اولا اور پالا اور آندھی وغیرہ وغیرہ آپہنچی پس ہم نے اس زراعت کو بیخ و بن سے کٹا ہوا ڈھیر کر ڈالا۔ گویا کہ کل تھی ہی نہیں۔ یعنی اس کھیتی کو ایسا نیست و نابود کر دیا کہ گویا کہ اس زمین میں ان چیزوں کا وجود ہی نہ تھا۔ اسی طرح سمجھو کہ دنیا کی زندگی بھی اسی طرح یکایک جاتی رہے گی اور تم دیکھتے اور ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں اپنی نشانیوں کو ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

تاکہ سمجھیں کہ اس دار فانی کے چند روزہ آرائش و زیبائش پر غرّہ کرنا تو ایسی ہی حماقت ہے جیسا کہ کوئی کاشتکار اور باغبان کھیتی کی سرسبزی کو دیکھ کر غرّہ کرنے لگے۔ کہ اب ہم اس پر پورے قادر اور قابو یافتہ ہو چکے ہیں اور یہ نہ سمجھے کہ یہ دار فانی محل آفات ہے کاشتکار اور باغبان اسی غرّہ میں تھا کہ یکایک بجلی گری اور سرد ہوا چلی یا آندھی آئی رات میں یا دن میں اور دم کے دم میں ساری ہری بھری اور تر و تازہ کھیتی ایسی برباد ہو گئی کہ گویا اس سے پہلے کبھی اس کا وجود ہی نہ تھا پس خوب سمجھ لو کہ یہ دار فانی محل آفات ہے اس پر بھروسہ کرنا محض حماقت ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اس مثال کو نہایت لطیف طرز میں خاص انسانی حیات پر منطبق کیا ہے۔ فرماتے ہیں یعنی پانی کی طرح روح آسمان (عالم بالا) سے آئی اور اس جسم خاکی میں مل کر اس نے قوت پکڑی دونوں کے ملنے سے آدمی بنا پھر کام کیے انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے جب ہر ہنر میں پورا ہوا اور اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہو گیا ناگہاں موت آپہنچی جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا پھر ایسا بے نام و نشان ہوا کہ گویا زمین پر آباد ہی نہ ہوا تھا۔ انتہی کلامہٗ دِللہ درّہٗ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً

اب اس دار فنا و زوال کی مثال بیان کرنے کے بعد دارِ بقاء کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لوگو تم نے اس دار فانی کے محل آفات ہونے کو سمجھ لیا اور دیکھ لیا۔ اور اللہ تم کو اس دار آفات سے ہٹا کر سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے جو ہر قسم کی آفات اور رنج و غم اور فنا و زوال سے سالم ہے اور دائم اور باقی ہے۔ اور جس میں داخل ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور فرشتوں کی طرف سے سلام ہے تم کو چاہیئے کہ اس دعوت کو قبول کرو اور اللہ ہی راہ دکھاتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف جو اس کو سیدھا دار السلام میں پہنچا دے۔ صراط مستقیم سے راہ سلام مراد ہے اور امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا طریقہ اور راستہ مراد ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صـ۳۲۹ ج ۸)

؎ خلافِ پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فائدہ جاننا چاہیئے کہ اللہ کی دعوت تو عام ہے مگر اس کی ہدایت یعنی اس کی توفیق اور عنایت خاص ہے جس کو چاہے مسندِ قبول پر بٹھائے۔

جن لوگوں نے نیکی کی یعنی ایمان لائے اور حضور پُر نورؐ کا اتباع کیا ان کے لیے آخرت کی بھلائی اور نیکی ہے یعنی بہشت اور مزید برآں خدا کا دیدار بھی ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسنیٰ سے جنت مراد ہے اور زیادۃٌ سے مراد دیدار خداوندی اور اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا بھی پروانہ ملے گا۔ جنّت اعمالِ حسنہ کی جزا میں ملے گی اور دیدارِ خداوندی محض فضل و کرم ہو گا اس لیے دیدار خداوندی کو زیادۃٌ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ علاوہ جزاء عمل کے مزید انعام ہے معتزلہ جو دیدارِ خداوندی کے منکر ہیں۔ وہ زیادت کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی

مغفرت یا اس کی رضا سے کرتے ہیں مگر یہ تفسیر تمام روایات صحیحہ کے خلاف ہے بے شمار اخبار اور آثار سے یہ امر ثابت ہے کہ آیت میں زیادتی سے مراد دیدار خداوندی ہے اور قیامت کے دن ان محسنین کے چہرے سپید اور روشن ہوں گے ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ رسوائی۔ یہ لوگ اہل جنت ہیں۔ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں یعنی کفر و شرک کیا ان کی برائی کی جزا مثل ان کی برائی کے ہے اس پر زیادتی نہ ہوگی بخلاف نیکی کے کہ اس کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے۔ سزا میں اضافہ عدل و انصاف کے خلاف ہے اور انعام میں اضافہ جود و کرم ہے۔ اور ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ ان کے چہروں کی ذلت اور کدورت کی حالت یہ ہوگی کہ گویا کہ ان کے چہروں پر تاریک رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے گئے ہیں یعنی ان کے چہرے رات کی طرح کالے سیاہ ہوں گے۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔ کبھی ان کو عذاب سے رہائی نہ ہوگی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ

اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو پھر کہیں گے شریک

أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا

والوں کو، کھڑے ہو اپنی اپنی جگہ تم اور تمہارے شریک۔ پھر توڑا دیں گے

بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿۲۸﴾

آپس میں ان کو اور کہیں گے ان کے شریک، تم ہم کو بندگی نہ کرتے تھے۔

فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ

سو اللہ بس ہے شاہد ہمارے تمہارے بیچ میں ہم تمہاری بندگی کی

عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا

خبر نہیں رکھتے۔ وہاں جانچ لے گا ہر کوئی جو آگے

أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ

بھیجا اور رجوع ہوں گے اللہ کی طرف جو سچا صاحب ہے ان کا اور گم ہو جاوے گا

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ان پاس سے جو جھوٹ باندھتے تھے۔

میدانِ حشر میں کافروں کی ذِلّت اور رسوائی کا بیان

قَالَ اللہ تعالیٰ۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ... الیٰ ... وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں اہلِ ایمان کے درجات اُخروی اور نعیم ابدی اور کافروں کی ذلّت اور رسوائی کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں بھی کافروں کی ایک اور ذلّت اور رسوائی کا بیان ہے وہ یہ کہ قیامت کے دن عابد اور معبود۔ دونوں ہی کا حشر ہوگا اور بعدازاں وہ معبود جنکی یہ مشرکین دنیا میں پرستش کرتے تھے اور جن کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے۔ قیامت کے دن۔ یہ معبودین اپنے عابدین سے بری اور بیزار ہو جائیں گے کہ تم لوگ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے ہمیں تو تمہاری پرستش کی خبر بھی نہیں جیساکہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا۔ وَقَالَ اللہ تعالیٰ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۔ جن کی شفاعت پر اُمید لگائے بیٹھے تھے ایسے نازک وقت میں ان کی براءت اور بیزاری موجب حسرت بھی ہوگی۔ اور موجب ذِلّت بھی ہوگی۔ سو اس آیت میں ان کی اس حسرت اور اس ذلّت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ذرا اس دن سے جب ہم سب کو یعنی سب عابدوں اور سب معبودوں کو میدان حشر میں جمع کریں گے۔ پھر منجملہ خلائق کے مشرکین سے یہ کہیں گے کہ تم اور تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک یعنی معبود اپنی جگہ قائم رہو۔ یعنی تم اور تمہارے شریک جن کو تم نے ہماری جگہ پوجا ہے یعنی بُت اپنی جگہ ٹھہرو اور دیکھو کہ تمہارے ساتھ ہم کیا کرتے ہیں پھر ہم ان کا ان عابدوں اور معبودوں میں تفرقہ ڈالیں گے یعنی ان کے درمیان جدائی ڈالیں گے اور باہمی رشتہ اتحاد و الفت قطع کر دیں گے جو ان کے درمیان دنیا میں تھا اور کافروں سے پوچھیں گے کہ تم نے ان کی پرستش کیوں کی کافر کہیں گے کہ ان بتوں نے ہم کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا حق تعالیٰ ان بتوں کو گویائی عطا کرے گا اور ان سے ان کی عبادت کے متعلق سوال کرے گا۔ اور وہ شرکاء یعنی وہ بت جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے تھے جواب میں یہ کہیں گے کہ تم دنیا میں ہم کو نہیں پُوجتے تھے۔ بلکہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے۔ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ہم کو تمہارے پُوجنے کی خبر بھی نہ تھی عابدوں اور معبودوں میں جھگڑا شروع ہو جائے گا۔ کافر کہیں گے ایسا نہیں بلکہ تم نے ہمیں اپنی پرستش کا حکم دیا تھا پس بت اس وقت

جواب میں کہیں گے۔ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں کافی گواہ ہے۔ یقیناً ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے اگر شرکاء سے بت مراد ہوں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو گویائی عطا کردے گا اور اگر شرکاء سے صالحین مراد ہوں جن کی صورت پر انہوں نے بُت بنا رکھے تھے تو وہ صالحین قیامت کے دن ان کی عبادت سے منکر ہوں گے اور ان سے اپنی بیزاری ظاہر کریں گے اس مقام پر ہر شخص آزما لے گا اپنے گزشتہ کارنامہ کو یعنی اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا عمل از قسم خیر تھا یا از قسم شر اس کا نفع اور ضرر اس کے سامنے آجائے گا۔ پھر یہ لوگ مالک حقیقی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔ اور وہ ان کو ان کے عمل کے موافق جزا دے گا اور ان کا سارا افترا گم ہو جائے گا۔ یعنی اس وقت یہ ظاہر ہو جائے گا کہ بت پرستوں کا یہ دعویٰ سراسر افتراء اور بہتان تھا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ

تو پوچھ کہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے ؟ یا کون

يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے جیتا مُردے

الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ

سے ؟ اور نکالتا ہے مردہ جیتے سے ؟ اور کون

يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا

تدبیر کرتا ہے کام کی، سو کہیں گے اللہ! تو تُو کہہ پھر تم

تَتَّقُوْنَ ﴿٣١﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ

ڈرتے نہیں۔ سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾

پھر کیا رہا سچ پیچھے مگر بھٹکنا ؟ سو کہاں سے پھرے جاتے ہو!

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا

اسی طرح ٹھیک آئی بات تیرے رب کی ان بے حکموں پر،

اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ

کہ یقین نہ لادیں گے۔ پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو

يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

پہلے بناوے پھر اس کو دہراوے تو کہہ اللہ پہلے بناتا ہے پھر

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ

اس کو دہراتا ہے۔ سو کہاں سے اُلٹ جاتے ہو۔ پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں

مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ

میں جو راہ بتادے صحیح، تو کہہ اللہ راہ بتاتا ہے صحیح،

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا

اب جو کوئی راہ بتادے صحیح، اس کو چاہیے ماننا یا جو آپ نہ

يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

پاوے راہ مگر جب کوئی بتاوے۔ سو کیا ہوا ہے تم کو؟ کیسا انصاف کرتے ہو!

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ

اور وہ اکثر چلتے ہیں اٹکل پر۔ اٹکل کام نہیں کرتی صحیح بات

مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

میں کچھ۔ اللہ کو معلوم ہے جو کام کرتے ہیں۔

احقاق توحید و ابطال شرک

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ الیٰ۔۔۔ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ٥

(ربط) گزشتہ آیات میں بھی دلائل قاطعہ کے ساتھ اثبات توحید اور ابطال شرک کا بیان تھا۔

اب ان آیات میں پھر یہی ابطال شرک کا مضمون اس طرح بیان ہوتا ہے کہ منکر کو سوائے اعتراف اور اقرار کے کوئی چارہ نہ رہے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے بطلان شرک پر دلیل یہ بیان فرمائی کہ قابل پرستش اور لائق عبادت وہ ذات ہے جس میں یہ اوصاف پائے جاتے ہوں۔ اور کافر بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ کہ یہ اوصاف بجز وحدہٗ لاشریک لہٗ کے کسی اور میں نہیں پائے جاتے تو پھر کیوں دوسروں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اس مقام پر الوہیت کے چار خواص ذکر کیے جن کو بت پرست بھی اللہ کیلئے مخصوص مانتے ہیں۔

۱۔ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۔ یعنی آسمان اور زمین سے مخلوق کو روزی دینا۔

۲۔ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ ۔ یعنی حاسۂ سمع و بصر کا مالک ہونا جس کو چاہا شنوا اور بینا بنایا اور جس کو چاہا بہرا اور نابینا بنایا۔

۳۔ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۔ یعنی مردہ سے زندہ کو پیدا کرنا اور اس کے برعکس یعنی موت اور حیات کا اس کے اختیار میں ہونا۔

۴۔ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۔ یعنی تدبیر عالم علوی و سفلی ۔ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے اور اس کے علاوہ اور بھی الوہیت کے خواص مختصرہ کا بیان فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ قابل پرستش وہ ذات ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں کہ وہ رزق کا۔ اور موت اور حیات یعنی وجود اور عدم کا اور تدبیر و تصرف کا۔ اور مبداء اور معاد اور ہدایت اور ارشاد کا مالک ہو ان دلائل کو بصورت استفہام و سوال پیش کیا اور جواب ان کے سپرد کیا تا کہ حجت اور الزام مکمل ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

دلیلِ اوّل

اے نبی آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے یعنی آسمان سے کون مینہ برساتا ہے اور زمین سے کون اناج اور درخت اگاتا ہے جس پر تمہاری روزی کا دارومدار ہے مطلب یہ ہے کہ بتلاؤ کہ تمہارا رازق کون ہے۔

دلیلِ دوم

اور پوچھئے کہ وہ کون ہے کہ جو تمہاری شنوائی اور بینائی کا مالک ہے یعنی کون ہے جس نے تم کو سماعت اور بصارت عطا کی۔ بتلاؤ تو سہی کہ سننے کو کان اور دیکھنے کو آنکھیں کس نے دی ہیں اور کون ان کا محافظ ہے۔

دلیل سوم

اور وہ کون ہے کہ جو زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے۔ اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ جس کی صدہا مثالیں ہیں انسان جاندار ہے اور نطفہ بے جان ہے اللہ نطفہ سے انسان نکالتا ہے اور انسان میں سے نطفہ۔ پرندہ جاندار ہے اور انڈہ بے جان۔ اللہ پرندہ میں سے انڈہ نکالتا ہے اور انڈے میں سے پرندہ۔ مؤمن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے۔ اللہ مؤمن سے کافر کو نکالتا ہے اور کافر سے مؤمن کو نکالتا ہے۔

دلیل چہارم

اور بتلاؤ کہ کون ہے جو آسمان اور زمین کی تدبیر کرتا ہے اور سارے عالم کا انتظام کرتا ہے پس کافران سوالات مذکورہ کے جواب میں مجبور ہو کر یہی کہیں گے کہ ایسی صفتوں والا تو اللہ ہی ہے کیونکہ اس میں انکار اور مکابرہ کی گنجائش نہیں اور عالم کے اس نظام محکم کو دہر یا مادہ کی طرف منسوب کرنا محض حماقت ہے بس ان کا یہ اقرار دلیل ہے اس بات پر کہ بت پرستی کا طریقہ باطل ہے پس اے نبی! آپ ان سے کہیے کہ جب تم یہ اقرار کر چکے کہ ایسی صفتوں والا صرف اللہ ہے تو پھر تم خدا کے قہر و عذاب سے ڈرتے کیوں نہیں پس خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی تمہارا حقیقی پروردگار ہے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئیں۔ وہ مستحق عبادت ہے۔ بت جو کسی چیز پر بھی قدرت نہیں رکھتے وہ مستحق عبادت نہیں ہو سکتے پس اس صریح اور واضح حق کے بعد سوائے گمراہی کے کیا رہا۔ پھر تم حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کہاں پھرے جا رہے ہو یعنی جب کہ تم نے خدا کی ہستی اور اس کے مالک اور قادر اور نافع اور ضار ہونے کا اقرار کر لیا تو پھر وہ کیا چیز ہے جو تم کو حق سے باطل کی طرف مائل اور منحرف کر رہی ہے۔ اسی طرح تیرے پروردگار کی قضا ایسے بدکاروں پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کہ جو دائرۂ اصلاح سے نکل گیا اور اس نے تمرد اختیار کر لیا وہ کہاں سے ایمان لائے گا۔ یعنی اللہ کو ان کے عناد کا پہلے ہی سے علم تھا اس نے ان کی قسمت میں لکھ دیا تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ خدا کا نوشتہ ان کے حق میں پورا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی وحدانیت کے انکار کی کوئی وجہ تو ہے نہیں اس پر اگر کوئی ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ ان کی تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا۔

دلیل دیگر (۵)

اب پھر اس مدعا یعنی ابطال شرک کی ایک اور دلیل بیان کرتے ہیں جس میں مشرکین کی غایت تقبیح اور غایت تفضیح ہے۔ اے نبی آپ ان مشرکین سے پوچھیے کہ بھلا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں

میں سے جن کو تم شریک خدائی سمجھتے ہو کوئی ایسا بھی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرے پھر وہی مرنے کے بعد اس کو پہلی صورت پر دوبارہ پیدا کرے اور ظاہر ہے کہ ان شرکاء میں سے کوئی بھی یہ قدرت نہیں رکھتا۔ پس اگر وہ اپنی عار اور شرکا کی توہین کی وجہ سے اس سوال کا جواب دینے میں تامل کریں تو آپ یہ کہہ دیجئے کہ تم ان دلائل قاطعہ کے ہوتے ہوئے کہاں راہِ حق سے بھٹکے جا رہے ہو مطلب یہ ہے کہ جن کو تم شریکِ خدائی ٹھہراتے ہو نہ وہ کسی کو پیدا کر سکتے ہیں بلکہ یہ وصف سوائے ذات خداوندی کے کسی میں نہیں پایا جاتا پھر کسی اور کی کیوں عبادت کرتے ہو۔ اس سوال کا جواب ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ ایسا بدیہی امر ہے کہ کسی کو اس میں انکار کی مجال نہیں اور چونکہ مشرکین معاد اور حشر کے منکر ہیں اس لیے وہ اس کا جواب نہیں دیں گے کہ کہیں اقرار کرکے پکڑ میں نہ آجائیں۔ پس ثابت ہوا کہ معبود حقیقی وہ ہے جو مبدئ اور معید ہو اور اس سوال سے مقصود ان کی جہالت اور حماقت کو ظاہر کرنا ہے۔ اور یہ دلیل جس طرح اثباتِ وحدانیت کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح اثباتِ معاد کے لیے بھی کافی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جب خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور بتوں کا عجز تم پر ظاہر ہوگیا تو پھر تعجب ہے کہ تم جان بوجھ کر خدائے قادر کی عبادت سے منہ موڑتے ہو اور عاجز بتوں کو پوجتے ہو۔

(۶) دلیل دیگر بر ابطال شرک

اے نبی! آپ ان سے یہ بھی پوچھیے کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دکھائے اور حق اور باطل کے فرق کو بتلا سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے معبودوں میں کوئی بھی ایسا نہیں کیونکہ بت تو بینائی اور شنوائی اور گویائی سب سے کورے ہیں تو پھر آپ ان سے یہ کہیئے کہ اللہ ہی لوگوں کو حق کا راستہ دکھاتا ہے اب آپ ان سے یہ سوال کیجئے کیا وہ شخص جو دوسروں کو حق کا راستہ دکھاتا ہو وہ پیروی کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے یا وہ شخص کہ جس کو بغیر کسی کی رہنمائی کے خود بھی راستہ دکھائی نہ دیتا ہو یعنی اللہ جو حق کی راہ دکھاتا ہے اور دلائل اور براہین سے حق اور باطل کے فرق کو تم پر واضح کرتا ہے وہی اتباع اور اطاعت کا زیادہ مستحق ہے۔ بت نہیں ہیں جو دوسروں کو ہدایت کرنا تو کجا ان کا حال تو یہ ہے کہ بغیر دوسرے کے بتلائے راہ نہیں پا سکتے۔ بتوں کو راہ دکھلانے کے معنیٰ یہ ہیں کہ لوگ ان کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ اور اگر بت بہت بھاری اور وزنی ہو تو چوپایہ پر باندھ کر اور لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ بُت ایسے عاجز ہیں کہ جب بھی کوئی ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کرے تو خود نقل وحرکت نہیں کر سکتے۔ پس تم کو کیا ہوگیا کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہو۔ فیصلہ سے مراد ان کا یہ اعتقاد کہ بت اللہ کے شریک اور مستحق عبادت ہیں ان آیات قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ الخ میں بھی اسی سابق مدعا یعنی ابطال شرک کی ایک دلیل کو بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو تمہارے

شرکاء کسی کو ہدایت نہیں کرسکتے یعنی دینی اور دنیوی منافع کی کسی کو تعلیم نہیں دے سکتے اور نہ کسی کو مضرت سے بچنے کی تدبیر بتا سکتے ہیں بلکہ یہ وصف اللہ ہی کی ذات میں پایا جاتا ہے پھر تم اسے چھوڑ کر دوسرے کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ غرض یہ کہ اس تمام کلام سے مشرکین پر رد کرنا اور ان پر حجت قائم کرنا ہے۔ جس نے ان باتوں کا اقرار کر لیا۔ اس پر الزام ظاہر ہے اور جس نے ازرا وعناد اقرار نہ کیا تو اس پر بالبداہت حجت قائم ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۳۳۵ جلد ۸)

خاتمۂ کلام

یہاں تک ابطال شرک پر ایسے دلائل قائم فرمائے کہ جن کے جواب سے مشرکین بھی عاجز تھے۔ اب اخیر میں یہ بتلاتے ہیں کہ تم نے جو عقیدہ بنا رکھا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں محض تمہارا گمان اور خیال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اکثر ان میں سے صرف اٹکل پر چل رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بے دلیل حق کو جھٹلا رہے ہیں اور بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔ تحقیق بے دلیل گمان اور خیال علم حق اور اعتقاد حق کے مقابلہ میں ذرہ برابر کار آمد نہیں ان کا یہ گمان کہ یہ بت ہماری شفاعت کریں گے انہیں عذاب حق سے نہیں بچا سکے گا۔ تحقیق اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں ان کے جھوٹے دعوے اور بے دلیل اپنے گمان کی پیروی اور ان کی بدکرداریاں خدا سے مخفی نہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور وہ نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنا لے اللہ کے سوا،

وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ
اور لیکن سچا کرتا ہے اگلے کلام کو اور بیان

الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
کتاب کا جس میں شبہ نہیں جہان کے صاحب سے۔ کیا لوگ کہتے ہیں

افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ
یہ بنا لایا۔ تو کہہ تم لے آؤ ایک سورۃ ایسی اور پکارو جس کو

اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾

پکار سکو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ

کوئی نہیں! پر جھٹلانے لگے ہیں جس کے سمجھنے پر قابو نہ پایا، اور ابھی آئی نہیں اس

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

کی حقیقت۔ یوں ہی جھٹلاتے رہے اُن سے اگلے سو دیکھ لے کیسا ہوا آخر

عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ

گنہگاروں کا۔ اور کوئی ان میں یقین کرے گا اسکو اور کوئی

مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ ع

یقین نہ کرے گا۔ اور تیرے رب کو خوب معلوم ہیں شرارت والے۔

بیان اعجاز قرآن برائے اثبات نبوت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ..الیٰ۔ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۔

(ربط) ان آیات میں قرآن کریم کے اعجاز کا بیان ہے۔ اور مشرکین کے ایک شبہ اور تعجب کو رفع کرنا ہے، جو اُن کو قرآن کے کلام خداوندی اور اس کے من جانب اللہ ہونے پر تھا۔ مشرکین قرآن کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے تھے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سمجھتے تھے ان کا یہ اعتقاد تھا کہ یہ قرآن آپؐ کا بنایا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے وہ یہ کہتے تھے کہ اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ حق جل شانہ نے ان آیات میں یہ بتایا کہ یہ قرآن۔ غیر خدا کی بنائی ہوئی کتاب نہیں یہ تو اللہ رب العلمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے یہ خدا کا کلام ہے بشر کا کلام نہیں اور یہ کتاب معجزہ ہے اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کر یہ کسی بشر کی بنائی ہوئی ہے تو تم بھی اس کے مثل بنا سکتے ہو اس کی مثل بنا کر لاؤ اور دکھلاؤ آپؐ نے اتنا بڑا قرآن بنا لیا تم ایک سورت ہی بنا لاؤ اور علاوہ اعجاز کے یہ کتاب۔ کتب سابقہ کی مصدق ہے۔ انبیاء سابقینؑ کے واقعات کو صحیح صحیح بیان کرتی ہے اور حلال وحرام کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ جہاں عقل بشری کی رسائی نہیں۔

غرض یہ کہ (۱) یہ قرآن گزشتہ کتابوں کی تصدیق ہے۔ (۲) اور علوم ہدایت کی تفصیل (۳) اس کا رب العالمین کی طرف سے ہونا بدیہی ہے۔ جس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اور تمہارا یہ دعویٰ کہ یہ کتاب آپ کی بنائی ہوئی ہے کسی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ ضد اور عناد پر مبنی ہے بعد ازاں حق تعالیٰ نے ان آیات میں یہ بتلایا کہ اس قرآن کے سننے کے بعد لوگ دو قسم کے ہوں گے بعض اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعض اپنے کفر پر قائم رہیں گے۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں یہ فرمایا تھا فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔ تم کہاں بہکے جارہے ہو اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ قرآن تمہاری ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے اس کی طرف آؤ جو تمہیں حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اور بتوں کو چھوڑو۔ کہ جو تمہیں حق کی راہ تو درکنار کوئی راہ بھی نہیں دکھا سکتے۔ بہرحال مقصود اثبات نبوت ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اس قرآن کی پیروی اور اس کا اتباع کسی ظن اور گمان کا اتباع نہیں کیونکہ یہ قرآن جس کا اعجاز روز روشن کی طرح نمایاں ہے۔ ایسا نہیں کہ اس کو اللہ کے سوا کوئی اور بنا سکے یعنی کسی بشر کی مجال نہیں کہ ایسا کلام معرفت التیام بنا سکے۔ لیکن یہ قرآن تصدیق ہے ان آسمانی کتابوں کی جو اس سے پہلے اتری ہیں جس سے اس کا مُنَزَّل من اللہ ہونا ظاہر ہے اور تفصیل ہے ان احکام الٰہیہ کی جو اللہ نے بندوں پر لکھے ہیں۔ یعنی جن کی تعلیم بندوں پر لازم کی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب شریعت الٰہیہ کی تفصیل ہے۔ جس میں ذرہ برابر شک نہیں رب العالمین کی طرف سے یہ نازل ہوئی ہے مگر باوجود اس کے کافر اس میں شک کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو بنا لیا ہے۔ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر بات یہ ہے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ جو فصاحت اور بلاغت اور علوم ہدایت میں اس کے مثل ہو اور پکارو مدد کے لیے جس کو تم اللہ کے سوا بلا سکتے ہو۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے اگر تم سچے دل سے یہ عقیدہ رکھتے ہو اور ہٹ دھرمی نہیں کرتے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔ لیکن کافر ایک سورت بلکہ ایک آیت بھی نہ لاسکے بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ جس چیز کو وہ سمجھے نہیں اس کی تکذیب میں جلدی کر بیٹھے حالانکہ ابھی تک ان کے پاس اس کی حقیقت نہیں آئی یعنی ان کو چاہئے تھا کہ قرآن نے جو خبریں دی ہیں ان کے ظہور کا انتظار کرتے جب وہ خبریں اپنے وقت مقرر د معین پر واقع ہوتیں تو خود ان کی صداقت ظاہر ہو جاتی مگر انہوں نے ان کے جھٹلانے میں جلدی کی اور اپنے انجام کا انتظار نہ کیا سو جب قرآن کے وعدے وعید پورے ہوں گے اس وقت انہیں اپنی تکذیب کی حقیقت معلوم ہوگی ان لوگوں نے قرآن کی عظمت و شان کو اور اس کی دلیل اور برہان کو سمجھا نہیں اور اس کے علم تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ قرآن کو سنتے ہی بجائے اس کے کہ اس کے معانی اور علوم کو سمجھیں اس کو جھٹلانے لگے۔

غرض یہ کہ انہوں نے قرآن کے علوم اور دلائل و براہین میں غور و فکر سے کام نہ لیا اور بے سوچے سمجھے جلدی سے اس کو جھٹلا دیا۔ اسی طرح بے سوچے سمجھے ان لوگوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں. پس دیکھ لو ان ظالموں اور تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا پس تم کو چاہئے کہ ان کے انجام سے عبرت پکڑو اور جب زمانہ آئندہ میں قرآن کی تاویل اپنے وقت مقررہ پر آ دے گی. اور اس کی خبر کا مصداق ہوگا تو اس وقت ان مکذبین میں سے بعض تو ایمان لے آئیں گے اور بعض پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اپنے کفر پر مصر رہیں گے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوگا. اور تیرا پروردگار ان مفسدین کے فتنہ و فساد اور شرارت اور عناد سے خوب واقف ہے ان کو ان کے فعل بد کی سزا دے گا۔

فائدہ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ کے بارہ میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ مضارع بمعنی حال ہے یا بمعنی استقبال ہے ہم نے جو تفسیر کی وہ معنیٰ استقبال لے کر کی اور اگر مضارع بمعنی حال لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل مکہ میں سے فی الحال بعض تو ایسے ہیں کہ جو دل سے اس قرآن کی تصدیق کرتے ہیں اور دل سے جانتے ہیں کہ یہ قرآن حق ہے مگر عداوت کی وجہ سے تصدیق ظاہر نہیں کرتے اور بعض وہ ہیں کہ جو اس کی تصدیق نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے اپنی جہالت سے اس میں غور نہیں کیا۔

اور تیرا پروردگار ان معاندین کو خوب جانتا ہے جو تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں.

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ

اور اگر تجھ کو جھٹلاویں تو کہہ مجھ کو میرا کام کرنا ہے اور تم کو تمہارا کام. تم پر

بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ

ذمہ نہیں میرے کام کا اور مجھ پر ذمہ نہیں جو تم کرتے ہو. اور

مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ

بعضے ان میں کان رکھتے ہیں تیری طرف - کیا تو سنا دے گا بہروں کو

وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ

اگرچہ بوجھ نہ رکھتے ہوں - اور بعضے ان میں نگاہ کرتے ہیں تیری طرف

اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا تو راہ دکھا دے گا اندھوں کو ؟ اگرچہ سوجھ نہ رکھتے ہوں -

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ

اللہ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر کچھ، اور لیکن لوگ اپنے

أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۴۴﴾

پر آپ ظلم کرتے ہیں۔

تسلیۂ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وحکم اعراض از معاندین ومجادلین

قال اللہ تعالیٰ۔ وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ... الی... أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار کی تکذیب کا ذکر تھا جس کا مناظرانہ جواب دے دیا گیا۔ اب اس آیت میں ان کے عناد اور اصرار علی التکذیب کو ذکر کرکے معرضانہ جواب دیا جاتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کیونکہ جب طبیب مشفق کسی بیمار کو دیکھتا ہے کہ وہ قابل علاج نہیں رہا تو اس سے ناامید ہو جاتا ہے اور اس ناامیدی اور اعراض سے اس طبیب مشفق کو راحت ملتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر حجت قائم ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں یعنی اپنی تکذیب پر اڑے رہے اور آپ ان کے قبول سے ناامید ہو جائیں تو آخری بات آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میری قدرت میں جس قدر سمجھانا تھا وہ سمجھا چکا اب بھی اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے۔ تم میرے عمل سے بری الذمہ ہو اور میں تمہارے عمل سے بری الذمہ ہوں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو بظاہر تیری طرف کان لگاتے ہیں۔ اور توجہ سے آپ کی باتوں کو سنتے ہیں لیکن چونکہ ان کے سینوں میں آپ کی عداوت بھری ہوئی ہے اس لیے ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہے گویا کہ یہ لوگ درحقیقت بہرے ہیں پس بھلا کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یعنی آپ اس پر قادر نہیں اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں۔ یعنی بہرے پن کے ساتھ بے عقلی بھی مل گئی ہے اگر سمجھ ہو تو بہرا بھی آنکل سے کچھ سمجھ لیتا ہے پس جب کہ سماعت اور عقل دونوں ہی گم ہوں تو تنہا بہرے کر بے عقل بہرا کیسے سمجھے گا اور اسی طرح بعض ان میں ایسے ہیں کہ جو بظاہر آپ کی طرف یعنی آپ کے شمائل و فضائل اور معجزات اور کمالات کو نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہیں۔ ظاہر میں آنکھیں ہیں مگر دل کے اندھے ہیں بصارت موجود ہے اور بصیرت مفقود ہے اس لیے باوجود بینا ہونے کے مثل اندھوں کے ہیں تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اگرچہ ان میں بصیرت نہ ہو۔ یعنی یہ لوگ درحقیقت بصارت اور بصیرت دونوں ہی سے محروم ہیں۔ ہاں اگر اندھا صاحب بصیرت

ہو تو چشمِ دل سے کچھ سمجھ سکتا ہے۔ مگر جب اندھا بھی ہو اور احمق بھی تو اس کو کس طرح راہ دکھائی جا سکتی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اے نبیؐ! ان کی ہدایت سے نا اُمید ہو جائیے۔ اور ان کی گمراہی پر تأسف نہ فرمائیے۔ یہ کمبخت اب اس قابل ہی نہیں رہے کہ آپ کی ہدایت ان پر کچھ اثر کرے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ بھی دی اور دل بھی دیا اور قبولِ حق کی صلاحیت اور قابلیت بھی دی۔ لیکن انہوں نے اس کو ضائع کر دیا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوٓا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ

اور جس دن ان کو جمع کرے گا، گویا نہ رہے تھے مگر کوئی گھڑی دن آپس میں

النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا

پہچانیں گے بیشک خراب ہوئے جنہوں نے جھٹلایا اللہ کا ملنا

بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿٤٥﴾ وَإِمَّا

اور نہ آئے راہ پر، اور اگر ہم

نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ

دکھادیں گے تجھ کو، کوئی ان وعدوں میں سے جو دیتے ہیں انکو یا پوری

فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾

کردیں گے تیری عمر سو ہماری طرف ہے ان کو پھر آنا پھر اللہ شاہد ہے

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ

ان کاموں پہ جو کرتے ہیں اور ہر فرقے کا ایک رسول ہے پھر جب پہنچا ان پر رسول ان کا فیصلہ ہوا

بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا

ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہیں ہوتا۔ اور کہتے ہیں کب ہے یہ

الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَّآ أَمْلِكُ لِنَفْسِي

وعدہ؛ اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ میں مالک نہیں اپنے واسطے

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ

بُرے کا، نہ بھلے کا، مگر جو چاہے اللہ ۔ ہر فرقے کا ایک وعدہ ہے۔

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا

جب پہنچا ان کا وعدہ نہ ڈھیل کرسکیں ایک گھڑی نہ

يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۴۹ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا

جلدی ۔ تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر آپہنچے عذاب اس کا راتوں

اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۵۰ اَثُمَّ

رات یا دن کو کیا کرلیں گے اس سے پہلے گنہ گار ۔ کیا پھر

اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ

جب پڑ چکے گا تب یقین کروگے اس کو. اب قائل ہوئے اور تم تھے اسی کی

تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۵۱ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ

جلدی کرتے ۔ پھر کہیں گے گنہگاروں کو، چکھو عذاب

الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۵۲ وَ

ہمیشہ کا وہی بدلہ پاتے ہو جو کچھ کماتے تھے ۔ اور

يَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔۚ وَ

تجھ سے خبر پوچھتے ہیں کیا سچ ہے یہ بات، تو کہہ! البتہ قسم میرے رب کی، یہ سچ ہے اور

مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۵۳ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ

تم تھکا نہ سکو گے ۔ اور اگر ہو ہر شخص گنہ گار پاس

مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

جتنا کچھ ہے زمین میں، البتہ دے ڈالے اپنی چھڑوائی میں اور چھپے چھپے پچھتاویں گے

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا

جب دیکھیں گے عذاب - اور ان میں فیصلہ ہوگا انصاف سے ، اور ان پر

يُظْلَمُونَ ﴿٥٤﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ

ظلم نہ ہوگا سن رکھو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں۔

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾

سن رکھو وعدہ اللہ کا سچ ہے ، پر بہت لوگ نہیں جانتے۔

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٦﴾

وہی جلاتا ہے اور مارے گا اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

تحقیق معا مع جوابات شبہات کفّار وذکر حسرت مکذّبین رسالت در روز قیامت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا ۔۔ اِلیٰ ۔۔ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥

(ربط) گزشتہ آیات میں مکذبین رسالت کی تکذیب اور ان کی قلت تفکر اور عدم تدبر کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں ان مکذبین کی حسرت کا بیان ہے جو ان کو روز قیامت میں پیش آئے گی۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ کافر جس چندروزہ ناز ونعمت پر اترا رہے ہیں اور اس کے نشہ میں نعیم ابدی اور عیش جاودانی پر لات مار رہے ہیں جب یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس وقت ان کو اپنا خسارہ نظر آجائے گا۔ جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں اور قیامت کے دن ان کو اپنی طویل زندگی ایک گھڑی سے بھی کم معلوم ہوگی اور سوائے حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور یہ مال واسباب جس پر آج ان کو ناز ہے وہ آخرت میں ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور اگر بالفرض عذاب الٰہی کے بدلہ میں کچھ فدیہ دینا چاہیں گے تو ہرگز قبول نہ ہوگا اور عذاب الٰہی سے کسی طرح رہائی نہ ہوگی نیز ان آیات میں منکرین نبوت کے پانچویں شبہ کا جواب دیا گیا ہے وہ یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عذاب الٰہی سے ڈراتے اور ایک زمانہ گزر جاتا کہ وہ عذاب نازل نہ ہوتا تو یہ کہتے مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ (وہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا) اس شبہ

کے دو جواب دیئے اوّل یہ کہ اے نبیؐ! آپؐ یہ کہہ دیجئے کہ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کی حکمت اور مشیت کے تابع ہے اللہ نے جس کام کے لیے جو وقت مقرر کیا ہے وہ اس سے پہلے نہیں ہو سکتا۔

دوم یہ کہ بالفرض اگر وہ عذاب تمہاری فرمائش کے مطابق جلدی نازل ہو جائے تو تم کو کیا فائدہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم کوئی بچاؤ تو کر نہیں سکتے۔ اور اگر یہ کہو کہ عذاب دیکھ کر ہم ایمان لے آئیں گے تو اس وقت کا ایمان معتبر اور مفید نہیں۔ وہ ایمان اضطراری ہے اختیاری نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین جو عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں اور اس کا وقت پوچھتے ہیں یہ سب عبث اور بیکار ہے۔ عذاب الٰہی کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ناگہاں آیا کرتا ہے کبھی دن میں کبھی رات میں چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو کہ جب کہ سب لوگوں کو میدانِ حشر میں جمع کرے گا اور اس دن ایسا معلوم ہو گا کہ گویا وہ دنیا میں یا برزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے تھے قیامت کی شدت اور ہول سے گزشتہ زندگی ایک ساعت معلوم ہو گی۔ اور جب قبر سے اٹھیں گے تو ایک دوسرے کو پہچانیں گے گویا کہ مفارقت کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھوڑی دیر کی جدائی میں آدمی بھولتا نہیں مگر یہ حال ابتداء حشر میں ہو گا اس کے بعد جب قیامت کی شدت اور دہشت ہو گی تو یہ جان پہچان جاتی رہے گی اور ایک دوسرے کو بھول جائیں گے بے شک گھاٹے میں رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا۔ یعنی حساب و کتاب اور جزاء و سزا کے منکر ہوئے اور نہ تھے وہ دنیا میں راہ پانے والے بہت تھوڑی سی زندگی کے لیے غیر متناہی زمانہ کی مصیبت مول لے لی اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہو گا۔ حق تعالیٰ نے دنیا میں ان کو اپنی معرفت اور اطاعت کا سامان دیا یعنی عقل و شعور اور قدرت و اختیار دیا مگر سب کا سب اپنی جہالتوں میں ضائع کر دیا اور اے نبی! اگر ہم اس عذاب اور وعید میں کا کچھ حصہ جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپؐ کی زندگی ہی میں آپ کو دکھلا دیں یا دنیا میں اس عذاب کو دکھلانے سے پہلے ہی آپؐ کو وفات دے دیں تو بہر حال ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے کافروں سے جو وعدہ عذاب کا کیا ہے وہ ضرور واقع ہو گا۔ کچھ عذاب تو آپؐ کی زندگی میں ہو گا اور کچھ آپؐ کے بعد اور آخرت کا عذاب آخرت میں چنانچہ حق جل شانہٗ نے فتوحات اور غلبۂ اسلام کے جو وعدے کیے تھے ان میں سے بعض کا ظہور تو حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہو گیا اور واقعہ کا باقی ماندہ حصہ خلفاء راشدینؓ کے دور خلافت میں پورا ہوا اور آخرت کا عذاب قیامت کو ہو گا معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ بہر حال پورا ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے غلبۂ اسلام اور فتوحات کا وعدہ فرمایا مگر اس کا کوئی وقت معین نہیں فرمایا۔ اور آپؐ کی تسلی کے لیے یہ فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے جو فتوحات اور غلبۂ اسلام کا غیر مؤقت وعدہ کیا ہے وہ ضرور اپنے وقت پر پورا ہو گا ان میں سے بعض فتوحات آپؐ کے زمانہ میں ہوں گی جیسے بدر وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ذلت آپؐ

کو دکھلا دی اور بعض فتوحات آپ کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر واقع ہوں گی۔ اس طرح بتدریج اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوگا آپ مطمئن اور بے فکر رہیں پھر اللہ تعالیٰ مطلع ہے ان اعمال پر جو وہ کر رہے ہیں۔ ان کو ان کی سزا دے گا۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں یعنی غلبۂ اسلام کچھ حضرتؐ کے روبرو ہوا اور باقی آپؐ کی وفات کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے گویا کہ نَتَوَفَّيَنَّكَ میں اس طرف اشارہ ہے واللہ اعلم۔

اور ہر اُمّت کے لیے ایک رسول ہوا ہے سو جب ان کا رسول ان کے پاس آ گیا یعنی معجزات اور آیات لے کر آیا اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہو گئی۔ مگر انہوں نے اس رسول کو جھٹلایا تو وہ لوگ مبتلائے عذاب ہوئے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا یعنی رسول اور جھٹلانے والوں کے درمیان عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا کہ رسولؐ اور اس کے متبعین کو نجات ہوئی اور جھٹلانے والے ہلاک ہوئے اور اس فیصلہ میں ان پر ظلم نہیں کیا جاتا کیونکہ ظلم جب ہوتا کہ جب ان کو بے قصور عذاب دیا جاتا۔ حجت پوری ہونے کے بعد مؤاخذہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے اور یہ لوگ عذاب کی وعیدیں سُن کر استہزاءً یہ کہتے ہیں اے نبیؐ ! اور اے مسلمانو! یہ نزول عذاب کا وعدہ اور وعید کب پورا ہوگا۔ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو وہ عذاب لا کر دکھلاؤ (اے نبی!) آپؐ جواب میں کہہ دیجئے کہ مجھے عذاب نازل کرنے کا تو کیا اختیار ہوتا میں تو اپنی ذات کے لیے نقصان اور نفع کا مالک نہیں یعنی میں تو بشر ہوں مجھ میں یہ قدرت نہیں کہ اپنی ذات کے لیے کوئی نفع حاصل کر سکوں یا اپنے سے کسی ضرر کو دور کر سکوں جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے پھر میں تم پر عذاب کیسے نازل کر سکتا ہوں اللہ نے عذاب کا وعدہ کیا ہے مگر اس کا وقت نہیں بتلایا کہ کب آئے گا جب اللہ کو منظور ہوگا وہ نازل کر دے گا۔ جلدی کیوں مچاتے ہو ہر اُمّت کے لیے ایک وقت مقرر ہے تمہارے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے پس جب ان کا وقت معین آ پہنچتا ہے تو وہ اپنے وقت معین سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح تم اپنے وقت مقررہ پر غارت ہو گے اے نبی! آپؐ کافروں سے کہہ دیجئے بتلاؤ تو سہی کہ اگر وہ عذاب جس کے نازل کرنے کی جلدی کر رہے ہو رات کو یا دن کو ناگہانی طور پر وہ عذاب آجائے بہر حال وہ عذاب ہی تو ہوگا تو یہ مجرم کس چیز کو جلدی مانگ رہے ہیں یعنی عذاب میں کوئی خوبی اور لذت نہیں جس کے لیے تم اس قدر بے تاب ہو رہے ہو اور اگر یہ کہو کہ اگر ہم پر عذاب نازل ہوا تو ہم اس کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں تو کیا پھر جب وہ عذاب واقع ہو جائے گا اور تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے جب ہی تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ جب ایمان لانا کوئی مفید نہیں اس وقت ہم کہیں گے کہ اب تم نے اس کا یقین کیا اور اس سے پہلے تم بطور مذاق اس کے نزول میں جلدی مچایا کرتے تھے سو اب اس کا مزہ چکھو اس وقت کے ایمان اور یقین سے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ پھر ان ظالموں سے جنہوں نے رسول کی تکذیب کی کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو جو کبھی

منقطع نہ ہوگا۔ نہیں جزا دیئے جارہے ہو۔ تم مگر اسی کفر اور معصیت کی جسے تم ساری عمر کماتے رہے اور دنیا کی محبت میں آخرت سے اندھے بنے رہے اور یہ کافر بطور تعجب اور بطریق دل لگی آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ عذاب جس کا آپ ہم سے وعدہ کرتے ہیں یا بعث اور قیامت اور معاد جس سے آپ ہم کو ڈراتے ہیں حق ہے یعنی واقعی آنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجیئے ہاں قسم ہے میرے پروردگار کی البتہ تحقیق وہ عذاب موجود یا بعث اور معاد بلاشبہ حق ہے یعنی واقعی آنے والا ہے اور تم ایسی قدرت نہیں کہ تم خدا کو اپنے پکڑنے سے عاجز کرسکو، اور اس کے عذاب اور قہر کو روک سکو۔ تمہارا مرکر مٹی میں رل جانا اور ریزہ ریزہ ہو جانا خدا کو اس سے عاجز نہیں کرسکتا کہ وہ تم کو دوبارہ زندہ کرسکے اور تمہیں کفر و شرک کے عذاب کا مزہ چکھائے اور آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجیئے کہ کفر و شرک کا جرم اس قدر عظیم ہے کہ اگر ہر نفس کے پاس جس نے کفر اور شرک کرکے اپنی جان پر ظلم کیا ہے روئے زمین کا مال و متاع ہو تو وہ قیامت کے دن اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لیے یہ سب کچھ فدیہ دینے کے لیے تیار ہوگا مگر قبول نہ ہوگا۔ پس اے انسان! آج جس دنیا کے پیچھے تو دیوانہ بنا ہوا ہے اور آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہے کل کو عذاب آخرت سے رہائی کے لیے تو ہی تمام خزائن و اموال کو فدیہ میں دینے کے لیے تیار ہوگا اللہ تو دنیا میں تجھ سے کچھ مال نہیں مانگتا صرف ایک آسان بات چاہتا ہے کہ تو خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کر اور جب وہ آخرت میں عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت اور شرمندگی کو اپنے یاروں اور ہوا خواہوں سے چھپائیں گے۔ تاکہ دوسرے لوگ ان کو ملامت نہ کریں اور سب کے سامنے فضیحت نہ ہو اور دیکھنے والے اور زیادہ نہ ہنسیں۔ اور بعض علماء نے کہا کہ اسرار کے معنی اظہار کے ہیں یہ لغات متضادہ میں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرکین عذاب آخرت کو دیکھ کر اپنے اعمال پر اظہار ندامت کریں گے شاید اظہار ندامت سے کچھ کام چل جائے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی ان کو اتنی ہی سزا دی جائے گی جتنا ان کا قصور ہوگا آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اس کو کسی کے فدیہ کی حاجت نہیں آگاہ ہو جاؤ کہ خدا کا وعدہ ثواب اور عذاب کے بارے میں حق ہے۔ اس کے وقوع پر کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں اس لیے وہ دنیا پر مغرور ہیں اور آخرت سے دور ہیں اور قصور عقل سے فقط دنیاوی زندگانی کو حیات سمجھے ہوئے ہیں وہی جلانا اور مارتا ہے پس اسے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور مرنے کے بعد تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور حساب و کتاب ہوگا۔ لہٰذا آخرت کو حق سمجھو اور اس کے لیے تیاری کرو۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ

اے لوگو! تم کو آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے،

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور چنگے کرنے کو جیوں کے روگ ، اور راہ سوجھانے اور مہربانی

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ

یقین لانے والوں کو۔ کہہ اللہ کے فضل سے اور اس کی مہر سے ،

فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

سو اسی پر چاہیئے خوشی کریں یہ بہتر ہے۔ ان چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں۔

ذکر محاسن قرآن برائے ترغیب ایمان

قال اللہ تعالیٰ۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ... الیٰ... هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

(ربط) اوپر کی آیتوں میں قرآن کے اعجاز کا بیان تھا اب ان آیات میں قرآن کی شان اور صفت اور فضیلت کو بیان کرتے ہیں کہ اے لوگو! ہم نے تمہارے لیے ایسی چیز بھیجی ہے جو تمہارے لیے موعظت اور حکمت بھی ہے اور سرتاسر پند و نصیحت بھی ہے جو تم کو بُری باتوں سے روکتی ہے اور شکوک و شبہات کی بیماری سے دل کو شفا بخشنے والی بھی ہے اور حق کا راستہ بتاتی ہے اور گمراہی سے بچاتی ہے اور خدا تعالیٰ تک پہنچاتی ہے اور باعتبار نتیجہ اور ثمرہ، اہلِ ایمان کے لیے رحمت ہے۔ جس کے اتباع کی برکت سے ظاہرو باطن اللہ کی رحمت و عنایت کا مورد بنتا ہے پس افسوس ہے کہ تم اس نسخۂ شفا اور اس اکسیر اور کیمیا سے انحراف کرتے ہو تم کو چاہیئے کہ فوراً اس پر ایمان لاؤ اور ایسی کتاب مستطاب کو حرزِ جان بناؤ۔ یہ قرآن آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان ہے لہٰذا تم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان لاؤ۔ جس طرح قانونِ شیخ بوعلی سینا کے طبیب ہونے کی دلیل ہے اسی طرح یہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طبیب روحانی ہونے کی دلیل ہے غرض یہ کہ قرآن کریم کی صفت اور فضیلت بیان کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اثبات ہے اور لوگوں کو اس طبیب روحانی کی طرف رجوع کرنے کی دعوت اور ترغیب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک نصیحت آچکی ہے۔ یعنی قرآن جو تم کو بُرے کاموں سے روکتا اور نفرت دلاتا ہے اور ان کے بُرے انجام سے تم کو ڈراتا ہے اور اچھے کاموں کی ترغیب دلاتا ہے اور ایک شفا اور دوا آئی ہے جو سینوں کی بیماریوں کو دور کرنے کے لیے

از حد مفید ہے یعنی قرآن دلوں کی مہلک بیماریوں، جہالت اور ضلالت اور عقائد فاسدہ اور شکوک و شبہات اور اخلاق ذمیمہ سے جو روح کے لیے مہلک ہیں شفاء بخشتا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔ یعنی یہ قرآن اہل ایمان کے لیے ہدایت ہے کہ ان کو خدا تک پہنچنے کا راستہ بتاتا ہے اور اپنے پیروؤں کو خدا کی رحمت اور عنایت کا مورد بناتا ہے اور بقدر اتباع کے رحمت الٰہیہ کے انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے۔ دنیا کو قرآن کے آنے سے ظلمات کفر و ضلالت سے نجات ملی اور آخرت میں ظلمات نار سے نجات ملے گی اے نبی! آپ کہہ دیجیے کہ جب یہ قرآن ایسا ہے تو لوگوں کو چاہیئے کہ اللہ کے فضل و رحمت پر خوش ہوں۔ خوش ہونے کی چیز اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے دنیاوی متاع حقیر اور حیات دوولت خوش ہونے کی چیز نہیں اس لیے کہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت دنیا کے اس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں دنیا اور اس کا نفع قلیل اور فانی ہے اور قرآن اور اس کا نفع کثیر اور باقی ہے مطلب یہ ہے کہ جب قرآن ایسی عظیم نعمت ہے تو تم ایسی چیز سے کیوں انحراف کرتے ہو۔

ف (۱) ابن عباسؓ اور ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ فضل سے قرآن مراد ہے اور رحمت سے اللہ کی توفیق مراد ہے کہ اس نے اہل قرآن اور اہل ایمان میں سے بنایا۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۵۳ ج ۸)

زہے کلام تو محض ہدایت و حکمت — زہے پیام تو عین عنایت و رحمت
کشد کند کلام تو اہل عرفاں را — زشور زار خاست بہ گلشن ہمت

ف (۲) بعض اہل بدعت اس آیت سے مروجہ میلاد کے ہونے پر استدلال کرتے ہیں سو یہ بالکل مہمل ہے اس آیت کا تعلق نزول قرآن سے ہے نہ کہ محفل میلاد سے اور خوش ہونے سے جشن کرنا یا جلسہ کرنا مراد نہیں بلکہ اس کو نعمت خداوندی سمجھ کر اس کی قدر کرنا اور اس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا مراد ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ

تو کہہ بھلا دیکھو تو اللہ نے جو اُتاری تمہارے واسطے روزی

فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ

پھر تم نے ٹھہرا لی اس میں سے کوئی حلال اور کوئی حرام۔ کہہ اللہ نے حکم دیا تم کو یا

عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ

اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ اور کیا اٹکلے ہیں (سمجھے ہیں) جھوٹ باندھنے والے

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ

اللہ پر، قیامت کے دن کو۔ اللہ تو فضل رکھتا ہے۔

عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰ ع

لوگوں پر، لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے۔

تقبیح بعض رسوم جاہلیت

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ ... الیٰ ... لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں شرک کا ابطال تھا اب اس آیت میں ایک مشرکانہ رسم کی قباحت کا بیان ہے وہ یہ کہ جاہل تحریم حلال کے رسم بد میں مبتلا ہیں۔ خلاف عقل بے سند باتوں پر چلتے ہیں کسی بات میں احتیاط نہیں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا ان کے نزدیک ایک آسان بات ہے خوب سمجھ لو کہ یہ سب اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے حلال و حرام اور احکام خداوندی کا علم بدون نبیؑ کے نہیں ہوسکتا لہٰذا نبیؑ پر ایمان لانا ضروری ہوا تاکہ اس کے واسطے سے احکامِ خداوندی کا علم ہو سکے۔

(ربط دوم) کہ جب گزشتہ آیات میں توحید اور رسالت اور قیامت پر دلائل قائم کر دیئے گئے اور ان کے سوالات اور شبہات کے جوابات دیدیئے گئے تو اب یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین کا طریقہ بالکل لغو اور مہمل ہے اور بے اصل اور بے سند اور خلاف عقل باتوں پر مبنی ہے جن کی حقیقت سوائے افتراء کے اور کچھ نہیں۔

(ربط سوم) کہ قرآن تو ہدایت اور شفاء ہے اور شرک اور مشرکانہ رسوم سراسر ضلالت اور مصیبت اور مرض اور بیماری ہیں جن کے لیے ہادی مشفق اور طبیب حاذق کی ضرورت ہے۔ اے نبی! آپ ان کفار مکہ سے کہیے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدے کے لیے جو رزق اتارا ہے جیسے کھیتی اور مویشی کہ سب کا وجود بارش پر موقوف ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے پھر ٹھہرا لیا تم نے اس میں سے بعض روزی کو حرام اور بعض کو حلال اور بعض کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ بعض کے واسطے حلال ہے اور بعض کیلئے حرام ہے جیسا کہ سورۃ انعام میں گذرا۔ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا کیا بعض کو حلال اور بعض کو حرام کرنے کا حکم تم کو اللہ نے دیا ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔ مشرکین عرب اپنی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ بتوں کے نام مخصوص کر دیتے تھے۔ اور اس سے انتفاع کو حرام جانتے تھے۔ یہ سب ان کی من گھڑت تھی اور

اللہ پر تہمت تھی۔ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں قیامت کے دن کی نسبت ان کا کیا گمان ہے کہ قیامت قائم ہی نہ ہوگی۔ یا قائم تو ہوگی مگر ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی تحقیق اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس کا شکر نہیں کرتے اس نے اپنی رحمت سے طرح طرح کے رزق دیئے۔ مگر لوگ ان کو خلاف حکم استعمال کرتے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ جرم کے بعد بھی مہلت دیتا ہے اور بغیر اتمام حجت کے کسی کو سزا نہیں دیتا۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ

اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہ پڑھتا ہے اس میں سے کچھ

قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ

قرآن، اور نہ کرتے ہو تم لوگ کچھ کام کہ ہم نہیں ہوتے

شُهُودًا اِذْ تُفِيضُونَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ

حاضر تم پر جب تم لگتے ہو اس میں اور غائب نہیں رہتا

عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

تیرے رب سے ایک ذرہ بھر زمین میں اور نہ

السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا

آسمان میں نہ اس سے چھوٹا نہ اس سے بڑا، جو نہیں

فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾

کھلی کتاب میں۔

بیان احاطۂ علم خداوندی برائے تہدید مشرکین

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ ۔۔۔۔ اِلٰی ۔۔۔۔ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

(ربط) اوپر سے حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے علم و قدرت کا ذکر چلا آرہا ہے اس

آیت میں اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی کو بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں ؎

بر دو علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکے ست

اور اس احاطۂ علمی کے بیان سے دو چیزیں مقصود ہیں۔ ایک تو کفار کی تہدید مقصود ہے کہ تم ہمارے نبیؐ اور رسولؐ اور دین کی عداوت میں جو کچھ کر رہے ہو وہ ہم پر پوشیدہ نہیں تمہاری سازشوں اور تدبیروں سے کچھ نہیں بنتا اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کا محافظ اور نگہبان ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے ذرّہ ذرّہ کا حساب لے گا دوسرا مقصود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی ہے کہ آپؐ گھبرایئے نہیں ان کی حرکاتؐ سکنات اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں اور مِثْقَالِ ذَرَّةٍ کے لفظ سے اشارہ اس طرف ہے کہ کوئی حقیر چیز بھی اس سے مخفی نہیں نیز اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اللہ کا علم جزئیات کو محیط ہے بخلاف فلاسفۂ یونان کے کہ ان کا گمان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبیؐ! نہیں ہوتے آپ کسی حال میں اور نہیں پڑھتے آپ قرآن کی کوئی آیت یا سورت اے لوگو نہیں کرتے تم کوئی کام مگر ہوتے ہیں ہم پاسبان اور نگہبان تم پر جب تم اس کام میں لگے ہوئے ہوتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ہم پر تمہارا کوئی عمل مخفی اور پوشیدہ نہیں اور اے نبیؐ! تیرے پروردگار سے ایک ذرہ برابر چیز بھی غائب نہیں رہتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں بلکہ سب اس کے سامنے حاضر ہیں اور نہ ذرہ سے چھوٹی اور نہ بڑی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں مندرج نہ ہو مطلب یہ ہے کہ کوئی بات اور کوئی کام اللہ تعالیٰ کے علم سے غائب نہیں قیامت کے دن ہر کام کے مناسب اس کی جزا دے گا۔

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
سن رکھو جو لوگ اللہ کی طرف ہیں نہ ڈر ہے ان پر نہ غم

يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ
کھاویں ۔ جو لوگ یقین لائے اور رہے پرہیز کرتے۔ ان کو

ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۚ لَا
ہے خوشخبری، دنیا کے جیتے اور آخرت میں ۔

تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾
بدلتی نہیں اللہ کی باتیں یہی ہے بڑی مراد ملنی ۔

بیان حال و مآل اولیاء اللہ

قال اللہ تعالیٰ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ ... الیٰ ... هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں اعداء اللہ یعنی فاسقین اور معاندین کا حال اور مآل بیان کیا اب اس آیت میں اولیاء اللہ یعنی خدا کے محبین صادقین کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ (یعنی خدا کے دوست) وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے ساتھ موصوف ہوں جس درجہ کا ایمان اور تقویٰ ہوگا اسی درجہ کی ولایت ہوگی۔ اس اعتبار سے ہر مؤمن ولی ہے کتاب وسنت کے عرف میں ولی اس شخص کو کہتے ہیں جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ کا ایمان اور تقویٰ پایا جاتا ہو وہ یہ کہ اللہ کی عظمت اور اس کا جلال ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے ہو اور اس کا قلب اللہ کی محبت اور اس کی خشیت سے لبریز ہو اور لفظ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ اولیاء اللہ کی تعریف ہے کہ اللہ کا ولی وہ ہے جو نور ایمانی اور نور تقویٰ سے منور ہو یعنی قوت نظریہ اور قوت عملیہ کے لحاظ سے کامل اور مکمل ہو یا بالفاظ دیگر ولی وہ ہے جو ایمان میں کامل ہو اور حتی الوسع حق عبودیت میں مقصر نہ ہو۔

(ربط دیگر) کہ گزشتہ آیات میں اعداء اللہ کی تہدید اور وعید کا بیان تھا۔ اور اس آیت میں اولیاء اللہ کی تسلی اور بشارت کا مضمون ہے کہ خدا کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم ہے ان کے لیے تو دنیا اور آخرت کی بشارت ہے اور یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے اور اللہ پر دوست اور دشمن مخفی نہیں آگاہ ہو جاؤ۔ اچھی طرح سن لو تحقیق اللہ کے دوستوں پر نہ آئندہ کا کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ کسی مطلوب کے فوت ہونے سے غمگین ہوں گے اور خدا کے دوست اور ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان لے آئے اور اس پر ایسے مستقیم اور ثابت قدم ہو گئے کہ تزلزل کا نام ونشان نہ رہا اور تقویٰ اور پرہیزگاری کو لازم پکڑے ہوئے ہیں کہ ہر وقت خدا کی معصیت اور اس کی ناراضی سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں حاصل یہ کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے جامع ہوں اس لیے کہ جب ایمان کامل ہوتا ہے اور خدا سے جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے ڈرتا ہے تب خدا کا ولی اور دوست ہو جاتا ہے ان کے لیے خوشخبری ہے دنیاوی زندگانی میں اور آخرت میں اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں کئی طرح کی بشارتیں ہیں ایک بشارت تو یہی لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی ہے اور ایک بشارت وہ ہے جو ملائکہ ان کو موت کے وقت دیں گے۔ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ الآیات اور ترمذی میں عبادۃ بن الصامتؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ کے قول لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا سے کیا مراد ہے تو آپؐ نے فرمایا اس سے مراد وہ رؤیائے صالحہ یعنی وہ سچا خواب ہے جو

خود مؤمن دیکھتا ہے یا اس کے متعلق کسی دوسرے مومن کو دکھلایا جاتا ہے اور بعض علماء کا قول ہے کہ دنیا کی بشارت سے مراد ذکر جمیل اور ثناء حسن ہے اور آخرت کی بشارت سے جنت کی بشارت مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں اللہ کے سب وعدے اٹل ہیں خدا نے اپنے دوستوں سے جو وعدے کیے ہیں وہ ضرور پورے ہوں گے یہ بشارت دارین بھی بڑی کامیابی ہے جس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ ہی نہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کی فضیلت بیان فرمائی اور بتلایا کہ اولیاء اللہ کا مصداق کون لوگ ہیں اور ولایت کی حقیقت کیا ہے۔ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ پر پورے طور پر ایمان لائے۔ اور ہمیشہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور حقیقت ایمان کی تشریح سورۂ انفال میں اس طرح فرمائی۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ الآیہ۔

فائدہ حدیث میں ہے کہ نبوت تو ختم ہوئی البتہ نبوت کا ایک جزء یعنی رؤیائے صالحہ باقی رہ گیا ہے کہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی تو نہیں مگر خدا کے دوستوں کے لیے وحی کا ایک نمونہ یعنی سچا خواب باقی رہ گیا ہے کہ قیامت تک آنے والے مؤمنین صالحین کو سچے خوابوں سے بشارتیں ملتی رہیں گی۔

مرزا غلام احمد قادیانی اس آیت سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی نبوت کا سلسلہ باقی ہے اس لیے کہ رؤیائے صالحہ نبوت کا ایک جزو ہے جو ہنوز باقی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نبوت الٰہی باقی ہے۔ مگر مرزائے قادیان کا یہ گمان استدلال نہیں بلکہ صریح جہالت اور ہذیان ہے حدیث میں ہے کہ رؤیائے صالحہ نبوت کا چالیسواں جزء ہے۔ معلوم ہوا کہ نبوت چالیس اجزاء کے مجموعہ کا نام ہے۔ لہٰذا ایک جزء کے پائے جانے سے کیسے نبوت حاصل ہوسکتی ہے۔

شریعت کی نظر میں دو سو درہم کا مالک ہونے سے غنی اور صاحب نصاب ہوتا ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔ اگر دو سو درہم میں سے ایک درہم بھی کم ہوجائے تو وہ غنی نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ کسی کے پاس دو سو درہم کا چھیالیسواں حصہ یعنی چار درہم پورے ہوں تو شریعت کی نظر میں وہ غنی نہیں بلکہ فقیر اور مفلس ہے۔ نیز مرزائے غلام احمد کے قول پر لازم آتا ہے کہ جس فاسق و فاجر کو رؤیائے صالحہ نظر آجائے وہ نبی ہوجائے کیونکہ مرزا لکھتا ہے کہ

جبرئیلی نور یعنی نبوت کا چھیالیسواں حصہ یعنی سچا خواب تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے جس سے کوئی فاسق و فاجر اور پورے درجہ کا بدکار بھی باہر نہیں بلکہ یہاں تک مانتا ہوں کہ تجربہ میں آچکا ہے بعض اوقات ایک نہایت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہو جس کی تمام جوانی بدکاری میں گزری ہے کبھی سچا خواب دیکھ لیتی ہے۔ (توضیح المرام ص۳۶، ۳۷)

پس مرزا کے اس قول کی بنا پر کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور جس کو یہ چھیالیسواں

حصہ حاصل ہو وہ نبی ہے تو اب تمام فاسق و فاجر اور پرلے درجہ کی بدکار رنڈیوں کا مرزا کے قول پر نبی ہونا جائز ہوگا۔ اور مرزائے غلام احمد اور اس کی امت پر اس کنجری کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہوگا جس کو کوئی سچا خواب نظر آگیا۔ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ

نیز مرزائے قادیان کے بہت سے پیروؤں نے مرزا کے بعد رؤیائے صالحہ اور نبوت کا دعوے کیا ہے مگر مرزا نے ان کی نبوت کو تسلیم نہیں کیا۔ اور نبی کی نبوت کو نہ تسلیم کرنا یہ کفر ہے۔ پس مرزا صاحب خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے انکار سے بھی کافر ہوئے اور اپنے بعد کے مدعیان نبوت کی نبوت کے انکار سے بھی کافر ہوئے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ

اور نہ غم کھا اُن کی بات سے اصل سب زور اللہ کو

جَمِيْعًا ۭ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ

ہے۔ وہی ہے سُنتا جانتا۔ سُنتا ہے! اللہ کا ہے

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ

جو کوئی ہے آسمانوں میں اور جو کوئی ہے زمین میں۔ اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا

شریک پکارنے والے اللہ کے سوا۔ کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے

الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

ہیں خیال کے اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے۔

تسلّی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم از سخنہائے دلخراش دشمناں

قال اللہ تعالےٰ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ... الی ... وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں حق تعالےٰ نے اپنے دوستوں کو تسلی دی اب اس آیت میں اپنے

نبیؐ کو تسلی دیتے ہیں۔ کفار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوت اور شوکت سے ڈراتے تھے اور طرح طرح کی دلخراش باتیں کہتے تھے سو آپؐ کی تسلی کے لیے ارشاد ہوا کہ آپؐ ان کی باتوں سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں عزت اور غلبہ تو اللہ ہی کے لیے ہے وہی آسمانوں اور زمینوں کا بادشاہ ہے اور یہ کافر صرف خیالی اور فرضی چیزوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ آپؐ ان کی پرواہ نہ کریں۔

غرض یہ کہ ان آیات میں آپ کو دشمنوں کی ایذا رسانی پر تسلی دی گئی اور اشارۃً آپکو عزت اور نصرت کی بشارت سنائی گئی کہ آپؐ عنقریب اپنے دشمنوں پر غلبہ پائیں گے۔ اور اس درمیان میں جو کسی وقت کوئی ہزیمت اور شکست پیش آئیگی تو وہ ایک عارضی اور وقتی ہوگی۔ اعتبار خاتمہ اور انجام کا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔

(ربط) کہ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں سے دنیا اور آخرت کے خوف اور حزن کی نفی فرمائی اور ان کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اب اس آیت میں اپنے رسولؐ سے حزن کی نفی فرماتے ہیں۔ اور تسلی دیتے ہیں کہ جب آپؐ نے اپنے دوستوں کی حفاظت کا وعدہ سُن لیا اور ان کے لیے دنیا اور آخرت کی بشارت کا مژدہ بھی سُن لیا تو پھر آپؐ کو ان کی کفریات اور ان کی دھمکیوں اور دلخراش باتوں سے مغموم اور رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں یہ ان منکرین کی چند روزہ لن ترانیاں ہیں اور یہ عنقریب ختم ہو جائیں گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اس بشارت دارین کے سُن لینے کے بعد اے نبیؐ! آپؐ کو ان کی بات غم میں نہ ڈالے یعنی آپؐ ان کی نازیبا باتوں سے آزردہ خاطر نہ ہوں اور نہ کچھ غم کریں وہ آپؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تحقیق عزت اور غلبہ سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے قتل کرنے کی کتنی ہی تدبیریں کریں اور آپؐ کو ڈرائیں مگر وہ آپؐ پر غالب نہیں آئیں گے۔ اللہ آپؐ کو غلبہ دے گا۔ اور آپؐ کے دشمنوں کو ذلیل کرے گا۔ وہی سب کی باتوں کا سننے والا اور سب کے احوال کو جاننے والا ہے۔ وہ آپؐ کا بدلہ خود ان سے لے لے گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ تحقیق آسمانوں میں جو فرشتے ہیں اور زمین میں جو جن اور انس ہیں وہ سب اللہ ہی کی ملک ہیں۔ اور سب اس کے بندے ہیں۔ کسی میں ربوبیت کی لیاقت اور اہلیت نہیں۔ پس کسی چیز کو خدا کا شریک ٹھہرانا نہایت نادانی اور گمراہی ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے مقرر کیے ہوئے شریکوں کو پکارتے ہیں وہ کس چیز کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ بلا دلیل محض اپنے وہم اور گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور وہ نِرا جھوٹ بولتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ بُت اللہ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے لہٰذا آپؐ اُن کی باتوں سے بالکل رنج نہ کیجیے غلبہ تو اللہ ہی کو ہے جو آسمان اور زمین کا بادشاہ ہے۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ

وہی ہے جس نے بنا دی تم کو رات کہ چین پکڑو اس میں

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

اور دن دیا دکھانے والا - اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو

يَسْمَعُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ

جو سنتے ہیں - کہتے ہیں اللہ نے کوئی بیٹا کیا، پاک ہے وہ

الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنْ

بے نیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں - کچھ

عِندَكُم مِّن سُلْطَانٍ بِهَٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى

سند نہیں تم پاس اس کی - کیوں جھوٹ کہتے ہو اللہ پر

اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ

جو بات نہیں جانتے - کہہ جو لوگ باندھتے ہیں

يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ

اللہ پر جھوٹ بھلا نہیں پاتے - برت

فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ

لینا دنیا میں پھر ہماری طرف ہے ان کو پھر جانا پھر چکھاویں گے

الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾

ہم ان کو سخت عذاب، اس پر کہ منکر ہوتے تھے -

اثبات توحید و ابطال شرک مع تذکیر نعم

قال اللہ تعالیٰ۔ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ .. الیٰ .. بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

(ربط، ان آیات میں بھی توحید کا مضمون اور شرک کا رد ہے اور بعض نعمتوں کی طرف

بھی اشارہ ہے کہ یہ نعمتیں صرف خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں جس سے تمہاری زندگی کا کارخانہ چل رہا ہے کفارِ مکہ فرشتوں کو خدائے تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا فرزند کہتے تھے۔ ان آیات میں اس مقولۂ مہملہ کی تردید کی گئی ہے کہ یہ سب ان نادانوں کی افتراء پردازی ہے ایسے لوگ کبھی فلاح کو نہیں پہنچ سکتے۔

نیز شروع آیت میں آپؐ کی تسلی بھی ہے کہ جس طرح کبھی لیل ہے اور کبھی نہار اور کبھی نور اور کبھی ظلمت اسی طرح کبھی رنج وغم ہے اور کبھی فرحت ومسرت۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جو ذات لیل ونہار کی خالق ہے عزت اور ذلت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا آپؐ ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو اور دن بنایا روشن دکھانے والا تاکہ تم اس کی روشنی میں چیزوں کو دیکھ سکو اور اپنے کام کر سکو تحقیق دن رات کے پیدا کرنے اور اس کے اندھیرے اور اجالے میں ان لوگوں کے لیے قدرتِ خداوندی کی نشانیاں ہیں جو گوشِ ہوش سے اللہ کی باتوں کو سنتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں کہ عزت وذلت اس ذات کے ہاتھ میں ہے جس کے قبضۂ قدرت میں نور وظلمت ہے اور جو اضداد کا خالق ہے۔ کہا ان مشرکوں نے جو خدا کی عظمت وجلال سے بے خبر ہیں کہ اللہ نے اولاد بنالی ہے یعنی فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور مسیحؑ اور عزیرؑ اس کے بیٹے ہیں۔ حالانکہ وہ اولاد سے پاک اور منزہ ہے اولاد تو باپ کے ہم جنس ہوتی ہے اور وہ مجانست اور مشابہت اور مماثلت سے پاک ہے نیز اولاد باپ کا جزء ہوتی ہے اور معاذ اللہ خدائے تعالیٰ مرکب نہیں۔ نیز بیٹے کا محتاج وہ ہوتا ہے جس کو بقاء اور دوام نہ ہو، تاکہ اس کی فناء وزوال کے بعد بیٹا اس کے قائم مقام ہو۔ وہ ازلی اور ابدی ہے اور اول وآخر ہے نیز وہ تو بے نیاز ہے اسے کسی اولاد وغیرہ کی احتیاج نہیں اس لیے کہ اولاد کی ضرورت یا تو ضعیف کو ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے قوت حاصل کرے یا فقیر کو ہے کہ اولاد سے اس کو مدد پہنچے یا ذلیل کو ہے کہ اولاد کے ذریعے سے عزت اور شرف حاصل کرے یا کوئی گمنام ہے کہ اولاد کے ذریعے نام پیدا کرے اور اس کے بعد اس کی اولاد اس کی وارث ہو۔ اور یہ سب باتیں محتاجی کی ہیں اور اللہ احتیاج سے پاک ہے اور منزہ ہے وہ غنئ مطلق ہے اور سب محتاجِ مطلق ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے یعنی تمام علویات اور سفلیات سب اسی کی ملک ہیں اور سب اس کے مملوک اور غلام ہیں اور اولاد باپ کی مملوک نہیں ہوتی۔ ابنیت اور مملکیت جمع نہیں ہوتیں ان آیات میں مشرکین کا بھی رد ہوگیا جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور عیسائیوں کا بھی رد ہوگیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ نصاریٰ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واقعی طور پر خدا تعالیٰ کا صلبی بیٹا سمجھتے ہیں تو اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہوگی۔ خداوند قدوس بالبداہت بیوی بچوں سے پاک ہے اور اگر بیٹے سے مراد متبنّیٰ ہے تو خدا کو اس کی ضرورت کیا پیش آئی کہ ایک مخلوق کو اپنا متبنّیٰ بنائے کیا

معاذ اللہ خدائے تعالیٰ کو اولاد نہ ہونے کا غم تھا اس لیے مجبوراً کسی کو متبنیٰ بنالیا یا معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو یہ فکر تھی کہ اس کے بعد اس کے مال و دولت کا کون وارث بنے گا۔ اور کون اس کا نام روشن کرے گا۔ یا بڑھاپے میں کون سہارا دے گا۔ العیاذ باللہ خدا تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک اور بے نیاز ہے اے مشرکو! تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے یعنی تمہارا یہ کہنا کہ خدا اولاد رکھتا ہے دعویٰ بلا دلیل اور دروغ بے فروغ ہے کیا تم خدا کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہو جس کی حقیقت کا تم کو علم نہیں۔ بے سمجھے سوچے خدا کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو۔ اے نبی! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ کچھ شک نہیں کہ جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں۔ وہ آخرت میں کامیاب نہیں ہوں گے اگرچہ دنیا میں زمانہ دراز تک عیش و آرام اور صحت و سلامتی میں ہیں اس لیے کہ یہ دنیا میں چند روزہ بہرہ مندی ہے پھر مرنے کے بعد ہماری ہی طرف ان کو آنا ہے پھر ہم ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اس لیے کہ وہ دنیا میں کفر کرتے تھے اور اولاد ٹھہرا کر ہماری شان عزت و بے نیازی میں طعن کرتے تھے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ

اور سنا اُن کو احوال نوح کا، جب کہا اپنی قوم کو

يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِي وَتَذْكِيرِي

اے قوم! اگر بھاری ہوا ہے تم پر میرا کھڑا ہونا اور سمجھانا

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ

اللہ کی باتوں سے تو میں نے اللہ پر بھروسا کیا۔ اب تم سب مل کر مقرر کرو

وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً

اپنا کام اور جمع کرو اپنے شریک پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ پھر کر چکو میری

ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

طرف اور مجھ کو پھر فرصت نہ دو۔ پھر اگر ہٹ جاؤ گے

فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ

تو میں نے چاہی نہیں تم سے مزدوری۔ میری مزدوری ہے اللہ پر اور

أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۷۲﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ

مجھ کو حکم ہے کہ رہوں حکم بردار ۔ پھر اس کو جھٹلایا پھر ہم نے

وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا

بچا دیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور ان کو قائم کیا جگہ پر اور ڈبا دیئے

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

جو جھٹلاتے تھے ہماری باتیں، سو دیکھ آخر کیسا ہوا جن کو

الْمُنْذَرِينَ ﴿۷۳﴾

ڈرایا تھا ۔

قصۂ نوح علیہ السلام باقوم او

قال اللہ تعالیٰ۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ... الیٰ ... فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ۔

(ربط) یہاں تک اصولِ دین توحید اور رسالت اور قیامت کو دلائل و براہین سے بیان کیا اور منکرین کے شبہات اور سوالات کے جوابات دیئے۔ اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے اور متکبرین اور منکرین نبوت کی تہدید اور عبرت کے لیے انبیاء سابقین کے چند واقعات ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ کفار عرب ان واقعات سے عبرت پکڑیں کہ انبیاء اللہ کے مقابلے میں قوت وشوکت کام نہیں دیتی اور باوجود قوت وشوکت کے مکذبین اور مفترین کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی سب سے پہلے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جو سب کے جد امجد اور آدم ثانی ہیں اور کفار کے مقابلے میں پہلے رسول ہیں جو کفر کے مقابلے کے لیے مبعوث ہوئے اس معنی کر ان کو حدیث میں اوّل رسول الی اھل الارض کہا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام بلاشبہ اللہ کے سب سے پہلے رسول مکلّم تھے جن سے خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا اور ان سے سلسلۂ نبوت ورسالت کا آغاز فرمایا مگر ان کے زمانہ میں کفر کا نام ونشان نہ تھا۔ حضرت آدمؑ کے دس قرن بعد کفر کا آغاز ہوا اس وقت نوح علیہ السلام بھیجے گئے تاکہ کافروں کو ایمان کی دعوت دیں جب قوم نے نافرمانی کی تو ان پر طوفان آیا اور سب غرق کیے گئے۔ قوم نوحؑ دنیا میں پہلی قوم تھی جو عذاب خداوندی سے ہلاک ہوئی حق تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو حضرت نوحؑ کا قصہ سنایا" تاکہ ان کے ایک ہزار سالہ طویل صبر کو دیکھ کر اپنے دل کو تسلی دیں اور کفار مکہ کو یہ قصہ سنائیں کہ ان کو معلوم ہو کہ دنیا کی عزت و وجاہت قہر خداوندی کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دیتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی! آپؐ ان لوگوں کے سامنے جو اپنی مال و دولت اور عزت و وجاہت پر مغرور ہیں۔ نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنائیے تاکہ اہل عرب ان سے عبرت حاصل کریں کیونکہ قوم نوح بلحاظ زمانہ سب سے پہلے اور کفر و عناد میں سب سے بڑھ کر تھی۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اگر میرا تم میں رہنا اور میرا وعظ و نصیحت کرنا اللہ کی آیتوں کے ساتھ تم پر شاق اور گراں گزرتا ہے اور تم میری نصیحت سننے سے تنگ ہو اور میرے قتل اور جلاوطن کرنے کے درپے ہو تو مجھے پرواہ نہیں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ میں نے اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے وہ تمہارے کید اور مکر کے دفع پر قادر ہے پس تم سب مل کر میرے ضرر پہنچانے کے لیے اپنا کام مضبوط کر لو اور اپنے شریکوں کو بھی جمع کر لو تاکہ وہ بھی تمہارے کام میں تمہاری مدد کریں مطلب یہ ہے کہ میری ضرر رسانی کے لیے اپنے دل کے ارمان نکال لو۔ پھر نہ ہو تم پر تمہارا کام کٹھن یعنی میرے مقابلہ میں جو کچھ کرنا ہے وہ کر لو۔ دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ پھر کر گزرو میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہو اور مجھ کو ایک دم کی مہلت بھی نہ دو عنقریب تم کو تمہاری عجز اور درماندگی اور باوجود بے سروسامانی کے میری عزت اور کامیابی تمہاری نظروں کے سامنے آجائے گی۔ حق تعالیٰ کا مقصود۔ نوح علیہ السلام کے قول کو نقل کرنے سے یہ ہے کہ دیکھ لو کہ نبی کا توکل ایسا ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا یہاں تک کہ خوف کی نفی فرمائی کہ نبی سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا اب آگے حرص و طمع کی نفی فرماتے ہیں کہ نبی کا دل حرص و طمع سے بالکلیہ پاک ہوتا ہے پس اگر تم میری نصیحت سے منہ موڑتے ہو تو میں نے اس نصیحت و دعوت پر تم سے کوئی اُجرت تو نہیں مانگی جس سے تمہارے مال و دولت میں کوئی کمی واقع ہو میری اُجرت تو اللہ کے ذمہ ہے وہ بہر حال مجھ کو ملے گی۔ چاہے۔ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ غرض کہ میں نہ تم سے کوئی خوف و ہراس رکھتا ہوں اور نہ کوئی خواہش و طلب رکھتا ہوں اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے بنا رہوں اس کو میں عزت و دولت سمجھتا ہوں اور اس کے مقابلہ میں دنیاوی مال و دولت اور عزت و وجاہت کو ہیچ سمجھتا ہوں۔ پس باوجود اس موعظت بلیغہ کے وہ نوح علیہ السلام کی تکذیب پر اڑے رہے۔ جب حجت پوری ہوگئی تو ہم نے ان پر طوفان نوح بھیجا پس ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کے ساتھ جو مسلمان کشتی میں سوار تھے غرق ہونے سے بچا لیا۔ اور ان کو ہلاک ہونے والوں کا جانشین بنایا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کر دیا۔ پس اے دیکھنے والے ذرا عبرت سے دیکھ لے کہ ان لوگوں کا جو عذاب الٰہی سے ڈرائے گئے تھے۔ کیسا بُرا انجام ہوا۔ اور خدا کے نبیؑ کے مقابلہ میں مال و دولت اور عزت و وجاہت اور غرور و نخوت ذرہ برابر کام نہ آئی۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ
پھر بھیجے ہم نے اس کے پیچھے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کی طرف پھر لائے

بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ
ان پاس کھلی نشانیاں، سو ہرگز نہ ہوئے کہ یقین لاویں جو بات جھٹلا چکے پہلے

قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰي قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾
سے۔ اسی طرح ہم مہر کرتے ہیں، دلوں پر زیادتی والوں کے۔

قصہ قوم عاد و ثمود وغیرہم کا اجمالی ذکر

قال اللہ تعالیٰ۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا ... الی ... عَلٰي قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

(ربط) اوپر کی آیات میں نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا اب ان آیات میں اجمالاً ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قصہ ذکر ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے اس آیت میں ان کا نام ظاہر نہیں فرمایا مگر دوسری جگہ ان کا نام ذکر کیا گیا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد ہود اور صالح اور ابراہیم اور لوط اور شعیب علیہم السلام مبعوث ہوئے پھر ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے جن جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا وہ سب تباہ و برباد ہوئے۔ پھر ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد ہود اور صالح وغیرہ دوسرے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس اپنی پیغمبری کے کھلے نشانات لے کر آئے پس نہ ہوئے وہ ایمان لانے والے اس چیز پر کہ جس کو وہ پہلی ہی مرتبہ جھٹلا چکے تھے۔ مال و دولت کے نشہ میں انبیاءؑ کو حقیر سمجھا حق اور ہدایت کی عزت کو نہ سمجھ سکے۔ اپنی جاہلیت اور ہٹ دھرمی پر پختہ تھے حق کے جھٹلانے کے خوگر تھے انبیاءؑ کے آنے سے پہلے حق کے منکر تھے۔ اور رسولوں کے آنے اور ان کے سمجھانے کے بعد بھی حق کے منکر رہے ان کی سنگ دلی کو دیکھ لو اسی طرح ہم حد سے گذرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ کہ وہ عزت کو ذلت سمجھنے لگتے ہیں۔ اللہ کی مہر تو نظر نہیں آتی مگر مہر والے تو تمہارے سامنے ہیں بے عقلی آج تک کسی کو نظر تو نہیں آئی۔ مگر بے عقلی کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ بے عقلی ایسی ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کو دیکھ کر سمجھ لو کہ سنگدلی ایسی ہوتی ہے اور جس کے دل پر خدا کی مہر لگ جاتی ہے اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کی باتوں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے لگتا ہے

اور فرعون اور قارون کے طور وطریق اس کو عزت نظر آنے لگتے ہیں۔
اے اللہ تو ہم کو اپنی اطاعت کی عزت بخش اور اپنی معصیت کی ذلت سے بچا۔
آمین یا رب العالمین ۰

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى
پھر بھیجا ہم نے اُن کے پیچھے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا
اور اس کے سرداروں پاس اپنی نشانیاں دے کر پھر تکبر کرنے لگے اور وہ تھے لوگ

مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا
گنہگار۔ پھر جب آئی ان کو سچی بات ہمارے پاس سے کہنے لگے

اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ
یہ تو جادو ہے صریح۔ کہا موسیٰؑ نے تم یہ کہتے ہو

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾
تحقیق بات کو، جب تم پاس پہنچی۔ کوئی جادو ہے یہ؟ اور بھلا نہیں پاتے جادو کرنیوالے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ
بولے۔ کیا تو آیا ہے کہ ہم کو پھیر دے اس راہ سے جس پر پائے ہم نے اپنے باپ دادے

تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاۗءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا
اور تم دونوں کو سرداری ہو اس ملک میں۔ اور ہم نہیں تم کو

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ
ماننے والے۔ اور بولا فرعون کہ لاؤ میرے پاس جو جادوگر ہو

عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا

پڑھا۔ پھر جب آئے جادوگر، کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو

مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا

جو تم ڈالتے ہو۔ پھر جب انہوں نے ڈالا، موسیٰ بولا کہ جو

جِئْتُم بِهِ السِّحْرُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا

تم لائے ہو سو جادو ہے اب اللہ اس کو بگاڑتا ہے۔ اللہ نہیں

يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ

سنوارتا شریروں کے کام۔ اور اللہ سچا کرتا ہے سچ کو اپنے حکم

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨٢﴾

سے اور پڑے برا مانیں گنہگار۔

ذکرِ قصۂ موسیٰ علیہ السلام بافرعون

قال اللہ تعالیٰ۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ وَهَارُونَ ... الیٰ... وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝

(ربط) اُوپر بعض قصص کا بیان ہوا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوتا ہے۔ جو فرعون کے ساتھ پیش آیا اور یہ دور تک چلا گیا ہے اور بہت سے واقعات کو متضمن ہے سب کا خلاصہ یہ ہے کہ کمبل پوش نبی موسیٰ بن عمرانؑ باوجود بے سروسامانی کے کامیاب ہوئے اور فرعون باوجود پورے سازوسامان کے غرق ہوا۔ اس طرح سے دنیا نے دیکھا کہ وہ فرعون جس نے تمرد اور استکبار کیا وہ خدا کے ایک خرقہ پوش درویش کے مقابلہ میں کیسا ذلیل وخوار ہوا۔ ان نادانوں نے عصا اور ید بیضاء ظاہرو باہر نشان کو جادوگری اور شعبدہ بازی سمجھا جب خدا کے نشان نے اس سحر عظیم کو لقمہ بنا کر نگل لیا تب سمجھے کہ یہ سحر نہیں بلکہ نشان خداوندی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا یعنی عصا اور ید بیضاء جیسے کھلے معجزوں کے ساتھ ان کو بھیجا جو صراحۃً عاجز کرنے والے تھے اور فرعون

باوجود دعوائے الوہیت کے ان کے مقابلہ سے عاجز آگیا تھا پس اپنی ظاہری عزت و وجاہت پر تکبر کرنے لگے اور فرعون والے ازلی مجرم تھے ازل ہی سے لکھا جا چکا تھا کہ یہ متکبرین مال و دولت اور قوت و طاقت کے غرور میں خدا کے پیغمبروں کا مقابلہ کریں گے۔ غرض یہ کہ جب ان کے پاس موسیٰؑ اور ہارونؑ کی معرفت ہمارے پاس حق آگیا جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہ رہی اور مخالفت میں مقابلہ کی طاقت نہ رہی تو کمال تمرد اور عناد کی وجہ سے یہ کہنے لگے کہ تحقیق یہ جو کچھ موسیٰؑ لایا ہے کھلا جادو ہے یعنی اس کا جادو ہونا بالکل ظاہر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کہنے والوں سے کہا کہ کیا تم اس صریح اور واضح حق کی بابت جب یہ تمہارے پاس آگیا یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے حالانکہ دل سے تم کو یقین ہے کہ یہ جادو نہیں بلکہ من جانب اللہ میری فلاح اور کامیابی کا ایک ذریعہ ہے اور جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے سحر حق اور معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قوم فرعون کے سردار جب موسیٰ علیہ السلام کی بات کا جواب دینے عاجز ہوئے تو بولے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ تو ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے یعنی ہمیں فرعون کی عبادت سے ہٹا کر اپنا تابع بنا لے اور ہماری عزت کو ختم کر دے اور تم دونوں بھائیوں کو زمین مصر میں بڑائی اور سرداری حاصل ہو جائے اور خوب سمجھ کہ ہم تو کبھی تم دونوں درویشوں پر ایمان لانے والے نہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ تم پر ایمان لا کر اپنی عزت کو خاک میں ملا دیں اور فرعون موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا اور ید بیضا دیکھ کر گھبرا گیا تو اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے اپنے درباریوں سے کہا کہ موسیٰؑ کے مقابلے کے لیے تلاش کر کے ہر ایک دانا جادوگر لے کر آؤ تاکہ وہ موسیٰؑ کا مقابلہ کریں اور موسیٰؑ کا جادوگر ہونا ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ وہ جادوگر جمع کیے گئے پھر وہ جادوگر آموجود ہوئے اور مقابلہ کے لیے میدان میں آکھڑے ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ زمین پر ڈالو جو کچھ تم ڈالنا چاہتے ہو۔ پھر جب انہوں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو جن سے وہ جادو کیا کرتے تھے زمین پر ڈالا اور وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر چلنے لگیں تو موسیٰؑ نے ان سے کہا کہ یہ جو کچھ تم لائے ہو یہ جادو ہے اور میں جو لایا ہوں وہ جادو نہیں بلکہ حق اور معجزہ ہے جادو تو یہ ہے جو تم لائے ہو۔ تحقیق عنقریب تم دیکھ لو گے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس لائے ہوئے جادو کو میرے لائے ہوئے حق سے ملیا میٹ کر دے گا اور تم میرے مقابلہ میں ذلیل و خوار ہو گے کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مفسدوں کا کام بننے نہیں دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے مطابق حق کو ثابت کرتا ہے اگرچہ مجرمین کتنے ناخوش ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے غلبہ اور نصرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ

پھر کسی نے نہ مانا موسیٰ کو مگر کتنے لڑکوں نے اس

قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ

کی قوم سے ڈرتے ہوئے فرعون سے اور ان کے سرداروں سے

اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ

کہ ان کو بچلا نہ دے (آزمائش میں نہ ڈالے) اور فرعون چڑھ رہا ہے ملک میں اور

وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ

اس نے ہاتھ چھوڑ رکھا ہے۔ اور کہا موسیٰ نے اے قوم!

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ

اگر تم یقین لائے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر ہو

مُّسْلِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

حکم بردار۔ تب بولے ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ اے رب ہم پر نہ

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ

آزما زور اس ظالم قوم کا۔ اور چھڑا ہم کو اپنی مہر کر (رحمت سے)

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ

اس منکر قوم سے۔ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو اور اس کے

اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا

بھائی کو کہ ٹھہراؤ اپنی قوم کے واسطے مصر میں سے گھر اور بناؤ اپنے

بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ

گھر، قبلہ کی طرف اور قائم کرو نماز۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٧﴾

اور خوشخبری دے ایمان والوں کو۔

اسباب نجات از فرعون و قوم او

قال تعالیٰ۔ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ .... الیٰ .... وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

پس باوجود ان زبردست معجزات دیکھنے کے بھی ابتداء میں موسیٰؑ پر سوائے چند آدمیوں کے جو اُس کی قوم سے تھے کوئی ایمان نہ لایا یعنی شروع شروع میں جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر آئے اور حق کی دعوت دینے لگے تو اس وقت ان کی قوم میں سے قدر قلیل لوگ ان پر ایمان لائے اور وہ بھی فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں مباوا فرعون ان کے ایمان کی خبر پا کر ان کو مبتلائے مصیبت نہ کر دے یعنی جو قدرے قلیل لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ابتداء میں ایمان لائے وہ فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے ایمان لائے اطمینان اور امن ان کو بھی نہ تھا۔ اور ان کا خوف بیجا بھی نہ تھا اس لیے کہ تحقیق فرعون اس زمین میں بڑا زور آور تھا اور اس میں شک نہیں کہ وہ بڑے بیباکوں اور حد سے گزرنے والوں میں سے تھا کہ اس کا ظلم حد سے گزر چکا تھا۔ یا یہ معنیٰ ہیں کہ تکبّر اور غرور میں حد سے گزر گیا اور خدائی کا دعویٰ کیا مقصود اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ یہی حال آپ کے متبعین کا ہے قدر قلیل ہیں اور فرعون کی طرح کفار قریش مسلمانوں کو طرح طرح سے ستا رہے ہیں یہ سب تکبّر اور غرور کا نشہ ہے لہٰذا آپؐ مسلمانوں کی قلت سے رنجیدہ نہ ہوں منکروں کا دل مشکل سے پھرتا ہے۔

ف تمام بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کو اگرچہ نعمت عظمیٰ جانتے تھے اور دل سے انکو سچا مانتے تھے مگر ابتداء میں ان کو غلبہ اور شوکت حاصل نہ تھی۔ فرعونیوں کا زور تھا اس لیے لوگ ان سے خوفزدہ تھے اس بنا پر ابتداء بعثت میں چند نوجوانوں نے ہمت کی اور باوجود فرعون کے ڈر کے اپنے ایمان اور اسلام کا اعلان کر دیا باقی لوگ منتظر رہے کہ جب حق کو غلبہ اور عزت حاصل ہوگی۔ اس وقت مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ بہت سے کفار قریش فتح مکہ کے منتظر تھے۔

پس جب آخر میں موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ نصیب ہوا اور حق کا کلمہ بلند ہوا تب پوری قوم بنی اسرائیل کی ایمان لے آئی جو چھ لاکھ بالغ مردوں پر مشتمل تھی۔ اس آیت میں شروع شروع کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتداء میں قدرے قلیل آدمی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے باقی آخر میں تمام بنی اسرائیل مسلمان ہو گئے تھے اور بعض علماء تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ من قومہ کی ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ باوجود موسیٰ علیہ السلام کے معجزات قاہرہ دیکھنے کے موسیٰ علیہ السلام پر قوم فرعون میں سے صرف چند آدمی ایمان لائے اور باقی سب نے تکذیب کی پس اے نبی! اگر آپؐ کی قوم یہی

معجزات قاہرہ دیکھنے کے بعد آپ کی تکذیب کرے تو سنجیدہ نہ ہوں ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا کہ من قومہ کی ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے۔ اور امام ابن جریرؒ نے قول اول کو اختیار کیا کہ من قومہ کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جب ان اہل ایمان کو فرعون سے خائف دیکھا تو ان سے یہ کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور یہ جانتے ہو کہ نفع اور ضرر سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو اسی پر بھروسہ کرو۔ وہ تم کو دشمن کے فتنہ سے بچائے گا۔ اگر تم اللہ کے فرمانبردار ہو۔ اور تم نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہے تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔

زندہ کنی عطائے تو ورب کشی خدائے تو
جاں شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

ایمان و اسلام اور توکل صادق اگر جمع ہو گئے تو دیکھ لینا کہ تمہاری ذلت مبدل بہ عزت ہو جائے گی اور فرعون کی عزت مبدل بہ ذلت ہو جائے گی۔ ایمان کے معنی تصدیق اور یقین کے ہیں اور توکل کے معنی اعتماد اور بھروسہ کے ہیں اور اسلام کے معنی سپرد کر دینے کے ہیں۔

سپردم بتو مایۂ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

اور مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان و ایقان میں سچے ہو تو تم پر توکل (یعنی اللہ پر اعتماد کرنا) واجب ہے اور توکل کی علامت یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا کے حوالہ اور سپرد کرو اور اسباب ظاہری سے نظر کو ہٹا لو اس لیے اس آیت میں ایک حکم (یعنی حکم توکل) کو دو شرطوں پر معلق فرمایا اور ایک حکم کو دو شرطوں کے درمیان میں اس لیے ذکر کیا کہ نفس توکل کا وجوب نفس ایمان پر موقوف اور معلق ہے اور صدق توکل کا ظہور اسلام یعنی تفویض و تسلیم پر موقوف اور معلق ہے خوب سمجھ لو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ اگر تجھے زید بلا دے تو چلا جانا اگر تجھ سے ممکن ہو۔ پس انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے اس موعظت بلیغہ کے جواب میں عرض کیا اے موسیٰؑ! ہم نے اللہ پر بھروسہ کر لیا۔ وہی دشمن سے حفاظت کرے گا۔ اب ہماری نظر صرف پروردگار پر ہے۔ اور دعا کرتے ہیں۔ اے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں کے ظلم کا تختۂ مشق نہ بنا تاکہ ایمان کی عزت ظاہر ہو اور ہم کو اپنی رحمت سے اس کافر قوم کے فتنہ کی ذلت سے نجات دے یعنی کفر کا غلبہ ہم سے اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کی دعا قبول کی اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون کی طرف وحی بھیجی کہ فتنہ کفر سے نکلنے کا سامان اس طرح کرو کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ کہ وہی گھر تمہارے لیے جائے سکونت ہوں اور وہی گھر تمہارے لیے جائے عبادت ہوں۔ مطلب[1] یہ ہے کہ اندرون شہر گھر بناؤ۔ بیرون شہر گھر نہ بناؤ تاکہ کسی عبادت یا اجتماع

[1] آیت کا یہ مطلب ملا مخدوم مہایمیؒ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ لحفظ قومهما من فتنة العدو اَنْ تَبَوَّاٰ اى اتخذا مباءة لِقَوْمِكُمَا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لیے تم کو بیرون شہر جانے کی ضرورت پڑے اور پھر مبادا تمہاری بات کی خبر تمہارے دشمن کو پہنچے یا یہ مطلب ہے کہ تم بدستور مکانوں میں ٹھہرے رہو اور قبطیوں کے خوف سے اپنے گھروں کو نہ چھوڑو ہم ان کے محافظ ہیں۔ بہر حال آیت میں دو احتمال ہیں یا تو مطلب یہ ہے کہ گذشتہ گھروں کو برقرار رکھو اور بدستور اپنے مکانوں میں ٹھہرے رہو۔ فرعون کے ڈر سے اپنے گھروں کو نہ چھوڑو اللہ تمہارا محافظ اور نگہبان ہے یا یہ مطلب ہے کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں نئے مکان تیار کرو جو قبلہ رُخ ہوں تاکہ سکونت اور عبادت دونوں کے لیے کام دے سکیں اور بُیُوۡتًا چونکہ نکرہ ہے اس لیے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نئے گھروں کے بنانے کا حکم دینا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم دونوں مصر میں اپنی قوم کے لیے کچھ اور مکان تیار کرو۔ اور اپنے ان گھروں کا رخ قبلہ کی طرف کرو یعنی ان گھروں کو قبلہ رخ بناؤ۔ بیت المقدس کے رُخ پر یا کعبہ کے رُخ پر کیونکہ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ سے مروی ہے کہ موسٰی علیہ السلام خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اور انہی گھروں میں نماز قائم رکھو۔ خوف کی وجہ سے مسجد کی حاضری معاف کر دی گئی۔ لہذا اپنے گھروں ہی میں خفیہ نماز پڑھ لیا کرو۔ جیسے ابتداء اسلام میں مؤمنوں کو حکم ہوا فرعونی بنی اسرائیل کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے اس لیے بحالتِ مجبوری ان کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں کو قبلہ کے رُخ بناؤ اور انہی میں نماز پڑھ لیا کرو تاکہ فرعونیوں کو تمہاری نماز اور عبادت کی خبر نہ ہو اور جب بنی اسرائیل کو فرعونیوں کی طرف سے سخت بلائیں پہنچیں تو حکم ہوا کہ کثرت سے نمازیں پڑھا کرو۔ اللہ تعالٰے نماز کی برکت سے تمہاری یہ بلا اور مصیبت دور کر دے گا۔

کما قال تعالٰے قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا۔ وقال اللہ تعالٰے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔

اور حدیث میں ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی پیش آتی تو نماز پڑھتے (رواہ ابوداؤد) کثرت سے نمازیں پڑھنے سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔ اور اہل ایمان کو بشارت سُنا دیجیے کہ عنقریب تمہارا دشمن تباہ و برباد ہو جائے گا اور تم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی۔ حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہٗ اس آیت کا ایک اور مطلب بیان فرماتے ہیں جو نہایت لطیف ہے فرماتے ہیں "جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا تو حکم ہوا کہ اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل کو ان میں شامل نہ رکھو اپنا محلہ جُدا بساؤ کہ آگے ان پر آفتیں آنے والی ہیں اس وقت تمہاری قوم ظاہری طور پر بھی آفتوں سے الگ تھلگ رہے اور آپ کی قوم ان کی آفت میں شریک نہ ہو" انتہی (موضح القرآن)

(بقیہ گزشتہ صفحہ کا) بعضہن لا اخاجہم لئلا یواخذکم بالخروج عن دینہ بُیُوۡتًا لئلا زموھا فلا تخرجوا عنھا لتجتمعوا للحکایات فیصل خبرھم الی العدو تبصیر الرحمٰن صفحہ ۳۳۴ اور دوسرا مطلب معروف و مشہور ہے۔ اور تبوّ کے معنی قرار پکڑنے کے ہیں۔ کما قال تعالٰے۔ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ الزموھا۔

مطلب یہ ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم پر نزولِ عذاب کا زمانہ نزدیک آپہنچا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بذریعہ وحی یہ حکم دیا کہ تم اپنی قوم سمیت ان کفار ناہنجار سے علیحدہ ہو جاؤ اور مصر میں اپنی قوم کے لیے علیحدہ اور الگ گھر بناؤ اور اپنا محلہ ہی الگ اور جدا بسا لو اور اپنی قوم کو فرعونیوں میں شامل نہ رکھو تاکہ قوم فرعون پر جب کوئی آفت اور بلا نازل ہو تو تم اس میں شریک نہ ہو اور اپنے گھروں کو قبلہ رُخ بنالو قبلہ رخ ہونے سے قبلہ کے انوار و برکات تمہارے گھروں میں پہنچیں گے۔ اور ان ہی میں کثرت سے نماز پڑھا کرو۔ نماز کی کثرت سے بلائیں دفع ہوتی ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنا محلہ جدا رکھیں اور اپنے مکانات قبلہ رخ بنائیں قبلہ رخ بیٹھنا بھی عبادت ہے۔ محاذاتِ قبلہ، قبلہ کے انوار و تجلیات کو خوب جذب کرتی ہے جمہور مفسرین نے وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً کے معنیٰ یہ بیان کیے ہیں کہ اپنے گھروں کو قبلہ رُخ بناؤ اور ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؒ اور قتادہؒ اور ضحاکؒ فرماتے کہ اس آیت میں قِبْلَةً سے مُتَقَابِلَةً کے معنیٰ مراد ہیں یعنی مسلمانوں کا ایک ایسا جُدا محلہ بناؤ جس کے گھر ایک دوسرے کے مقابل یعنی آمنے سامنے ہوں مسلمان کے سامنے مسلمان ہی کا گھر ہو تاکہ مسلمان کے گھر میں سامنے سے کفر اور شرک کی نجاست کی بدبو نہ آجائے اور اس گھر کی ایمانی آب و ہوا کو خراب نہ کرے۔ قال اللہ تعالیٰ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان المؤمن لا ینجس جسمانی طبیب ظاہری نجاست کے جراثیم سے تحفظ اور احتیاط کا حکم دیتے ہیں کوڑی کے سامنے گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتے اور روحانی طبیب یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام معنوی نجاست (کفر اور معصیت) کے جراثیم سے تحفظ کا حکم دیتے ہیں۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ

اور کہا موسیٰ نے اے رب ہمارے تو نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں

زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا

کو رونق اور مال دنیا کی زندگی میں۔ اے رب اس واسطے کہ بہکا دیں

عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ

تیری راہ سے۔ اے رب مٹا دے ان کے مال، اور سخت کر ان کے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ

دل کہ نہ ایمان لاویں جب تک دیکھیں دُکھ کی مار

الْاَلِیْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَ

فرمایا قبول ہو چکی دعا تمہاری، سو تم دونوں ثابت

لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

رہو اور مت چلو راہ اُن کی جو انجان ہیں۔

بقیہ قصّہ موسویہ

قال تعالیٰ۔ وَقَالَ مُوْسٰی رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَیْتَ ... الی ... الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ہ

اور موسیٰ علیہ السلام جب قوم فرعون کے ایمان سے نا امید ہوئے اور بذریعہ وحی یا نور نبوت ان کو معلوم ہو گیا کہ اب ان میں کوئی خیر نہیں تو یہ بد دعا کی۔ اے پروردگار کیا آپ نے فرعون کو اور اس کے گروہ کو سامان آرائش اور قسم قسم کے مال دنیاوی زندگی میں اس لیے عطا کیے ہیں تاکہ عالم کو تیرے راستہ سے گمراہ کریں۔ یعنی اے پروردگار تو نے ان کو یہ مال و دولت اس لیے عطا کیا تھا کہ تیری نعمت کا شکر کریں اور اس کو آخرت کی عزت کا ذریعہ بنائیں مگر ان لوگوں نے تیری ناشکری کی اور تیرے دیئے ہوئے مال پر اتنے مغرور ہوئے کہ تیرے احکام کا مقابلہ کرنے لگے اس لیے یہ اس قابل نہیں رہے کہ ان کے اموال اور نفوس کو باقی رکھا جائے اس لیے یہ درخواست کرتا ہوں کہ اے پروردگار ان کے مالوں کو ملیامیٹ کر دیجئے تاکہ غرور اور تکبر کا سامان ہی ختم ہو اور ان کے دلوں کو ایسا سخت کر دیجئے کہ ایمان اور ہدایت کو قبول کرنے کے لیے ان کے دل نرم نہ پڑیں بلکہ روز بروز ان کا کفر اور عناد بڑھتا ہی چلا جائے یہاں تک کہ جب جرم کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں تب مجبور ہو کر ایمان کا کلمہ پڑھیں مطلب یہ ہے کہ مرنے سے پہلے یہ لوگ عذاب الیم کو دیکھ لیں اور عذاب الیم کو دیکھ کر جبرًا و قہرًا کلمہ ایمان کا پڑھیں جس سے ساری عمر ناک چڑھاتے رہے اور ظاہر ہے کہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا نافع اور مفید نہیں کیونکہ یہ وقت ایمان کا نہیں۔ ایمان کا وقت پہلے تھا جو گزر گیا۔ جو وقت ایمان لانے کا تھا وہ تو سارا کفر اور تکذیب میں گزرا جب قدرت و اختیار ختم ہوا تب ایمان کا کلمہ پڑھا ؎

وقت ہر کار نگہدار کہ نافع نبود ۔۔۔ نوشدارو کہ پس از مرگ بیمار دہند

خدا نے فرمایا۔ اے موسیٰ و ہارون تحقیق تم دونوں کی دعا قبول ہوئی۔ دعا مانگنے والے تو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام ان کی دعا پر آمین کہتے جاتے تھے اور

آمین بھی حقیقت میں دعا ہے اس لیے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوئی ہم عنقریب ان کے اموال اور نفوس کی ہلاکت کرنے والے ہیں۔ سو تم دونوں بے فکر ہو کر اپنے منصبی کام یعنی دعوت و تبلیغ پر جمے رہو اور تا خیر عذاب سے غمگین نہ ہو تمہاری دعا قبول ہو چکی ہے۔ مگر اس کا ظہور اپنے وقت پر ہو گا اور تم نادانوں کی راہ پر نہ چلنا جو جلدی چاہتے ہیں یا جن کو وعدۂ الٰہی پر اطمینان نہیں ہوا۔ سو تم یقین جانو کہ تمہاری دعا قبول ہو چکی ہے اور ان پر عذاب ضرور نازل ہو گا مگر مقتضائے حکمت و مشیئت اس میں کچھ توقف ہو گا اور اپنے وقت مقررہ پر اس کا ظہور ہو گا۔ جلد بازی اور بے اطمینانی یہ کام نادانوں کا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو فرمایا۔ اِنِّیۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ۝

ف شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "پیچھے ایمان کی ان سے امید نہ تھی مگر جب کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہنے کہ اب ہم مانیں گے۔ اس میں عذاب تھم جاتا کام فیصل نہ ہوتا دعا اس لیے مانگی کہ یہ جھوٹا ایمان نہ لائیں دل ان کے سخت رہیں تا عذاب پڑ چکے اور کام فیصل ہو پھر فرمایا کہ شتابی نہ کرو حکم کی راہ دیکھو" (موضح القرآن)

ایک شبہ رسولؐ تو اپنی قوم کے لیے ہدایت اور ایمان چاہتا ہے نہ کہ گمراہی اور کفر۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ بد دعا کیسے فرمائی۔

جواب جب ان کا کفر اور عناد حد سے گزر گیا اور وحی الٰہی کے ذریعے سے معلوم ہو گیا کہ ایمان لانے والے نہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی نوح علیہ السلام کی طرح بد دعا کی کما قال اللہ تعالیٰ وَاُوۡحِىَ اِلٰى نُوۡحٍ اَنَّهٗ لَنۡ يُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِكَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ تب نوح علیہ السلام نے بد دعا کی رَبِّ لَا تَذَرۡ عَلَى الۡاَرۡضِ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنۡ تَذَرۡهُمۡ يُضِلُّوۡا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔ ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام نے بعد علم کے یہ دعا فرمائی۔

نکتہ غیر کے کفر پر راضی ہونا تو جب کفر ہے کہ جب کفر کو جائز اور مستحسن سمجھے اور اگر کسی ظالم اور موذی اور معاند کے حق میں یہ بد دعا کرے کہ اللہ اس ظالم اور موذی سے انتقام لے اور کفر پر اسے موت دے تو اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں بغض فی اللہ کی وجہ سے کسی عدو اللہ کی دینی اور دنیاوی تباہی کی بد دعا کرنا عین ایمان ہے خصوصاً جب کہ وحی یا الہام صحیح کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ خبیث اپنی خباثت سے باز نہیں آئے گا یا یہ معلوم ہو جائے کہ قضاء و قدر میں یہ طے ہو چکا ہے کہ یہ شخص راہ راست پر نہیں آئے گا۔ تو ایسے شخص کے حق میں موت علی الکفر اور سلب ایمان کی دعا جائز ہے جیسے خضر علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ نابالغ بچہ کفر ہی پر مرے گا تو اس کو قتل کر دیا۔

(روح المعانی و شیخ زادہ صفحہ ۵۹ ج ۵)

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

اور پار کیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پھر پیچھے پڑا ان کے فرعون

وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ

اور اس کے لشکر شرارت سے اور زیادتی سے، جب تک کہ پہنچا اس پر ڈباؤ،

قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا

کہا یقین جانا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر یقین لائے بنی

اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۹۰ اٰۗلْــٰٔنَ وَقَدْ

اسرائیل، اور میں ہوں حکم برداروں میں۔ اب یہ کہنے لگا

عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۹۱ فَالْيَوْمَ

اور تو بے حکم رہا پہلے اور رہا بگاڑ والوں میں۔ سو آج

نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ

بچادیں گے ہم تجھ کو تیرے بدن سے تو ہووے تو اپنے پچھلوں کو نشانی اور البتہ

كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝۹۲ۧ

بہت لوگ ہماری قدرتوں پر دھیان نہیں کرتے۔

بقیہ قصہ موسویہ و غرقابی فرعون

قَالَ تعالیٰ۔ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ... الی ... عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝

اور جب قبولیت دعاء موسوی کا وقت آپہنچا اور ہم نے فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات کا ارادہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکل جائیں کہ قبطیوں پر عذاب نازل ہونے کا وقت قریب آگیا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کی غفلت میں چھ لاکھ

بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر مصر سے روانہ ہوئے فرعون کو جب خبر لگی تو اس نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا اور ایسے موقعہ پر ان کو جا لیا کہ دریائے قلزم ان کے آگے تھا۔ جب بنی اسرائیل نے یہ دیکھا کہ سمندر تو آگے ہے اور دشمن پیچھے ہے اور ہم درمیان میں گھرے ہوئے ہیں ایسی حالت میں سمندر سے کیسے پار ہوں گے تو اس وقت ہم نے اپنی قدرت اور حکمت سے بنی اسرائیل کو دریائے قلزم سے صحیح سلامت پار اتار دیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے دعا کی خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! اپنا عصا سمندر پر مارو موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر لاٹھی ماری سمندر بیچ سے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور سمندر کا پانی ادھر ادھر کھڑا ہو گیا اور درمیان میں خدا تعالیٰ نے بارہ راستے پیدا کر دیئے ہر سبط کے لیے ایک راستہ ہو گیا بنی اسرائیل ان خشک راستوں سے پار ہو گئے اور سرحد کنعان میں داخل ہو گئے اور فرعون اور اس کا لشکر۔ سمندر کے دوسرے کنارے کھڑا دیکھ رہا ہے۔ پھر فرعون اور اس کا لشکر ظلم اور زیادتی کے ارادے سے انکے پیچھے پیچھے چلا اور خشک راستے دیکھ کر دریا میں داخل ہوا کہ دریا سے پار ہو کر ان سب کو قتل کر دوں گا۔ یہاں تک کہ جب فرعون اور اسکا لشکر ایک ایک کر کے سمندر کے بیچ پہنچ گیا تو پانی کو حکم ہوا کہ مل جائے پانی فوراً مل گیا اور راستے ختم ہو گئے اور سمندر رواں ہو گیا اور موجیں مارنے لگا فرعون اور اسکا لشکر غرق ہو گیا اور فرعون کو جب غرقابی نے پکڑا اور اسکو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اس وقت گھبرا کر ایمان اور اسلام کا لفظ زبان پر لایا اور یہ کہا کہ میں ایمان لایا اور یقین کیا کہ اس خدا کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے بنی اسرائیل ایمان لائے اور بنی اسرائیل کی طرح میں بھی مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں جس طرح بنی اسرائیل حق تعالیٰ کی وحدانیت اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لا کر مسلمان بنے تھے اسی طرح میں بھی مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہوتا ہوں۔

نکتہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا کرشمہ دیکھئے کہ خدائے تعالیٰ نے آخر وقت میں فرعون کے منہ سے لفظ اٰمنت نکلوا کر موسیٰ علیہ السلام کی دعا فَلَا يُؤْمِنُوا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ کی قبولیت کا مشاہدہ کرا دیا کہ ان کی دعا لفظ بہ لفظ قبول ہوئی کہ عذاب کو دیکھ کر ہی ایمان لایا اس سے پہلے ایمان نہ لایا۔ اور اس وقت جب ڈوبنے لگا تو اظہار ایمان میں خوب مبالغہ کیا تین طرح اظہار ایمان کیا ایک تو اٰمنتُ کا لفظ کہا دوم لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ کہا اور سوم وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ کہا۔ حالانکہ ایمان کے لیے ایک بار کہنا ہی کافی تھا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جواب میں کہا گیا اب ایمان کا کلمہ پڑھنے لگا۔ جب اپنی جان سے ناامید ہوا تاکہ غرق سے نجات پائے اور پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور تو مفسدوں میں سے تھا یعنی اب ایمان لانے سے کیا فائدہ جب ایمان لانے کا وقت تھا تو نافرمان اور سرکش بنا رہا۔ اور اس وقت بھی جو کلمہ ایمان پڑھ رہا ہے وہ دنیاوی ذلت اور مصیبت سے نجات پانے کے لیے پڑھ رہا ہے اور ایسے وقت کا ایمان کہ جب موت سر پر آگئی ہو معتبر نہیں ایمان وہ معتبر ہے جو

پنے اختیار رہے ہو اور جب انسان اپنی جان سے ناامید ہو جائے اور کوئی اختیار اس کا باقی نہ رہے ایسے وقت کا ایمان معتبر نہیں۔ کما قال تعالیٰ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ جب فرعون نے اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ کہا اس وقت میرا حال عجیب تھا۔ کاش آپ مجھے اس وقت دیکھتے کہ میں سمندر سے کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونستا تھا کہ کہیں (کلمۂ ایمان کی برکت سے) اس کو اللہ کی رحمت نہ پہنچ جائے (رواہ الترمذی) کیونکہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سابق ہے۔ جبرئیل امینؑ کو اندیشہ ہوا کہ اگر رحمت خداوندی سے اس وقت یہ عدو اللہ غرقابی سے بچ گیا تو پھر کفر کا جھنڈا بلند کرے گا —— اس لیے اس کا غرق ہونا ہی بہتر ہے۔ اور بعض روایات میں یہ لفظ آئے ہیں۔ مخافتہ ان تدرکہ رحمۃ اللہ فیغفرلہ مجھے ڈر ہوا کہ اس کو اللہ کی رحمت پکڑلے۔ اور اس کی مغفرت ہو جائے یعنی اس وقت غرق سے بچ جائے۔ اور بچ کر راہ راست پر آجائے اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور حسب قاعدہ شریعت الاسلام یہدم ما کان قبلہ ایمان لانے سے اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جائے ؎

اگر در دہد یک صلائے کرم عزازیل گوید نصیبے برم

جبرئیل امینؑ کو معلوم تھا کہ ایسے وقت کا ایمان مقبول نہیں مگر یہ بھی جانتے تھے کہ خدائے تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ بڑے سے بڑے مجرم کو معاف کرسکتا ہے۔

حکایت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل امینؑ فرعون کے پاس ایک استفتاء لے کر آئے جس کا مضمون یہ تھا کہ امیر کا اس غلام کے بارے میں کیا فتویٰ ہے۔ جو آقا کے مال و نعمت میں پلا پھر اس غلام نے اپنے آقا کی نعمت کا کفران کیا اور اس کا حق نہ مانا اور خود آقا ہونے کا دعویٰ کیا تو ایسے غلام کا کیا حکم ہے۔ فرعون نے اپنے ہاتھ سے اس کا جواب لکھا کہ ایسے غلام کی سزا یہ ہے کہ اس کو سمندر میں ڈبو دیا جائے اور اس فتویٰ پر جبرئیل امین نے فرعون سے دستخط بھی لے لیے فرعون نے اپنے قلم سے لکھ دیا کہ یہ وہ جواب ہے کہ جو ابوالعباس ولید بن مصعب یعنی فرعون نے لکھا ہے جب فرعون غرق ہونے لگا اور ایمان ظاہر کرنے لگا تو جبرئیل امینؑ نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا فتویٰ اس کو دکھلایا اور کہا کہ فتوے کے بموجب تیرے ساتھ یہ ہو رہا ہے۔

پس آج ہم تیرے بے جان بدن کو سمندر سے نکال کر کسی اونچی جگہ پر ڈال دیں گے۔ تاکہ

تیری یہ لاش تیرے پچھلوں کے لیے نشانی بنے۔ لوگ تیرے مردہ بدن کو دیکھ کر یہ سمجھ جائیں کہ انسان خدا نہیں ہو سکتا۔ جب فرعون کا لشکر غرق ہوا تو بنی اسرائیل کو فرعون کے غرق ہونے کا یقین نہ آیا۔ اس لیے اللہ جل شانہٗ نے اس کے مردہ جسم کو دریا کے کنارے پر ڈال دیا۔ جب لوگوں نے اس کی لاش کو دیکھ لیا تب ان کو اس کی موت کا یقین آیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ہمارے دلائل قدرت اور نشانات عبرت سے اب بھی غافل ہیں کفر کی ذلت کے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ

اور جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو پوری جگہ دینی اور کھانے کو

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ

دیں ستھری چیزیں۔ سو وہ پھوٹے نہیں، جب تک آچکی ان کو خبر۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ

اب تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا، قیامت کے دن جس بات میں وہ

يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

پھوٹ رہے تھے۔

تتمہ قصہ موسویہ وتذکیر انعام خداوند جلیل وشکایت بنی اسرائیل

قَالَ اللہُ تَعَالٰی ۔ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ..... الٰی ..... فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

(ربط) یہ قصۂ موسویہ کا تتمہ اور خاتمہ ہے جس میں اوّل اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتِ عظمیٰ یاد دلائی کہ ہم نے تم کو کیسے موذی سے نجات دی اور ملکِ مصر اور ملکِ شام کا تم کو وارث بنایا اور پھر بنی اسرائیل کی شکایت کی کہ تم نے کفرانِ نعمت کیا اور علم آجانے کے بعد تم نے اختلاف کیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتارنے اور فرعون کے غرق کرنے کے بعد ایک اچھے ٹھکانہ پر جا بٹھایا یعنی ان کو ملکِ شام میں آباد کر دیا اور سرزمین

مصر کا مالک بنا دیا اور ہم نے پاکیزہ چیزیں ان کو کھانے کو دیں۔ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کی ذلت کو عزت میں بدل دیا۔ اور ان کے فقر و تنگدستی کو مال و دولت سے بدل دیا ان کو چاہیئے تھا کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی محبت اور اطاعت میں غرق ہو جاتے کہ اس نے دشمن کی عزت و دولت اس سے چھین کر تم کو دے دی لیکن یہ تو اختلاف میں پڑ گئے پس انہوں نے نہیں اختلاف ڈالا دین حق میں یعنی اپنے دین کے بارے میں یا آنحضرتؐ کی نبوت کے بارے میں یہاں تک کہ انکے پاس احکام توریت کا علم پہنچ گیا اور انکو یقین ہو گیا کہ اصل عزت بہ ہدایت اتباع شریعت میں ہے مال و دولت کی عزت چند روزہ اور فانی ہے۔ چاہیئے تھا کہ سب اتباع شریعت پر متفق ہو جاتے۔ جس کے ذریعے یہ عزت ملی لیکن افسوس کہ مختلف ہو گئے یا یہ معنی ہیں کہ بنی اسرائیل کو علم تھا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی نعتیں اور صفتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں اور بنی اسرائیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے آپؐ کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے اور آپؐ کی آمد اور ظہور کے منتظر تھے۔ لیکن جب اللہ تعالےٰ نے آپ کو مبعوث کیا تو از راہِ حسد و عداوت آپؐ کے بارے میں اختلاف کیا بعض آپؐ پر ایمان لائے اور بعض نے انکار کیا (اے نبیؐ) کچھ شک نہیں کہ تیرا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا۔ کہ ان کا یہ اختلاف حسد اور عداوت اور جہالت کی بنا پر تھا۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ

سو اگر تو ہے شک میں اس چیز سے جو اتاری ہے ہم نے تیری طرف تو پوچھ

الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ

ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے آگے بیشک آیا ہے تجھ کو

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ

حق تیرے رب سے سو تو مت ہو شبہ لانے والا ۔ اور

لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ

مت ہو ان میں جنہوں نے جھٹلائیں باتیں اللہ کی پھر تو بھی ہو وے

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا

خراب ہونے والا۔ جن پر ٹھیک آئی بات رب تیرے کی وہ نہ

يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا

مائیں گے۔ اگرچہ پہنچیں ان کو ساری نشانیاں، جب تک نہ دیکھیں

الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾

دکھ کی مار۔

اثبات حقانیت قرآن بطرز خاص

قال اللہ تعالیٰ۔ فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ .... الیٰ .... يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝

(ربط) انبیاء سابقینؑ کے واقعات بیان کرنے کے بعد قرآن کریم اور دین اسلام کی حقانیت معلوم کرنے کا ایک طریقہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کفار قریش کو اس بارہ میں شک ہے تو علماء اہل کتاب سے پوچھ لیں جن کے علم وفضل کا خود ان کو اقرار ہے چنانچہ فرماتے ہیں سو اے انسان! اگر تو اس قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی طرف سے شک میں ہے جو ہم نے بواسطہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیری طرف اتارا ہے تو اس شک کے دفع کرنے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب الٰہی پڑھتے ہیں یعنی توریت اور انجیل کے عالم ہیں مطلب یہ ہے کہ اے منکر قرآن اگر تجھے قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے تو منصف مزاج اہل کتاب سے تحقیق کرلے۔ وہ تجھے اسکے کلام الٰہی ہونے سے آگاہ کردیں گے۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں اس کتاب الٰہی کی پیشین گوئی موجود ہے اور وہ اس کی حقانیت سے واقف ہیں۔ البتہ تحقیق تیرے پروردگار کی طرف سے تیرے پاس دین حق آچکا ہے۔ جو کتب سابقہ کے مطابق ہے پس ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ بظاہر خطاب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن درحقیقت مخاطب دوسرے ہیں اس لیے کہ جس پر اللہ کی وحی نازل ہو رہی ہے اس کو شک اور شبہ ہو ہی نہیں سکتا اس خطاب کے اصل مخاطب وہ لوگ ہیں جو شک اور شبہ میں پڑے ہوئے تھے۔ اسی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے یہ فرمایا لا اشك ولا اسال یعنی میں نہ شک کرتا ہوں نہ سوال کرتا ہوں۔ (اخرجہ عبدالرزاق) اشارہ اس طرف تھا کہ ان خطابات کا مخاطب میں نہیں اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا جن کے مثل لانے سے شیطان بھی عاجز ہے ورنہ تو گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ گزشتہ آیت کی طرح اس آیت میں بھی مخاطب دوسرے ہی اشخاص ہیں اور ان لوگوں کے شک اور تکذیب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ کی کتاب میں کوئی خلل ہے بلکہ اس کی اندرونی وجہ یہ ہے کہ تحقیق

جن لوگوں کے متعلق تیرے پروردگار کا حکم ازل میں جاری ہو چکا ہے یعنی جن کی تقدیر میں شقاوت لکھی جا چکی ہے اور علم الٰہی میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ خدا نے ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ۔ اگرچہ ان کے پاس آپ کی صداقت کی ہر قسم کی نشانیاں آجائیں جب بھی ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں جیسے فرعون اور اگلی امتوں کو مفید نہ ہوا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا

سو کیوں نہیں ہوئی کوئی بستی کہ یقین لاتی پھر کام آتا ان کو ایمان لانا مگر

قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ

یونس کی قوم۔ جب یقین لائے کھول دیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ

دنیا کے جیتے اور کام چلایا ان کا ایک وقت تک۔ اور اگر تیرا

رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ

رب چاہتا یقین ہی لاتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سارے تمام۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَ

اب کیا تو زور کرے گا لوگوں پر؟ تاکہ ہو جاویں با ایمان۔ اور

مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

کسی جی کو نہیں ملتا کہ یقین لاوے مگر اللہ کے حکم سے

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ

اور وہ ڈالتا ہے گندگی اُن پر، جو

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

نہیں بوجھتے۔

ذکر قصہ یونس علیہ السلام برائے تلقین توبہ قبل از نزولِ عذاب

قال اللہ تعالیٰ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ ... الٰی ... عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ

(ربط) ان آیات میں منکرین اور مکذبین کو ایمان اور توبہ کی ترغیب دینا مقصود ہے کہ جس طرح قومِ یونس علیہ السلام کفر کے بعد ایمان لے آئی اور اس ایمان نے ان کو نفع دیا اسی طرح تم بھی اگر کفر کے بعد ایمان لے آؤ گے تو تم کو ایمان نفع دے گا اور ایمان لانے سے سابق کفر منہدم ہو جائے گا۔ قومِ یونس ؑ نے جب عذابِ موعود کے ابتدائی آثار دیکھے تو کھانا پینا چھوڑ دیا اور ٹاٹ پہن کر گریہ وزاری کے ساتھ گناہوں سے تائب ہوئے اللہ کا عذاب ٹل گیا۔

پس کیوں نہ ہوئی کوئی ایسی بستی کہ نزولِ عذاب کے آثار اور علامات دیکھ کر ایمان لے آتی پھر نفع دیتا اس کو اس کا ایمان لانا مگر صرف ایک قوم یونس ایسی ہوئی کہ وہ نزولِ عذاب سے پہلے ہی عذاب کے ابتدائی آثار کو دیکھ کر ایمان لے آئے اور ان کے ایمان نے ان کو نفع دیا چنانچہ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے اس دنیاوی زندگانی میں اُن سے وہ رسوائی کا عذاب ہٹا لیا اور ہم نے ان کو ایک وقت خاص یعنی ان کی اجل مسمی تک ان کو دنیا میں خیر و خوبی کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع دیا۔ مطلب یہ ہے کہ جتنی بستیاں بھی انبیاء کرام ؑ کی تکذیب کی بنا پر مستوجب عذاب ٹھہریں ان میں سے کسی بستی کو اس طرح ایمان لانے کی نوبت نہیں آئی کہ جو ان کو عذابِ الٰہی سے نجات دیتا مگر صرف یونس علیہ السلام کی قوم کی مثال ایسی ہے کہ جس نے بروقت ایمان لا کر اپنے کو آسمان کے عذاب سے بال بال بچا لیا۔ جو ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ خدائے تعالیٰ نے ایمان اور توبہ کی بدولت ان سے عذاب ہٹا لیا۔ اور جب تک ان کو دنیا میں رہنا تھا ان کو دنیاوی فوائد اور منافع سے متمتع کیا۔

حضرت یونس علیہ السلام سرزمین موصل میں اہل نینوی کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ کفر اور شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھے۔ یونس علیہ السلام نے ان کو بت پرستی سے منع کیا اور نو سال تک لگاتار ان کو پند و نصیحت کرتے رہے۔ انہوں نے یونس علیہ السلام کو جھٹلایا اور اپنے کفر پر اصرار کیا۔ جب ان کا کفر اور طغیان حد سے بڑھ گیا تو یونس علیہ السلام ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے تو ان کو آگاہ کیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تین دن کے اندر تم پر عذاب نازل ہو گا جب تیسری شب آئی تو یونس علیہ السلام آدھی شب گزرنے پر اس بستی سے نکل کھڑے ہوئے صبح ہوتے ہی عذابِ الٰہی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ آسمان پر سیاہ بادل چھا گیا۔ جس سے سخت دھواں نکلتا تھا ان آثار کو دیکھ کر یقین ہو گیا کہ ہلاکت ہمارے سر پر آ گئی گھبرا کر یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکلے جب یہ معلوم ہوا کہ یونس علیہ السلام بستی میں نہیں ہیں تو اور یقین ہو گیا کہ ہم پر ضرور عذاب نازل ہو گا اس وقت وہ سب لوگ ٹاٹ پہن کر اور بچوں اور عورتوں

اور مویشیوں کو اپنے ساتھ لے کر جنگل میں گئے اور صدق دل سے خدا کے آگے توبہ کی اور کہا کہ ہم یونس علیہ السلام پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور ان سے عذاب کو ہٹا لیا۔
(دیکھو تفسیر قرطبی ص۳۸۴ ج ۸)

یہاں پہنچ کر علماء سلف کے دو قول ہیں۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ہنوز عذاب الٰہی نازل نہ ہوا تھا صرف اس کے ابتدائی آثار نمودار ہوئے ان کو دیکھ کر قوم یونس ایمان لے آئی۔ اور ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے زجاجؒ کا بھی یہی قول ہے کہ عذاب ابھی نازل نہ ہوا تھا انہوں نے فقط علامات عذاب دیکھ کر توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور اگر عین عذاب کو دیکھ لیتے تو پھر ایمان لانا کچھ نفع نہ دیتا اور اسی کو امام قرطبیؒ نے اختیار کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی[1] ص۳۸۴ ج ۸)

اور طبریؒ اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قوم یونسؑ عذاب الٰہی کو دیکھ کر ایمان لے آئی۔ جیسے فرعون غرق ہونے کے وقت ایمان لایا عام قاعدہ تو یہ ہے کہ ایسے وقت کا ایمان معتبر نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے قوم یونس کو اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ کر دیا۔ اور ایسے وقت کا ایمان ان کا معتبر قرار دیا اور فرعون کے ایمان کی طرح اس کو رد نہیں کیا۔ یہ قوم یونسؑ کی خصوصیت تھی مگر محققین کے نزدیک راجح پہلا ہی قول ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ ساری قوموں میں سے صرف ایک قوم یونس ایسی تھی کہ وہ لوگ عذاب کے آثار دیکھ کر ڈر گئے تھے مگر اور کافر ایسے سخت دل تھے کہ علاماتِ عذاب دیکھ کر بھی نہ ڈرے۔

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ گزشتہ بستیوں میں کوئی بستی ایسی نہیں ہوئی کہ جو بتمام و کمال اپنے نبی پر ایمان لے آئی ہو سوائے قوم یونسؑ کے جو نینویٰ کے رہنے والے تھے۔ وہ سب کے سب ایمان لے آئے عذاب کے آثار دیکھ کر ڈر گئے اور سمجھ گئے کہ اللہ کے رسولؑ نے جس عذاب سے ڈرایا تھا وہ حق ہے اور وہ رسولؑ سچا ہے اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کا پیغمبر ان کے درمیان سے چلا گیا ہے تو اور بھی ڈرے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور اللہ کی پناہ ڈھونڈی۔ اللہ نے ان کو پناہ دی اور ان کا ایمان قبول کیا۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص۴۳۲ ج ۲)

---

[1] قال الزجاج انهم لم يقع بهم العذاب وانما راوا العلامة التى تدل على العذاب ولو راوا عين العذاب لما نفعهم الايمان. قلت قول الزجاج حسن فان المعاينة التى لا تنفع التوبة معها هى التلبس بالعذاب كقصة فرعون ولهذا جاء بقصة قوم يونسؑ على اثر قصة فرعون لانه آمن حين رأى العذاب فلم ينفعه ذالك وقوم يونس تابوا قبل ذالك (تفسير قرطبى ص ۳۸۴ ج ۸)

اور اے نبی! اگر تیرا پروردگار چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے۔ لیکن اللہ کی مشیت اور حکمت یہ ہے کہ بعض ایمان لائیں اور بعض کفر کریں سے

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حرص تھی کہ سب ایمان لے آئیں آپ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کیا پس تو لوگوں کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ سب مومن ہو جائیں یعنی یہ آپ کے قبضہ قدرت سے باہر ہے کہ ایمان کسی کے دل میں اتار دیں۔ ایمان اور کفر سب اللہ کے ہاتھ میں ہے کسی نفس کے قدرت و اختیار میں نہیں ہے کہ وہ بدون حکم خداوندی کے ایمان لے آئے۔ بندہ کا ارادہ اور اختیار اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ کفر کی گندگی کو ان لوگوں پر ڈالتا ہے جو سمجھتے نہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان لوگوں کو نوازتا ہے کہ جو عقل و شعور سے کام لیں اور خدا کے نشانات میں غور و فکر کریں اور جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف بھی گوارا نہ کریں بلکہ ہوائے نفسانی کے پیرو بن جائیں ان کو اللہ تعالیٰ کفر اور شرک کی گندگی ہی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا

تو کہہ دیکھو تو! کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور کچھ

تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۱

کام نہیں آتی نشانیاں اور ڈراتے (ڈراوے) ان لوگوں کو جو نہیں مانتے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ

سو اب کچھ راہ دیکھتے ہیں مگر انہیں کے سے دن جو ہو چکے ہیں اُن سے

قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۱۰۲

پہلے۔ تو کہہ اب راہ دیکھو! میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں۔

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا

پھر ہم بچا دیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور جو ایمان لائے اسی طرح۔ ذمہ ہے ہمارا

عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

بچا دیں گے ایمان والوں کو

اہلِ رجس یعنی معاندین کو خطاب تہدید

قال اللہ تعالٰی۔ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الی ... نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۰

(ربط) گزشتہ آیت یعنی وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ میں اہلِ رجس یعنی معاندین کا ذکر تھا کہ لوگ کفر اور عناد کی گندگی میں ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بے عقل ہیں ہوائے نفسانی کے تابع ہیں اب اس آیت میں انہیں اہلِ رجس یعنی معاندین کو خدا کی نشانیوں میں غور و فکر کا حکم ہے اور تہدید بھی ہے کہ کیا یہ معاندین اسی قسم کے عذابوں کا انتظار کر رہے ہیں جو پہلی امتوں پر نازل ہو چکے ہیں خوب سمجھ لیں کہ یہ لوگ بھی عناد کی وجہ سے اسی قسم کے عذاب کے مستحق ہیں اللہ تعالٰی نے تم کو غور و فکر کرنے کے لیے عقل عطا کی اور اعمال خیر کے بجالانے کے لیے قدرت اور اختیار عطا کیا اب اس کا صحیح استعمال تمہارے اختیار میں ہے۔ نبی کا کام فقط بشارت و نذارت ہے خدا کی مہلت کو غنیمت جانو۔ چنانچہ فرماتے ہیں آپ اہلِ رجس سے کہہ دیجئے کہ اگر تم میری آیات نبوت و رسالت میں نظر نہیں کرتے تو آسمانوں اور زمین کے عجائبات کی طرف نظر کرو تاکہ تم کو کمال صنعت ربانی اور منتہائے علم و حکمت یزدانی معلوم ہو آسمان و زمین میں اسکی قدرت کی لاکھوں نشانیاں موجود ہیں تم ان کے تغیرات و انقلابات میں غور کرو تاکہ تم پر اس کی خالقیت عیاں ہو جائے اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانے والے یعنی انبیاء و رسل اس قوم کو جو ایمان نہیں لاتی نشانیوں اور پیغمبر کی ہدایت سے بغیر ایمان لائے نفع نہیں پہنچ سکتا۔ جیسے مشرکین مکہ شق القمر کا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے۔ اور اس کو جادو کہہ کر ٹلا دیا۔ پس کیا یہ منکرین اور معاندین ویسے ہی برے دنوں کے منتظر ہیں۔ جیسے ان لوگوں پر آئے تھے جو اُن سے پہلے گذر چکے۔ یعنی کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ جیسے عذاب قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم صالح وغیرہ امم سابقہ پر آئے تھے ویسے ہی ان پر بھی نازل ہوں اور جو مزہ انہوں نے اپنے کفر کا چکھا تھا ویسا ہی مزہ یہ بھی اپنے کفر کا چکھیں پس آپ کہہ دیجئے کہ اچھا آئندہ واقعات کا تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں آئندہ جو واقعات رونما ہوں گے ان سے صادق اور کاذب کا فیصلہ ہو جائے گا پھر ہم بتلائے دیتے ہیں کہ وہ فیصلہ کس طرح ہوگا۔ اس طرح ہوگا کہ عذاب آئے گا اور اس سے صرف منکرین ہلاک ہوں گے اور اس وقت ہم اپنے رسولوں کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو عذاب سے نجات دیں گے۔ تاکہ دنیا دیکھ لے کہ انبیاء کی پیروی اور

ایمان کی برکت سے نجات ملی۔ حقیقۃ الامر یوں ہی ہے ہمارے ذمہ کہ دوستوں کو نجات دیں۔ اور دشمنوں کو تباہ اور برباد کریں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ

تو کہہ اے لوگو! اگر تم شک میں ہو میرے دین سے تو

فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

میں نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا

وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَاُمِرْتُ اَنْ

لیکن میں پوجتا ہوں اللہ کو جو تم کو کھینچ لیتا ہے اور مجھ کو حکم ہے

اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۴ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

کہ رہوں ایمان والوں میں۔ اور یہ کہ سیدھا کر منہ اپنا دین پر

حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۵ وَلَا تَدْعُ

حنیف ہو کر۔ اور مت ہو شرک والوں میں۔ اور مت پکار

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ

اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا اور نہ برا۔ پھر اگر

فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰۶ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ

تو نے یہ کیا تو تو بھی اس وقت ہے گنہگاروں میں۔ اور اگر پہنچا دے اللہ

اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ

تجھ کو کچھ تکلیف، تو کوئی نہیں اس کو کھولنے والا اس کے سوا۔ اور اگر چاہے تجھ پر کچھ بھلائی

فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو پہنچا دے وہ جس پر چاہے اپنے بندوں

عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝١٠٧

میں - اور وہی ہے بخشنے والا مہربان -

اثبات توحید و حقانیّت دین اسلام

قال اللہ تعالیٰ ۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ ... الیٰ ... وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

(ربط) ابتداء سورت سے یہاں تک اصول دین۔ توحید و رسالت اور حشر و نشر اور قیامت اور دین اسلام کی حقانیت کو روشن دلیلوں سے واضح کیا گیا اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ کفار کا دین اٹکل کے تابع ہے۔ اور حق سے دور ہے۔ اور اس کی ہر بات مشکوک اور مشتبہ ہے اب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ ان منکرین اور مرتابین سے علی الاعلان یہ کہہ دیں کہ اگر اب بھی تم کو میرے اس روشن دین کے بارے میں شک اور تردد ہے تو خیر ہو مگر تم اس خیال خام میں نہ رہنا کہ میں تمہارے مہمل اور باطل دین کو قبول کر لوں گا۔ میں تمہارے اس مہمل اور شکی اور وہمی دین سے بیزار ہوں مجھے اللہ کی طرف صراط مستقیم پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا اصل اصول توحید اور توکل ہے میں تمہارے اُن فرضی معبودوں سے سخت نفور اور بیزار ہوں جو کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں تو اس خداوند قدوس کا پرستار ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں تمہاری جان ہے۔ اور جو تمہاری موت و حیات کا مالک ہے یہ میرے دین کا خلاصہ ہے جس میں ذرہ برابر مجھے شک نہیں۔ آپ ان لوگوں سے جو آپ کے دین کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کہہ دیجئے اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہو تو میں تمہارے سامنے اپنے دین کا خلاصہ بیان کیے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں خدا کے سوا ان چیزوں کو نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو کیونکہ وہ کسی نفع و ضرر کے مالک نہیں۔ لیکن میں اس قادر مطلق کی پرستش کرتا ہوں جو تم کو موت دیتا ہے۔ یعنی جو تمہاری موت و حیات کا مالک ہے اور تمہارا وجود اور عدم وجود اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اور مجھ کو منجانب اللہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس خدا کے ماننے والوں میں سے ہوں جو موت و حیات اور نفع اور ضرر کا مالک ہے اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا کہ تو اپنا رخ سیدھا دین اسلام کی طرف رکھ یکسو ہو کر یعنی دین اسلام اور توحید خالص پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہ در آنحالیکہ تو اور تیرا چہرہ حنیف ہو یعنی صرف ایک خدا کی طرف متوجہ ہو اور تیرا رخ سوائے خدا کے کسی طرف نہ ہو اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تو شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو۔ ظاہر و باطن توحید کے رنگ میں ایسا رنگا ہوا ہو کہ شرک جلی یا خفی کا کوئی شائبہ بھی نہ آنے پائے اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا ایسی چیز کو مت پکار کہ جو نہ تجھے کچھ نفع ہی پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان ہی پہنچا

سکے. پس اگر تو نے ایسا کیا یعنی ایسی چیز کو پکارا تو اس میں شک نہیں کہ تو اس وقت ظالموں میں سے ہو گا یعنی یہ تیرا پکارنا بے محل ہو گا. اور خوب جان لے کہ نفع وضرر کا مالک سوائے خدا کے کوئی نہیں کیونکہ اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے. بیماری یا محتاجگی میں مبتلا کرے تو اس کے سوا کوئی اس تکلیف کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھ کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں پہنچاتا ہے اپنا فضل جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہی کوتاہیوں کو بخشنے والا مہربان ہے بندوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے فضل کو روکتا نہیں۔

قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ

تو کہہ، لوگو! حق آ چکا تم کو تمہارے رب سے

فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِى لِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن ضَلَّ

اب جو کوئی راہ پر آوے. سو وہ راہ پاتا ہے اپنے بھلے کو۔ اور جو کوئی بھولا

فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَآ أَنَا۠ عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ﴿١٠٨﴾

پھرے سو بھولا پھرے گا اپنے برے کو۔ اور میں تم پر نہیں ہوا مختار۔

وَٱتَّبِعْ مَا يُوحَىٰٓ إِلَيْكَ وَٱصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ ٱللَّهُ ۚ

اور تو چل اسی پر جو حکم پہنچے تیری طرف اور ثابت رہ، جب تک فیصلہ کرے اللہ۔

وَهُوَ خَيْرُ ٱلْحَٰكِمِينَ ﴿١٠٩﴾

اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا۔

خاتمہ سورت براتمام حجت اور تبلیغ دعوت

قال اللہ تعالیٰ۔ قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ ٱلْحَقُّ ... الی ... وَهُوَ خَيْرُ ٱلْحَٰكِمِينَ

(ربط) جب دین اسلام اور اس کے اصول کی حقانیت ظاہر ہو گئی تو بطور اتمام حجت کافروں سے خطاب ہوتا ہے کہ دیکھو تمہارے پاس دین حق آ گیا اور نبی کے ذریعہ سے تم تک پہنچ گیا اور اللہ کی حجت تم پر

پوری ہوگئی اب تم حق تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہی کا کوئی عذر اور حیلہ پیش نہیں کر سکتے۔ اب اگر اس سے ہدایت حاصل کر لو تو تمہارا ہی فائدہ ہے ورنہ تمہارا ہی نقصان ہے رسول کا کام خبر دے دینا ہے وہ کسی کا ذمہ دار نہیں اور اس کے بعد آپؐ کو صبر کرنے اور وحی کی پیروی کرنے کا حکم دیا جس سے مقصود آپؐ کی تسلی ہے کہ اگر یہ معاندین آپؐ کی دعوت کو قبول نہ کریں۔ اور برابر اسی سابقہ عداوت اور ایذا رسانی پر قائم رہیں تو آپؐ صبر کیجئے عنقریب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے گا یعنی حسب وعدہ آپؐ کو غالب اور منصور کرے گا۔ یہ مضمون گویا کہ تمام سورت کا خلاصہ اور اجمال ہے۔ ایسا اختتام بلاشبہ حسن اختتام اور مسک الختام کا مصداق ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے نبی! آپؐ کہہ دیجئے اے لوگو تحقیق تمہارے پاس حق آچکا ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ پروردگار کی طرف سے تم پر حجت پوری ہو چکی ہے اب تمہارے لیے کوئی عذر لاعلمی اور بے خبری کا باقی نہیں رہا۔ پس جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی یعنی ایمان لایا اور اطاعت کی پس جز این نیست وہ اپنے ہی نفع کے لیے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوا یعنی کفر پر اڑا رہا۔ اور خدا اور اس کے رسولؐ کو نہ مانا تو اس کی گمراہی کا وبال اس کی ذات پر ہوگا۔ ساری روئے زمین کے باشندے بھی اگر کفر کرنے لگیں تو خدا کی عظمت میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی اور نہ رسول خدا کا کوئی نقصان ہوگا۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تمہارا نگہبان اور داروغہ نہیں کہ تمہارے کفر کے متعلق مجھ سے باز پرس ہو میں تو فقط پہنچانے والا ہوں۔ اور بس اور اے نبیؐ آپ تو اس چیز کی پیروی کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے آپؐ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیجئے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے اور اگر تبلیغ اور دعوت اسلام پر یہ لوگ آپؐ کو ایذا پہنچائیں تو آپ صبر کیجئے یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے۔ کہ حق کو غلبہ دے اور کفر کو ذلیل و خوار کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اس لیے کہ وہ ظاہر و باطن اور ماضی اور حال اور استقبال سب کو یکساں جانتا ہے اور اس کے حکم اور فیصلہ میں بھول چوک اور غلطی کا امکان نہیں۔

لہٰذا اے نبی کریمؐ! آپ ان دشمنوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کیجئے۔ اور اللہ کے فیصلہ کا انتظار فرمائیے وہ انشاء اللہ حسب وعدہ آپؐ کو فتح و نصرت عطا کرے گا یا جہاد اور جزیہ کا حکم نازل کرے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَ مَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

آج بروز چہار شنبہ بوقت عصر ۲ صفر الخیر ۱۳۸۸ھ سورۂ یونس کی تفسیر سے فراغت ہوئی وللہ الحمد والمنۃ۔

آیاتہا ۱۲۳ ۱۱ سُوْرَۃُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ ۵۲ رکوعاتہا ۱۰

سورۃ ہود مکی ہے اور اس میں ایک سو تئیس آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ

کتاب ہے کہ جانچ لی ہیں باتیں اس کی، پھر کھولی ہیں ایک حکمت والے

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝١ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ

خبردار کے پاس سے۔ کہ نہ پوجو مگر اللہ کو۔ میں تم کو اس کی

مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝٢ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ

طرف سے ڈر سناتا اور خوشخبری پہنچاتا ہوں۔ اور یہ کہ گناہ بخشواؤ اپنے رب سے

ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ

پھر رجوع لاؤ اس کی طرف کہ برتاوے تم کو اچھا برتاوا ایک وعدہ

مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ

مقرر تک اور دیوے ہر زیادتی والے کو زیادتی اپنی۔ اور اگر

تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝٣

تم پھر جاؤ گے، تو ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی مار سے۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٤

اللہ کی طرف ہے تم کو پھر جانا۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ

سنتا ہے! وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینے، کہ پردہ کریں اس سے

أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ
سنتا ہے! جس وقت اوڑھتے ہیں اپنے کپڑے وہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں۔
وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝
اور جو کھولتے ہیں۔ اور وہ جاننے والا ہے جیوں کی بات۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اثباتِ حقانیت قرآن و توحید و رسالت و تذکیر آخرت

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ۔۔۔ الی ۔۔۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

(ربط) اول قرآن حکیم کا منزل من اللہ ہونا بیان کیا کہ اس کتاب کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرسل من اللہ ہونا بیان کیا کہ آپ کو بشارت و نذارت کے لیے مبعوث کیا گیا۔ بعد ازاں توبہ اور استغفار کا حکم دیا تاکہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ اور آخرت اور قیامت کو یاد دلایا جس دن بندوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا ملے گی۔ تاکہ پہلے سے تیاری کریں۔ اور چونکہ جزا و سزا کے لیے علم کامل اور قدرت کاملہ کا ہونا ضروری ہے کہ حاکم کو مجرم کے جرم کا علم ہو اور اس کے سزا دینے پر اس کو قدرت اور اختیار بھی ہو اس لیے اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ کے بعد وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سے اپنی قدرت کاملہ کو بیان کیا اور يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ میں اپنے علم محیط کو بیان کیا کہ ہمارا علم ظاہر و باطن سب کو محیط ہے اور بعد ازاں وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا الخ سے اپنی صفت ترزیق و تخلیق کو بیان کیا۔

الٓرٰ اسرار الٰہیہ میں سے اللہ کا ایک بھید ہے جو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ قرآن ایک کتاب ہے جس کی آیتیں نہایت محکم اور مضبوط ہیں یعنی اس کے دلائل ایسے قوی ہیں کہ جن میں نقص اور خلل کو راہ نہیں کیونکہ اس میں وحدانیت اور نبوت و رسالت اور معاد کا اثبات ہے اور یہ ایسے امور ہیں جو دلائل عقلیہ اور فطریہ سے ثابت ہیں جن کو ہر ایک عقل سلیم تسلیم کرتی ہے اور ان میں عیب نکالنے کا موقع نہیں کسی قسم کا تناقض ان میں نہیں پھر اس کی تفصیل بیان کی گئی یعنی ہر حکم کو اچھی طرح سمجھا کر بیان کیا گیا ہے جن میں اجمال اور اغلاق نہیں اور یہ کتاب اس ذات پاک کی طرف سے آئی ہے جو حکمت والا اور خبردار ہے۔ الغرض یہ کتاب اس حکیم و خبیر کے علم و حکمت کا مظہر اور آئینہ ہے اس کا اصل مضمون

اور اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور رہا میں، سو جان لو کہ تحقیق میں اللہ کا نبی ہوں اس کی طرف سے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں بدوں کو عذاب سے ڈراتا ہوں اور نیکوں کو اس کے ثواب کی بشارت سناتا ہوں اور اس کتاب محکم کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ تم اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو یعنی ایمان لے آؤ پھر آئندہ کے لیے اس کی طرف رجوع ہو جاؤ یعنی ہمہ تن اس کی اطاعت اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو ایمان اور عمل صالح کی برکت سے دنیا میں ایک وقت مقررہ تک اچھا بہرہ مند بنائے گا۔ یعنی تمہارے رزق میں برکت ہوگی اور سکون و اطمینان کی زندگی بسر کروگے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بہرہ مند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمت پر شکر کی اور بلا پر صبر کی توفیق عطا کرے گا۔ جس سے تم ہر حال میں خوش رہوگے۔ دنیا داروں کی طرح دنیا کے دیوانے نہ ہوگے اور یہ مرتبہ ایمان اور عملِ صالح کی برکت سے میسر آتا ہے اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ اجر عطا کرے گا۔ اور ہر حال میں اللہ کا فضل اور انعام بندہ کے عمل سے زیادہ رہے گا۔ کم از کم دس گنا تو زیادہ رہے گا یہ میری بشارت ہے اور اگر تم لوگ ہدایت اور دین حق کے قبول کرنے سے اور میری متابعت سے روگردانی کروگے تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ قیامت کے دن کو بڑا دن اس لیے کہا گیا کہ وہ تمام دنوں سے بڑا ہوگا اور یہ میری نذارت ہے مجھ کو خدا نے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے جو میری بشارت و نذارت سے اعراض کرے گا وہ بڑے دن کے عذاب میں مبتلا ہوگا تم سب کو اللہ ہی کی طرف جانا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ یعنی وہ دوبارہ زندہ کرنے اور ثواب و عتاب دینے پر قادر ہے۔ جزا و سزا کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجرم حاکم کے سامنے حاضر ہو۔ سو حق تعالیٰ تم کو اپنے روبرو حاضر کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہ تو حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہوا۔ اب آگے اس کے علم محیط کو بیان کرتے ہیں کہ کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی اس پر مخفی نہیں۔ مشرکین اور بعض منافقین یہ کہتے تھے کہ جب ہم گھر کے دروازے بند کر لیں گے۔ اور پردے چھوڑ دیں اور اپنے کپڑوں میں اپنے آپ کو چھپالیں اور اپنے سینے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت رکھیں تو ہمارے اس راز کو کون جان سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے آئندہ آیت میں اس کا جواب دیا کہ ہم جان سکتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں آگاہ ہو جاؤ اور کان کھول کر سن لو تحقیق یہ کافر اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں۔ یعنی دل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کو چھپاتے ہیں۔ اور اوپر سے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں تاکہ خدا سے چھپ جائیں ان کا گمان یہ تھا کہ جب ہم کپڑوں میں لپیٹ جائیں تو ہماری اس حالت کی خدا کو خبر نہ ہوگی سو آگاہ ہو جاؤ کہ جس وقت وہ لوگ اپنے کپڑوں کو لپیٹتے ہیں اللہ خوب جانتا ہے جو وہ سینوں میں چھپاتے ہیں اور جو زبانوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے علم میں ظاہر و باطن یکساں ہے تحقیق وہ جاننے والا ہے ان بھیدوں کو جو سینوں میں ہیں۔

~ لے کہ در دل نہاں کنی سرّے ❊ آنکہ دل آفریدہ می داند

پس جس خدا پر تمہارے سینے کی بات مخفی نہیں اس پر تمہاری زبانوں کی باتیں کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں" کافر کچھ مخالفت کی بات گھر میں کہتے اس کا جواب قرآن میں اترتا سمجھتے کہ کوئی کھڑا سنتا ہے جاکر رسول خدا سے کہہ دیتا ہے۔ تب ایسی بات کہتے تو کپڑا اوڑھ کر جھک کر دوسرے ہو کر کہتے اللہ تعالیٰ نے تب یہ نازل کیا؛" انتہی

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بعض مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جن پر حیاء کا اس قدر غلبہ تھا کہ استنجاء یا جماع یا دیگر ضروریات بشری کے وقت بھی شرم کی وجہ سے اپنا سر کپڑوں سے ڈھانپ لیتے اور بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے یہ لوگ مغلوب الحال تھے۔ اس آیت میں ان کی اصلاح فرما دی کہ اس غلو اور تعمق کی ضرورت نہیں ہے بندہ کسی وقت بھی خدا سے نہیں چھپ سکتا لہٰذا حوائج بشریہ کے متعلق اس قدر غلو سے کام لینا ٹھیک نہیں۔

آیت کا اصل شان نزول وہی ہے جو شروع میں ذکر کیا گیا کہ یہ آیت کافروں کے حق میں نازل ہوئی لیکن آیت اپنے مدلول عام کے لحاظ سے اگر بعض مسلمانوں کی کسی غلطی کی اصلاح کو متضمن ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

کہ اس آیت پر پارہ یازدہم کی تفسیر ختم ہوئی اب پارہ دوازدہم کی تفسیر شروع ہوتی ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۔

جلد سوم مکمل ہوئی

تصدیق نامہ

مکتبۃ المعارف دار العلوم الحسینیہ شہداد پور کی مطبوعہ تفسیر معارف القرآن مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جلد سوم از پارہ ۸۔۹ ۱۰۔ ۱۱ کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ اس کے متن قرآن کریم میں کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی نہیں ہے۔

واللہ اعلم

(مولانا محمد ایوب صاحب بندھانی)

ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

اوقاف سندھ حیدرآباد